# جواہر الفقہ

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے فقہی مسائل و مقالات [illegible]

مکتبہ دار العلوم کراچی

# جواہر الفقہ

جلد ۲

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

کے چوالیس فقہی رسائل و مقالات کا نادر مجموعہ

مکتبہ دارالعلوم کراچی-۱۴

سن طباعت ... ۱۴۰۳ھ

تعداد .... ایک ہزار

مطبع ...... مشہور پریس کراچی

قیمت ...... ۲۵/=

ملنے کے پتے:

مکتبہ دار العلوم ڈاک خانہ دار العلوم کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دار العلوم کراچی ۱۴

دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

ادارۂ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انار کلی لاہور

# جواہر الفقہ



مفتیٔ اعظم پاکستان

## حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

کے چوالیس ۴۴ فقہی رسائل و مقالات کا نادر مجموعہ

مکتبہ دارالعلوم کراچی-۱۴

# فہرست مضامین جواہر الفقہ جلد دوم

اشاعت اول : جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۳ھ

تعداد : طبع ایک ہزار

طباعت : شہید پریس، کراچی

باہتمام : ناظم مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

توثیق: مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی نائب مفتی، دارالعلوم کراچی ۱۴

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم (ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

دارالاشاعت (مقابل مولوی مسافرخانہ) کراچی نمبر ۱

ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور۔

# فہرست مضامین جواہر الفقہ (جلد اوّل)

## ۲۴۔ حج بدل اور اس کے احکام ۴۹۵

| | | | |
|---|---|---|---|
| اسمبلی کو مشورہ۔ | ۴۹۶ | وہ فقہی رسائل جو فتاویٰ | ۵۰۳ |
| تصدیقات علماء۔ | ۴۹۲ | دارالعلوم دیوبند کا جزء بن کر شائع ہوئے ہیں۔ | |
| **۴۶۔ تعارف فقہی تصانیف حضرت مفتی صاحب ۴۹۵** | | وہ فقہی رسائل جو احکام القرآن عربی کا جزء بن کر شائع ہوئے ہیں۔ | ۵۰۶ |
| فقہی تصانیف جو الگ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ | ۴۹۷ | | |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تعارف

بقلم مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی، نائب مفتی دارالعلوم کراچی

ایسے رسائل کی تصنیف کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے جن میں کسی ایک مسئلہ کی تحقیق اس انداز میں کی گئی ہو کہ اُس کے جملہ متعلقات کا ضروری مواد مرتب شکل میں جمع ہوجائے۔ ایسی تصنیف کو محدثین کی اصطلاح میں "جزء" اور عام علمی اصطلاح میں "رسالہ" کہا جاتا ہے۔

ایسے رسائل کی ابتدائی مثالیں عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابُ الصدقہ جو آپؐ نے عاملوں کو بھیجنے کے لئے آخر حیات میں لکھوائی تھی اور بعد میں وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس محفوظ رہی۔ اس میں زکوٰۃ کی شرحیں اور نصابوں کی تفصیلات درج تھیں (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۲۱۸ تا ۲۲۰ ج ۱) اسی طرح کا ایک رسالہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجتے وقت لکھ کر دیا تھا۔ یہ بھی زکوٰۃ ہی کی تفصیلات پر مشتمل تھا۔ صحیح بخاری میں اس کے اقتباسات کئی جگہ آئے ہیں (مثلاً ص ۱۹۴ تا ۱۹۶ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

عہدِ صحابہؓ کے بعد نت نئے حالات کی وجہ سے ایسے رسالوں کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا اور اس ضرورت کو پورا کرنے والے مردانِ علم و فضل بھی ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اس طرح مختلف فقہی مسائل پر ہر دور میں بے شمار مستقل رسالے لکھے گئے اور بعض فقہاء کے ایسے رسائل کے متعدد مجموعے مرتب کر کے شائع کئے گئے جو بعد کے اہلِ علم کے لئے نہایت مفید ثابت

# عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ

تاریخ تالیف :۔ سنہ ۱۹۶۱ء

اشاعت اوّل :۔ سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق سنہ ۱۹۶۳ء

ناشر :۔ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

ہوئے، رسائل ابن نجیم، رسائل ابن عابدینؒ اور رسائل مولانا عبدالحی لکھنویؒ بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔

اس قسم کے رسالے اس لحاظ سے نہایت گراں قدر اور مفید ہوتے ہیں کہ ان میں مصنف ذہنی یکسوئی کے ساتھ صرف ایک مسئلہ کی تحقیق کا محور بناتا اور امکانی حد تک ان تمام کتابوں کو کھنگالتا ہے جن میں متعلقہ مواد ملنے کا ادنیٰ احتمال بھی ہو، اپنی پوری تحقیقی صلاحیت اور نظر و فکر کے تمام اسلوب بروئے کار لاکر اپنی کاوش کا نچوڑ مختصر رسالہ میں جمع کر دیتا ہے۔

اس نئے دور میں انگلستان کے صنعتی انقلاب اور فرانس کے سیاسی انقلاب نے جو گہرے اثرات پورے دنیا پر مرتب کئے پھر جدید فلسفہ، نئے نظام تجارت و معیشت، مغربی سیاست و قانون اور تہذیب جدید نے جس نوع بنوع گتھیوں کو جنم دیا، نیز نئے نئے فرقوں کی پیدائش اور طرح طرح کی گمراہیوں کے پھیلنے سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا اسلامی حل پیش کرنا علماء عصر کی نازک ذمہ داری بن گئی تھی۔ ماضی کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء و فقہاء اس دور میں بھی پیدا فرمادیئے جنھوں نے اپنی تحقیق و تصنیف کے ذریعہ عصری پیچیدگیوں کو ضروری حد تک سلجھایا اور ثابت کر دیا کہ دین اسلام آج بھی وہ واحد دین ہے جو ہر زمانہ کی ہر مشکل کا حل پیش کر سکتا ہے، اور انتہائی بدلے ہوئے حالات میں بھی اس کے احکام نہ صرف قابل عمل بلکہ دنیا و آخرت کی فلاح کے ضامن ہیں۔

اس صدی کے جن نامور محققین علماء و فقہاء نے یہ خدمت انجام دی ان میں سرفہرست حکیم الأمت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا نام گرامی ہے، جن کی تقریباً ایک ہزار تصانیف اس صدی کا عظیم ترین علمی سرمایہ ہیں۔

## حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تصانیف

والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی ذات گرامی بھی اس صدی کے ان خوش بخت علماء کرام میں ممتاز مقام رکھتی ہے، جنھوں نے

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دورِ حکومت میں جب خلافِ شریعت عائلی قوانین نافذ کیے جانے والے تھے ۱۹۶۱ء میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے ایک ناصحانہ خط صدرِ پاکستان کو لکھا اور ساتھ ہی ان قوانین پر دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں تبصرہ اور متبادل تجاویز تحریر فرمائیں، خط کا جواب آیا مگر تبصرہ و تجاویز پر کوئی عمل نہ ہوا۔

۱۳۸۲ء میں یہ خط اور تبصرہ و تجاویز، بصورتِ رسالہ ادارۃ المعارف سے شائع کر دیا گیا جس کے شروع میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

اس رسالہ کو بھی بہت اہم فقہی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس مجموعہ کا جزو بنایا جا رہا ہے، صدرِ پاکستان کے نام خط کی ضرورت باقی نہ رہنے کے باعث حذف کر دیا گیا۔ یہ خط اور صدرِ پاکستان کا جواب اُس وقت کے اخبارات میں حکومتِ پاکستان نے شائع کرا دیے تھے۔

************

اس نازک کام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی دو سو کے قریب تصانیف جو تفسیر حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، تاریخ، سیاست، ادب، لغت، وعظ و ارشاد غرض ہر دینی شعبے سے متعلق ہیں ان سب کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عصرِ جدید کے ایسے مسائل کو خاص طور سے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے جن کے بارے میں سلف کی کتابوں میں تفصیلی مباحث نہیں ملتے۔

یہ تصانیف علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہونے کے علاوہ ایک لحاظ سے برِ صغیر پاک و ہند کے ان تمام نظریاتی، سیاسی اور معاشرتی رجحانات کی تاریخ بھی ہیں جو پچھلے پچاس برس میں اُمت کے مختلف طبقات میں پیدا ہوئے، کیونکہ اس پوری مدت میں جو نیا مسئلہ پیدا ہوا، یا جس نئے فتنے نے علمی راہ سے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی حضرت والد ماجد مدظلہم نے اُس میں اپنے فتاویٰ، تصانیف، تحقیقی مضامین و مقالات اور رسائل سے اُمت کی بروقت رہنمائی فرمائی۔ اس طرح دین کے ہر شعبہ میں موصوف کی کئی کئی تصانیف وجود میں آگئیں، صرف فقہ پر آپ کی پچانوے (۹۵) تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض اگر صرف سات آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں تو بعض کی ضخامت نو سو (۹۰۰) تک پہنچی ہوئی ہے مثلاً فتاویٰ دار العلوم دیوبند (اُردو) اور احکام القرآن (عربی)

ان فقہی تصانیف کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ فقہی تحقیقات کے سلسلے کی ایک ناگزیر کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں، ان سے قطع نظر کرکے موجودہ بہت سے مسائل کا شرعی حل اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے، ان تصانیف کو اگر بیچ سے نکال دیا جائے تو ماضی اور مستقبل کے درمیان ایسا خلاء پیدا ہو جائے گا جسے پُر کرنا مستقبل کے اہلِ فتویٰ کے لئے انتہائی کٹھن مرحلہ ہوگا۔

والد ماجد مدظلہم کی ان فقہی تصانیف و رسائل کی ایک بڑی تعداد تو مستقل کتابی شکل میں شائع ہوتی رہی ہے جن میں سے اکثر کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ نیز سات رسائل فقہیہ احکام القرآن (عربی) کا جزء بن کر طبع ہوئے ہیں جن کا اُردو ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے، نہ معلوم یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے کس کے نصیب میں لکھی ہے۔ نیز اٹھارہ (۱۸) فقہی رسائل فتاویٰ دار العلوم دیوبند کا جزء بن کر شائع ہو چکے ہیں، ان سب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

# عائلی قوانین کی اہمیت

اور

## ہندو پاک میں اس کی مختصر تاریخ

کسی لکھے پڑھے انسان پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہر قوم و ملت میں جو ازدواجی اور عائلی قانون رائج ہوتے ہیں ان کو ہر قوم و ملت اپنا مذہبی شعار سمجھتی ہے اس کے خلاف کرنے کو حرام کاری قرار دیتی اور انتہائی عار سمجھتی ہے۔ جن قوموں میں مذہب نام کوئی صحیح بنیاد بھی موجود نہیں وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی رسوم کو یہی حیثیت دیتی ہیں اسلام کا قانون جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے وہ اس کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا، قرآن حکیم نے عموماً اصول قانون بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے مگر عائلی قانون میں صرف اصول نہیں۔ بلکہ اکثر جزئیات کو بھی اتنے اہتمام سے بیان کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے شعبے کے قانون میں نہیں ملتی۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جس جگہ جب تک اسلامی قانون صحیح طور پر رائج رہا عورتوں پر شوہروں کے مظالم کا راستہ نہ تھا ہندوستان کے گئے گزرے زمانہ میں بھی جب تک قاضیوں کی عدالتیں قائم تھیں اسلامی

تصانیف کا مختصر تعارف اس کتاب کے آخر میں قارئین کو ملے گا۔

## جواہر الفقہ

پینتالیس (۴۵) فقہی رسائل ایسے تھے جو یا تو اب تک طبع ہی نہیں ہو سکے تھے، یا محض کسی ماہنامہ وغیرہ میں ایک مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے تھے، یا طبع ہو کر نایاب ہو گئے تھے، یا نایاب بھی نہیں ہوئے تھے مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ رکھنا، اور بروقت، اُن سے استفادہ آسان نہ تھا، باذوق اہلِ علم کا عرصہ سے اصرار تھا کہ ایسے سب رسائل کو ایک مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ اُن سے استفادہ آسان ہو، اور یہ عظیم علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی محفوظ ہو جائے، خصوصًا شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ، جو والد ماجد کی تصانیف کے بجا طور پر بہت مداح اور قدر شناس تھے اور ہر تصنیف کا ہر ایڈیشن حاصل کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اُن کا تو ہمیشہ ہی یہ اصرار رہتا تھا۔

میرے برادر بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کیفی رحمۃ اللہ علیہ جن کو آج "رحمۃ اللہ علیہ" لکھتے ہوئے جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے اور جو ابھی اٹھارہ روز قبل اچانک اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، انھوں نے پچھلے سال لاہور میں اس کام کا آغاز نہایت اہتمام سے فرمایا، ایسے رسائل کو بمشکل تمام مختلف جگہوں سے حاصل کیا، بعد ازاں کراچی میں کچھ اور رسائل و مقالات حضرت والد صاحب مدظلہم کے مسودات میں، اور کچھ ماہنامہ القاسم دیوبند، ماہنامہ المفتی دیوبند، اور ماہنامہ "البلاغ" کراچی کے پرانے فائلوں میں دستیاب ہو گئے اور جوں جوں تلاش جاری رہی ایسے رسائل ملتے چلے گئے، یہ گراں مایہ رسائل جس انداز میں نایاب، منتشر یا مخفی ہو گئے تھے خطرہ تھا کہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہی ہو جاتے، غرض ان تمام رسائل کو جمع کر کے حضرت والد ماجد مدظلہم کی اجازت سے مرتب کیا گیا، ہر رسالہ کی تاریخ و مقام تصنیف اور مختصر تعارف ہر رسالہ کے شروع میں لکھ دیا گیا، اسی اثناء میں بعض رسائل پر حضرت والد ماجد مدظلہم نے نظر ثانی بھی فرمائی، اس طرح فقہی رسائل کا یہ عظیم الشان مجموعہ

تک بھی عورتوں پر یہ مصیبت نہ تھی جو خالص انگریزی دور اور انگریزی عدالتوں کے زمانہ میں پیش آئی۔

## عائلی مظالم کی روک تھام کیلئے علماء کا اقدام

آج جب موجودہ عائلی قانون کے خلاف شرع اور منافی قرآن وسنت ہونے کی بنا پر علماء کی طرف سے احتجاج ہوتا ہے تو بہت سی خواتین یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ علماء کو ان کے مصائب کی طرف التفات نہیں اس لئے اس قانون کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اس کو بنیاد ٹھیرا کر علماء کو مخالفت کا ہدف بنالیا جاتا ہے۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہے ان کے مصائب کا اصل سبب انگریزی دور کا غیر اسلامی قانون اور پھر اس کا طول طویل ضابطہ کارروائی ہے۔ جس میں کسی مظلوم عورت کو دادرسی تک پہونچنے سے پہلے اتنے مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں کہ وہ شوہر کی پیدا کی ہوئی مصیبت پر صبر کرنے کو ان کے مقابلہ میں آسان سمجھتی ہے۔

مگر علماء ہی کا طبقہ ہے جنھوں نے ہر زمانہ اور حکومت کے ہر دور میں عورتوں سے عائلی مظالم کے انسداد کے لئے مقدور بھر کوشش جاری رکھی ہے۔ انگریز گورنمنٹ نے جب کبھی ہندوستانیوں کو کچھ اصلاحات دینے کی پیش کش کی اور اس کے لئے کوئی کمیشن یا کمیٹی بنائی ہر ایک کے سامنے علماء ہی کی طرف سے ان مظالم کے انسداد کی تجویزیں پیش ہوئیں اور ہوتی رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سرکاری حلقوں کی حمایت حاصل نہ ہونے کے سبب وہ ہمیشہ نظر انداز ہوتی رہیں اور یہ مظلوم صنف نازک اپنی مصائب میں کراہتی رہیں۔

علماء میں خصوصیت کے ساتھ ارباب فتویٰ کے سامنے چونکہ عورتوں کے مظالم اور مصائب بصورت سوالات آتے رہتے تھے اس لئے وہ سب سے زیادہ متاثر تھے۔ اور قانونی اختیارات نہ ہونے کے سبب مشکل کا حل ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔ تاہم جس قدر سہولتیں دائرہ شریعت میں رہ کر دی جاسکتی تھیں وہ فتووں کے ذریعے دیتے رہتے تھے مگر انسداد مظالم اور حل مشکلات کے لئے کافی نہ تھیں۔

بحمد اللہ تیار ہو گیا۔ برادرِ بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کیفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام "جواہر الفقہ" تجویز کیا تھا جسے والد ماجد مدظلہم نے پسند فرمایا اور اب اسی نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع و ترتیب میں احقر کو بھی کچھ وقت صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائی، مگر افسوس ہے کہ اس کی تکمیل آج اس وقت ہو رہی ہے جب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور برادرِ بزرگوار جناب بھائی جان رحمۃ اللہ علیہما اس دنیا میں اُسے دیکھنے کے لئے موجود نہیں، ان دونوں حضرات کو اس مجموعے سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی، وہی اس کے سب سے پہلے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین۔

## اِس مجموعہ کی خصوصیات

۱- اس مجموعہ میں حضرت والد ماجد مدظلہم کے صرف فقہی رسائل شامل کئے گئے ہیں۔ دوسرے دینی موضوعات پر ایسے رسائل کا مجموعہ الگ زیرِ ترتیب ہے۔

۲- اس مجموعہ میں فقہی رسائل بھی صرف وہ شامل کئے گئے ہیں جو

(الف) اب تک طبع نہیں ہوئے یا

(ب) کسی ماہنامہ وغیرہ میں مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے الگ کتابی شکل میں نہ آئے تھے یا

(ج) طبع ہو کر عرصے سے نایاب ہو گئے تھے یا

(د) نایاب بھی نہ تھے مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث اُن کا الگ الگ محفوظ رکھنا اور بر وقت اُن سے استفادہ آسان نہ تھا۔

۳- اس مجموعہ میں رسائل کی باہمی ترتیب امکانی حد تک ابوابِ فقہیہ کی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے، مثلاً نماز سے تعلق رکھنے والے رسائل کو ان رسائل پر مقدم کیا گیا ہے جن کا تعلق روزہ اور رمضان سے ہے۔ اسی طرح آخر تک ہے۔

## حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی جدوجہد ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ان مشکلات سے متاثر ہوکر اس پر غور کرنا شروع کیا کہ اگرچہ اس ملک کی اکثریت حنفی اور اہل فتویٰ بھی حنفی ہیں مگر ضرورت کے مواقع میں شرائط کے موافق دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ شرعی عدالتیں قائم ہونے کی صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک شرعی پنچایت بھی عائلی مسائل میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ اور وہ شرعاً نافذ ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے موصوف نے مالکی مذہب کی کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ علماء مالکیہ سے حرمین شریفین میں خط و کتابت کر کے پوری تفصیلات ان مسائل کی معلوم فرمائیں۔ اور پھر مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے احکام و مسائل ترتیب دیئے اور مزید احتیاط کے لئے مشترکہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء کے پاس ملاحظہ اور تصدیق کے لئے بھیجا۔ جس میں علماء کے باہمی بحث و تمحیص میں کافی عرصہ لگا اور بالآخر تمام علماء ہندوستان کے اتفاق سے ان کو بنام "حیلہ ناجزہ" شائع کیا۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ نزاعی معاملات کا فیصلہ جب تک حکومت تسلیم نہ کرے وہ عموماً نزاعی ہی رہتا ہے پنچایت کے فیصلے سے بغیر حکومت کی تسلیم کے اکثر اوقات نزاع ختم نہیں ہوتا اس لئے حضرت ممدوح نے ایک دوسری کوشش اس کی شروع کی کہ اسمبلی میں پیش کرانے کے لئے بصورت بل ایک مسودہ تیار کیا اور جناب کاظمی صاحب ممبر اسمبلی کی طرف سے نوٹس دلوا کر یہ مسودہ اسمبلی میں پیش کرایا جو بعد میں کاظمی ایکٹ یا ایکٹ انفساخ نکاح کے نام سے ملک میں جاری ہوا۔ اور آج تک جاری ہے۔

لیکن قطع نظر اس کے کہ اس کے پاس ہونے تک کے سارے مراحل طے کرتے کرتے جب یہ بل پاس ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں ہندوؤں کی مخالفت اور علم دین سے ناواقف مسلمانوں کی حمایت سے ایسی تبدیلیاں ہوگئیں جن کی وجہ سے اس میں بہت سی چیزیں خلاف شرع داخل ہوگئیں اور ضروری شرعی شرائط چھوٹ گئیں۔ اس لئے پھر حضرت ممدوح

۴- ہر رسالہ کے شروع میں اس کا مختصر تعارف اور اس کی تصنیف کا پس منظر بیان کر دیا گیا ہے۔

۵- اس مجموعہ کے بعض رسائل عوام کے لئے آسان زبان میں لکھے گئے تھے اور اکثر کا اسلوب تحریر تحقیقی و اصطلاحی ہے کیونکہ وہ خاص اہل علم کے لئے لکھے گئے تھے۔

۶- تمام رسائل کی مفصل فہرست مضامین مجموعہ کے بالکل شروع میں ترتیب وار درج کر دی گئی ہے۔

۷- اکثر رسائل میں عنوانات خود حضرت والد ماجد مدظلہم کے قائم کردہ ہیں صرف تین رسالوں (۱) عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ (۲) ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ (۳) یتیم پوتے کی میراث، میں عنوانات احقر نے قائم کئے ہیں۔

۸- یہ سب کام مؤلف مدظلہم کے ایما و اجازت سے کیا گیا ہے۔

۹- ان میں سے کئی رسائل پر حضرت مؤلف مدظلہم نے حال ہی میں نظر ثانی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مشکل مسائل میں یہ عظیم مجموعہ عرصۂ دراز تک امت کی رہنمائی کرے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین

محمد رفیع عثمانی

نائب مفتی دار العلوم کراچی ۱۴

۲۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

نے احقر راقم الحروف کو ایک ترمیمی مسودہ تیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ "حیلہ ناجزہ" کی تصنیف اور مسودہ بل کی ترتیب میں بھی حضرت موصوف نے از راہ کرم احقر کو شریک رکھا تھا۔ اور اس مسودہ کے ذریعہ ممبران اسمبلی سے مل کر ترمیم کی کوششیں کی گئیں مگر ناکام رہیں۔ ابھی اثناء میں تحریک پاکستان قوت کے ساتھ اٹھی اور اس نے تمام مشاغل کو مؤخر کر دیا۔

## پاکستان میں عائلی مسائل کی تاریخ

پاکستان بننے کے بعد ہماری حکومت نے جب پہلا لار کمیشن بنایا جس کا احقر بھی ممبر رہا ہے تو اس میں بھی جب عائلی مسائل کی نوبت آئی راقم الحروف نے ایسی تجاویز پیش کیں جن سے عورتوں کی مشکلات کا صحیح حل اور ظلم سے نجات کی صورتیں قرآن وسنت کے تحت عمل میں آسکیں۔ لیکن مقدرات سے یہ لار کمیشن بھی اپنا کام نہ کر سکا اور یہ مسائل اسی طرح رہ گئے۔

اس کے بعد ہماری حکومت نے ان مقاصد کے لئے ایک عائلی کمیشن مرتب کیا مگر افسوس کہ اس میں اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ عائلی مسائل کا بیشتر حصہ خالص مذہبی اور شرعی ہے اس میں ایسے ہی لوگوں کی تجویز عام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے جن کی علوم دینیہ کی مہارت پر پورے ملک کو اعتماد ہو۔ اس کمیشن میں صرف ایک عالم مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو لیا گیا۔ کمیشن نے ایک سوال نامہ پورے ملک میں شائع کرایا۔

سوال نامہ سے کمیشن کے عزائم اور ان کے مضرات کی غمازی ہوتی تھی۔ ملک بھر میں علماء کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی طرف سے سوالات کے جوابات میں بھی ان چیزوں پر اقدام کرنے کی شدید مخالفت ظاہر کی گئی جن میں خلاف شرع قانون سازی کا احتمال پایا گیا — بالآخر کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کر دی جس میں علماء دین کے جوابات کو یکسر نظر انداز کر کے قرآن وسنت کے بالکل خلاف قوانین کی سفارش کی گئی۔

اس کمیشن میں جو ایک عالم مولانا احتشام الحق صاحب تھے انہوں نے اس رپورٹ

وصول الافکار
الیٰ
اصول الاکفار

# تکفیر کے اُصول

اور

آغاخانی فرقہ کا حکم

پر اپنا اختلافی نوٹ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا جو اس رپورٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

رپورٹ کے شائع ہونے پر اطراف ملک سے ہر طبقہ کے مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا۔ اس کے نتیجہ میں حکومت نے اس کو سکوت والتوا میں ڈال دیا۔ معلوم نہیں کن اسباب ودواعی کے ماتحت مارشل لار حکومت کے دوران میں اس دفن شدہ قانون کو پھر نکالا گیا۔ اور پچھلی حکومتوں کے بنائے ہوئے تمام سابقہ قوانین اور منصوبوں میں سے صرف اسی کو اس قابل سمجھا گیا کہ تمام مذہب پرست مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود اس کو ان پر مسلط کر دیا جائے۔ اس کے لئے آنا انتظار بھی گوارا نہ کیا گیا کہ آگے آنے والی اسمبلی اس پر غور کرے جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کی اصل محرک بعض خواتین ہوئیں جنھوں نے یہ سمجھ کر اس پر اقدام کیا کہ اس کے ذریعہ مظلوم عورتوں کی دادرسی اور ان کی مشکلات کا حل نکلے گا۔ اور جن علمار نے اس قانون کی مخالفت کی ان کے بارہ میں اس طرح کے کلمات سننے میں آئے کہ یہ لوگ عورتوں پر ہونے والے مظالم سے یا بے خبر ہیں اور یا جان بوجھ کر اُن کو نظر انداز کر رہے ہیں جس کا بے بنیاد اور غلط ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

اخبارات میں یہ خبریں گرم ہوئیں کہ یہ قانون نافذ ہونے والا ہے اس وقت لاہور میں مختلف مکاتب فکر کے چودہ مشاہیر علمار نے جمع ہو کر اس نافذ ہونے والے قانون پر تنقید کی اور گورنمنٹ سے احتجاج کیا کہ اس کو نافذ نہ کیا جائے۔ جس پر کوئی اثر لینے کے بجائے اس کو ممنوع الاشاعۃ قرار دیدیا گیا۔ اسی طرح چالیس سے زائد علمار سرحد کی طرف سے پھر مشرقی پاکستان کے چوراسی مشاہیر علمار کی طرف سے اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔

مقصد کی اہمیت اور معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر احقر نے یہ صورت اختیار کی کہ مطالبہ واحتجاج کی راہ چھوڑ کر جناب صدر مملکت کی خدمت میں ایک ہمدردانہ مشورہ کی صورت سے ایک معروضہ پیش کیا۔ جس کے ساتھ اس قانون کے خلاف قرآن وسنت ہونے کو اختصار کے ساتھ ظاہر کر کے عرض کیا کہ یہ بطور نمونہ کے چند دلائل قرآن

تاریخ تالیف ——— رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ

مقام تالیف ——— دیوبند ضلع سہارنپور

طبع اول ——— دارالاشاعت دیوبند ۱۳۵۱ھ

"کفر اور اسلام کا معیار کیا ہے؟ کسی مسلمان کو کس وجہ سے مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟ اور کونسی گمراہیاں انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں؟ ان سوالات کا جواب اس مقالہ کا موضوع ہے۔ اور اس ضمن میں چکڑالوی مرزائی اور آغاخانی فرقوں کی صحیح حیثیت بھی واضح کی گئی ہے۔"

قرآن و سنت کے لکھے گئے ہیں اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہو گی تو وہ بھی پیش کی جائیگی
یہ بات بالقصد اس لئے لکھی تھی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ جب سے اس قانون کے ملک
میں نافذ کرنے کی تجویز سامنے رکھی گئی ہے دو طرح کے لوگوں سے اس کی تائید
حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ایک تو وہ آزاد لوگ جو اپنے معاملات میں
قرآن و سنت اور احکام شرع کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے ان سب سے آزاد ہو کر ہی
پسند پر اپنے قانون کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں انہوں نے اسلامی قانون میں مضرتیں اور
تکلیفیں اور اس نئے قانون میں ان کا ازالہ اپنے طرز سے پیش کر کے ناواقف مسلمانوں
کے ذہنوں کو الجھایا ہے دوسرے کچھ وہ لوگ جو کچھ عربی جاننے کی بنار پر علماء کہلاتے ہیں
اور ان کی کوشش خواہ اپنے ذاتی خیال سے یا کسی طمع اور لالچ سے یہ رہتی ہے کہ اسلام
کا ایک ایسا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے جس سے مغربی تہذیب خفا نہ ہو یا جس سے ان کے
افسروں کی خوشنودی حاصل ہو خواہ اس کے لئے قرآن و سنت کی نصوص میں کتنی ہی کھینچ
تان بلکہ چیر پھاڑ کرنا پڑے۔

ان حضرات نے قرآن و سنت اور ان کے متعلقات کے حوالے سے ایسا مواد فراہم
کر دیا جو علم دین سے ناواقف مسلمانوں کے لئے اچھا خاصہ الجھاؤ پیدا کر دے جس سے
کم از کم عوام یہ سمجھ لیں کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کچھ علماء حمایت کر رہے ہیں کچھ مخالفت۔
اس بات کے لکھتے وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ اگر اس طرح کے کچھ مغالطے ہمارے ذمہ داروں کے
ذہن میں ڈالے گئے تو تفصیل کے وقت ان کو صاف کر دیا جائے گا۔

مگر ہوا یہ کہ ہماری حکومت نے میرا خط اور صدر محترم کا جواب پریس کو دے کر
شائع کرا دیا اور جو تحریر اس قانون کے خلاف قرآن و سنت ہونے کے متعلق تھی اس کو
شائع کرنے کے بجائے اس پر اکتفا کیا کہ صدر محترم نے میرے جواب میں یہ لکھ دیا تھا کہ
اس کا جواب وزارت متعلقہ دے گی ــــ میرے خط مورخہ یکم اپریل ۱۹۶۱ء کا جواب مجھے
۲ رجون ۱۹۶۱ء کو ملا۔ میں نے کئی مہینے تک وزارت متعلقہ کے جواب کا انتظار کرنے کے
بعد ۳ رجولائی ۱۹۶۱ء کو بذریعہ رجسٹری خط یاد دہانی کی تو کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وزیر قانون

# سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی رائے گرامی

## رسالہ وصول الافکار الی اصول الاکفار کے متعلق

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے ایک مفصل خط پر تنقید کے آخر میں حضرت تھانویؒ نے مندرجہ ذیل جملے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خط ۷ رشعبان ۱۳۵۱ھ کا تحریر فرمودہ ہے اور ماہنامہ "النور" تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا تھا اور پھر امداد الفتاوی مبوب کی جلد چہارم ص ۵۲۹ پر شائع ہوا ہے۔ وہ جملے یہ ہیں۔

"مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے۔ بعض اجزاء میں میں بھی اُلجھا تھا، مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہوگیا۔ وہ عنقریب چھپ جاوے گا، میں نے اس کا نام رکھا ہے وصول الافکار الی اصول الاکفار"۔ ۷ رشعبان ۱۳۵۱ھ

سے کراچی آنے کے وقت ملاقات کر کے اس کے جواب کے لئے عرض کیا مگر مجھے بھی اس کا کوئی جواب نہ ملا اور یہ قانون ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

صدر محترم کے جواب میں بھی کئی باتیں ایسی تھیں جن کے متعلق اُن سے دوبارہ کچھ عرض کرنا تھا لیکن اس مختصر تبصرہ کا متوقع جواب جو وزارت قانون کی طرف سے ملنا چاہیئے تھا اس کے انتظار میں یہ کام بھی مؤخر ہوتا رہا۔

اسی دوران میں مارشل لا ختم ہو کر قومی اسمبلی وجود میں آگئی اور اس میں اس مسئلہ پر بحث ہو کر یہ طے ہو گیا کہ اس کو اسلامی مشاورتی کونسل میں بھیج دیا جائے جو اسی قسم کے مسائل کے حل کے لئے نامزد کی گئی ہے تاکہ وہ اپنا فیصلہ اسمبلی میں پیش کرے۔

عائلی قانون پر بطور نمونہ مختصر تبصرہ جو جناب صدر مملکت کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور مراسلت شائع ہونے کے ساتھ وہ شائع نہ ہوا تھا۔ اس کی اشاعت کے لئے بہت سے احباب اور عام مسلمانوں کا تقاضا پہلے سے تھا اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ میں اپنی اس تحریر کو شائع کر کے ممبران اسمبلی کے پاس بھیج دوں تاکہ وہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے وقت میری معروضات کو بھی سامنے رکھیں۔

اس ارادہ کے ساتھ یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ پچھلی تحریر میں اختصار کی وجہ سے جن مواقع میں کچھ اجمال رہ گیا تھا اس کی کچھ وضاحت کر دی جاوے نیز جن قابل اعتراض دفعات کا اس میں ذکر نہیں کیا گیا تھا اس میں ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے تاکہ نیک نیتی اور انصاف کے ساتھ مسئلہ پر غور کرنے والے حضرات تصویر کے ہر رُخ کو پوری طرح دیکھ کر کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔

واللہ الموفق والمعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً سیدنا محمد المجتبیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ

امّا بعد

کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۔ (نساء : ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کرکے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں (یعنی جب تم اوّل مسلمان ہوئے تھے اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں تو تم کیا کرتے)

الغرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے اسی طرح اس کے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے۔

اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَھْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا (نساء : ۸۸)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

# ازدواجی وعائلی قوانین

## آرڈی ننس ۸ سنہ ۱۹۶۱ء

## پر مختصر تبصرہ

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس قانون کا حقیقی منشا مسلم خاندانوں کے اندر پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرنا ہے۔ جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے یہ بہت مبارک مقصد ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں دین اسلام کا ہر خادم بدل وجان آپ کی تائید کرے گا۔ لیکن جو حضرات نے علوم دینیہ کو صحیح اصول کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ازدواجی زندگی اور تقسیم وراثت میں جس طرح کی خرابیاں پیدا ہوا کرتی ہیں یا ہو سکتی ہیں۔ قرآن وسنت نے ان کی اصلاح کا بہترین نظام بنا لیا ہے۔ جس کا مختصر خاکہ اس تحریر کے آخر میں دیا گیا ہے۔ اس لئے جو حضرات اس مبارک مقصد کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہیں ان کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

(۱) ازدواجی وعائلی قوانین ہر قوم وملت کے خالص مذہبی قوانین ہوتے ہیں جن کی تقدیس کو وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اسی لئے جو حکومتیں کسی قوم کے مذہب میں مداخلت کو پسند نہیں کرتیں وہ ہر جگہ ہر قوم کے پرسنل لا کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہیں۔ انگریزوں کے پورے دور حکومت میں مسلمانوں، ہندوؤں اور دوسری قوموں کے ازدواجی وعائلی مسائل کو ہمیشہ محفوظ اور آزاد رکھا گیا اور آج بھی ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے یہ قوانین خالص ان کے مذہبی اصول کے تابع محفوظ رکھے

سلف صالح صحابہ وتابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گذار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ قاریؒ نے شرح شفاء (فصل تحقیق القول فی اکفار المتاولین) میں فرمایا ہے:-

| | |
|---|---|
| ادخال کافر فی الملۃ الاسلامیۃ واخراج مسلم عنہا عظیم فی الدین | کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا (دونوں چیزیں) سخت ہیں۔ |

(شرح شفاء ص ۵۰۰ ج ۲)

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلافِ شرع بلکہ خلافِ طبع کوئی بات کسی سے سرزد ہوئی اور اُن کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ اور اُن کے مقابل دوسری جماعت ہے جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رکھتے بلکہ وُہ ہر اُس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکامِ اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے اُن کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انھوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے۔ وہ بہرحال مسلمان ہے۔ اور اُس کو اپنے نزدیک وسعتِ خیال اور وسعتِ حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام سیاسی مصالح کا محور و مدار اسی کو بنا رکھا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کجروی اور افراط و

ہیں خصوصاً شریعت نے تو اوّل دن سے اس معاملہ میں ہر قوم و ملت کو پوری آزادی دی ہے کہ ازدواجی اور عائلی مسائل میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں۔ اور اُن کے اس عمل کا یہاں تک تحفظ کیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد زوجین مسلمان ہو جائیں تو ان کا بحالت کفر کیا ہوا نکاح برقرار اور اسلام میں بھی جائز سمجھا جائے گا۔

ان حالات میں اگر مسلمانوں کے ازدواجی مسائل میں قرآن و سنت اور فقہائے امت کے طے کردہ قوانین سے مختلف کوئی بھی قانون نافذ کیا گیا۔ خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاحی جذبے سے کیا گیا ہو۔ پوری مسلمان قوم بدیہی طور پر اُس کا یہ اثر لے گی کہ اپنے اسلامی ملک میں ہمارا شخصی قانون بھی محفوظ نہ رہا جو انگریز اور ہندو کے ہر دور میں محفوظ چلا آ رہا تھا۔ اور خود پاکستان میں دوسری قوموں کے لئے آج بھی محفوظ ہے۔ مسلمان اس صورت میں اپنے آپ کو سخت مظلوم پائیں گے۔ ان حالات میں اگر کسی قانونی دباؤ سے بالفعل ان کو خاموش بھی کر دیا گیا تو ان کے دینی جذبات بری طرح مجروح ہوں گے اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بجا طور پر مظلوم سمجھتے ہوئے اضطراب و بے چینی کی زندگی گذاریں گے جو کسی وقت بھی ملک کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔

(۲) جناب پر یہ بات مخفی نہیں کہ بحمد اللہ پاکستان کے عوام کا مزاج خالص مذہبی ہے اور وہ اپنے مذہبی مسائل میں بجا طور پر صرف انہیں حضرات کے فیصلوں کو معتبر اور قابل اتباع سمجھتے ہیں جنھوں نے قرآن و سنت اور اصول دین کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے میں اپنی عمریں وقف کی ہیں اور اسی خدمت میں مشغول ہیں۔ عامۃ المسلمین اپنے عمل میں کتنی ہی غفلت اور کوتاہی کے شکار ہو جائیں مگر مذہبی شعار اور مسائل میں حق اسی کو جانتے ہیں جو علماء دین کے فتووں اور فیصلوں سے معلوم ہو۔

موجودہ رسمی قوانین کے جاننے والے اگر پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی اِن مسائل میں کوئی قانونی تبدیلی کرنا چاہیں تو وہ کسی طرح عامۃ المسلمین کے لئے قابل قبول نہیں

تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے جو شخص اُس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے اور کوئی تنگی اپنے دل میں اُس کے ماننے سے محسوس نہ کرے وہ مسلمان ہے اور جو اس قانونِ الٰہی کے کسی ادنیٰ حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلا شبہ و بلا تردد دائرۂ اسلام سے خارج ہے اُس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے اور اُس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوچکا ہے۔

اور یہ ایک مضرت ایسی ہے کہ اگر فی الواقع ہزاروں مصالح بھی اس کے مقابلہ میں موجود ہوں تو وہ کسی مذہب دوست مسلمان کے لئے ہرگز قابلِ التفات نہیں ہوسکتیں بالخصوص جب کہ وہ مصالح بھی محض موہوم اور خیالی ہوں

الغرض ابنائے زمانہ کی اس افراط و تفریط اور کفر و اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی کو دیکھ مدت سے خیال ہوتا تھا کہ اس بحث پر ایک مختصر جامع رسالہ لکھا جائے جس میں کفر و اسلام کا معیار ہو۔

اور اصولی طور پر یہ بات واضح کردی جائے کہ وہ کون سے عقائد یا اقوال و افعال ہیں جن کی بناء پر کوئی مسلمان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اسی اثناء میں ذیل کے سوال کا جواب لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ تو اسی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا جس سے علاوہ اصولِ تکفیر معلوم ہونے کے بعض فرقوں کا حکم بھی واضح ہوگیا۔ اور مرتد کے بعض احکام بھی معلوم ہوگئے اور اس مجموعہ کا نام "وصول الافکار الی اصول الاکفار" رکھا گیا ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ؕ

---

ے یہ رسالہ حضرت [illegible] حکیم الامت [illegible] دامت برکاتہم نے [illegible] ملاحظہ فرمایا اور بہت سی اصلاحات سے مزین فرمایا۔ اور اس کا نام "وصول الافکار الی اصول الاکفار" تجویز فرمایا۔

ہو گی جب تک مذہبی اعتبار سے اس پر اعتماد نہ ہو۔

(۳) یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ مذہبی مسائل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کا تعلق عرف اور رسم و رواج یا شخصی اور مقامی حالات سے ہوتا ہے۔ وہ عرف اور حالات کے بدلنے سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ حالات و مقامات کے تابع ضروری حد تک ان میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ اور ہر زمانہ کے علماء ایسے مسائل میں اپنے اپنے ماحول کے اعتبار سے اسلامی قانون کے مزاج اور اس کی بنیادی ساخت کو محفوظ رکھتے ہوئے ان میں مناسب حال احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے وہ مسائل ہیں جو زمان و مکان اور اقوام و اشخاص کے بدلنے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے یہ اسلام کے غیر متبدل قوانین ہیں۔ ان میں کوئی تغیر تبدل خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاح کے پیش نظر کیا جائے وہ دین کی تحریف اور الحاد کہلاتا ہے اور اسلامی حیثیت سے بالکل ناقابل قبول ہے تمام عبادات اور ازدواجی و عائلی مسائل اسی قسم دوم میں داخل ہیں۔ نکاح و طلاق کے ذریعہ جو چیزیں حلال یا حرام ہوتی ہیں اور جن قیود و شرائط کے ساتھ ہوتی ہیں ان میں قطعاً کسی زمانی یا مکانی اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وہ نزول قرآن کے زمانہ سے قیامت تک کے لئے ایک ہی ہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے عوام پر بھی یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن نے جس تفصیل کے ساتھ ازدواجی قانون کی جزئیات تک بیان فرمائی ہیں اور کسی قانون کی اتنی تفصیل نہیں دی۔ جس میں راز بھی یہ ہے کہ غیر متبدل قانون کو علماء فقہاء کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا۔

(۴) ان حالات میں ازدواجی اور عائلی مسائل کے متعلق جو قوانین بنائے گئے اول تو یہ ضروری تھا کہ علوم اسلامیہ کے ماہرین کی تحقیق و رائے کو ان میں خاص وزن دیا جاتا اور جن ائمہ امت کے علم و فضل تقویٰ و تدین پر امت مسلمہ کو پورا اعتماد ہے

# سوالِ اوّل

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے ؟

# الجواب !

ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں ۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں ۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں ۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے ۔ جیسے عیسائی ، یہودی ، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے یا خداوندِ عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے ۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر دے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے ۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکار قرآن مجید یا انکارِ رسالت کے مرادف و ہم معنی ہیں ۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریقِ تواتر ثابت ہوا ہو ۔ یہ صورت بھی باجماعِ اُمت ارتداد میں داخل ہے اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو ۔

ارتداد کی اس دوسری صورت میں اکثر مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اور ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں ۔ اور یہ اگرچہ بظاہر ایک سطحی اور معمولی غلطی ہے ۔ لیکن اگر اس کے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے تو اسلام اور مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں ۔ کیونکہ اس صورت میں کفر و اسلام کے حدود ممتاز نہیں رہتے کافر و مومن میں کوئی امتیاز نہیں رہتا ۔ اسلام کے چالاک دشمن اسلامی برادری کے ارکان بن کر مسلمانوں کے لئے

ان کے بیان کردہ اصول و فروغ کے دائرہ سے ایک سرمو انحراف کئے بغیر مسائل کا حل تلاش کیا جاتا۔ مگر سوئے اتفاق سے ایسا نہ ہوا۔ عائلی کمیشن میں صرف ایک عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی کو لیا گیا تھا انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق عائلی کمیشن کی رپورٹ پر مبسوط اختلافی نوٹ لکھا۔ اور جب یہ قوانین عام مسلمانوں کے سامنے آئے تو بلا استثنار ملک کے ہر مکتب خیال کے علماء اور عوام نے ہر طرف سے اس بنا پر اس کی مخالفت کی کہ اس میں بہت سی چیزیں خلاف شریعت اور صریح احکام قرآن وسنت سے متصادم ہیں اور بہت سے حضرات نے تفصیلی طور پر اس کی نشاندہی بھی کی، اسی لئے پچھلے سیاستدانوں کے دور میں اس کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔

لیکن معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئے کہ اس وقت جبکہ ہمارے ملک کے لئے بہت سے ایسے اصلاحی معاملات سامنے ہیں جن میں پورے ملک کے کسی فرد یا جماعت کو اختلاف نہیں اور ان کے نہ ہونے سے پورا ملک تباہی کی طرف جا رہا ہے اس لئے ان کی اصلاح ہر حال میں سب کاموں سے مقدم اور ان کے اثرات پورے ملک کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں۔ مثلاً رشوت ستانی۔ دفتری نظام کی ابتری۔ ملک میں بڑھتی ہوئی جرائم کی رفتار قتل وغارت گری، شراب نوشی۔ عریانی بے حیائی کا طوفان وغیرہ ان سب کو پیچھے ڈال کر سب سے پہلے اسی عائلی قانون کو نافذ کرنے کی تیاری کی گئی۔ جو پچھلی حکومت کے بدترین دور کا بدترین ترکہ ہے۔

میں خالص ہمدردی اور دلسوزی سے جناب کی توجہ اس طرف منعطف کرتا ہوں کہ حالات مذکورہ میں ان قوانین کے نافذ کرنے کا مشورہ کوئی ایسا شخص نہیں دے سکتا جو ملک کا اور آپ کا خیر خواہ ہو۔

اس قانون کی شرعی اور عملی خامیوں کی تفصیل تو ایک مستقل تصنیف کی محتاج ہے میں تو طول ہو گا۔ (اور عندالضرورت وہ تفصیل بھی پیش کی جا سکتی ہے) اس وقت محض بطور نمونہ چند چیزیں آپ کی نظر سے گزارنا چاہتا ہوں۔

"مار آستین" بن سکتے ہیں۔ اور دوستی کے لباس میں دشمنی کی ہر قرارداد کو مسلمانوں میں نافذ کر سکتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس صورت ارتداد کی توضیح کسی قدر تفصیل کے ساتھ کر دی جائے اور چونکہ ارتداد کی صحیح حقیقت ایمان کے مقابلہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے اس لئے پہلے اجمالاً ایمان کی تعریف اور پھر ارتداد کی حقیقت لکھی جاتی ہے۔

## ایمان وارتداد کی تعریف

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے جس کے اہم جزو دو ہیں۔ ایک حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانا۔ دوسرے اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ لیکن جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اُس کے وجود کا قائل ہو جائے بلکہ اُس کی تمام صفاتِ کاملہ علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اُسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تریسٹھ سال عمر ہوئی فلاں فلاں کام کئے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات و اختلافات میں حکم نہ بنا دیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں اُس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اُس کو پوری طرح تسلیم نہ کر لیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:۔

فقد روی عن الصادق رضی اللہ

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی

# آرڈیننس کی دفعہ ۴

اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہو جائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں) بحصہ رسدی وہی حصہ ملے گا جو اس لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو) زندہ ہونے کی صورت میں ملتا۔

**فیصلہ قرآن وسنت** اس میں بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو برابر کا حصہ دار قرار دینا اسلامی قانون وراثت اور اصول وراثت کے قطعی خلاف اور ایک جذباتی فیصلہ ہے کہ یتیم پوتا زیادہ حاجتمند ہے اور اگر یتیم پوتہ قابل رحم ہے تو یتیم پوتے کی ماں یعنی متوفی بیٹے کی بیوہ کیوں قابل رحم نہیں جس کو اس موجودہ قانون میں بھی کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔

**مسئلہ** کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں بلکہ کسی مذہب وملت میں تقسیم وراثت حاجت مندی کے معیار پر نہیں ہوتی بلکہ مرنے والے سے قرابت داری کے معیار پر ہے۔ اگر فقر وافلاس اور حاجت مندی کے معیار پر وراثت تقسیم ہوا کرتی تو بہت سے لوگوں کی اولاد اور بیوی۔ ماں باپ اور بہن بھائی جو حاجت مند نہیں محروم قرار پاتے اور شہر یا محلہ کے غریب غربا اور حاجت مند لوگ سب میراث لے جاتے یا کم از کم خاندان ہی میں یہ دیکھا جاتا کہ کس عزیز کا کیا حال ہے اور پھر بقدر حاجت مندی اعزا میں ترکہ تقسیم ہوا کرتا۔ کہیں بیٹا غیر حاجت مند ہونے کی بنا پر محروم اور بھتیجا حاجت مندی کی بنا پر وارث ٹھہرتا اور کہیں ماں باپ غیر حاجت مند ہونے کے سبب محروم اور نواسے اور دور کے رشتہ دار حاجتمندی کے سبب حصے دار قرار پاتے۔ غرض کوئی معین اصول باقی نہیں رہتا۔

اس لئے قرابت میں قرآن وسنت کے بنائے ہوئے اصول کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم کیا جائے اور یہی اصول فطری بھی ہے

عنہ انہ قال لوان قوما عبدوا اللہ تعالیٰ و اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشئ صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسھم حرجا لکانوا مشرکین ثم تلا ھذہ الآیۃ

قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز کی پابندی کرے۔ اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کے حج کرے مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا اس کے خلاف کیوں نہ کیا۔ اور اُس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

(روح المعانی ص ۶۵ ج ۵)

آیت مذکورہ اور اُس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا پس وپیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہو گئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہو گئی کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ اُسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نہ مانے۔ بلکہ یہ بھی اُسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں اُن میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔) انکار کر دیا جائے اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

اور وجہ یہ ہے کہ کفر و ارتداد حضرت مالک الملک والملکوت کی بغاوت کا نام ہے اور سب جانتے ہیں کہ بغاوت جس طرح بادشاہ کے تمام احکام کی نافرمانی اور مقابلہ پر کھڑے ہو جانے کو کہتے ہیں اسی طرح یہ بھی بغاوت ہی سمجھی جاتی ہے کہ کسی ایک قانونِ

اور قرین عدل و انصاف بھی۔

اب جبکہ یہ اصول ٹھہرا تو ظاہر ہے کہ بیٹوں کے مقابلہ میں پوتا بعید ہے وہ محروم ہوگا۔ حدیث کی سب سے بڑی مستند کتاب صحیح بخاری میں بالکل صراحت و وضاحت کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اس بارہ میں لکھا ہے:
ولا یرث ولد الابن مع الابن یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتہ وارث نہیں۔
(صحیح بخاری صفحہ ۹۹۷ج ۲)

اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس فیصلہ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق ہے۔ رہا یہ جذباتی معاملہ کہ تقسیم وراثت کے وقت جب یتیم پوتے کے سامنے اس کے چچا تایا ترکہ پر قبضہ کریں گے تو اس وقت اس کو اپنے باپ کی موت اور دادا کی وراثت سے محرومی ایک پریشانی کا موجب ہوگی سو اس کا علاج قرآنی اصول کے مطابق مرنے والے دادا یا نانا کے ہاتھ میں تھا کہ اپنے یتیم پوتے، پوتیوں بلکہ نواسے نواسیوں اور لڑکے کی بیوہ کے لئے ایک تہائی مال تک وصیت کر سکتا تھا۔ نیز موجودہ چچا تایا اگر چاہیں تو اپنی رضامندی سے اس یتیم بھتیجے کا جتنا چاہیں حصہ لگا سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے ان کو ایسا کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ واذا حضر القسمۃ اولوا القربٰی والیتٰمٰی والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا۔ یعنی اگر تقسیم وراثت کے وقت وہ رشتہ دار جو شرعی قاعدہ سے وارث نہیں اور یتیم و مسکین حاضر ہو جائیں تو ان کو بھی کچھ دیدو اور ان سے دلجویانہ بات کہہ دو تاکہ وہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں)

اب اگر مشفق و مہربان نانا دادا نے بھی اپنے پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں پر رحم نہ کھایا اور چچا تایا اور ماموں کو بھی ان پر کوئی ترس نہ آیا تو اس کو ایک آسمانی آفت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان غریبوں کا وہی درجہ ہوگا جن کے باپ دادا نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ جس کا علاج یہ نہیں کہ حقداروں کے حصے میں سے زبردستی چھین کر ان کی حاجت پوری کی جائے۔ بلکہ اس کا نہایت معقول اور صحیح انتظام وہ ہے جو قرآن کریم نے کر دیا

شاہی کی قانون شکنی کی جائے اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرلے۔

شیطان ابلیس جو دنیا میں سب سے بڑا کافر ہے اُس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کا کفر ہے کیونکہ اُس نے بھی نہ تبدیل مذہب کیا نہ خدا تعالیٰ کے وجود قدرت وغیرہ کا انکار کیا نہ ربوبیت سے منکر ہوا صرف ایک حکم سے سرتابی کی جس کی وجہ سے ابدالآباد کے لئے مطرود و ملعون ہوگیا۔

حافظ ابن تیمیہ الصارم المسلول ص ۲۹۷ میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| کما ان الردۃ تتجرد عن السب فکذلک تتجرد عن قصد تبدیل الدین وارادۃ التکذیب بالرسالۃ کما تجرد کفر ابلیس عن قصد التکذیب بالربوبیۃ۔ | جیسا کہ ارتداد بغیر اس کے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ یا اُس کے رسول کی شان میں سب و شتم سے پیش آوے اسی طرح بغیر اس کے بھی ارتداد متحقق ہوسکتا ہے کہ آدمی تبدیل مذہب کا یا تکذیب رسول کا قصد کرے جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر تکذیب ربوبیت سے خالی ہے۔ |

الغرض ارتداد صرف اسی کو نہیں کہتے کہ کوئی شخص اپنا مذہب بدل دے یا صاف طور پر خدا و رسول کا منکر ہو جائے بلکہ ضروریات دین کا انکار کرنا اور قطعی الثبوت والدلالۃ احکام میں سے کسی ایک کا بعد علم انکار کردینا بھی اسی درجہ کا ارتداد اور کفر ہے۔

**تنبیہ** ہاں اس جگہ دو باتیں قابلِ خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر و ارتداد اُس صورت میں عائد ہوتا ہے جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور اُس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اُس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو کفر و ارتداد نہ کہا جائے گا اگرچہ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے بلکہ اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا اگرچہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اُس پر عمل بھی کرتا رہے جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے

ہے اس کو قانون بنا کر نافذ کر دینے سے صحیح طور پر ان کی مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔

قرآن کا وہ قانون یہ ہے کہ یتیم پوتہ اگر حاجتمند ہے تو دادا کی زندگی میں اس کی تمام ضروریات نفقہ دادا کے ذمہ ہیں اور اس کے انتقال کے بعد اس کی تمام ضروریات نفقہ کی ذمہ داری انہیں چچا تایوں پر ڈال دی ہے۔ جو اس وقت دادا کی میراث لے رہے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد اس بارہ میں یہ ہے وعلی الوارث مثل ذلک۔ جمہور ائمہ فقہا نے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ بچہ کے نان نفقہ کی ذمہ داری جو باپ کے ذمہ تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بچہ کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جن میں بچہ کے چچا تایا بھی داخل ہیں اور ماموں بھی۔

اس قرآنی قانون نے یتیم بچوں کی حاجت روائی اور ضروریات کا انتظام کسی موہوم چیز کے حوالے نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ایک یقینی صورت پیدا کر دی۔ اور وہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک بچہ بالغ اور کمانے کے قابل نہ ہو جائے۔ اس کے خلاف دادا نانا کی وراثت میں ان کو حصہ دار بنانا کسی طرح بھی ان کی ضروریات کا کوئی یقینی انتظام نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس میں یہی معلوم نہیں کہ دادا نانا کچھ وراثت میں چھوڑیں گے یا نہیں اور چھوڑیں گے تو کتنی اور اس میں ان کا حصہ کتنا ہوگا۔ پھر یہ حصہ وراثت کتنے دن تک ان کا ساتھ دے سکے گا۔ ان کو تو ضرورت اس کی ہے کہ بالغ ہونے تک ان کی ضروریات کا کوئی تکفل کرے وہ صرف قرآن کے بتائے ہوئے قانون میں ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے واضعان قانون سب کچھ دیکھتے اور غور کرتے ہیں مگر قرآن و سنت کے بتلائے بہترین اصول و فروع کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ساتھ پابند ہے مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا یہ کافر ہے اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے مگر کبھی نہیں پڑھتا وہ مسلمان ہے اگرچہ فاسق وفاجر اور سخت گناہگار ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکامِ اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہو گئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں۔ کفر وارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے (اسی کو اصطلاحِ حدیث میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیثِ متواترہ کہتے ہیں)۔

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے یا حدیثِ متواترہ سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو اس میں کسی قسم کی اُلجھن نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکامِ قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص وعام میں اس طرح مشہور ومعروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم وتعلم پر موقوف نہ رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا وغیرہ تو ایسے احکامِ قطعیہ کو ضروریاتِ دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار باجماعِ اُمت مطلقاً کفر ہے ناواقفیت وجہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل سُنی جائے گی۔

# عائلی قانون دفعہ ۶ "تعدد ازواج"!

(۱) کوئی شادی شدہ شخص اس آرڈی ننس کے تحت ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی مذکورہ منظوری حاصل کئے بغیر کی ہوئی کسی شادی کو اس آرڈی ننس کے تحت درج رجسٹر کیا جائے گا۔

(۲) ذیلی دفعہ (۱) کے تحت اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست مجوزہ طریق کار کے مطابق اور فیس مقررہ کے ہمراہ چیئرمین کو دی جائے گی اور اس میں مجوزہ شادی کی وجوہات بیان ہوں گی۔ اور یہ کہ آیا اس کے لئے موجودہ بیوی یا بیویوں سے رضامندی حاصل کر لی گئی ہے

(۳) ذیلی دفعہ (۲) کے تحت درخواست موصول ہونے پر چیئرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں سے کہے گا کہ ہر ایک اپنا نمائندہ نامزد کرے اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور منصفانہ ہے تو وہ ایسی شرائط کے تحت جنہیں وہ مناسب خیال کرے مطلوبہ منظوری دے سکتی ہے

(۴) درخواست کے فیصلے میں ثالثی کونسل اپنے فیصلے کی وجوہات قلمبند کرے گی اور کوئی بھی فریق مجوزہ طریق کار کے مطابق اور مقررہ مدت کے اندر مقررہ فیس کی ادائیگی پر نگرانی کی درخواست پیش کر سکتا ہے جو مغربی پاکستان میں کلکٹر اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر متعلقہ کو پیش کی جائے گی اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اور اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکے گی۔

اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچتے تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عامی آدمی بوجہ ناواقفیت وجہالت کے اُن کا انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا بلکہ پہلے اُس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسايرة والمسامرة لابن الهمام ولفظه واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده بانهم لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً (مسامرہ ص ۱۴۹)

اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیلِ مذہب ہے اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے اُن کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں اور غرض معروف بدل جائے اور ارتداد کی اِس قسم دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے:

قال تعالىٰ ان الذين يلحدون في اٰياتنا لا يخفون علينا۔ الاٰية

جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اور حدیث میں اس قسم کے ارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

(۵) جو شخص ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرے گا :-
(الف) مہر کی تمام واجب الادا رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو ادا کرے گا۔ خواہ وہ معجل ہو یا مؤجل جو عدم ادائیگی کی صورت میں بطور بقایا جات مالیہ وصول کی جا سکے گی۔ اور
(ب) شکایت اثبات جرم کی صورت میں قید محض جس کی میعاد ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

## فیصلہ قرآن و حدیث

اس دفعہ کا منشار بظاہر آن مظالم کو دور کرنا ہے جو ایک سے زائد نکاح کرنے والوں کی طرف سے اُن کی بیویوں پر ظہور میں آسکتے ہیں اس لئے اس دفعہ کی رو سے دوسرا نکاح کرنے پر کڑی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال بدیہی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ صرف ایک بیوی رکھنے والے کیا اس ظلم و جور کے مرتکب نہیں ہوتے یا ان کی مظلوم بیوی کو ظلم سے نجات دلانا ضروری نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر جو اصول اس دفعہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ کیا اُس کا مقتضی یہ نہیں ہوگا کہ پہلا نکاح کرنے والے ہر شخص پر بھی یہی پابندی لگائی جائے کہ یونین کے چیرمین کے سامنے اپنے نکاح کی ضرورت اور اس کی ذمہ داریوں کو انصاف کے ساتھ پورا کرنے کی ضمانت پیش کر کے اجازت حاصل کئے بغیر کوئی اقدام نکاح کا نہ کرے اور پورے ملک میں کوئی شادی تمام دفتری مراحل کو طے کئے بغیر عمل میں آئے تو وہ قابل سزا جرم قرار دیا جائے

مگر ظاہر ہے کہ نہ اصول مذہب و معاشرت اس کے متحمل ہیں اور نہ کوئی سمجھدار انسان مطلقاً نکاح شادی پر ایسی پابندیاں عائد کرنے کا حامی ہو سکتا ہے اور نہ خود عائلی کمیشن ہی نے اس کو صحیح سمجھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اصل شادی کرنا تو کوئی جرم نہیں جرم وہ غلط کاریاں ہیں جو بعد میں ادائے حقوق کے بارے میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| اتی علی بزنادقة هی جمع زندیق (الی قوله) ثم استعمل فی کل ملحد فی الدین والمراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام۔ | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زنادقہ (گرفتار کرکے) لائے گئے۔ زنادقہ جمع زندیق کی ہے اور لفظ زندیق ہر اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو دین میں الحاد (یعنی بے جا تاویلات) کرے |
| (مجمع البحار ص ۴۹۵) | اور اس جگہ مراد ایک مرتد جماعت ہے۔ |

اور علمائے کلام اور فقہاء اس خاص قسم ارتداد کا نام باطنیت رکھتے ہیں۔ اور کبھی وہ بھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی اقسامِ کفر کی تفصیل اس طرح نقل فرماتے ہیں۔

"یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ کافر اس شخص کا نام ہے جو مومن نہ ہو۔ پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو تو اس کو منافق کہیں گے۔ اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے تو اس کا نام مرتد رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو تو اس کو مشرک کہا جائے گا۔ اور اگر ادیانِ منسوخہ یہودیت و عیسائیت وغیرہ میں کسی مذہب کا پابند ہو تو اس کو کتابی کہیں گے۔ اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو اور تمام واقعات و حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اس کو دہریہ کہا جائے گا۔ اور اگر وجودِ باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو تو اس کو معطل کہتے ہیں اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار اور شعارِ اسلام نماز روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دل میں رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اس کو زندیق کہا جاتا ہے۔ (ترجمہ عبارت شرح مقاصد ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹ ج ۲)" و مثلہ فی کلیات ابی البقاء ص ۵۵۳ و ص ۵۵۴۔

زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عقیدۂ کفریہ کو ملمع کرکے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| کما ذکرہ الشامی حیث قال | علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ زندیق اپنے کفر پر ملمع |

اور جس طرح بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی پر عدالت میں چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح متعدد بیویوں میں عدم عدل کی چارہ جوئی بھی کی جاسکتی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں قانون اور حکومت کی مداخلت کا وہ وقت ہوتا ہے جب کوئی فرد عدم عمل یا عدم ادائیگی حقوق کا ارتکاب کرے۔ پیشگی خوف یا بے اعتمادی کی بنا پر یہ مداخلت صحیح نہیں۔ اور اگر پیشگی خوف کی بنا پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا ضروری ہی سمجھا جائے تو ازدواج مکرر سے زائد اس کی ضرورت پہلے نکاح میں ہے۔ کیوں کہ ازدواج مکرر تو ہزاروں میں ایک کی نسبت رکھتا ہے۔ اور پہلا نکاح تقریباً سو فیصدی ہے۔ اسی تناسب سے اس میں عورتوں کی مظلومیت زیادہ ہے۔

لیکن بیاہ شادی پر ایسی پابندیاں لگانے کا تصور بھی کسی کو نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا اصل منشا کسی ظلم کا انسداد نہیں بلکہ غیر مسلم اغیار کے نظریئے سے متاثر کر خود تعدد ازدواج کو ایک مکروہ شے اور جرم قرار دینا ہے۔ جس کو خاص طور پر ممنوع کرنے کی بجائے ایسی پابندیاں عائد کردی گئیں جو عملی طور پر ممنوع کردینے کے مترادف ہیں۔

---

جو شخص اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ اس اقدام کو کھلے طور پر اسلام پر گستاخانہ حملہ کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بات بھی کسی باخبر آدمی سے مخفی نہیں کہ جو لوگ تعدد ازدواج کو جرم سمجھتے ہیں ان کے یہاں زنا جرم نہیں۔ غیر منکوحہ عورتوں کو "داشتہ" کے طور پر رکھنا جرم نہیں اس لئے تعدد ازدواج کو ترک کردینا ان کی کسی ضرورت میں حائل نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک کے سوا پوری دنیا میں "ناجائز بچوں" کی تعداد روز بروز طوفانی رفتار سے بڑھتی جارہی ہے۔

اقوام متحدہ کی جانب سے ڈیموگرافک سالنامہ بابت ۱۹۵۹ء حال ہی میں شائع

فان الزندیق یموہ کفرہ و یروج عقیدتہ الفاسدۃ و یخرجہا فی الصورۃ الصحیحۃ و ہذا معنی ابطان الکفر فلا ینافی اظہارہ الدعوی۔
(شامی باب المرتد ص ۲۹۶ ج ۳)

سازی کرتا ہے اور اپنے عقیدہ فاسدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور زندیق کی تعریف میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے کفر کو ایسے عنوان اور صورت میں پیش کرتا ہے جس سے لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں، اس سے یہ اظہار کفر اعلانیہ دعوے کے منافی نہیں۔

کفر کی اقسام مذکورہ بالا میں سے آخری قسم اس جگہ زیر بحث ہے جس کے متعلق شرح مقاصد کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس طرح اقسام سابقہ کفر کے انواع ہیں اسی طرح یہ صورت بھی اسی درجہ کا کفر ہے کہ کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود صرف بعض احکام و عقائد میں اختلاف رکھتا ہو اگرچہ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرے اور تمام ارکان اسلام پر شدت کے ساتھ عامل بھی ہو۔

## ایک شبہ کا جواب

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کتب فقہ و عقائد میں بھی اس کی تصریحات موجود ہیں نیز بعض احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

کمارواہ ابوداؤد فی الجہاد عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الحدیث۔

حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی اصل تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کے قتل سے باز رہو۔ اور کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور کسی عمل بد کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ قرار دو۔

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو شخص نماز روزہ کا پابند ہے وہ اہل قبلہ میں داخل ہے تو پھر بعض عقائد میں خلاف کرنے یا بعض احکام کے تسلیم نہ کرنے

ہوا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ "السلوڈور۔ ڈمینکن ری پبلک۔ ہنڈوراس۔ گوئٹے مالا اور پناما میں حرامی بچوں کی تعداد کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے۔ پناما میں تو ہر چار میں تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں۔ یعنی پچھتر فیصدی حرامی بچے ہیں۔ لاطینی امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے یہی حال ویسٹ انڈیز کا ہے۔ مسلم ممالک کا ذکر کرتے ہوئے متحدہ عرب جمہوریہ کے اعداد بتلائے ہیں جو کہ پورے اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ تجدد پسند ہے اور کہا ہے وہاں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب ایک فیصدی سے کم ہے۔

آخر میں اس سالنامہ میں اس کا سبب بھی یہ بتلایا ہے کہ

"چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (تعدادِ ازدواج) کا رواج ہے اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے"

افسوس ہے کہ ہمارے قانون ساز حضرات جن اغیار کے افکار سے متاثر ہو کر اس طرح کے قوانین وضع کرتے ہیں خود ان کے تجربات کو بھی سامنے نہیں رکھتے۔ اور ان نتائج بد سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اور جن حضرات کے ذہن اغیار کے طرز فکر سے اتنے مرعوب بلکہ مسموم ہو چکے ہوں ان سے موجودہ قوانین کی قرآن کے مطابق اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

قرآن کا کھلا ہوا فیصلہ اس معاملے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع نے مسلمان کے لئے چار عورتوں تک بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی اجازت دی ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ قرآن نے خود واضح کر دیا ہے کہ یہ اجازت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایک سے زائد بیویوں کے حقوق عدل و انصاف کے ساتھ پورے کر سکیں اور جو اس پر قادر نہیں۔ اس کے لئے قرآن کا فیصلہ یہ ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً یعنی اگر تم چند بیویوں میں برابری نہ کر سکو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

سو یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم نے پہلے نکاح کے بارے میں یہ ارشاد

سے اُس کو کیسے کافر کہا جا سکتا ہے۔ اور اسی شبہ کی بنیاد پر آج کل بہت سے مسلمان قسم ثانی کے مرتدین یعنی ملحدین و زنادقہ کو مرتد و کافر نہیں سمجھتے۔ اور یہ ایک بھاری غلطی ہے جس کا صدمہ براہِ راست اصولِ اسلام پر پڑتا ہے۔ کیونکہ میں اپنے کلام سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر قسم دوم کے ارتداد کو ارتداد نہ سمجھا جائے تو پھر شیطان کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس شبہ کے منشاء کو بیان کر کے اُس کا شافی جواب ذکر کیا جائے۔ اصل اُس کی یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر وغیرہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ سے اور حواشی شرح عقائد میں شیخ ابو الحسن اشعری سے اہل سنت والجماعۃ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے۔

ومن قواعد اھل السنۃ والجماعۃ ان لا یکفر واحد من اھل القبلۃ (کذا فی شرح العقائد النسفیۃ ص ۱۲۱) وفی شرح التحریر ص ۳۱۸ ج ۳ وسیاتی عن ابی حنیفۃ رحمہ ولا نکفر اھل القبلۃ بذنب انتہی فقید لا بالذنب فی عبارۃ الامام واصلہ فی حدیث ابی داؤد کما مر انتہی۔

اہل سنت والجماعۃ کے قواعد میں سے ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے (شرح عقائد نسفی) اور شرح تحریر ص ۳۱۸ ج ۳ میں ہے کہ یہ مضمون امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ سے منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے سو اس میں بذنب کی قید موجود ہے اور غالباً یہ قید حدیث ابو داؤد کی بناء پر لگائی گئی ہے جو ابھی گذر چکی ہے۔

جس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر مت کہو خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو (بشرطیکہ کفر و شرک نہ ہو) کیونکہ گناہ سے مراد اس جگہ پر وہی گناہ ہے جو حد کفر تک نہ پہنچا ہو۔

کما فی کتاب الایمان لابن تیمیۃ حیث قال ونحن اذا قلنا اھل السنۃ متفقون علی ان لا یکفر بالذنب فانما نرید بہ المعاصی کالزنا والشر

جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان میں ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے تو اس جگہ گناہ سے ہماری مراد معاصی

فرمایا ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللہ من فضلہ (سورہ نور ۳۳) جو شخص ایک بیوی کے نان نفقہ کی بھی قدرت نہیں رکھتا اس کو چاہیے کہ اس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک اس کو اللہ تعالیٰ اتنی وسعت نہ عطا فرمادیں جس سے بیوی کا نفقہ ادا ہو سکے۔ اس لئے بالفعل اس کو صبر و عفت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے ——— جن حضرات کو حق تعالیٰ نے فہم قرآن کی توفیق بخشی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں حکم ایک اخلاقی ہدایت ناصح کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر انسان گناہ گار اور محشر میں جوابدہ ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں نکاح پر کوئی قانونی پابندی نہیں کہ نکاح کو قابل سزا جرم قرار دے دیا جائے۔ اور یہ اخلاقی ہدایت جیسے ازدواج ثانی پر ہے اسی طرح پہلے نکاح پر بھی ہے۔

## دفعہ ۷۔ طلاق ضمن ۳ و ۴

(۳) سوائے اُس صورت کے جس کا حکم ذیلی دفعہ (۵) میں ہے۔ کوئی طلاق تا وقتیکہ قبل ازیں واضح طور پر یا کسی اور طریقہ سے منسوخ نہ کی گئی ہو اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک ذیلی دفعہ (۱) کے تحت چیئرمین کو دیئے ہوئے نوٹس کی تاریخ سے نوے دن نہ گزر گئے ہوں۔

(۴) ذیلی دفعہ (۱) کے تحت نوٹس وصول ہونے کی تاریخ سے تیس دن کے اندر چیئرمین فریقین میں صلح صفائی کی غرض سے ایک ثالثی کونسل کی تشکیل کرے گا۔ اور ثالثی کونسل تمام ایسے اقدامات کرے گی جو ایسی صلح صفائی کرانے کے لئے ضروری ہوں۔

**فیصلہ قرآن و حدیث** اس قانون کی رو سے بغیر مجوزہ قانونی صورت کے شوہر کی کوئی طلاق مؤثر نہ ہوگی خواہ وہ ایک طلاق ہو یا دو تین اور خواہ صریح الفاظ سے ہو یا کنایہ اور خواہ رخصتی سے پہلے ہو یا بعد میں یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے معنی کیا ہیں دوسرے یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے متعلق قرآن و سنت کے احکام کیا ہیں۔ اسی سے یہ

انتھٰی واوضحہ القونوی فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۔

مثل زنا و شراب خوری وغیرہ ہوتے ہیں اور علامہ قونوی نے عقیدہ طحاوی کی شرح میں اس مضمون کو خوب واضح کر دیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

ورنہ پھر اس عبارت کے کوئی معنی نہیں رہتے اور لفظ بذنب کے اضافہ کی (جیسا کہ فقہ اکبر اور شرح تحریر کے حوالہ سے اوپر نقل ہوا ہے) کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اب شبہات کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ بعض علماء کی عبارتوں میں اختصار کے مواقع میں بذنب کا لفظ بوجہ معروف و مشہور ہونے کے چھوڑ دیا گیا۔ اور مسئلہ کا عنوان عدم تکفیر اہل القبلہ ہوگیا۔ حدیث و فقہ سے ناآشنا اور غرض متکلم سے ناواقف لوگ یہاں سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جو شخص قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لے اس کو کافر کہنا جائز نہیں خواہ کتنے ہی عقائد کفریہ رکھتا ہو۔ اور اقوال کفریہ بکتا پھرے۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اگر یہی لفظ پرستی ہے تو اہل قبلہ کے لفظوں سے تو یہ بھی نہیں نکلتا کہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے بلکہ ان لفظوں کا مفہوم تو اس سے زائد نہیں کہ صرف قبلہ کی طرف منہ کرلے خواہ نماز بھی پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو پھر دنیا میں کوئی شخص کافر ہی نہیں رہ سکتا کیونکہ کبھی نہ کبھی ہر شخص کا منہ قبلہ کی طرف ہو ہی جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ اہل قبلہ کی مراد تمام اوقات و احوال کا استیعاب باستقبال قبلہ نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ لفظ اہل قبلہ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنی اہل اسلام کے ہیں اور اسلام وہی ہے جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو۔ لہٰذا یہ لفظ صرف اُن لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر (بشرط ثبوت) ایمان لائیں نہ ہر اس شخص کے لئے جو قبلہ کی طرف منہ کرلے۔ جیسے دنیا کی موجودہ عدالتوں میں اہل کار کا لفظ صرف اُن لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو باضابطہ ملازم اور قوانین ملازمت کا پابند ہو۔ اس کے مفہوم لغوی کے موافق ہر کام والے آدمی کو اہل کار نہیں کہا جاتا۔ اور یہ جو کچھ لکھا گیا علم فقہ و عقائد کی کتابیں تقریباً تمام اس پر شاہد ہیں جن میں سے بعض عبارات درج ذیل ہیں :۔

یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ قانون قرآن و سنت سے کس حد تک ہم آہنگ ہے۔

شرعاً اور عقلاً طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک طلاق دینے والے شوہر پر عورت کا حرام ہو جانا ــــ دوسرے عورت کا دوسروں کے نکاح کے لئے حلال ہو جانا

مذکورہ دفعات قانون سے واضح ہے کہ کسی طلاق کا کوئی اثر نوے دن سے پہلے مرتب نہ ہوگا۔ اس کے بالمقابل قرآن و سنت کے احکام دیکھئے۔

سورۃ احزاب (۴۹) یٰایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحًا جمیلا۔ اس آیت کی رو سے وہ عورت جس کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی اگر اس کو طلاق دیدی گئی اس کے حق میں طلاق کے دونوں قسم کے اثر یعنی شوہر اول کے لئے حرمت اور دوسروں کے لئے حلت فوری ہے۔ ایک گھنٹہ کا بھی کوئی انتظار نہیں اور عائلی قانون اس کے لئے بھی نوے دن تک کسی قسم کا اثر تسلیم نہیں کرتا۔

سورہ طلاق کی پہلی آیت یٰایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ طلاق عدت کے وقت دی جائے صحیح بخاری میں بروایت ابن عمرؓ اس کی یہ تشریح مذکور ہے کہ ایسے زمانہ طہارت میں طلاق دی جائے جس میں اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو۔

اگر طلاق کا لفظ زبان سے نکلنے کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتا تو اس حکم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر جو اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دینے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا اس کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروٓء (الی) وبعولتھن احق بردھن فی ذٰلک ان ارادوا اصلاحًا۔ اس آیت میں قرآن حکیم نے مرد کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلتے ہی اس کی بیوی کو مطلقہ کا نام دے کر یہ بتلا دیا کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لئے حرام ہونا فوراً قائم ہوگیا۔ البتہ دوسرا اثر کہ دوسرے

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله تعالى بالكليات والجزئيات وما اشبه ذلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفي الحشر او نفي علمه سبحانه وتعالى بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر عنه شيء من موجباته

خوب سمجھ لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان تمام عقائد پر متفق ہوں جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں جیسے حدوثِ عالم اور قیامت میں حشر اجساد اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات و جزئیات پر حاوی ہونا اور اسی قسم کے دوسرے عقائد مہمہ پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات پر مداومت کرے مگر ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے کا معتقد ہو یا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا یا حق تعالیٰ کے علم جزئیات کا انکار کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علاماتِ کفر یا موجباتِ کفر میں سے ہے۔

اور شرح مقاصد مبحث سابع میں مذکور الصدر مضمون کو مفصل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر ونفي العلم بالجزئيات ونحو ذلك وكذا بصدور شيء من موجبات الكفر عنه

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جاوے گا جو اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزارے مگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے یا قیامت و حشر کا یا حق تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا انکار کرے اسی طرح وہ شخص جس سے کوئی چیز موجباتِ کفر میں سے صادر ہوجائے۔

اور علامہ شامی نے رد المحتار باب الامامۃ جلد اول میں بحوالہ تحریر الاصول نقل فرمایا ہے:۔

لا خلاف في كفر المخالف من اهل القبلة

ای للعقودیات ۱۲

اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص

شخص سے نکاح کرسکیں اس کو عدت پورے ہونے پر موقوف کیا ہے۔

نیز شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ عدت کے دوران میں اپنی طلاق سے شرائط رجعت کے موافق رجوع کرے۔ اگر طلاق اثر انداز ہی نہ تھی تو بیویوں کو مطلقات کا نام دینے اور شوہروں کو رجعت کا حق دینے کے کوئی معنے نہیں ہوتے ـــــ اسی طرح تمام آیات قرآن متعلقہ طلاق کا مفہوم یہی ہے کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لیے قبل از رجعت حرام ہو جانا لفظ طلاق کے زبان سے نکلتے ہی شروع ہو جاتا ہے البتہ اثر دوم یعنی دوسروں کے لئے نکاح حلال ہونا۔ یہ عدت گذرنے پر موقوف ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وصحابہ کرام کے تمام فیصلے اس پر واضح ثبوت ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ۔ اور بروایت حسنؓ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ من طلق او حرم او نکح او انکح جاداً او لاعبا فقد جاز علیہ (ابن ابی شیبہ)

جس میں اس کی وضاحت ہے کہ ہنسی مذاق میں بغیر ارادہ کے الفاظ طلاق کہہ دینے کو بھی فوری طور پر مؤثر قرار دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضؓ کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدیں تو حضرت عائشہ رضؓ عثمان غنی رضؓ زید بن ثابت وغیرہ صحابہؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب وہ اس کے پاس نہ جائے (کنز ص۱۶۱ برمز ابن ماجہ)

(۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ سے طلاق دی تو فاروق اعظم نے اس کو بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی کہ صحیح بتلاؤ ان الفاظ سے تمہاری نیت کیا تھی اس نے اقرار کیا کہ طلاق مراد تھی۔ فاروق اعظم رضؓ نے اسی وقت دونوں میں تفریق کردی (بخاری ومسلم)

(۴) حضرت فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق بیک وقت دیدے۔ اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی عورت اس سے جدا ہوگئی۔ (کنز برمز مصنف ابن ابی شیبہ)

المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير (ص ۳۰۰ ج ۱)

ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو وہ کافر ہے اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزارے۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس ص ۲، ۵ میں ہے۔

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين الى قوله فمن انكر شيئا من الضروريات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات وكذلك من باشر شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة ومعنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة هذا ما حققه المحققون۔

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے پس جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اگرچہ عبادت و اطاعت میں مجاہدات کرنے والا ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جو علامات کفر و تکذیب میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت و استہزاء کرنا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہیں اور نہ ایسے امور کے انکار کی وجہ سے کافر کہیں جو اسلام میں مشہور نہیں یعنی ضروریاتِ دین میں سے نہیں۔

* * *

## تنبیہ

کسی مسلمان کو کافر کہنے کے معاملہ میں آج کل ایک عجیب افراط و تفریط ہو رہا ہے ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ ہی اختیار کر لیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں اور جہاں ذرا سی کوئی خلافِ شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ اور دوسری طرف نو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے جس کے نزدیک کوئی قول و فعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائد اسلامیہ کا صریح

(۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو بلفظ حرام طلاق دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ مباشرت اسی وقت حرام ہو گئی (بحوالہ مزجامع عبد الرزاق)

(۶) اسی طرح کا ایک فیصلہ حضرت فاروق اعظم کا بھی منقول ہے (بخاری و مسلم)

اس کے مقابل عائلی قانون نوے دن پورے ہونے سے پہلے طلاق کا کوئی اثر تسلیم نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے ضمن (۴) میں ثالثی کونسل کو مصالحت کرانے کے لئے مامور کرتا ہے جو حرمت ثابت ہو چکنے کے بعد ان دونوں کو حرام کی ترغیب دینے کے مرادف ہے۔ اور اگر مصالحت سے مراد واضعان قانون کی نظر میں رجعت یا منسوخی طلاق ہے تو وہ بھی ہر طلاق میں نہیں ہو سکتی۔ صرف طلاق رجعی میں ہو سکتی ہے جو صریح الفاظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو مرتبہ تک دی گئی ہو۔ اور جس طلاق میں بالکل دفعتہً زوجیت قطع کرنے کے الفاظ بہ نیت طلاق کہے گئے ہوں جیسے حرام بائن وغیرہ اس میں رجعت یا مصالحت کا از روئے قرآن و سنت کوئی امکان نہیں۔ جیسا کہ فاروق اعظم رض اور علی مرتضیٰ رض کے مذکور الصدر فیصلوں سے ثابت ہے۔ درآں حالیکہ عائلی قانون علی الاطلاق ان میں مصالحت کرانے کی سعی کرتا ہے یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔ اس کی مزید تفصیل دفعہ ۷ ضمن ۴ کے تحت میں آئے گی۔ اور قرآن کریم میں جس مصالحتی تحکیم کا ذکر ہے وہ تو طلاق سے پہلے رفع نزاع کیلئے ہے تاکہ طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے۔ اور اس میں اس کی رعایت ہے کہ معاملہ صرف دونوں کے خاندان ہی تک محدود رہے غیروں کی مداخلت نہ ہو۔ فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا میں اس کی تصریح ہے۔ عائلی قانون نے اس کے بالکل برعکس طلاق ہو جانے کے بعد مصالحتی کونسل کا کام شروع کیا اور اس میں یونین کونسل کے چیرمین کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے وہ مصلحت بھی ختم کر دی کہ زوجین کے نزاع میں کسی غیر کی مداخلت نہ ہو کیوں کہ اس سے فریقین کی رسوائی اور نزاع بڑھ جانے کا امکان زیادہ ہے۔

---

مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ہر مدعی اسلام کو مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں اگرچہ اوس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہو۔ اور جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پُر خطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اوس سے کم نہیں کیونکہ حدودِ کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے اس لئے علماء اُمت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے لغرا اوّل کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہو جائے اور اوس کلام کی مُراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں اور سب احتمالات میں یہ کلام ایک کلمہ کفر بنتا ہو لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر محمل کیا جائے تو معنی کفر نہیں رہتے بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اوس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مُراد یہ معنی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدہ کا قائل ہو جاوے جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو لیکن بعض ائمہ اوس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اوس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں (صرح بہ فی البحر الرائق باب المرتدین جلد ۵) و مثلہ فی رد المحتار و جامع الفصولین من باب کلمات الکفر۔

اور امر دوم کے متعلق بھی صحابہ کرام اور سلف صالحین کے تعامل نے یہ بات متعین کر دی کہ اس میں تہاون و تکاسل کرنا اصولِ اسلام کو نقصان پہنچاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو لوگ مرتد ہوئے تھے اون کا ارتداد قسم دوم ہی کا ارتداد تھا بصریح طور پر تبدیلِ مذہب (عموماً) نہ تھا۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اون پر جہاد کرنے کو اتنا زیادہ اہم سمجھا کہ نزاکتِ وقت اور اپنے ضعف کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے ماننے والوں پر جہاد کیا جس میں جمہور صحابہ شریک تھے جن کے اجماع سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو شخص ختم نبوت کا انکار کرے یا نبوت کا دعویٰ کرے وہ مرتد ہے اگرچہ تمام ارکان اسلام کا پابند اور زاہد و عابد ہو۔

## دفعہ ۷ ضمن ۵

اگر طلاق کے اعلان کے وقت بیوی حمل سے ہو تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہیں ہوگی جب تک ذیلی دفعہ ۳ میں مذکورہ مدت یا مدت حمل (جو بھی زیادہ ہو) ختم نہ ہو جائے۔

**قرآن وحدیث**

ضمن ۳ دوم کے بیان میں واضح کیا جا چکا ہے کہ طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں پہلے شوہر کے لئے حرمت اور دوسرے کے لئے حلت اثر اول تمام نصوص قرآن وسنت کی رو سے اسی وقت ثابت ہو جاتا ہے جب وقت الفاظ طلاق زبان یا قلم سے نکلے۔ اور اثر دوم مدت گزرنے پر موقوف رہتا ہے۔ پھر اثر دوم کے لئے قرآن کریم نے حاملہ عورت کی عدت وضع حمل قرار دی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی قلیل یا کثیر مدت میں واقع ہو قرآن کی تصریح اس میں بالکل واضح ہے۔

واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن (سورہ طلاق) اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر طلاق کے ایک ہی دن بعد وضع حمل ہو جائے تو عدت ختم ہو گئی۔ اور نکاح ثانی اس کے لئے حلال ہو گیا۔ اس کی اولاد ثابت النسب وارث ہے۔

مگر ہمارا عائلی قانون کہتا ہے کہ ابھی نوے دن تک طلاق مؤثر نہیں۔ نہ یہ عورت اپنے طلاق دینے والے کے لئے حرام ہے نہ دوسرے شخص سے اس کا نکاح حلال ہے اور جب نکاح جائز نہیں تو جو اولاد اس سے ہوگی۔ وہ قانونی اولاد نہ ہونے کے سبب وراثت سے محروم ہوگی یہ کھلا ہوا تصادم ہے قرآن سے۔

## دفعہ ۷ ضمن ۶

ایسی بیوی کے لئے جس کا نکاح دفعہ ہذا کے تحت مؤثر شدہ طلاق کی وجہ سے فسخ ہو چکا ہو کسی اور شخص سے شادی کئے بغیر اسی خاوند سے دوبارہ شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا تاوقتیکہ ایسا فسخ نکاح تیسری مرتبہ اسی طرح مؤثر نہ ہو چکا ہو۔

## دفعہ ۷ ضمن ۵

اگر طلاق کے اعلان کے وقت بیوی حمل سے ہو تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہیں ہوگی جب تک ذیل دفعہ ۳ میں مذکورہ مدت یا مدتِ حمل (جو بھی زیادہ ہو) ختم نہ ہو جائے۔

**قرآن و حدیث** ضمن ۳ وم کے بیان میں واضح کیا جا چکا ہے کہ طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں پہلے شوہر کے لئے حرمت اور دوسرے کے لئے حلت اثر اوّل تمام نصوص قرآن و سنّت کی رو سے اسی وقت ثابت ہو جاتا ہے جب وقت الفاظ طلاق زبان یا قلم سے نکلے۔ اور اثر دوم مدت گزرنے پر موقوف رہتا ہے۔ پھر اثر دوم کے لئے قرآن کریم نے حاملہ عورت کی عدت وضع حمل قرار دی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی قلیل یا کثیر مدت میں واقع ہو قرآن کی تصریح اس میں بالکل واضح ہے۔

واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن (سورہ طلاق) اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر طلاق کے ایک ہی دن بعد وضع حمل ہو جائے تو عدت ختم ہو گئی۔ اور نکاح ثانی اس کے لئے حلال ہو گیا۔ اس کی اولاد ثابت النسب وارث ہے۔

مگر ہمارا عائلی قانون کہتا ہے کہ ابھی نوے دن تک طلاق مؤثر نہیں۔ نہ یہ عورت اپنے طلاق دینے والے کے لئے حرام ہے نہ دوسرے شخص سے اس کا نکاح حلال ہے اور جب نکاح جائز نہیں تو جو اولاد اس سے ہوگی۔ وہ قانونی اولاد نہ ہونے کے سبب وراثت سے محروم ہوگی یہ کھلا ہوا تصادم ہے قرآن سے۔

## دفعہ ۷ ضمن ۶

ایسی بیوی کے لئے جس کا نکاح دفعہ ہذا کے تحت مؤثر شدہ طلاق کی وجہ سے فسخ ہو چکا ہو کسی اور شخص سے شادی کئے بغیر اسی خاوند سے دوبارہ شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا تاوقتیکہ ایسا فسخ نکاح تیسری مرتبہ اسی طرح مؤثر نہ ہو چکا ہو۔

**ضابطۂ تکفیر** اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطۂ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو اور اُس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو۔ یا اوس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو۔ اوس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے جو اوس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے واللہ سبحانہ وتعالےٰ اعلم۔

## تنبیہ ضروری ہے

مسئلہ زیرِ بحث میں اس بات کا ہر وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس میں بیباکی اور جلد بازی سے کام لینا سخت خطرناک ہے۔ مسئلہ کی دونوں جانب نہایت احتیاط کی مقتضی ہیں کیونکہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبالِ عظیم ہے اور حسب تصریح حدیث اس کہنے والے کے کفر کا اندیشہ قوی ہے۔ اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا بھی اس سے کم نہیں جیسا کہ عبارتِ شفاء سے منقول ہے۔ اور شفاء میں مسئلہ کی نزاکت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:۔

| | |
|---|---|
| ولمثل هذا ذهب ابو المعالی | ابو المعالی نے جو محمد عبد الحق کے سوالات کے جواب |
| فی اجوبته لابی محمد عبد الحق و | لکھے ہیں اُن میں ان کا بھی یہی مذہب ثابت ہے کیونکہ ان |
| کان سألہ عن المسألة فاعتذر | سے ایسا ہی سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں انہوں |
| له بان الغلط فيه يصعب لان ادخال | نے عذر کر دیا کہ اس بارہ میں غلطی سخت مصیبت کی چیز |
| کافر فی الملة الاسلامية او اخراج | ہے کیونکہ کسی کافر کو مذہب اسلام میں داخل |
| مسلم عنها عظيم فی الدين (شرح شفا | سمجھنا یا مسلمان کو اُس سے خارج سمجھنا دین |
| فصل فی تحقيق القول فی اکفار المتأولين | میں بڑے خطرہ کی چیز ہے۔ |
| ص ۵۰۰ ج ۲)۔ | |

❖ ❖ ❖ ❖

## قرآن و حدیث

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (الآیۃ) فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ (سورہ بقرہ)

ان دونوں آیتوں کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق تک تو رجعت یا آپس میں نکاح ثانی ہو سکتا ہے مگر تیسری طلاق ہو جائے تو وہ رجعت اور آپس میں دوبارہ نکاح سے مانع ہے جب تک دوسرے مرد سے شادی اور پھر اس کی موت یا طلاق واقع نہ ہو جائے۔ آیت مذکورہ کی تشریح ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رض سے ابوداؤد میں اس طرح منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت کا رواج یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دے ڈالے بہرصورت اس کو رجعت کا حق رہتا تھا اور مظلوم بیوی کو اس سے چھٹکارا حاصل ہونے کی کوئی صورت بجز اس کے نہ تھی کہ وہ خود ہی چھوڑ دے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ الطلاق مرتان۔ نے جاہلیت کی اس رسم کو باطل کر کے یہ حکم دے دیا کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا کوئی حق نہیں بلکہ اب اس کا دوبارہ نکاح جدید بھی اس عورت کے ساتھ بغیر دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے نہیں ہو سکتا۔ (ابوداؤد) ہمارا عائلی قانون بھی قرآن کے خلاف عہد جاہلیت کی رسم کو زندہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ عائلی قانون نکاح جدید میں کوئی مانع نہیں قرار دیتا۔ جب تک پہلی تین طلاقیں اس قانون کے مفروضہ طریقہ کے مطابق موثر ہو کر ثابت نہ ہو چکی ہوں۔ اور یہ بات ضمن ۲-۳ کے تحت واضح کی جا چکی ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے ہر طلاق زبان یا قلم سے نکلتے ہی مؤثر ہو جاتی ہے اس کے مؤثر ہونے میں نوے دن کی مفروضہ شرط جو اس قانون نے لگائی ہے وہ بالکل قرآن و سنت کی تحریف اور ان سے کھلا تصادم ہے اس لئے جب کسی شخص نے تین طلاقیں دیدیں تو وہ خود بخود فوراً موثر بھی ہو گئیں۔ ان کے بعد بغیر دوسری شادی کے آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے اور امت کے چاروں امام ابوحنیفہ رح شافعی رح مالک رح احمد بن حنبل رح رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں بلکہ بہت سے اہل ظاہر اہل حدیث بھی اس

اسی لئے ایک جانب تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مبہم کلام سامنے آئے جو مختلف وجوہ کو محتمل ہو اور سب وجوہ سے عقیدہ کفریہ قائل کا ظاہر ہوتا ہو لیکن صرف ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے اصطلاحی معنی اور صحیح مطلب بن سکے۔ گو وہ وجہ ضعیف ہی ہو۔ تو مفتی و قاضی کا فرض ہے کہ اس وجہ کو اختیار کر کے اس شخص کو مسلمان کہے (کما صرح بہ فی الشفاء فی ہذہ الصفحۃ و مثلہ صرح فی البحر و جامع الفصولین وغیرہ)۔

اور دوسری طرف یہ لازم ہے کہ جس شخص میں کوئی وجہ کفر کی یقیناً ثابت ہو جاوے اس کی تکفیر میں ہرگز تاخیر نہ کرے اور نہ اس کے متبعین کو کافر کہنے میں دریغ کرے جیسا کہ علماء امت کی تصریحات محررہ بالا سے بخوبی واضح ہو چکا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

# تتمہ مسئلہ از امداد الفتاوی جلد سادس

یہ کل بیان اس صورت میں تھا جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفریہ کا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں تو اس کے لئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاوی میں درج ہے جس کو بعینہٖ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتدا کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے اس کی نظیر وہ حکم ہے

میں متفق ہیں جیسے ابن حزم اندلسی اور یہ بات ہر کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں کہ پوری دنیائے اسلام بجز معدود قلیل کے انہیں ائمہ مجتہدین کو قرآنی قانون کی تعبیر میں حجت (استنادی) تسلیم کرتی ہے۔ قرآن وسنت کے قانون کی کوئی تعبیر ان کے خلاف قابلِ اعتماد نہیں سمجھتی اور پاکستانی عوام کی اٹھانوے فی صد اکثریت حنفی المذہب ہے اگر دوسرے اماموں کی فقہ میں گنجائش بھی ہوتی جب بھی ملک کی اتنی بڑی اکثریت کے مذہبی مسلک کے خلاف کوئی قانون بنانا صحیح نہ ہوتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قانون کسی بھی اسلامی فرقہ کی فقہ کے موافق نہیں کیوں کہ جو حضرات تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی ایک طلاق تو فوراً ہو جاتی ہے اور اگر تین طلاقوں کو تین طہروں میں متفرق کر کے دیا جائے تو تینوں طلاقیں ہو جاتی ہیں اور وہی حکم ہوتا ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ موجودہ قانون دو وجہ سے ان کے فقہ کے بھی خلاف ہے کیوں کہ ان کے نزدیک تین طلاق سے کم از کم ایک طلاق تو ہو جاتی ہے مگر یہ قانون اس کو ایک طلاق بھی تسلیم نہیں کرتا اور اسی طرح تین طہروں میں تین طلاق دینے کی صورت میں بھی بغیر دوسری شادی کے اس کو شوہر اوّل سے نکاح کی اجازت دیتا ہے اس وقت نمونے کے طور پر اس قانون کا خلاف شرع اور عوام کے لئے موجب فتنہ ہونا ظاہر کرنے کے لئے اتنی ہی عرضداشت پر اکتفا کرتا ہوں۔ پورے قانون کی تفصیلی خامیاں مطلوب ہوں تو پوری تفصیل کے ساتھ بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

## چند تجاویز

ملک وملت کی فلاح اور حکومت وعوام کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے پیش نظر میری اپنی محدود بصیرت کے مطابق موجودہ صورت حال کو کسی فتنہ اور خلفشار کا موجب بننے سے روکنے کے لئے بترتیب ترجیح تین صورتیں ہیں۔

(۱) موجودہ آرڈی ننس نیز ازدواجی کمیشن کی سفارشات کو منسوخ کر کے ایک نئے کمیشن کا تقرر کیا جائے جس میں ایسے افراد ہوں جن کی شریعت فہمی پر ملک کے عوام

جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوھم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الآیہ رواہ البخاری۔

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی الخ

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں،

یوخذ فیہ بالاحوط والاوثق فی امور الدین وان لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوتہ واذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء ویصلی بقناع و یجلس فی صلاتہ جلوس المرأۃ ویکرہ لہ فی حیاتہ لبس الحلی والحریر وان یخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ او یسافر مع غیر محرم من الرجال والاناث ولا یغسلہ رجل ولا امرأۃ و یتیمم بالصعید ویکفن کما یکفن الجاریۃ وامثالہ مما فصلہ الفقہاء

۱۱ شعبان سنہ ۱۳۵۱ھ

خنثیٰ مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی جائے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جائے جس کے ثبوت میں شک ہو اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا، پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ ہو اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت بلکہ تیمم کرا دیا جائے اور کفن ایسا دیا جائے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

## مشورہ

یہ بحث کہ کن کن امور سے کوئی مسلمان خارج از اسلام ہو جاتا ہے اور حکم تکفیر کے لئے شرعی ضابطہ کیا ہے۔ اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی کیا مراد ہے۔ اس کے متعلق ایک، جامع مانع بہترین رسالہ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

کو پورا اعتماد ہو۔ نیز ایسے افراد بھی شامل کئے جائیں جو ملک کے موجودہ قانون سے بھی واقف ہیں اور شریعت اسلام کے حکم و منشا کو اس فریم میں چسپاں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۲) موجودہ آرڈی نینس کو صرف منسوخ کر دیا جائے اور اس مسئلہ کو سردست پارلیمنٹ کے آنے تک موخر کر دیا جائے۔

(۳) اگر موجودہ آرڈی نینس کے منسوخ کرنے میں حکومت اپنے وقار کے لئے کوئی گزند محسوس کرے تو کم از کم یہ ہو کہ نہ اسے نافذ کیا جائے نہ منسوخ بلکہ جیسے سابقہ حکومتوں نے اسے تعطل و التوا میں ڈال رکھا تھا۔ اسی طرح سردست اس مسئلہ کی طرف سے سکوت برتا جائے اور پھر کسی موقع پر اس کو صحیح اصول پر جاری کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس وقت ملک کے سامنے اس سے بہت زیادہ اہم مسائل کی موجودگی کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔

واللہ الموفق والمعین ، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

# اضافہ بعض دفعات

## جو مختصر تبصرہ میں اختصار کی وجہ سے رہ گئی تھیں!

# عائلی قانون دفعہ ۱۲

## کمسن بچوں کی شادی پر پابندی

---

اس دفعہ کی رو سے کسی لڑکی کا نکاح سولہ سال اور لڑکے کا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کرنا جرم قرار دیا گیا ہے۔

**قرآن کریم کا فیصلہ اس بارہ میں ملاحظہ ہو**

(۱) واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ

کا الکفار الملحدین کے نام سے عربی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ جو حضرات ان مسائل کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں اس کی مراجعت کریں۔

# سوال دوم

اس عام سوال کے بعد چند فرقوں کے متعلق خاص طور پر سوال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اوّل فرقہ چکڑالویہ۔ دوم فرقہ مرزائیہ۔ سوم فرقہ رافضیہ۔ ان تینوں فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ ان عقائد کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے ان فرقوں کے متعلق تحریر فرمایا جائے کہ یہ فرقے دائرۂ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں؟

# فرقہ چکڑالویہ کے عقائد

پنجاب میں ایک فرقہ ہے جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے۔ اس کا بانی عبداللہ چکڑالوی ہے اور اسی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ اس فرقہ کے عقائد کا نمونہ خود بانی فرقہ عبداللہ چکڑالوی کی کتاب "برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن" سے مع الصفحات لکھا جاتا ہے تاکہ علماء کرام اس پر غور فرمائیں کہ یہ فرقہ اور اس کے متبعین مسلمان ہیں یا نہیں۔ یہ عقائد بعینہٖ اس کے الفاظ میں یہ ہیں:۔

## منقول از برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن از عبداللہ چکڑالوی

۱۔ قرآن مجید ہی کی سکھائی نماز پڑھنی فرض ہے اور اس کے سوا اور کسی طرح کی نماز پڑھنا کفر و شرک ہے ص ۵ سطر ۶

۲۔ سو کہ وہ شے محض قرآن مجید ہی ہے جو رسول اللہ کی طرف وحی کی گئی اس کے سوا اور کوئی چیز ہرگز ہرگز خاتم النبیین پر وحی نہیں ہوئی۔ ص ۹ سطر ۳۔

۳۔ آسمانی کتاب کے سوا ہر ایک دینی کام کرنا شرک و کفر ہے خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ص ۱۲ سطر ۱۶

اشھر واللائی لم یحضن (سورۂ طلاق) اس آیت میں ان لڑکیوں کی مدت طلاق تین ماہ بیان کی گئی ہے جنھیں ابھی تک حیض نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور جب تک نکاح صحیح نہ ہو طلاق کا کوئی احتمال ہی نہیں اس لئے اس آیت نے نابالغ لڑکیوں کے نکاح کو واضح طور پر جائز قرار دیا ہے مگر عائلی قانون سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے نکاح کی اجازت نہیں دیتا یہ قرآن کریم سے کھلا ہوا تصادم ہے۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اور تمام کتب احادیث میں صحیح اسناد کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضہ کے ساتھ جب نکاح ہوا تو اس وقت حضرت عائشہ رضہ کی عمر چھ سال تھی اور جب رخصتی ہوئی تو ۹ سال، اگر عائلی قانون اس عمر کے نکاح کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں محمد بن اسحٰق رہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضہ کے صاحبزادے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہ کی لڑکی سے اس وقت کر دیا تھا جب کہ یہ دونوں چھوٹے بچے تھے۔ پھر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ دونوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

(۴) علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تمام صحابہؓ اور تابعین اور فقہائے امت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کمسنی اور نابالغی کی حالت میں نکاح جائز ہے۔

نوٹ:۔ صغر سنی کے نکاحوں میں عام طور پر جو خرابیاں دیکھی جاتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی تو بیشک نہ ہونی چاہیے۔ ترغیبی صورتیں اس کے انسداد کی اختیار کی جائیں تو بہتر ہے مگر قانونی پابندی لگا کر قرآن کے حلال کو حرام و جرم قرار دینا قرآن کی مخالفت ہے جو کسی طرح گوارا نہیں کی جا سکتی۔ پھر عائلی قانون نے جو سولہ سال نکاح کی عمر مقرر کی ہے تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی عموماً تیرہ چودہ سال کی عمر میں اور لڑکا چودہ پندرہ سال میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ بلوغ کے بعد بھی دو تین سال

۴۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم نے ماسوائے کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں وہ حقیقت میں خاتم النبیین پر سب کرتے ہیں ص ۱۵ سطر ۱۲۔

۵۔ سوائے اللہ تعالیٰ اور کا حکم ماننا بھی اعمال صحیح کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں ص ۱۰ سطر ۲۱

۶۔ لیکن شرک فی الحکم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسا مل گیا ہے کہ اس کو اب وہ ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں اور اس کے برا ہونے کا ان کو خیال تک بھی نہیں آتا بلکہ اس کے برا سمجھنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔ علانیہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں اور اس اپنے کہنے پر قرآن شریف سے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ کا حکم ماننا فرض ہے اسی طرح رسول اللہ سلام علیہ کا العجب ثم العجب اور اس مشرکانہ خیال کو اصل اصول جانتے ہیں۔ ص ۱۷ سطر ۲۔

۷۔ پس واضح ہو کر مطابق الرحمٰن علم القرآن کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعلیم دی ہے اور بس دیگر ذریعہ سے تعلیم نہیں دی۔ ص ۱۹ سطر ۱۵۔

۸۔ اور جس رسول کی فرماں برداری کا حکم ہوا ہے وہ خاص قرآن مجید ہی ہے واجب الاتباع دو چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی شے ہے قرآن مجید اور محمد رسول اللہ سلام علیہ بے شک دو چیزیں ہیں۔ لیکن آپ کی فرماں برداری کا قرآن مجید میں کسی جگہ حکم نہیں ہوا۔ ص ۲۱ سطر ۱۱۔

۹۔ میں محمد رسول اللہ کو دل و جان سے رسول جانتا ہوں مگر جن آیات میں رسول اللہ کی فرماں برداری کا حکم ہوا ہے وہاں رسول اللہ سے مراد فقط قرآن مجید ہی ہے ص ۲۳ سطر ۱۹

۱۰۔ لیکن محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے ہی پاس آئے تھے آج کل کے لوگوں میں سے آپ کسی کے پاس نہیں آئے اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی آمد و رفت ہو تو بتا دیں۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ و لا تولوا عنہ اس جگہ رسول اللہ سے مراد آپ کی ذات نہیں ہو سکتی ورنہ معنی لغو ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ سے مراد اس جگہ پر قرآن مجید ہی ہے۔ ص ۳۰ سطر ۱۔

تک ان کو نکاح سے قانوناً روکنا بسا اوقات ان کے لئے حرام کا سبب بن سکتا ہے جس کے روکنے کے لئے ہمارے قانون میں کوئی دفعہ نہیں یہ کس قدر شرمناک معاملہ ہوگا کہ ایک مسلمان لڑکا یا لڑکی زنا کرے تو قانون اس کو کچھ نہ کہے اور نکاح کرے تو اس پر سزا جاری ہو۔ بعض اوقات لڑکی یا لڑکے کے اولیاء کوئی خرابی محسوس کر کے اس کا نکاح فوری کر دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں اس قانون کی رو سے وہ پابند ہوں گے کہ ان کو حرام کاری میں مبتلا ہوتے ہوئے دیکھتے رہیں نکاح نہ کر سکیں۔

**مفاسد کا شرعی علاج** چونکہ صغر سنی کا نکاح بچوں کے اولیاء کرتے ہیں۔ اس میں احتمال ہے کہ بچوں کے مصالح کی پوری رعایت نہ ہو اس لئے شریعت اسلام نے اس کا تدارک یہ کر دیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ان کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا اختیار دے دیا ہے۔ البتہ باپ دادا کی شفقت بھی اولاد پر غیر معمولی ہوتی ہے اور اولاد کے مصالح کو اولاد سے بھی زیادہ یہ جانتے سمجھتے ہیں اس لئے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار عام طور پر نہیں دیا گیا۔ مگر اس میں بھی اگر کسی موقع میں یہ ثابت ہو جائے کہ باپ دادا نے کسی اپنی نفسانی غرض یا لالچ کے سبب اولاد کا نکاح نابالغی میں کر دیا ہے تو قاضی یا مسلم حاکم اس کو بھی فسخ کر سکتا ہے۔

اس خیار فسخ کی وجہ سے وہ تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں جو نکاح صغر سنی میں متصور ہیں۔

## عائلی قانون دفعہ ۵

### شادی بیاہ کی رجسٹریشن

ذیلی (۴) ہر وہ شخص جو ذیلی دفعہ (۳) مذکورہ بالا کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ قید محض جس کی میعاد تین ماہ ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو ایک ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

**فیصلہ قرآن و حدیث ملاحظہ ہو** اگر اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو نکاح رجسٹریشن کے بغیر عمل میں آئے وہ قانوناً

۱۱۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی واضح ہو کہ پیروی اور اتباع سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر میں عمل کرتا ہوں اسی طرح تم بھی عمل کرو کسی مومن یا رسول کا ہر ایک فعل واجب الاتباع نہیں ص ۴۲ سطر ۱۔

۱۲۔ واضح ہو کہ کتاب اللہ میں جنبی کو صرف نماز سے روکا گیا ہے جیسے کہ آیت ولا تقربوا الصلوٰۃ سے ثابت ہے۔ لیکن قرآن مجید پڑھنے سے کہیں نہیں روکا گیا ص ۵۸ سطر ۱۰۔

۱۳۔ مسواک کے بیان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اگر بالفرض رسول اللہ سلام علیہ نے یہ باتیں کہی بھی ہیں تو وحی خفی سے نہیں کہیں بلکہ عقل انسانی سے ہے۔ ص ۶۰ سطر ۱۴۔

۱۴۔ یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی آخر الایۃ۔

مطابق آیت بالا یقیناً پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے مسح جائز نہیں خواہ ننگے پاؤں پر ہو خواہ جرابوں پر یا موزوں پر جس قدر ایسی احادیث ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ سلام علیہ نے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا اور دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی سب باطل اور رسول اللہ پر افترا ہیں۔ ص ۶۴ سطر ۱۔

۱۵۔ قرآن سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے اور نکسیر پھوٹنے آگ کی پکی ہوئی چیزیں یا اونٹ کا گوشت کھانے یا قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جن احادیث میں یہ مضمون ہے کہ یہ چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں وہ بے ہودہ اور مردود ہیں۔

ص ۸۲ سطر ۱۔

## عقائد فرقہ ہذا مندرجہ الصلوٰۃ للہ

| عقائد فاسدہ | دلائل کاسدہ |
|---|---|
| (۱) آسمانی کتابوں میں کوئی فرق نہیں سب ہم رتبہ و ہم پلہ ہیں۔ | (۱) جس چیز کا سلسلہ ازل سے جاری ہو اور ابد تک رہے گا بدلنے کا امکان نہیں ہے |

نکاح ہی نہ قرار دیا جائے تب تو یہ دفعہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے واضح ارشادات کے بالکل منافی ہے نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے شرائط میں رجسٹری کرانے کو کہیں دخل دیا ہے اور نہ پوری امت نے اس کو شرط سمجھا ہے۔

اور اگر منشا یہ ہے کہ نکاح تو تسلیم کیا جائے مگر خلاف ورزی قانون کی بنا پر اس کو سزا دی جائے تو یہ ایک خالص انتظامی معاملہ ہے۔ بدنظمی اور جعلسازی کو روکنے کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام تو مناسب ہے مگر اس پر اتنی شدید سزاؤں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہر برائی کو سزاؤں ہی کے ذریعہ روکنے کا تصور کچھ اچھا نہیں۔ غور کیا جائے کہ جائیدادوں کے بیعناموں کا رجسٹریشن بھی تو ایک حیثیت سے ضروری ہی سمجھا جاتا ہے مگر اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ اہل معاملہ کے لئے اتنی ہی سزا اس بارہ میں کافی ہوتی ہے کہ غیر رجسٹری شدہ بیعنامے، ہبہ نامے وغیرہ کا کوئی نزاع جب عدالت میں پہنچتا ہے تو عدالت اس کو جائز دستاویز قرار نہیں دیتی بلکہ ایک زبانی معاملہ یا معاہدہ کی حیثیت دے کر ثبوت طلب کرتی ہے۔ جس میں اہل معاملہ کو دشواریوں سے بچنے کے لئے پورے ملک میں رجسٹریشن کا ضابطہ خود بخود لازمی ہو گیا۔ کوئی بھی سمجھدار آدمی کسی بیعنامے، ہبہ نامہ، رہن نامہ کو بلا رجسٹری نہیں رہنے دیتا۔ قرآن کریم نے قرض ادھار کے معاملات کو کتابت میں لانے کی ہدایت دی ہے تاکہ بعد میں کسی نزاع کی صورت نہ بنے لیکن یہ ہدایت ہدایت ہی کے درجہ میں رکھی ہے۔ کوئی قانون نہیں بنایا جس کی خلاف ورزی قابل سزا جرم ہو۔ ارشاد قرآنی یہ ہے:

اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمّی فاکتبوہ الایۃ۔

یعنی جب تم کوئی معاملہ کسی مدت تک ادھار کا کرو تو اس کو لکھ لو۔

| عقائد فاسدہ | دلائل کاسدہ |
| --- | --- |
| | ایسی ہی کتابیں ایک خدا کی ہیں سب یکساں ہوں گی لا تبدیل لخلق اللہ |
| (۲) نبیوں میں فرق نہیں ہے سب ایک درجہ کے ہیں اور سلسلۂ نبوت تا قیامت جاری رہے گا۔ | (۲) لانفرق بین احد من رسلہ ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ |
| (۳) اوقاتِ نماز چار ہیں۔ تہجدؒ، فجرؒ مغربؒ، ظہرؒ۔ | (۳) تہجد کا وقت نفل کے لئے باقی کا فرض کے لئے ہے دلیل یہ ہے رب المشرق والمغرب ۔ واقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الخ |
| (۴) قبلہ پورب اور پچھم دو طرف ہے تہجد و فجر مشرق جانب اور ظہر و مغرب پچھم جانب ہیں۔ | (۴) دلیل رب المشرق والمغرب ہے غرض جب آفتاب پورب کی سمت میں ہو تو پورب کرے جیسے تہجد و فجر میں اور جب پچھم ہو تو پچھم کی جانب جیسے ظہر و مغرب میں۔ |
| (۵) تکبیر نماز اللہ اکبر نہیں ہے، بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ | (۵) سلیمان علیہ السلام کا قصہ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود ہے۔ |
| (۶) ارکان چودہ ہیں جو داخل نماز ہیں اور وہ یہ نہیں ہیں جو لوگ سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں۔ | (۶) انا اعطینٰک الکوثر۔ کوثر سے مراد سبع مثانی۔ سبع مثانی سے مراد چودہ اور چودہ سے مراد ارکان[۶] قرآن میں ذکر نہیں ہے بلکہ ان انکر الاصوات لصوت الحمیر آیا ہے۔ |
| (۷) یہ اذان ممنوع ہے آثار آسمانی سے نمازی آوے گا۔ | |
| (۸) وضو کا لفظ خود ساختہ اور غلط ہے اصل لفظ غسل سکر ہے۔ | (۸) فاغسلوا وجوھکم وایدیکم |
| (۹) وضو میں صرف ہاتھ منہ دھونا ہے اور سر پیر کا مسح کرنا ہے بس۔ | |
| (۱۰) جب سے زمانہ نے رنگ بدلا اور میرے جانشین بچے اصلی نماز کی صورت بگاڑ دی اور مشرکانہ دعائیں شامل کر | |

اگر یہی طریق کار نکاح کے رجسٹریشن میں ہو جائے تو بلاشبہ انتظامی مقصد پورا ہو جائے گا اور لوگوں کو سزاؤں کے چکر سے بھی نجات مل جائے گی۔ کیوں کہ بہت سے پہاڑی اور جنگلی علاقے ایسے بھی ہیں جو رجسٹریشن کے لئے دور دراز کا سفر کئے بغیر رجسٹریشن نہیں کرا سکینگے

| عقائد فاسدہ | دلائل کاسدہ |
|---|---|
| دی ہیں۔ | الی المرافق۔ |
| (۱۱) رکعت کا لفظ قصرا قصرا تعریف ہوکر بنا ہے اصل قصرا اولی قصرا اخری ہے رکعت اولی رکعت اخری نہیں ہے۔ | |
| (۱۲) صلوٰۃ جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے | (۱۲) واخفض جناحک للمؤمنین دلیل ہے۔ |
| (۱۳) رمضان شریف کا مہینہ تیس دن کا ہے۔ | (۱۳) واعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ دلیل ہے۔ |
| (۱۴) شہر رمضان سے شمسی مہینہ مراد ہے۔ | |
| (۱۵) صورت نماز اہل قرآن یہ ہے کہ اپنی تکبیر کہتا ہوا بصورت قعدہ بیٹھ جاوے پھر تکبیر کے ساتھ کھڑا ہو پھر بایاں ہاتھ دائیں بغل میں دباوے اور دایاں ہاتھ بائیں شانے پر رکھے پھر رکوع کرے پھر سجدہ میں ٹھوڑی رکھے پھر سر۔ پھر جلسہ میں آوے اور سینہ میں ہاتھ رکھے پھر سجدہ کرے وغیرہ وغیرہ | (۱۴) ورنہ آیت بالا کے معنی درست نہ ہوں گے۔ |

# الجواب

۱۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران: ۳۲)

# دفعہ ۱۳

## حقوق تنسیخ نکاح

اس دفعہ کے پیرا دوم الف میں کہا گیا ہے کہ اگر خاوند نے موجودہ عائلی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور شادی کر لی ہے اس کی بیوی کو حق تنسیخ نکاح حاصل ہوگا۔ نیز پیرا ہفتم میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکی کے والد یا سرپرست نے اس کی شادی سولہ سال کی عمر سے پہلے کر دی ہے تو اس لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

**فیصلہ قرآن و حدیث ملاحظہ ہو**

اس دفعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے واضعینِ قانون تعدد ازدواج یا کمسنی کی شادی سے پیدا ہونے والے مظالم و مفاسد کی وجہ سے عورت کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں دے رہے بلکہ تعدد ازدواج اور کمسنی کی شادی ان کے نزدیک بذاتِ خود ایک بُرائی ہے، اسی لئے وہ دوسری شادی کر لینے کے بعد فوراً عورت کو فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اُس مرد نے اپنی پہلی بیوی پر ظلم کیا ہے یا نہیں؟ اور اس تصور کا قرآن و سنت سے متصادم ہونا ہم دفعہ ۶ اور دفعہ ۱۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ پھر اس دفعہ کی رو سے اگر ایک شخص دوسری شادی کرنے کے بعد اپنی دونوں بیویوں میں عدل کرتا ہے کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا تو اس صورت میں بھی اس کی پہلی بیوی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر کے شوہر سے اپنا رشتۂ زوجیت منقطع کر لے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ کیوں کہ اگر شوہر عدل سے کام لے تو قرآن کریم دو شادیاں کرنے پر کوئی اخلاقی پابندی بھی عائد نہیں کرتا۔ اور پہلی بیوی کو اس صورت میں حقِ فسخ بالکل حاصل نہیں، اس لئے عورت کو

(۲) قال اللہ تبارک و تعالیٰ:۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء: ۶۴)

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الآیۃ

(سورۃ نساء: ۵۹)

(۴) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (سورۃ تغابن: ۱۲)

(۵) مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب: ۳۶)

(۶) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(نساء: ۶۵)

(۷) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورۃ آل عمران: ۳۰)

(۸) وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ۔

(سورۃ حشر: ۷)

(۹) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۃ جمعہ: ۲)

(۱۰) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورۃ نحل: ۴۴)

حقِ فسخ تو صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جبکہ شوہر اس پر کوئی ناقابلِ برداشت ظلم کر رہا ہو، مذکورہ صورت میں اس پر کوئی ظلم نہیں ہو رہا لہٰذا اس صورت میں قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ بیدہٖ عقدۃ النکاح یعنی نکاح کی گرہ مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اُس گرہ کو کھول دے یا باندھے رکھے، قرآنِ کریم نے یہاں حصر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکی سولہ سال کی عمر سے پہلے بیاہ دی جاتی ہے تو بلوغ سے قبل بھی اسے فسخ نکاح کا حق اس دفعہ کی رو سے دیا گیا ہے، حالاں کہ نابالغ بچوں کو صرف عقل و شرع کی نظر میں بلکہ ہر حکومت و ملت کے قانون میں بھی اس کا اہل نہ سمجھا گیا کہ وہ اپنا نکاح خود کرلیں یا کئے ہوئے نکاح کو فسخ کردیں۔ اس میں نہ علماء امت میں دو رائیں ہو سکتی ہیں نہ عقلائے دنیا ہی اس کو صحیح قرار دے سکتے ہیں۔

اختصار کے ساتھ جو کچھ اس وقت پیش کیا گیا ہے یہ بھی اتنی بات سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ موجودہ عائلی قانون کی بیشتر دفعات قرآن و سنت کے بالکل مخالف ہیں۔ مزید تشریح یا شبہات کے جوابات کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی من القول والفعل والعمل والنیۃ والھدی انک علی کل شیٔ قدیر۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان ۱۳۸۲ھ ۹؍جنوری ۱۹۶۳ء

(۱۱) وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔

(سورۂ نساء : ۷۹، ۸۰)

(۱۲) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

(سورۂ احزاب : ۲۱)

(۱۳) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (سورۂ نساء : ۱۱۵)

(۱۴) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۵۸)

(۱۵) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (سورۂ نور : ۶۳)

(۱۶) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ (سورۂ نساء : ۶۱)

آیاتِ مذکورۂ بالا نیز دیگر آیاتِ کثیرہ سے نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو جس طرح احکامِ قرآنیہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے جیسا کہ آیت ۱ تا ۸ سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن مجید کے صحیح مطالب و صحیح تفسیر بیان فرمادیں جیسا کہ آیت ۹ و ۱۰ سے ثابت ہے۔

اسی لئے جب کسی آیت کے متعلق آپ سے کوئی تفسیر منقول ہو تو اُس کے

# عائلی معاملات میں اصلاحِ مفاسد کا صحیح طریقہ

کہا جاتا ہے کہ عائلی قوانین پر بحث کے وقت علمارِ دین نے یہ تو بار بار کہا کہ جاری کردہ قوانین خلافِ شرع ہیں لیکن جن مفاسد اور خرابیوں کی روک تھام کے لئے اجرارِ قوانین کی ضرورت پیش آئی ہے ان کی اصلاح کی جائز اور شرعی صورتیں مثبت انداز میں بیان نہیں کی گئیں۔

اگرچہ یہ شکوہ اس لئے بیجا ہے کہ جب ایک غلط چیز سامنے لائی گئی تو اس پر کلام کرنے والے کے پیشِ نظر اس غلط کی غلطی ہی کا اظہار ہوتا ہے اصلاحِ مفاسد کی صحیح صورت قرآن و سنت کی رو سے کتبِ فقہ میں مدون موجود ہے اس کے متعلق اُس وقت اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو صحیح کرنے کے لیے قرآن و سنت کے ماہر علمارِ دین کی طرف رجوع کیا جائے۔ عائلی قوانین کے بارہ میں بھی یہی ہوتا رہا کہ اُن کے خلافِ قرآن و سنت ہونے کا بیان اور ان کی اصلاح کے لئے ایسے علمارِ دین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا جن کی شریعت فہمی پر ملک کے اکثر مسلمانوں کو اعتماد ہو۔ لیکن ذمہ داروں کی طرف سے اس طرح کا کوئی اقدام نہ ہوا۔ ورنہ بہت آسانی کے ساتھ مفاسد کی اصلاح کے لیے شرعی حدود میں مناسب تجاویز سامنے آسکتی تھیں۔

بہرحال اس وقت خانگی اور عائلی نزاعات اور مفاسد کی اصلاح کے لئے اجمالی طور پر کچھ ایسی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ جو ازروئے قرآن و سنت جائز و درست ہیں۔ جاری کردہ عائلی قوانین کی پانچ دفعات خلافِ شرع ہونے کی حیثیت سے زیرِ بحث ہیں۔

دفعہ ۴ یتیم پوتہ نواسہ کی وراثت

دفعہ ۵ نکاح کا رجسٹریشن

دفعہ ۶ تعددِ ازدواج

دفعہ ۷ طلاق و عدت کے مسائل

مخالف کوئی دوسری تفسیر ہرگز قابلِ التفات نہ ہوگی۔ اگرچہ الفاظِ قرآن میں باعتبار لغت کے اُس کا احتمال بھی موجود ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے آج تک تمام اُمتِ محمدیہ کا یہی اعتقاد رہا ہے۔ اور اگر کسی نے کبھی اس کے خلاف عقیدہ ظاہر کیا ہے تو اُس کو باجماع مسلمین کافر و مرتد سمجھا گیا اور اُس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار و مرتدین کے ساتھ شریعت میں معمول ہے:

ایسی ہی تفسیر کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (حٰمٓ سجدہ ۴۰)

ابن عباس رضؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ھو یضع الکلام علی غیر موضعہ اخرجہ ابن ابی حاتم (کذا فی الاتقان ص ۱۹۱ ج ۲) | الحاد کرنے والا وہ شخص ہے جو کلام کو بے محل استعمال کرے۔ |

٭ ٭ ٭

اور تفسیر روح المعانی میں ہے۔

| | |
|---|---|
| ینحرفون فی تاویل آیات القرآن عن جھة الصحة والاستقامة یحملونھا علی المحامل الباطلة وھو مراد ابن عباس بقوله یضعون الکلام فی غیر موضعه انتھی ثم قال فی تفسیر قوله تعالیٰ افمن یلقیٰ فی النار الآیة تنبیه علیٰ کیفیة الجزاء۔ (ثم قال فی قوله) | وہ آیات کی تفسیر میں صحت و استقامت سے علٰحدہ ہوتے ہیں اور اُن کو معانی باطلہ پر محمول کرتے ہیں اور یہی مراد حضرت ابن عباس کی ہے اس ارشاد سے کہ وہ لوگ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں (اس کے بعد حق تعالیٰ کے ارشاد افمن یلقیٰ فی النار الایۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اس پر تنبیہ ہے کہ کفار ملحدین کی سزا کیسی ہو گی (پھر اعملوا ما شئتم کی تفسیر میں |

دفعہ ۱۴ نکاح میں عمر کی پابندی

ان میں سے ہر دفعہ میں پیش آنے والے مفاسد اور نزاعات اور ان کے انسداد و اصلاح کی شرعی صورت کیا ہے اس پر تفصیلی تجاویز سے پہلے ایک اہم تجویز قابل نظر ہے جس کے بغیر کوئی اصلاحی اسکیم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی اگر جائز و ناجائز اور خلاف یا موافق شرع اسلام ہونے سے بھی قطع نظر کر کے موجودہ قوانین ہی کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ بھی بغیر اس تجویز کے ہرگز کسی مفسدہ اور جھگڑے کا کامیاب علاج ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور وہ ہے عدالتی نظام کی اصلاح جس کی ناقابل تحمل گرانی اور سالہا سال کی دفتر گردی اور قدم قدم پر رشوت ستانی کی آفتوں نے مظلوم کے لئے دادرسی کے راستے بند کر رکھے ہیں۔

## تجویز اول: عدالتی نظام کی اصلاح

کسی باخبر انسان پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ آج کے بڑھتے ہوئے جرائم اور مظالم خواہ وہ عائلی معاملات سے متعلق ہوں یا دوسرے شعبہائے زندگی سے ان کا بڑا سبب محض قانون کا ناقص ہونا نہیں بلکہ سب سے بڑا سبب عدالتی نظام کی ابتری ہے جہاں سے مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کے لئے اتنے مظالم سہنے پڑتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں وہ اصل ظلم پر صبر کرنے کو ترجیح دیتا ہے انصاف کی اتنی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے جو ظالم کے ظلم، چور کی چوری سے بعض اوقات بڑھ جاتی ہے۔ سالہا سال تک دفتر گردی اور چپراسی سے لے کر اوپر تک ایک ایک کی خوشامد اور اس کے اوپر رشوت کی بھرمار کے بعد بھی انصاف ملنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔

اس طویل بھول بھلیاں میں صرف ایسے ہی لوگ آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں جو پیشہ ور مقدمہ باز ہیں اور یا پھر اتنا فالتو سرمایہ رکھتے ہیں کہ ہر قانون کو پیسہ کے ذریعہ خرید سکیں۔

ایسے حالات میں وہ غریب [illegible] ت جس کا کوئی والی وارث نہیں اور شوہر نے اس پر [illegible] کی [illegible] سے ان عدالتوں تک [illegible] پہنچنے کا کیا امکان ہے۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ تہدیداً شدیداً للکفرۃ الملحدین الذین یلقون فی النار — فرماتے ہیں کہ یہ تہدید شدید ہے کفار ملحدین کے لئے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے ۔

(روح ص ۱۱۲ و ۱۱۳ ج ۲۴)

۞ ۞ ۞ ۞

عقائد نسفی میں ہے:۔

النصوص علی ظاھرھا و العدول عنہا الی معان یدعیہا اہل الباطل الحاد۔ — نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں اور اُن معانی سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جن کا اہلِ باطل دعویٰ کرتے ہیں الحاد ہے ۔

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص آیتِ کریمہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ کے الفاظ کو تحلیل کر کے مَنْ ذَلَّ ذِیْ قرار دے کر یہ تفسیر کرتا تھا کہ جو شخص اپنے نفس کو ذلیل کرے وہ اللہ کے نزدیک شفاعت کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی رح سے اُس کے متعلق سوال کیا گیا تو یہ فتویٰ دیا کہ وہ ملحد زندیق ہے (اتقان مصری ص ۱۹۱ ج ۲ فصل مایحتاج الیہ المفسر)

اور قرآن شریف میں ہے:

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ۔ — اے پیغمبر آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ اُس کو جلدی جلدی لیں ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اُس کا پڑھوا دینا تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے پھر اُس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے ۔

الغرض آیات و عبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جو شخص وہ عقائد رکھے جو فرقہ چکڑالویہ کی کتابوں سے سوال میں ظاہر کئے گئے ہیں وہ بلاشبہ ملحد و زندیق اور کافر خارج از اسلام ہے کیونکہ وہ بہت سی ضروریاتِ دین کا منکر ہے ۔ جیسا کہ عقائد مذکورہ کے دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہ سکتا ۔ عقائد مذکورہ کا ضروریاتِ دین کے خلاف ہونا چونکہ بالکل بدیہی اور آفتاب کی طرح روشن ہے اس لئے ضرورت نہیں کہ ہر عقیدے کے متعلق جُدا جُدا کچھ لکھا جاوے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہجوم مشاغل کے سبب فرصت بھی نہیں۔ آئندہ اگر فرصت ملی یا کسی

شاید نئے قانون میں انہیں آفتوں کا حل یونین بورڈ کے ذریعہ نکالا گیا ہے مگر اس بورڈ کی ہیئت ترکیبی جیسے افراد سے متشکل ہوتی ہے وہ سب پر عیاں ہے کہ ان کے لیے قانوناً یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کوئی خواندہ اور شریف آدمی ہوں کسی قانون شرعی یا غیر شرعی کی واقفیت کا تو سوال ہی کیا ہے۔ ایسے بورڈ سے کسی انصاف یا صحیح فیصلہ کی توقع رکھنا اپنے آپ کو فریب دینے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی سال کی قلیل مدت میں واقعات نے اس نظام کے ناکام ہونے کے ناقابل فراموش ثبوت مہیا کر دیئے ہیں اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ جاری کردہ عائلی قانون غلط و صحیح کی بحث سے الگ ہو کر کہیں ہی نظام کی ابتری کے سبب کسی مرض کی دوا ثابت نہیں ہوا۔ اس لیے عام جرائم کے انسداد یا مظلوم عورتوں کی مشکلات کے حل کے لیے کوئی بھی قانون بنانے سے پہلے عدالتی نظام کی کوئی ایسی صورت تجویز کی لازمی ہے جس کے ذریعہ عام مظلوم اور بیکس غریب عورتیں انصاف حاصل کر سکیں۔

پورے نظام کی اصلاح تو ایک بہت بڑا کام ہے جس پر آسانی سے قابو پانا بھی ممکن نہیں ہے لیکن کم از کم عائلی اور ازدواجی مسائل کی حد تک فوری طور پر یہ صورت اختیار کی جائے۔

(۱) ہر ضلع میں خاص ان معاملات کے لیے ایک گشتی عدالت مقرر کی جائے جو تمام متعلقہ بستیوں میں دورہ کر کے ہر بستی کے معاملات اسی قصبہ میں طے اور مختتم کر سکے تاکہ گواہوں کی حاضری وغیرہ میں وقت کم سے کم صرف ہو۔

(۲) اس عدالت کا ضابطہ کارروائی خالص اسلامی طرز پر سادہ ہو۔ جس کی نظائر ان اسلامی ریاستوں میں اب بھی موجود ہیں جن میں اسلامی قانون جاری ہے۔ پاکستان میں بھی ریاست بہاولپور، سوات، قلات وغیرہ میں ریاستوں کے قیام تک جاری تھا۔

(۳) اس عدالت میں کسی مظلوم سے کورٹ فیس نہ لیا جائے۔ انصاف بالکل مفت ہونا چاہیئے۔

(۴) اس عدالت کے جملہ معاملات چونکہ خالص مذہبی طرز کے ہوں گے اس لئے

دوسرے صاحب نے ہمت کی اور اس کی تفصیل لکھ دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس کو اس رسالہ کا ضمیمہ بنا دیا جاوے گا۔

# فرقہ مرزائیہ کے عقائد

مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور پنجاب اس فرقہ کا بانی ہے اور اس وقت اس فرقہ کی تین پارٹیاں مشہور ہیں ایک ظہیر الدین اروپی کی متبع اور دوسری مرزا محمود کی متبع جس کو قادیانی پارٹی کہا جاتا ہے تیسرے مسٹر محمد علی لاہوری کی متبع جس کو لاہوری پارٹی کہا جاتا ہے

پہلی پارٹی مرزا غلام احمد کے مذہب کو بغیر کسی نفاق و تاویل کے ظاہر کرتی ہے اور اُن کو اُن کی تعلیم کے مطابق نبی اور رسول مستقل ناسخ شریعت مانتی ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو معاذ اللہ منسوخ کہتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں مرزا کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری پارٹی خواہ اپنی چالاکی کی وجہ سے کہ مسلمان ایسے شدید کفر سے فوراً متنفر ہو جائیں گے۔ یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے مرزا کی تصریحات کے خلاف اُس کو صاحب شریعت ناسخ القرآن نہیں مانتی، لیکن نبی اور رسول ہونے کا بلکہ دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتی اور ظاہر کرتی ہے۔

تیسری پارٹی اُس کو مسیح موعود اور مہدی و امام کہتی ہے۔ نبی اور رسول کا لفظ بھی اُس کے لئے استعمال کرتی ہے مگر یہ کہہ کر کہ لغوی اور مجازی اُمتی نبی ہیں ایسے نہیں جیسے پہلے انبیاء گذرے ہیں۔

ان تینوں پارٹیوں کے عقائد مفصل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دام مجدہم نے اپنے رسالہ "اشد العذاب" میں اُن کی کتابوں ہی سے بقید صفحات نقل کئے ہیں جن میں سے بعض بطور نمونہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

**اروپی مرزائی کے عقائد**

رسالہ المبارک ص ۲۳ میں اروپی کہتا ہے۔ اپنے عقائد کا خلاصہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوئے

اس کا حاکم مختار کوئی ایسا شخص ہونا چاہیئے جو صحیح معنی میں مسلمان ہو اور مسائل شریعت کو ان کے اصلی ماخذوں سے سمجھنے کی جبارت رکھتا ہو اور اس کی شریعت فہمی پر علم مسلمانوں کو اعتماد ہو۔ اس کا نام جج رکھا جائے یا قاضی یہ اختیاری ہے۔

(۵) اس عدالت کے تمام ملازمین میں صلاحیت کار کے علاوہ امانت و دیانت اور خدا ترسی کے اصول پر شدت سے نظر رکھی جائے جہاں رشوت کا خطرہ بھی ہو۔ تو اس کو بدلا جائے اور رشوت کا ثبوت مل جائے تو دوسرے محکموں سے زیادہ شدید سزا اس محکمہ کے رشوت خور کو دی جاتے۔ اگر اس تجویز کو مفید سمجھا جائے تو اس کے نظام کا مکمل خاکہ چند ماہر علماء اور چند ماہرین قانون مل کر بآسانی مرتب کر سکتے ہیں — یہ تو وہ تجویز ہے جو ہر قانون کے لئے ہر حال میں ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی بہتر سے بہتر قانون بنانا بھی مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ہر دفعہ کے متعلق تفصیلی نظر کے ساتھ اصلاح مفاسد کی تجویزیں ملاحظہ فرمائیے۔

احسن طور پر یہ بیان کرنا ہوگا کہ لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ - اور اُسی کتاب کے صفحہ مذکور پر ہے - قرآن کریم کو سچے دل سے منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے اس تازہ وحی الٰہی پر یقین لانا مقدم سمجھنا ہوگا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

پھر اُسی صفحہ میں لکھتا ہے اور خدا کی عبادت کرتے وقت مسجد اقصیٰ اور مسیح موعود کے مقام قادیان کی طرف منہ کرنے کو ترجیح دینی ہوگی - پھر رسالہ "تبدیل قانون ص ۷، ۲ میں مفصل تحریر کے ذیل میں لکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے لئے وہ شریعت نہیں رہی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھی - دیکھو حضرت مسیح موعود کیسی وضاحت سے لکھتے ہیں الخ

**قادیانی پارٹی کے عقائد**

مرزا محمود خلیفہ قادیان اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ ص ۱۷۴ میں لکھتے ہیں "پس شریعتِ اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔

اور اخبار الفضل جلد دوم ۱۲۲ و ۱۲۳ مورخہ ۴ و ۶ اپریل ۱۹۱۵ء میں ہے حکم کیا ہے حضرت مسیح موعود نبی ہیں یہ بلحاظ نفس نبوت یقیناً ایسے ایسے ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حکم کیا ہے۔ نبی کا منکر اُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا کے فتوے کے نیچے داخل ہے (اشد العذاب ص ۵۴ بحوالہ رسالہ موجودہ قادیانی مذہب)

اور رسالہ موجودہ قادیانی مذہب ص ۳ میں بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۴ لکھا ہے قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے۔ اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں اس سے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔

**لاہوری پارٹی کے عقائد**

اشد العذاب ص ۷۰ میں بحوالہ ہینڈ بل ۲ ص اقبل اس کے کہ جناب میاں صاحب اور اُن کے مریدین کے عقائد کو خلاف عقائد حضرت مسیح موعود دکھایا جاوے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ امام الزمان مجدد ملہم من اللہ جزوی ظلی بروزی مجازی امتی نبی بمعنی محدث نہ بمعنی نبی مہدی و مسیح موعود ہیں۔

یہ تو وہ عقیدہ ہے جو لاہوری پارٹی مرزا کے متعلق رکھتی ہے اس کے علاوہ خود اس

# دفعہ ۴

## یتیم پوتے نواسے کی وراثت[1]

اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جس شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک لڑکے یا لڑکی کی وفات اس کے حیات میں ہو گئی اور مرنے والے لڑکے لڑکی نے اولاد چھوڑی تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ سے صلبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔

موجودہ قانون نے ان کو حصہ دلانے کے لئے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے اُن کا حصہ ان کی اولاد کو دلوایا ہے —— اس قانون کا منشاء اگر فی الواقع یتیموں پر شفقت اور اُن کی مشکلات کا حل ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مقصد مبارک ذرعین مطابق قرآن و سنت ہے۔ پورا قرآن یتیموں کے حقوق سے بھرا ہوا ہے۔

مگر قرآن و سنت نے یتیموں کی کفالت کا مستقل قانون کے ذریعہ انتظام کیا ہے۔ کسی مرنے والے کی میراث کے موہوم حصہ پر ان کو نہیں چھوڑا۔ قانون یہ ہے:۔

الف:۔ یتیم پوتے پوتیوں کی تمام ضروریات کی کفالت جب تک دادا زندہ ہے اُس کے ذمہ ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو حکومت جبراً اس سے وصول کر کے یتیموں کا حق ادا کرے گی۔

ب:۔ دادا کے انتقال کے بعد ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اُن کے اُن رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ عائد ہوتی ہے جو ان بچوں کے شرعی وارث ہو سکتے ہیں۔

---

[1] اس مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک مستقل رسالہ بنام "یتیم پوتے کی میراث" عرصہ ہوا شائع ہوا تھا جس میں اس مسئلہ کو شرعی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے۔ اب یہ رسالہ بھی جواہر الفقہ کے آخر میں لگا دیا گیا ہے۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ، ۲۸/۴/۹۲ھ

کے ذیل میں مسٹر محمد علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں بہت سی آیاتِ قرآنیہ کی ایسی تحریف کی ہے جن میں سے ہر ایک مستقل وجہ کفر معلوم ہوتی ہے۔ ان عقائد پر غور کرتے ہوئے ہر ایک پارٹی کے متعلق جُداجُدا تحریر فرمایا جاوے کہ یہ پارٹیاں خارج از اسلام ہیں یا ان میں کوئی تفصیل ہے؟

# الجواب

ان تینوں پارٹیوں میں چند وجوہ تو کفر ہیں اور بعض وجوہ خاص خاص پارٹیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس جگہ مشترک وجوہ میں سے چند وجوہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) مرزا کو باوجود ایسے صاف دعویٰ نبوت کے جس میں کسی تاویل کی ہرگز گنجائش نہیں مسلمان بلکہ مہدی و مسیح سمجھنا۔

(۲) ختم نبوت کے مسئلہ میں جو کہ ضروریاتِ دین میں سے ہے تاویل فاسد کرنا اور اس کے اجماعی مفہوم کو بدلنا۔

(۳) مرزا کو باوجود کھلی ہوئی توہین انبیاء کے مسلمان سمجھنا یہ وجوہ کفر ایسی ہیں جو تینوں پارٹیوں میں مشترک ہیں اور ان کے کفر کے لئے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری بہت سی وجوہ اور بھی ہیں جن کے استیعاب کی اس جگہ ضرورت نہیں اور وجوہ مذکورہ بالا کے کفر ہونے کا ثبوت تمام کتب مذہب میں موجود ہے جن میں سے چند عبارات اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وکذلک ابن القاسم فی من تنبأ وزعم انہ یوحی الیہ وقالہ سحنون وقال ابن القاسم فیمن تنبأ انہ کالمرتد سواء کان دعا ذلک الی متابعۃ نبوتہ سرا اوجھرا | ابن قاسم اس شخص کے متعلق کہتے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرے کہ وہ مثل مرتد کے ہے خواہ اپنی نبوت کی طرف وہ لوگوں کو سرًا دعوت دے یا جہرًا جیسے مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ تعالیٰ اور اصبغ بن فرح فرماتے ہیں کہ وہ یعنی وہ شخص جو یہ |

مثلاً چچا۔ تایا۔ ماموں وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر ذمہ داری اپنے اپنے حصہ وراثت کے تناسب سے ہوگی۔ قرآن کریم کا اس بارہ میں واضح ارشاد ہے وعلی الوارث مثل ذلک اور یہ چچا تایوں یا ماموؤں کا کوئی احسان و تبرع نہیں بلکہ ان پر شرعاً لازم و واجب ہے جو ان سے جبراً بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔ دادا کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا حقدار شریعت اسلام میں جن چچا تایوں کو قرار دیا ہے انہیں پر یتیم بھتیجوں بھتیجیوں کے نفقہ اور ضروریات کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ حصہ وراثت تو امر موہوم ہے کیوں کہ دادا کا ترکہ چھوڑنا ہی خود غیر یقینی ہے پھر حصہ وراثت کی مقدار معلوم نہیں۔ شریعت اسلام نے اس موہوم چیز پر یتیموں کے حقوق کو موقوف نہیں رکھا بلکہ ان کے دادا کی وراثت سے ان کو کچھ ملے یا نہ ملے ہر حال میں دادا کے بعد بھی ذمہ داری ان پر ڈالی ہے۔

ج :۔ اگر دادا خود مفلس ہے یتیموں کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہے تو ان کی زندگی میں بھی یہ ذمہ داری دوسرے قریبی رشتہ داروں پر بقاعدہ الاقرب فالاقرب عائد کی جائے گی۔

د :۔ اگر یتیموں کے رشتہ داروں میں کوئی بھی ان کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں تو ان کی پوری ذمہ داری حکومت پر ہوگی وہ اصول شریعت کے مطابق بیت المال کا قیام عمل میں لائے اور اس کے ان مدات جو یتیموں اور مساکین کے لئے مقرر ہیں ان کی ضروریات کا تحفل کرے۔

ھ :۔ اور اگر دادا نانا کی میراث ہی میں سے یتیم پوتوں نواسوں کو حصہ دلانے پر کسی کو اصرار ہے تو اس کی بھی جائز صورت یہ ہے کہ جب ان کے کسی لڑکے یا لڑکی کا انتقال ہوا تو اولاً یہ دادا نانا خود ہی ان یتیموں کا خیال کرکے ایک تہائی مال کے اندر بقدر مناسب ان کو فوری طور پر ہبہ کردیں یا مرنے کے بعد کے لئے وصیت کردیں۔ اور اگر وہ خود نہیں کرتے تو یتیموں کے دوسرے اعزاء و اقارب دادا نانا کو اس طرف توجہ دلائیں کہ وہ ان کے لئے وصیت کے ذریعہ مناسب حصہ مقرر کردیں۔

احادیث صحیحہ میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور بہت سے حضرات مفسرین کے

کمسیلمۃ لعنہ اللہ وقال اصبغ بن الفرج ھو ای من زعم انہ نبی یوحی الیہ کالمرتد فی احکامہ لانہ قد کفر بکتاب اللہ لانہ کذبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ انہ خاتم النبیین ولا نبی بعدہ مع الفریۃ علی اللہ۔

کہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے تمام احکام میں مثل مرتد کے ہے اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا منکر ہے۔ کیونکہ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکم میں تکذیب کی کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افترا بھی کرتا ہے (کیونکہ اس نے اس کو نبی صادق نہیں بنایا یہ محض افترا کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے)۔

ابن حبان فرماتے ہیں۔

من ذھب الی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع اوالی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق یجب قتلہ

(زرقانی ص ۱۸۸ ج ۶)

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب عمل سے حاصل ہو سکتی ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگی یا یہ کہ نبی سے ولی افضل ہے وہ زندیق ہے اس کا قتل واجب ہے۔

اور شفاء قاضی عیاض میں ہے۔

وقد قتل عبد الملک ابن مروان الحارث المتنبیٔ وصلبہ وفعل ذٰلک غیر واحد من الخلفاء والملوک باشباھھم واجمع علماء وقتھم علی صواب فعلھم والمخالف فی ذٰلک من کفرھم کافر۔

(اکفار ص ۴۳)

عبد الملک ابن مروان نے حارث مدعی نبوت کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا اور یہی معاملہ بہت سے خلفاء اور شاہانِ اسلام نے مدعیانِ نبوت کے ساتھ کیا ہے اور ہر زمانہ کے علماء نے اس پر اجماع واتفاق کیا کہ ان خلفاء اور ملوک کا فعل درست ہے اور جو شخص ان مدعیانِ نبوت کے کفر میں اختلاف کرے وہ بھی کافر ہے۔

اور شرح شفاء میں ہے:۔

وکذلک نکفر من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ای فی زمنہ کمسیلمۃ الکذاب و

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو نبی مانے یعنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کسی

نزدیک سورۂ بقرہ کی آیت وصیت کی روسے بھی ان کو ایسی وصیت کر دینا کم از کم اولیٰ وافضل ہے۔

# دفعہ ۵

# نکاح کا رجسٹریشن

اس قانون کا منشاء نکاح کے بارہ میں جعل سازی اور غلط کارروائیوں کا انسداد ہے۔ اس کے لئے کوئی انسدادی قانون بنانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں اصل نکاح کو تسلیم کر کے اس کے تمام قانونی حقوق نسب وراثت وغیرہ کو قائم رکھا جائے۔

موجودہ قانون بھی اگرچہ اسی نوعیت کا ساتھ ہے لیکن اس کی خلاف ورزی پر جو شدید سزا اس قانون میں رکھی گئی ہے وہ مناسب نہیں اس کو وہی درجہ دیا جانا مناسب ہے جو تمام اہم معاملات جائدادوں وغیرہ کے رجسٹریشن کا ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر کوئی تعزیری سزا نہیں۔ مگر رجسٹریشن کی صورت میں جو قانونی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں بغیر رجسٹریشن کے ان سے محروم رہتا ہے اس لئے بغیر کسی سزا کے یہ رجسٹریشن کا قانون خود بخود چل رہا ہے۔ شاذو نادر کوئی واقعہ ایسا پیش آتا ہوگا کہ کسی جائداد کا معاملہ بغیر رجسٹری کر لیا جائے۔ اس لئے اس طریق سے یہ منشا قانون پورا ہو سکتا ہے۔

# دفعہ ۵

# تعدد ازدواج

اس دفعہ میں تعدد ازدواج پر کڑی پابندیاں عائد کرنے کا منشا یہ تبلایا جاتا

| | |
|---|---|
| والاسود العنسی او ادعی نبوة احد بعدہ فانه خاتم النبیین بنص القرآن والحدیث فهذا تکذیب الله ورسوله صلی الله علیه وسلم کالعیسویة۔ (شرح شفاء) | کو نبی تسلیم کرے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی یا آپ کے بعد کسی شخص کی نبوت کا قائل ہو اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نص قرآن وحدیث خاتم النبیین ہیں تو آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کو نبی قرار دینا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی تکذیب ہے جیسے عیسویہ کہتے ہیں۔ |

اور صحیح الاعشیٰ ص ۳۰۵ میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| وهاتان المسئلتان من جملة ما کفر به بتجویز النبوة بعد النبی صلی الله علیه وسلم الذی اخبر تعالیٰ انه خاتم النبیین۔ | اور یہ دونوں مسئلے اُن مسائل میں سے ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری رہنے کو جائز قرار دیا۔ جن کے متعلق حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ |

فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶۳ ج ۲ میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| اذا لم یعرف ان محمدا صلی الله علیه وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم ولو قال انا رسول او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید به من پیغام می برم یکفر۔ (فتاوی عالمگیری) | جو کوئی شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر یہ کہا کہ میں رسول ہوں (اگرچہ اُس کی مراد اصطلاحی رسول وپیغمبر نہ ہو) بلکہ پیغام رساں مراد ہو جب بھی وہ کافر ہے کیونکہ یہ تاویل بے معنی اور الحاد کا دروازہ کھولنے والی ہے)۔ |

علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| من اعتقد وحیا بعد محمد صلی الله علیه وسلم کفر باجماع المسلمین۔ | جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئی وحی کا اعتقاد کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔ |

ہے کہ بہت سے لوگ حرص و طمع کی بناء پر ایک سے زائد شادیاں کر لیتے ہیں پھر اُن سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتے۔ یا نہیں کرتے خصوصًا بیویوں کے درمیان برابری نہیں کی جاتی جس سے گھروں میں طرح طرح کے جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں ان کے انسداد کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے۔

یہاں سب سے پہلے غور طلب یہ بات ہے کہ جو شخص اسلام کی تاریخ اور اس کے احکام سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، تعدد ازدواج کو خود تو کوئی جرم نہیں کہہ سکتا۔ جرم ہوگا تو وہ مظالم ہوں گے جو نکاح کے بعد شوہر کی طرف سے عمل میں آئیں گے۔ اور یہ مظالم جو شوہر کے جبروتشدد یا جہالت کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ صرف دوسری تیسری بیوی ہی پر نہیں ہوتے۔ جس شخص کی ایک بیوی ہے اس سے بھی ایسے مظالم کے ارتکاب کے واقعات کچھ کم نہیں۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اس کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ جتنے مقدمات عدالتوں میں عورتوں کی طرف سے دائر ہوتے ہیں ان کا سرسری جائزہ لے لیا جائے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک بیوی والے شوہروں کے مظالم دو یا زیادہ بیویاں رکھنے والوں کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ ہیں تو سب سے زیادہ فکر ان کے انسداد کی ناگزیر ہے۔ قانون کی نظر میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ایک بیوی پر جو مظالم ہوتے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہ کی جائے صرف ایک سے زائد ہونے والی بیوی کے مظالم ہی قابل اصلاح و انسداد سمجھے جائیں۔ اور اگر دونوں قسم کے مظالم کا انسداد مقصود ہے تو موجودہ قانون کی رو سے ہر نکاح پر ایسی ہی پابندیاں عائد کرنا اور خلاف ورزی کی صورت میں سزائیں جاری کرنا لازم آئے گا جس کو کوئی ہوشمند انسان درست نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہمارے قانون ساز حضرات ہی نے اس کو صحیح سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ پیشگی خوف کی بناء پر کوئی نیا قانون بنانے کے بجائے حقوق زوجین سے متعلق اسلام کا مشہور و معروف قانون جاری کرنے کا انتظام پورا کر دیا جائے جس کے ذریعہ مظلوم کو دادرسی مشکل نہ رہے تو اس قسم کے سارے ظلم وجور

اشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ میں لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات | جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الانبیاء نہ سمجھے وہ مسلمان نہیں اس لئے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے۔ |

(اشباہ ص ۲۹۶)

❖ ❖ ❖

اور ملا علی قاری شرح شمائل میں مہر نبوت کے متعلق فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| واضافتہ الی النبوۃ لانہ ختم بہ بیت النبوۃ بحق لا یدخل بعدہ احد۔ | خاتم النبوت میں خاتم کی اضافت نبوت کی طرف اس لئے کی گئی کہ اس نے بیت نبوت پر مہر لگا دی کہ اس کے بعد اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ |

اور نیز علامہ موصوف شرح فقہ اکبر ص ۱۹۱ میں فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ودعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع | اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع مسلمین کفر ہے۔ |

(مطبوعہ گلزار محمدی لاہور)

❖ ❖ ❖

اور علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ کو نہایت مکمل لکھا ہے جس کے چند جملے یہ ہیں:-

| | |
|---|---|
| وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔ | آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان چیزوں میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے تصریح فرمائی اور احادیث نبویہ نے ان کو واضح کر دیا۔ پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر کہا جاوے گا اور اگر اس پر اصرار کرے گا تو قتل کیا جائے گا |

(روح المعانی ص ۶۵ جلد ۷)

اور تحفہ شرح منہاج میں لکھا ہے:-

| | |
|---|---|
| وکذب رسولاً او نبیاً او | یا کسی رسول و نبی کی تکذیب کرے یا اُن کی کسی |

اور جبر وتشدد کا خود بخود انسداد ہو جائے گا۔

اپنے حقوق سے محروم اور مظلوم بیوی خواہ وہ ایک ہو یا متعدد اگر عدالت سے دادرسی کی سہولتیں مہیا کر دی جائیں تو بعض صورتوں میں شوہروں پر تعزیری سزائیں جاری ہوں گی بعض میں حاکم کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا جس سے خود بخود حالات کی اصلاح ہو جائے گی۔ جو شخص ایک سے زائد بیوی کے حقوق ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ خود ایسا وبال اپنے گلے میں نہ ڈالے گا۔ جس کے نتیجہ میں اس کو سزا بھگتنی پڑے یا بیوی اس کے ہاتھ سے جائے۔ اور اگر عدالتی سہولتیں مہیا نہیں کی جائیں تو یقین کیجیے کہ موجودہ قانون بھی کسی مرض کی دوا ثابت نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسداد مظالم کے لئے کسی مزید قانون سازی کی ضرورت نہیں۔ صرف عدالتی سہولتیں مہیا کر دینا سب کا علاج ہے جس کی صورت اور شرعی قانون ابتدا میں بتائی جا چکی ہے

اس کے علاوہ ہر برائی کو قانون کے ذریعہ روکنے کا اصول خود بھی قابل قبول نہیں بلکہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر کوئی بھی قانون انسداد جرائم کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً زوجین کے معاملات ایسی نزاکت رکھتے ہیں کہ ان میں قانون کی مداخلت بسا اوقات اور زیادہ مفاسد پیدا کر دیتی ہے اس تعلق میں ظلم وجور کی اصلاح بجز خوف خدا و آخرت یا شرافت نفس اور ذہنی تربیت کے بہت ہی مشکل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نکاح کے شروع میں جو خطبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس میں تین آیتیں قرآن کی پڑھی جاتی ہیں اور ان تینوں کے اول میں بھی آخر میں بھی تقویٰ اور خوف خدا تعالیٰ کی تاکید کی گئی ہے کیوں کہ زوجین کے تعلقات کو ہموار رکھنے کے لئے قانونی مداخلت سے زیادہ خوف خدا و آخرت ہی کامیاب ذریعہ ہے۔

اس لئے بھی تعدد ازدواج سے پیدا ہونے والے خطرات کی روک تھام کے لئے مؤثر اور مفید صورت یہی ہے کہ عوام کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا حکومت اور علماء اپنے پورے وسائل کے ساتھ انتظام کریں اور پھر بھی جو جرم کسی سے صادر ہو جائے

نتصه بای منقص کان صغر اسمه
مرید التحقیره او جوز نبوة احد
بعد وجود نبوة نبینا صلی الله
علیه وسلم وعیسی علیه السلام
نبی قبل فلا یرد۔
(از اکفار ص ۴۲)

طرح تنقیص شان کرے خواہ اسی طرح ہو کہ اُن کے
نام کی تصغیر بقصد تحقیر کرے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کے لئے نبوت
کو جائز رکھے (وہ کافر ہے) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(باوجود نبی ہونے کے آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اس
سے ختم نبوت پر شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔

۞ ۞ ۞

اور ملل ص ۲۴۹ جلد ۳ میں فرماتے ہیں:۔

وکذلك من قال (الی قوله)
او ان بعد محمد صلی الله علیه وسلم
نبیا غیر عیسیٰ بن مریم علیه
السلام فانه لا یختلف اثنان
فی تکفیره لصحة قیام الحجة بکل

ایسے ہی وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ کہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بجز عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی
اور نبی ہے کیونکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس میں
دو آدمی بھی اختلاف نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ
اس پر حجت قائم ہے۔

اور شیخ ابو شکور سالمی رح تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وقالت الروافض ان العالم
لا یکون خالیا من النبی قط و
هذا کفر لان الله تعالی قال
وخاتم النبیین ومن ادعی
النبوة فی زماننا فانه یصیر کافرا
ومن طلب منه المعجزات فانه
یصیر کافرا لانه لا شك فی النص
فیجب الاعتقاد بانه لا شرکة لاحد فی
النبوة لمحمد صلی الله علیه وسلم

روافض کہتے ہیں کہ عالم کسی وقت ہرگز نبی
سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ
نے فرمایا ہے (وخاتم النبیین) اور جو شخص ہمارے
زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جاتا ہے
اور جو شخص اس سے (بنظر اعتقاد) معجزات طلب کرے
وہ بھی کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی میں شک
کیا۔ پس واجب ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جاوے
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں کسی کی
شرکت نہیں ہے۔ بخلاف روافض کے جو کہتے ہیں

اس کا انتظام ان قوانین شرعیہ کے ذریعہ کیا جائے جن کی رو سے مظلوم عورت شوہر سے اپنا انتقام لے سکتی ہے۔

# دفعہ ۷

## طلاق و عدت کے مسائل

اس دفعہ کا منشار اُن گھریلو جھگڑوں کا انسداد بتلایا جاتا ہے جو زوجین کے باہمی اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس دفعہ کی چھ ضمنی دفعات میں سے اکثر ایسی ہیں جن کا خانگی نزاعات سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں بلا وجہ قرآن و سنت کے مخالف صورتیں تجویز کر کے پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا کی گئی ہے۔ مثلاً ضمن (۳) میں طلاق کے مؤثر ہونے کی آخری میعاد نوے دن مقرر کرنا۔ جبکہ قرآن کریم نے قبل از خلوت طلاق پر ایک دن کی بھی عدت لازم نہیں کی اور خلوت کے بعد عدت طلاق واضح طور پر تین ایام ماہواری مقرر فرمائی۔ والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء۔ یعنی مطلقہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین مرتبہ ایام ماہواری پورے ہونے تک۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تین ماہواری کبھی نوے دن سے کم میں بھی پورے ہو سکتی ہیں اور کبھی اس سے زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔

معلوم نہیں ہمارے قانون ساز حضرات نے خانگی نزاعات ختم کرنے کے لئے اس میں کون سی مصلحت سمجھی ہے کہ قرآن کی نص صریح کے مخالف نوے دن مقرر کر دیئے اسی طرح ضمن (۵) میں حاملہ کی عدت جو مدت حمل یا نوے دن میں سے جو زائد ہو اس کو قانونی عدت قرار دیا ہے ـــــ جبکہ قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ حمل سے فراغت ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہو یا ہے وہ ایک گھنٹہ کے بعد ہی ہو جائے۔ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔ اور حمل والیوں کی مدت یہ ہے

| | |
|---|---|
| بخلاف ما قاله الروافض ان علیا | کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ |
| کان شریکاً لمحمد صلی اللہ علیہ | علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک تھے۔ اور |
| وسلم فی النبوۃ وھذا منھم کفر۔ | یہ اُن کا (کھلا ہوا) کفر ہے۔ |

اور امام غزالی اپنی کتاب اقتصاد میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ان الامۃ فھمت من ھذا | تمام امت محمدیہ نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین) |
| اللفظ انہ افھم عدم نبی بعدہ | سے یہی سمجھا ہے کہ اس نے یہ تبلایا ہے کہ نبی کریم صلی |
| ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا | اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی ہوگا نہ |
| وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص | رسول۔ اور یہ کہ نہ اُس میں کوئی تاویل ہے نہ تخصیص |
| فکلامہ من انواع الھذیان | اور جو شخص اُس میں کسی قسم کی تخصیص و تاویل کرے |
| لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانہ | اُس کا کلام مجنونانہ ہذیان (بڑ) ہے اور یہ تاویل |
| مکذب لھذا النص الذی | اُس پر حکم کفر کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس |
| اجمعت الامۃ علی انہ غیر مأول | نص قرآنی کی تکذیب کرنے والا ہے جس |
| ولا مخصوص۔ | کے متعلق اُمت کا اجماع ہے کہ وہ نہ مؤول ہے |
| | نہ مخصوص۔ |

❋ ❋ ❋ ❋

اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ادعت ایضا ان علیا نبی (ای الروافض ۱۲) | روافض نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رض |
| لعنھم اللہ والملائکۃ وسائر | نبی ہیں۔ لعنت کرے اللہ تعالےٰ اور اس کے |
| خلقہ الی یوم الدین وقلع اٰباد | فرشتے اور تمام مخلوق اُن پر قیامت تک، اور |
| خضرائھم ولا جعل منھم فی الارض | برباد کرے اُن کی کھیتیوں کو اور نہ چھوڑے |
| دیارا فانھم بالغوا فی غلوھم | ان میں سے کوئی گھر میں بسنے والا۔ اس لئے کہ انھوں |
| ومردوا علی الکفر و ترکوا الاسلام | نے اپنے غلو میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور کفر |
| وفارقوا الایمان وجحدوا الا | میں جم گئے۔ اور اسلام و ایمان کو چھوڑا اور |
| الہ الا اللہ والرسل والتنزیل | انبیاء اور قرآن کا انکار کیا۔ پس ہم اللہ تعالےٰ |

کہ وہ اپنے حمل سے فارغ ہو جائیں۔

بہرحال ان ضمنی دفعات کا منشاء قانون "خانگی نزاعات" سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا بلا وجہ مخالفت قرآن و سنت کا وبال سر لیا گیا ہے شرعی اور عقلی اعتبار سے نزاعات خانگی کے انسداد کے متعلق اس دفعہ میں صرف ضمن (۴) یعنی مصالحتی کونسل ہے۔ اور ضمن (۱) و (۲) یعنی چیئرمین بورڈ کو طلاق کا نوٹس دینے کی قانونی پابندی بھی اسی مصالحتی کونسل سے وابستہ ہے مگر اس قانون میں اس کی بھی صورت یوں بگاڑ دی گئی ہے کہ قرآن کریم نے مصالحتی کونسل کی تجویز اس وقت رکھی ہے جبکہ نوبت طلاق تک نہ پہنچی ہو اور اس مصالحتی کونسل کا مقصد یہ قرار دیا ہے۔ کہ فریقین کے خاندانی افراد ان کی باہمی شکایات کو سن کر مصالحت کی کوشش کریں تاکہ نوبت طلاق تک نہ پہنچے۔ اس کے خلاف اس قانون نے مصالحتی کونسل کی تشکیل ہی طلاق کے بعد رکھی ہے جس کے بعد بعض صورتوں میں تو مصالحت بھی حرام ہو چکی ہو گی۔ اور اس دفعہ کی رو سے جو تشکیل مصالحتی کونسل کی کی گئی ہے وہ بھی قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہے۔ قرآن کریم نے اس کونسل میں صرف زوجین کے خاندانی افراد کو رکھا ہے۔ کسی غیر کی مداخلت پسند نہیں فرمائی اور موجودہ قانون نے یونین بورڈ کے چیئرمین کو اس کونسل کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا ہے جو سراسر خلاف شرع اور خلاف مصلحت ہے ——

اس لئے اس دفعہ میں خانگی نزاعات کی اصلاح کے لئے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ زوجین کو اس کا پابند کیا جائے کہ جب کوئی نزاع آپس میں ایسا پیش آجائے جس کی نوبت طلاق تک پہنچ سکتی ہے تو طلاق سے پہلے اس نزاع کو فریقین کے خاندانی افراد کی پنچائت میں رکھا جائے تاکہ وہ مصالحت کی کوشش کرلیں۔

(۲) اگر ان کی کوشش ناکام ہو جائے اور نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو صرف ایک یا دو طلاق تک یہ خاندانی پنچایت پھر بھی مصالحت کی کوشش اس طرح کرے کہ طلاق کی نوعیت کو دیکھ کر اگر وہ طلاق رجعی ہے تو شوہر کو رجعت پر آمادہ

فنعوذ باللہ من ذھب الی ھذہ المقالۃ — سے پناہ مانگتے ہیں۔ اُس شخص سے جس نے یہ قول اختیار کیا۔

اور علامہ عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ شرح فرائد میں روافض کی تکفیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فساد مذاھبھم غنی عن البیان لشھادۃ العیان کیف و ھو یؤدی الی تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم او بعدہ و ذلک یستلزم تکذیب القرآن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین و اخر المرسلین و فی السنۃ انا العاقب لا نبی بعدی و اجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاھرہ وھذا احد المسائل المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالی (ازاکفار ص ۴۲)

اُن کے مذہب کا فساد محتاج بیان نہیں بلکہ مشاہد ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے اور اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ آپ خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر بغیر کسی تاویل و تخصیص کے رکھا جائے اور یہ بھی اُنھیں مسائل میں سے ہے جن کی وجہ سے ہم نے فلاسفہ ملاعنہ کی تکفیر کی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ مرزا کو باوجود ان خیالات و عقائد باطلہ کفریہ کے جو باجماع امت کفر ہیں اور جن سے مرزائی کتابیں لبریز ہیں نہ صرف مسلمان بلکہ مسیح موعود مہدی موعود۔ محدث وغیرہ مانتے ہیں جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) تمام اسلاف اُمت صحابہ و تابعین اور ائمہ اجتہاد اور ساڑھے تیرہ سو برس تک کے تمام علماء گمراہی و ضلالت میں تھے کہ وہ جن اقوال و افعال کو باجماع کفر و ضلال کہتے ہیں وہ بجائے کفر و ضلالت کے ہدایت مجسمہ اور مسیحیت موعودہ ہے۔ اور کوئی ایسا عقیدہ رکھنا جس سے تمام اُمت کا گمراہی پر ہونا لازم آئے باتفاق کفر ہے۔

کرے۔ اور بائن ہے تو فریقین کو دوبارہ آپس میں نکاح جدید کر لینے کی ترغیب دے۔ تین طلاق کی صورت میں نہ مصالحت کرانے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ فریقین کے اختیار میں ہے کہ باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کر سکیں۔

(۲) تین طلاق بیک وقت دینا قرآن وسنت کی رُو سے گناہ اور ایک مکروہ عمل ہے۔ جس تک پہنچنا منشار قرآن کے خلاف ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے کہ طلاق دینے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ دو مرتبہ تک طلاق دی جا سکتی ہے۔ (الطلاق مرتان)

اس کے بعد تیسری طلاق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے جائز طریقہ سے تجاوز کر کے تیسری طلاق دے ہی دی تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر ان کے آپس میں تجدید نکاح بھی نہ ہو۔

(فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ)

آج کل عام جہالت کی وجہ سے ہر طلاق دینے والا تین ہی طلاق دیتا ہے۔ اور عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ تین سے کم میں طلاق مکمل ہی نہیں ہوتی۔

عدالتوں کے عرائض نویس بھی جب ان کو طلاق نامہ لکھنے کو کہا جائے تو تین ہی طلاق لکھتے ہیں —— اور یہ بات بھی عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ تین طلاق کے بعد جب ہوش آتا ہے تو فریقین آپس میں مصالحت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ مگر بات ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے۔

اس لئے یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ جو شخص بیک وقت تین طلاق دے گا اس پر عدالت کو حسب صوابدید تعزیری سزا جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔ لیکن اس سزا کے باوجود تین طلاق کے شرعی اثر کو برقرار رکھا جائے گا کہ حسب شرائط دوسری شادی اور اس سے جدائی کے بغیر ان کے آپس میں نکاح نہیں ہوگا جس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع اور امت کے چاروں امام۔ ابو حنیفہ رح۔ شافعی رح

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔

وکذلک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ المرحومۃ وتکفیر جمیع الصحابۃ (شرح شفا للقاری ص ۵۲۱ ج ۲)

اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا بھی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام اُمت مرحومہ اور تمام صحابہ کی تکفیر لازم آتی ہو۔

اور علامہ ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

وفی معنی ذلک کل من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انہ لا یصدر الا عن کافر (الی قولہ) او یشک فی نبوۃ نبی (الی قولہ) او فی تکفیر کل قائل قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ (زواجر ص ۴۲ ج ۱)

اور اسی حکم میں ہے وہ شخص جو کوئی ایسا فعل کرے جس کے متعلق مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ فعل سوائے کافر کے کسی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ یا کسی نبی کی نبوت میں شک کرے یا اس شخص کی تکفیر میں شک کرے جو ایسا قول اختیار کرتا ہے کہ جس سے تمام اُمت کا گمراہ ہونا سمجھا جاوے

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے کفر میں جو شخص شک کرے وہ بھی کافر ہے پس جب کسی کافر جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو صرف مسلمان کہتا بلکہ اُس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ زواجر کی عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا اگرچہ کسی تاویل کے ساتھ ہو تو پھر مرزا کو اس کے عقائد معلوم ہونے کے بعد مہدی اور مسیح وغیرہ کہنے والا ضرور بالضرور کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں اس پر اجماع نقل کیا ہے ولفظہ ہذا

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احدا من النصاری والیہود وکل من فارق دین المسلمین

اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نصاری و یہود میں سے کسی کو کافر نہ سمجھے یا اُس شخص کو کافر نہ سمجھے جو مسلمانوں کے دین سے جدا ہو۔ یا اُس میں

مالکؒ، احمد بن حنبلؒ کا اتفاق ہے۔ اس سے اس جماعت یا افراد کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جن کا مسلک یہ ہو کہ ایک ہی مرتبہ کی تین طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوتی۔

# دفعہ ۱۲

## نکاح میں عمر کی پابندی

اس دفعہ کا منشا ان خرابیوں کا انسداد ہے جو نکاح صغرسنی پر عام طور سے مرتب ہوتی ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی برادریوں میں جو صغرسنی کی حالت میں نکاح کا رواج ہے اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں بہت سی لڑکیوں کی پوری زندگی سب ۔ ماتی ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ہر برائی کو صرف قانون اور سزا ہی کے ذریعہ روکنے کا اصول صحیح نہیں اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برائی کو روکنے کے لئے کافی بھی نہیں۔

(۱) بہت سی برائیاں جو انسانی معاشرہ میں پیدا ہوتی ہیں ان کا صحیح علاج بجز ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس معاملہ میں بھی اگر نشرواشاعت کے تمام وسائل سے عوام کو ان مفاسد سے آگاہ کیا جائے اور جن برادریوں میں اس کا زیادہ رواج ہے ان کو اجتماعی طور سے سمجھایا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ وہ اس غلطی سے باز آجائیں۔ لیکن قانونی طور پر اس کو قابل سزا جرم قرار دینے میں قانون شریعت سے تصادم ہوتا ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) شریعت اسلام نے انہیں مفاسد کی اصلاح کے لئے یہ قانون پہلے سے بنایا ہوا ہے کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کے اولیاء صغرسنی میں ان کا نکاح کردیں تو یہ لڑکا لڑکی بالغ ہوتے ہی تو فوراً اس نکاح کے فسخ کا اعلان کرکے اسلامی

او وقف او شك قال القاضی ابوبکر لان التوقيف والاجماع اتفقا على كفرهم فمن وقف فی ذلك فقد كذب النص والتوقيف او شك فيه و التكذيب والشك فيه لا يقع الامن كافر۔

(بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ نقل شرعی اور اجماع دونوں اُن کے کفر پر متفق ہیں پس جو شخص اس میں (بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے اُس نے نص شرعی کی تکذیب کی اور اُس میں تکذیب یا شک کافر ہی کر سکتا ہے۔

(متن الشفاء از شرح قاری ص ۲ ج ۲)

اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں۔

ومن شك فی كفره وعذابه كفر (در) واقره الشامی

اور جو شخص اُس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

**ایک شبہ کا ازالہ** اگر یہ کہا جاوے کہ یہود و نصاریٰ اور ہنود و آریہ وغیرہ کو مسلمان کہنا تو بے شک حسب تصریحات مذکورہ کفر ہے لیکن قادیانی کا کفر اس درجہ میں نہیں اس کے متعلق اگر کوئی شخص بوجہ حُسن ظن کے تاویل کرے تو گنجائش ہے کیونکہ وہ مدعی اسلام ہے اور ظاہر میں قرآن و حدیث کا اقرار کرتا ہے اور نماز روزہ وغیرہ احکام و شرائع اسلامیہ کا پابند ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ ضروریات دین کے خلاف میں تاویل معتبر نہیں۔ اور نہ اس کی گنجائش ہے ورنہ اگر یہی حسن ظن اور تاویل کی وسعت کی جائے تو دنیا میں کوئی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ عموماً کفار کے طبقات کچھ نہ کچھ تاویل رکھتے ہیں۔ بت پرست اور مشرکین کی تاویل خود قرآن میں مذکور ہے ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔ اور یہ اُن کی تاویل بلا شبہ مرزا کی تاویلات سے زیادہ بہتر ہے۔

مرزا کے عقائد کفریہ۔ نبوت کا دعویٰ۔ وحی کا دعویٰ۔ ختم نبوت کا انکار ختم نبوت کے اجماعی معانی، اور اس بارہ میں آیاتِ قرآنیہ کی تحریف عیسیٰ علیہ السلام کی سخت ترین

عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہ نکاح نابالغ کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہو اور باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں بھی اگر ان کی بدنیتی یا خود غرضی کا ثبوت ہو جائے تو ان کے کئے ہوئے نکاح کو بھی فسخ کیا جا سکتا ہے (شامی)

یہ چند تجاویز کا ایک سرسری خاکہ ہے جن کے تحت ماہر علماء اور قانون داں حضرات کے اشتراک سے ان مسائل کی تفصیلات سامنے رکھ کر قانون بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ الموفق والمعین!

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
شعبان ۱۳۸۳ھ

توہین۔ دوسرے انبیاء کی توہین وغیرہ وغیرہ ان کی تمام تصانیف میں اس قدر واضح اور صاف ہیں کہ ان میں کوئی تاویل کرنا اس سے کم نہیں جو مشرکین کی تاویل بت پرستی کے متعلق آیت مذکورہ میں گذری ہے یا حدیث میں ہے کہ مشرکین بوقت طواف تلبیہ میں کہا کرتے تھے لا شریک لک الا شریکا ھو لک۔ (ترمذی)

اس لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضروریات دین کے بارہ میں اجماعی معانی کے سوا آیات و روایات کی کسی دوسرے معنی کی طرف تاویل کرنا عذر مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل اُن پر حکم تکفیر کے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اکفار الملحدین میں اس کے متعلق کافی نقول جمع فرما دی ہیں (من شاء فلیراجع ثمہ) وللہ الحمد اولہ و آخرہ۔

# عقائد روافض و شیعہ

روافض و اہل تشیع میں بہت سے مختلف العقائد فرقے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے عقائد کو جُدا جدا منضبط کرنا بھی دشوار ہے۔ ایک دوسری مشکل یہ ہے کہ کسی فرقہ کی کتابوں میں اُن کے بعض عقائد معلوم ہوتے ہیں مگر جب وہ عقیدہ اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو وہ اُس کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً کتب شیعہ میں جابجا اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو محرف و ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ مگر جب کہا جاتا ہے کہ تم موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ شدت کے ساتھ اس سے تبری کرتے ہیں۔ ایک مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں عوام روافض کے متعلق یہ فیصلہ بھی دشوار ہے کہ وہ کس فرقہ میں درج ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں ہم روافض کے ساتھ کیا معاملہ کریں اُن کو مسلمان سمجھیں یا کافر اُن کے فرقوں کے جس قدر عقائد معلوم ہو سکے۔ وہ لکھے جاتے ہیں :۔

(۱) بعض شیعہ مسلمانوں سے صرف اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ خلافت کے مستحق اوّل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر باقی صحابہ کرام پر بھی تبرّیٰ

# نابالغہ کے نکاح میں سوءِ اختیار

تاریخ تالیف ——— ۷ا رجب ۱۳۸۹ھ
مقام تالیف ——— دارالعلوم کراچی ۱۴
اشاعت اول ——— البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

************

"نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کر دے تو کس صورت میں اس کو خیار فسخ ملیگا اور باپ کو کب سیئ الاختیار قرار دیا جائے گا ——— نیز اس نکاح کو فسخ کرنے کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ ایک استفتاء اور اس کا جواب"

نہیں کرتے؟

(۲) بعض روافض وہ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ اول قرار دیتے ہیں اور باقی حضرات صحابہ پر تبرا بھی کرتے ہیں؟

(۳) بعض وہ ہیں جو (معاذ اللہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خود معبود سمجھتے ہیں

(۴) بعض وہ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ اصل میں وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آئی تھی وہ غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے (نعوذ باللہ منہ) گویا حقیقۃً نبی و رسول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مانتے ہیں؟

(۵) بعض وہ ہیں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہیں یا تمام حضرات صحابہ کو معاذ اللہ کافر مرتد کہتے ہیں؟

# الجواب

مختصر اور محقق و جامع کلام روافض کے بارہ میں یہ ہے کہ بلحاظ احکام روافض کی تین صورتیں ہیں۔

**اوّل:**۔ یہ کہ ان میں سے کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ ضروریاتِ[1] دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے اگرچہ انکار میں تاویل بھی کرتا ہو اور صاف انکار کرنے سے تبرّی بھی کرتا ہو۔ مثلاً قرآن مجید کے محرّف و نا قابل اعتبار ہونے پر اگر کسی شخص کی ایسی صاف عبارت ہے کہ اس سے یقینی طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے پھر باوجود اس کے وہ اپنی عبارت کو غلط مان کر اس سے رجوع ظاہر نہیں کرتا مگر عقیدہ تحریف قرآن سے تبرّی کرتا ہے تو اس تبرّی کا کوئی اعتبار نہیں۔ علاوہ باتفاق و باجماع کافر مرتد ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا اسلامی معاملہ رکھنا جائز نہیں۔ نہ اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز اور اگر نکاح کے بعد اس کا عقیدہ ایسا ہو گیا تو نکاح فسخ ہو جاوے گا نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ

[1] ضروریاتِ دین اصطلاح میں اُن چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت اسلام میں قطعی و یقینی اور ایسا بدیہی ہو کہ عام مسلمان اُس سے واقف ہوں اس کی مفصل تعریف اور احکام اسی رسالہ کے ص ۱۰ میں گذر چکے ہیں ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مسمی زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہو گیا جس میں چار واقعی قاتل تھے مسمی زید ناحق تھا کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح تجویزیں کرتے رہے کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں اور سزا کا خطرہ غالب تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلین کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں، اور مقتول کے ورثہ سیشن کی عدالت میں اپنے گواہان بٹھا دیں گے۔ چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا اور تین شیر خوار لڑکیوں کے عقد کر دیئے گئے۔ مسمی زید کی لڑکی کا عقد اس کے ستیس سالہ آدمی سے جو کہ مقتول کا بھائی اور لوفر مزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا۔

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی جس سے پانچوں ملزمان کو حکم سزائے موت سنایا گیا ہے، چار ہزار روپے قرثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے حقدار نہیں مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے۔ اب اس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کر دیا اور شہادتیں فراہم کیں۔ اب شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جب کہ موت و حیات کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیر خوار کا عقد کر دیا تھا، پھر ایک لوفر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جب کہ اس بندہ مظلوم کو ہاں ذلت و خواری نصیب ہو گی شرعاً عقد درست ہے یا نہیں ہے؟ بصورت ثانی بندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گزارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتداء ہی سے باپ سیئ الاختیار نہیں ہے جس سے مسماۃ کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

حلال، نہ اُس پر نماز جنازہ جائز وغیر ذلک من الاحکام۔ اور دلیل اس کی وہ تمام عبارات فقہا ہیں جو سوال اوّل کے جواب میں ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کے منکر کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ نیز علامہ شامی کی عبارت ذیل بھی اس کے لئے کافی ہے۔ نعم لا شك فی تكفیر من قذف السیدة عائشة رضی او انكر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی الخ شامی استنبولی ص ۴۰۶ ج ۳۔

**دُوم:** صورت یہ ہے کہ کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں مگر صرف اس میں اختلاف رکھتا ہے کہ جمہور اُمت کے خلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل الصحابہ اور خلیفہ اوّل سمجھتا ہے۔ تو وہ شخص فاسق و گمراہ ہے مگر کافر و مرتد نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اسلامی معاملات جائز ہیں جو کسی فاسق و گمراہ کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ذبیحہ اس کا حلال ہے اس کے جنازہ پر نماز جائز ہے۔ نکاح کے معاملہ میں اس سے بھی اجتناب کرنا بہتر ہے کیوں کہ فاسق کی معاشرت کے اثرات و نتائج خطرناک ہیں لیکن اگر کسی مسلمان سُنّی لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا گیا تو اگرچہ بلا ضرورتِ شدیدہ ایسا کرنا اچھا نہیں۔ لیکن یہ نکاح اس شرط سے جائز و منعقد ہو جائے گا کہ لڑکی بالغہ اور اُس کے اولیاء دونوں کو نکاح کے وقت اس کا عقیدہ معلوم ہو اور وہ دونوں اس عقیدہ کے باوجود نکاح کی اجازت دے دیں۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے بھی نکاح کی اجازت دینے سے انکار کیا تو یہ نکاح (مذہب مفتی بہ کے مطابق) منعقد و صحیح نہیں ہو گا۔ لڑکی کو شرعاً اختیار ہو گا کہ اپنا نکاح دوسری جگہ کسی سُنّی مسلمان سے کرے۔

اور اگر بوقت نکاح اس شخص نے دھوکہ دے کر اپنے آپ کو سُنّی مسلمان ظاہر کیا اس بنا پر لڑکی اور اُس کے اولیاء نے نکاح کر دیا۔ بعد نکاح حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو لڑکی اور اُس کے اولیاء کو حق ہو گا کہ مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے نکاح فسخ کرا لیں اور اگر مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانا اختیار میں نہ ہو تو اہلِ محلہ یا اہلِ شہر میں سے دیندار مسلمان

---

لہ لما فی الشامی عن الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع وتخطئتهم وسب احد من الصحابة وبغضه لا یكون كفرا لكن یضلل (شامی ص ۵۰۴ ج ۳)

**الجواب**: صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔ لڑکی مذکورہ آزاد ہے جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ بر اور الفزاور ع ۲ ص ۶۹ میں ہے کہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد اسحٰق غفرلہٗ

نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

**الجواب صحیح** خیر محمد عفی اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی و برضا معہ شادوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کر لیا اور تقریباً ۹ دس ماہ سے وہاں راضی وخوشی آباد ہے۔ اب فریق اول نے اس کے خلاف واویلا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا۔ اب نکاح پر نکاح ہو گیا۔ نکاح خواں ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے اور امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے۔ انھوں نے کچھ فتوے بھی منگوالئے کہ باپ کا کیا ہوا عقد ہے جو صحیح ہے کیونکہ اس نے جیل میں سے اجازت دی تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے۔

(۱) درست ہے نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ بھی نہیں ہو سکتا سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف کرنے میں مشہور و معروف ہو اور مشہور و معروف ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار و ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کر چکا ہو صرف اسی وقت غلط طریقہ کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اب جس طرح ہو سکے زور سے، لالچ سے جبر سے طلاق مل جائے تو علیحدگی ہو سکتی ہے۔

(۲) سیئ الاختیار ہونے سے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا معروف بسوء الاختیار

کی ایک جماعت کے سامنے معاملہ پیش کر کے اُن سے فسخ نکاح کرا لیا جائے (لیکن اس صورت میں قانونی گرفت سے بچنے کے لئے) بہتر یہ ہے کہ پہلے موجودہ حکومت میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرائیں خواہ حاکم مسلم ہو یا غیر مسلم۔ پھر اگر حاکم مسلم ہو تو یہی فسخ شرعاً بھی معتبر ہوگا اور اگر حاکم غیر مسلم تھا تو دوبارہ مسلمانوں کی پنچائت میں معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرا لیا جاوے۔
مسلمانوں کی پنچائت جس کا فیصلہ شرعاً معتبر ہو سکتا ہے اُس کے لئے چند شرائط ہیں جو رسالہ حِیْلَۃٌ نَاجِزۃ میں مدلل و مفصل اور رسالہ المرقومات للمظلومات میں مختصر مگر کافی طور سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر ضرورت پیش آوے تو بغیر اُس کے دیکھے ہوئے عمل نہ کیا جاوے
اس قسم دوم کے احکام کے دلائل بھی رسالہ حیلۂ ناجزہ کے تتمہ میں خیار کفارت کے ذیل میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھ لینا چاہئے اور اجمالی طور پر عبارات ذیل بھی ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ فی الدر المختار فی الباب الخامس من نکاح۔ العالمگیریہ۔ تعتبر الکفاءۃ فی الدیانۃ وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وھو الصحیح کذا فی الھدایۃ فلا یکون الفاسق کفؤاً للصالحۃ کذا فی المجمع سواء کان معلن الفسق او لم یکن کذا فی المحیط (عالمگیری ص ۱۳ ج ۲ مطبوعہ کانپور) نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی و لہ اذا کان عصبۃ و لو غیر محرم (الی قولہ) الاعتراض فی غیر الکفو ما لم تلد و یفتی بعدم جوازہ اصلاً اھ و فی رد المحتار ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رح و ایدہ صاحب الدر بقولہ وھو المختار للفتویٰ والعلامۃ الشامی وغیرہ بقول شمس الائمۃ وھٰذا اقرب الی الاحتیاط انتھٰی۔ وکذلک فی کفاءۃ الدر المختار و لو زوجھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک ثم ظھر انہ غیر کفوء کان لھم الخیار ولوالجیہ۔

**تیسری صورت** یہ ہے کہ یقینی طور پر کسی امر کا ثبوت نہ ملے یعنی نہ اس کا یقین ہے کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے اور نہ اس کا کہ منکر نہیں۔ بلکہ ایک مشتبہ حالت ہے [illegible] شتباہ اس وجہ سے ہو کہ اس فرقہ کے اقوال و عقائد ہی مشتبہ ہیں یا اس وجہ سے

ہونے سے حاصل ہوتا ہے جس کا مطلب دا میں عرض کر دیا گیا ہے۔

کتبہٗ جمیل احمد تھانوی مفتی جامع اشرفیہ مسلم ٹاؤن

لاہور ۲۸ / ۳ / ۸۹ھ

حضرت والا! آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں کیونکہ موجودہ دور میں اس قسم کے کئی عقد ہوتے ہیں اور نتیجہ سوائے غیر آبادی کے کچھ نہیں اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامی رح نے فرمائی ہے یہ ان کی رائے نہیں ہے؟ جب کہ صاحب فتح القدیر، بحر الرائق، فتاوی خیریہ، در مختار میں سوء اختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

خدا بخش جہاوریاں، سرگودھا

## الجواب

حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کر لیا ہے تو وہ شرعاً صحیح و درست ہے۔ لاہور کے فتوے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے اس لئے خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہو سکتا اور علامہ شامی نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جب کہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا

کہ اس شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کہ اس کا تعلق باعتبار مذہب وعقائد کے کس فرقہ سے ہے ایسے لوگوں کے متعلق شرعی فیصلہ بھی دشوار ہے اس میں سب سے زیادہ احوط واسلم وہ حکم ہے جو فقیہ العصر امام وقت مجدد والملت حکیم الامت سیدنا وسندنا حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے امداد الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ جو رسالہ ہذا کے ص ۲۱ میں بعینہا مذکور ہے اور اس جگہ مکرر نقل کیا جاتا ہے۔

**عبارت امداد الفتاوی جلد سادس** | اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرآن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جائے نہ اسلام کا حکم اول میں تو خود اُس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اُس کی اقتداء کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اُس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اُس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔ لا تصدقوا اھل الکتب ولا تکذبوھم وقولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا الایۃ (رواہ البخاری) دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں۔ یوخذ فیہ بالاحوط والاوثق فی امور الدین وان لا یحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوتہ واذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال والنساء وتصلی بقناع ویجلس فی صلاتہ جلوس المرأۃ ویکرہ لہ فی حیاتہ لبس الحلی والحریر وان یخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ او یسافر مع غیر محرم من الرجال والاناث ولا یغسلہ رجل ولا امرأۃ ویتیمم بالصعید ویکفن کما یکفن الجاریۃ واشالہ مما فصلہ الفقہاء (یہ تتمہ اولیٰ بابت ۲۴ کا ص ۲۲ پر گذر چکا ہے) (ماخوذ عنوانات) الحمد للہ رب العالمین۔ العبد الضعیف محمد شفیع عفا عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند۔ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ہجری

نکاح جانتے اور بوجھتے ہوئے اس کی مصالح کے خلاف کرچکا ہو تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہوگیا، کیوں کہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا۔ دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کردے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے خصوصاً جب کہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں۔ لکھتے ہیں ولو کان المانع مجرد تحقق سوء الاختیار بدون الاشتہار لزم احالۃ المسئلۃ اعنی قولہم ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوء ان کان الولی ابا او جدا (شامی ص۳۳۰ ج۲ مصری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کردینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے تو تحقق سوء اختیار کا متعین ہے۔ اگر صرف تحقق سوء اختیار کا کافی ہوتا تو آگے یہ شرط لم یعرف بسوء الاختیار بے فائدہ ہوجاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں بعض اوقات ایک شفیق اور عقل مند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے مگر وہ ایسا مشہور ومعروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے خوش گوار رہنے کی قوی امید ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا کسی غیر کفو میں کیا تو سوء اختیار متحقق ہوگیا وہ سوء اختیار نہیں دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت لم یعرف بسوء الاختیار ہے اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہ رکھا۔ جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ ولازم نہیں ہے۔ اس جملہ لم یعرف کی شرح جو در مختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی۔ وہ یہ ہے مجانۃ وفسقا یعنی باپ کا بیہودہ، بے پروا، یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ

# الحکم الحقانی

فی

# الحزب الآغاخانی

مصنفہ حضرت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

## استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین صورتِ مسئولہ میں کہ ہمارے شہر کٹک میں ایک شخص ...... اطرافِ بمبئی کا باشندہ قوم سے خوجہ، سوداگر رہتا ہے، اپنے آپ کو آغا خان کا مرید اور پیرو ظاہر کرتا ہے اتفاق سے اس کے یہاں ایک میت ہو گئی تاجر مذکور نے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ اس پر یہاں کے مسلمانوں میں کچھ کشمکش پیدا ہو گئی ہے۔ ایک فریق کی رائے ہے کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہ کیا جائے۔ کیونکہ سر آغا خاں دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں امور ذیل پیش کرتا ہے:

(۱) سر آغا خان کی تصویر کی پرستش کرتا ہے۔

(۲) ہندؤں نے مشہور اوتار کرشن جی کی مورت اپنے عبادت خانہ میں رکھ چھوڑی ہے۔

(۳) دیوالی جو ہندوؤں کا مشہور تیوہار ہے۔ اس میں اپنے حساب کا بہی کھاتہ تبدیل کرتا ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی بعض مراسم مشرکانہ ادا کرتا ہے مثلاً

(۴) اپنے کھاتہ کی ابتداء میں بجائے بسم اللہ الخ کے لفظ اوم لکھتا ہے۔

(۵) سر آغا خاں کے اندر خدائی حلول کا معتقد ہے۔

—— مسلمانوں کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ وہ کلمہ گو ہے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کو کسی طرح کافر نہیں کہہ سکتے۔

ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا۔ اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بناء پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء سے امتیاز دیا گیا ہے یعنی باپ دادا کا وفور شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر رہنا اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں تو باپ، دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہو گئے خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ و فسقا کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے،

حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعا اھ (شامی ج ۲ ص ۳۱۸) اس میں محض باپ کی سفاہت (بے وقوفی) اور طمع ثابت ہو جانے پر عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی نے بحوالہ فتح القدیر جو کچھ لکھا وہ محض ایک بحث ہے۔ نہ فتح القدیر کا فتویٰ اور فیصلہ ہے نہ خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔ اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضحہ بھی موجود ہیں۔

(سئل) فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار وعدم النظر فی العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخیر والشر بغیر کفوء هل یصح ام لا (اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اتفاقا و مثله فی الدرر والغرر وقال فی البحر فی شرح قول الکنز ولو زوج طفله غیر کفوء او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلک لغیر الاب والجد اطلق فی الاب والجد وقیده الشارحون وغیرهم بان لا یکون الاب معروفا بسوء الاختیار

خود تاجر موصوف سے جو دریافت کیا گیا تو اس نے بھی بیان کیا کہ میں مسلمان ہوں کلمہ پڑھتا ہوں مسلمانوں کی ضروریات میں چندہ دیتا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں سرآغاخان کو اپنا رہنما اور مرشد سمجھتا ہوں جیسے عام طور پر مسلمان کسی نہ کسی پیر کے مرید ہوا کرتے ہیں۔ و بس۔

فریقِ اوّل اس تمام بیان کو تاجر مذکور کے ضرورت اور مصلحتِ وقت پر محمول کرتا ہے۔ اب حضور سے چند امور دریافت طلب ہیں۔

**سوال اوّل:**۔ سرآغاخانیوں کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے۔ ان کو شرعاً مسلمان کہیں گے یا کافر؟

**سوال دوم:**۔ اگر کافر ہیں تو تاجر مذکور کا اپنی صفائی میں یہ پیش کرنا کہ مسلمان ہوں، کلمہ گو ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس بیان سے اُس کو مسلمان سمجھا جائے گا یا نہیں؟

**سوال سوم:**۔ اگر نہیں تو ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہو سکتی ہے۔ کافر اور مسلمان ہونے کا آخر کیا معیار ہے۔

**سوال چہارم:**۔ بعض بہی خواہانِ قوم کا خیال ہے کہ گو تاجر مذکور شرعی نقطۂ نگاہ سے اسلام سے خارج ہو لیکن اس وقت ہم مسلمانوں کو اتحادِ قومی اور ترقی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ایسے جھگڑے بکھیڑوں کو نکالنا مناسب نہیں۔ یہ وقت نازک ہے سب مدعیانِ اسلام کو مسلمان کہنا اور سمجھنا چاہیے۔ ان کو اسلام سے خارج کر کے اپنی تعداد اور مردم شماری کو گھٹانا نہیں چاہیے۔ بہی خواہانِ قوم اور ہمدردانِ اسلام کا یہ خیال شرعاً کس قدر وقعت رکھتا ہے؟

**سوال پنجم:**۔ سرآغاخانیوں کے معتقدات کا خواہ اسلام روادار ہو یا نہ ہو بہرحال یہ امر حل طلب ہے کہ خصوصیت کے ساتھ تاجر موصوف کا بیان اور دعوئے اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو کافر کہیں گے یا مسلمان سمجھیں گے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ دی جائے یا کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

**سوال ششم:**۔ جو نام نہاد مولوی تاجر مذکور کی میت کی نماز جنازہ پڑھتے اور اُس کو مسلمان کہتے ہیں اور کہلواتے ہیں اور اس میں کوشش کرتے ہیں اُس کا کیا حکم ہے؟

حتی لو کان معروفا بذلك مجانة او فسقا فالعقد باطل علی الصحیح قال فی فتح القدیر ومن زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخیر والشر فمن یعلم انه شریرا وفاسق فهو ظاهر سوء اختیاره ولان ترك النظر ههنا مقطوع به فلا یعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذالك نظرا الی شفقة الابوة اھ ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاوی فی هذه المسئلة ان النکاح باطل فظاهره انه لم ینعقد وفی الظهیریة یفرق بینهما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قولهم فالنکاح باطل ای یبطل انتهی کلام البحر والمسئلة شهیرة (فتاوی خیریه ص ۲۳)

عبارات مذکورہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغ کے نکاح میں ترک شفقت اور سامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالے سے یہ جو لکھا گیا ہے لان ترك النظر ههنا مقطوع به اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے۔ اس سے یہی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے، ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتویٰ مرجوح ہے اسی طرح ملتان کے فتویٰ میں بھی جو یہ لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ لڑکی آزاد ہے۔ جہاں چاہے نکاح کرے۔ یہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ فتاویٰ خیریہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس کو نکاح کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہو سکتا ہے۔

ملتان کے فتویٰ میں جو حوالہ بوادر النوادر کا دیا گیا۔ صاحب خیریہ کی توجیہ کے مطابق اس کا بھی یہی مفہوم متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے۔

ثم اعلم ان ما مر من النوازل من ان النکاح باطل معناه انه

نوٹ :۔ اسی اثناء میں گجراتی زبان میں ایک استفتاء دستیاب ہوگیا جس میں ان کے عقائد و طریقہ نماز کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید بصیرت کے لئے منسلک لفافہ ہذا ہے۔

محمد طاہر

# طریقہ نماز با اصول دعا تعلیم کردہ آغا خان گو

## منقول از ترجمہ رسالہ تقویۃ الایمان بزبان گجراتی

نماز پڑھو۔ نماز پڑھو۔ خدا تم کو برکت دے۔ خدا کا نام لو۔ خداوند شاہ علی تم کو ایمان اور اخلاق دے۔ یا شاہ میری شام کی نماز اور دعا قبول کر، جو حق تم کو ملا ہے۔ میں اس کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے ہمارے آقا آغا سلطان محمد شاہ۔ اس کے بعد سجدہ کرو اور اگر رات کی نماز ہو تو اس طرح کہو۔ میری شام اور رات کی دعائیں، دوسری مرتبہ سجدہ کرو اور تسبیح پڑھو اور حسب ذیل طریقہ پر دعا درود پڑھو۔

**تسبیح** ۔ میں اپنے گناہوں پر پچھتاتا ہوں۔ دو مرتبہ۔ میں سر سے پاؤں تک تیرا تقصیر وار ہوں۔ اے غفور۔ رحیم شاہ میرا گناہ معاف کر۔ پیر تیری ہی عبادت کرتے ہیں بندہ دعا مانگتا ہے۔ اے سچے شاہ تو منظور رکھنے والا ہے۔ میں شاہ کے اسی فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں جو پیر کے ذریعہ مجھ کو ملا ہے۔ یہ کہہ کر تسبیح زمین پر رکھ دو اور نیچے بتایا ہوا ورد کرو۔

اشہد۔ سبحان اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الرحمٰن۔ ذی الجلال والاکرام۔

ان تمام صفتوں سے بنا ہوا قدوس۔ سب پر طاقت ور خدا۔ ایران کے ضلع جالعیا میں انسان کا جسم لے کر ستر باپ کی پیٹھ سے نکلا۔ اُنتھر خدا ہو جانے کے بعد ستر صورتیں (اوتار کے لفظ سے) اڑتالیسواں امام۔ دسواں بے عیب اوتار۔ ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ داتا۔

سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسئلۃ مفروضۃ فیما اذا لم ترض البنت بعد ما کبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرہما وعلیہ یحمل ما فی القنیۃ زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حر الاصل وکان معتقا فہو باطل بالاتفاق اھ (شامی ص ۴۱۸، ج ۲) اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب وہی ہے جو شروع میں لکھا گیا ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو خیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرائے تو فسخ ہوجائے گا اور نکاح ثانی کی اجازت ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷/ [illegible] ھ

اس کے بعد سجدہ کرو۔ حق شاہ اچھا۔ دنیا اور زمین کا شاہ۔ خلیفہ اور گدی کے جانشینوں کا نام کا وظیفہ کرو۔ دنیا اور زمین کے اچھوں کا نام یہ ہے۔ شاہ کے خلیفہ ابو طالب ولی کا نام حسب ذیل ہے۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ ہمارا سچا خداوند شاہ علی۔ | ۶۔ ہمارا سچا خداوند شاہ اسمٰعیل |
| ۲۔ " " " شاہ حسین۔ | ۷۔ " " " شاہ محمد ابن اسمٰعیل |
| ۳۔ " " " شاہ زین العابدین | ۸۔ " " " شاہ فصیح احمد، بحوالی نمبر ۴۶ |
| ۴۔ " " " شاہ محمد باقر | ۴۷۔ " " " شاہ آغا علی شاہ |
| ۵۔ " " " شاہ محمد جعفر | ۴۸۔ " " " شاہ آغا محمد شاہ داتا۔ |

اور اس وقت کی امامت کا مالک خداوند زمان۔ امام شیخ المشائخ امامت کی طاقت رکھنے والا مانو۔ آغا سلطان محمد شاہ داتا بے شمار کروڑوں آدمیوں کا دستگیر اس وقت کی امامت کا مالک۔ اے شاہ جو حق تم کو ملا ہے بطفیل اس کے اپنے حضور میں میری دعا منظور کر۔ اے ہمارے خداوند آغا سلطان محمد شاہ۔

# الجوابُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اول چند مقدمات ممہد کرتا ہوں۔

(الف) قال اللہ تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم

(ب) قال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام و لکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب۔

(ج) قال اللہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

(د) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلاتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم۔ رواہ البخاری۔

(ھ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایۃ المنافق ثلاث رواہ الشیخان۔

نہایات الارب
فی
غایات النسب

# اسلام اور نسبی امتیازات

زاد مسلم وان صام وصلی وزعم انہ مسلم۔

(و) عن حذیفۃ رض قال انما النفاق کان علی عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم فاما الیوم فانما ھو الکفر او الایمان رواہ البخاری۔

(ش): فی اللمعات فی شرح الحدیث ای الحکم بعدم التعرض لاھل والستر علیہم کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمصالح کانت مقتصرۃ علی ذالک الزمان اما الیوم فلم تبق تلک المصالح فنحن ان علمنا انہ کافر سرًا قتلناہ حتی یؤمن اھ

(ح) فی رد المحتار احکام المرتد تحت قول الدر المختار لان التلفظ بھا صار علامۃ علی الاسلام ما نصہ افاد بقولہ صار الی ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانہ فی زمنہ ما کانوا یمتنعون عن النطق بھا فلم تکن علامۃ الاسلام فلذا شرطوا معھا التبری واما فی زمان قاری الھدایۃ فقد صارت علامۃ الاسلام لانہ لا یاتی بھا الا المسلم الخ

(ط) فی الدر المختار احکام غسل المیت ومحل دفنہم مسکن ذمیۃ حبلی من مسلم الخ

(ی) فی مختصر المعانی بحث الاسناد ما نصہ وقولنا فی التعریف بتأول یخرج نحو ما مر من قول الجاھل انبت الربیع البقل راثیا الانبات من الربیع الخ فیہ بحث وجوب القرینۃ للاسناد المجازی ما نصہ وصدورہ عطف علی استحالۃ ای کصدورہ عن الموحد فی مثل اشاب الصغیر الخ

آیات وروایات وعبارات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

**اوّل:۔** حلول کا قائل ہونا کفر ہے (الآیۃ ۱)

**ثانی:۔** جو رسوم وعادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتی ہوں کہ بمنزلہ ان کے شعار کے ہوگئے ہوں۔ اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں وہ بھی کفر ہیں (آیت ب) اس اصول پر فقہا نے شدِ زنّار کو کفر فرمایا ہے ورنہ تشبہ بالکفار ہے جو مستلزم

تاریخ تالیف ——— رجب ۱۳۵۱ھ

مقام تالیف ——— دیوبند

اشاعت اوّل ——— ۱۳۵۱ھ

اشاعت دوم ——— رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ

"اسلام نے نسبی امتیازات کے بارے میں
کیا معتدل راہ اختیار کی ہے؟ یہ اس
مقالہ کا موضوع ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے جس کے بعض
حصوں کو صحیح نہ سمجھنے کی بنا پر بعض لوگوں نے
پورے ہندوستان میں حضرت مصنف مدظلہم کے خلاف
ایک فتنہ برپا کر دیا تھا اور اسی رسالے کی تائید میں
حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ اور دیگر متعدد اکابر علماء
دیوبند نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔"

رکون الی الکفار ہونے کے سبب معصیت وحرام ہے (آیت ج) جس طرح عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں (روایت د) بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل کفر کی نہ ہو ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جائے گا۔ لقولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ و یقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً۔ اولئک ھم الکافرون حقا۔

اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجوہ متعددہ پر ترجیح اس وقت ہے جب وہ وجوہ محتمل ہوں متیقن نہ ہوں۔

**ثالث:۔** موجبات کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اسلام وصلوٰۃ وصیام اور استقبال بیت الحرام ترتیب احکام اسلام کے لئے کافی نہیں جب تک اُن موجبات سے تائب نہ ہوجائے (روایت ۵)

**(رابع)** باوجود ثبوت کفر کے اسلام ظاہر کرنے والوں کے ساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا گو بعض اوقات اُن کے کفر کا بھی ظہور ہوجاتا تھا کما نقل عنھم قولھم انؤمن کما آمن السفہاء ونحوہ۔ مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ اب وہ حکم باقی نہیں رہا (روایت عبارات ح) بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین میں تغیر ہوگیا تھا۔ چنانچہ آیت لا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ میں مصرح ہے والنھی عن الزیارۃ یستلزم النھی عن الدفن فی مقابر المسلمین لان الدفن یستلزم الزیارۃ عادۃ۔ البتہ تعرض بالقتل والنھب کی ممانعت باقی رہ گئی تھی۔

**خامس:۔** جو کافر اصول اسلامیہ کا بھی مقر ہو اُس کے حکم بالاسلام کے لئے محض تلفظ بکلمتے الشہادہ کافی نہیں جب تک اپنے کفریات سے تبرّی کا اعلان نہ کرے (عبارت ح)

**سادس:۔** کافر کو مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں (عبارت ط)

# مقدمۂ طبع ثانی

حامداً و مصلیاً رسالہ تجلیات الارب فی غایات النسب مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، غور کرنے والوں کے واسطے ایک نہایت عظیم النفع رسالہ ہے جس کے مطالعہ سے فخر و غرور، نخوت و تکبر کے جذبات قلب سے دور ہو کر خشیہ اور تواضع اور فروتنی حاصل ہوجاتی ہے۔ نسبت الی الاکابر والاعاظم کا مضر اعتماد دل سے نکل جاتا ہے اور غربت و مفلسی یا کسی قوم اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنے کی انتہائی مذمت معلوم ہوجاتی ہے اور انسان اپنے آپ کو مثل دیگراں ایک بندۂ عاجز و بیچارہ سمجھ کر محض رحمتِ الٰہی کا منتظر و امیدوار ہوجاتا ہے۔ اس رسالہ میں بعض ایسی روایاتِ حدیث بھی نقل کی گئی تھیں جن سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد پیشہ وروں کی تنبیہ اور تحذیر ہے جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد میں یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن فانی رأیت اکثرکن اھل النار یعنی اے عورتو! صدقہ کیا کرو کیونکہ میں نے دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھی ہیں، عورتوں کی توہین و مذمت نہیں بلکہ ان کو متنبہ کرنا اور ڈرانا اور اسبابِ دخولِ نار سے بچانا منظور ہے، چونکہ وضوحِ مقصود کی وجہ سے احتمالِ غلطی کا نہ تھا اس قسم کی روایات کی بہت زیادہ تشریح و توضیح نہیں کی گئی تھی اس لیے ترجمہ اور الفاظ کو دیکھ کر بہت سے پیشہ وروں اور مختلف اقوام کو نہایت رنج و ملال پیش آیا اور ان روایات سے تمام پیشہ وروں اور اقوام کی توہین و مذمت خیال کر کے نہایت ناراض و خفا ہوئے اور جناب مؤلف دام فضلہم کی بعض طالب علمانہ رنگ کی عبارات اور اقوال منقولہ من المستطرف وغیرہ کو اپنے لیے نہایت دل خراش و نمک پاش سمجھا اور کتاب کو بالکل معدوم کرا دینے، یا دل خراش عبارتیں نکال دینے کا مطالبہ کرنے لگے، جب یہ اطلاع دیوبند میں پہنچی تو دارالعلوم کی مجلس جلیلہ نے باتفاق رائے جناب مفتی صاحب بکمال خلوص و صلح پسندی مطبوعہ رسالہ کی اشاعت روک دینے اور آئندہ طبع میں ان عبارتوں کو بدل دینے کا قصد اور وعدہ کر کے اخبارات میں اعلان کر دیا، اس بحث کو بے موقع سمجھا گیا کہ فی الحقیقت وہ عبارتیں اور روایتیں دلخراش

سابع: جس شخص کا کفر ثابت ہو جائے اس کے اقوال وافعال محتملا للکفر والاسلام میں تاویل کرنے سے اس کا کفر مانع ہو گا (عبارت ی)۔

اب مقدمات کے بعد سب سوالات کا جواب ظاہر ہے مگر تبرعاً بعد تذکرہ بھی عرض کرتا ہوں سوال میں دو قسم کے امور مذکور ہیں ایک قسم وہ جو یقیناً موجب کفر ہیں جیسے تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے یا بجائے بسم اللہ کے لفظ اوم لکھنا یا حلول کا قائل ہونا جو سوال کی تمہید اور ترکیب نماز کے آغاز میں مذکور ہے اور دوسری قسم وہ جو صرف محتمل کفر ہیں جیسے دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا یا اُن سے دعا مانگنا پس قسم اول پر تو حکم بالکفر ظاہر ہے۔ (اللازم الاول والثانی) اور قسم ثانی کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا تو اس میں تاویل کر کے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا۔ مگر جب اُس کا صدور کافر سے ہے تو تاویل کی ضرورت نہیں (اللازم السابع) اور ان کفریات کے ہوتے ہوئے نہ ایسے شخص کا دعویٰ اسلام کافی ہے اور نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے اور نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے، نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے (اللازم الثالث والسادس) اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے۔ (اللازم الرابع والخامس) البتہ بلا ضرورت کسی سے لڑائی جھگڑا بھی نہ چاہیے۔ اور ایسے مصالح کی بناء پر ایسی رعایت کرنا اُن مصالح سے زیادہ مفاسد کا موجب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مصالح تو محض دنیوی ہیں اور مفاسد دینیہ۔ اُن مفاسد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اُن کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاوے گا تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح کم ہو جاوے گا۔ اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہو سکیں گے تو کافروں کو اسلام میں داخل کرنے کا انجام یہ ہو گا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کر سکے گی۔ ایسے مصالح ومضار کے اجتماع کا یہ فیصلہ فرمایا گیا قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وقال تعالیٰ يَدْعُو لَمَن ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِن نَّفْعِهِ۔ فقط واللہ اعلم

اشرف علی

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

ہیں بھی یا نہیں، کیونکہ دارالعلوم اور اس کے علماء درس و تدریس وعظ و تبلیغ وغیرہ اسلامی خدمات کے لیے ہر وقت تیار ہیں اور فرق باطلہ کے مقابلے اور مناظرے کے لیے ہمیشہ کمربستہ ہیں لیکن اپنے ہم مذہب اور ہم خیال مسلمانوں سے جنگ کرنا یا ان میں تشتت و افتراق پیدا کرنا نہایت مذموم سمجھتے ہیں۔

پھر وعدہ کو کما حقہ اس طرح پورا کیا کہ جس قدر کتابیں پہلی مطبوعہ موجود تھیں ان کی اشاعت بالکل روک دی گئی اور باوجود فرمائش و اصرار کے کسی کو وہ رسالہ نہ دیا گیا اور طبع جدید کے وقت بھی اس وعدے کو پیش نظر رکھا گیا۔ یعنی اس احقر نے جناب مفتی صاحب سے اجازت لے کر مستطرف وغیرہ کتب سے منقول شدہ علماء کے مقولات اور مفتی صاحب دام فضلہم کی چند عبارات جن پر محل خراش ہونے کا کسی درجہ میں شبہ اور وہم ہو سکتا تھا کتاب سے حذف کر دی، اور روایات و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الراس والعینین رکھ کر ان کے معانی کی مزید توضیح و شرح کر دی گئی۔ تاکہ اختصار و اجمال سے جو تشویش پیدا ہوئی تھی اس کا احتمال نہ رہے۔ جناب مفتی صاحب نے جس خلوص و للہیت سے رسالہ تالیف فرمایا تھا اسی اخلاص اور قصد اصلاح مسلمین سے یہ تغیر منظور فرمالیا۔ اور ایک مختصر رسالہ میں علیحدہ بھی تشریح روایاتِ احادیث کی عام فہم زبان میں مرتب کر کے شائع کر دی گئی ہے۔ دعا اور امید ہے کہ حق تعالیٰ قلوبِ مؤمنین و مسلمین میں ان اوراق کے مطالعہ سے سکون اور طمانیت عطا فرمائیں، اور رنج و ملال دفع ہو جائیں۔

راقم الاحقر فقیر سید اصغر حسین حسنی حنفی
عفا اللہ عنہ
مدرس دار العلوم دیوبند

تحذیر الانام

عن تغییر رسم الخط من

مُصْحف الامام

# قرآن کریم کا رسم الخط

## اور اس کے احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الناس من ذکر و انثیٰ وجعلھم شعوبا و قبائل۔ وخص کل احد منھم بما شاء من الاخلاق والشمائل۔ ثم امرھم ان لا یتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضھم علیٰ بعض من المناقب والفضائل ونھاھم ان یتفاخروا بالانساب مع الانھماک فی الرذائل۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من ینفع نسبہ حین تنقطع الانساب۔ ویقوی سببہ حین یتقطع بھم الاسباب۔ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ؏

امّا بعد

دنیا کے مسلمات اور علوم متعارفہ میں سے ہے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی محبوب اور بہتر ہو، جب وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے تو مضر اور ایک آفت ہو جاتی ہے، پانی اور ہوا انسان کے لیے مدار حیات ہیں لیکن ذرا اعتدال سے زائد ہو جاتی ہیں تو یہی چیزیں مہلک ہو جاتی ہیں اگر غور کیا جائے تو دین اور دنیا کی تمام خرابیاں، جرائم اور معاصی، بداعمالی و بدخلقی سب ایک لفظ بے اعتدالی کی شرح اور اس کے مختلف شعبے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں اصلاح کرنے والوں کا کام اسی بے اعتدالی کا علاج کرنا رہا ہے۔ جس طرح طب جسمانی میں بے اعتدالی کا نام مرض اور مزاج کا اعتدال کی طرف لانا اصلاح و علاج ہے، ٹھیک اسی طرح طب روحانی (دین و شریعت) میں بھی یہی اصول رائج ہے، اس وقت ذیل کے چند اوراق ایک خاص معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیوں اور ان کی اصلاح کے متعلق لکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہوں اور قطع نزاعات کا سبب بنیں اور یہ سب اُسی قلوب کے مالک کے قبضہ میں ہے اور اس کے لیے سہل ہے۔ ورنہ میں کیا اور میرے اوراق کیا۔ سہ

نہ بحرف ساختہ سرخوشم، نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے زیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

مقام تالیف ــــــــــ دیوبند

تاریخ تالیف ــــــــــ محرم ۱۳۶۳ھ

اشاعتِ اوّل ــــــــــ باہتمام خطیب عبدالکریم صاحب
تاجر چرم محلہ بڑی پیٹھ وانمباڑی
از مطبع کریمی مدراس

"قرآن کریم کی بعض تفسیریں ٹامل زبان
میں شائع ہوئیں جنھیں اُلٹی طرف سے شروع
کیا گیا اس کے متعلق ایک سوال کے جواب
میں یہ مقالہ زیر تحریر آیا جس میں رسم عثمانی
کے اتباع سے متعلق تمام ضروری احکام
جمع کر دیئے گئے۔"

# انساب کے معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیاں

انساب و قبائل میں انساب کی تقسیم و تفریق خداوند عالم کی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور بہت سی گراں قدر حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی کے ذریعہ آدمی اپنا نشان اور پتہ پوری طرح دے سکتا ہے۔ اسی کے ذریعہ اپنے اقارب اور ارحام کی صلہ رحمی کے حقوق ادا کر سکتا ہے اس کے ذریعہ تقسیم میراث میں حق دار کو حق پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انسان کو اپنا صحیح پتہ جس میں دوسروں سے پورا امتیاز ہو جائے، دینا مشکل ہو جاتا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نظام عالم بالکل درہم برہم ہو جائے۔ ایک شخص کا گھر اور تمام مملوکات دوسرا کوئی اسی کا ہم نام قبضالے، مجرم کا پتہ نہ لگے، مجرم کے بجائے بے گناہ مارا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے حق سبحانہ و تعالیٰ نے انساب کو ایک نعمت عظیمہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فجعلہ نسبا وصھرا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔

اس نعمت کا حق تو یہ تھا کہ اس کا شکر ادا کرتے اور اس کے حدود کو قائم رکھتے۔ لیکن غفلت کیش انسان نے اس نعمت کو بے محل استعمال کیا، اور اس میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں شروع کیں۔

**لوگوں کے معاملہ نسب میں تین طبقے ہو گئے**

ایک جماعت نے جس کو خداوند تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی، اپنے انساب پر بیجا تفاخر و تکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی۔ اور کمالات حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد میں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری ایک جماعت اس کے درپے ہوئی کہ اپنے اصلی نسب پر پردہ ڈال کر کسی بڑے درجہ کے نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں۔ اور یہ مرض ایک عرصہ سے روز بروز بڑھ رہا ہے۔ عجمی مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر جماعت کو اس کی فکر ہے کہ اپنا نسب کسی بڑے درجہ کے صحابی سے یا عرب کے مشہور خاندان سے جا ملائیں۔ اس کے لیے جلسے اور

# تحذیر الانام
عن تغییر رسم الخط
# من مصحف الامام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

## سوال

ماقولکم ایہا العلماء رحمکم اللہ فی ھذا الباب ایک شخص نے قرآن مجید کا ترجمہ علاقہ مدراس کی ٹامل زبان میں کیا ہے اور جب وہ اس کی طباعت کریں گے تو اس کے ساتھ قرآن مجید عربی صفحہ بہ صفحہ لگانا بھی چاہتے ہیں چونکہ ٹامل زبان کی کتابت بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے اس لیے اس کو رحل بائیں طرف سے ہی رکھا جاتا ہے اور بائیں طرف سے اوراق الٹے جاتے ہیں۔ اب یہ ترجمہ بھی اسی طرح بائیں طرف سے شروع ہوگا اور عربی قرآن بھی بائیں طرف سے شروع ہوکر بائیں طرف سے اوراق الٹے جائیں گے گو اس کی کتابت سیدھے طرف سے ہوتی ہے!

اب قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رض نے جو قرآن مجید کو لکھوائے تھے۔ تیرہ سو سال سے قرآن مجید کی کتابت سیدھی شروع ہوکر سیدھی طرف سے ہی اوراق الٹے جاتے ہیں۔ اب اس طرح کا ترجمہ حضرت عثمان رض کے قرآنی وضع اور تیرہ سو سال کے مترجمین و مفسرین کے اوضاع و تعامل اور اجماع امت علی ہذا العمل کا خلاف ہوتا ہے یا نہیں!

(۱) کیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک صفحہ میں قرآن مجید عربی کو ٹامل رسم خط میں لکھا جاوے اور دوسرے صفحہ میں اس کا ٹامل ترجمہ لکھا جاوے!

(۲) نیز کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید عربی کو عربی ہی رسم خط میں ایک صفحہ میں اور اس کا ترجمہ ٹامل زبان کا دوسرے صفحہ میں لکھا جاوے وجہ شبہ یہ ہے کہ قرآن اصل ہے اور ترجمہ اس کا تابع اس اصل کو تابع بنا کر ٹامل کے موافق بائیں طرف سے صفحات شروع کرکے اوراق الٹے جانا

انجمنیں منعقد کی جاتی ہیں کانفرنسیں ہوتی ہیں مستقل رسائل و اخبارات اسی مقصد کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔ پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب اور عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا، اور دوسرا مرض (انتساب الی غیر الانساب) عجم اور عجمی النسل لوگوں میں کثرت سے پھیلا۔ لیکن ان دونوں کا مرض درحقیقت ایک ہی مرض تھا کہ اصل کمالات اور حقیقی فضائل کو چھوڑ کر نسب کے پیچھے پڑ گئے اور سب سے زیادہ اہم اور اعلیٰ فضیلت کمال نسب کو سمجھے، پھر جن کو حاصل تھا وہ فخر کرنے لگے اور جن کو حاصل نہ تھا، اس کے درپے ہو گئے۔ کہ اس کو جبراً حاصل کیا جائے اور ان دونوں کے مقابلہ میں ایک تیسرا طبقہ وہ ہے جو سرے سے تفاضل انساب ہی کو مٹا کر، اخروی امور سے گذر کر معاملات دنیویہ میں بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہے اور اس کا نام مساوات اسلام رکھا ہے، یہ بات بھی چونکہ نصوص شرعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف اور حدود شرعیہ سے تجاوز ہے اس لیے یہ بھی ایک مستقل مرض قابل اصلاح بن گیا۔ آج کل ان معاملات کے متعلق اطراف ملک سے سوالات و استفتاء کی کثرت ہوئی۔ نکاح شادی کے معاملات میں کفاءت کے باب کو بعض لوگوں نے بالکل چھوڑ دینا چاہا۔ اور مساوات اسلام کے سچے اور صحیح عنوان کا مضمون یہ غلط صورت بنا دی، اس لیے خیال ہوا کہ اس بحث کو ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا جائے۔ اور پھر حضرت سیدی و سندی کہفی و معتمدی حضرت مجدد الاسلام والدین محی السنۃ و الیقین حکیم الامۃ حضرت مولینا تھانوی دامت برکاتہم کے ایک ارشاد نے اس کو اور بھی زیادہ مؤکد کر دیا۔ اس لیے بنام خدائے عزوجل اس رسالہ کی تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر جزو کو علیحدہ علیحدہ لکھتا ہوں۔

جزو اول: مساواتِ اسلام کی حقیقت اور انساب اور پیشوں میں تفاضل

جزو دوم: التفاخر بالانساب۔

جزو سوم: انتساب الی غیر الانساب۔

علمائے اُمّتِ محمدیہ کے پاس جائز ہے یا نہیں۔ باوجودیکہ ٹامل زبان کی اگرچہ کہ بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے لیکن اس کے صفحات سیدھے طرف سے رکھے جاسکتے ہیں اور ہر صفحہ کا ہندسہ صفحات اس کے سر پر رکھا جاسکتا ہے۔ اس طریقہ سے قرآن شریف بھی موافق وضع عثمانی اور تیرہ سو سال کے تعامل اسلامی کے موافق ہو سکتا ہے اور یہ کچھ دشوار امر نہیں ہے اور یہ خیال کہ اگلوں نے اس قسم کے ترجمے لکھے ہیں اور قرآنی صفحات کو ٹامل یا انگریزی وغیرہ کے تابع بنا کر ورقوں کو بائیں طرف سے الٹنے کے لئے کتابیں ترجمہ تفاسیر لکھی ہیں اور شائع بھی ہو چکی ہیں کسی نے اس کا خلاف نہیں کیا اور ایسا کرنے والے علماء تھے انھوں نے اس کام کو جائز قرار دے کر عمل کیا۔ اب اس کا خلاف کرنے والا عالم نہیں۔ ایسا کہنا کہاں تک صحیح ہے۔ حضرات علمائے کرام کی اس باب میں کیا رائے ہے؟ اور قرآن مجید کی وضع عثمانی کیسی تھی بیان فرمائیے؟

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
## الجواب

اتفاقاً انھیں ایام میں متعدد سوالات اس قسم کے جمع ہو گئے۔ کسی نے قرآن کو ہندی رسم خط میں اور کسی نے گجراتی رسم خط میں کسی نے انگریزی رسم میں لکھنے کے متعلق سوال کیا ہے اس لئے اس کا جواب کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے جو سب سوالات کا جواب ہو سکے۔

پہلے ایک بات بطور مقدمہ سمجھ لی جاوے پھر اس سے سب سوالات کا جواب آسان ہوگا وہ یہ ہے کہ باجماع صحابہ وتابعین اور باتفاق ائمہ مجتہدین پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک قرآن مجید کی کتابت میں مصحف عثمانی جس کو اصطلاح میں امام کہا جاتا ہے اُس کا اتباع واجب ہے۔ اُس کے خلاف کرنا تحریف قرآن اور زندقہ کے حکم میں ہے اور خصوصاً کلمات قرآنی کی ترتیب بدلنا یا اُس میں کسی حرف کی کمی زیادتی کرنا تو کھلی تحریف ہے جس کو کوئی ملحد بھی صراحۃً تجویز نہیں کر سکتا (اس اجماع کا ثبوت اور شواہد آخر میں ذکر کئے جائیں گے)۔

یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں جب اسلام مشرق ومغرب کے ممالک عجم میں اپنی آسمانی کتاب

# مُساواتِ اسلام کی حقیقت

## پیشوں اور انساب کا تفاضل

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز

دنیا کے تمام مذاہب و ملل میں یہ امتیاز فقط اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اوس نے ہر کام میں نہایت اعتدال کو قائم رکھا ہے۔ اوس کا ہر قانون اور قانون کی کل دفعات اسی کلیہ کے ماتحت ہیں اور اسی لیے قرآن نے خاص طور سے اس امتِ مرحومہ کو امتِ وسط کا لقب دیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل جماعت بنایا تاکہ لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو۔

اسلام سے پہلے دنیا کی کل جماعتوں کا دستور العمل "لاٹھی اور بھینس" کے جابرانہ اصول پر مبنی تھا، قوی، ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ ذات پات کی اونچ نیچ نے انسانوں کے طبقات میں اس قدر بون بعید قائم کر دیا تھا کہ جس کو دیکھتے ہوئے ان کو نوع واحد کہنا اور ایک ہی ماں اور باپ آدمؑ و حواؑ کی اولاد سمجھنا مشکل تھا۔ رنگ و روپ، کالے، گورے کے امتیاز نے جدا سکہ جمایا تھا، اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روا نہ رکھتے تھے۔ جرائم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی، بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنیٰ، اور تعزیرات کی مشق کے لیے غرباء و ضعفاء قوم کے بدن وقف تھے۔

جب خداوند تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ اسلام کی صورت میں اہل عالم کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ ظلم و ستم کے بادل کائی کی طرح پھٹ گئے۔ اور اسلام کے معلمِ اوّل نے

قرآن مجید کے ساتھ پھیلا اس وقت قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے والے گنے چنے حضرات تھے۔ عراق وخراسان اور ہندوستان وترکستان وغیرہ کے رہنے والے نو مسلم نہ عربی رسم خط پڑھ سکتے تھے نہ ان کے ممالک میں ابتداً کوئی ایسا آدمی میسر تھا جو عربی کو سمجھ کر ان کی ملکی زبان میں اس کی ترجمانی بآسانی کر سکے اور قرآن ان کو پڑھا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس کی کس قدر ضرورت ہوگی کہ ہر ملک کے رسم خط میں قرآن لکھوا کر ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ آسانی سے پڑھ سکیں لیکن پوری تاریخ اسلام میں ایک واقعہ اس کا قرون مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں کہ ان حضرات نے کسی عجمی رسم خط میں قرآن لکھوایا ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔ بلکہ تعامل صحابہ کرام کا اس وقت بھی وہ ہوا جو صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ملک شام کے جہاد اور آرمینیہ۔ آذربیجان کی فتح میں شریک تھے وہاں اہل عراق کو قرآن کی مختلف قراءتوں میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو اس وقت کے خلیفہ اسلام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سخت تشویش کا اظہار کیا اور یہ الفاظ کہے ؛۔

| | |
|---|---|
| ادرک الامۃ قبل ان یختلفوا | اے امیر المومنین آپ امت کی خبر لیں اس سے |
| اختلاف الیہود والنصاریٰ | پہلے کہ ان میں یہود ونصاریٰ جیسا اختلاف واقع ہو جائے |

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمام اجلہ صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور زید بن ثابت اور عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبد الرحمٰن بن حارث وغیرہم کے مشورہ سے طے کر لیا کہ قبائل عرب کے سات لغات جن پر قرآن نازل ہوا ہے اگرچہ وہ سب وحی اور حق ہیں لیکن ان کے لفظی اختلاف سے اب یہ اندیشہ ہے کہ کہیں معنوی اختلاف اور تحریف کا راستہ نہ کھل جاوے۔ اس لئے اب صرف قریش کی لغت پر قرآن پڑھا جاوے دوسرے لغات کو موقوف کر دیا جاوے (کیونکہ یہ اختلاف لغات صرف لفظی تھا معنی پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا جو قبائل کی آسانی کے لئے جاری ہوا تھا۔ اس کی مثال اردو میں ایسی ہے جیسے دہلی اور لکھنؤ کی اردو میں باہمی کچھ فرق ہیں مثلاً آپ کو اور آپ کے تئیں وغیرہ کہ جس کا معنی پر کوئی اثر نہیں)۔

(روحی فداہ وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں نہایت مؤکد الفاظ کے ساتھ اعلان فرما دیا:۔

ایھا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

ترجمہ:۔ اے لوگو تمہارا مالک ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلتِ تقوے کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول وفعل، علم وعمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنٰے سے ادنٰے انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا۔ قانون کی دفعات اور ان کے نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا ؎

شاہ وگدا بصحت دریا دلاں یکے ست پوشیدہ است پست وبلند زمین در آب

# مُساواتِ اسلامی کے معنی

## اور اس میں لوگوں کی غلط فہمی

لیکن بعض مغرب کے دلدادہ نئی روشنی میں (جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) پرورش پانے والوں نے اس خاص امتیاز اسلامی اور مساوات محمودہ کو بھی ایک غلط معنی پہنائے اور مغربی دہریت آزادی وبے قیدی کا اسلامی مساوات نام رکھ لیا اور اسی قانون کے ماتحت کہیں عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا اور پردہ دری کو فرض سمجھا اور کہیں امارت شرعیہ کو جس کا مدار مشورہ اور تحقیق کے بعد صرف امیر کے عزم اور شرح صدر پر ہوتا تھا، یوروپین جمہوریت کا لباس پہنایا۔ اور کہیں معاملات دنیویہ نکاح وغیرہ میں بھی انساب اور اکفاء کی رعایت کو جو ٹھیک شرعی قانون ہے (معاذ اللہ) لغو وبیکار بلکہ مضر بتلایا۔

یا جماعِ صحابہ لغت قریش پر قرآن کریم کے بہت سے نسخے لکھوائے گئے اور ایک جماعت صحابہ کے سامنے اُن کو پڑھا گیا صحیح کیا گیا۔ اس کے بعد وہ نسخے مختلف ممالک عرب و عجم، مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ میں بھیج دیئے گئے اور با جماعِ اُمت اُن کا اتباع ہر چیز میں لازم و ضروری سمجھا گیا (کذا فی روح المعانی ص ۲۰)

حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جامع دمشق میں اُس کا ایک نسخہ اب تک موجود ہے۔ جو بڑے وزنی اوراق پر لکھا ہوا ہے۔

الغرض قرآنِ کریم عجمی ممالک میں آج نہیں پہنچا بلکہ تقریباً تیرہ سو برس پہلے سے پہنچا ہوا ہے اور عجمیوں کو عربی رسم خط میں قرآن پڑھنے کی مشکلات بھی آج پیدا نہیں ہوئی بلکہ اُسی وقت سے ہیں اور اگر غور کیا جائے تو اس وقت یہ مشکلات بہت زیادہ ہونا چاہئیں کہ ہر جگہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی پھر ان میں لکھے پڑھے کم تھے خصوصاً قرآن پڑھانے والا تو کوئی عرب ہی ہو سکتا تھا جس کا ہر شہر، ہر قصبہ، ہر بستی میں پہنچنا ظاہر ہے کہ آسان نہ تھا لیکن ان سب مشکلات مزعومہ کے باوجود صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہیں یہ تجویز نہ کیا کہ قرآن کو ملکی رسم خط میں لکھوا کر ان لوگوں کو دیا جاوے۔ بلکہ ان حضرات نے جس طرح قرآن کے معانی اور الفاظ اور زبان کی حفاظت کو ضروری سمجھا اسی طرح اس کے رسم خط کی بھی مصحف عثمانی کے موافق حفاظت کرنا ضروری سمجھا اور ان مشکلات کو حفاظت مذکورہ کے مقابلہ میں ناقابلِ التفات قرار دیا چنانچہ تھوڑے عرصہ میں دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ سب مشکلات محض خیالی تھیں۔

خداوند سبحانہ و تعالیٰ نے قرأت قرآن کے آسان کر دینے کا کھلے لفظوں میں جو خود اعلان فرمایا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ اس کا مشاہدہ سب کی آنکھوں کے سامنے آگیا کہ ہر ملک اور ہر زبان والے قرآن کو ایسا پڑھنے لگے کہ اپنی اپنی مادری زبان کی کتابوں کو بھی ایسا نہیں پڑھ سکتے۔ اور انھیں اہل عجم میں سیکڑوں ایسے حضرات ہوئے جو تجوید قرآن اور دیگر علوم قرآنیہ کے امام مانے گئے۔

الغرض اول تو یہ مشکلات محض خیالی ہیں ان کو مشکل تسلیم کرنا ہی غلطی ہے اور بالفرض

الغرض اسلامی مساوات کو اندھیر نگری کی کہانی بنا دیا اور موجودہ بالشویزم اصول سے جا ملایا۔ اس لیے ضرورت ہوئی کہ مساوات کی حقیقت کو واضح کیا جائے تاکہ حق و باطل کا التباس رفع ہو اور معلوم ہو جائے کہ اسلام کے معتدل اور متوسط قانون نے جو مساوات قائم فرمائی ہے، صرف وہ ہی ایک ایسی معقول چیز ہے جو اہل عقل کے نزدیک معمول بہا ہو سکتی ہے۔ اس سے آگے جس کسی نے قدم رکھا، سخت ٹھوکر کھائی اور طرح طرح کی آفتوں کا دروازہ کھول دیا۔

سنیے یہ بات کچھ زیادہ غور طلب نہیں کہ مساوات کی یہ اندھیر نگری کہ حاکم، محکوم، خاوند، بیوی، باپ، بیٹا، مرد، عورت، مجرم، غیر مجرم، مہذب، غیر مہذب، شریف و رذیل سب ایک پلہ میں تلنے لگیں اور ایک لاٹھی ہانکے جائیں۔ اور سب کے سب تمام حقوق اور معاملات میں برابر کیے جائیں، اس سے نہ صرف دین و مذہب کی بنیادیں اکھڑتی ہیں بلکہ دنیاداری کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں اور زندگی وبال ہو جاتی ہے اس لیے وہ مساوات جو مطلوب و محمود ہے کسی ذی ہوش کے نزدیک اس اندھیر کا نام نہیں ہو سکتا۔ شریعتِ اسلام میں مرد کا حق عورت سے دوگنا ہونا بہت سے احکام میں بنص قرآنی ثابت ہے۔ بنی ہاشم کے لیے ممانعتِ زکوٰۃ کا حکم مخصوص ہونا، قریش کے لیے حق خلافت مخصوص ہونا، کفار عرب سے جزیہ قبول نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے احکام ہیں، جن سے وضعاتِ قانون میں فطری درجات کا لحاظ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

بلکہ مساوات کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے جو قانونِ عمل قرآن و حدیث کے اندر نازل فرما دیا ہے اور جو حدود قائم کر دی ہیں اس قانون کی تنفیذ میں کسی سے رعایت نہ کی جائے اس میں ایک بڑے سے بڑا بادشاہ اور ادنیٰ سے ادنیٰ فقیر برابر ہوں، نفاذ قانون میں ذات پات کی اونچ نیچ اور رنگ و روپ کا امتیاز درمیان میں نہ آئے۔ نہ یہ کہ قانون ہی ایسا مہمل بنایا جائے کہ گدھا اور گھوڑا برابر ہوں۔ مرد و عورت اور حاکم و محکوم کے حق میں کوئی امتیاز نہ ہو۔

تسلیم بھی کیا جاوے تو ہر مشکل کا ازالہ ضروری نہیں۔ یوں تو نماز روزہ وغیرہ ارکانِ اسلام سب ہی کچھ نہ کچھ مشکل اپنے اندر رکھتے ہیں۔

اسی مضمون کو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے فتاوی میں خوب واضح فرما دیا ہے جس کی عبارت عنقریب نقل کی جائے گی۔

الغرض صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرزِ عمل سے واضح ہو گیا کہ جس طرح قرآن میں زبان عربی کی حفاظت ضروری اور لازم ہے کسی عجمی زبان میں بدون قرآنی عربی عبارات کے قرآن مجید کی کتابت جائز نہیں اسی طرح عربی رسم خط کی حفاظت بھی ضروری ہے کسی دوسرے رسم خط میں لکھنا اُن کا جائز نہیں کہ اُس میں رسم خط عثمانی کی مخالفت اور تحریف قرآن کا راستہ کھولنا ہے جو باجماع اُمت حرام ہے۔

خصوصًا ایسے رسم خط جن میں کلمات کی ترتیب بدل جائے یا کچھ حروف میں کمی بیشی کرنا پڑے جیسے انگریزی رسم خط ہے کہ اُس میں حرکات (زبر، زیر، پیش) کو بھی بشکلِ حروف لکھا جاتا ہے۔ ایسا لکھنا تو قرآن میں زیادتی کرنا اور قطعاً تحریف قرآن ہے۔

عربی رسم خط میں زیر زبر وغیرہ حرکات اگرچہ کلمات سے بالکل جُدا اور ممتاز ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود علمائے سلف کو اس میں بھی اختلاف کی نوبت پیش آئی کہ قرآن کی عبارت پر یہ حرکات لکھنا بھی جائز ہے یا نہیں۔ بعض حضرات نے اس کو بھی مکروہ سمجھا۔ بعض نے صرف مواضع مشکلہ میں بضرورت اجازت دی علامہ دانی جنھوں نے رسم خط قرآن پر مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اُس میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اعراب (حرکات زیر زبر وغیرہ) اور نقطے سُرخی سے لکھے جاویں تاکہ قرآن کی اصل عبارت سے ممتاز رہیں۔

علامہ نووی اور جمہور فقہاء نے اس کی مطلقاً اجازت دی کیونکہ عربی رسم خط میں اعراب مستقل جُدا گانہ چیز ہے اُس کا اختلاط کلمات وحروف کے ساتھ نہیں ہو سکتا اکذا

ذکرہ السیوطی فی الاتقان مفصلاً ص ۱۷۱ ج ۲)

الغرض عربی رسم خط میں حرکات اور نقطوں کا کلمات سے بالکل جُدا اور ممتاز ہونا ثابت ہونے کے باوجود سلف صالحین کو اُن کی کتابت فی المصاحف میں اختلاف پیش آیا تو جس رسم خط مثلاً

الغرض جو مساوات عقلاً محمود ہے وہ یہ ہے کہ اجراء قانون میں مساوات برتی جائے جو شخص قانون کی رو سے کسی خاص معاملہ کا حق دار ہو، اوس میں کسی کی رعایت و مروت یا خوف و طمع سے کمی زیادتی نہ کی جائے۔ نہ یہ کہ خود قانون کی دفعات ہی ہر شخص کے لیے ہر معاملہ میں برابر ہوں۔

اسلام نے اپنے ہر حکم اور ہر عمل میں اس مساوات محمودہ کی اس درجہ پابندی کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، جس کے چند نمونے یہ ہیں۔

**ارشاد نبوی کہ اگر فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرتیں تو میں اون کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور شرعی شہادت سے ثابت ہوکر حسب قانون اسلامی اس کے لیے ہاتھ قطع کرنے کی سزا تجویز ہوئی، یہ عورت چونکہ اونچے خاندان کی تھی، لوگوں کو خیال ہوا کہ کسی طرح سعی و سفارش کر کے اس کو سزا سے بچالیا جائے اور باہمی مشوروں سے یہ طے پایا کہ ایسے کام کے لیے صرف حضرت اسامہؓ ہی جرأت کرسکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے اور بے تکلف ہیں سب نے ان کو اس کام کے لیے آگے کیا، انھوں نے بارگاہ رسالت میں عورت مخزومیہ کے لیے سفارش پیش فرمائی۔

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناراضی کے لہجہ میں) ارشاد فرمایا کہ اے اُسامہ! کیا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارہ میں سفارش کرتے ہو۔ اور پھر اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اس کام کے لیے مجمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| انما ھلک الذین من قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ | ترجمہ: بیشک تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے کہ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی بڑا آدمی اون میں چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف و بے کس چوری کرتا تو اس پر حد (سزا) |

انگریزی میں یہ حرکات خود کلمات کے درمیان بشکل حروف لکھی جاتی ہوں اس کی اجازت کیسے متصور ہے۔ تامل زبان کا حال معلوم نہیں کہ اس بارہ میں وہ بھی انگریزی کی طرح ہے یا کیا صورت ہے!

علاوہ ازیں عربی زبان میں چند حروف ایسے ہیں کہ ہر حرف سے لفظ کے معنی بالکل جدا ہو جاتے ہیں لیکن بہت سی عجمی زبانوں میں ان حروف میں کوئی فرق نہیں سب کو ایک ہی آواز سے پڑھا جاتا ہے ایک ہی شکل سے لکھا جاتا ہے۔ مثلاً (س۔ث۔ص) اور (ذال۔ز۔ظ) وغیرہ تو جب قرآن کو اس رسم خط میں لکھا جائے گا تو ان حروف کا کوئی امتیاز نہ رہیگا جو سخت ترین تحریف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسم خط عثمانی کا اتباع لازم و واجب ہے اس کے سوا کسی دوسرے رسم خط میں اگرچہ وہ بھی عربی ہی کیوں نہ ہو قرآن کی کتابت جائز نہیں۔ مثلاً اوائل سورت میں بسم اللہ کو مصاحف عثمانیہ میں بحذف الف لکھا ہے اور اقرأ باسم ربک میں بشکل الف ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ پڑھنے میں دونوں یکساں بحذف الف پڑھے جاتے ہیں مگر باجماع امت اسی کی نقل و اتباع کرنا ضروری ہے اس کے خلاف کرنا عربی رسم خط میں بھی جائز نہیں تو ظاہر ہے کہ سرے سے پورا رسم خط غیر عربی میں بدل دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اور حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے ازالۃ الخفاء میں ایک مہتم بالشان مقدمہ میں بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ قرآن کی جمع و ترتیب اور حفاظت ہمارے ذمہ ہے قال تعالیٰ (ان علینا جمعہ وقرآنہ) وقال تعالیٰ (انا لہ لحافظون) لیکن اس وعدہ الٰہیہ کے ظہور اور حفاظت الٰہیہ کا طریق ظاہر ہے کہ اس طرح منظور نہیں تھا جس طرح انسان اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے اور نہ اس طرح کہ قرآن کسی پتھر کے اندر کندہ ہو جاتا جو مٹانے سے نہ مٹ سکے بلکہ مشاہدہ یہ ہوا کہ حفاظت خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ چند بندگان صالحین کے قلوب میں ڈالا گیا کہ وہ اس کی جمع اور تدوین کی خدمت انجام دیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک نسخہ قرآنی پر مجتمع اور متفق

بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔
رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد و
الترمذی والنسائی (از ترغیب ص۱۵۱ ج۳)

جاری کرتے تھے اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر (خدا نخواستہ) محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار مسلمانوں کی قید میں**

غزوۂ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اوس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے حضرت عباسؓ رات کو قید کی تکلیف سے کراہتے تھے، ان کی آواز آپؐ کے گوشِ مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی لوگوں نے نیند نہ آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں کیسے سو سکتا ہوں جبکہ میرے عم بزرگوار کے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی ہے (کنز العمال ص۲۷۱ ج۵)

پھر جب یہ رائے طے ہوگئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو اس میں بھی عم بزرگوار فدیہ سے مستثنیٰ نہ ہوئے، بلکہ بہ نسبت عام قیدیوں کے ان سے کچھ زیادہ فدیہ وصول کیا گیا، کیونکہ عام اسیروں سے چار ہزار لیے گئے تھے اور امراء سے کچھ زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی چونکہ اغنیاء میں سے تھے اس لیے اون سے بھی زیادہ وصول کیا گیا۔

**سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد مسلمانوں کی قید میں**

اسی غزوۂ بدر کے قیدیوں میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بھی اسیر تھے۔ مساواتِ اسلامی اس کو کہاں جائز رکھتی کہ ان کو گرفتار نہ کیا جاتا۔ فدیہ کے معاملہ میں بھی اون کو اوسی قانون کی پابندی کرنی پڑی جو عام قیدیوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا، ان کے پاس فدیہ کے لیے مال نہ تھا اس لیے ان کی زوجہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم کہیں سے مہیا کرکے بھیج دیں تو ابو العاص کو رہا کر دیا جائے۔

ان کے گلے میں ایک ہار تھا جو ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے اون کو جہیز میں ملا

ہو جاویں اور ہمیشہ جماعاتِ عظیمہ اس کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول رہیں۔ تاکہ سلسلہ تواتر نہ ٹوٹنے جاوے اور تکمیل اس کی اس طرح ظہور میں آئی کہ عہدِ عثمانی میں بمشورہ واجماع صحابہ تمام مصاحف میں سے ایک مصحف پر اتفاق کیا گیا جس میں قراءات شاذہ نہیں لی گئیں بلکہ قراءت متواترہ لی گئی اور قبائلِ عرب کی سات زبانوں میں سے جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ ایک قریش کی لغت لی گئی اور باقی لغات کے مصاحف متروک کر دیئے گئے جن کا بعد میں کہیں نام و نشان نہیں رہا۔

اس واقعہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو گیا کہ قرآن جس کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وہ یہی مصحفِ عثمانی ہے اور یہی قرآن محفوظ من اللہ ہے۔ ورنہ اگر حفاظتِ خداوندی سب مصاحف کے ساتھ متعلق ہوتی تو دوسرے لغات کے مصاحف کا تلف کر دینا کسی مخلوق کی قدرت میں نہ ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن محفوظ صرف وہی ہے جو مصحفِ امام اور مصحفِ عثمانی کہلاتا ہے جو چیز اس میں نہیں وہ قرآن نہیں اور جو چیز اس میں ہے وہ نہ مٹائی جا سکتی ہے اور نہ اس میں کوئی ادنیٰ تغیر کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ یہی راز ہے اس اجماع کا جو اوپر نقل کیا گیا کہ مصحفِ عثمانی کے رسم خط کی بھی حفاظت واجب ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے بیان کی چند سطریں یہ ہیں:۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۵ ج ۱)

"لہٰذا محققین علماء آں رفتہ اند کہ در صلوات وغیر آں خواندہ نشود مگر قراءت متواترہ و قراءت متواترہ آں ست کہ ورود وے در شرط ہم آید یعنی آں کہ سلسلہ روایت آں ثقۃ عن ثقۃ تا صحابہ کرام ہمہ رسد نہ مجرد محتمل خطے مدعم آں کہ خط مصاحف عثمانیہ محتمل آں باشد زیرا کہ چوں صورت حفظ آں تدوین بین الدفتین و جمع امت براں معہود شد ہر چہ غیر آں ست غیر محفوظ است غیر قرآن ست لان اللہ تعالیٰ قال وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وقال اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ الآیۃ پس قراءت والذکر والانثیٰ شاذ ست در نماز نمی توان خواند حال آنکہ از حدیث ابن مسعود وابی درداء صحیح شدہ است و در وقت انتساخ مصاحف عثمانیہ از اہل شیخین ابن عباس با صحابہ دیگر مباحثہ فرمودہ در تہجی بیعۃ، آیات وصیتی ربک بجائے قضیٰ ربک گفت او لم ییئس بجائے او لم ییئس خواندہ آخر ما جماعت دیگر التفات بتہجی او نکردہ قضیٰ ربک او لم ییئس

تھا، وہی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ جب یہ ہار آپؐ کے سامنے آیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور صحابہ سے اجازت مانگی کہ اگر تم راضی ہو تو یہ ہار زینب کو واپس دے دو۔ کیونکہ یہ ان کے پاس اپنی والدہ کی یادگار ہے۔ صحابہ نے بخوشی منظور کر کے اجازت[ف] دے دی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد و مسند احمد)

## حضرت فاروقِ اعظمؓ کی سیاست اپنے گھر والوں پر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اپنی قلمرو میں کوئی قانون جاری کرنے کا ارادہ فرماتے اور اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا مقرر کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنے گھر میں جاتے اور فرماتے کہ خبردار کوئی اس حرکت کے پاس نہ جائے، ورنہ اگر تم میں سے کسی نے خلاف قانون کیا تو اور لوگوں سے دوگنی سزا اس کو دی جائے گی (تاریخ الخلفاء ص۵۴ ج۱)

بلکہ اپنے گھر کے لوگوں پر تو یہاں تک دارو گیر تھی کہ ایک روز آپ کے صاحبزادے کنگھا کر کے اور عمدہ کپڑے پہن مجلس میں آئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنے درّے لگائے کہ رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ کچھ خود بینی میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے میں نے چاہا کہ ان کو ان کی نظر میں خفیف کردوں (تاریخ الخلفاء ص۳۵ ج۱)

## بیت المال میں امیر المؤمنین اور عام مسلمانوں کی مساوات

علامہ سیوطی نے بحوالہ ابن سعد نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا اور بیت المال میں ایک چھوٹا سا مشکیزہ

---

ف اور یہ درخواست مساوات کے منافی نہیں اگر مساوات کا شکستہ کرنا ہوتا تو درخواست ہی کی حاجت نہ تھی اس درخواست نے تو مساوات کو اور موکد بنا دیا اگر شبہ ہو کہ درخواست کے نامنظور ہونے کا تو احتمال ہی نہ تھا تو یہ مثل حکم کے ہوئی، جواب یہ ہے کہ بہت سے واقعات سے ثابت ہے کہ خود حضورؐ کی سفارشیں بعض اوقات منظور نہیں کی گئیں۔ اس لیے یہ احتمال بالکل ہی باطل ہے ۱۲ حضرت حکیم الامت مدظلہ۔

نوشتند و ہماں نسخ در آفاق شائع شد ما ہیں قاعدہ وا نسیتم کہ قول جماعہ صحیح بود و تحری ابن عباس من باب خطاء المعدود ہم چنیں جمعے از صحابہ تنافس کردند در جمع قرآن ہر یکے مصحفے مرتب نمود و ہر یکے۔ از اہل آں عصر سُوَر قرآن را بلغت خود نوشت بر غیر لغتِ قریش حضرت ذی النورین با لہام ربانی محو آں کرد و بر یک قرآن ہمہ را جمع نمود در آں وقت باب قیل وقال مفتوح شد و بر دوات از ہر دو جانب پیاں آمد چوں تمام عالم بر مصاحف عثمانیہ جمع شدند یقین کردیم کہ محفوظ ہماں ست و غیر او مراد الحفظ نبود و اگر مراد الحفظ می بود محو نمی شد و ایں را ہیچ عاقلے حفظ نشا رود کر دحیک امام مرحوم الرجوم محقق الحال ادعا کنند کہ نہادہ شدہ است سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۔

مضمون مذکور کے شواہد اصول تفسیر اور تفسیر کی کتب میں نیز کتب فقہ میں بیشمار ہیں ان میں سے چند بقدر ضرورت اس جگہ لکھے جاتے ہیں:۔

علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں رسم خط قرآنی اور کتابت قرآنی کے آداب پر مستقل فصل بعنوان (النوع السادس والسبعون) رکھی ہے اُس میں نقل کیا ہے۔

وقال اشهب سئل مالك هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس من الهجى فقال لا الا على الكتبة الاولى رواه الدانى فى المقنع ثم قال ولا مخالف له من علماء الامة

اشہب فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا قرآن مجید کو اُس خاص طرز تحریر میں لکھ سکتے ہیں جو آج کل لوگوں نے ایجاد کیا ہے فرمایا نہیں بلکہ اسی پہلی طرز کتابت پر ہونا چاہیئے۔ اس کو علامہ دانی نے مقنع میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ علماء میں سے کوئی امام مالک کا اس بارہ میں مخالف نہیں ہے۔

* * *

اس کے بعد لکھا ہے:۔

وقال الامام احمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان فى واو اوياء اوالف اوغير ذلك (اتقان ص ۱۶۷ ج ۲)

اور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مصحف عثمان کے رسم خط کی مخالفت حرام ہے واو یا، الف (زائدہ) میں (جو کہ تلفظ میں نہیں آتے محض لکھنے میں آتے ہیں)

پھر لکھا ہے:۔

شہد کا موجود تھا۔ امیر المومنین نے جائز نہ رکھا کہ اوس کو بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے اپنی دوا میں خرچ کرلیں۔ بلکہ منبر پر تشریف لائے اور بالفاظ ذیل اعلان کیا۔

ان اذنتم لی فیہا اخذتہا والا فھی علیّ حرام فاذنوا لہ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۴ ج ۱)

اور اگر تم مجھے اجازت دو تو یہ شہد لے لوں، ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے، لوگوں نے اجازت دے دی۔

**بیت المال سے خلیفہ اسلام کی تنخواہ صرف، پیٹ بھرائی کھانا اور جاڑے گرمی میں دو جوڑے کپڑے**

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ایک طویل مدت تو اس طرح گذاری کہ بیت المال سے ایک پائی نہیں لی۔ یہاں تک کہ فقر و فاقہ کی نوبت آگئی، اس وقت صحابہ کرام کی جماعت میں سے اہل رائے و مشورہ کو طلب فرمایا، اور اون سے مشورہ لیا کہ میں نے اپنا تمام وقت خلافت کی خدمت میں مشغول کر دیا ہے۔ اور کسبِ معاش کے لیے کوئی وقت نہیں ملتا تو کیا مجھے بیت المال سے لینے کا حق ہے؟

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہاں صبح و شام کا کھانا آپ لے سکتے ہیں اسی کو فاروق اعظم نے اپنا دستور العمل بنایا (تاریخ الخلفاء)

اور ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی تنخواہ کی تفصیل خود اس طرح بیان فرمائی:۔

اخبرکم بما یستحل لی منہ حلتان حلۃ فی الشتاء وحلۃ فی القیظ وما احج علیہ واعتمر من الظہر وقوتی وقوت اہلی کقوت رجل من قریش لیس باغناہم ولا بافقرہم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی

میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ بیت المال میں سے میرے لیے کس قدر لینا جائز ہے، دو جوڑے کپڑے، ایک جاڑے میں ایک گرمی میں اور ایک سواری جس پر میں حج و عمرہ کرسکوں اور میری اور میرے اہل و عیال کی خوراک ایک متوسط الحال قریشی کی برابر، جو نہ زیادہ غنی ہو اور نہ بہت زیادہ فقیر، پھر اس کے بعد

وقال البیہقی فی شعب الایمان
من یکتب مصحفا فینبغی ان یحافظ
علی الهجاء الذی کتبوا به تلك المصاحف
ولا یخالفهم فیه ولا یغیر مما کتبوه شیئا
فانهم کانوا اکثر علما واصدق قلبا ولسانا
واعظم امانة فلا ینبغی ان نظن
بانفسنا استدراکا علیهم۔

اور امام بیہقی شعب الایمان میں فرماتے ہیں جو شخص
قرآن مجید کی کتابت کرے تو ضروری ہے کہ اس طرز تحریر
کی حفاظت کرے جس پر حضرات صحابہ نے مصاحف لکھے ہیں انکی
مخالفت نہ کرے اور جو کچھ انھوں نے لکھا ہے کسی چیز میں
تغیر نہ کرے کیونکہ وہ زیادہ علم والے اور زیادہ سچے دل و زبان والے
اور زیادہ امانت دار تھے تو ہمارے لئے کسی طرح لائق نہیں کہ
ہم اپنے متعلق یہ گمان کریں کہ ان کی کسی کمی کو ہم پورا کرتے ہیں

اس کے چند صفحہ بعد تحریر فرمایا ہے:۔

وهل تجوز کتابته بقلم غیر
العربی قال الزرکشی لم ار فیه کلاما
لاحد من العلماء قال ویحتمل الجواز
لانه قد یحسنه من یقرء بالعربیة
والاقرب المنع کما تحرم قراءته
بغیر لسان العرب ولقولهم القلم
احد اللسانین والعرب لاتعرف
قلما غیر العربی وقال تعالی بلسان
عربی مبین۔

(اتقان ص ۱۷۱ ج ۲)

کیا غیر عربی رسم الخط میں قرآن کی کتابت جائز ہے۔
علامہ زرکشی نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے اس بارہ
میں کسی عالم کی تصریح نہیں دیکھی اور احتمال جواز کا ہے
کیونکہ بعض اوقات غیر عربی رسم خط کو وہ لوگ (بھی) اچھی
طرح ادا کر سکتے ہیں جو عربی پڑھ تو لیتے ہیں (لیکن لکھنے کی
قدرت نہیں) لیکن اقرب التحقیق یہ ہے کہ غیر عربی رسم خط
میں لکھنے کو منع کیا جائے جیسا کہ غیر عربی میں قراءت کو منع کیا
جاتا ہے کیونکہ مشہور ہے کہ قلم بھی ایک قسم کی زبان ہے
اور عرب بجز عربی رسم خط کے اور کوئی رسم خط نہیں جانتے
اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے (بلسان عربی مبین)

اور علامہ حسن شرنبلالی صاحب نور الایضاح جو دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ مصنف تصانیف کثیرہ اور مذہب حنفی کے معروف مفتی ہیں ان کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر ہے بنام النفحة القدسیه فی احکام قراءة القرآن وکتابته بالفارسیه۔ اس میں مذاہب اربعہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی مستند کتب سے اجماع امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن کی کتابت میں مصحف امام کے رسم خط کا اتباع واجب ولازم ہے

مایصیبہم۔ میں بھی ایک مسلمان ہوں جو ان کا حال ہے وہی میرا ہے (یعنی مال غنیمت کی تقسیم میں)
(طبقات ابن سعد ص۲۲ ج ۳)

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی بہت گراں ہو گیا کہ عام غریب مسلمانوں کو حاصل ہونا مشکل ہو گیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے باوجود استطاعت کے گھی کھانے کو اس وقت تک کے لیے حرام کر لیا، جب تک کہ گھی اتنا ارزاں ہو جائے کہ عام مسلمان کھا سکیں (مؤطا امام مالک مع شرح زرقانی وغیرہ)

یہ چند نمونے ہیں جو بلا کسی تفتیش و تلاش کے اتفاقاً سامنے آ گئے اور اگر اس قسم کے واقعات خلفائے اسلام کے حالات سے جمع کیے جائیں تو ایک مستقل دفتر بن جائے صحابہ کرام کی بڑی شان ہے۔ قرون متاخرہ کے اسلامی بادشاہوں کے عدل و مساوات کے واقعات سن کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

یہ ہے وہ اصل اور حقیقی مساوات جو خالص اسلام کا طغرائے امتیاز ہے دوسری قومیں اس کی نقل بھی نہیں اتار سکیں اور اس پر حیرت یہ ہے کہ آج یورپین اقوام فخر کے ساتھ اس کی مدعی ہیں کہ ہمیں مساوات کے حامی اور موجد ہیں، حالانکہ اگر حقیقت کو بے نقاب کیا جائے تو اس بارہ میں ان کا قدم ساری اقوام عالم سے پیچھے ہے۔ ہاں مکر و فریب اور پالیسی سے ظلم کو عدل کی صورت میں اور سراسر خود پرستی کو مساوات کے لباس میں دکھلانا بے شک ان کی ایجاد ہے۔ جس پر اگر وہ فخر کریں تو بجا ہے۔

اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی مساوات کے چند نمونوں کے ساتھ یورپین بادشاہوں اور ان کے احوال و اعمال سے بھی اس کے چند نمونے پیش کر دیے جائیں تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ ان کے عنوان مساوات کا مضمون کیا ہے، اور اس خوبصورت لباس میں کس بدزیب جسم کو پیش کیا گیا ہے۔ اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹، محرم ۱۳۴۶ھ میں یورپین تاجداروں کے مصارف کی ایک فہرست اجمالی شائع ہوئی تھی۔ جس کا نقشہ درج ذیل ہے:۔

| شاہ سیام | پینتیس لاکھ روپیہ سالانہ | شاہ اٹلی | تیس لاکھ روپیہ سالانہ |
|---|---|---|---|

غیر عربی عبارات میں اس کا لکھنا حرام ہے اور اسی طرح غیر عربی خط میں اس کی کتابت ممنوع و ناجائز ہے اس کے چند جملے اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

واما کتابة القرآن بالفارسية
فقد نص علیها فی غیر ما کتاب من
کتب ائمتنا الحنفية المعتمدة منها ما قاله
مؤلف الهداية الامام المرغينانی فی
فی کتابه التجنيس و المزيد ما نصه
ويمنع من كتابة القرآن بالفارسية
بالاجماع لانه يؤدی الی الاخلال بحفظ
القرآن لانا امرنا بحفظ النظم والمعنی
فانه دلالة علی النبوة ولانه ربما
يؤدی الی التهاون بامر القرآن۔
ومنها ما فی معراج الدراية انه يمنع
من كتابة المصحف بالفارسية اشد
المنع وان كاتبه يكون معتلا او زنديقا۔ ثم
ذكر مثله عن الكافی وفتح القدير
للمحقق ابن الهمام رحمه الله) وقد افاد
شيخ الاسلام العلامة ابن حجر العسقلانی
الشافعی فی فتاواه تحريم الكتابة و
قد سئل هل تحرم كتابة القرآن الكريم
بالعجمية كقراءته فاجاب بقوله قضية
ما فی المجموع الاجماع علی التحريم د
ذكر التوجيه له وقال فی محل آخر قبل

لیکن قرآن مجید کی کتابت فارسی زبان میں سو کسی ایک
کتاب میں نہیں بلکہ بہت سی کتب میں جو ہمارے ائمہ حنفیہ کے
نزدیک مستند ہیں اس کی تصریح موجود ہے منجملہ ان کے وہ ہے
جو صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب تجنیس اور مزید میں فرمایا ہے
جس کی عبارت یہ ہے اور فارسی میں کتابت قرآن سے باجماع
منع کیا گیا ہے کیونکہ حفاظت قرآن میں خلل ڈالنے کا ذریعہ ہے
کیونکہ ہم قرآن مجید کے الفاظ اور معنی دونوں کی حفاظت کے
لئے مامور ہیں کیونکہ الفاظ بھی ثبوت نبوت کی دلیل ہیں اور
الفاظ کے بدلنے سے (اگرچہ معنی نہ بدلیں) قرآن مجید کی حفاظت
میں سستی پیدا ہوتی ہے۔
اور منجملہ ان کے وہ ہے جو معراج الدرایۃ میں ہے کہ قرآن
مجید کو فارسی میں لکھنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا جائے
اور یہ کہ ایسا کرنے والا زندیق یا بے دین ہے اس کے بعد
اسی قسم کا مضمون کافی اور فتح القدیر سے نقل کیا ہے (پھر فرمایا)
اور شیخ الاسلام علامہ ابن حجر شافعی نے اپنے فتاویٰ میں ارشاد
فرمایا ہے جب کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا قرآن کریم کی کتابت
عجمی الفاظ یا رسم خط میں حرام ہے جیسا کہ اس کی تلاوت
و قراءت عجمی زبان میں حرام ہے تو فرمایا کہ کتاب مجموع
کا فیصلہ اس بارہ میں یہ ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع
ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہیں اور اس سے پہلے ایک
جگہ فرمایا ہے کہ امام زرکشی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو مطلق

| | | | |
|---|---|---|---|
| شاہ برطانیہ | اٹھتیس لاکھ روپیہ سالانہ | شاہ پرتگال | پانچ لاکھ روپیہ سالانہ |
| شاہ رومانیہ | پچیس لاکھ روپیہ سالانہ | شاہ ڈنمارک | تین لاکھ روپیہ سالانہ |
| شاہ جاپان | ۲۲½ لاکھ روپیہ سالانہ | شاہ ناروے | ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ |
| شاہ ہسپانیہ | اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ | .. | .. .. .. |

اور بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ شاہ انگلستان کے ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل ہیں:۔

جیب خرچ : ایک لاکھ دس ہزار پونڈ ماہوار ، گھوڑا خرچ : ایک لاکھ ترانوے ہزار پونڈ ماہوار
ملازموں کی تنخواہ : ایک لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو پونڈ ماہوار، محلات شاہی کی آرائش : بیس ہزار پونڈ ماہوار
انعامات و خیرات : تیرہ ہزار دو سو پونڈ ماہوار ۔ حقوق بازیافت کے لیے : آٹھ سو پونڈ ماہوار

اس تمام گذارش کا حاصل یہ ہے کہ وہ مساوات جو اسلام کی شانِ امتیاز اور محمود و مطلوب ہے۔ وہ صرف نفاذِ قانون میں ہے، وضع قانون میں مساوات برتنا اور ادنیٰ، اعلیٰ، حاکم، محکوم، مرد، عورت سب کے فرائض و حقوق کو ان کی خلقت و فطرت کے خلاف ایک کر دینا عقل و نقل کے خلاف ہے۔ بلکہ بقولِ ذوق ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن

اختلاف مراتب و منازل دنیا کی زینت ہی نہیں بلکہ اسلامی امور کی اساس و بنیاد ہے۔ ایک شخص سارا دن مزدوری اور محنت شاقہ کرتا ہے اور اس کو چار پانچ آنے سے زائد کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اور دوسرا ایک گھنٹہ کی معمولی محنت کا معاوضہ سَو روپیہ لینا بھی بمشکل پسند کرتا ہے اور یہ اختلاف حقوق سب عقلائے دنیا تسلیم کرتے ہیں۔ اس کو کوئی بھی جمہوریت و مساوات کے خلاف نہیں بتاتا۔ پھر اگر عورت، مرد کے حقوق میں شریعت اسلام کوئی فرق کر دے یا انساب اور پیشوں میں کوئی تفاضل دینوی معاملات کے اندر قائم فرما دے، تو کس طرح اس کو مساوات کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

اور چونکہ اس جگہ اصلی مقصود انساب اور پیشوں کے باہمی تفاضل ہی پر بحث کرنا

هذا ما ملخصه قال الزركشي وفيه تعظيمه
وجعله على كرسي وتقبيله ويحرم مد
الرجل الى شئ من القرآن او كتب
العلم ويحرم ايضا كتابته بغير
العربي انتهى. ثم قال الحافظ ابن حجر
وفي كتابة القرآن العظيم بالعجمي تصرف
في اللفظ المعجز الذي حصل التحدي به
بالمراد (الى قوله) لان الالفاظ العجمية
فيها تقديم المضاف اليه على المضاف
ونحو ذلك مما يخل بالنظم ويشوش
الفهم وقد صرحوا بان الترتيب من
مناط الاعجاز وهو ظاهر في حرمة
تقديم آية على آية يعني او كلمة
على كلمة كتقديم المضاف اليه على
المضاف ونحوه مما يحرم ذلك قراءة
فقد صرحوا بان الكتابة بعكس السور
مكروهة وبعكس الآيات محرمة و
فرقوا بان ترتيب السور على النظم
المصحفي مظنون وترتيب الآيات
قطعي۔ وزعم ان كتابته بالعجمية
فيها سهولة للتعليم كذب مخالف
للواقع والمشاهد فلا يلتفت لذلك
على انه لو سلم صدقه لم يكن مبيحا

ولکھا ہو کسی اونچی چیز مثلاً رحل وغیرہ پر رکھنا اس کو بوسہ
دینا مستحب ہے اور قرآن کے کسی حصہ کی طرف پاؤں پھیلانا
یا علوم دینی کی کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانا حرام ہے نیز
غیر عربی رسم خط میں اس کی کتابت کرنا بھی حرام ہے۔
اس کے بعد فرمایا اور قرآن عظیم کو کسی بھی رسم خط میں لکھنا اس
کے الفاظ میں جن کے ذریعہ تمام دنیا کے کفار کو چیلنج کیا گیا
ہے ان میں غیر مشروع تغیر کرنا ہے کیونکہ عجمی الفاظ میں مضاف
مقدم ہوتا ہے مضاف الیہ پر اور اسی قسم کی دوسری چیزیں
جو نظم قرآنی میں خلل ڈالنے اور معنی سمجھنے میں تشویش پیدا کرنے
والی ہیں۔ اور علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ قرآن
کی موجودہ ترتیب حروف وکلمات اور ترتیب آیات
ہی مدار اعجاز ہیں اور اس سے ظاہر ہے کہ ایک آیت کو
دوسری آیت پر بلکہ ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ پر (کتابت میں)
مقدم کرنا حرام ہے جیسا کہ تلاوت میں یہ تقدیم وتاخیر حرام
ہے۔ کیونکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کتابت
قرآن، سورتوں کی ترتیب بدل کر کرنا مکروہ ہے۔ اور
آیات کی ترتیب بدل کر کرنا حرام ہے اور وجہ فرق یہ ہے
کہ سورتوں کی (موجودہ) ترتیب جیسی مصحف امام میں
ہے اس کا من اللہ ہونا تو ظنی ہے لیکن آیات کی موجودہ
ترتیب قطعی ہے۔ اور یہ گمان کرنا کہ عجمی (زبان یا رسم خط)
میں تعلیم کی سہولت ہے تو یہ غلط اور مخالف واقع
ہے اور خلاف مشاہدہ ہے اس کی طرف التفات نہ
کیا جاوے۔ علاوہ ازیں اگر اس کا صحیح ہونا بھی تسلیم کر لیا

ہے اس لیے اس کو کسی قدر تفصیل سے سنیے۔

# انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل!

عزت و ذلت ایک عرفی ہے اور ایک شرعی۔

شرعی عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے ذات پات کی اونچ نیچ، اصناف و اقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ بے شک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

اور اسی مضمون کے لیے عارف جامی کا یہ شعر نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے،

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی۔ جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں۔ مرد اگر عورت سے افضل ہے تو جبھی کہ دولت تقویٰ میں اوس سے کم نہ ہو۔

عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے تو اسی شرط کے ساتھ ہے۔ سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے تو وہ بھی اوسی وقت کہ سیادت کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے۔ لیکن عرفی عزت میں ان تمام چیزوں کا تفاضل معتبر ہے۔

اور حکیمانہ اصول کے موافق انسانوں کے مختلف طبقات کے دنیوی معیشت و معاشرت میں مختلف درجات قائم کر دیے گئے ہیں۔ اور بعض کو بعض پر شرف و فضیلت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور یہ تفاضل کہیں صنف کے اعتبار سے مرد و عورت میں تقسیم ہو کر ظاہر ہوا تو کہیں اقالیم مختلفہ کے اعتبار سے عرب و عجم اور مشرق و مغرب وغیرہ میں تقسیم ہو کر نمایاں ہوا۔

لاخراج الفاظ القرآن عما کتب علیه واجمع علیه السلف والخلف۔

جاکر ترتیب بھی قرآن کے الفاظ کا ان کی اجماعی مشہور اور قدیم طرز کتابت سے نکالنا اس مصلحت کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا

حافظ الدنیا شیخ الاسلام علامہ ابن حجر رح کی اس تقریر میں ان تمام شبہات کا بھی پورا جواب ہے جو رسم خط یا زبان بدلنے والے حضرات پیش کرتے ہیں کہ اس میں عجمیوں کے لئے قرآن پڑھنے میں سہولت ہے۔ حافظ نے واضح کر دیا کہ اول تو یہ سہولت کا خیال غلط ہے اور اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سہولت کی خاطر قرآن کی تبدیل و تغییر جائز نہیں ہو سکتی۔

اور حنابلہ کے مشہور فقیہ و امام ابن قدامہ کی کتاب مغنی کے حواشی میں اس کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جب سے قرآن دنیا میں آیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعوت عجم کے سامنے پیش کی کہیں ایک واقعہ بھی اس کا مذکور نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی وجہ سے اس کا ترجمہ کر کے بھیجا ہو یا عجمی رسم خط میں لکھوایا ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب جو ملوک عجم کسریٰ و قیصر و مقوقس وغیرہ کی طرف بھیجے جن میں سے بعض کے فوٹو بھی چھپ گئے ہیں اور آج تک محفوظ ہیں ان کو دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ ان میں عجمی زبان اختیار کی گئی ہے نہ عجمی رسم خط اختیار کیا گیا ہے (حواشی مذکورہ کے چند جملے یہ ہیں)۔

وھو انما نزل باللسان العربی کما ھو مصرح فی الآیات المتعددۃ وانما کان تبلیغه والدعوۃ الی الاسلام والانذار به کما انزل الله تعالیٰ لم یترجم النبی صلی الله علیه وسلم ولا اذن بترجمته ولم یفعل ذالک الصحابة ولا الخلفاء المسلمین وملوکھم وکتب النبی صلی الله علیه وسلم کتبه الی قیصر وکسریٰ ومقوقس بلغاتھم لعلم التعلیل الذی علل به (مغنی مع الشرح الکبیر ص۳ ج۱)

اور قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا جیسا کہ متعدد آیات قرآن میں تصریح ہے اور اسی عربی زبان میں قرآن کی تبلیغ اور دعوت و انذار عمل میں آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کا ترجمہ کر کے نہیں پہنچایا اور نہ ترجمہ کر کے پہنچانے کی اجازت دی اور نہ حضرات صحابہ نے ایسا کیا اور نہ خلفائے اسلام اور سلاطین اسلام نے ایسا کیا اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطوط قیصر و کسریٰ اور مقوقس وغیرہ کو ان ہی کی زبان میں لکھاتے تو یہ دلیل صحیح مانی جا سکتی تھی کہ عجم کو عجمی زبان میں پہنچانا زیادہ مفید ہے۔

کہیں انساب و قبائل کے امتیاز پر اس کا ظہور ہوا تو کہیں پیشوں اور صنعتوں کے تفاوت پر درجات میں تفاضل مانا گیا۔

مثلاً صنفِ رجال کو صنفِ نساء پر فوقیت و فضیلت عطا فرمائی اور قرآن کریم نے اوس کا اعلان بالفاظ ذیل فرمایا:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط الآیۃ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اوس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح عرب کو عجم پر اور قریش کو عام عرب پر فضیلت عطا فرمائی اور قریش میں بھی بنی ہاشم کو سب سے زیادہ اونچا رتبہ عطا فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ ان اللہ تعالیٰ اصطفی کنانۃ من ولد اسمٰعیلؑ و اصطفے قریشا من کنانۃ و اصطفے من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم (از روح المعانی ص۱۳۹ ج ۶)

## قریش کی فضیلت تمام قبائل دنیا پر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش ائمۃ العرب۔ رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ کذا فی الکنز من الفضائل ص۱۳۹ ج ۷، یعنی قریش تمام عرب کے پیشوا ہیں۔

نیز حضرت انس راوی ہیں کہ فرمایا۔ قدموا قریشا ولا تقدموھا و تعلموا منھا ولا تعلموھا الحدیث اخرجہ ابن النجار (از کنز ص۱۴۰ ج ۷)

## سادات بنی فاطمہ اور اہلِ بیت کے فضلِ مخصوص

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بروایت حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

فاطمۃ بضعۃ منی یقبضنی مایقبضھا و یبسطنی مایبسطھا وان الانساب کلھا تنقطع یوم القیامۃ غیر نسبی

فاطمہ میرا جزو بدن ہے جو چیز اوس کو ناخوش کرتی ہے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جس چیز سے اون کو انقباض و ملال ہو اوس سے مجھے بھی انقباض و رنج ہوتا ہے اور قیامت کے

اور مصر کے شیخ القراء شیخ محمد علی خلف حداد نے اپنے رسالہ خلاصة النصوص الجلیه
میں رسم خط مصحفِ عثمانی کے اتباع کو بلا واسطہ صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت کیا ہے اور فرمایا
ہے۔ اجمع المسلمون قاطبة على وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته
ثم قال: قال العلامة ابن عاشر ووجه وجوبه ما تقدم من اجماع الصحابة عليه
وهم زهاء اثني عشر الفا والاجماع حجة حسبما تقرر في اصول الفقه (نصوص جلیه ص ۲۵)

# ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ مصحفِ عثمانی کا رسم خط تو موجودہ مصاحف عربیہ میں بھی محفوظ نہیں
کیونکہ عہد عثمانی میں عام طور پر خط کوفی رائج تھا اسی خط میں مصاحف عثمانیہ کی کتابت ہوئی
یہ عربی خط جو آج کل نسخ کے نام سے رائج ہے کوفی رسم خط سے بہت متفاوت ہے تو
اس کا جواب ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ کہ کوفی خط اور خطِ نسخ یہ دونوں عربی
ہی خط ہیں دونوں میں رسم خط کا کوئی تفاوت نہیں ہاں کیفیات کے تفاوت کی بالکل ایسی مثال
ہے جیسے اردو خط میں ایک تو وہ خطوط ہیں جو عام طور پر خط و کتابت اور فارم میں مستعمل
ہیں ایک اسی اردو خط کو خوش خط لکھا جاتا ہے جس کو نستعلیق کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عام
خط و کتابت کے رسم خط اور نستعلیق کے رسم خط میں کوئی فرق نہیں بلکہ جو حروف نستعلیق میں غلط
سمجھا جاتا ہے وہ عام خط و کتابت میں بھی غلط قرار دیا جاتا ہے۔ البتہ حروف کی ہیئت و نشست
میں نستعلیق کا فرق ہے جس میں عام خط و کتابت میں بھی ہر شخص کی کتابت دوسرے سے ممتاز
نظر آتی ہے ہر شخص کا خط علیحدہ پہچانا جاتا ہے تو جس طرح زید کا خط عمر کے خط سے متفاوت
ہے مگر اس تفاوت سے رسم خط نہیں بدلتا یا عام خطوط نویسی اور نستعلیق کی کتابتیں متفاوت
ہیں مگر دونوں کا رسم خط واحد ہے اسی طرح کوفی خط اور نسخ دونوں کے تفاوت کو سمجھنا چاہیے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں کتابت قرآن کی تاریخ پر کلام کرتے
ہوئے اس کو واضح فرما دیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

قلت والذی کان یغلب علی زمان — میں کہتا ہوں کہ سلف کے زمانہ میں عام عادت

وسببی وصہری۔ (اخرجہ الحاکم و احمد فی المستدرک کذا فی الروح) ✦ ✦ ✦

سارے انساب منقطع ہوجائیں گے (یعنی نفسی نفسی کا وقت ہوگا کسی کو کسی کا نسبی تعلق کام نہ آئے گا) مگر میرا نسب اور میرا تعلق اور رشتہ دامادی اوس وقت بھی کام آئے گا اور نافع ہوگا۔

حضرت شریف سمہودیؒ حدیث مذکور کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اون کی جزو بدن ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جزو بدن، تو تمام بنی فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء بدن ہوگئے اور یہ ان کے لیے انتہائی درجہ کی شرافت وفضیلت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ سادات بنی فاطمہؓ کی فضیلت وشرافت محض دُنیوی اعتبار سے نہیں بلکہ اخروی منازل ومنافع کے اعتبار سے بھی اون کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے اور قیامت میں اون کے لیے اس نسب شریف کا نفع عظیم متوقع ہے۔

**ایک شبہ کا جواب** بعض روایاتِ حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قریش اور خصوصاً بنی ہاشم کو اور پھر اخص خصوص کے طور پر حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ (میں اللہ تعالیٰ سے) تمہیں نہیں بچا سکتا (کذا فی الکنز برمز خ فی تاریخہ وکر ص۱۳۹ ج۷) یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جو احادیث میں وارد ہیں، اون کا مطلب؂ یہ ہے کہ بغیر اذن الٰہی اور حکم خداوندی میں تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، جس میں اس کا انکار نہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے نسب کا اعزاز فرمائے اور اون کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خصوصی معاملہ فرمائے۔

نیز اس ارشاد کی غرض زیادہ تر یہ بھی ہے کہ قریش اور بنی ہاشم شرافت نسب پر مطمئن و بے فکر ہوکر بیٹھ نہ جائیں اور اعمال میں کوشش کرنا چھوڑ دیں۔

اس لیے حکیمانہ اصول پر اس قسم کے تنبیہات سے اون کو اس پر مستعد کردینا مقصود ہے کہ وہ دونوں فضیلتوں کے جامع بنیں۔ فضیلتِ نسب اور فضیلتِ تقویٰ۔ ورنہ آنحضرت

؂ اور زیادہ قریب یہ ہے کہ جو شخص میری اولاد میں سے ایمان نہ لائے میں اوس کی کوئی سفارش نہ کرسکوں گا ۱۲ منہ۔

السلف الکتابة الکوفية ثم هذبها علي بن مقلة الوزير وصار له في ذلك نهج واسلوب ثم قربها علي بن هلال البغدادي المعروف بابن البواب وسلك الناس وراءه وطريقته في ذلك واضحة جيداً۔ (فضائل القرآن ص ۱۵)

کوفی رسم خط میں لکھنے کی تھی پھر علی بن مقلہ نے اس کو کچھ خوبصورت بنایا اور اس میں ان کا ایک خاص طرز تحریر ہو گیا پھر علی ابن ہلال نے اس کو اور زیادہ پسند کر دیا اور عام لوگ اسی طرز پر چل پڑے اور ان کا یہ طرز واضح اور عمدہ ہے۔

(فضائل القرآن لابن کثیر ص ۱۵ طبع مصر)

اور علامہ احمد حسن زیات مصری نے اپنی کتاب تاریخ الادب العربی میں اقسام کتابت کی پوری تاریخ بیان کی ہے جس میں بتلایا ہے کہ دنیا میں خط و کتابت کی اصل فینیقی خط ہے جس سے سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں مختلف قسم کے خط نبطی اور عراق میں خط سریانی پیدا ہوئے اور یہی دونوں خط عربی خط کی اصل ہیں۔ خط نبطی سے شکل نسخی پیدا ہوئی اور خط سریانی سے شکل کوفی پیدا ہوئی جو اسلام سے پہلے خط حیری کے نام سے مشہور ہے۔ عرب شمال نے خطِ نسخی استعمال کیا کیوں کہ ان کی آمد و رفت شام میں زیادہ رہی اور عرب جنوب نے انبار سے خط کوفی اخذ کیا (تاریخ الادب العربی للزیات ص ۶۷)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خط کوفی اور نسخی دونوں عربی رسم خط ہی کی دو قسمیں ہیں جیسے اردو رسم خط میں نستعلیق اور شکستہ دو قسمیں معروف ہیں جس طرح نستعلیق کو بدل کر شکستہ یا شکستہ سے نستعلیق کر دینا عرف میں رسم خط بدلنا نہیں کہا جاتا اسی طرح خط کوفی کے بجائے نسخی یا نسخی کے بجائے کوفی کے استعمال کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ رسم خط کی تغیر نہیں بخلاف انگریزی، ہندی، گجراتی، تامل وغیرہ رسم خط کے کہ اس میں بدیہی طور پر رسم خط کی تغیر ہے جس میں حروف کی تقدیم تاخیر یا کمی بیشی وغیرہ بھی نہ ہو جب بھی حسب تحریر مذکور ممنوع و ناجائز ہے اور جبکہ ان میں حروف و کلمات میں بھی کچھ تصرف و تغیر ہو تو وہ کھلی ہوئی تحریف اور با جماع امت حرام ہے۔

اور جہاں تک تحقیق سے معلوم ہوا ان سب مجوزہ زبانوں میں بہت سے وہ حروف بالکل نہیں ہیں جو عربی زبان اور قرآن میں موجود ہیں مثلاً (ذ۔ ظ۔ ض) انگریزی، ہندی، تامل، گجراتی

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت نسب ہر گز نفع دنیا و دین سے خالی نہیں ہو سکتی (ذکرہ فی روح المعانی تحت قولہ تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ)

اسی مضمون کو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر اس طرح بیان فرمایا:۔

مابال رجال یقولون ان رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتنفع یوم القیامۃ بلی واللہ ان رحمی موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ۔ وانی ایھا الناس فرط لکم علی الحوض اخرجہ الامام احمد والحاکم فی صحیحہ والبیھقی عن ابی سعید واخرج البزار والطبرانی فی حدیث طویل (از رسالہ العلم الظاہر فی نفع النسب الطاہر للعلامۃ ابن عابدین الشامی ص۴)

اور ارشاد نبوی ہے جس کو دیلمی نے بروایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نقل کیا۔

| | |
|---|---|
| اوصیکم بعترتی خیرا وان موعدکم الحوض (از رسالہ مذکورہ) | میں تمہیں اپنی اولاد کے بارہ میں حُسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ وہ حوض پر مجھ سے ملیں گے۔ |

اور علامہ شامی کے رسالہ مذکورہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ طبرانی و دارقطنی و کتاب الفردوس حدیث ذیل مذکور ہے:۔

| | |
|---|---|
| اول من اشفع لہ یوم القیامۃ اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب ثم الانصار ثم من امن بی و اتبعنی من اھل الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع لہ اولا افضل۔ واخرج الامام احمد فی المناقب عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ | قیامت کے دن میں سب سے پہلے جن کی شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیت ہیں اور پھر جو ان کے قریب اور پھر جو ان کے قریب ہیں اس کے بعد انصار کی پھر ان لوگوں کی جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لائے اور میرے متبع ہوئے پھر باقی عرب کی، پھر اہل عجم کی اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے اور امام احمد نے مناقب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جماعت |

زبانوں میں ان حروف کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ کوئی صورت تجویز نہیں کی گئی بلکہ سب کو ایک ہی نقش سے ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان حروف کے فرق سے معانی بہت بدل جاتے ہیں اس لئے ان زبانوں میں قرآن مجید لکھنا کھلی ہوئی تحریف ہے۔

نیز انگریزی اور تامل زبانوں میں تو ایک دوسری تحریف بھی ہے کہ اس میں اعراب و حرکات کو بشکل حروف درمیان کلمات لکھا جاتا ہے جس میں حروف کی زیادتی قرآن میں ہوتی ہے جو قطعاً حرام ہے ھذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس تفصیل کے بعد اصل سوالات کے جوابات بترتیب نمبرات لکھے جاتے ہیں۔

(۱ و ۲) قرآن مجید اگر اس طرح طبع کیا جاوے کہ ایک صفحہ میں قرآن مجید کا متن عربی مگر رسم خط تامل میں لکھا جائے اور دوسرے صفحہ میں تامل زبان کا ترجمہ لکھا جاوے تو یہ باجماع امت حرام و ناجائز ہے اور تحریف قرآن کے حکم میں ہے بوجوہ ذیل۔

(الف) اس لئے کہ ایسا کرنا مصحف عثمانی کے رسم خط کی تغییر و تبدیل ہے جو باجماع حرام ہے جیسا کہ مفصل مع شواہد کے گذر چکا ہے۔

(ب) تامل زبان میں بہت سے ایسے حروف موجود نہیں جو قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں مثلاً (ذ ۔ ز ۔ ض ۔ ظ) ان سب حروف کو (جہاں تک احقر کو معلوم ہوا) تامل زبان میں ایک ہی نقش سے ادا کیا جاتا ہے حالانکہ ان حروف کے بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں اس لئے ایسا کرنا قرآن مجید کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔

(ج) اگر تامل رسم خط میں انگریزی کی طرح حرکات زیر و زبر کو بشکل حروف لکھا جاتا ہے تو یہ ایک دوسری تحریف قرآن ہے کہ حروف کی زیادتی قرآن کے ہر کلمہ میں کی جائے گی۔

(د) اس وجہ سے بھی اس طرح قرآن کی کتابت و اشاعت مکروہ و مذموم ہے کہ اس میں قرآن کو ترجمہ کا تابع بنا دیا گیا ہے جو قلب موضوع اور خلاف ادب ہے۔

(ھ) ایک وجہ اس طرز کے عدم جواز کی یہ بھی ہے کہ اس میں تشبہ ہے کفار عجم کے ساتھ جن کا یہ مخصوص رسم خط ہے۔

(و) ایک وجہ یہ بھی کراہت کی ہے کہ بائیں جانب سے شروع کرنا علاوہ تشبہ بالکفار

وسلم یا معشر بنی ھاشم والذی بعثنی بالحق نبیا لو اخذت بحلقۃ الجنۃ ما بدأت الا بکم (اسلام الظاہر فی نفع النسب الطاہر ص۴)

بنی ہاشم! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر میں دروازہ جنت کے حلقہ کو پکڑ لوں (یعنی جنت کا دروازہ میرے قبضہ میں ہو) تو سب سے پہلے تمہیں جنت میں داخل کروں۔

روایات حدیث فضائل و مناقب بنی ہاشم و بنی فاطمہ و تمام اہل بیت اطہار کے متعلق بے شمار ہیں۔ سب کے استیعاب کا نہ موقع ہے نہ ضرورت اور مقصود کے لیے اس قدر بھی کافی سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ اس مجموعہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ انساب کے اعتبار سے بھی تفاضل و تفاوت اقوام میں موجود ہے اور شریعت غرائے اس کا اعتبار کیا ہے۔ اس کے بعد پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل ملاحظہ ہو۔

**پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل و تفاوت**

احادیث نبویہ میں بہت سے پیشوں اور صنعتوں کی مذمت وارد ہوئی ہے، جن میں بعض کی مذمت تو اس وجہ سے ہے کہ وہ پیشے شرعاً ممنوع و ناجائز ہیں اور بعض ایسے پیشوں کی بھی برائی مذکور ہے جو شرعاً ناجائز نہیں بلکہ مباح ہیں۔ لیکن الفاظ حدیث کے تتبع اور ان کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پیشوں کی مذمت فی نفسہ منظور نہیں۔ ورنہ جو کام اپنی اصل ہی سے مذموم و قبیح ہو وہ شرعاً جائز ہی نہیں ہو سکتا تو ان پیشوں اور صنعتوں کے اصل جواز سے یہ تو ثابت ہوا کہ ان کی مذمت فی نفسہ مقصود نہیں، بلکہ ایک خاص سبب پر مبنی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جس طرح عالم کائنات کے تمام عرض و جوہر کے کچھ کچھ خواص ہیں جو مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر ہر اہل عقل اور صاحب نظر کے نزدیک مسلم ہیں۔

عناصر اربعہ۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا کے خصوصی آثار سے کون انسان غافل ہے پھر ان سے مرکب ہو کر پیدا ہونے والی غذاؤں اور دواؤں وغیرہ کی خاصیات و تاثیرات کہ بعض مفید ہیں، بعض مضر اور بعض ایک شخص کے لیے مفید اور دوسرے کے لیے مضر واقع

کے خود بھی خلاف سنت اور خلاف ادب ہے۔

اور اگر قرآن مجید کا صفحہ عربی رسم الخط ہی میں رہے اور اس کے مقابل صفحہ میں یا دوسرے کالم میں ترجمہ شامل لکھا جاوے تو اس میں اگرچہ تحریف نہیں مگر آخر الذکر تین وجہ عدم جواز کی اس صورت میں بھی موجود ہیں اس لئے یہ بھی ناجائز ہے۔

(۳) بالکل غلط ہے اوّل تو کسی مستند اور معتبر عالم نے ایسا کیا نہیں اور کہیں کیا گیا تو دوسرے علماء نے بھی اس پر فوراً نکیر کیا ہے۔ حضرت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ۱۳۳۲ھ میں اس پر ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے جو امداد الفتاویٰ کے حصہ حوادث الفتاویٰ حصہ دوم ص ۱۹۶ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ نیز حضرت ممدوح کا دوسرا فتویٰ ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوا جس میں قرآن مجید ایک کالم میں اور اس کا ترجمہ دوسرے کالم میں لکھنے کی ممانعت مذکور ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

## سوال

قرآن شریف جس کے ایک ہی صفحہ میں کلام پاک عربی تحریر میں ہو اور اس کے ترجمے انگریزی اردو یا صرف انگریزی ترجمہ اور انگریزی میں تفسیر ہو رکھنا اور پڑھنا اور چھاپنا درست ہے یا نہیں؟

## الجواب

اس طرز میں تشبہ ہے غیر اہل اسلام کے ساتھ کیونکہ یہ انھیں کا ایجاد اور انھیں میں شائع ہے اور اہل اسلام میں اس کا ایسا شیوع نہیں ہوا کہ غیر اہل اسلام کے ساتھ اس میں معنی اختصاص کے نہ رہے ہوں اس لئے منع کیا جاوے گا۔ دوسرے اس ہیئت میں صورت معارضہ و تقابل و موازنہ کی سی ہے، چنانچہ جن مضامین میں تقابل و توازن دکھلایا جاتا ہے وہ اسی ہیئت میں لکھے جاتے ہیں اور یہ امر مشاہد ہے اور معارضہ قرآن کا جیسا مذموم ہے اس کی صورت موہومہ بھی مذموم ہے باقی ان اجزاء یعنی ترجمہ و تفسیر کا جمع کرنا اس ہیئت میں بھی ہو سکتا ہے۔

(تقابل و توازن اگلے صفحہ میں دیا گیا ہے)

ہوئی ہیں، ناقابل انکار ہیں۔

اسی طرح اعمال انسانیہ کی بھی کچھ خاصیات و تاثیرات ہیں جو ارباب بصیرت و اہل تجربہ پر پوشیدہ نہیں، بعض اعمال کا لازمی اثر اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کا پیدا ہونا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف بعض اعمال کا اثر اخلاق سیئہ اور اعمال شر کا ظہور بھی پیہم تجربوں سے ثابت ہے۔ مثلاً جو شخص مردوں کو نہلانے اور دفن کرنے وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے، عموماً تجربہ سے ثابت ہے کہ اوس کا قلب سخت ہو جاتا ہے کسی کی موت سے اس پر آثار عبرت ظاہر نہیں ہوتے۔

اسی طرح جو شخص جانوروں کو ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرے، رفتہ رفتہ بوجہ عادت دل میں ایک قسم کی سختی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح ایسے پیشے جن میں نجاسات کا تلوث یا غلاظت و بدبو کی چیزوں کا زیادہ استعمال رہتا ہے وہ فرشتوں کے بُعد و تنفّر کا سبب بن کر بہت سے اخلاق حسنہ سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔

الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وارد ہے، منشا اس کا بھی وہی تقویٰ و طہارت کی کمی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اون پیشوں کو اختیار کرے لیکن تقویٰ و طہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو وہ اوس مذمت کا مورد نہیں ہو سکتا حضرات صحابہؓ نے تمام جائز پیشے اختیار فرمائے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں ہر پیشہ کے لوگوں میں بڑے بڑے علماء و صلحاء اور اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہے ہیں جس سے معلوم ہوا، کہ کوئی جائز پیشہ اپنی اصل سے مذموم نہیں، ہاں جن پیشوں میں نجاست یا بدبو کی چیزوں کا زیادہ کام پڑتا ہے یا وعدہ خلافی اور خیانت کا زیادہ خطرہ رہتا ہے اون میں زیادہ احتیاط لازم ہے کہ ذراسی بے احتیاطی اور بے پروائی سے آدمی برے اخلاق اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صاحب عین العلم جو اکابر اولیاء اللہ و علماء متقدمین میں سے ہیں اپنی کتاب میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

ويجتنب ما يضر الناس كالاحتكار ويلوث الباطن كالجزر فهو يقسي القلب والصباغة فهو يزين الدنيا۔ والظالم كالحجامة

| | |
|---|---|
| قرآن شریف | |
| ترجمہ | (منقول از نوادر النوادر ص ۳۲۷) |
| تفسیر | |

نیز ۱۳۵۹ھ میں جب جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ ناظر باغ کانپور سے قرآن مجید کو ہندی رسم خط میں شائع کرنے کی تجویز ہوئی تو علماء نے مخالفت کی۔ دار العلوم دیوبند میں بھی اس وقت استفتاء اس کے بارہ میں آیا۔ اس وقت احقر دار العلوم کی خدمت فتویٰ انجام دیتا تھا۔ اس سوال کی اہمیت کے خیال سے احقر نے اس کو دار العلوم کی مجلس علمی کے مشورہ میں رکھا مجلس علمی کے صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے اپنے قلم سے اس پر مضمون ذیل تحریر فرمایا:۔

"ہندی کا رسم الخط میں بہت سے وہ حروف نہیں ہیں جو کہ عربی زبان اور قرآن میں پائے جاتے ہیں اور اسی لئے ہندی میں ان کے لئے کوئی صورت تجویز نہیں کی گئی ہے مثلاً (ذ ز ظ ض) کو ایک ہی نقش سے ادا کیا جاتا ہے حالانکہ ان حروف کے فرق سے معانی بدل جاتے ہیں اس لئے قرآن مجید کو رسم الخط ہندی میں لکھنا تحریف ہوگا جو قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔
۱۴ ؍ شعبان ۱۳۵۹ھ"

یہ فتویٰ پوری مجلس علمی کے اتفاق سے لکھا گیا جس میں حضرات ذیل شریک تھے:۔
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دار العلوم
حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث والتفسیر صدر مہتمم دار العلوم
حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم
حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدرس دار العلوم
مذکورالصدر فتویٰ مسئلہ زیر بحث یعنی ٹامل زبان میں قرآن مجید لکھنے پر بھی حاوی ہے کما لا یخفیٰ۔

**تنبیہ**:۔ اب ٹامل زبان کے ترجمہ کی جائز صورت صرف وہی ہے جو عام تراجم

والمبالغۃ۔

ومایعسر فیہ رعایۃ الاحتیاط کالصرف والدلالۃ۔ ومایکرہ

فیہ عین العلم الباب سادس فی الکسب والورع۔

اور اسی مضمون کو احادیث ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ارشاد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے دیلمی نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:۔

اکذب الناس الصباغ (کنز العمال کتاب البیوع ص۲ ج ۲)    یعنی بعض بعض رنگ ریز بہت جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ روایت یا اسی قسم کی دوسری روایت کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ حدیث کی کتب معتبرہ مندرجہ ذیل میں موجود ہے۔ کنز العمال بروایت ابوسعید رضی اللہ عنہ ص۲۰۱ ج ۲، مقاصد حسنہ للعلامۃ السخاوی ص۳۰، ابن ماجہ ص۱۵۶، مسند احمد ص۳۲۴ ج ۲، جمع الفوائد ص۲۳۲، جامع صغیر للسیوطی ص۵۶ ج ۱، ان تمام ائمہ حدیث نے روایت مذکورہ کو اپنی کتب معتبر میں درج فرمایا ہے اور بعض حضرات نے اس میں بجائے الصّباغ کے الصناع بالنون روایت کیا ہے۔ اس صورت میں یہ حدیث ہر وعدہ خلافی کرنے والے دستکار کے لیے عام ہو جائے گی۔

ارشاد۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اذا کان یوم القیٰمۃ نادی مناد این خونۃ اللہ فی الارض فیؤتی بالنخاسین والصیارفۃ والحاکۃ (کنز ص۶۰ دیلمی عن ابن عمر ص۲ ج۲)۔ ھکذا فی الکنز ویستفاد من بعض الروایات ان اللفظ…

میں جب ہر قسم کے مجرم یکے بعد دیگرے پکارے جائیں گے تو ہر قسم کی خیانت کے مجرم میں اپنی سزا و جزا اور حساب یا تنبیہ کے لیے بلائے جائیں گے، ان میں وہ ٹھٹیرے (اور دوسری روایات کے مطابق) تاجر حیوانات اور صراف اور کپڑا بننے والے بھی جو خیانت اور دھوکہ فریب کرتے تھے، بلائے جائیں گے۔

ارشاد۔ محدث فرمائی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ شرار امتی الصائغون الصائغون کنز العمال ص۱۱ ج ۲۔ یہ روایت متن کنز العمال میں بالفاظ مذکورہ اور حاشیہ میں

کے لئے معروف اور رائج ہے کہ قرآن عربی میں عربی رسم خط سے لکھا جاوے اس کا ترجمہ شامل زبان کا ہر ہر سطر کے نیچے لکھا جاوے ۔ واللہ اعلم۔

دین دار متبع سنت مسلمان کے لئے یہ بیان کافی سے زائد ہے۔ حق تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع سلف صالحین کی توفیق اور ہمت عطا فرمائیں اور محدثات امور اور فتن سے محفوظ رکھیں آمین۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ الہادی للصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند

فی یوم الاثنین خامس شہر المحرم الحرام ۱۳۶۳ھ

بالفاظ الصائغون الصائغون. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور جامع صغیر میں یہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، جامع صغیر ص۳ ج ۱۰۱ اور ابن ماجہ ص۱۵۱ و مسند احمد ص۳۲۴ ج ۲، جمع الفوائد ص۲۴۲ ج ۱، میں بلفظ اکذب الناس الصباغون والصواغون، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، مطلب یہ ہے کہ میری امت کے بدترین لوگوں میں وہ بھی داخل ہیں جو جھوٹی باتیں گھڑنے والے، فریب دہی اور زبان درازی سے ملمع سازی کرنے والے ہیں، یا یہ کہ وہ کاریگر سنار جو آمیزش کرنے والے دھوکہ فریب دینے والے اور خلافِ شریعت معاملہ کرنے والے ہیں، بدترین لوگوں میں داخل ہیں ارشاد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھبت لخالتی فاختۃ بنت عمرو غلاما فامرتھا ان لا تجعلہ جازرًا ولا صائغًا ولا حجامًا (کنز ص۱۸۱ ج ۲) یہ حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت جابرؓ سے طبرانی کی معجم کبیر میں موجود ہے اور جامع صغیر میں اوس کو نقل کر کے اس پر حسن کی علامت لکھی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد باب الصائغ میں اور مسند احمد ص ج ۲ میں منقول ہے، ابوداؤد نے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے اور خود اون کی تصریح ہے کہ جس روایت پر وہ سکوت فرمائیں، وہ صالح یعنی حجت اور معمول و معتبر ہے۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی خالہ صاحبہ کو ایک مملوک لڑکا عطا فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ اس کو سنار اور قصاب کا اور پچھنے لگانے والے کا پیشہ نہ سکھلانا بلکہ کسی دینی کام میں مصروف کر دینا)

ارشاد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من کانت تجارتہ الطعام بات وفی صدرہ غل للمسلمین۔ رواہ ابو نعیم عن ابن عمرؓ (کنز العمال) یعنی جو شخص بہ نیتِ گرانی غلہ کو روک رکھے تو اس کے دل میں مسلمانوں کی بدخواہی بھری رہتی ہے۔ کیونکہ وہ آرزو رکھتا ہے کہ اور بھی گراں ہو اور بھی گراں ہو۔ اور یہ واقعی مخلوقِ خداوندی کی بدخواہی ہے۔ یہی معنے ہیں احتکار کے اور اسی کی ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہے اور بہت وعید

# تصدیقات علماء

## دارالعلوم دیوبند و مدرسہ باقیات صالحات ویلور و علمائے مدراس انباڑی وغیرہ

اصاب المجیب العلامہ لجاد فتش دتہ
مسعود احمد عفا اللہ عنہ
دیوبند

ھذا الجواب حق والحق بالاتباع حقیق
سید احمد علی سعید
نائب مفتی دارالعلوم
دیوبند

الجواب صواب
محمد ادریس الکاندھلوی
مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح
بشیر احمد غفر لہ
مدرس دارالعلوم دیوبند

# الجواب

قرآن شریف کی بابت چند امور کی رعایت نہایت ضروری ہے۔

(۱) خلاف تعظیم کلام اللہ کوئی کام نہ کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا منع ہے ویستحب تطییب المصحف وجعلہ علی کرسی ویحرم توسدہ لان فیہ اذلالا وامتھانا۔ اتقان ج ۲ ص ۱۷۲۔

(۲) رسم مصحف عثمانی کے خلاف تحریر نہ ہو۔ خلاف کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ قال اشھب سئل مالک ھل یکتب المصحف علی ما احدثہ الناس من الھجاء فقال لا الا علی الکتبۃ الاولی رواہ الدانی فی المقنع ثم قال۔ ولا مخالف لہ من علماء الامۃ وقال فی موضع آخر۔ سئل مالک عن الحروف فی القرآن مثل الواو والالف اتری ان یغیر من المصحف اذا وجد فیہ کذلک قال لا قال ابو عمرو یعنی الواو والالف المزیدتین فی الرسم المعدومتین فی اللفظ نحو اولوا وقال الامام احمد یحرم مخالفۃ خط مصحف عثمانی الخ وقال البیھقی فی شعب الایمان من یکتب مصحفا فینبغی ان یحافظ علی الھجاء الذی کتبوا بہ تلک المصاحف ولا یخالفھم فیہ ولا یغیر مما کتبوہ شیئا فانھم کانوا اکثر علما واصدق

فرمائی گئی ہے، کہیں ملعون اور کہیں خاطی فرمایا گیا ہے۔

الغرض باری سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے طبقات انسانی میں باوجود اتحاد جنس ونوع اور اتحاد صورت وشکل کے درجات تفاضل قائم فرمادیے ہیں جن کا تعلق کہیں انساب سے ہے کہیں پیشوں سے اور کہیں صنفی تغیرات سے۔ لیکن حدیث کے الفاظ اور اغراض ومقاصد پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ان تمام درجات کے تفاضل وتفاوت کا مدار اوسی ایک اصل پر ہے جس کو ابتداء رسالہ میں ذکر کیا گیا ہے یعنی تقوی اور اطاعت الٰہیہ۔

مرد کو اگر عورت پر اللہ کے نزدیک فضیلت ہے تو اسی بناء پر کہ بہت سے کار خیر اور احکام الٰہیہ ایسے ہیں کہ مرد ہی اون کو انجام دے سکتا ہے۔ عورتیں اون سے قاصر ہیں اسی قصور کی بناء پر اون کے درجہ کو کم رکھا گیا اور احادیث نبویؐ فذلک نقصان دینکن الحدیث۔ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح عرب کو عجم پر اور قریش کو غیر قریش پر، بنی ہاشم کو غیر بنی ہاشم پر اور بنی فاطمہ کو ان کے ماسوا پر جو فضیلت احادیث مذکورہ میں ثابت کی گئی ہے ان سب فضائل کا مرجع وہی تقویٰ اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے، کیونکہ انساب شریفہ اپنی طبیعت اور جبلت سے اخلاق حسنہ کے باعث بنتے ہیں اور اون پر اعمال صالحہ بطور ثمرات مرتب ہوتے ہیں اسی لیے اوس شریف النسب کو قابل مدح نہیں کہا جا سکتا جو اخلاق حسنہ کو تباہ کر کے اخلاق ردیہ کا گہوارہ بن گیا ہو۔

اسی طرح پیشوں میں باہمی تفاضل کا منشاء بھی یہی ہے جیسا کہ اوپر گذر گیا۔

خلاصہ یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک عزت وذلت اور فضیلت وعدم فضیلت کا مدار صرف تقویٰ ہے البتہ جو چیزیں عادی طور پر اسباب تقویٰ ہیں اون پر بھی فضائل مخصوصہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ بھی فی الجملہ فضیلت سے خالی نہیں جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہو چکا ہے اور علامہ شامی نے اپنے رسالہ العلم الظاہر میں اس کی تصریح کی ہے اس کی ٹھیک مثال ایسی ہے جیسے بعض دواعی گناہ اور اسباب معاصی اگرچہ خود یعنی بالذات و

قلباً ولساناً واعظم امانة منا فلاینبغی ان نظن بانفسنا استدراکاً علیھم .قلت وینحصر امر الرسم فی ستة قواعد الخ الاتقان ص ۱۶۷ ۔

(۳) بلا ضرورت۔ متخالت امر میں کسی قسم کا تغیر نہ کرنا چاہیئے البتہ بضرورت جواز ہے متقدمین سے قرآن شریف باریک قلم سے لکھنے کی ممانعت ثابت ہے مگر اس زمانہ میں بلا نکیر جائز ہے اسی طرح بعض صحابہ و تابعین سے قرآن شریف میں نقطے فواتح خواتم اعشار اسماء سور وغیرہ لکھنے کی کراہت و ممانعت ثابت ہے لیکن بوجہ ضرورت متاخرین کے نزدیک جائز ہے بلکہ بعض کے نزدیک مستحب کذا فی الاتقان۔ بچوں کی ضرورت کی وجہ سے پارۂ عم خلاف مصحف عثمانی بلا نکیر طبع ہو رہا ہے۔ مصحف عثمانی میں ابتدا سورۂ نہا سے ہے اور بچوں کے واسطے سورۂ الحمد و الناس سے ابتدا ہے لہٰذا بضرورت ترجمہ مع کلام اللہ کسی زبان میں طبع کرنا اور قرآن شریف کو رسم خط عربی میں لکھنا جائز ہے۔

(۴) جب کہ قرآن شریف کی رعایت رکھ کر ترجمہ بائیں جانب سے ہو سکتا ہے اور اوس کے صفحات سیدھے رکھے جا سکتے ہیں بلا ضرورت اس طریقہ سے لکھنا کہ صفحات بائیں جانب سے الٹے جائیں حوالجات بالا سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس طریقہ کو ترک کیا جائے۔

(۵) کتابیں و تفاسیر کا حکم تحریر قرآن شریف سے علیحدہ ہے اس پر اس کا قیاس کرنا جائز نہیں باوجود رعایت ہو سکنے مصحف عثمانی کے اس کا خلاف جن لوگوں نے کیا ہے اگر وہ بھی عالم تھے ان سے اجتہادی غلطی ہو گئی ہے جو شخص اس غلطی کا احساس کرتا ہے اور منع کرتا ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ عالم نہیں کھلی جہالت ہے۔ قرآن مجید کی وضع عثمانی یہی تھی جو کہا ہے قال فی الاتقان ص ۶۳ ج ۱ ۔ وقال ایضاً الذی نذھب الیہ ان جمیع القرآن الذی انزلہ اللہ وامر باثبات رسمہ ولم ینسخہ ولا رفع تلاوتہ بعد نزولہ ہو الذی بین الدفتین الذی حواہ مصحف عثمان ۔

البتہ مصحف عثمانی میں ابتدا میں اسماء سور۔ نقاط زیر و زبر پیش اور تینوں کے موجودہ طریق پر نشانات نہ تھے بضرورت بعد میں لکھے گئے اور بلا نکیر جائز سمجھے گئے۔

فی نفسہا معاصی نہیں، لیکن چونکہ وہ معاصی کے ذرائع ہیں اس لیے شریعت میں وہ بھی مکروہ اور برے سمجھے جاتے ہیں۔ چوری کی نیت سے کسی کے مکان پر چڑھ جانا اور پھر خالی واپس چلے جانا اگرچہ چوری کے جرم کا ارتکاب نہیں لیکن سیاستِ اسلامیہ اور تمام سیاسیات عالم میں اس کو جرم سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جانا اگرچہ بحقیقت نماز نہیں لیکن حدیث نبوی میں اس کو نماز ہی کہا گیا اور اس پر ثواب نماز کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مسئلہ زیر بحث بھی بالکل اسی کی نظیر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک کرامت واعزاز کا اصل مدار تقویٰ ودیانت اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے لیکن بعض اعمال واحوال ایسے ہیں جو طبعی اور عادی طور پر تقویٰ وطاعت کے اسباب وذرائع ہوتے ہیں اس لیے ان کو بھی فضیلت سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔

اس تقریر سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے جو آیۂ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اور کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا کے ظاہری تعارض سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح وہ روایاتِ حدیث جن میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہ آوے گا، اور وہ احادیث جن میں انساب مخصوصہ کے فضائل ودرجات، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض کے لیے مخصوص عنایت فرمانا مذکور ہے، ان دونوں قسم کی روایات میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، وہ بھی اس طرح رفع ہو گیا کہ اصل مدار تقویٰ پر ہے۔ اور یہ چیزیں بوجہ اسباب تقویٰ ہونے کے محمود ہیں، اور افضلیت رکھتی ہیں۔

لیکن یہ سب بحث عزتِ شرعی اور کرامت واعزاز عند اللہ کے متعلق ہے۔ دنیوی اور عرفی اعزاز میں قطع نظر تقویٰ سے بھی انساب اور پیشوں کا تفاضل معتبر کیا گیا ہے اور جن معاملات کا مدار عرف ورواج وباہمی معاشرت پر ہے۔ ان میں شریعتِ اسلامیہ نے بھی اس تفاضل وتفاوت کا اعتبار فرما کر اس پر احکام فقہیہ کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد رکھی ہے۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن۔

فاروق احمد مفتی دار العلوم
دیوبند
۲۷ ۴/۶۳ ھ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما شفاء العی السوال
دار الافتاء بالجامعۃ الاسلامیۃ ۱۳۴۸ھ
فی دیوبند الہند

## الجواب

حامداً للہ ومصلیاً ومسلماً علی رسولہ وآلہ وصحبہ۔ در صورت مسئولہ
مستفتی قرآن شریف میں مصحف عثمانیہ کے موافق جو ترتیب
ہے اسی ترتیب سے دہنی جانب سے لکھنا چاہئے اسی پر آج تک تعامل و اجماع امت ہے
اس کے برعکس یعنی بائیں جانب سے لکھنا ناجائز ہے لیکن اطفال کی تعلیم کے لئے صرف ایک جزء
اخیر سے جو پڑھایا جاتا ہے جائز ہے در ریاض القرار وغیرہ علامہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں لکھا
ہے وان ترتیبہ نظمہ ثابت علی ما نظمہ اللہ تعالیٰ ورتبہ علیہ رسولہ من آی السور لم یقدم من ذلک مؤخر ولا
المؤخر منہ مقدم انتہی ص ۸۰ جلدی مولانا العلامۃ والحبر الفہامۃ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے نثر المرجان فی
رسم نظم القرآن میں لکھا ہے لایجوز مخالفۃ المصاحف العثمانیۃ فی الکتابۃ۔ واللہ اعلم۔

مرقوم ۲۷ ماہ محرم ۱۳۶۳ھ
کتبہ
محمد حبیب اللہ کان اللہ لہ
(مرقاضی مدراس)

مدراس ۱۳۴۶ھ
محمد حبیب اللہ وحمہا قاضی اہل سنت
خادم شرع ابو المعتمد

اصاب من اجاب
خادم الطلبہ محمد قاسم عفا اللہ عنہ العاصم مدرس مدرسہ فیاض العلوم

الجیب مصیب
فان الکتابۃ بخلاف المصاحف العثمانیۃ
بدعۃ مذمومۃ وفعل شنیع باتفاق الائمۃ
محمد غنی عفا عنہ الغنی (مصدق)

اصاب فیما اجاب واللہ اعلم
حافظ محمد اسمٰعیل عفی عنہ

# معاملاتِ نکاح میں انساب اور پیشوں
## کے تفاوت کا اعتبار

نکاح کی غرض چونکہ امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی کو درست کرنا اور حُسنِ معاشرت کے ساتھ سکون و اطمینان سے وقت گذارنا ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ باہم طبائع میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اختلاف طبائع کی صورت میں کتنی ہی کوشش کی جائے، حُسنِ معاشرت کا قائم رہنا سخت مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ جس پر روزمرہ کے تجارب[عہ] شاہد ہیں۔

اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے بارہ میں زوجین کے اندر کفاءت کے اعتبار کو ایک حد تک ضروری قرار دیا ہے، جن جن احوال و احوال سے طبائع فریقین میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے اون سب میں یہ شرط لگی گئی ہے کہ زوجین میں مساوات ہو۔ اور چونکہ انساب اور پیشوں کے اختلاف سے طبائع میں اختلاف عظیم مشاہد و محسوس ہے۔ اس لیے ان دونوں چیزوں میں بھی کفاءت و مساوات کی رعایت کو ضروری قرار دیا ہے۔

**نسب میں کفاءت کا اعتبار**

اسی لیے حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ عرب میں غیر قریشی قریشی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اور عجم میں کوئی عجمی النسل عربی النسل عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

مثلاً سادات کرام اور شیوخ خواہ صدیقی فاروقی ہوں یا عثمانی و علوی، یا دوسرے

---

عہ بعض اوقات میاں بیوی دونوں نیک صالح ہوتے ہیں، لیکن توافق مزاج نہ ہونے سے ہمیشہ باہمی نفرت اور خانہ جنگی رہتی ہے۔ بقول حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم کہ دونوں کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے سوڈا اور ٹاٹری، کہ علیحدہ علیحدہ دونوں باوقار اور متین ہیں، لیکن جب دونوں ملتے ہیں جوش و خروش اور شور و شر شروع ہو جاتا ہے۔

الجواب صحیح — خادم العلماء محمد علی عفی
صح الجواب — عبدالعزیز شریف عفی عنہ
الجواب صحیح — عزیز الدین احمد عفی عنہ

المجیب مصیب — عبدالرزاق - باقوی
الجواب صحیح — محمد حسن عفا عنہ المحسن باقوی

# الجواب

ھوالمصوب چونکہ قرآن شریف اہل اسلام کے لئے خصوصًا اور ہر ذو عقل سلیم کے لئے عمومًا ہادی الی الطریق المستقیم ہونا مسلم و متیقن الامر ہونے کے باوجود اس کی زبان عربی ہونے سے عجمی مسلمانان اس کے مطالب و احکام کے سمجھنے میں قاصر رہے اس لئے اردو فارسی زبانوں میں جن کی تحریر و کتابت مثل عربی کے سیدھے جانب سے ہی ہوتی ہے قرآن شریف کے ترجمہ کو علماء کرام جائز بلکہ مستحسن سمجھ کر ترجمے کئے۔ اسی عذر سے بجز ٹامل کے اردو فارسی نہیں جاننے والے مسلمانوں کی تفہیم کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ ٹامل زبان میں گو اس کی کتابت بیلاسے ہوتی ہے جائز ہوگا لاکن جب اصل اور مقصود بالذات فہم کلام الٰہی ہی ہے اور ترجمہ مقصود بالغیر اور تابع ہے اس لئے ترجمہ حائل متن رہے اور ترتیب آیات و اجزاء و سورتیں اور کتابت کے رسم الخط میں مصحف امام و مولف و جامع القرآن حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مو خلاف نہ رہے بدستور ترجمہ کی طباعت بلحاظ متبوع یمین سے ہی شروع کر کر بیلا میں ختم کرنا چاہیئے تا مراتب اصل و فرع و متبوع و تابع بحال رہے اور اہمیت و عظمت شان قرآن مجید میں کمی کا وہم و گمان تک نہ پیدا ہوا۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ

شیخ آدم عفا عنہ
مدرس۔ مدرسہ باقیات صالحات ویلور

الجواب صحیح
عبدالرحیم کان اللہ تعالیٰ لہ مدرس المدرسۃ

الجواب صواب
محمد عبدالصمد علی عفی عنہ

الجواب صحیح والمجیب نجیح وللہ درہ
محمد ابراہیم عفا اللہ عنہ
مدرسہ معدن العلوم وانمباڑی

اصاب من اجاب
محمد اسماعیل الباقوی

قبائل میں سے اون کا کفو وہ شخص نہیں ہو سکتا جو ان تمام انساب میں سے نہ ہو بلکہ عجمی النسل ہو، خواہ کوئی پیشہ رکھتا ہو اور عجمیوں کے کسی خاندان کا ہو۔

ہاں یہ سب قبائل سادات وشیوخ باہم ایک دوسرے کے اکفاء ہیں، کیونکہ یہ سب قریشی ہیں۔ ان میں باہمی ازدواج ومناکحت بلا شرط جائز وصحیح ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| والکفاءۃ نسبا فقریش بعضھم اکفاء بعض وبقیۃ العرب بعضھم اکفاء بعض۔ | اور کفاءت نسب میں معتبر ہے پس قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں اور بقیہ عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ |

یہ حکم تو قبائل عرب کے باہمی تعلقات نکاح کے بارہ میں تھا اس کے بعد عجم یعنی ماسوائے عرب دوسرے لوگوں کا حکم یہ ہے

| | |
|---|---|
| والعجمی لایکون کفوا للعربیۃ ولوکان العجمی عالما اوسلطانا ھو الاصح (درمختار ص۳۳۳ ج۱) | اور عجمی آدمی عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ عجمی شخص عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح ہے۔ |

**پیشہ میں کفاءت کا اعتبار** عرب میں پیشوں کی کفاءت کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ عرب میں عرفی عزت کا مدار بھی پیشوں پر نہیں بلکہ پیشے سب تقریباً مساوی سمجھے جاتے ہیں، کوئی پیشہ والا دوسرے پیشہ والے کو عرفاً بھی ادنیٰ نہیں سمجھتا، بخلاف عجم کے کہ وہاں کا عرف پیشوں کے اعتبار سے بہت زیادہ تفاوت وتفاضل رکھتا ہے اور باہم ادنیٰ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں اور اسی بناء پر اعلیٰ پیشہ والے کی معاشرت ادنیٰ پیشہ والے کے ساتھ دشوار اور نہایت مشکل سمجھی جاتی ہے اس لیے شرع شریف نے جذبات کی رعایت فرما کر معاملات دنیویہ میں اس کا اعتبار کیا (اگرچہ عند اللہ محض ان چیزوں سے نہ کوئی اعلیٰ ہوتا ہے نہ ادنیٰ)

چنانچہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کپڑا بننے والا، درزی کا کفو نہیں ہو سکتا بلکہ اوس

---

عہ اور جو قبائل عرب قریش نہیں وہ قریش کے برابر نہیں ۱۲

صیانۃ القرآن
عن
تغییر الرّسم واللّسان

# کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ

## شائع کیا جا سکتا ہے؟

سے ادنیٰ ہے اور روزی بزاز کا کفو نہیں اور بزاز و تاجر، عالم و قاضی کے کفو نہیں (مصرح بہ فی الدرالمختار ص۲۴۴ ج۱)

**کفاءت کے معتبر اور ضروری ہونے کا حکم** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الا لا تزوج النساء الا الاولیاءُ ولا یزوجن الا من الاکفاء (دارقطنی، بیہقی) یعنی مناسب یہ ہے کہ عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں (تاکہ ناتجربہ کاری اور ناواقفیت سے دھوکہ فریب نہ کھائیں اور تباہ و برباد کرنے والی آزادی سے محفوظ رہیں) اور ان کا نکاح جہاں تک ممکن ہو کفو میں کیا جائے (تاکہ غیر کفو میں وحشت اور عدم موانست نہ ہو)۔

ارشاد۔ یا علیُّ ثلاثٌ لا تؤخرھا الصلٰوۃ اذا اٰنت والجنازۃ اذا حضرت والایّمُ اذا وجدت لھا کفوًا (ترمذی شریف باب تعجیل الجنازۃ) یعنی تین چیزوں میں بلا ضرورتِ شرعیہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے، ایکؔ جب نماز کا وقت مستحب آجائے۔ دوسرےؔ جب جنازہ تیار ہو کر آجائے، تیسرےؔ جب کہ بے شوہر والی عورت کے لیے کفو مل جائے۔

ارشاد۔ تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم یعنی اپنے نکاح کے لیے مناسب عورتیں تلاش کیا کرو، کفو میں نکاح کیا کرو اور کفو میں اپنی لڑکیوں کو دیا کرو۔ (رھک عن عائشۃؓ)

**کیا غیر کفو میں مطلقاً نکاح نہیں ہوتا** اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے اولیاء کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ لڑکی کی خیر خواہی ہر قسم سے ملحوظ رکھیں، کفاءت کا اعتبار بھی اسی خیر خواہی کا ایک جزو اور لڑکی کا حق ہے۔ مگر اس میں اولیاء کا حق بھی شامل ہے، کیونکہ غیر کفو میں نکاح ہونے سے جیسے لڑکی کو عار ہوتا ہے اور نفس واتحاد دشوار ہوتا ہے، ایسے ہی لڑکی کے اولیاء کو بھی عار لگتا ہے اور پھر عدم موافقت کی صورت میں تکلیف و رنج میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، اسی لیے اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں بغیر اجازت ولی کرے تو یہ نکاح قول مفتی بہ کے

مقامِ تالیف ——— دیوبند
تاریخ تالیف ——— محرم ۱۳۶۳ھ
اشاعتِ اوّل ——— حافظ حسن الدین لال دین
خزانہ گیٹ۔ امرتسر

"کچھ لوگوں نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ بغیر متن کے چھاپنا چاہا تھا اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہ مقالہ تحریر کیا گیا جس میں مسئلہ کی حقیقت ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق بیان کی گئی ہے۔"

مطابق باطل اور بالکل ناقابل اعتبار ہے (کذا فی الدر المختار والشامی)۔
اسی طرح اگر کوئی ولی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کردے تو وہ بھی شرعاً باطل و ناقابل اعتبار ہے۔
البتہ اگر ولی باپ یا دادا ہو تو اگر غیر کفو میں اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کردیں تو وہ جائز وصحیح اور لازم ہوجائے گا۔ کیونکہ باپ دادا کی شفقت وعنایت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ انہوں نے اگر کفارت کی رعایت نہیں کی تو کسی اہم فائدہ کی غرض سے نہیں کی ہوگی۔ بے پروائی یا لڑکی کی بدخواہی اس کا سبب نہ ہوگا۔ بخلاف دوسرے اولیاء کے کہ وہاں بے پروائی و بدخواہی کا بھی احتمال ہے۔
اور اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہے اور وہ غیر کفو میں نکاح کرنے پر خود بھی راضی ہو اور اوس کا ولی بھی راضی ہوجائے تو یہ نکاح صحیح اور جائز ہے۔ گو آئندہ مصالح کے اعتبار سے نامناسب ہے (کذا فی الہدایہ وعامۃ کتب المذہب)

**ایک شبہ کا جواب**

اس سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ عجم کی کفارت کے باب میں فقہاء نے قدیم الاسلام اور نومسلم کو بھی باہمی غیر کفو قرار دیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ نومسلم لوگوں کا کہیں نکاح نہ ہوسکے کیونکہ وہ قدیم الاسلام مسلمانوں کے کفو نہیں۔
جواب ظاہر ہے کہ غیر کفو میں مطلقاً نکاح کی ممانعت نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ لڑکی اور اوس کا ولی دونوں راضی ہوں اور اجازت دیدیں تو نومسلموں کے نکاح میں مسلمانوں کو ضرور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اون سے عار نہ کریں اور بخوشی ورضا اون سے نکاح کردیں۔

## تنبیہ

لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نومسلموں کے بارہ میں معاملہ نکاح میں پوری احتیاط برتنی چاہیے۔ جب تک اوس کا حسنِ اسلام ظاہر نہ ہوجائے اور معاملات سے یہ بات روشن نہ ہوجائے کہ یہ اپنے اسلام میں مخلص اور راسخ ہے اوس وقت نکاح میں اقدام کرنا مناسب نہیں ورنہ دشواریاں پیش آتی ہیں۔

## فائدہ

فضائل وکمالات خواہ دینی ہوں یا دنیوی، دو قسم پر ہیں ایک اختیاری ہے جو انسان اپنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

# الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کا فقط ترجمہ بغیر عربی الفاظ کے شائع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا صرف ترجمہ چھاپنے والا ہی مجرم ہے یا دوسرے خرید و فروخت کرنے والے بھی، حال میں پنجاب میں ایک ترجمہ ایسا چھپا ہے جیسے انجیل وغیرہ کا صرف ترجمہ چھپا ہوا ہے۔

# الجواب

قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر عربی الفاظ کے لکھنا اور لکھوانا اور شائع کرنا باجماع امت حرام اور باتفاق ائمہ اربعہ ممنوع ہے جیسا کہ روایات ذیل میں اس کا ناجائز و حرام ہونا مذاہب اربعہ سے ثابت ہے اور جب کہ اس کا لکھنا اور شائع کرنا ناجائز ہوا تو اس کی خرید و فروخت بھی بوجہ اعانت معصیت کے ناجائز ہوگی۔ اس لئے اس کا فروخت کرنیوالا اور خریدنے والا بھی گناہ گار ہوگا۔ اور چھاپنے اور شائع کرنے والے کو بھی اپنے عمل کا گناہ ہوگا۔ اور جتنے مسلمان اس کی خرید و فروخت کی وجہ سے گناہگار ہوں گے وہ اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاوے گا۔ لقولہ تعالیٰ:

ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا

روایات جن سے حکم مذکور ثابت ہے حسب ذیل ہیں۔

علامہ حسن شرنبلالی صاحب نور الایضاح جو دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور مفتی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر جس کا نام النفحۃ القدسیہ فی احکام قراءۃ القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ ہے اس

کسب اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور دوسرے غیر اختیاری جن کا حصول کسی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا، اور نہ کوئی اپنے اختیار سے اون کو حاصل کر سکتا ہے، عقلمند انسان کا کام ہے کہ قسم اول کے کمالات یعنی اختیاری کے حاصل کرنے میں کوشش جاری رکھے کبھی ہمت نہ ہارے لیکن قسم دوم کے فضائل یعنی غیر اختیاریہ کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑنا سراسر عقل کے خلاف اور اضاعتِ وقت ہے۔

جس طرح اختیاری فضائل کی تحصیل میں کوشش نہ کرنا کم ہمتی اور کم حوصلگی ہے، اسی طرح غیر اختیاری کی تحصیل کے پیچھے پڑنا حماقت و بے وقوفی ہے۔

اسی لیے شریعتِ غرا نے مسلمان کو اختیاری فضائل میں اس کی تلقین کی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے بڑھنے کی فکر کرے اور صحابہ کرام کے حالات اور اون سوالات میں جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہیں، دیکھنے والوں کے لیے مسابقت فی الخیرات کی بہت سی نظائر ملیں گی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن عزیز کا یہ ارشاد بھی ہے لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اس کی تطبیق و توجیہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس آیت میں فضیلت سے غیر اختیاری فضیلت مراد لی جائے۔

ہمارا مقصود بالذکر شرافت نسب بھی انھیں فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے اس میں بھی یہی قانون معمول بہ ہونا چاہیے کہ جس کو حاصل ہو وہ نعمت سمجھے، خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جس کو حاصل نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے۔ اور یہ خیال کرے کہ میرے لیے یہی صورت بہتر تھی، کیا خبر ہے کہ اگر شرافتِ نسب حاصل ہوتی تو میں اس کے حقوق ادا کر سکتا یا نہیں اختیاری فضائل کی تحصیل میں جد و جہد کرے جو حقیقی فضائل اور لازوال دولت ہے، اور اس کے ذریعہ سے وہ عند اللہ نسبی شرفاء سے بہت زیادہ عزیز و شریف ہو سکتا ہے۔

میں مذاہب اربعہ سے اس کی حرمت اور سخت ممانعت ثابت کی ہے کہ قرآن مجید کو کسی عجمی زبان میں محض ترجمہ بلا نظم قرآنی عربی کے لکھا جاوے جس کی عبارت یہ ہے۔

واما كتابة القرآن بالفارسية فقد نص عليها في غير ما كتاب من كتب أئمتنا الحنفية المعتمدة منها ما قاله مولف الهداية الإمام الأجل شيخ مشائخ الإسلام حجة الله تعالى على الأنام برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني الكبير رحمه الله تعالى في كتابه التجنيس والمزيد ما نصه ويمنع من كتابة القرآن بالفارسية بالإجماع لأنه يؤدي للإخلال بحفظ القرآن لأنا أمرنا بحفظ النظم والمعنى فإنه دلالة على النبوة ولأنه ربما يؤدي إلى التهاون بأمر القرآن - انتهى.

اور رہا قرآن شریف کو فارسی میں لکھنا ہمارے حنفی اماموں کی بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے متعلق تصریح ہے۔

(۱) ہدایہ کے مصنف امام اجل اسلام کے شیخ المشائخ حجۃ اللہ علی الخلق برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب التجنیس والمزید میں یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو فارسی میں لکھنا بالاجماع ممنوع ہے کیونکہ یہ قرآن شریف کے حفظ کرنے میں خلل انداز ہے اور ہم لوگ قرآن شریف کے الفاظ و معنی دونوں کی حفاظت کے مامور ہیں کیونکہ یہ نبوت کا معجزہ ہے۔ دوسرے یہ بات تلاوت کے باب میں لوگوں کو سست کرتی ہے۔

ومنها ما في معراج الدراية أنه يمنع من كتابة المصحف بالفارسية أشد المنع وانه يكون متعمدا زنديقا وسنذكره تمامه.

(۲) معراج الدرایہ میں ہے کہ فارسی میں قرآن شریف لکھنا سخت ترین ممنوع ہے اور قصداً ایسا کرنے والا زندیق ہے اور باقی مضمون ہم آگے لکھیں گے۔

ومنها ما في الكافي أنه لو أراد أن يكتب مصحفا بالفارسية يمنع

(۳) کافی میں ہے کہ اگر کوئی فارسی میں قرآن شریف لکھنے کا ارادہ کرے تو روک دیا جائے گا۔

# التفاخر بالانساب

زخاک آفریدت خداوند پاک • تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا عرب جاہلیت میں رہا جس کو اسلام نے آکر مٹایا۔ پھر قرونِ مابعد میں مسلمانوں میں دوبارہ یہ بلا پیدا ہوگئی، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو اعتقاداً سب ہی برا جانتے ہیں، خواہ غفلت کی وجہ سے مبتلا ہو جائیں اس لیے اس بحث میں زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، چند احادیث اور اقوال سلف کو بطور تذکیر و نصیحت ذکر کر دینا کافی ہے۔

ارشادِ نبوی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا۔ محمد اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تم سے عیوب جاہلیت اور غرور و تکبر کو دور فرمایا۔ (اب) انسان کی (صرف) دو قسمیں ہیں، ایک نیک متقی اور وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے اور دوسرا فاسق و فاجر، اور وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔ (الغرض مدار عزت و ذلت اللہ کے نزدیک تقویٰ و عمل صالح ہے، انساب و قبائل نہیں) سب آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یہ حدیث ترمذی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے (از تفسیر روح المعانی ص۱۴۱ ج ۲۶)

ارشاد۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے درمیان ایک خطبہ دیا جس کے بعض کلمات یہ تھے۔

ومنها ما قال في شرح الهداية فتح القدير للمحقق الكمال ابن همام رحمه الله وفي الكافي ان اعتاد القراءة بالفارسية اواراد ان يكتب مصحفا بها يمنع فان فعل اية او ايتين لا فان كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته جاز۔ اھ

(۴) ہدایہ کی شرح کمال بن ہمام کی تصنیف فتح القدیر اور کافی میں ہے کہ اگر کوئی فارسی میں تلاوت کی عادت کرے یا فارسی میں لکھنے کا قصد کرے تو اس کو روک دیا جائے، ہاں اگر ایک دو آیت کرے تو نہ روکا جائے۔ لیکن اگر الفاظ قرآن شریف بھی لکھے اور ہر ہر حرف کا ترجمہ و تفسیر لکھے تو جائز ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

علامہ محقق ابن ہمام کی عبارت سے اس تفصیل کی بھی تصریح ہو گئی کہ فارسی (یا کسی اور عجمی) زبان میں قرآن کا محض ترجمہ لکھنا جو ممنوع ہے ایک دو آیت کا ترجمہ لکھنا اس میں داخل نہیں بلکہ پورا قرآن یا اس کا کوئی معتد بہ حصہ اس طرح لکھنا حرام ہے، نیز یہ کہ اگر اصل عبارت عربی کے نیچے یا حاشیہ وغیرہ پر ترجمہ اور تفسیر لکھی جاوے تو وہ بھی ممنوع نہیں۔

پھر عبارات مذکورہ میں چونکہ بطور مثال فارسی زبان کا ذکر تھا جس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ ممانعت ممکن ہے کہ کسی وجہ سے فارسی زبان کے ساتھ مخصوص ہو اس لئے علامہ شرنبلالی نے روایات مذکورہ بالا نقل کرنے کے بعد فرمایا:۔

قد منا حكاية الاجماع على منع كتابة القرآن العظيم بالفارسية و انه انما نص على الفارسية لافادة المنع بغيرها بالطريق الاولى لان غيرها ليس مثلها في الفصاحة و لذا كانت في الجنة مما يتكلم به كالعربية كما تقدم (النفحة القدسية)

قرآن شریف کو فارسی میں لکھنے کی ممانعت پر اجماع کو تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں، اب یہ ہے کہ فارسی کی تصریح اس لئے کی گئی ہے تاکہ دوسری زبانوں میں ممنوع ہونا بدرجہ اولی ثابت ہو جائے کیونکہ کوئی اور زبان فارسی سے فصیح نہیں ہے یعنی عربی کی طرح جنت میں فارسی بھی بولا کریں گے جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے۔

اے لوگو! تمہارا مالک پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر، مگر تقویٰ کے ساتھ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچا دیا یا نہیں؟
لوگوں نے عرض کیا بیشک، آپ نے فرمایا کہ تو حاضرین یہ نصائح غائبین تک پہنچا دیں
(بیہقی، ابن مردویہ از روح ص۱۳۸ ج ۹)

ارشاد: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے، ہر قوم کو چاہیے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آ جائے ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔ (رواہ البزار فی مسندہ روح ص۱۴۹)

**فخر بالانساب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ اور ابوذر غفاری کا قابل تقلید عمل**

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں گفتگو تیز ہو گئی اور ان کی زبان سے نکل گیا یا ابن السوداءؔ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا:-

| | |
|---|---|
| یا ابا ذر طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل۔ | اے ابوذر تم سب ایک ہی پیمانہ کے ناپے ہوئے (برابر سرابر) ہو یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہو کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ |

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کی کہاں تاب لا سکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبان مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے اور اس شخص سے جس کے متعلق ناسزا الفاظ نکل گئے تھے، عرض کیا کہ کھڑے ہو کر میرے چہرہ پر پیر رکھو۔ یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی۔ (احیاء العلوم ص۳۴۳ ج ۳)

---

عہ کالی عورت کے بیٹے ۱۲ منہ۔

اور در مختار میں ہے:۔

و تجوز کتابة آیة او آیتین بالفارسیة لا اکثر (قال الشامی) والظاهر ان الفارسیة غیر قید۔

(شامی ص ۳۵۲ ج ۱)

قرآن مجید کی ایک دو آیت کی کتابت تو فارسی زبان میں جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں علامہ شامی اس پر لکھتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس میں فارسی زبان کی کوئی قید نہیں (بلکہ مطلق عجمی زبان مراد ہے فارسی ہو ہندی، اردو وغیرہ)

اور کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

قال الامام المحبوبی اما لو اعتاد قراءة القرآن او کتابة المصحف بالفارسیة یمنع منه اشد المنع حتی ان واحداً من اهل الاهواء فی زمان الشیخ الامام الجلیل ابی بکر محمد بن الفضل کتب فتوی و بعث الیه ان الصبیان فی زماننا یشق علیهم التعلم باللغة العربیة هل یجوز لنا ان نعلمهم بالفارسیة فقال للمستفتی ارجع حتی نتامل ثم استحب ع عن حاله فاذا هو کان معروفا بفساد مذهبه فاعطی لواحد من خدامه سکینا وقال اقتله بهذا ومن اخذک به فقل ان فلانا امرنی به ففعل فجاء الشرطی الیه وقال

امام محبوبی نے بیان کیا ہے کہ اگر فارسی میں قرآن شریف کی تلاوت یا کتابت کی عادت کرلیں تو اس کو شدت سے منع کیا جائے گا یہاں تک کہ اہل بدعت میں سے ایک شخص نے شیخ امام محمد بن فضل رح کے زمانہ میں ایک فتویٰ لکھا اور اس کو شیخ کے پاس بھیجا کہ ہمارے زمانہ میں بچوں کو عربی میں قرآن پڑھنا شاق ہے تو کیا ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان کو فارسی میں پڑھا دیا کریں۔ آپ نے سائل کو فرمایا پھر آنا ذرا غور کرلیں، اور اس شخص کے حال کی تحقیق فرمائی تو وہ فساد مذہب میں مشہور تھا۔ آپ نے اپنے ایک خادم کو چھرا دیا اور فرمایا کہ اس شخص کو اس سے قتل کردو اور اگر تجھ کو کوئی پکڑے تو کہہ دینا کہ فلاں شخص نے مجھے اس کا حکم کیا تھا اس نے ایسا کرلیا تو سپاہی اس کے

ع هكذا فی الاصل ولعل الصواب ثم استخبر۔ محمد شفیع

حسب و نسب پر فخر و غرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث و تفسیر اور اخلاق و سیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائل کا مفصل تذکرہ کیا گیا اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے اوس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مُردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لیے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ بیجان میں خمیرہ مروارید اور عقد جواہرات کے بیسود اور بیکار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں۔
اسی طرح اس جگہ بد اعمالی و بد اخلاقی کے ساتھ شرافت نسب کے بیکار و بے فائدہ ہونے سے بھی شرافت نسب کا مطلقاً غیر مفید و بیکار ہونا لازم نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافت نسب ایک نعمت الٰہیہ ہے مگر اوس کے مفید ہونے کے لیے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا فی الجملہ درست ہونا شرط ہے (اور اوس کی پوری تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ رسالہ ہٰذا کے جزو سوم میں آئے گی)

اس لیے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے اوس کو تو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاح اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضاء اور شکر یہی ہے، دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اوس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں کہ کم از کم اس نسبت کی لاج رکھنے کے لیے بدنامی کے مواقع سے بچیں و للہ الامر وبیدہ ازمۃ التوفیق۔

ان الامیر یدعوک فذھب الشیخ الیہ فقص القصۃ وقال ان ھذا کان یرید ان یبطل کتاب اللّٰہ فخلع لہ الامیر وجازاہ بالخیر (ثم قال) وکان الشیخ ابوبکر محمد ابن الفضل یقول امامن تعمد ذلک یکون زندیقا او مجنونا فالمجنون یداوی والزندیق یقتل۔

پاس آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے بلایا ہے شیخ گئے اور سارا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ شخص اللہ کی کتاب کو گم کردینا چاہتا تھا۔ امیر نے آپ کو خلعت ادا کیا اور نیک صلہ دیا۔ شیخ محمد بن فضل فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص عمداً ایسا کرتا ہے وہ زندیق ہے یا مجنون۔ اگر مجنون ہے تو اس کا علاج کیا جائے اور زندیق ہے تو قتل کر دیا جائے۔

(حاشیہ فتح القدیر ص ۲۴۹ ج ۱)

یہاں تک یہ سب روایات ائمہ حنفیہ اور معتبر کتب حنفیہ کی تھیں اس کے بعد امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے مذاہب کی روایات حسب ذیل ہیں۔

اما عند الائمۃ الشافعیۃ فقد قدمنا عن الامام الزرکشی رحمہ اللّٰہ احتمال الجواز وان الاقرب المنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ کما تحرم قراءتہ بغیر لسان العرب اھ

اور ائمہ شافعیہ کے نزدیک کیا حکم ہے ترجمہ نے پہلے امام زرکشی سے جواز کا احتمال اور یہ نقل کر ہی دیا ہے کہ حق کے قریب یہی ہے کہ فارسی میں قرآن شریف لکھنے کی ایسی ممانعت ہے جیسے کہ غیر عربی زبان میں تلاوت حرام ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

وقد افاد شیخ الاسلام العلامۃ ابن حجر العسقلانی الشافعی فی فتاواہ تحریم الکتابۃ وقد سئل ھل تحرم کتابۃ القرآن الکریم بالعجمیۃ کقراءتہ فاجاب بقولہ قضیۃ ما فی المجموع الاجماع علی

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رح نے اپنے فتویٰ میں ایسے لکھنے کے حرام ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا تلاوت کی طرح غیر عربی زبان میں قرآن شریف کا لکھنا بھی حرام ہے تو جواب دیا کہ اس کل کا فیصلہ یہ ہے کہ حرام ہونے پر اجماع ہے

# الانتساب الیٰ غیر الانساب!

معاملۂ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے اور اپنا نسب انصار سے جا ملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہو جائے کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔

اور منشاء اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہٖ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کے ترجمے ذیل میں درج ہیں۔

ارشاد نبویؐ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابو بکرۃ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام (رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ ترغیب وترہیب ص۳۰۳ ج۳)

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ ہے جس میں چند احکام مذکور ہیں، جس کو کھول کر سنایا اور اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا۔

من ادعی الی غیر ابیہ او انتمی الی غیر

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی

التحریم وذکر التوجیه له وقال
فی محل اٰخر قبل هذا ما نصه قال
الزرکشی و یسن تطییبه وجعله
علی کرسی و تقبیله و یحرم مدُّ
الرجل الی شیٔ من القرآن او کتب
العلم ویحرم ایضا کتابته بقلم
غیر العربی انتہی و فیه کلام بیّنته
فی شرح العباب وقال من جملة
جوابه الاول ما نصه و فی کتابة
القرآن العظیم بالعجمی تصرف
فی اللفظ المعجز الذی حصل التحدی
به بما لم یرد بل ربما یوهم عدم
الاعجاز بل الرکاکة لان الالفاظ
العجمیة فیها تقدیم المضاف الیه
علی المضاف ونحو ذلک مما یخل
بالنظم و یشوش الفہم وقد
صرحوا بان الترتیب من مناط الاعجاز
وهو ظاهر فی حرمة تقدیم ایة
علی ایة یعنی او کلمة علی کلمة
کتقدیم المضاف الیه علی المضاف
ونحوه مما یحرم ذالک
قراءة فقد صرحوا بان الکتابة
بعکس السور مکروهة وبعکس الاٰیات

اور پھر اس کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور اس
سے پہلے ایک مقام پر لکھا ہے کہ زرکشی رح
نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف کو خوشبو لگانا،
اور رحل وغیرہ پر رکھنا اور بوسہ دینا تو سنت
ہے اور قرآن شریف کے کسی جزو اور علم دین
کی کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانا حرام ہے
نیز غیر عربی قلم میں لکھنا بھی حرام ہے مگر اس
میں کچھ کلام ہے جس کو میں نے شرح عباب میں
بیان کیا ہے۔ اور جواب میں یہ بھی کہا ہے کہ
قرآن شریف کو عجمی زبان میں لکھنا ان الفاظ
کو جو خود معجزہ ہیں اور اُن سے مقابلہ کا چیلنج
ہے ایسے لفظوں سے متغیر کرنا ہے جو وارد
نہیں ہوئے بلکہ بسا اوقات اُن سے معجزہ نہ
ہونے کا وہم ہونے لگتا ہے کیونکہ غیر عربی الفاظ
میں مضاف الیہ مضاف پر مقدم ہوتا ہے۔ اور
ایسی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو کلام کی ترتیب
کو مختل اور ذہن میں تشویش پیدا کرتی ہیں
اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ترتیب مدار
اعجاز ہے اور ان کی یہ تصریح ایک آیت کے
دوسری آیت پر یا ایک کلمہ کے دوسرے کلمہ پر
جیسے مضاف الیہ کو مضاف پر یا اسی طرح اور کے
مقدم کرنے کے حرام ہونے میں بالکل ایسے
ہی ظاہر ہے جیسے یہ سب باتیں تلاوت میں بھی

ھو الیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ عدلا و لا صرفا (بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، از ترغیب ص۳۲ج۳)

نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلے کے سوا اور قبیلہ کی طرف نسبت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائیگا نہ نفل۔

اور اسی مضمون کی حدیث حضرت انسؓ سے ابوداؤد میں اور عبداللہ بن عباسؓ سے مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

ارشاد نبویؐ۔ اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"انسان کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے (از ترغیب ص۳۲ ج ۳)

ارشاد نبویؐ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ مسند احمد، ابن ماجہ (از ترغیب ص۳۲ج۳)

ارشاد نبویؐ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من ادعی نسبا لا یعرف کفر باللہ او انتفی من نسب وان دق کفر باللہ (رواہ الطبرانی فی الاوسط (ترغیب ص۳۲ج۳)

جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لیے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے تبری کی اگرچہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالےٰ کا کفر کیا۔

ث

احادیث مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرأت کرے گا۔ ــــ ہ

محرمة وفرقوا بان ترتيب السور على النظم المصحفي مظنون وترتيب الآي قطعي وزعم ان كتابته بالعجمية فيها سهولة للتعليم كذب مخالف للواقع والمشاهدة فلا يلتفت لذلك على انه لو سلم صدقه لم يكن مبيحا لاخراج الفاظ القرآن عما كتب عليه واجمع عليه السلف والخلف۔

حرام ہیں کیونکہ اس کی بھی تصریح ہے کہ الٹی ترتیب سے سورتوں کا لکھنا مکروہ ہے اور آیتوں کو الٹی ترتیب سے لکھنا حرام ہے اور وجہ فرق یہ بیان کی، قرآن کی ترتیب پر سورتوں کی ترتیب ظنی اور آیات کی ترتیب قطعی ہے اور یہ گمان کہ غیر عربی میں لکھنے میں تعلیم کی سہولت ہے کذب محض ہے۔ واقع اور مشاہدہ کے خلاف ہے، اس لئے یہ قابل التفات نہیں بالفرض اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ الفاظ قرآن کو اس نہج سے جس پر کتابت ہوئی ہے اور اس پر اسلاف و اخلاف کا اجماع ہے نکلنے کو جائز نہیں کر سکتے۔

ثم كتب عليه شيخ الائمة الشافعية بعصرنا ومصرنا هو العلامة شمس الدين محمد الشوبري الشافعي حفظه الله تعالى ما صورته انه اذا كتب بغير العربية هل يحرم مسه وحمله اولا الاظهر في الجواب نعم اذ لا يخرج بذلك عن كونه قرآنا والا لم تحرم كتابته فليراجع انتهى

پھر اس پر ہمارے عصر و شہر کے شیخ الائمۃ الشافعیہ علامہ شمس الدین شوبری شافعی حفظہ اللہ تعالیٰ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ باقی رہی یہ بات کہ اگر غیر عربی میں لکھ لیا جائے تو اس کا بے وضو کو چھونا اور اٹھانا حرام ہوگا یا نہیں تو جواب میں زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ہاں کیونکہ اس فعل سے وہ قرآن ہونے سے خارج نہ ہوگا ورنہ پھر اس کا لکھنا ہی حرام نہ ہوتا۔

* * *
* *

واما عند الائمة المالكية فلما نقل العلامة ابن حجر في فتاواه ان الامام مالكا سئل هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس

اور ائمہ مالکیہ کے نزدیک اس لئے کہ علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ لوگوں نے جو یہ نیا طریقہ نکالا ہے الگ الگ حروف کر کے لکھنے کا کیا اس

ہرگز باور نمی آید زروئے اعتقاد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ این ہمہ کردن و دین پیمبر داشتن

**بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ کہ ہم انصاری بہ حیثیت پیشہ ہیں۔**

کہا جاتا ہے کہ کپڑا بننے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولاہا ہے یہ نام مستنکر و مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ دراصل سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی ظالم کے ہیں اور برے ناموں کے رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے ہم اپنے کو بجائے جولاہا کے انصاری کہتے ہیں اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کا بھی یہی تھا۔ الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولاہا کے معنی اردو میں مستنکر و مکروہ ہیں کیونکہ اصل لفظ چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا اور معنی ظالم کے ہوں یا کچھ اور لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولاہا کہتے ہیں اور ناموں کے مکروہ و مستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہیے جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو۔ اس لیے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں خواہ سنسکرت میں اس کے معنے کتنے ہی قبیح ہوں۔ علاوہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نور باف یا بافندہ وغیرہ رکھ لیتے۔ لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی معنے میں شہرت پا چکا ہے اوس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے۔

اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو، بلکہ محض پیشہ کے لحاظ نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں۔ جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں تو شرعاً اس معنے سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔

من العجز فقال لا الا على الكتبة الاولى اى كتب الامام وهو المصحف العثمانى قال بعض ائمة القراء ونسبته الى الامام مالك لانه المسئول عن المسئلة والا فهو مذهب الائمة الاربعة وبمثله قال ابو عمرو۔

طرح لکھا جا سکتا ہے فرمایا نہیں سوائے اس پہلے طریقہ یعنی طریقہ امام کے جو مصحف عثمانی کا ہے اور کوئی طرز جائز نہیں۔ قراءت کے بعض ائمہ نے بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ کی نسبت امام مالک کی طرف اس بنا پر ہے کہ ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا ورنہ یہ تو ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ایسا ہی ابو عمرو نے بھی فرمایا ہے۔

* * *

واما عند الائمة الثلاثة

فقد تقدم عن الدراية ما نصه و عند الشافعى رح تفسد الصلوٰة بالقراءة بالفارسية وبه قال مالك واحمد عند العجز وعدمه انتهىٰ (النفحة القدسية ص ٣٥)

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو ہم پہلے درایہ سے نقل کر چکے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں اور امام شافعی رح کے نزدیک فارسی میں قراءۃ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور یہی امام مالک رح اور امام احمد رح نے عجز و عدم عجز کے وقت کے لئے فرمایا ہے۔

وفى حاشية المغنى لابن قدامة الحنبلى ما نصه استمر الاجماع على قراءة جميع المسلمين القرآن فى الصلوٰة وغيرها بالعربية كاذكارها وسائر الاذكار والادعية المأثورة على كثرة الاعاجم حتى قام بعض المرتدين من اعاجم هذا العصر يدعون الى ترجمة القرآن وغيره من الاذكار وبطريق التعبد وانما مرادهم التوسل بذلك الى تسهيل

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب مغنی کے حاشیہ میں ہے کہ اس پر اجماع قرار پایا ہے کہ تمام مسلمان نماز میں بھی اور نماز کے علاوہ بھی قرآن شریف کی تلاوت عربی ہی میں کریں جیسے نماز کی اور دعائیں اور ذکر اور سب ادعیہ ماثورہ بھی عربی ہی میں پڑھی جاتی ہیں اور یہ اجماع عجمیوں کی کثرت کے باوجود ہے لیکن اس زمانہ کے عجمیوں میں سے بعض مرتد لوگ اٹھے ہیں اور لوگوں کو ترجمۂ قرآن اور ترجمۂ اذکار کی اور تراجم کو بطور عبادت تلاوت کرنے کی دعوت دینے لگے ہیں اور اس سے ان لوگوں

ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ منشاء ان نسبتوں کے تقرر اور القاب کے ردو بدل کا وہی ایک مرض لا علاج محض تکبر و تعلی ہے جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ یقینیہ کو قربان کرے وہ مسکین قابل رحم ہے۔ اور اس کی عقل و دانش پر تعزیت کرنی چاہیے کہ کس متاع گراں مایہ کو کس قدر سستا دے دیا۔ ؎

میں تو میخانہ میں گاہک نہ ہوا عزت کا (اکبر) دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اور اگر خداوند عالم ذرا چشم بصیرت عطا فرمائیں تو انسان کی نظر ایک ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے۔ جہاں یہ بات روز روشن کی طرح مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ دنیا اور اس کی عزت و ذلت سب خواب و خیال ہیں، عاقل کا کام نہیں کہ اس کے حصول پر فخر یا عدم حصول پر افسوس کرے۔ ؎

زمین شدیم چہ شد آسماں شدیم چہ شد بچشم خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد
نہ ہیچ رنگ دریں گلستاں قرارے نیست دگر بہار شدی ما خزاں شدیم چہ شد

اور یہ بات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ "سہاگن وہی جسے پی چاہے" عزت وہی عزت ہے جو دربار الٰہی میں سرخرو کرے۔ اور اس کے سوا ہر عزت ذلت و رسوائی کی مرادف اور متاع غرور ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

ایا رب ذُل ساق للنفس عزۃ ویا رب نفس بالتذلل عزۃ

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے ؎

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ لذت اس میں ہے کہ مل جائے ترے دل میں جگہ

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا

کیا وہ لوگوں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بیشک عزت تمام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

الردة على قومهم ونبذ القرآن المنزل من عند الله وراء ظهورهم وهو انما نزل باللسان العربي كما هو مصرح في الآيات المتعددة و انما كان تبليغه والدعوة الى الاسلام به والانذار به كما انزل الله تعالى لم يترجم النبي صلى الله عليه وسلم ولا اذن بترجمته و لم يفعل ذلك الصحابة والخلفاء المسلمين وملوكهم ولو كتب النبي صلى الله عليه وسلم كتبه الى قيصر وكسرى والمقوقس بلغاتهم لصح التعليل الذي علل به رشيد قال) وقد بين الامام الشافعي في رسالته الشهيرة في الاصول ان الله تعالى فرض على جميع الامم تعلم اللسان العربي بالتبع لمخاطبتهم بالقرآن والتعبد به ولم ينكر ذلك عليه احد من علماء الاسلام لانه امر مجمع عليه وان اهمله الاعاجم بعد ضعف الدين والعلم۔

(ملخص مع الشرح الكبير ص ۵۳ ج ۱)

کی غرض اپنی قوم پر مرتد ہونے کو سہل کر دینا ہے اور اس قرآن کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوا ہے پس پشت ڈال دینا ہے۔ حالانکہ وہ عربی میں نازل ہوا ہے جیسا کہ بہت آیتوں میں ہے اور تبلیغ اس کی، اور اسلام کی طرف دعوت اور انذار اسی سے ہے جیسے اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی ترجمہ خود کر کے بھیجا نہ ترجمہ بھیجنے کی اجازت دی نہ صحابہ اور خلفائے مسلمین اور شاہان اسلام نے ایسا کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ اور مقوقس کو جو خطوط لکھوائے ہیں اگر وہ ان کی زبانوں میں لکھواتے تو اس فعل کی اس کو علت بنانا صحیح بھی ہوتا۔ اور امام شافعی رح نے اپنے اس رسالہ میں جو اصول فقہ میں ان کا مشہور ہے، بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں پر عربی زبان کا سیکھنا فرض کیا ہے کیونکہ ان کو قرآن مجید کا مخاطب بنایا ہے۔ اور اس کی عبادات کا حکم کیا ہے (وہ عربی ہے لہٰذا عربی لازم ہے) اور امام صاحب پر اس قول کا علمائے اسلام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، کیونکہ یہ ایک اجماعی بات ہے مگر بعض عجمیوں نے ضعف دین و علم کی وجہ سے اسے چھوڑ رکھا ہے اور مصر کے شیخ القراء شیخ محمد بن علی حداد نے اپنے رسالہ خلاصۃ النصوص

## حقیقی عزت و ذلت نسب کے تابع نہیں

اور اگر کسی شخص کو یہی مقصود ہو کر دوسروں پر فضیلت و تفوق حاصل کرے تو اوس کی بھی یہ صورت نہیں کہ اپنا اصل نسب چھوڑ کر دوسرے انساب کے سلسلہ میں اپنے آپ کو داخل کرتا پھرے اور اس کی کوشش میں رہے کہ بعید قرائن کا سہارا لے کر کسی اونچے نسب نامہ میں اپنا نام درج کر دے جیسے آج کل بہت سے لوگوں کو یہ ابتلاء پیش آیا ہے۔

ایسے ہی لایعنی حیلے اور قرینے جمع کر کے کوئی انصاری بنتا ہے کوئی قریشی اور کوئی راعی بلکہ عزت و تفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق اور اعمال فاضلہ ہیں ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔

حضرت بلال حبشی اگر آج دنیا میں تشریف لے آئیں تو اس گئی گذری حالت اور بے پروائی کے زمانہ میں بھی یقین ہے کہ بڑے بڑے عزت کی لمبی ناک رکھنے والے اونچے اونچے نسب کے لوگ اون کے پیر دھونے کو اپنا فخر سمجھیں گے۔ یہی وہ عزت ہے کہ جس نے بڑے بڑے بادشاہوں کو ادنیٰ ادنیٰ نسب کے لوگوں کے آگے جھکا دیا۔ اور یہی وہ دولت ہے، جس کے لیے ہارون رشید اور اون کے دونوں صاحبزادے، امین اور مامون کاسۂ گدائی لے کر حضرت امام مالک بن انسؒ کے دروازے پر آتے تھے۔ اور یہی وہ تاج سلطنت ہے کہ جس کے نہ ہونے نے دنیا کے بہت سے نامور بادشاہوں کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی دلوا دیا۔

## ایک خراسانی سیدزادہ اور حبشی بزرگ کا مکالمہ

خراسان میں ایک سیدزادہ شریف النسب تھے لیکن جدی اخلاق اور اعمال کے متاع گرانمایہ کو لہو و لعب کی نذر کر چکے اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے اور اسی جگہ ایک حبشی عالم متقی تشریف فرما تھے جو نسب کے اعتبار سے بھی آزاد کردہ غلام ہونیکی حیثیت رکھتے تھے۔ لوگ ان کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے، ایک روز اتفاقاً یہ بزرگ مسجد کی طرف جا رہے تھے، خلق اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت پیچھے تھی۔ یہ سیدزادہ اچانک سامنے آگئے۔ نشہ پیے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان کو بزرگ صاحب کے راستہ سے ہٹانا چاہا، مگر یہ نہ ہٹے اور مجمع کو چیر پھاڑ کر شیخ کے پاس پہنچے اور اون کا دامن پکڑ لیا۔ اور نہایت سخت متکبرانہ لہجہ میں خطاب کیا ''اے سیاہ ہونٹ اور سیاہ سموں والے کافر بن کافر!

(نقله لی اخی فی الله المولی جمیل احمد التهانوی)۔

اجمع المسلمون قاطبة علی وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته (ثم قال) قال العلامة ابن عاشر ووجه وجوبه ما تقدم من اجماع الصحابة رض علیه وهم زهاء اثنی عشر الفًا والاجماع حجة حسبما تقرر فی اصول الفقه ثم ذکر معزیا للمحکم بسنده الی عبد الله بن عبد الحکم قال قال اشهب سئل مالك فقیل له ارأیت من استکتب مصحفا الیوم اتری ان یکتب علی ما احدثه الناس من الهجاء الیوم فقال لا اری ذلك ولکن یکتب علی الکتبة الاولی۔ قال العلامة السخاویؒ والذی ذهب الیه مالك هو الحق وقال الجعبری وهذا مذهب الائمة الاربعة رض وخص مالکا لانه صاحب فتیاه و مستندهم ومستند الخلفاء الاربعة رضوان الله تعالی علیهم۔

الجلیہ میں مصحف عثمانی کے رسم الخط کے اتباع پر مستقل ایک باب رکھا ہے جس کی بعض عبارات یہ ہیں۔ مصاحف عثمانی کے رسم الخط کے اتباع کے واجب ہونے اور اس کے خلاف کے ممنوع ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ علامہ ابن عاشر کا بیان ہے کہ واجب ہونے کی وجہ وہی ہے جو گزر چکی ہے یعنی حضرات صحابہ کا اجماع اور یہ حضرات تقریباً بارہ ہزار تھے اور جیسے اصول فقہ میں ثابت ہو چکا ہے۔ اجماع حجت قطعیہ ہے پھر محکم کی طرف منسوب کر کے عبد اللہ بن عبد الحکمؒ تک ان کی سند سے بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ اشہب کا بیان ہے کہ امام مالک سے استفسار کیا گیا جو لوگ آج قرآن شریف کی کتابت کر رہے ہیں ان کے متعلق فرمایئے آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ کو پسند ہے کہ اس نو ایجاد املا کے حرفوں سے لکھنے کے طریق پر قرآن شریف کی کتابت کی جایا کرے فرمایا میں اسے جائز نہیں رکھتا۔ اس قدیم طرز پر لکھا جائے علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کی جو رائے ہے حق یہی ہے اور جعبریؒ کہتے ہیں کہ یہ تو ائمہ اربعہ کا مذہب ہے لیکن امام مالکؒ کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ سائل کے صاحب فتویٰ اور تمام لوگوں اور خلفائے اربعہ کے مستند تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہوں، مجھے ذلیل کیا جاتا ہے اور تیری عزت کی جاتی ہے مجھے دھکے دیے جاتے ہیں اور تیری ہر قسم کی مدد کی جاتی ہے۔

لوگوں نے یہ کلمات سُنے تو ان کو مارنے کے لیے دوڑے۔ شیخ نے بمشکل بچایا اور کہا کہ "میں ان کی یہ سب باتیں ان کے جد امجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر برداشت کرتا، اور معاف کرتا ہوں" اور اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے باطن کو سفید کر لیا اور تم نے اپنے باطن کو سیاہ کر ڈالا۔ اس لیے میرے دل کی سفیدی میرے سیاہ چہرہ پر دیکھی گئی اور لوگوں کو بھلی معلوم ہوئی اور تمھارے دل کی سیاہی تمھارے سفید چہرہ پر دیکھی گئی جو لوگوں کی نفرت کا سبب بنی، میں نے تمھارے والد کی صفت اختیار کر لی اور تم نے میرے والد کی، تو لوگوں نے مجھے تمھارے والد کی صفت و حالت میں دیکھا اور تمھیں میرے والد کی صفت میں۔ اس لیے انھوں نے مجھ کو تمھارے والد کا بیٹا سمجھا اور تم کو میرے والد کا اور تمھارے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے باپ کے ساتھ کرنا تھا اور میرے ساتھ وہ معاملہ جو تمھارے والد کے ساتھ کرنا تھا۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے مفصل لکھا ہے (منہاج) ولنعم ما قیل ؎

ولا ینفع الاصل من ہاشم　　اذا کانت النفس من باھلۃ

## خلاصۂ جملہ مضامینِ رسالہ

شرافتِ نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے گر غیر اختیاری ہے جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا یا خوبصورت اور خوش الحان ہونا وغیرہ۔ جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اوس کا فرض ہے کہ اوس کے حقوق ادا کرے۔ خداوند سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کرے اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے جو اصلی فضائل ہیں اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں ذرا حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پی چاہے۔" ؎

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

وقال ابو عمرو الدانی لا مخالف
له من علماء الامة فی ذلک
وقال ایضا فی موضع اخری سئل
مالک عن الحروف فی القرآن مثل
الواو والالف اتری ان تغیر من
المصحف اذا وجد فیه کذلک قال
لا. قال ابو عمرو یعنی الواو والالف
المزیدتین فی الرسم المعدومتین
فی اللفظ نحو اولوا وقال الامام احمد
رضی اللہ عنه تحرم مخالفة خط مصحف
عثمان فی واو او الف او یاء او غیر ذلک

ابو عمرو دانی کہتے ہیں۔ علمائے اُمت میں سے
اس باب میں امام مالک سے کوئی اختلاف نہیں
رکھتا اور ایک اور مقام پر کہا ہے کہ امام مالک
سے قرآن مجید کے حروف کے متعلق جیسے واو
اور الف ہے سوال کیا گیا کہ کیا آپ اس کو جائز
سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن شریف میں بدل دیئے جائیں
جب کہ پہلے سے ایسے پائے جاتے ہیں۔ فرمایا
نہیں۔ ابو عمرو دانی کہتے ہیں یعنی وہ واو اور
الف جو لکھنے میں زائد آتے ہیں اور پڑھنے میں نہیں
آتے جیسے اولوا امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مصحف
عثمانی کے رسم الخط کی مخالفت واو، الف یا وغیرہ
میں بھی حرام ہے۔

※ ※ ※

وقال البیهقی من کتب مصحفا
فینبغی ان یحافظ علی الهجاء الذی
کتبوا به تلک المصاحف ولا یخالفهم
فیه ولا یغیر ما کتبوه شیئا فانهم
کانوا (ای الصحابة) اکثر علما
واصدق قلبا ولسانا واعظم امانة
فلا ینبغی ان نظن بانفسنا استدراکا
علیهم کما فی الاتقان لشیخ مشائخنا
الجلال السیوطی رح ثم قال العلامة
الحداد فثبت بما ذکر من النقول
الصحیحة والنصوص الصریحة انتهی

امام بیہقی رح کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن شریف
کی کتابت کرنا چاہے تو اُس کے لئے مناسب
یہی ہے کہ حرفوں کے اس جوڑ توڑ کی حفاظت کرے
جس پر وہ مصاحف لکھے گئے ہیں اور ان کے
خلاف نہ کرے اور جیسے جیسے انھوں نے لکھا ہے
سرمو نہ بدلے کیونکہ حضرات صحابہ رضؓ علم میں سب
سے زیادہ کامل، صدق قلبی و لسانی میں سب
سے بڑھے ہوئے اور تدین و امانت میں سب سے اعلیٰ
تھے۔ ہم کو روا نہیں ہے کہ اپنے دلوں میں ان کی
طرف سے کوئی شبہ قائم کریں یہ اتقان میں ہے جو ہمارے
شیخ المشائخ جلال الدین سیوطی رحؒ کی ہے پھر علامہ حداد نے

ایسا نہ ہو کہ اپنی بدعملی اور بداخلاقی سے اپنے بڑوں کو جن کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے، بدنام کرے کہ لوگ کہیں ؎

یہ اوس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں۔

اور جس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہو وہ اس کے فکر میں نہ پڑے اور اصلی اور حقیقی فضائل کی تحصیل میں پوری کوشش عمل میں لائے تاکہ اس فضیلت غیر اختیاریہ کا بھی تدارک ہو جائے اور خوب سمجھ لے کہ جو چیز حق تعالیٰ نے مجھے عطا نہیں فرمائی وہ میرے لیے مناسب نہ تھی میں اوس کے حقوق ادا نہ کر سکتا کیونکہ وہ مجھ پر خود مجھ سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں ؎

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند | او مصلحتِ تو از تو بہتر داند

اور حضرت حافظ نے خوب فرمایا ہے ؎

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

اس لیے نہ اس کا غم کرے کہ مجھے شرافتِ نسب حاصل نہیں اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہو کہ خواہ مخواہ کسی نسب شریف کی طرف اپنی نسبت جوڑے یا ایسا لقب ڈھونڈے جو کسی شریف نسب کے ساتھ اشتراک پیدا کرے یا اوس کا موہم ہو، اور سمجھ لے کہ یہ کوئی اصلی فضیلت و کمال حقیقی نہیں۔

معاملات نکاح وغیرہ میں نسب اور پیشہ کی کفاءت کو شرعی حکم اور مصالح اور حکمتوں کا مجموعہ سمجھے، اس کو مساوات اسلامی کے خلاف نہ جانے اور سمجھ لے کہ یہ اندھیر نگری کی مساوات کہ جس میں ادنیٰ اعلیٰ اور کھرے کھوٹے اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہ ہو، محض بے عقلی کی مساوات ہے جو فطرت کے خلاف ہے، عقل کے موافق مساوات وہی ہے جو اسلام نے اختیار فرمائی ہے کہ تجویز قانون میں درجات و حیثیات کا پورا لحاظ رکھا جائے لیکن مقرر کردہ قانون کی تنفیذ میں مساوات کا برتاؤ کیا جائے کہ از روئے قانون جو شخص جس درجہ سزا یا جزاء کا مستحق ہو اوس کو وہی دیا جائے، اس میں شاہ و گدا اور ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہوں۔

نفاذ قانون میں نہ کسی کا رعب اور بڑائی سد راہ بن سکے نہ مال و دولت کی طمع یا قرابت و مودت کے تعلقات حائل ہو سکیں اور مسلمان کی شان اس بارہ میں لایخافون فی اللہ لومۃ

قد انعقد اجماع سائر الامۃ من الصحابۃ وغیرھم علی تلک الرسوم وانہ لا یجوز بحال من الاحوال العدول عن کتابۃ القرآن الکریم ولا نشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔ واللہ الموفق والمعین انتھی۔

(رسالہ النصوص الجلیۃ ص ۲۵)

لکھا ہے کہ جو جو نقول صحیحہ اور نصوص صریحہ ذکر کی گئی ہیں ان سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس رسم خط کے وجوب پر اور اس پر کہ قرآن شریف کی کتابت میں کسی حال میں بھی اس رسم الخط سے عدول جائز نہیں اور نہ کسی ایسی صورت سے جو مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے خلاف ہو قرآن شریف کا شائع کرنا جائز ہے۔ صحابہ رض وغیر صحابہ ساری امت کا اجماع ہو چکا ہے واللہ الموفق والمعین

اور حافظ حدیث امام ابن کثیر رح نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں کتابت قرآن مجید اس کی تاریخ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

قلت والذی کان یغلب علی زمان السلف الکتابۃ المکوفۃ[1] ثم ھذبھا علی ابن مقلۃ الوزیر وصار لہ فی ذلک نھج واسلوب فی الکتابۃ ثم قربھا علی بن ھلال البغدادی المعروف بابن البواب وسلک الناس وراءہ وطریقتہ فی ذلک واضحۃ جیدۃ والغرض ان الکتابۃ لما کانت فی ذلک الزمان لم تحکم جیداً وقع فی کتابۃ المصاحف اختلاف فی وضع الکلمات من حیث صناعۃ الکتابۃ لا من حیث

میں کہتا ہوں کہ زمانہ سلف میں کوفی طرز پر کتابت غالب تھا پھر علی بن مقلہ وزیر نے اس طرز کو پاکیزہ بنایا، اور کتابت میں اس کا ایک خاص طرز ممتاز ہو گیا، پھر علی بن ہلال بغدادی معروف با بن البواب نے اس کو اور قریب الفہم کر دیا اور دوسرے لوگوں نے اس کا اتباع شروع کر دیا اور اس کا طرز اس باب میں سب سے عمدہ ہے۔ الغرض چونکہ اس زمانہ میں کتابت کا عمدہ طرز نہ ہوا تھا۔ اس لئے مصاحف کے لکھنے میں کتابت کلمات کی صورت میں نہ کہ معانی میں اختلاف رہا اس باب میں لوگوں نے تصنیفات بھی کی ہیں اور امام کبیر ابو عبید قاسم بن

[1] کوفی رسم الخط ۱۲

لا کہ کی مصداق ہو۔ سہ

موحد چہ بر پائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس | ہمیں ست بنیاد توحید و بس

ھذا آخر ما تیسر لی فی ھذا الباب بعون الملک الوھاب مع تشتت الھموم وھجوم الغموم ولہ الحمد اولہ وآخرہ وظاھرہ و باطنہ۔ فالحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

خدا تعالیٰ کا شکر و انعام ہے آج ۸ رجب ۱۳۵۱ھ روز چہار شنبہ بعد العشاء یہ اوراق تمام ہوئے۔ خدا کرے کہ میرے اعمال کی شامت اس میں مؤثر نہ ہو اور حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرما کر مفید بنادیں وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

"بندۂ ضعیف"

محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند

المعنی وصنف الناس فی ذلك واعتنی
بذلك الامام الكبير ابو عبيد
القاسم بن سلام فی كتابه فضائل
القرآن والحافظ ابو بكر بن داود رح
فبوبا على ذلك ذكرا قطعة صالحة
من صناعة القرآن ليس مقصدنا
ههنا ولهذا نص الامام مالك رح
على انه لا توضع المصاحف الا على
وضع كتابة الامام (فضائل القرآن
ص ۵۱) وقال قبل ذلك و اما
مصاحف العثمانية او الائمة فاشهرها
اليوم الذی فی الشام بجامع
دمشق عند الركن شرقی المقصورة
المعمورة بذكر الله وقد كان قديما
بمدينة طبرية ثم نقل منها الى
دمشق فی حدود ثمان عشرة وخمس
مائة وقد رأيته كتابا عزيزا
جليلا عظيما ضخما بخط حسن مبين
قوی بحبر فی ورق اظنه من
جلود الابل والله اعلم زاده الله
تشريفا وتعظيما وتكريما۔ فاما
عثمان رض فما يعرف انه كتب
بخطه هذه المصاحف وانما كتبها

سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں اور حافظ
ابوبکر بن داؤد رح نے بہت اہتمام کیا اور اس
بیان کے لئے ابواب مقرر کئے ہیں اور قرآن مجید کی
کتابت پر نفیس بحثیں لکھی ہیں جو اس وقت ہمارے
مقصد سے الگ ہیں، اور اسی لئے امام مالک رح نے
تصریح کی ہے کہ قرآن شریف صرف مصحف امام
کی کتابت کے طرز پر ہی لکھا جایا کرے اور اس
کے قبل یہ ہے کہ باقی مصاحف عثمانیہ یا مصاحف
امام قرآن میں مشہور [illegible] ہے جو آج دمشق کی
جامع میں رکن کے قریب حجرہ مبارکہ کی مشرقی جانب
میں ہے اور یہاں سے پہلے یہ شہر طبریہ میں تھا،
پھر وہاں سے ۵۱۸ھ کے قریب میں دمشق لایا گیا
میں نے خود اس کو دیکھا ہے، بڑا بھاری،
عمدہ نفیس جیسی اور صاف خط میں دیرپا
روشنائی سے ایسے اوراق میں لکھا ہے
کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اونٹ کی کھال
کے ہیں۔ واللہ اعلم

لیکن یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے
قلم سے یہ سب مصاحف لکھے ہوں گے
بلکہ آپ کے عہد میں حضرت زید بن ثابت رض
اور دوسرے لوگوں نے لکھے اور آپ کی
طرف اس لئے منسوب ہوئے کہ آپ کے

# وصل السبب فی فصل النسب

(از افادات حضرت حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم)

یعنی

## تقریظ بر رسالہ نہایات الارب فی غایات النسب

مؤلفہ

مولانا محمد شفیع صاحب مدرس و مفتی مدرسہ دار العلوم دیوبند دام بالافادات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد و الصلوٰۃ ۔ اشرف علی عرض رسا ہے کہ جس موضوع پر یہ رسالہ لکھا گیا ہے اوس پر احقر کا ارادہ لکھنے کا تھا ۔ مگر مجھ کو جب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب اس پر لکھنا شروع کر چکے ہیں، میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ۔ مگر مولوی صاحب نے اپنے حسن ظن سے اس التواء کی درخواست کی تو اخیر جواب میں میں نے یہ عرض کیا کہ آپ رسالہ پورا کر لیں ۔ پھر اس کا تتمہ میں لکھ دوں گا ۔ چنانچہ مولوی صاحب نے یہ رسالہ لکھ کر میرے پاس بھیج دیا ۔ مطالعہ سے اوس کی نافعیت کا مشاہدہ کر کے بے حد مسرت ہوئی اور دعا دی ، ہر چند کہ رسالہ کے کافی وافی ہونے کے بعد کچھ لکھنے کی حاجت نہ تھی ، مگر چونکہ عنوان کے تفاوت سے بھی بعض اوقات نفع میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے چند سطریں بصورت فوائد متفرقہ کے لکھ کر اوس وعدہ کو پورا کرتا ہوں اور سہولت تعبیر کے لیے ایک لقب بھی تجویز کرتا ہوں ۔ اور یہ سب تقریظ ہے ، کیونکہ تقریظ کی حقیقت تصدیق ہے اور جب تصدیق اجمالی تقریظ ہے تو یہ تصدیق تفصیلی ہے ۔ **الفائدۃ الاولیٰ** فی تفسیر بیان القرآن سورۃ البقرۃ آیۃ تلک امۃ ۔ عدم کفایت انتساب بمقبولین در نجات تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ یہ (ان بزرگوں کی) ایک

زید بن ثابت فی ایامہ وغیرہ فنسبت الی عثمان لانہا بامرہ واشارتہ ثم قرأت علی الصحابۃ بین یدی عثمان ثم نفذت الی الآفاق۔

حکم اور اشارہ سے لکھے گئے پھر آپ کے سامنے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر تلاوت کئے گئے اور پھر چاروں طرف بھیج دئے گئے تھے رضی اللہ عنہم۔

## تنبیہ

رسالہ نصوص جلیہ اور فضائل القرآن ابن کثیر اور امام زرکشی سے جو عبارات و نصوص نقل کی گئی ہیں ان سے جس طرح عربی کے سوا کسی اور زبان میں قرآن کریم کی کتابت کا حرام ہونا باجماع امت ثابت ہوا، اسی طرح اس کی حرمت و مخالفت بھی ثابت ہو گئی کہ زبان تو عربی ہی رہے لیکن رسم خط انگریزی یا گجراتی یا بنگلہ یا ہندی ناگری وغیرہ کر دیا جائے جیسا کہ اس فتنہ زا زمانہ میں اس کا بھی شیوع ہے کہیں انگریزی رسم خط میں قرآن کریم کی طباعت کی تجویز ہے کہیں ہندی اور گجراتی میں، جو باجماع امت ناجائز ہے۔ خصوصاً انگریزی اور ہندی رسم خط میں تو کھلی ہوئی تحریف ہو گی کہ ان میں حرکات کو بشکل حروف لکھا جاتا ہے اور پھر اس پر مزید یہ ہے کہ اس کو خدمت اسلام سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے لئے بہت سی مصالح و منافع بیان کی جاتی ہیں جن کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے، نہ ضرورت کیونکہ اول تو وہ مصالح بدون رسم خط بدلنے کے بھی حاصل ہو سکتی ہیں اور ساڑھے تیرہ سو برس سے برابر اسی طرح حاصل ہوتی آئی ہیں کہ ہر ملک و قوم کے لوگوں کو قرآن پڑھایا گیا اور انھوں نے بدون رسم خط تبدیل کرنے کے پڑھا اور اتنا پڑھا کہ شاید اب سارے مسلمان مل کر بھی نہ پڑھ سکیں اور ایسا پڑھا کہ انھیں اہل عجم میں سے بہت سے لوگ قرآن کی قرأت و تجوید اور رسم خط کے امام مانے گئے اور بالفرض اگر وہ مصالح تسلیم بھی کئے جائیں تو ان مصالح مزعومہ کی وجہ سے اجماع امت کا فیصلہ نہیں بدلا جا سکتا اور حفاظت قرآن کی مصلحت پر کسی مصلحت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ خود حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام نے ان مصالح کی طرف

جماعت تھی جو (اپنے زمانہ میں) گذر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے ان کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔ (اور خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا، اس سے تم کو نفع پہنچنا، یہ تو بڑی دور ہے۔)

ف انتساب بالمقبولین کا نافع نہ ہونا اس شخص کے لیے ہے جو عقائد قطعیہ میں بھی ان مقبولین کا مخالف ہو، گو طبعاً ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو۔ اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سب انبیاء اس کے مصدق تھے، یہ لوگ اسی میں مخالف تھے اور جو شخص ایسے عقائد میں موافق و متبع ہو گو کسی امر جزئی میں عاصی بھی ہو، ایسے شخص کو اس انتساب کا کسی درجہ میں نافع ہونا، خواہ شفاعت سے یا محبت سے یا بنا بر معیت کے محض مشیت سے یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی انتساب کو نسب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انتساب مومنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور نسب اس معنے کے اعتبار سے نافع ہے نہ کہ شرافت بالمعنی العرفی کے اعتبار سے۔ خوب سمجھ لو، اب سب نصوص و دلائل متطابق و متوافق ہو گئے۔ مثل آیۃ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وآیۃ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وآیۃ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ وحدیث شفاعۃ وحدیث المرء مع من احب وحدیث یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار لا أغنی عنک من اللہ شیئا۔

رہا دنیا میں تفاوت انساب اپنے آثار کے اعتبار سے بلاشبہ متضمن مصالح کثیرہ مشاہدہ ہے۔ لیکن اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے وفی سورۃ الطور آیۃ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ، الآیۃ، جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ کو نہیں پہنچے، جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے و نیز احادیث میں مصرح ہے۔ کانوا دونہ فی العمل، ولم یبلغوا درجتک وعملک وکانت منازل آباءھم ارفع رواھا فی الدر المنثور۔

نظر نہیں فرمائی۔ حالانکہ یہ مصالح اس وقت آج سے زیادہ قابل اہتمام نظر آتی تھیں کیونکہ وہ زمانہ تعلیم السنہ کے شیوع کا نہ تھا اب تو ایک ایک آدمی جو معمولی خواندہ کہلاتا مختلف زبانیں سیکھتا اور جانتا ہے اور یہ نہیں کہ اس وقت ان زبانوں میں کتابت کرانا ممکن نہ تھا کیوں کہ خود کاتب قرآن زید بن ثابت رض مختلف زبانیں جانتے تھے مگر اس کے باوجود کتابت قرآن میں خاص خاص ملکی مصالح کو نظر انداز کر کے صرف عربی زبان اور عربی رسم خط میں قرآن مجید کے نسخے لکھے اور تمام ممالک میں بھیجے۔

والی اللہ المشتکی مما عمت فیہ البلوی من ایدی اصحاب الھوی و ایاہ نسئل الھدی والتقی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## تنبیہ دوم

یہ سوال کوئی آج پیدا نہیں ہوا ہندوستان میں مدت سے یہ رسم بد چل گئی ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں قطب عالم مجدد الملۃ سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے سامنے ایک ایسے ہی اردو ترجمہ یا عربی عبارات کی اشاعت کے متعلق لکھا گیا تو حضرت ممدوح نے اس کی ممانعت و حرمت پر ایک نہایت مفصل و مدلل فتویٰ تحریر فرمایا تھا جو حوادث الفتاویٰ حصہ دوم ص ۵۶ پر شائع بھی ہو چکا ہے۔ مزید بصیرت کے لئے اس کو بھی بعینہٖ اس کے ساتھ ذیل میں ملحق کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

بندہ محمد شفیع دارالعلوم دیوبند

تو گو مقتضا ان کے اختلاط عمل کا انحطاط درجہ تھا لیکن ان آباء مومنین کے اکرام و سرور کے لیے ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ اور (اس شامل کرنے کے لیے) ہم ان (اہل جنت متبوعین) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ (یعنی یہ نہ کریں گے کہ ان متبوعین کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر برابر کر دیں جیسے مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو والے سے سو روپے لے کر چار سو والے کو دے دیے جاویں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے اور دوسری صورت جو کریموں کے شان کے لائق ہے یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جاوے بلکہ اس چار سو والے کو دو سو روپے اپنے پاس سے دے دیں اور دونوں کو برابر کر دیں پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی کہ اس کا اثر یہ ہوتا کہ متبوع کو بوجہ کم ہو جانے اعمال کے اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے اور تابع کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجہ میں رہتے۔ یہ نہ ہوگا بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی اور متبوع اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہے گا۔ اور تابع کو وہاں پہنچا دیا جاوے گا، و فی سورۃ الحجرات آیۃ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ
اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ، تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لیے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، نہ اس لیے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو، کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ خوب جاننے والا (اور وہی اس سے) پورا خبردار ہے (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا۔ کما قال تعالیٰ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ)

# نقل فتویٰ حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ وقدس سرہٗ

**سوال** ایک مولوی صاحب نے ایک کتاب دکھلائی جس میں محض ترجمہ تھا۔ کلام مجید یعنی عربی عبارت کہیں بھی نہ تھی مثل انجیل کے ترجمہ وغیرہ کی مانند، ایک گورکھپور کے وکیل نے مختلف تراجم قرآن سے اخذ کر کے لکھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں جناب والا کو لکھوں کہ اس مترجم پر جناب والا کفر کا فتویٰ لگا دیں۔ میں نے عرض کیا کہ تکفیر کا فتویٰ لگانا تو کسی مسلمان پر تاوقتیکہ کوئی امر صریح تکفیر کا نہ پایا جائے مناسب نہیں ہاں امر مذموم سے روکنا ضرور ہے سو جناب والا سے گزارش ہے کہ اس امر کے متعلق کچھ ارشاد اور تحریر فرماویں۔

## الجواب

نصوص صحیحہ صریحہ سے تشبہ باہل الباطل خصوص غیر مسلم پھر خصوص اہل کتاب کی مذمت اور اس کا محل وعید ہونا ثابت ہے من تشبہ بقوم فھو منھم میں وعید کا شدید ہونا ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کرنے کو کفار میں شمار ہونے کا موجب فرمایا گیا۔ دوسری حدیث لتتبعن سنن من کان قبلکم الحدیث میں اس مماثلت کو موقع تشنیع میں ارشاد فرمایا گیا۔ اور یہ بالکل یقینی ہے کہ اس وقت کتاب الہٰی کا ترجمہ بغیر حامل المتن جداگانہ شائع کرنا اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے ایسے امر میں جو عرفاً وعادتاً ان کے خصائل میں سے ہے سو اول تو ان کے ساتھ تشبہ ہی مذموم ہے پھر خصوص جب وہ تشبہ امر متعلق بالدین میں ہو کہ تشبہ فی الامر الدنیاوی سے تشبہ فی الامر الدینی اشد ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضہ کے گوشت شتر چھوڑنے پر آیت یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن نازل ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف شعب خاندان کی بڑی کو کہتے ہیں اور قبیلہ اوس کی شاخ کو مثلاً سید ایک شعب ہے اور حسنی و حسینی قبائل ہیں و علیٰ ہذا۔

اور تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں۔ مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں، خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتا ہے۔ اور مثلاً یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اور بقدر قرب و بُعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کیے جاتے ہیں۔ اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب و بُعد معلوم ہوتا ہے تو حاجب و محجوب متعین ہوتا ہے اور مثلاً یہ کہ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب نہ کرے گا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے اور شرف نسبی معتبر ہونے کی حد اور درجہ پارہ الٓمٓ کے ختم آیت تلك أمة قد خلت واقع موقع اول کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں، ملاحظہ کر لیجیے۔

تفریع۔ ان آیات سے یہ امور مستفاد ہوئے ۱۔ انتساب بالمقبولین آخرت میں غیر مومن کے لیے نافع نہیں اور مومنین کے لیے نافع ہے اور جن مقبولین کی طرف انتساب نافع ہوگا وہ مقبولین عام ہیں خواہ عرفاً شریف النسب ہوں یا نہ ہوں، البتہ اون میں جن قبائل کی فضائل دینیہ بھی مخصوص وارد ہیں، اون کی طرف انتساب اور زیادہ نافع ہوگا تو شرف نسب عرفی کے بعض افراد بھی خاص قیود کے ساتھ آخرت میں نافع ہوں گے۔ پس شرف نسبت مطلقاً ایک نعمت ہوئی اور قبائل اہل فضائل کے انتساب سے جو شرف نسب ہو، وہ اور زیادہ نعمت ہوئی اور نعمت پر شکر واجب ہے۔ پس اس پر بھی شکر واجب ہوا۔

۲۔ تفاخر بالانساب حرام ہے جیسا دوسری نعمتوں پر بھی تفاخر حرام ہے۔

۳۔ قوموں اور خاندانوں کے تفاوت میں مصالح کثیر ہیں، تمدنیہ بھی شرعیہ بھی۔

۴۔ ہر چند کہ اصل شرف تقویٰ ہے مگر فخر اس پر بھی حرام ہے۔ پس جیسا تقویٰ پر تفاخر کی حرمت سے تقویٰ کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی، اسی طرح خاص انساب پر تفاخر کی حرمت سے اون انساب کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

کا تبتل اور ترہب کا انکار فرمانا اس کی کافی دلیل ہے، مشکوٰۃ کتاب النکاح وکتاب الاعتصام لا تشدد وا علی انفسکم الحدیث، اور اس میں بھی خاص کر جب کہ ان کو دیکھ کر ان کی تقلید کی جاوے کہ اتفاقی تشبہ سے یہ اور بھی زیادہ مذموم ہے اور اس وقت اکثر لوگ ایسے کام انہی لوگوں سے اخذ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الانواط کی درخواست پر کیسا زجر فرمایا تھا یہ تشبہ مذکور مخصوص قیود مذکورین کے ساتھ تو اس میں مفسدہ حالیہ ہے اور یہ بھی اس کے منع کے لئے کافی ہو جائیگا اس میں مفاسد مآلیہ شدیدہ بھی متحقق ہیں مثلاً خدا نخواستہ اگر یہ طریق مروج ہو گیا تو مثل تورات وانجیل احتمال قوی اصل قرآن مجید کے ضائع ہونے کا ہے اور حفاظت اصل قرآن مجید کی فرض ہے اور اس کا اخلال حرام ہے اور فرض کا مقدمہ فرض، اور حرام کا مقدمہ حرام، اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ احتمال بعید ہے محققان دین وسعیدان اسلام سے ایسے احتمالات کا اعتبار ثابت ہے، پھر خواہ بعید ہو یا قریب ہم پر بھی واجب ہے کہ اس کا لحاظ کریں۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض قراء کی شہادت کے وقت بمجرد سرسری مناظرہ کے محض ضیاع قرآن کے احتمال کا اعتبار کر کے قرآن مجید کے جمع کا اہتمام ضروری قرار دیا تھا حالانکہ قرآن مجید اس وقت بھی متواتر تھا اور اس کے ناقل اس کثرت سے موجود تھے کہ اس کے تواتر کا انقطاع احتمال بعید تھا لیکن پھر بھی اس کا لحاظ کیا گیا پس جیسا اس وقت عدم کتابت میں احتمال ضیاع کا تھا اسی طرح صرف ترجمہ کی کتابت میں اس کا احتمال ہے، اس احتمال کے وقوع کا وہی نتیجہ ہوگا جیسا حدیث میں ہے۔ اتتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ (مشکوٰۃ ص۳۰) اور مثلاً یہ مفسدہ ہوگا۔

کہ حسب تصریح فقہاء اس ترجمہ کو بلا وضو مس کرنا جائز نہ ہوگا کما فی العالمگیریہ ولوکان القرآن مکتوبا بالفارسیۃ یکرہ لھم مسہ عند ابی حنیفۃ رح وکذا عندھما علی الصحیح ھکذا فی الخلاصۃ (ص ۲۳ ج ۱) وفیہ ایضاً اذا قرأ آیۃ السجدۃ بالفارسیۃ فعلیہ وعلی من سمعھا السجدۃ فھم السامع اولا اذا اخبر السامع انہ قرأ آیۃ السجدۃ ص ۲ ج ۱ وھذہ الجزئیۃ الثانیۃ تؤید الاولیٰ حیث وجب سجدۃ التلاوۃ بقراءۃ القرآن بالفارسیۃ فعلم منہ ان الترجمۃ بالفارسیۃ

في المشكوٰة باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله وسلامه عليه۔

**الفائدة الثانيه** عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله اصطفیٰ کنانة من ولد اسمٰعیل واصطفیٰ قریشا من کنانة واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم رواہ مسلم وفی روایة الترمذی ان الله اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسمٰعیل واصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانة وفیھا فی الباب المذکور عن العباس انه جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فکانه سمع شیئاً فقام النبی صلی الله علیه وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقة ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلة ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا رواہ الترمذی وفیھا باب المفاخرة والعصبیة عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم رواہ البخاری۔ وعن ابی ھریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا انما ھم فحم من جھنم او لیکونن اھون علی الله من الجعل الذی یدھدہ الخراء بانفه ان الله قد اذھب عنکم عبیة الجاھلیة و فخرھا بالآباء انما ھو مؤمن تقی او فاجر شقی الناس کلھم بنو آدم وآدم من تراب رواہ الترمذی وابوداؤد۔ وفیھا باب مناقب قریش وذکر القبائل عن ابی ھریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الناس تبع لقریش فی ھٰذا الشان مسلمھم تبع لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم متفق علیه۔ وفیھا فی الباب المذکور عن سلمان قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تبغضنی فتفارق دینك قلت یا رسول الله کیف ابغضك وبك ھدانا الله قال تبغض العرب فتبغضنی رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث حسن غریب۔ و

لا تخرج القرآن عن کونہ قرآنا حکما فلا یجوز مسہ للمحدث اور یہ یقینی بات ہے
کہ عامہ ناس اس ترجمہ کو ایک کتاب عالی از قرآن سمجھ کر ہرگز اس کے مس کے لئے وضو کا
اہتمام نہ کریں گے تو ایسا ترجمہ شائع کرنا سبب ہوگا ایک امر غیر مشروع کا، اور غیر مشروع کا
سبب غیر مشروع ہے۔ اور مثلاً اس کا احترام بھی زیادہ نہ کریں گے اور غیر قابل انتفاع ہو جانے
کے وقت مثل دیگر معمولی کتب کے اوراق کے اس کے اوراق کا استعمال بھی کریں گے تو اس
سے یہ بھی ایک محذور لازم آوے گا اور محذور کا سبب لا محالہ محذور و محظور ہے اور مثلاً
آج تک امت میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس پر انکار کیا گیا چنانچہ
میں نے محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم مالک مطبع نظامی سے یہ سنا ہے کہ کسی نے لکھنؤ
میں ایسا ہی ایک پارہ چھاپا تھا مگر علماء نے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دی تو اس شخص
نے اس کے اوراق کو قرآن مجید کی دفتیوں میں چسپاں کرا کر پوشیدہ کر دیا اور چنانچہ اس
وقت بھی ایسے ترجمہ غیر حامل متن پر علماء کو انکار ہے چنانچہ اس جواب لکھنے کے قبل ایک مجمع علماء
سے میں نے ذکر کیا تو ایک نے بھی اس میں نرمی نہیں فرمائی بلکہ سب نے شدید انکار کیا ہے
باوجودیکہ دوسری زبان والے مسلمانوں کو اس قسم کی حاجت بھی واقع ہوئی جس حاجت
کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے تو باوجود داعی کے تمام علماء امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع
کی اس امر کے مذموم و منکر ہونے پر جس میں یہ احادیث وارد ہیں ان اللہ لا یجمع
امتی علی الضلالۃ، و ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ الی النار و
اتبعوا السواد الاعظم (مشکوٰۃ) اور اب تو قرآن مجید سے کچھ علاقہ بھی ہے اگر ترجمہ
سے بھی مدد لیتے ہیں تو اصل بھی ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس بہانہ سے کچھ پڑھ بھی لیتے
ہیں اور پھر تو قرآن سے بالکل بے تعلق اور اجنبی ہو جائیں گے اور بے ساختہ ان پر یہ آیت
صادق آنے لگے گی نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء
ظهورهم کانهم لا یعلمون۔ اور مثلاً اب اگر ترجموں میں کچھ اختلاف ہے تو اصل بھی
سامنے ہے اس کو سب نسخوں میں متحد پاتے ہیں تو اختلاف کا خیال اصل تک نہیں پہنچا اور
جب ترجمے ہی ترجمے رہ جائیں گے اور اصل نظروں سے غائب ہوگی تو اس وقت یہ اختلاف

فيها باب العطايا عن ابی هريرة ان اعرابيا اهدی لرسول الله صلی الله عليه وسلم بكرة فعوضه منها ست بكرات فتسخط فبلغ ذلك النبی صلی الله عليه وسلم فحمد الله واثنی عليه ثم قال ان فلانا اهدی الی ناقة فعوضته منها ست بكرات فظل ساخطا لقد هممت ان لا اقبل هدية الا من قرشی او انصاری او ثقفی، او دوسی، رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی۔

ان احادیث سے یہ امور مستفاد ہوئے۔ ۱ اگر شرف نسب کوئی چیز نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضائل میں اس کو بیان کیوں فرماتے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے شرف نسب کو موقع فضیلت میں کیوں بیان فرماتے، اسی طرح قریش اور عرب کے فضائل کیوں بیان فرماتے۔ ۲ البتہ اس پر فخر کرنا مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ حرام ہے۔ ۳ اللہ تعالیٰ نے خاص اقوام و قبائل کے کچھ خواص بھی رکھے ہیں گو باعتبار اکثر کے سہی۔

## الفائدة الثالثة

فی جمع الفوائد ذكر الاولياء والشهود والاستيذان والكفاءة (معاذ) رفعه العرب بعضها اكفاء لبعض، والموالی بعضهم اكفاء لبعض للبزاز وفيه سليمان بن ابی الجون (عائشة) رفعته تخيروا والنطفكم وانكحوا الاكفاء وانكحوا اليهم للقزوينی بضعف قلت ولا يضر اللين بعد تقويته بعمل الامة وفيه ذكر الكسب والمعاش (ابن محيصة) انه استأذن النبی صلی الله عليه وسلم فی اجرة الحجام فنهاه وكان لمولی حجاما فلم يزل يسأله ويستأذنه حتی قال له اعلفه ناضحك واطعمه رقيقك لابی داؤد، و الترمذی والموطا بلفظه وفی الباب احاديث كثيرة۔

ان حدیثوں سے کفارت فی الجماعات والصناعات ثابت ہے اور اجرت حجام کے منع کو حرمت صرفہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ غلام کو کھلانا بھی جائز نہ ہوتا اور حدیثوں میں خود آپ کا حجام کو اجرت دینا مروی ہے۔ پس سبب اس منع کا محض دناءت و تلوث بالنجاسات ہے۔ تو دوسرے شریف پیشوں سے اس کا برابر نہ ہونا صاف ثابت ہوا۔ اور نکاح کے

کلام اللہ کی طرف منسوب ہوگا۔ بعد چندے یہ گمان ہونے لگے گا کہ اصل حکم ہی مختلف ہے یہ تو اعتقاد پر اس کا اثر ہوگا، اور عمل پر یہ اثر ہوگا کہ ترجموں کو لے لے کر آپس میں لڑیں گے، اور مراجعت الی الاصل کی توفیق ہوگی نہیں جو مدار ہو سکتا ہے فیصلہ کا پس اس آیت کا مضمون ظاہر ہو جاوے گا وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات بغیا بینھم۔ اور مثلاً اب تو ترجمہ کو مستقل کتاب نہیں سمجھتے قرآن کا تابع سمجھتے ہیں اگر کہیں مطلب نہیں سمجھتے ہیں یا غلط سمجھتے ہیں یا فصاحت و بلاغت سے گرا ہوا پاتے ہیں تو فہم کا یا مترجم کا قصور سمجھتے ہیں، اور مترجم کو مالک دین کا نہیں جانتے نیز کسی مترجم کو ہمت تحریف معنوی کی بھی نہیں ہو سکتی کہ اصل کے سامنے ہونے سے ہر طالب علم اس پر گرفت کر سکے گا اور ایسا ترجمہ اگر ہوا تو اس کو مستقل کتاب سمجھیں گے کسی کا تابع نہ سمجھیں گے اور تمام آثار مذکورہ کی انسداد واقع ہوں گی خصوص مترجمین ہی کا متبوع مستقل ہو جانا یہ سب سے بڑھ کر آفت ہوگی سا اور اہل زیغ کو بہت آسانی سے موقع غلط ترجمہ اور تفسیر کا ملے گا کیونکہ ہر دیکھنے والے حافظ نہیں ہوتے اور مراجعت اصل کی طرف ہر وقت آسان نہیں ہوتی۔ کما قال۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ اور پھر اسی طرح کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں جن کو انشاء اللہ علماء ظاہر کریں گے اسی لئے جابجا لفظ مثلاً لایا گیا ہے۔ اس وقت دس ہی وجوہ پر جس کو عشرہ کاملہ کہا جا سکتا ہے اکتفا کیا جاتا ہے مگر کاملہ کا خاتمہ ہونا لازم نہیں، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان اور فقہاء نے اس قاعدہ پر یہاں تک تفریع فرمائی ہے کہ جس شخص کو بھیک مانگنا حرام ہے اس کو بھیک دینا بھی حرام ہے کیونکہ اگر دینے والے دیں نہیں تو مانگنے والا مانگنا چھوڑ دے اسی طرح اس ترجمہ کے متعلق یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ ایسے ترجمہ کو اگر کوئی شخص نہ بقیمت لے اور نہ بلا قیمت تو ایسے تراجم کا سلسلہ بند ہو جاوے اور لینے کی صورت میں سلسلہ جاری رہے گا۔ پس ایسے ترجمہ کا خریدنا یا ہدیہ میں قبول کرنا اعانت ہوگی ایک امر ناجائز کی اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ۔

باب میں ایک حدیث سے کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اوس شبہ کو اس طرح دفع فرمادیا۔ؑ فی ذکر الخطبة قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد عریض (اقول) لیس فی هذا الحدیث ان الکفاءة غیر معتبرة کیف وهی مما جبل علیه طوائف الناس وکاد یکون القدح فیها اشد من القتل والناس علی مراتبهم والشرائع لا تهمل مثل ذلک ولذلک قال عمر رضی اللہ عنه لامنعن النسآء الا من اکفاءهن ولکنه اراد ان لا یتبع احد محقرات الامور نحو قلة المال ورثاثة الحال ودمامة الجمال او یکون ابن امولد ونحو ذلک من الاسباب بعد ان یرضی دینه وخلقه فان اعظم مقاصد تدبیر المنزل الاصطحاب فی خلق حسن وان یکون ذلک الاصطحاب سببا لصلاح الدین۔

**الفائدة الرابعة** جس مساوات کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کا ہادم خود حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کا تفاضل منصوص آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اور آیت وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ، اور تفاضل امم منصوص آیت وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ اور تفاضل اصناف منصوص آیت اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کافی ہے اور جو مساوات نقلاً و عقلاً ثابت ہے اوس کی حقیقت مجملہ یہ ہے کہ ایسی ترجیح کہ جس سے عدل و حقوق واجبہ فوت ہوتے ہوں جائز نہیں اور حقیقت مفصلہ وہ

---

ؑ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں کفاءت کے اعتبار کرنے کی شدید ضرورت کو جن لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے وہ اس کے ترجمہ سے معلوم ہو سکتی ہے فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ہو سکتا اور کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ فطرت انسانیہ اس کے اعتبار کرنے پر مجبور ہے اور اس کے خلاف کرنا قتل کی برابر ہے سب لوگ اپنے اپنے مرتبہ پر ہیں اور شریعت ایسی ضروری چیزوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اور اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو منع کر دوں گا کہ وہ اپنے کفو کے سوا کسی سے نکاح نہ کریں الخ ۱۲ منہ۔

ثم بعد منتصف ربیع الاوّل کتب الی محبی المولوی ظفر احمد روایة فقهیة جزئیة فی تائید الجواب نصها هکذا ولو قرء بقراءة شاذة لاتفسد صلاته ذکره فی الکافی وفیه ان اعتاد القراءة بالفارسیة واراد ان یکتب مصحفا بها یمنع وان فعل فی اٰیة واٰیتین لا۔ فان کتب القراٰن وتفسیر کل حرف وترجمته جاز ۱۲ فتح القدیر ص ۲۰۱ جلد اول مصریة باب کیفیة الصلوٰة فقط۔ ثم فتوی سیدی حکیم الامة والله سبحانه وتعالیٰ هو الموفق للسداد۔ لقد احسن واجاد۔

بندہ محمد شفیع
دیوبند۔ محرم ۱۳۶۳ھ ہجری

(۱) فاروق احمد مفتی دار العلوم دیوبند

(۲) اصاب المجیب العلام واجاد فیما افاض لله دره

احقر مسعود احمد عفا اللہ عنہ
دار العلوم دیوبند
۵/۲/۶۳ھ

(۳) هذا هو الحق الصریح وماذا بعد الحق الا الضلال

محمد ادریس کاندھلوی کان اللہ لہ
وکان هو لله
مدرس دار العلوم دیوبند

(۴) بلامتن کے قرآن شریف کا محض ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔ اس کا پڑھنا اور خریدنا بھی ناجائز ہے اس کے چھاپنے والے کے خلاف مسلمانوں کو ہر ممکن کارروائی کرنی چاہیے اور ایسے شخص کو اس بات پر مجبور کرنا چاہیے کہ

ہے جو اصل رسالہ میں خوب شرح و بسط سے لکھ دی گئی ہے اور یہی معنی ہیں نصوص نافیہ تفاضل کے۔

**الفائدۃ الخامسۃ** جو لوگ بلا دلیل اپنے کو معزز قوموں میں داخل کر رہے ہیں وہ ان نصوص کی مخالفت کر رہے ہیں قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ وقال تعالیٰ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ۔ اور حدیثیں اصل رسالہ میں مذکور ہیں، اگر ان حدیثوں پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم اپنے کو اپنے غیر آباء کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ آباء کی طرف منسوب کر کے اعلیٰ آباء کو اوس قوم میں سے بتلاتے ہیں تو ہم اس وعید میں داخل نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ تم جو اپنے آباء کو اوس قوم میں سے بتلاتے ہو تو اون کو اون کے غیر آباء کی طرف منسوب کرتے ہو، کیونکہ اس قوم میں سے تو وہ جب ہو سکتے ہیں کہ جب وہ اوس قوم کے جد اکبر کی طرف منسوب ہوں اور واقع میں وہ جد اکبر اون کا جد ہے نہیں تو اوس کی طرف منسوب کرنا اون کے غیر آباء کی طرف منسوب کرنا ہوا گویا اپنے بزرگوں کو گالی دینا اپنے کو گالی دینے سے زیادہ شنیع ہوا اور یہ تو اوس وقت ہے، جب صرف دلیل ہی منتفی ہو اور اگر نفی کی دلیل بھی ہو تب تو نسبت کرنا علاوہ کو اور قوی کر دیتا ہے۔ میرے ایک عالم دوست نے مدعیان انصاریت کے باب میں ایک عجیب لطیفہ کہا کہ یہ قوم عدد میں بہت کثیر ہے، چنانچہ فائدہ ثامنہ میں جو خط اس قوم کی طرف سے منقول ہے اوس میں ایک جگہ چار کروڑ اور ایک جگہ پونے چار کروڑ لکھا ہے۔ اور انصار کی نسبت حدیث میں ہے اما بعد فان الناس یکثرون ویقل الانصار حتی یکونوا فی الناس بمنزلۃ الملح فی الطعام الحدیث رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ باب جامع المناقب۔ اور اس حدیث کی کوئی تاویل کر لی جائے تب بھی دعویٰ پر دلیل کا مطالبہ تو باقی ہے۔ بعض لوگ اس وعید سے بچنے کے لیے یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم بہ اعتبار نسب کے نسبت نہیں کرتے بلکہ کسب اور حرفت کے اعتبار سے نسبت کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہر جگہ یہ تفسیر نہیں کی جاتی اور بدون تفسیر کے جو معنی اس کے متبادر ہوتے ہیں اوس میں دوسری وعید ہے، یعنی تلبیس و خداع اور اس کے ساتھ بعض احکام کی تخلیط

وہ اس ترجمہ کی اشاعت بند کر دے۔

فقط والسلام
سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۲۸ محرم ۶۲ھ

(۵) جواب صحیح ہے
عبد الرحمٰن غفرلہ (صدر مدرس)
مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۲/۴ ۶۲ھ

(۶) ظہور الحسن غفرلہ

(۷) جواب صحیح ہے
اسعد اللہ۔ مدرس مظاہر علوم سہارنپور

(۸) الجواب صحیح
جمیل احمد
خادم الافتاء خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون
(ضلع مظفر نگر)

(۹) الجواب صحیح
مولانا عبد اللطیف مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۲ صفر ۶۲ ہجری

(۱۰) الجواب صحیح
محمود حسن گنگوہی غفرلہ نائب مفتی مظاہر علوم سہارن پور
۲/۴ ۶۲ھ

(۱۱) للہ در المجیب ما احسن اجاب
محمد خلیل عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ

موجب نزاع جیسے کفاءت وصیت میراث وغیرہ۔

**الفائدۃ السادسۃ** بعض لوگ مشہور شریفوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے ہی نسب پر کون سی دلیل قایم ہے جواب یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ثبوت نسب میں تسامع و تواتر کافی ہے۔ سو یہ حاصل ہے اور جدید دعویدار اس دلیل سے بھی محروم ہیں۔

**الفائدۃ السابعۃ** بعض لوگ اس تفاوت انساب میں کچھ عقلی محظورات لازم کرتے ہیں، مگر اوپر دلائل صحیحہ سے تفاوت کا معتبر ہونا ثابت ہو چکا ہے، وہ ان شبہات کے اجمالی رد کے لیے کافی ہے اور کسی قدر تفصیلی رد کے لیے ایک مضمون نقل کرتا ہوں۔ جو ایک ایسے ہی شبہ کے جواب میں ۱۵ ج ۱۳۵۱ھ کو لکھا گیا ہے۔ از امداد الفتاویٰ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں ۱۔ قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث ہو ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کونسی کتاب اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے ۲۔ آبائی مسلمان شریف ہیں۔ اون نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا ہے یا اوس کا باپ مسلمان ہوا ہو۔ یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا، کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے، یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں۔ ۳۔ عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں؟

الجواب۔ اس سوال کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کیے ہیں اون میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناقشہ کے ذکر کیے جاتے ہیں۔ قولہ۔ قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے۔ الخ۔

و قولہ۔ صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ۔ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن و حدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے۔ کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور

اجماع و قیاس حجت نہیں۔

قولہ۔ یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے۔ الخ۔ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے جو اوپر گذرا۔ لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے۔ اس بناء پر کہ ان میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں لیکن مجموعہ معصوم ہے۔ بحدیث ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔

قولہ۔ کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔ اگر یہ محذور دونوں تقسیموں پر لازم کیا ہے خواہ وہ قول معصوم کا ہو یا علماء کا۔ تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے۔ کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے خصوص اگر معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے اور اگر صرف علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام و بالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو تو مسئلہ اجماعی ہوا تو اجماع کا رد ہے اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق و تجہیل ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں۔ علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے۔ الخ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے۔ رشق اول تو مشاہدۃً باطل ہے کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے ہیں اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے۔ بعض کفار کے لیے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد و استرقاق و تعدد نکاح و مشروعیۃ طلاق و ذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لا تتناہی۔

تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں بلکہ خود اس مسئلہ کا

# مسئلہ تقلیدِ شخصی

مقابل مسئلہ مساواۃ مطلقہ بعض کفار کے لیے مانع عن الاسلام ہو سکتا ہے، مثلاً اگر کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نو مسلم بھنگی یا چمار کی برابر سمجھا جاؤں گا اور اگر وہ میری لڑکی کے لیے پیام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لیے موجب معصیت و موجب عقوبت آخرت ہو گا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جائے تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا۔ پھر اس مانعیت کے کیا معنی۔ بہرحال یہ سوالات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں۔ اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے تو ان دعووں کو ثابت کیا جائے ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں کسی غیر مسلّم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو۔ فقط۔

**الفائدۃ الثامنۃ** بعض قوموں کے بعض خواص بطور امثال کے مشہور ہو گئے ہیں وہ خاص مواقع پر زبان یا قلم پر آ جاتے ہیں، بعض خطوط اوس کی شکایت کے بھی آئے اس لیے اس کے متعلق بھی مختصراً عرض کرتا ہوں فی المشکوٰۃ باب مناقب قریش وذکر القبائل عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف وبنی حنیفۃ وبنی امیۃ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کے خاصہ غالبہ کی وجہ سے کوئی مذمت یا نقص تک بھی زبان پر آ جائے جیسا صحابہ کو حضور کے ارشادات سے ہی معلوم ہوا تھا تو بھی کچھ حرج نہیں اور اسی لیے فقہاء و علماء نے تصریح فرما دی ہے کہ قوم کی تنقیص جبکہ نہ معین شخص نہ کل قوم مراد ہو غیبت نہیں ہے۔ فی احیاء العلوم بیان ان الغیبۃ لا تقتصر علی اللسان واما قولہ قال قوم کذا فلیس ذلک غیبۃ انما الغیبۃ التعرض لشخص معین اما حی واما میت ومن الغیبۃ ان تقول بعض من مر بنا الیوم او بعض من رأیناہ اذا کان المخاطب یفھم منہ شخصا معینا لان المحذور تفھیمہ دون مابہ التفھیم فاما اذا لم یفھم عینہ جاز الخ فی الدر المختار ولو اغتاب اھل قریۃ فلیس بغیبۃ لانہ لا یرید بہ کلھم بل بعضھم وھو مجھول خانیۃ فتباح غیبۃ مجھول فی رد المحتار قولہ فلیس بغیبۃ قال فی المختار ولا غیبۃ الا لمعلومین قولہ لانہ لا یرید بہ

مقام تالیف ـــــــــ دیوبند

زمانۂ تالیف ـــــــــ ۱۳۳۵ھ

اضافات ـــــــــ ۱۳۳۵ھ و ۱۳۵۸ھ

اشاعتِ اوّل ـــــــــ ماہنامہ المفتی دیوبند

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ و

ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ

"یہ تقلید کے مسئلہ پر متفرق مضامین کا مجموعہ

ہے جو ماہنامہ المفتی دیوبند میں شائع ہوتے

رہے۔"

کلمہ مفہومہ انہ لو اراد ذلک کان غیبۃ تأمل کتاب الحظر والاباحۃ ۱ھ

**الفائدة التاسعة** بعض انساب بعض احکام کی شرط ہیں نص سے بھی، اجماع سے بھی بعض اہل الرائے کا خلاف اون میں باطل ہے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ الائمۃ من قریش اور تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اس میں بعض کا بعض سیاسی اغراض سے توسع کرنا مقابلہ ہے نص کا، اور وہ مصلحت بھی اس پر موقوف نہیں کیونکہ شریعت میں جس طرح امام واجب الاطاعت ہے اسی طرح سلطان الاسلام بھی گو امام نہ ہو، جیساکہ احادیث اس سے بھی پُر ہیں، ایک تحریف بعض نے ان احادیث میں کی ہے کہ وجوب اطاعت کے لیے اسلام کو بھی شرط نہیں ٹھہرایا یہ بھی محض تحریف ہے، البتہ حاکم غیر مسلم کی اطاعت کے دوسرے مستقل قواعد و احکام ہیں اس کا ان احادیث سے مَس نہیں۔

ف اس اشتراط میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

**الفائدة العاشرة** اسی طرح بعض انساب بعض احکام سے مانع ہیں جیسے ہاشمیت مانع ہے اباحۃ اخذ زکوٰۃ سے اور ظاہر مذہب یہی ہے، کما فی الدر المختار ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع، اور اباحت کا قول گو بعض فقہاء نے لیا ہے، مگر رسم المفتی کی بناء پر وہ مرجوح ہے، نہ کوئی نص اوس کا ماخذ ہے نہ مجتہد کا قول اور جو نص اس باب میں ذکر کی جاتی ہے۔ وھو ما اسند الطبرانی عن ابن عباس قال بعث نوفل بن الحارث ابنیہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہما انطلقا الی عمکما لعلہ یستعین بکما علی الصدقات فاتیاہ واخبراہ بحاجتہما فقال لا یحل لاھل البیت من الصدقات شیٔ ان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم ویکفیکم (حاشیہ ھدایۃ عن فتح القدیر) اور استدلال کی یہ تقریر کی جاتی ہے۔ لان عوضہا وھو خمس الخمس لم یصل الیہم لاھمال الناس امر الغنائم وایصالہا الی مستحقیہا واذا لم یصل الیہم العوض عادوا الی المعوض کذا فی البحر (شامی)

# مسئلہ تقلید

پر

## چند سوالات وجوابات!

یہ سوالات میرے استاذ محترم مفتی اعظم ہند اور دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مستقل مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا عطیہ ہیں جو بر ماز طالب علمی ۱۳۳۵ھ میں جب کہ احقر دار العلوم دیوبند میں دورہ حدیث کا ایک طالب علم تھا۔ حضرت ممدوح نے احقر کو جواب لکھنے کے لئے عطا فرمائے تھے اور جواب چونکہ کچھ مفصل ہو گیا تو اس کو دار العلوم دیوبند کے ایک ماہ نامہ میں شائع کر دیا گیا تھا۔ وہاں سے نقل کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

## استفتاء

کیا حکم ہے کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسائل ذیل کے بارہ میں اے علماء کرام تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ بینوا توجروا

(۱) کسی امام مجتہد کی تقلید عام مسلمانوں کے لئے فرض ہے یا واجب یا مباح؟

پس یہ استدلال اس لیے مخدوش ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس باقی ہے، اون کے مذہب پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علت حرمت زکوٰۃ مشروعیۃ ہے خمس الخمس کی، جو کہ اب بھی باقی ہے۔ پس حرمۃ بھی باقی ہے نہ کہ وصول خمس الخمس کا جو تہاون ناس کے سبب متروک ہو گیا۔ پس عدم وصول سے علت کا ارتفاع نہیں ہوا اور جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس نہیں رہا، جیسا حنفیہ کا مذہب ہے اون کے مذہب پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حرمت کی حکمت ہے اور حکمت کے ارتفاع سے حکم مرتفع نہیں ہوتا۔ جیسا اراءۃ قوت رمل کی حکمت تھی اور اوس کے ارتفاع کے بعد بھی رمل باقی ہے اور علت حرمت کی زکوٰۃ کا اوساخ اموال الناس ہونا ہے، جیسا کہ نصوص میں مصرح ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ ثم قال ان ھذہ الصدقۃ لا تنبغی لآل محمد انما ھو اوساخ الناس (جمع الفوائد لمسلم وابی داؤد والنسائی) اور یہ اب بھی باقی ہے، پس حکم بھی باقی ہے اور اگر کوئی حکمت کو علت ہی کہنے لگے تو اس کا منصب صرف مجتہد کو ہے۔ اگر یہ علت ہوتی تو خیر القرون میں اس کا تعامل تو منقول ہوتا۔ اور کوئی کہے کہ ابو عصمہ نے امام صاحب سے بھی نقل کیا ہے تو مجتہد کا قول بھی پایا گیا، اوس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو راوی ہی متکلم فیہ ہیں کما نقلہ الشیخ عبد الحی اللکنوی فی مقدمۃ الھدایۃ قول ابن حجر کذبوہ فی الحدیث وقول ابن المبارک کان یضع اھ۔ دوسرے اصل قول امام صاحب کا وہی ہے جو ظاہر مذہب ہے اور ظاہر مذہب کا چھوڑنا بدون قوت دلیل کے جائز نہیں اور دلیل کا ضعف ظاہر ہو چکا اس لیے اس قول پر عمل کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۔ الغرض ہاشمیت زکوٰۃ لینے سے مانع ہے اور اس مانعیت میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

وھذا آخر ما اردناہ فی ھذا المقام

والی اللہ المنتھی فی کل مرام

کتبہ اشرف علی۔ اخر العشرۃ الوسطی من رجب یوم الجمعۃ ۱۳۵۱ھ

# الجواب

مطلق تقلید فرض ہے بنص قرآن۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور اولو الامر کی اطاعت کرو۔

اولی الامر کی تفسیر حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور عطاء و مجاہد اور ضحاک و ابو العالیہ اور حسن بصری وغیرھم صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے خلفاء اور علماء و فقہاء سے کی ہے۔ اور خود مولانا صدیق حسن خاں صاحب مرحوم رئیس اہل حدیث اسی معنی کو اپنی تفسیر میں قبول کرتے ہیں اور حدیث میں ہے:۔

انما شفاء العی السوال ہے نہ جاننے والے کی شفاء اس میں ہے کہ جاننے والوں سے دریافت کرے۔

لیکن اب کلام اس میں ہے کہ آیا ہر وہ شخص جس کو لوگ عرف میں عالم کہا جاتا ہے اس کام کو انجام دے سکتا ہے یا کوئی خاص عالم و فقیہ مراد ہے۔

علمائے سلف نے ایسے عالم کے لئے جس کی تقلید کرنی چاہئے ایک معیار مقرر کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجید میں فرماتے ہیں:۔

الاجتھاد علی ما یفھم من کلام العلماء استفراغ الجھد فی ادراک الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ عن ادلتھا التفصیلیۃ الراجعۃ کلیاتھا الی اربعۃ اقسام الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ خوب محنت کرنا دریافت کرنے میں شریعت کے احکام فرعی کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جن کی کلیات کا مآل چار قسم پر ہے۔ یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس پر۔

# عہد ماضی پر دو آنسو

## یا عمر رفتہ کا مرثیہ ۱۳۵۱ھ میں

اس وقت کہ رسالہ ہذا کو ختم کر رہا ہوں۔ احقر کی عمر کی سینتیسویں منزل ہے۔ عمر گرانمایہ کا ایک معتدبہ اور کام کا حصہ ضائع ہوتا ہوا دیکھ کر چند اشعار بے ساختہ زبان قلم پر آ گئے۔ نہ شعر و سخن کا مشغلہ ہے نہ ردیف و قافیہ کی دُھن: ضائع شدہ سرمایہ عمر کا مرثیہ ہے۔ باین خیال درج کیا جاتا ہے کہ شاید کسی دیکھنے والے کو عبرت ہو ۔ مین نہ کردم شما حذر بکنید۔

| | |
|---|---|
| ہفت وسی از تو رفت در غفلت | ہیچ باقی مگر نگہ داری |
| کار کے بر نیامد از دستت | اے ز ہر علم و ہر عمل عاری |
| راحت از تو بہیچ کس نرسید | حیف باشد کہ مردم آزاری |
| جملہ عالم بخدمتت مشغول | وائے بر حال تو کہ بے کاری |
| تا بکے شکوہائے خواب گراں | اے کہ خواب تو بہ زبیداری |

(الی ان قال) و شرطه انه لابد له ان
یعرف من الکتاب والسنة ما یتعلق
بالاحکام و مواقع الاجماع و شرائط
القیاس و کیفیة النظر و علم العربیة
والناسخ والمنسوخ و حال الرواة و
لاحاجة الی الکلام والفقه
(ثم قال) ولا بأس ان یورد کلام
البغوی فی هذا الموضع قال البغوی و
المجتهد من جمع خمسة انواع من
العلم علم کتاب الله عزوجل
و علم سنة رسول الله صلی الله علیه
واله وسلم و علم اقاویل علماء السلف
من اجماعهم واختلافهم و علم اللغة
و علم القیاس وهو طریق استنباط الحکم
من الکتاب والسنة اذا لم یجدها صریحا
فی نص کتاب او سنة او اجماع فیجب
ان یعلم من علم الکتاب الناسخ
والمنسوخ والمجمل والمفسر والخاص
والعام والمحکم والمتشابه و
الکراهة والتحریم والاباحة والندب
والوجوب و یعرف من السنة هذه
الاشیاء و یعرف منها الصحیح والضعیف
والمسند والمرسل و یعرف ترتیب

اور اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد والے کو ضرور ہے
کہ قرآن و حدیث اس قدر جانتا ہو کہ جو احکام سے
متعلق ہے اور اجماع کے موقعوں اور قیاس صحیح کی
شرطوں اور نظر کی کیفیت اور علم عربیت اور ناسخ
اور منسوخ اور راویوں کے حال سے واقف ہو۔ اور
اجتہاد میں علم کلام اور اصطلاحی علم فقہ کی کچھ حاجت
نہیں اور یہ جو ہم نے اجتہاد کی شرط ذکر کی ہے اصول
کی کتابوں میں مشروح موجود ہے اور کچھ مضائقہ نہیں
کہ بغوی کا قول اس مقام میں یعنی بیان شرط اجتہاد
میں ذکر کیا جاوے۔ بغوی نے کہا ہے کہ مجتہد وہ عالم ہے
کہ پانچ طرح کے علم کا حاوی ہو۔ اوّل علم کتاب اللہ یعنی
قرآن مجید کا دوم علم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سوم علم علماء سلف کے اقوال کا کہ اُن کا اتفاق کس
قول پر ہے اور اختلاف کس قول میں چہارم علم لغت
عربی کا پنجم علم قیاس کا اور قیاس طریقہ حکم کے نکالنے کا قرآن
اور حدیث سے ہے جس صورت میں کہ حکم مذکور صریح
قرآن یا حدیث یا اجماع کے نصوص میں مجتہد نہ پاوے
(اب ان پانچوں علموں کی مقدار مفصل معلوم کرنی
چاہیئے کہ مجتہد کو ہر ایک علم کتنا سیکھنا چاہیے پھر قرآن
کے علم میں سے اُس پر ان باتوں کا جاننا واجب ہے
ناسخ و منسوخ مجمل اور مفسر خاص اور عام محکم و متشابہ
کراہت اور تحریم اباحت اور استحباب اور وجوب
کا جاننا اور حدیث میں سے ان اشیاء مذکورہ کا

# رسالۂ غایات النسب

کے متعلق

حضرت حکیم الامت جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی توضیحات

مسمّٰی بہ

# رفع الغلط لدفع الشطط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم الآیۃ

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ ۳ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ کو مجھ سے میرے ایک عزیز دوست نے جو مظفر نگر میں مقیم ہیں اور یہاں آئے ہوئے تھے بیان کیا کہ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ نہایات الادب سے بعض لوگوں نے مظفر نگر میں ایسی غلط فہمی پھیلادی کہ بعض پیشہ ور قومیں اس رنج و غم میں مبتلا ہو کر افسردہ و پژمردہ ہیں کہ بس جی ہم جنت ہی میں نہ جاویں گے جو سراسر بہتان ہے کوئی شخص اس گھڑے ہوئے مضمون کو تمام رسالہ میں نہیں دکھلا سکتا اور اگر بعض معاصی پر اس وعید کا مذکور ہونا محل شبہ ہو تو وہ وعید تو معاصی پر ہوئی۔ کسی خاص قوم کی حیثیت سے تو نہیں ہوئی۔ سو ایسی وعید تو شرافت پر فخر کرنے والوں کے حق میں بھی اسی رسالہ میں مذکور ہے، جیسا عبارت منقولہ میں آتا ہے۔ اور سوایت کے ساتھ ان دوست نے یہ بھی رائے دی کہ وہاں کسی کو بھیج کر ان کی تفہیم کردی جائے۔ اس کے قبل بھی اسی قسم کے بہتان رسالہ مذکور کے متعلق سُنے گئے تھے مگر وہ بصورت اعتراض تھے جس کو اس لیے قابل التفات نہیں سمجھا کہ معترضین کا جو کہ اکثر اہل غرض ہوتے ہیں، کچھ علاج ہی نہیں

السنة على الكتاب و ترتيب الكتاب
على السنة حتى لو وجد حديثا
لا يوافق ظاهره الكتاب يهتدى
الى وجه محمله فان السنة بيان
الكتاب و لا تخالفه وانما يجب
معرفة ما ورد منها فى احكام الشرع
دون ما عداها من القصص والاخبار
والمواعظ وكذلك يجب ان يعرف
من علم اللغة ما اتى فى كتاب او سنة
فى امور الاحكام دون الاحاطة بجميع
لغات العرب و ينبغى ان يتخرج
فيها بحيث يقف على مرام كلام العرب
فيما يدل على المراد من اختلاف
المحال و الاحوال لان الخطاب ورد
بلسان العرب فمن لم يعرف لا يقف
على مراد الشارع ويعرف اقاويل
الصحابة والتابعين فى الاحكام و
معظم فتاوى فقهاء الامة حتى لا
يقع حكمه مخالفا لاقوالهم فيكون
فيه خرق الاجماع واذا عرف من
كل من هذه الانواع معظمه فهو
حينئذ مجتهد ولا يشترط معرفة
جميعها بحيث لا يشذ عنه شئ منها

جاننا اور نیز صحیح حدیث اور ضعیف اور مسند اور مرسل
کا جاننا اور حدیث کا مرتب کرنا قرآن پر اور قرآن کا
حدیث پر جاننا حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی حدیث پاوے
جس کا ظاہر موافق قرآن کے نہ ہو تو اس کی مطابقت
کی صورت کا سراغ لگا سکے کیونکہ حدیث بیان قرآن مجید
کا ہے مخالف قرآن نہیں کہ مطابقت نہ ہو سکے اور
احادیث میں سے صرف ان حدیثوں کا جاننا واجب
ہے جو شرعی احکام کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں نہ
ان کے سوا اور حدیثوں کا جاننا جن میں حکایات اور اخبار
اور نصائح مذکور ہیں اسی طرح زبان عربی کے ان الفاظ
کا جاننا واجب ہے جو قرآن خواہ حدیث کے احکامی امور میں
واقع ہوئے ہیں نہ یہ کہ سب لغت عربی کو جانے اور بہتر
یہ ہے کہ لغت دانی میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے
مقصود سے واقف ہو جاوے اس طرح کہ اختلاف مواقع
اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہوتی ہے
اس لئے کہ خطاب شریعت عربی زبان میں وارد ہوا ہے تو
جو شخص عربی نہ جانے گا وہ شارع علیہ السلام کا مقصود
نہ پہچانے گا اور اقوال صحابہ اور تابعین بھی اس قدر
جانے جو در باب احکام منقول ہیں اور بڑا حصہ ان فتووں
کا جانے جو امت کے فقہاء نے دیئے ہیں تاکہ اس کا
حکم مخالف سلف کے اقوال کے نہ پڑے ورنہ اس صورت
میں اجماع کی مخالفت ہوگی اور جب ان پانچوں
اقسام کے علموں میں سے بڑا حصہ جانتا ہوگا تو وہ

لیکن بے خبر مسلمان بھائیوں کے رنج سے بہت دل کڑھا اور ترحم و شفقت اون کی تسلی کی متقاضی ہوئی اور اوس کی ایک صورت تو وہی تھی جو عزیز مذکور نے تجویز کی۔ ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی طرف سے کسی کو یہاں بھیج دیتے کہ وہ سمجھ کر اون کو سمجھا دیتا میں نے عزیز مذکور کے جواب میں یہی تجویز کیا تھا۔ مگر پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اور مقامات پر بھی اہل اغراض کی بدولت بعض غرباء پر ایسا ہی اثر ہوا ہو۔ اس صورت میں تدبیر خاص تسلی عام کے لیے کافی نہ ہوگی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ کوئی مختصر مضمون اس کے متعلق ضبط کر کے شائع کر دیا جاوے تا کہ وہ ضرورت کے دوسرے مقامات پر بھی پہنچ جائے اور چونکہ اس پریشانی کا سبب بعض عبارات کے معنی بدل کر اور بعض عبارات کا اول و آخر حذف کر کے اون کا شائع کرنا ہے اس لیے مناسب اور سہل صورت اس مقصود کی یہ سمجھ میں آئی کہ رسالہ مذکورہ کی دوسری عبارات جن سے مقصود کی حقیقت واضح ہو جاوے، جن کو اہل اغراض نے قصداً پوشیدہ رکھا ہے بقدر ضرورت منتخب کر کے جمع کر دی جاویں۔ تا کہ اون پر مطلع ہو کر مجموعہ سے صحیح نتیجہ نکال سکیں اور غلط فہمی رفع ہو کر اون کی تسلی ہو جاوے اور یہی اس وقت مقصود ہے۔ باقی جن کو پریشانی پھیلانا ہی مقصود ہے اور اسی مقصود کے لیے تحریف اور بہتان سے بھی اون کو باک نہیں اون کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدا کے سپرد کیا جاوے خواہ وہ دنیا میں ان کی آنکھیں کھول دیں خواہ آخرت میں اور ان سطور کا نام اون کے مدلول کے مناسب دفع الغلط لدفع الشطط رکھتا ہوں۔

عبارت اول، صفحہ ۴ سطر ۱۴ قولہ۔ ایک جماعت نے (جن کو اللہ تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی) اپنے انساب پر بیجا تفاخر و تکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی اور کمالات حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد ہیں۔ ف۔ اس عبارت میں صریحاً اون کی بھی مذمت کی ہے جو شرافت نسب پر فخر اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔

عبارت دوم، صفحہ ۵ سطر ۲ قولہ، پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب، اور

وإذا لم يعرف نوعاً من هذه الأنواع فسبيله التقليد. وإن كان متبحراً في مذهب واحد من آحاد أئمة السلف فلا يجوز له تقلد القضاء ولا الترصد للفتيا وإذا اجتمع هذه العلوم وكان مجانباً للأهواء والبدع متدرعاً بالورع محترزاً عن الكبائر غير مُصِرّ على الصغائر جاز له أن يتقلد القضاء ويتصرف في الشرع بالاجتهاد والفتوى ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط أن يقلده فيما يَعِنّ له من الحوادث.

انتهى كلام البغوي

شخص اس وقت مجتہد ہوگا اور یہ شرط نہیں کہ سب علموں کو بالکل جانتا ہو حتی کہ کوئی چیز اُن علوم کی اُس سے باقی نہ رہے۔ اور اگر ان علوم پنجگانہ میں سے ایک قسم سے بھی ناواقف ہو تو اس کی سبیل دوسرے کی تقلید کرنا ہے اگرچہ وہ شخص ایک مذہب میں کسی کے ائمہ سلف میں سے ماہر کامل ہو تو ایسے شخص کو عہدہ قضا اختیار کرنا اور فتویٰ دینے کا امیدوار ہونا درست نہیں۔ اور جس صورت میں کہ ان پانچوں علوم کا جامع اور خواہشات نفسانی اور بدعتوں سے علیحدہ ہو اور ورع اور تقویٰ کو شعار بنایا ہو اور کبیرہ گناہوں سے محترز ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ رکھتا ہو تو اُس کو قاضی ہونا اور اپنے اجتہاد سے شرع میں تصرف کرنا جائز ہے اور اس شخص پر جو ان شرطوں کا جامع نہیں تقلید کرنی شخص جامع کی واجب ہے اُن حادثوں میں کہ اس کو پیش آویں۔ تمام ہوا کلام بغوی کا۔

الغرض نصوص متواترہ سے یہ امر تو بالکل محقق ہوگیا کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو اُس میں علماء کی تقلید کرنی چاہیئے اس لئے مطلق تقلید کو تمام محققین اہلِ حدیث بھی واجب تسلیم کرتے ہیں۔ اکثر اہلِ حدیث مطلق تقلید کی فرضیت کے قائل بھی ہیں۔

اب خلاف تقلید شخصی میں رہا (یعنی کسی امام معین کی تقلید ہر مسئلہ اور ہر حکم میں کرنا) یہ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک واجب ہے کیونکہ مطلق تقلید جس کی فرضیت عند الفریقین مسلم ہے اُس کے دو فرد ہیں۔ شخصی اور غیر شخصی اس لئے جائز ہوا کہ اس مطلق فرض کو اُس کے جس فرد میں چاہیں ادا کر دیں۔ تقلید غیر شخصی کر کے بھی اس فریضہ سے ایسے ہی بری ہو سکیں جیسے تقلید شخصی کر کے بری ہوتے ہیں۔

عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا۔

ف۔ اس میں بھی وہی مضمون بالا ہے۔

عبارت سوم۔ صفحہ ۶ سطر ۱۵۔ قولہ۔ اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روا نہ رکھتے تھے۔ جرائم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی۔ بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنیٰ اور تعزیرات کی مشق کے لیے غرباء و ضعفاء قوم کے بدن وقف تھے۔

ف۔ اس میں صریح مذمت عالی نسب لوگوں کی اور گہری ہمدردی غریب اور ضعیف قوموں کی ہے۔

عبارت چہارم۔ صفحہ ۷ سطر ۳ حدیث ایھا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الا بالتقوی۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (ترجمہ) اے لوگو تمہارا مالک ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلت تقویٰ کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول و فعل، علم و عمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا۔ قانون کی دفعات اور ان کے نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا۔ ؎

شاہ و گدا بہمت دریا دلاں یکے ست  پوشیدہ است پست و بلند زمین در آب

ف۔ اس میں بمقابلہ تقویٰ کے دوسرے اسباب فضائل کی صریح نفی ہے۔

عبارت پنجم۔ صفحہ ۱۵ سطر ۲ قولہ۔ شرعی عزت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے۔ ذات پات کی اونچ نیچ اصناف و اقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا۔ ارشاد خداوندی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو اور اسی مضمون کے لیے عارف جامیؒ کا یہ شعر دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ؎

کیونکہ مامور بہ جب مطلق ہوتا ہے تو لا علی التعیین اُس کے فرد کو ادا کر دینے سے مامور بری الذمہ ہو جاتا ہے دیکھو اگر کوئی شخص اپنے خادم کو حکم کرے کہ کسی آدمی کو بلا لو تو وہ مختار ہے چاہے زید کو بلائے یا عمر کو یا بکر وغیرہ کو اور وہ جس کو بلائے گا اپنے فرض منصبی سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

اسی لئے چونکہ مامور بنص قرآن مطلق تقلید ہے اور اُس کے دو فرد ہیں صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں دونوں فرد پر عمل ہوتا رہا کوئی تقلید شخصی کرتا تھا اور کوئی غیر شخصی تقلید شخصی کرنے والے غیر شخصی کرنے والوں پر کوئی گرفت نہ کرتے اور علیٰ ہذا تقلید غیر شخصی کرنے والے شخصی کرنے والوں کو باطل پر نہ سمجھتے تھے جس کو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب روایات سے مشاہدہ کر کے دکھلایا جائے گا۔

الغرض دونوں قسم کی تقلید زمانہ صحابہ و تابعین میں ہوتی رہی لیکن جب دوسری صدی کے اخیر میں دیکھا گیا کہ مذاہب مجتہدین کے بکثرت پیدا ہو گئے۔ بہت کم احکام ایسے باقی رہے جن کے حرمت و جواز میں یا کراہت و استحباب وغیرہ میں خلاف نہ ہو۔ ادھر ابنائے زمانہ میں ہوا و ہوس کا غلبہ دیکھا گیا وہ رخصتوں کو تلاش کرنے لگے جس امام مجتہد کا جو مسئلہ اپنی خواہش کے موافق ملا اُس کو اختیار کر لیا اور باقی کو پس پشت ڈالا۔ یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ یہ دین متین ایک خواہشات کا مجموعہ بن جائے اور بجائے اس کے کہ مسلمان اپنے دین کا اتباع کریں۔ اب یہ دین کو اپنی خواہش کے تابع بنالیں گے اس لئے اس زمانہ کے زیرک اور دوراندیش علماء نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اب تقلید غیر شخصی میں اتنے بڑے بڑے مفاسد پیدا ہو گئے اور آئندہ اُن سے بڑے مفاسد کا اندیشہ ہے اس لئے اس وقت مصلحت شرعی کا تقاضا یہ ہے کہ تقلید غیر شخصی سے لوگوں کو روکا جائے اور سب کو تقلید شخصی پر جمع کر دیا جائے۔

اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔ چنانچہ محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ جن کی جلالۃ قدر اور علم حدیث کا اعتراف محققین اہل حدیث مثل نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کو بھی ہے اپنے رسالہ الانصاف ص ۵۹ میں فرماتے ہیں۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی۔ جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں۔ مرد اگر عورت سے افضل ہے تو جب ہی کہ دولت تقویٰ میں اوس سے کم نہ ہو۔ عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے تو اسی شرط کے ساتھ ہے۔ سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے تو وہ بھی اوسی وقت کہ سادات کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے۔

ف۔ اس میں نہایت شدومد سے عبارت چہارم کے مدلول کا اعلان ہے۔

عبارت ششم۔ صفحہ ۲۰ سطر ۱۲۔ قولہ۔ الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وارد ہے، منشا اس کا بھی وہی تقویٰ و طہارت کی کمی ہے اگر کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار کرے لیکن تقویٰ و طہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو وہ اس مذمت کا مورد نہیں ہو سکتا۔

ف۔ اس میں تصریح ہے کہ جو پیشے شریعت سے جائز ہیں اگر تقویٰ و طہارت کے ساتھ ہوں تو ان میں خود کوئی برائی نہیں۔ باقی باوجود برائی نہ ہونے کے جو ان میں عرفاً تفاوت ہے اس کا مبنی خاص مصالح ہیں جن کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہے۔ اور حکام نے بھی اس کو مان لیا ہے۔ چنانچہ عالمگیری جس میں ایسے مسائل مذکور ہیں، حکومت موجودہ کے قانون میں بھی داخل اور مسلم ہے اس سے اہانت لازم نہیں آتی۔

عبارت ہفتم۔ صفحہ ۳۱ سطر ۷ قولہ۔ ارشاد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ ہر قوم کو چاہیے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آئے ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاویں گے (رواہ البزار فی مسندہ روح صفحہ ۱۹۹)

ف۔ اس میں نسب پر فخر کرنے والوں کے لیے کیسی سخت وعید ہے۔

وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب بالمجتهدين باعيانهم وكان هذا هو الواجب فى ذالك الزمان۔

دوسری صدی کے بعد لوگوں میں خاص خاص ائمہ کے مذہب کی پابندی یعنی تقلید شخصی شروع ہوئی اور اس زمانہ میں یہی واجب تھی۔

چونکہ مطلق تقلید کے دو فرد میں سے تقلید غیر شخصی مضر ثابت ہوئی اس لئے اب غرض تقلید کا ادا کرنا صرف تقلید شخصی میں منحصر ہوگیا اور بوجہ ذریعہ ادائے فرض (بہ ثبوت ظنی) ہونے کے واجب ہوگئی۔

# تقلید شخصی کے وجوب کی ایک واضح مثال

## خلافت راشدہ کے عہد میں

اہل علم پر مخفی نہیں کہ عرب کے قبائل کی زبانیں عربی ہونے میں مشترک ہونے کے باوجود مختلف تھیں جیسے ہندوستان میں پورب پچھم اور دلی لکھنؤ کی زبانیں مختلف سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ قرآن مجید کو ان ساتوں لغت پر نازل کیا جاوے تاکہ کسی قبیلہ کو شکایت یا پڑھنے میں کلفت نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء و تمنا سے قرآن کریم سات لغات پر نازل ہوا جس کو حدیث کے الفاظ میں سبعة احرف سے تعبیر کیا گیا ہے (موطا امام مالک) اور عہد نبوت میں ان ساتوں لغت کے موافق قرآن مجید پڑھا جاتا رہا۔

مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب عجم کی فتوحات ہوئیں اور قرآن کریم عجم میں شائع ہوا۔ اس وقت لغات سبعہ کے تفرق کی وجہ سے اہل عجم حیران ہوئے۔ اور اندیشہ ہوا کہ یہ لغات سبعہ جو آسانی کے لئے طلب کئے گئے تھے اب کہیں مشکلات بلکہ تحریفات کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ اس لئے جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ اب قرآن مجید کو صرف ایک ہی لغت میں پڑھا جائے۔ بقیہ لغات میں پڑھنے اور لکھنے کی ممانعت فرمادی اور صحابہ کرام کے بہت بڑے مجمع نے اس کو بچشم صواب دیکھا اور نہایت ضروری خیال

عبارت ہشتم، صفحہ ۳۲ سطر ۱۔ قولہ حسب نسب پر فخر و غرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث و تفسیر اور اخلاق و سیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائح کا مفصل تذکرہ کیا گیا اور بلا شبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گرانقدر جواہرات کا ہار لٹکا دے تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اور نہ سڑے ہوئے مردہ میں کوئی زینت۔

ف۔ یہی اوپر والا مضمون کس زور و شور سے لکھا گیا ہے۔

عبارت نہم۔ صفحہ ۳۹ سطر ۱۶ خلاصہ شرافت نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے۔ مگر غیر اختیاری ہے جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا یا خوبصورت اور خوش الحان ہونا وغیرہ۔ جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو اس کا فرض ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے۔ خداوند سبحانہ و تعالیٰ کا شکر کرے اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے جو اصلی فضائل ہیں اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں ذرا حقیر نہ سمجھے کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پی چاہے" ؎

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ف۔ اس میں شرف نسب کا درجہ اور اس پر فخر کی مذمت کیسی صاف صاف ہے۔

عبارت دہم۔ اول ایڈیشن میں (حاشیہ بر رسالہ الحق وصل السبب) قولہ، اگر خداوند عالم نے (ہمارے مجوزہ دستور العمل کے موافق) اس (جماعت) کی کوشش کو بار آور کیا تو پھر وہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ علماء و فضلا اور کل انسانوں کے سمجھدار طبقے ان کو اپنے سروں پر جگہ دینے اور معزز القاب کے ساتھ خطاب کرنے کے لیے کس طرح تیار ہوں گے اور آج بھی اس قوم کے ہزاروں افراد جو صحیح تعلیم اور اسلامی اخلاق کے زیور سے آراستہ ہیں کوئی شریف انسان اور مہذب مسلمان ان کو ایسے الفاظ سے خطاب نہیں کرتا جس سے ان کی ادنیٰ توہین ہو چنانچہ خود حضرت مؤلف التبلیغ (اشرف علی) نے اسی قوم میں سے بعض علماء کو یہ عزت دی ہے کہ ان کو خلافت طریقت یعنی بیعت و تلقین کی اجازت دی اور طالبان حق کو ان سے طریق اصلاح اخذ کرنے کے لیے رہبری کرتے ہیں۔

کیا کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔ غرض باجماع صحابہ سبعۃ احرف میں سے حرف واحد پر اقتصار کرنا ضروری اور واجب سمجھا گیا۔

بعینہٖ یہی مثال تقلید شخصی اور غیر شخصی کی ہے کہ قرونِ خیر میں چونکہ اتباعِ ہوی کا غلبہ نہ تھا وہاں تقلید کی دونوں قسموں میں اختیار تھا جس پر چاہے عمل کرے۔ مگر قرون مابعد یعنی تیسری صدی کے اوائل میں جب غلبۂ ہوا و ہوس مشاہد ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق ہوائے نفسانی لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگی تو علمائے وقت نے باجماع یہ ضروری سمجھا کہ تقلید غیر شخصی سے لوگوں کو منع کیا جاوے اور صرف تقلید شخصی ہی واجب کبھی جاوے ورنہ تقلید غیر شخصی کی آڑ میں لوگ محض اپنے نفس کے مقلد بن جائیں گے جو کہ باجماع امت حرام ہے۔

حافظ ابن تیمیہ جن کو حضرات غیر مقلدین بھی امام مانتے ہیں۔ انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اس پر اجماع امت کا دعویٰ کیا ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق سمجھ کر بغرض اتباع ہوا کسی حدیث یا کسی امام کے مذہب کو اختیار کرنا حرام ہے۔

حیث قال فیمن نکح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثا فارادا التخلص من الحرمة المغلظة بان النکاح کان فاسدا فی الاصل علی مذهب الشافعی فلم یقع الطلاق ما نصه وهذا القول یخالف اجماع المسلمین فانهم متفقون علی ان من اعتقد حل الشیٔ کان علیه ان یعتقد ذلك سواء وافق غرضه او خالف ومن اعتقد تحریمه کان علیه ان یعتقد ذلك فی الحالین وهؤلاء المطلقون لا یقولون بفساد النکاح بفسق الولی الا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث یکونون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوی ومثل هذا لا یجوز باتفاق الامة (ثم قال بعد ثلاثة اسطر) ونظیر هذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا کان طالبا لها وعدم ثبوتها اذا کان مشتریا فان هذا لا یجوز بالاجماع وکذا من بنی علی صحة ولایة

(چنانچہ اس وقت ادن میں سے دو بزرگ شریک ہیں ایک تو ضلع اعظم گڈھ میں دوسرے مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں ۱۲ اشرف علی) اگر اہانت مقصود ہوتی تو اس اعزاز کے کیا معنی بلکہ متقدمین و متاخرین مصنفین میں جس کسی کے کلام میں اس قسم کے اقوال و قصص نقل کیے ہیں اصل تو درحقیقت ادن میں کسی کی توہین نہیں بلکہ صرف اس پر تنبیہ ہے کہ بعض پیشوں کی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں، کہ ادن میں پڑ کر اکثر آدمی تعلیم اسلامی اور اخلاق اسلامیہ سے محروم ہو جاتے ہیں اور غرض اس کی بھی یہ نہیں کہ لوگ اس پیشہ کو چھوڑ دیں بلکہ یہ ہے کہ اس پیشہ میں مشغول ہونے والے اس کا زیادہ دھیان رکھیں کہ کہیں وہ بھی اوسی ضرب المثل کے مصداق نہ بن جائیں جو اس پیشہ والوں کی نسبت مشہور ہو چکی ہے بلکہ اپنے اعمال و اخلاق کے ذریعہ دنیا پر واضح کر دیں کہ اسلامی تعلیم وہ کیمیا ہے کہ جس پر عمل کرنے کے ساتھ کوئی پیشہ والا ذلیل نہیں رہ سکتا۔

ف۔ اس میں پیشہ والوں کو نصیحت و خیر خواہی کے ساتھ ادن کی کس قدر ہمدردی و حمایت کی گئی ہے۔

# خاتمہ

اس وقت نمونہ کے طور پر بہت قلیل اور مختصر عبارتیں لکھ دی گئی ہیں، جو عالم ہوں وہ ان عبارات میں غور کر کے اپنا رنج و غم دور کریں اور آیت پیشانی تحریر ہذا کے مقتضا کی موافق ہمیشہ روایات کے متعلق احتیاط سے کام لیں بے احتیاطی سے طرح طرح کے گناہوں اور غموں میں ابتلاء ہو جاتا ہے۔

والسلام

اشرف علی از تھانہ بھون۔ ۶، رجب ۱۳۵۴ھ۔

نوٹ:۔ خود قوم مومن کے بعض اہل علم نے بھی اس رسالہ کے حق و صحیح ہونے اور کسی قوم کی دل آزاری پر مشتمل نہ ہونے کے متعلق مضامین لکھے ہیں جو انشاء اللہ عنقریب بشکل رسالہ شائع ہوں گے۔ ۱۲۔ مدیر۔

الفاسق فی حال نکاحہ وبنی علی فساد ولایتہ حال طلاقہ لم یجز ذلک باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلک وانا الیوم التزم ذلک لم یمکن من ذلک لہ لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعۃ الی ان یکون التحلیل والتحریم بحسب الاھواء (فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ص ۲۴۰ و ۲۴۱)

مقلدین پر اعتراض کرنے والے حضرات سوچیں کہ ان حضرات صحابہؓ کو وہ کیا کہیں گے جنھوں نے عوام کی غلطی میں پڑجانے کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کئے ہوئے سات لغات میں سے صرف ایک کو بتعیین واجب کرکے باقی کو ناجائز قرار دے دیا اور اگر وہ ان حضرات کی طرف سے کوئی توجیہ کرتے ہیں تو کیا مقلدین اُن سے اس کی توقع رکھیں کہ ان کی طرف سے بھی وہی توجیہ قبول کرلی جاوے۔

**ایک مسئلہ فقہیہ** اسی کی نظیر ایک مسئلہ فقہیہ بھی ہے کہ سبع قرأت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر منقول ہیں۔ ساتوں قرأتوں میں قرآن کا پڑھنا ہمیشہ معمول رہا ہے لیکن شارح منیہ علامہ حلبی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ زمانہ جہل ونادانی کا ہے اس لئے بہتر یہ ہے بجز اُس قرأت کے جو اپنے ملک میں رائج ہو دوسری قرأت نہ پڑھی جاوے۔ تاکہ عوام اس مغالطہ میں نہ پڑجائیں کہ قرآن کے الفاظ میں اختلافات ہیں۔

**(سوال دوم) تقلید شخصی کب سے شروع ہوئی اور کیوں ہوئی؟** قرون مشہود لہا بالخیر یعنی زمانہ صحابہ وتابعین میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ جو شخص کسی مسئلہ سے واقف نہ ہوتا تھا وہ کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر اُس کی تقلید کرکے عمل کرتا تھا اور اس میں تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کے نظائر اُس عہد مبارک میں ملتے ہیں۔ تقلید غیر شخصی کا چونکہ حضرات اہل حدیث بھی اقرار کرتے ہیں اس لئے اُس کے نظائر جمع کرنے کی ضرورت نہیں صرف وہ چند واقعات لکھے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں بھی بعض لوگ تقلید شخصی

حکم الازدواج
مع
اختلاف دین الازواج

# مختلف المذہب زوجین کے احکام

کے پابند تھے۔ اور کسی ایک ہی عالم کو اپنا مقتدا بنایا ہوا تھا۔ تمام مواضع خلاف میں اُن کے مذہب کو راجح سمجھ کر اسی پر عمل کرتے ہیں۔

محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں

اختلف فی کثیر من الاحکام واتبعہ فی ذلک اصحابہ من اھل مکۃ

یعنی حضرت ابن عباس نے جب مکہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں دوسرے صحابہ کے خلاف کیا اور بہت سے اہلِ مکہ نے حضرت ابن عباس رضؓ کے قول کو مرجح بنا کر انھیں کے فتوای پر عمل کیا۔

محل خلاف میں ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دینا اور اُن کے فتویٰ پر عمل کرنا ہی تقلید شخصی ہے۔

نیز حجۃ اللہ ہی میں فرماتے ہیں۔ وکان ابراھیم واصحابہ یرون ابن مسعودؓ واصحابہ اثبت الناس فی الفقہ۔

یعنی حضرت ابراہیم نخعی اور اُن کے تلامذہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور اُن کے تلامذہ کو فقہ میں اثبت الناس سمجھتے۔ محل خلاف میں اُنھیں کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور تقلید شخصی کا کوئی اس سے زائد مفہوم نہیں۔

اور ابوداود و مجتبائی ص ۸۸ ؍ عن عمرو ابن میمون قال قدم علینا معاذ بالیمن رسولَ رسولِ اللہ الی قولہ فالقیت محبتی علیہ فما فارقتہ حتی دفنتہ بالشام میتًا ثم نظرت الی افقہ الناس بعدہٗ فاتیت ابن مسعود رضؓ فلزمتہ حتی مات الحدیث۔

یعنی عمرو ابن میمون کہتے ہیں کہ جب معاذ ابن جبل رضؓ یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو کر تشریف لائے تو میں نے اُن سے محبت کی اور اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک کہ اُن کو شام میں دفن کر لیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اب افقہ الناس کون ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور اُن کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

مقام تالیف ــــــــــ دیوبند

زمانۂ تالیف ــــــــــ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

اشاعت اوّل ــــــــــ دارالاشاعت دیوبند

"یہ مقالہ درحقیقت حکیم الامت حضرت
مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی تالیف
"الحیلۃ الناجزہ" کا ایک ضمیمہ ہے جس میں یہ واضح
کیا گیا ہے کہ زوجین اگر مختلف المذہب ہوں
یا ان میں سے کوئی مرتد ہوجائے تو اس سے احکام
شرعیہ پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے!"

الحاصل تقلید زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ آپ کے حکم سے ہوئی اور پھر صحابہ میں ہمیشہ رہی۔ بعض حضرات نے مطلق تقلید سے کام لیا بعض نے تقلید شخصی سے۔
باقی رہا آپ کا یہ سوال تقلید کیوں ہوئی؟ تو اول تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا امر فرمایا جمہور صحابہ نے اس پر عمل کیا تو ہر ایک مسلمان کے لئے اس سوال کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ "کیوں ہوئی"۔ علاوہ بریں اس کی حکمت کچھ مخفی بھی نہیں کیوں کہ تقلید کا حال علوم دینیہ میں بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ علوم دنیویہ طب و ریاضی و ہیئت کا اور دست کاریوں مثل نجاری و معماری وغیرہ کا کہ ناواقف کو ان سب میں بدون تقلید کسی واقف کے چارہ نہیں سو ایسے ہی علوم دینیہ میں ناواقف کو بدون تقلید واقف کے چارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
(۳) تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی کی کیوں کی جاتی ہے۔ کیا کوئی دوسرا امام اس درجہ کا نہیں ہوا جس کی تقلید کی جائے۔ اور کیا ائمہ اربعہ کی تقلید کا حکم کسی نص میں وارد ہوا ہے؟
ائمہ اربعہ پر سلسلہ تقلید ختم ہونا کوئی امر عقلی یا شرعی نہیں بلکہ محض اتفاقی ہے کہ مشیت خداوندی سے اُن چار مذاہب کے سوا اور جتنے مذاہب تھے مندرس ہو گئے اور مٹ کر کالعدم یکسر ہو گئے۔ دو چار دس بیس یا پچاس سو اقوال و احکام اگر آج اُن کے منقول موجود بھی ہوں تو وہ کوئی مستقل مذہب نہیں بن سکتا۔ کہ لوگ اس کی تقلید کیا کریں کیونکہ اگر ان سو پچاس احکام میں اُن کی تقلید کر بھی لی تو باقی ہزاروں مسائل میں کیا کریں گے۔
اب جب کہ دیکھا گیا کہ کل مذاہب سوائے ان چار مذہبوں کے مندرس ہو گئے تو ناچار سلسلہ تقلید انہیں میں منحصر ہو گیا۔
چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں ظاہریہ کے مذہب پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمته و انكار الجمهور على منتحليه و لم يبق الا فى الكتب المجلدة۔
اور اسی تاریخ ابن خلدون میں یہ بھی مصرح ہے کہ وقف التقليد فى الامصار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ولا سیما علی سیدنا المجتبیٰ ومن بھدایہ اھتدیٰ

وبعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ مذہب زوجین کے اختلاف کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو۔ دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

**پہلی صورت** میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال جائز نہیں خواہ کفر کی کوئی قسم ہو۔ اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اوّل یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے نکاح سے منع فرما دیا تھا۔

(اخرجه الحافظ ابن كثير في تفسير قوله تعالى ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن والامام محمد في كتاب الآثار وصرح بالكراهة واختار انها تحريمية في الحربية العلامة الشامي في محرمات رد المحتار ص ۳۱۳ ج ۲)

اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں۔ بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین اور دنیا کو تباہ کر دینے والے ہیں جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف وطرقه ولما كثر تشعب الاصطلاحات في العلوم ولما عاق عن الوصول الى رتبة الاجتهاد ولما خشي من اسناد ذلك الى غير اهله ومن لا يوثق برأيه ولا بدينه فصرحوا بالعجز والاعواز وردوا الناس الى تقليد هؤلاء كل من اختص به من المقلدين وحظروا ان يتداول تقليدهم لما فيه من التلاعب ولم يبق الا نقل مذاهبهم وعمل كل مقلد بمذهب من قلده منهم بعد تصحيح الاصول واتصال بسندها بالرواية ۔ ولا محصول اليوم للفقه غير هذا ومدعى الاجتهاد لهذا العهد مردود على عقبيه مهجور تقليده وقد صار اهل الاسلام اليوم على تقليد هؤلاء الائمة الاربعة انتهى كلامه۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ عقد الجید ص ۳۸ میں فرماتے ہیں ، ولما اندرست المذاهب الحقة الاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم۔

اور شیخ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة ۔

اور علامہ ابن حجر مکی فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں اما في زماننا فقال ائمتنا لا يجوز تقليد غير الائمة الاربعة الشافعي ومالك وابي حنيفة واحمد ابن حنبل ۔

اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں من كان خارجاً عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔

اب کسی کا اس پر یہ دلیل طلب کرنا کہ تقلید چار میں کیوں منحصر ہو گئی محض بیجا ہے اور بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص کے اولاد کثیر ہو لیکن وہ مرتے رہیں یہاں تک کہ جب باپ کا انتقال ہو تو چار بیٹوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے ۔ اب ظاہر ہے کہ تقسیم میراث انھیں

## دوسری صورت

یعنی نکاح کے بعد زوجین کا یا اُن میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے اس کے چار احتمال ہیں۔

دوسری صورت کے احتمال اول و دوم کا حکم

**پہلا احتمال** یہ ہے کہ دونوں کافر تھے پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے۔

**دوسرا احتمال** یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے۔

اُن[1] دونوں احتمالوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بعینہٖ قائم رہتا ہے کما صرح به فی نکاح الکافر التنویر وسائر المتون)

تیسرے احتمال کے جزو اول کا حکم

**تیسرا[2] احتمال** یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جاوے اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے اس کے دو جزو ہیں۔

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو جائے اور عورت کفر پر رہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کتابیہ[2] ہے تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بحالہٖ قائم رہے گا گو وہ اہل کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کرے مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہو جائے یا بالعکس اسی طرح اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے اُسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کر لیا اس صورت میں بھی نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ البتہ اگر اس کا عکس ہوا یعنی اسلام زوج کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کر لی تو نکاح ٹوٹ جاوے گا۔ کما صرح به فی باب نکاح الکافر من الدر المختار والشامی۔

اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ یہ واقعہ دار[3] الاسلام میں ہوا ہے تو قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے اگر اسلام قبول کر لے تو نکاح بحالہٖ قائم رہے گا اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے یا سکوت کرے تو

[1] گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کر دیا گیا ۱۲ منہ

[2] بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو پس اگر اسلام پھر کر کتابیہ ہوئی تھی تو اس کے نکاح سابق کو باطل کہا جاوے گا ۱۲ منہ

[3] یعنی میاں بیوی دونوں دار الاسلام میں ہوں اور اگر ایک دار الاسلام میں ہو اور دوسرا دار الحرب میں ہو تو تفریق قاضی نہیں ہو سکتی بلکہ تین حیض گزرنے پر تفریق ہو جاوے گی یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا کما صرح به الشامی تحت قول الدر ولو اسلم احدہما ۱۲ منہ

چاروں میں منحصر ہوگی۔ حالانکہ اولاد ان کے سوا اور بھی تھی۔ لیکن آپ نے کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہوگا کہ میراث انہیں چار میں کیوں منحصر ہوگئی۔ اور جو کوئی کہے تو اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ بجائی مشیت ایزدی یہی تھی۔

ملاجیون صاحبؒ نے تفسیر احمدی میں لکھا ہے والانصاف ان انحصار المذاھب فی الاربع فضل الٰہی وقبولیۃ من عند اللہ لامجال فیہ للتوجیہات و الادلۃ ۔ انتھیٰ۔

باقی رہا آپ کا یہ فرمانا کہ کونسی آیت قرآن وحدیث نبوی ان کے نام وارد ہوئی سو یہ ایک عجیب سوال ہے۔ احکام شرع نام بنام وارد نہیں ہوا کرتے ورنہ پھر یہ بتلائیے کہ کونسی آیت قرآنی وحدیث نبوی آپ کے نام سے وارد ہوئی ہے کہ آپ کو روٹی کھانا اور کپڑا پہننا جائز ہے۔ کونسی آیت میں آپ کا نام لے کر یہ تبلایا ہے کہ آپ کو سونا اور اٹھنا بیٹھنا جائز ہے۔ اگر ثبوت احکام میں نام بنام آیت کی ضرورت ہوا کرے تو انشاء اللہ دنیا میں آج نہ کسی پر کوئی چیز فرض واجب رہے گی اور نہ حرام و مکروہ۔ کونسی آیت یا حدیث آپ دکھلائیں گے جس میں آپ کا نام لے کر آپ پر نماز واجب کی گئی ہو۔

اسی طرح مثال مذکور میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ چار بیٹوں کو جو میراث دی گئی ہے کونسی آیت یا حدیث ان کے نام بنام وارد ہوئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ حکم عام سب کے لیے موجود ہے سو وہ دربارۂ تقلید ائمہ بھی موجود ہے جیسا کہ اوپر گذرا مثل قول باری تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ کیونکہ ائمہ اربعہ بلاشک اہل ذکر میں سے ہیں۔



## سوال نہم
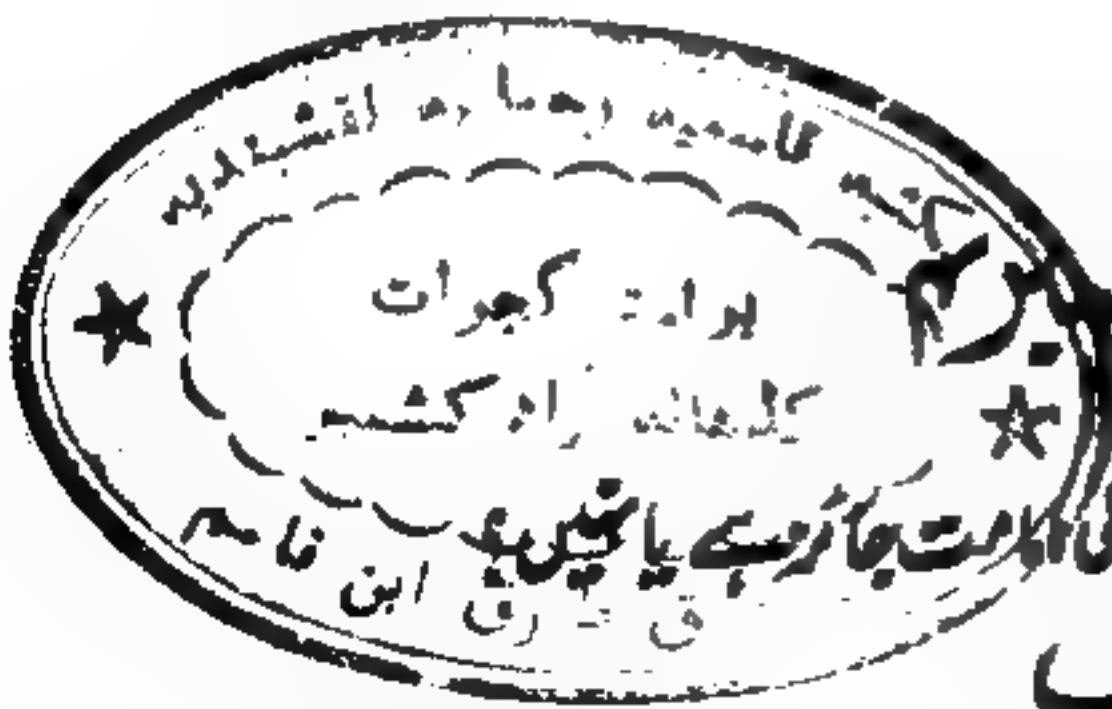
جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہ ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب

ایسے شخص کی امامت فی نفسہ تو جائز ہے مگر چونکہ اس زمانہ میں جو لوگ ائمہ مجتہدین کی

نکاح فوراً فسخ کر دیا جائے اور اگر یہ واقعہ دار الحرب میں ہوا ہے تو وہاں عورت پر تین حیض گزر جانا ہی اسلام سے انکار کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو اور تین حیض اسی حالت پر گذر جائیں تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے اور خاوند کفر پر باقی رہے تو خواہ یہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دار الاسلام کا ہے تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا۔ اور اگر اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے اور اگر یہ واقعہ دار الحرب کا ہے تو عورت کے تین حیض گزر جانا ہی انکار اسلام کے قائم مقام ہو جاوے گا اور بعد تین حیض گزرنے کے عورت بائنہ ہو جاوے گی۔

(حاشیہ: [illegible])

## عدت کا حکم

### (بصورت اسلام احد الزوجین)

اگر زوجہ اور شوہر دونوں دار الاسلام میں ہوں اور عرض اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دار الحرب میں ہیں اور اس لئے عرض اسلام نہ ہو سکا بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں۔

اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک

ف یعنی اس کو اسلام کے بعد اس زوجہ کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے اگر عدت واجب ہوتی تو انقضاء عدت سے قبل اس کی ہمشیرہ وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا اور عدت واجب ہونے کا ایک ثمرہ یہی ہے کہ اگر یہ عورت مسلمان ہو جاوے تو اس کو فوراً کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو ورنہ بعد وضع حمل ۱۲ منہ

تقلید نہیں کرتے اور بزعم خود حدیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں اُن کے بعض افعال ایسے ہیں جو مفسد صلوٰۃ ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ لوگ ڈھیلے سے استنجا نہیں کرتے اور اس زمانہ میں قطرہ کا آنا عموماً یقینی ہوگیا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے پاجامے اکثر ناپاک ہوتے ہیں بایں وجہ اُن کی امامت سے احتراز چاہیئے فقط

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ العبد الضعیف
محمد شفیع عفا اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۵ھ ہجری

---

# مسئلہ تقلید

## پر

## حضرت قاسم العلوم والخیرات نوراللہ مرقدہٗ کا محققانہ تبصرہ

تقلید کی بات سنئے۔ لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابلِ علاج اور ہر ایک ڈاکٹر قابل معالجہ ہے اور پھر وقت اختلاف تشخیص الامراض یا مخالف رائے ڈاکٹران جب طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے۔ ہر بات میں اُسی کا کہنا کیا جاتا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سُنی جاتی ایسی ہی وقتِ اختلاف ائمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اُسی کی تابعداری ضروری ہے۔ ہاں جیسی کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اول کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور

عدت واجب نہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے (شامی باب نکاح الکافر ص ۶۴۱ ج ۲)

چوتھا احتمال یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جاوے اس کے دو جزو ہیں ایک خاوند کا مرتد ہو جانا۔ دوسرے زوجہ کا مرتد ہونا۔ دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

ف زوجین کے اختلافِ مذہب کی پہلی صورت کے احکام میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اوّل کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا و اختلاف نہ تھا اس لئے اُن کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا بلکہ صرف حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفاء کیا گیا اور چوتھے احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ خفا و اختلاف تھا اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

## حکم ارتداد شوہر

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے قضائے قاضی اور حکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل ہوا ہے تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے کما فی الدر المختار (وارتداد احدهما) ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عددا (عاجل) بلا قضاء فللموطوءة ولو حکما کل مهرها لتاکده به و لغیرها نصفه لو سمی او المتعة لو ارتدا و

---

سے البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں ۱۲ منہ

بعد تبدیل مذہب ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات اُن کی لی اور تدبیر سے ایک لامذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا۔ امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد ہی رہے۔ امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے۔ ترمذی شریف انھیں کی تصنیف ہے باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر مقلد ہی رہے امام شافعیؒ کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہوگا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو۔ اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا۔ اور اول تو کروڑں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے جس عاقل سے پوچھو گے یہی کہے گا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی۔

باایں ہمہ یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب سے نہیں پوچھتا یہ دیکھ کر یہ بھی یہی انداز اختیار کرے کہ اپنا علاج اپنے آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تو تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائیں گے یا بے وقوف۔ سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجئے آج کل کے عالم یقین جانئے کل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں دو کتابیں اردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے۔

باقی رہی تراویح اس میں جو آج کل ملاؤں نے تخفیف نکال دی ہے یعنی بیس کی آٹھ کر دی

علیہ نفقۃ العدۃ۔

وفی رد المحتار (قولہ بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدۃ فی المدخول بہا کما فی البحر (شامی باب نکاح الکافر ص ۴۲۵ ج ۲)

اور عالمگیری کتاب النکاح باب عاشر صفحہ ۳۱۰ جلد ۱ (مصری) میں ہے اذا ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعدہٗ

## تنبیہ ضروری

بعض لوگوں نے صرف ان عبارات کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تب بھی نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور اسی بناء پر محض ناواقفیت سے تمام روایات فقہیہ کے خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا اور ارتداد کی بلائے عظیم میں مبتلا ہو کر اپنے عمر بھر کے اعمالِ صالحہ برباد کر دیئے حالانکہ شرعی طور پر اب بھی اُن کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کر کے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے جس کی تفصیل ارتداد زوجہ کے بیان میں عنقریب آرہی ہے۔

ف ۱ ارتداد زوجہ میں روایات کا اختلاف

## حکم ارتدادِ زوجہ

زوجہ کے ارتداد میں[ف ۱] روایات مختلف ہیں اور کسی قدر تفصیل ہے جو ذیل میں بحوالہ کتب درج ہے۔

ف ۲ تفصیل روایات

(۱) فی الہدایۃ[ف ۲] من باب نکاح الکافر۔ اذا ارتد احد الزوجین

ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آتی ہے۔ پر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں تو وہ تہجد کی رکعتیں ہیں تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہزار ہا صحابہ تھے اُس زمانے سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت میں حجت نہ کی تھی مگر آج کل ایسے اَن پڑھ اعالم پیدا ہوئے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کی بھی غلطی نکالی سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال۔

باقی یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے یہ خیال خام ہے۔ یہ بات اتنی بات سے کیونکر نکل آئی کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس کا اہتمام شروع ہوا۔ دیکھئے پہلے زمانہ میں نکاح ثانی کا اس لئے چنداں اہتمام نہ تھا کہ اس نکاح کو اتنا بُرا نہ سمجھتے تھے جب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ دیکھا کہ اس امر خیر کو آج کل معیوب سمجھنے لگے انھوں نے اس کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا آخر کار اُن کی اولاد اور اُن کے شاگردوں نے اس کو جاری کرنے میں کمر باندھی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نکاح ثانی شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان کا ایجاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات نہیں۔ ایسی ہی بیسؔ رکعت کو حضرت عمرؓ اور اُن کے زمانہ کے صحابیوں کا ایجاد نہ سمجھئے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھئے ورنہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت عمرؓ سُنّی نہ تھے اور ان کے زمانہ کے صحابی سنّی نہ تھے سب کے سب نعوذ باللہ بدعتی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مٹادیا، اپنی سنت جاری کردی اب تمھی بتاؤ حضرت عمرؓ اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بُرا سمجھنے والا کون ہوتا ہے۔

میاں جیو صاحب حضرت عمرؓ اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم صحیح صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ ایک دو حدیث لکھے دیتا ہوں انھیں مولوی صاحب سے ان کا ترجمہ کرا لینا جو آٹھ رکعت گاتے پھرتے ہیں۔ ایک حدیث تو یہ لیجئے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی دوسری لیجئے اقتدوا بالذین من بعدی تیسری لیجئے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم فقط۔

وقعت الفرقة بغير طلاق انتهى۔ قال المحقق ابن الهمام هذا جواب ظاهر المذاهب۔ وبعض مشائخ بلخ وسمرقند افتوا في ردتها بعدم الفرقة حسما لاحتيالها على الخلاص بأكبر الكبائر۔ وعامة مشائخ بخارا افتوا بالفرقة وجبرها على الاسلام وعلى النكاح مع زوجها الاول لان الحسم بذلك يحصل۔ ولكل قاض ان يجدد النكاح بينهما بمهر يسير ولو بدينار رضيت ام لا وتعزر خمسة وسبعين سوطا۔ ولا تسترق المرتدة ما دامت في دار الاسلام في ظاهر الرواية وفي رواية النوادر عن ابي حنيفة رح تسترق (فتح القدير نكاح اهل الشرك ص۲۹۵ ج۳)۔

(۲) وفي فتاوى قاضيخان فصل الفرقة بين الزوجين ص۲۶۶ ج۲:
منكوحة ارتدت والعياذ بالله تعالى حكى عن ابي النصر وابي القاسم الصفار انهما قالا لا يقع الفرقة بينهما حتى لا تصل الى مقصودها ان كان مقصودها الفرقة وفي الروايات الظاهرة يقع الفرقة وتحبس المرأة حتى تسلم وبجدد النكاح سدا لهذا الباب عليها۔

(۳) وفي العالمگيرية الباب العاشر من النكاح مثله وبعض الفاظها تحرم على زوجها فتجبر على الاسلام ولكل قاض ان يجدد النكاح بادنى شيء ولو بدينار سخطت او رضيت وليس لها ان تتزوج الا بزوجها قال الهندواني اخذ بهذا قال ابو الليث وبه ناخذ وكذا في التمرتاشي۔

(۴) وفي الدر المختار وتجبر على الاسلام وعلى تجديد النكاح (الى قوله) وافتى مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها (الى قوله) قال في النهر والافتاء بهذا ارفق بقول مشائخ بلخ) اولى من الافتاء بما في النوادر (الى قوله) وحاصلها انها بالردة تسترق وتكون فيئا للمسلمين عند ابي حنيفة۔

(۵) قال في رد المحتار وعبارة النهر ولا يخفى ان الافتاء بما اختاره

# امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

## کے متعلق

## حفاظ حدیث اور ائمہ اسلام کے چند اقوال بحوالہ

### از

### امام حدیث ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی جلالت قدر اور فضائل و مناقب سے غالباً کوئی شخص جس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو بے خبر نہیں ہوگا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ تفقہ فی الدین اور شان امامت سے وہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکے جو امام صاحب پر طعن و تشنیع ہی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن بہت سے لکھے پڑھے مگر کم علم و کم فہم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ کو حدیث میں وہ پایہ اور مرتبہ حاصل نہ تھا جو دوسرے ائمہ کا امتیازی وصف سمجھا گیا ہے۔ بہت سے علم حدیث اور عمل بالحدیث کے مدعی جو امام ہمام پر طعن و جرح کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم صرف اسی راستہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ علم حدیث اور فن روایت میں امام اعظمؒ کا مرتبہ گھٹایا جائے لیکن انھیں یاد رکھنا چاہئے :-

چراغے را کہ ایزد بر فروزد — کسے کو تف زند ریشش بسوزد

اس مختصر مضمون میں نہ امام موصوف کی سوانح بیان کی جا سکتی ہے نہ وہ تمام اقوال و شہادات جو ائمہ حدیث اور علماء سلف و خلف سے حضرت امامؒ کی شان میں منقول ہیں جمع کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ ہماری غرض اس وقت اس مقالہ کا پیش کرنا ہے جو اس باب میں امام حدیث ابو عمر و بن عبد البرؒ شارح مؤطا مالکی المذہب نے اپنی کتاب جامع العلم میں تحریر فرمایا ہے۔ امام ابن عبد البرؒ تیسری صدی ہجری کے اُن علماء میں سے ہیں جن پر اندلس و قرطبہ کے علم کا مدار سمجھا گیا ہے۔ آپ ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے وہیں علم و فن حاصل کیا پھر

ائمۃ بلخ اولی من الافتاء بما فی النوادر ولقد شاھدنا من المشاق فی تجدیدھا فضلاً عن جبرھا بالضرب ونحوہ مالا یعد ولایحد (الی قولہ) ومن القواعد المشقۃ تجلب التیسیر (قال الشامی بعد نقلہ) قلت المشقۃ فی التجدید لایقتضی ان یکون قول ائمۃ بلخ اولی مما فی النوادر بل اولی مما مر ان علیہ الفتوی وھو قول البخاریین (الی قولہ) تامل (شامی ص ۴۲۲ ج ۲)۔

(۶) وفی تنویر الدر المختار ارتدت لتفارق زوجہا تجبر علی الاسلام وتعزر خمسۃ وسبعین سوطاً ولا تتزوج بغیرہ بہ یفتی ملتقط۔ قال الشامی قولہ لاتتزوج بغیرہ بل تقدم انہا تجبر علی تجدید النکاح بمھر یسیر وھذہ احدی روایات ثلاث تقدمت فی الطلاق الثانیۃ انہا لا تبین رداً لقصدھا السیٔ۔ الثالثۃ مافی النوادر من انہ یتملکہا رقیقۃ ان کان مصرفاً۔ ط (شامی ص ۲۰۰ ج ۳)

(۷) وفی قنیۃ الفتاوی تحرم المعینۃ وتجبر علی الاسلام (برمز النوازل والواقعات للناطفی) وفیہا بعض مشائخ بلخ وابو القاسم الصفار واسمٰعیل الزاھد من ائمۃ بخاری وبعض ائمۃ سمرقند کانوا یفتون بعدم الفرقۃ بردتہا حسماً لباب المعصیۃ وفی الجامع الاصغر عمان شاذان۔ وابو النصر الدبوسی یفتیان بانہا لا تبین (شرح الصباغی) وفیہا المرتدۃ مادامت فی دار الاسلام فانہا لا تسترق فی ظاھر الروایۃ وفی النوادر عن ابی حنیفۃ انہا تسترق بعد الائمۃ الترجمانی) ثم قال ولوکان الزوج عالماً[1] استولی علیہا بعد الردۃ فتکون فیئا للمسلمین عند ابی حنیفۃ رح ثم یشتریہا من الامام اویصرفہا الیہ ان کان مصرفاً فلو افتی مفت بھذہ الروایۃ حسماً لھذا الامر لاباس بہ قلت وفی زماننا بعد فتنۃ التتر العامۃ صارت ھذہ الولایات التی غلبوا علیہا و

---

[1] ھکذا فی الاصل ولم یظھر فائدتہ فلیتامل ۱۲ منہ

اندلس کے مختلف شہروں میں قاضی رہے آپ کی بے شمار تصانیف حدیث وفقہ اور تاریخ میں اپنے اپنے فن کی روح سمجھی گئی ہیں۔ آپ فقہ میں امام مالکؒ کے مقلد ہیں حنفی المذہب نہیں۔ اس لئے آپ کا کلام امام اعظم ابوحنیفہ رح کے بارہ میں اور بھی زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اسی لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ ان کے اصل عربی کلمات بھی درج مضمون کئے جائیں اور ترجمہ دوسرے کالم میں رہے۔ واللہ المستعان

(قال ابو عمرؒ) افرط اصحاب الحديث في ذم ابي حنيفة وتجاوزوا الحد في ذلك والسبب الموجب لذلك عندهم ادخاله الرأي والقياس على آثار واعتبارهما واكثر اهل العلم يقولون اذا صح الاثر بطل القياس والنظر وكان رده لما رد من اخبار الآحاد بتاويل محتمل وكثير منه قد تقدمه اليه غيره وتابعه عليه مثله ممن قال بالرأي وجل ما يوجد له من ذلك ما كان منه اتباعا لاهل بلده كابراهيم النخعي واصحاب ابن مسعود الا انه اغرق وافرط في تنزيل النوازل هو واصحابه والجواب فيها برأيهم واستحسانهم فاتى منهم في ذلك خلاف كبير للسلف وشنع هي عند مخالفيهم بدع وما

امام ابو عمر وابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب حدیث نے امام ابوحنیفہ رح کی مذمت میں سخت زیادتی کی ہے اور حد سے تجاوز کر گئے اور سبب اس کا ان کے نزدیک یہ ہے کہ امام موصوف نے احادیث وآثار میں رائے اور قیاس کو دخل دیا ہے۔ اور اکثر اصحاب حدیث یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو قیاس باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام موصوف نے جن اخبار آحاد کو ترک کیا ہے وہ کسی ایسی تاویل کی وجہ سے کیا ہے جس کی ان اخبار میں گنجائش تھی پھر امام موصوف اس عمل میں متفرد بھی نہیں بلکہ ان سے پہلے دوسرے ائمہ نے بھی ایسا کیا ہے اور ان کے بعد بھی (علماء حقانی) نے ایسا ہی کیا ہے الغرض جو کچھ حدیث میں قیاس کا دخل وغیرہ انہوں نے کیا ہے وہ سب اپنے شہر کے ائمہ حدیث وفقہ کے اتباع میں کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد۔ البتہ امام موصوف کے مقابل میں اس کی کثرت ہے کہ حضرت امام اور ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل کی صورتیں (جزئیات فقیہہ) فرض کر کے ان کے جوابات (جس جگہ حدیث وقرآن میں صریح حکم نہ ملا وہاں) اپنے قیاس سے لکھے ہیں اور سلف نے چونکہ فرضی جزئیات

اجروا احکامھم فیھم کخوارزم وما وراء النھر وخراسان ونحوھا صارت دار الحرب فی الظاھر فلو استولی علیھا الزوج بعد الردة یملکھا ولا یحتاج الی شرائھا من الامام فیتحقق فی ید ہ بحکم الرق حسما لکید الجھلة ومکر المکرة علی ما اشار الیہ فی السیر الکبیر (قنیة القادی ص۸۰ باب نکاح الکافر) قال الشامی بعد نقل ھذہ العبارة من القنیة قولہ یملکھا مبنی علی ظاھر الروایة من انھا لا تسترق ما دامت فی دار الاسلام ولا حاجة الی الافتاء بروایة النوادر لما ذکر من ان بعض علمائھم قالوا بانھا صارت دار الحرب فی زمنھم فیملکھا بعد الاستیلاء علیھا لانھا لیست فی دار الاسلام فافھم (شامی ص۴۰۳ج۲)

(۸) وفی شرح الفقہ الاکبر لملا علی قاری رح۔ وفی المضمرات ولو افتی لامرأة بالکفر لتبین من زوجھا فقد کفر قبلھا او لم تقبل وتجبر المرأة علی الاسلام وتضرب خمسة وسبعین سوطا ولیس لھا ان تتزوج الا بزوجھا الاول ھکذا قال ابو بکر وکان ابو جعفر رح یفتی بھا ولقد بعدنا انتھی وقال بعضھم ان ردتھا لا تؤثر فی افساد النکاح ولا یؤمر بتجدید النکاح حسما لھذا الباب علیھن وعامة علماء بخاری یقولون کفرھا یعمل فی افساد النکاح لکنھا تجبر علی النکاح مع زوجھا قطعا وھذا فرقة بغیر طلاق بالاجماع وعلیھا الفتوی کذا فی منھاج المصلین (شرح فقہ اکبر مجتبائی ص۲۲۱)

(۹) وفی باب المرتد من الدر المختار ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجھا بہ یفتی (قال الشامی تحتہ) وقد افتی الدبوسی والصفار

عہ فیہ ان الاحراز بدار الاسلام شرط الاستیلاء کما صرح بہ الشامی فی باب الاستیمان حیث قال ولا ملک قبل الاحراز بدارنا فکیف یجوز الوطی بالملک ھھنا فلیتامل ویمکن ان یجاب بان الاحراز بالدار یکون شرطا لتملک المستامن لانہ یکون فی دار الحرب ۱۲ منہ

اعلم احدا من اهل العلم
الا وله تاويل فى اية او مذهب
فى سنة رد من اجل ذلك
المذهب سنة اخرى بتاويل
سائغ او ادعاء نسخ الا ان لابى
حنيفة من ذلك كثيرا وهو
يوجد لغيره قليل - وعن الليث
بن سعد انه قال احصيت على
مالك بن انس سبعين مسئلة
كلها مخالفة لسنة النبى صلى الله
عليه وسلم مما قال مالك فيها
برايه قال و لقد كتبت اليه اعظه
فى ذلك (قال ابو عمر) ليس لاحد
من علماء الامة يثبت حديثا عن
النبى صلى الله عليه وسلم ثم يرده
دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله
او باجماع او بعمل يجب على اصله
الانقياد اليه او طعن فى سنده و
لو فعل ذلك احد سقطت عدالته
فضلا ان يتخذ اماما و لزمه اثم
الفسق و لقد عافاهم الله عز و
جل من ذلك (ونقموا ايضا على ابى
حنيفة الارجاء و من اهل العلم

پر کام نہیں کیا تھا اس لئے امام صاحب کے مخالفین
نے اس فعل کو بدعت قرار دیا اور عظیم الشان خلاف قائم
ہو گیا۔ بہر حال امام صاحبؒ نے جو قیاس اور رائے سے بعض
جزئیات فقہیہ میں کام لیا اس میں وہ متفرد و تنہا نہیں بلکہ
میں کسی اہل علم کو بھی ایسا نہیں پاتا جس نے آیات میں کسی
آیت کو اور احادیث میں سے کسی حدیث کو اپنا مذہب و
مختار قرار دے کر دوسری آیت اور حدیث میں تاویل نہ
کی ہو یا نسخ کا دعویٰ نہ کیا ہو البتہ اس قسم کی چیزیں
امام صاحبؒ کے مذہب میں زیادہ اور دوسروں کے
مذہب میں کم ہیں۔ حضرت لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے
امام مالکؒ کے ستر مسائل ایسے شمار کر رکھے ہیں جو بالکل
حدیث کے خلاف ہیں امام مالکؒ نے محض اپنے قیاس
سے وہ ارشاد فرمائے ہیں اور میں نے وہ مسائل بغرض
خیر خواہی و نصیحت خود امام مالکؒ کی خدمت میں لکھ کر دیئے
تھے۔ امام ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ علماء امت
میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
کسی حدیث کا صادر ہونا ثابت مانتے اور پھر اس کو رد کر دے
جب تک کہ ایسی کسی دوسری حدیث یا اجماع و تعامل
سے اس کا منسوخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے یا اس کی
سند میں کوئی جرح نہ کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے کہ بلا وجہ
مذکور کسی حدیث کو رد کر دے تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور
اس کو فسق کا گناہ ہو گا۔ ایسا آدمی امت کا امام کیسے بن سکتا ہے
مگر حق تعالیٰ نے تمام ائمہ دین کو اس آفت سے محفوظ رکھا نیز امام

وبعض اہل سمرقند بعدم وقوع الفرقة بالردة رداً علیہما و غیرہم مشوا علی الظاهر ولکن حکموا بجبرہا علی تجدید النکاح مع الزوج وتضرب خمسة و سبعین سوطاً واختارہ قاضیخان للفتوی (شامی ص ۳۳۱ ج ۱)

**رفع الاشتباہ** ولا یختلج فی صدرك ان قول البلخیین بظاہرہ یصادم نص الکتاب من قوله تعالی ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔ لانا نقول ان النص انما ورد فی اسلام الزوج وبقاء الزوجة علی الکفر فمسئلتنا ہذہ اعنی ارتداد الزوجة غیر داخل فیه نصاً بل للاجتهاد فیه مساغ۔

قال فی التفسیر الاحمدی ثم منع الله المؤمنین عن نکاح المشرکات حیث قال و لا تمسکوا بعصم الکوافر جمیعاً ولا تمسکوا بما یعتصم به الکافرات من عقد وسبب ای لا تدخلوا الکافرات تحت نکاحکم علی ما قال الامام الزاہد والاولی ان یحمل الامساك علی حالة البقاء دون الابتداء و المراد النهی عن ابقاء نکاح التی بقیت فی دار الحرب او لحقت بدار الحرب مرتدة علی ما قاله صاحب الکشاف والمدارک فالمعنی لا تحفظوها تحت تصرفکم۔

وفی البحر المحیط ص ۲۵۷ ج ۸ قال ابن عطیة ہذہ الآیة کلها (ای قوله تعالی یا ایها الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات الخ) قد ارتفع حکمها وفیه ایضا قال ابن العربی کان ہذا حکم الله تعالی مخصوصا بذلك الزمان فی تلك النازلة خاصة باجماع الامة۔

لا یقال ان بقاء نکاح المرتدة وان لم یصادمه النص ولکن دلالة ہذا النص تعارضه لانا نقول ان مسئلتنا ہذہ لا تدخل تحت دلالة النص ایضا فان دلالة النص لا یطلق الا علی ما یستفاد من النص لغة

من ینسب الی الارجاء کثیر لم
یعن احد بنقل قبیح ما قیل فیہ
کما عنوا بمالک فی ابی حنیفۃ فانہ مثلہ
وکان ایضا مع ھذا یحسد وینسب
الیہ ما لیس فیہ ویختلق علیہ
ما لا یلیق بہ وقد اثنی علیہ
جماعۃ من العلماء وفضلوہ ولعلنا
ان وجدنا نشطۃ ان نجمع من
فضائلہ وفضائل مالک ایضا والشافعی
والثوری والاوزاعی کتابا املنا
جمعہ قدیما فی اخبار ائمۃ
الامصار ان شاء اللہ - وعن
ابن عباس بن محمد الدوری
قال سمعت یحیی بن معین یقول
اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفۃ
واصحابہ فقیل لہ اکان
ابو حنیفۃ یکذب فقال کان
انبل من ذلک - وعن مسلمۃ
بن شبیب قال سمعت احمد
بن حنبل یقول رای الاوزاعی

ابو حنیفہ کی مذمت کرنے والوں نے ان کو مرجیہ کی طرف بھی منسوب
کیا ہے اور نہ صرف امام موصوف کو بلکہ ائمہ دین میں سے بہت سے
دیگر حضرات پر بھی یہی الزام لگایا گیا ہے۔ مگر اس الزام
کی وجہ سے جس قدر زبان درازی امام موصوف کے بارہ میں
کی گئی ہے وہ دیگر لوگوں کے متعلق نہیں کی گئی اور اس
کا سبب یہ ہے کہ وہ امت کے مشہور امام ہیں (دوسرے
اتنے مشہور نہیں) اور باوجود ان باتوں کے بعض لوگ
ان کی مذمت کرتے ہیں اُن کی خداداد مقبولیت عامہ کی وجہ
سے لوگ ان سے حسد بھی رکھتے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں
ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ان کے اندر نہیں ہیں اور
ان کی شان کے خلاف اُن پر تہمتیں باندھی جاتی ہیں اور علماء
اہل حق کی بڑی جماعت نے ان کی مدح کی ہے اور اُن کو
اوروں پر فضیلت دی ہے اور اگر ہمیں فرصت ملی
تو انشاء اللہ تعالیٰ امام موصوفؒ اور امام مالک وشافعی اور
ثوری اور اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے فضائل کو ایک مستقل
کتاب میں جمع کریں گےؔ۔ اور عباس بن محمد دوریؒ فرماتے ہیں
کہ میں نے حضرت یحییٰ بن معینؒ سے سنا ہے کہ وہ (ملتے تھے)
کہ ہمارے اصحاب امام ابو حنیفہ رحہ اور اُن کے شاگردوں
کے بارہ میں بہت زیادتی کرتے ہیں۔ کسی نے ان سے سوال کیا
کہ کیا امام ابو حنیفہ رحہ روایت میں سچے و تھے یحییٰ بن معینؒ نے

ؔ ابتداء کتاب میں جو مقدمہ مصنف رحہ کے حالات کے متعلق ناشر کتاب کی جانب سے لکھا ہوا ہے اس سے
معلوم ہوا کہ امام ابن عبد البر رحہ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جس کی ضخامت آٹھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ اس امام
حدیث کی عرق ریزی کا یہ عظیم الشان نتیجہ اب اس قدر مفقود و نایاب ہے کہ کسی کتب خانہ میں اس کا موجود ہونا معلوم نہیں ۱۲ منہ

بحيث يفهمه عامة اهل اللغة وفسخ النكاح بالارتداد لم يزل عرضة للاجتهاد - فانكره القاضى ابن ابى ليلى مطلقاً كما فى مبسوط السرخسى ص ۴۹ ج ۵ - وبه قال داؤد الظاهرى كما عزاه اليه ابن قدامة فى المغنى ص ۵۶۴ ج ۶ - وقال الشافعى رح واحمد فى احدى الروايتين ان الارتداد اذا وقع بعد الدخول يتوقف فسخ النكاح على انقضاء العدة كما صرح به فى فتح القدير - فلو كان فسخ النكاح بالارتداد مدلول النص فلا يخفى على مثل هؤلاء الائمة الاجلة ولهذا لم نجد فى شئ من الكتب ان الذين اختاروا ظاهر الرواية ينكرون على ائمة بلخ و سمرقند بمصادمة النص - فانه لوكانت فتواهم مخالفة للنص لنبهوا عليها وردوها على اكمل وجه واتمه -

وان قيل ان نص الاية ودلالته وان لم يشمل ما نحن فيه و لكنه ملحق بالمنصوص قياساً - قلنا ذلك ما كنا نبغ فقد ثبت به ان للاجتهاد فيه مساغا فلا لوم على من لم يلحقه بالمنصوص لفارق بينهما وهو ان الموجب للفسخ فى المنصوص هو الاباء عن الاسلام او البقاء على الكفر جزاءً لفعله - ولا خفاء فى ان الارتداد بعد الاسلام اشد و اقبح من البقاء على الكفر الاصلى والاباء عن الاسلام فيقتضى جزاءً اشد وانكل فكيف يقاس الاشد على الاخف - ولاشك ان الحكم بفسخ النكاح فى المرتدة مع اختيارها فى ابتغاء الازواج وتركها سدى بحيث تذهب الى حيث شاءت وتتزوج بمن شاءت كما فى الكافرة الاصلية ليس من العقوبة والنكال فى شئ بل هو عين مخزاها ومرماها - نعم الحكم بعدم الفسخ على وجه المعاقبة جزاء بما اكتسبت من ارتدادها اغلظ واقرب للانزجار وهى اولى به انتهى هذا محصل تحقيق علماء السهارنفور مد فيوضهم العالية -

ورأى مالك ورأى ابي حنيفة
كله رأي وهو عندي سواء و
انما الحجة في الآثار - وعن
الدراوردي اذا قال مالك و
عليه ادركت اهل بلدنا واجتمع
عليه عندنا فانه يريد ربيعة
بن ابي عبد الرحمن وابن
هرمز وذكر محمد بن الحسين
الازدي الحافظ الموصلي في الاخبار
التي في آخر كتابه في الضعفاء
قال يحيى بن معين ما رايت
احدا اقدمه على وكيع وكان
يفتي برأي ابي حنيفة وكان
يحفظ حديثه كله وكان قد
سمع من ابي حنيفة حديثا
كثيرا - قال الازدي هذا
من يحيى بن معين تحامل
وليس وكيع كيحيى بن سعيد
وعبد الرحمن بن مهدي
وقد رأى يحيى بن معين
هؤلاء وصحبهم قال وقيل
ليحيى بن معين يا ابا زكريا
ابو حنيفة كان يصدق في

فرمایا کہ وہ اس سے بالاتر ہیں اور مسلم بن شبیبؒ
سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد
بن حنبل رح کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ قیاس امام
اوزاعی کا اور قیاس امام مالکؒ اور قیاس امام ابوحنیفہؒ
کا سب قیاس ہی ہے اور وہ سب میرے نزدیک برابر
ہیں اور حجت آثار ہی میں ہے اور امام دراوردی کہتے
ہیں جب امام مالکؒ کسی مسئلہ کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ
میں نے اپنے شہر کے علماء کو اس کے موافق پایا ہے تو ان
کی مراد ان علماء اور مجمع سے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور
ابن ہرمز وغیرہ ہوتے ہیں اور محمد بن حسین ازدی موصلی جو
حفاظ حدیث سے ہیں اپنی کتاب الضعفاء کے آخر میں
فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی
عالم ایسا نہیں دیکھا جس کو امام وکیع پر مقدم اور
افضل سمجھوں (اور اس کے باوجود) وہ فتویٰ امام
ابوحنیفہ کے قول پر دیا کرتے تھے اور ان کی تمام حدیثیں
اُنھیں یاد تھیں اور اُنھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے
سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں ۔ حافظ ازدی کہتے ہیں
کہ وکیعؒ کے بارہ میں جو کچھ یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا ہے یہ ان
کا تسامح ہے ورنہ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی
وکیع سے افضل تھے اور یحییٰ بن معین ان سب حضرات
کی خدمت میں رہے ہیں ۔ یحییٰ بن معین سے دریافت
کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہ رح حدیث کے بارہ میں صدوق
(سچ اور صحیح بیان کرنے والے تھے) فرمایا ہاں!

قلت فان قالجر فی تبلث ان العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب و اللفظ عام فیشمل ما نحن فیہ ویخالفہ فتوی علماء بلخ فازحہ ان المراد فی ھذا الاصل العموم الذی لا یجاوز مراد المتکلم المفہوم من القرائن لا العموم المطلق والا لزم القول بالنھی عن الصوم فی السفر مطلقاً لحدیث لیس من البر الصیام فی السفر۔ واللازم منتف وھھنا لیس مراد المتکلم العموم لما نحن فیہ ودلیلہ نفس اجزاء الاٰیۃ من قولہ تعالیٰ واسألوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا وقولہ تعالیٰ وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا فان ھذہ الاحکام لیست عامۃ لما نحن فیہ ویدل علی عدم العموم الاجماع کما مر عن ابن العربی۔

## روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوگیا

کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں :۔

**ایک ظاہر الروایۃ** جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جائے گا لیکن پھر اس کو حبس و قید کر کے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرے جیسا کہ عبارت قاضی خاں نمبر ا اور عالمگیری کی عبارت نمبر ۲ اور عبارت در مختار و شامی نمبر ۵ میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایۃ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے اوس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اوّل سے علحدہ ہونا ہی ہو یا حقیقۃً اوس کے عقائد بدل گئے ہوں دونوں صورتوں میں اوس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائیگا کما صرح بہ الشامی حیث قال ولا یلزم من ھذا ان یکون الجبر علی تجدید النکاح مقصورا علی ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منہ بل قالوا ذلک سداً

الحدیث قال نعم صدوق وقیل
لہ فالشافعی کان یکذب قال
ما احب حدیثہ ولا ذکرہ
(قال ابو عمرؒ) لم یتابع یحییٰ بن
معین احد فی قولہ فی الشافعی
وقال الحسن بن علی الحلوانی
قال لی شبابۃ بن سوار کان
شعبۃ حسن الرأی فی ابی حنیفۃ
وکان یستنشد فی ابیات
مساور الوراق۔

اذا ما الناس یوماً قایسونا
بآبدۃ من الفتیا لطیفہ

وقال علی بن المدینی ابو
حنیفۃ روی عنہ الثوری وابن
المبارک وحماد بن زید وھشیم
ووکیع بن الجراح وعباد بن
العوام وجعفر ابن عون وھو
ثقۃ لا باس بہ وقال یحییٰ بن
سعید ربما استحسنا الشیٔ من
قول ابی حنیفۃ فناخذ بہ
قال یحییٰ وقد سمعت من ابی
یوسف الجامع الصغیر ذکرہ
الازدی (قال ابو عمرؒ) الذین

وہ صدوق ہیں۔ پھر ان سے پوچھا گیا کیا امام شافعیؒ
روایتِ حدیث میں سچے نہ تھے تو فرمایا کہ مجھے ان کی
حدیث پسند نہیں اور نہ ان کا ذکر پسند کرتا ہوں
(ابو عمرؒ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں) کہ امام شافعی رح کی
حدیث کو ساقط کہنے کے بارہ میں کسی نے یحییٰ بن معین
کی موافقت نہیں کی اور حسن بن علی حلوانیؒ فرماتے
ہیں کہ مجھے حضرت شبابہ ابن سوار رح نے فرمایا
کہ امام حدیث شعبہؒ امام ابوحنیفہ رح کے بارہ میں
اچھی رائے رکھتے تھے اور مجھ سے مساور وراق
کے اشعار جو امام موصوف کی مدح میں ہیں سنا
کرتے تھے۔ امام حدیث علی ابن مدینی فرماتے ہیں
کہ امام ابوحنیفہ رح سے سفیان ثوری۔ عبد اللہ
بن مبارک۔ حماد بن زید۔ ہشیم اور وکیع بن جراح
اور عباد بن عوام۔ جعفر بن عون جیسے ائمہ حدیث
نے حدیث حاصل کی ہے وہ (بلا شبہ) ثقہ ہیں ان
میں کوئی کمی نہیں۔ امام حدیث یحییٰ بن سعید رح
فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ہمیں امام ابوحنیفہؒ کے
اقوال پسند آتے ہیں تو ہم انھیں کو اختیار
کرتے ہیں اور بیان کیا کہ امام ابو یوسف رح
تلمیذ امام ابوحنیفہ رح سے میں نے جامع صغیر
پڑھی ہے۔

یہ تمام روایات حافظ ازدی نے بیان
کی ہیں۔ امام ابن عبد البر رح فرماتے ہیں کہ جن لوگوں

لهذا الباب من اصله سواء تعملات الخلاص أم لا كيلا تجعل ذلك حيلة
(شامی باب نکاح الکافر ص ۴۲۵ ج ۲)

**دوسرا قول** مشائخ بلخ و سمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسمٰعیل زاہد اور ابو النصر الدبوسی اور ابو قاسم صفار کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے جیساکہ عبارت فتح القدیر نمبر ۱ و عبارت قاضیخاں نمبر ۲ و عبارت درمختار نمبر ۴ و عبارت شامی نمبر ۵ و نمبر ۶ و عبارت قنیہ نمبر ۹ اور شرح فقہ اکبر نمبر ۸ میں اس کی تصریح ہے۔

**تیسرا قول** وہ نوادر کی روایت ہے امام اعظم ابوحنیفہ رح سے کہ یہ عورت دار الاسلام میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا۔

لیکن اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ مرتد دار الاسلام میں ہو تو اس کا خاوند اس کو امام المسلمین سے قیمت دے کر خرید ے گا یا اگر امام المسلمین اس کو مصرف سمجھیں گے تو اس کو مفت بھی دے دیں گے۔ بہر حال بغیر اجازت امام اس کو اپنے قبضہ میں لانا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر دار الحرب میں ہے تو اذن امام کی حاجت نہیں۔ بلکہ جب خاوند اوس پر قبضہ پائیگے تو اس کی ملک ہو جاوے گی اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں جیساکہ عبارت قنیہ نمبر ۷ میں اس کی تصریح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جاوے تو اوس کے نکاح کے بارہ میں حنفیہ کے تین

---

عـہ تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دار الحرب میں چلی جاوے یا دار الحرب ہی میں مرتد ہو تو اوس کو کنیز بنا لینے پر ظاہر الروایۃ بھی متفق ہے (نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اسی میں ہے کہ دار الاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں جیساکہ فتح القدیر اور قنیہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے ۱۲ منہ

عـہ واذکرہ ما فی الحاشیۃ علی عبارۃ القنیۃ من ان القواعد تقتضی اشتراط الاحراز بدار الاسلام فی الاستیلاء ۱۲ منہ

رووا عن ابی حنیفة و وثقوہ و اثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین تکلموا فیہ من اھل الحدیث اکثر ما عابوا علیہ الاغراق فی الرای والقیاس والارجاء وکان یقال یستدل علی نباھة الرجل من الماضین بتباین الناس فیہ قالوا الاتری الی علی بن ابی طالب انہ ھلک فیہ فئتان محب افرط ومبغض افرط وقد جاء فی الحدیث انہ یھلک فیہ رجلان محب مفرط و مبغض . وھذہ صفة اھل النباھة ومن بلغ فی الدین والفضل الغایة واللہ اعلم (مختصر جامع العلم لابن عبد البر رحمة اللہ علیہ ص ۱۹۲)

نے امام ابو حنیفہ رحمہ سے روایت کی اور ان کی توثیق فرمائی اور ان کی مدح و ثنا کی وہ اُن لوگوں سے زائد ہیں جنہوں نے ان کے بارہ میں کچھ کلام کیا ہے (وہ بھی کسی واقعی عیب کی وجہ سے نہیں) بلکہ صرف اس لئے کہ انہوں نے (ایسے مسائل میں جن میں کوئی نص قرآن و حدیث میں وارد نہیں) قیاس سے کام لیا اور ان کی طرف ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اور یہ بات ہمیشہ سے کہی جاتی ہے کہ، متقدمین میں کسی شخص کے بارہ میں لوگوں کا مختلف رائیں رکھنا اُس شخص کی جلالت قدر اور عظمت شان کی دلیل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ خود اس کی دلیل ہے کہ ان کے بارہ میں دو قسم کے لوگ تباہی میں پڑ گئے۔ ایک ان سے محبت رکھنے والے جنہوں نے افراط محبت کی وجہ سے حدود شرعی سے تجاوز کیا۔ دوسرے وہ جو بغض رکھنے والے جو حدود شرعیہ سے تجاوز کر گئے یہی مضمون حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں محبت سے حد سے بڑھنے والے اور عداوت رکھنے والے ہلاک ہوں گے اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ دین میں عظمت و جلالت اور بزرگی نصیب فرماتا ہے اون کی یہی شان ہوتی ہے۔ (مختصر جامع العلم ص ۱۹۴)

قول ہوئے۔

ایک[1] یہ کہ نکاح فسخ ہوجاتا ہے لیکن بعد تجدید اسلام اوس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا (وھو ظاھر الروایۃ)

دوسرا[2] یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا بلکہ وہ دونوں بدستور زن وشوی رہیں گے۔

تیسرا[3] یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔

ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے علیحدہ ہوکر دوسری جگہ نکاح کرے۔ اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگئی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا یہی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے کیونکہ فسخ نکاح کا حکم دے دینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں۔ اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جیسا کہ شامی کی عبارت مندرجہ نمبرہ میں بیان کیا گیا ہے اس لئے پہلے قول یعنی ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہوگیا کیونکہ اوس کے ایک جزو پر عمل کرنا اگرچہ اختیار میں ہے لیکن دوسرا جزو یعنی تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں۔

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایت سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالت موجودہ غیر ممکن ہے۔

---

ف[5] لیکن اس روایت پر فتویٰ دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جاوے جیسا کہ متن میں بھی بعض مسائل متفرقہ کے زیر عنوان عنقریب آتا ہے ۱۲ منہ

# تقلید شخصی

## کے متعلق قطب عالم فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہ گنگوہی

## کا

## ایک مکتوب گرامی مشتمل بر تحقیق انیق

"ذیل کا مکتوب قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے کاغذات سے برآمد ہوا تھا اور صاحب زادہ حکیم مسعود احمد صاحب مرحوم سے احقر نے حاصل کر لیا تھا کیونکہ وہ بہت سے علمی جواہرات پر مشتمل ہے یہ مکتوب اس زمانہ کے ایک صاحب تصنیف بڑے عالم کے شبہات کے جواب میں ہے۔ افسوس کہ اصل خط جس کے جواب میں یہ والا نامہ تحریر فرمایا گیا ہے دستیاب نہیں ہوا جس سے جواب کا مضمون پوری طرح واضح ہوتا لیکن اہل علم کے لئے اب بھی مطلب سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہو سکتی افادہ اہل علم کے لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔"

از بندہ رشید احمد

مولوی صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔

آپ کا خط دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر یاد آیا ؎

مرا خواندی و خود بدام آمدی — نظر پختہ ترکن کہ خام آمدی

آپ نے خوب مباحثہ کیا ہے کہ خود ہی فریفتہ ہو گئے۔ بندہ آج کل بنہایت عدیم الفرصت ہے لکھنا دشوار ہے۔ کاش تم حاضر ہوتے تو اچھی طرح تقریر ہو جاتی۔

قولکم تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعت سیئہ ہے۔

اقول آپ کے نزدیک تقلید شخصی مباح ہے چنانچہ آپ اوپر مقر ہوئے ہو۔ مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے کہ کیا ہیں۔ سنو تو سہی تم نے تو منقول اور معقول دونوں کو دھو دیا ہے۔ نفس تقلید یعنی تقلید مطلق تو فرض ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا الخ

اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اوسی پر فتوےٰ دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا۔

اور صاحب نہر کو اگرچہ اون مشکلات کا سامنا نہ تھا جو آج ہم پر گذر رہے ہیں مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتویٰ دینے کو تجویز فرماتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں جیساکہ عبارت شامی مندرجہ نمبر ۵ میں ان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔

اور علامہ شامی بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کرتے اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے اور جب اوس پر قدرت نہ ہو تو اون کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتویٰ دینا متعین ہے اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے۔

پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

## بعض مسائل ضروریہ

**مسئلہ** مشائخ بلخ کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتویٰ دیا جائے تو ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے قبل شوہر کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل ولمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے کیونکہ آیت کریمہ لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اور کتابیہ کا

ف ۵ اسی طرح روایت نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضہ خاوند کا اس پر ہو جاوے گا لیکن استمتاع جائز نہ ہوگا جیساکہ امرد مشترکہ سے باوجود قبضہ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں ۱۲ منہ

اور حدیث انما شفاء العی السوال۔ اور خود بدیہی بھی کہ دین بدون سیکھے نہیں آتا۔ عقل و حس کو اس میں دخل ہی نہیں پس مطلق تقلید تو فرض ہے یقین ہے کہ آپ بھی قبول کریں گے۔ ورنہ اثبات اس کا کر دیا جاوے گا۔ اور اس کے دو فرد ہوویں گے تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں۔ خواہ اس کو جنس اور دو نوع کہو یا مطلق اور دو فرد مقید کہو۔ خواہ کلی اور دو جزئی کہو۔ جس طرح چاہو مقرر کرو۔ بہر حال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہوویں گی جو فرض ہے۔ بھلا آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مرد خدا فرض اور مباح تو مبائن دو نوع ہیں کہ تحت جنس حکم کے ہیں پھر ایک نوع مبائن دوسری نوع کی فرد کس طرح ہو گئی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ یہ فرد ہے تقلید فرض کی۔ پس تمام آپ کا خدشہ اس ہی خطاء فہم پر مبنی ہے۔ پس ہوش کرو کہ تقلید ہر دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں۔ مگر چونکہ امتثال امر تقلید میں تخییر ہے کہ جس فرد کو چاہو ادا کرو دوسرے کی ضرورت نہیں اور جو دونوں نہ کرو گے تو عاصی ہوگے۔ اس تخییر کو مباح کہہ دیا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کفارہ یمین حلف کے مثلاً نفس کفارہ فرض ہے اور اطعام اور کسوۃ اور رقبہ میں تخییر جس کو ادا کر دیا مطلق کفارہ سے برات ہو گئی۔ اور جو کسی کو نہ کیا عاصی رہا۔ علیٰ ہذا مطلق اضحیہ واجب اور بکرا اور سبع بقر و ابل اور پھر نر یا مادہ وغیرہا جزئیات میں خیار جس فرد کا آتی ہوا۔ آتی[عامل] فرض ہی کا ہوا مباح کوئی بھی نہیں سب فرض ہیں مگر ایک کے اتیان سے سب سے بری ہو جاتا ہے۔ یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح کہنا اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے نہ مباح مقابل فرض کہ آپ نے شبہ فرض ہو جانے مباح کا بے موقع کیا۔ ورنہ اگر یہی شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ کی تقریر سے غیر شخصی کو بدعت سیئہ کہہ دیویں گے۔ کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی ہے وہ بھی تو مباح بمعنی ہے جو مذکور ہوا۔ اور شاہ ولی اللہ رح نے کہاں کہا ہے کہ غیر شخصی کے وجوب پر اجماع منعقد ہوا تاکہ مقابل نوع اس کے حرام ہو کیونکہ وجوب کا مقابلہ حرمت

استثناء جو آیت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب میں وارد ہوا ہے اوس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے۔ وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کر لیا ہو۔

اور قول مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالتِ کفر میں صحبت و جماع و دواعی جماع بھی جائز رہیں۔ فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحتِ نکاح و بقاء نکاح کے جماع و دواعی جماع حرام ہوتے ہیں۔ جیسے موطؤہ بالشبہہ کہ اوس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے مگر انقضائے عدت تک اوس سے ہمبستری وغیرہ بالکل حرام ہے اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی سے نکاح کرے تو گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

**مسئلہ ۲** حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولیٰ میں ثابت ہو چکا ہے۔ پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں۔ مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں۔ جیسا کہ عبارت شرح فقہ اکبر نمبر ۶ میں اس کی تصریح گذری ہے۔

لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایت کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں لہٰذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جاوے گا کہ اس میں احتیاط ہے۔

**مسئلہ ۳** صورت مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری نہیں کما ہو ظاہر لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے جو دس درہم سے کم نہ ہو جیسا کہ فتح القدیر نمبر ۱ وغیرہ کی عبارات گذشتہ سے معلوم ہو چکا ہے اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہی ہے

## خلاصۂ فتویٰ

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں

سے ہوتا ہے۔ اگر فرضاً یہ کہا ہے تو شخصی مباح کس طرح ہوگی بلکہ حرام ہوئی۔ اور یہی کرتے فی
غیر مقلدین کیوں ہوئی ہے۔ بلکہ (شاہ صاحب نے) یہ فرمایا ہے کہ قرون ثلثہ میں باجماع جائز رہی ہے
پس جواز سے دوسری نوع مقابل کی کراہت کس طرح ثابت ہوگئی۔ امکان خاص تو پڑھا ہی
ہوگا اور شرع میں ایک فرد کلی کے جواز سے دوسرے فرد کی کراہت کہاں ثابت ہے۔ جواز
اضحیہ شاۃ سے جو صحابہ میں شائع رہا۔ سُبع بقر حرام کیونکر ہوا۔ بلکہ کلی کے حکم سے سب افراد
جائز ہیں اور تعامل فرد واحد سے دیگر افراد مرتفع نہیں ہوتے۔ مساوی الاقدام رہتے
ہیں پس اگر یہ قاعدہ ذہن نشین ہوگیا ہے تو سوچو کہ جیسے آپ کے نزدیک شخصی مباح ہے
ایسے ہی غیر شخصی بھی مباح ہی ہے۔ اور جیسا کہ غیر معین کہ غیر شخصی مرادف اُس کی ہے
آپ کے نزدیک واجب ہے ویسے ہی معین کہ شخصی اُس کی مرادف ہے واجب ہی ہے
اور حق یہی ہے کہ دونوں واجب ہیں اور اباحت دونوں میں بمعنی تخییر ارتکاب احدہما ہے
اور بس۔ اپنی ذات میں دونوں فرض ہیں تو آپ کا شبہ تو گاؤ خورد ہوا۔ اب دوسرے جملہ
کو بیان کرنا بھی بطور اعتراض کے ضرور ہے۔

قولکم۔ اور جو آمین بالجہر و رفع یدین الخ لاریب اگر موافق مسلک علماء کے یہ
امور بوجہ عمل بالحدیث کے کرے گا اُس سے لڑنا حرام ہے مگر جو بوجہ تلعب و ہوائے نفسانی
کرے گا اور فتنہ اندازی کی وجہ سے تو اُس سے لڑنا عین دین ہے کہ رفع فساد واجب
ہے۔ یہ بھی بدیہی ہے اگر اس میں شبہ ہو از پس واضح کیا جائے گا۔ اب حاجت نہیں
سمجھی گئی۔

قولکم۔ پھر تفرد عوام کے خوف سے تقلید شخصی کو الخ عزیزا بدعت سیئہ جب
ہوتا کہ شخصی بذاتہ مباح ہوتی وہ بذاتہ حق تعالیٰ اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض بنائی ہوئی
ہے مثل غیر معین کے اگر بوجہ سہولت کے یا عدم تقرر مذاہب کے شیوع غیر معین کا رہا تو عمدر آمد
قرون ثلثہ سے منصوص فرض مباح کس طرح بن گیا اور کس طرح اس کا التزام بدعت ہوگیا۔
اور کیوں خود التزام قرونِ ثلثہ کا خلاف تخییر نص کے ایک فرد کو بدعت نہ ہوا اگر غیر معین کا
التزام بدعت نہیں تو معین کا کیسے بدعت ہوا۔ اور جو معین کا بدعت ہے تو غیر معین کا کیا وجہ

لیکن جب تک تجدید اسلام کرکے تجدید نکاح نہ کرے اوس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جاوے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وھو المستعان وعلیہ التکلان والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

کتبہ

العبد الضعیف محمد شفیع الدیوبندی

عفا اللہ عنہ وعافاہ ویجعلہ کما یحب ویرضاہ

خادم دار الافتاء بدار العلوم الدیوبندیۃ

لاول الربیعین من سنۃ ۱۳۵۲ اثنتین وخمسین بعد ثلاث مائۃ والف

## تصدیقات

حضرات علماء امداد العلوم تھانہ بھون ودار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور جو ارمداد احد الزوجین کے احکام کی ترتیب وتہذیب و تصحیح و تنقیح میں شریک رہے

مدرسہ امداد العلوم
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
سنہ ۱۳۱۵ ہجری
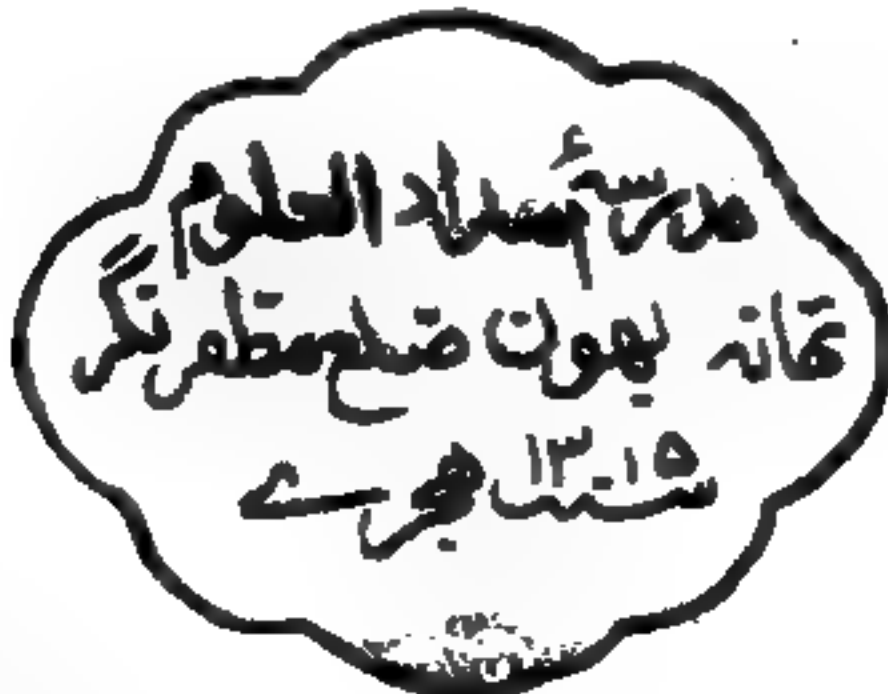
عہ اس ضمیمہ کے شروع میں ورق کے بعد جہاں یہ عنوان ہے "چوتھا احتمال" اس عنوان کے اخیر میں ف کے تحت میں ان تصدیقات کے متعلق ایک مضمون ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جاوے ۱۲ منہ

کہ بدعت نہ ہو۔ نفس میں دونوں برابر۔ فرضیت میں دونوں مساوی۔ عمل میں ہر دو یکساں عجب العجاب ہے۔ اگر وجوب عمل غیر معین پر اجماع ہوا ہے تو کہیں ہم کو بھی مطلع کر دو۔ ہم نے آج تک دیکھا نہ سُنا نہ عقل قبول کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلی حکم کے ایک فرد کو التزام عمل اُمت بفرد دیگر حرام کر دیوے اور عوام جو خدا تعالیٰ کے ایک حکم کلی کے ایک فرد کا التزام کریں کہ ملتزم قرون سابقہ کے وہ نہ تھے بلکہ دوسرے فرد کے ملتزم تھے تو عوام بیچارے مبتدع ہو گئے کہ کیوں خلاف عمل قرون سابقہ کے خدائے تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بھائی اس کو اگر کوئی تم سے پوچھے کہ قرون ثلثہ کا عمل خدا تعالیٰ کے حکم فرض کا ناسخ ہے اور یہ شرک ہے یا نہیں تو کیا جواب دو گے۔ ایسی حماقت سے مقلدین کو غیر مقلدین مشرک بنا کر خود مشرک ہوئے اور خبر نہیں ہوئی کہ اُلٹا وہ طوق شرک اپنی ہی گردن میں آن پڑا۔ ذرا سنبھل کر دیکھنا۔

قولکم۔ پس اس صورت میں عوام کو تنبیہ الخ

اقول: بے بیشک تنبیہ چاہیئے کہ ایسا عقیدہ فاسد نہ کریں بلکہ دونوں کو فرض مساوی الاقدام جان کر جس کو چاہیں عمل کریں بشرط عدم تلہی و عدم فتنہ و فساد اگر ممکن ہو مگر بے شک ظاہر ہے کہ فساد سے خالی نہ ہو گا۔ خواص تو کر سکتے ہیں مگر عوام فساد سے ہرگز خالی نہ رہیں گے۔ اپنے مزے کو آج جو رو حلال اور کل حرام۔ ایک روز نسب حلال اور دوسرے روز ناپاک خبیث۔ خوب قہقہے ہوں گے کہ ہمارا دین خوب دہریوں کا مذہب ہے۔ اب بھی نصاریٰ ہندو اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب کا ٹھکانا نہیں۔ پھر خود اہل اسلام عوام بھی ایسا کریں گے ذرا جزئیات کو سوچ کر دیکھنا۔ اگر شبہ رہے تو پھر لکھنا دو چار صورت لکھ دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولکم۔ جیسے اور رسوم شادی غمی کی الخ

اقول:۔ مثال غلط ہے رسوم فی ذاتہ مباح تھی نہ فرض محیر اس کو دوسرے کیا مناسبت ہے۔ یہ آپ کی بنا ر فاسد علی الفاسد ہے مباح کو واجب بنانا حرام اور حرام سے منع کرنا واجب واجب میں فساد کا خوف درست نہیں اور نکاح خواہ اول ہو یا ثانی

# از امداد العلوم تھانہ بھون

الاحکام کلہا صحیحۃ

**اشرف علی**

۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۲ھ

الجواب صواب

سراج احمد امروہی

مدرس خانقاہ امدادیہ

عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جناب مفتی صاحب مدفیوضہم نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے اس تحقیق انیق کی خاص ہمامیت اور ضرورت کو دیکھ کر بیساختہ دل سے نکلتا ہے۔

للہ در المجیب حیث اجاد و اصاب فیما افاد و اجاب

کمترین خلائق احقر

عبد الکریم گمتھلی عفی عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۴ رمضان مبارک سنہ ۱۳۵۲ھ

طالعت ھذہ الضمیمۃ الفخیمۃ وتشرفت بتوسم ھذہ الدرۃ الیتیمۃ فللہ در من اخرجہا من الصدق الانیق واستخرجہا من البحر العمیق وانا موافق لجمیع ما فی الباب ومسرور بضم ھذہ الضمیمۃ باصل الکتاب واللہ اعلم بالصواب

حررہ بقلمہ العبد المنانب

ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

از مدرسہ عالیہ دار العلوم دیوبند

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما شفاء العی السؤال
دار الافتاء بالجامعۃ الاسلامیۃ
فی دیوبند الہند
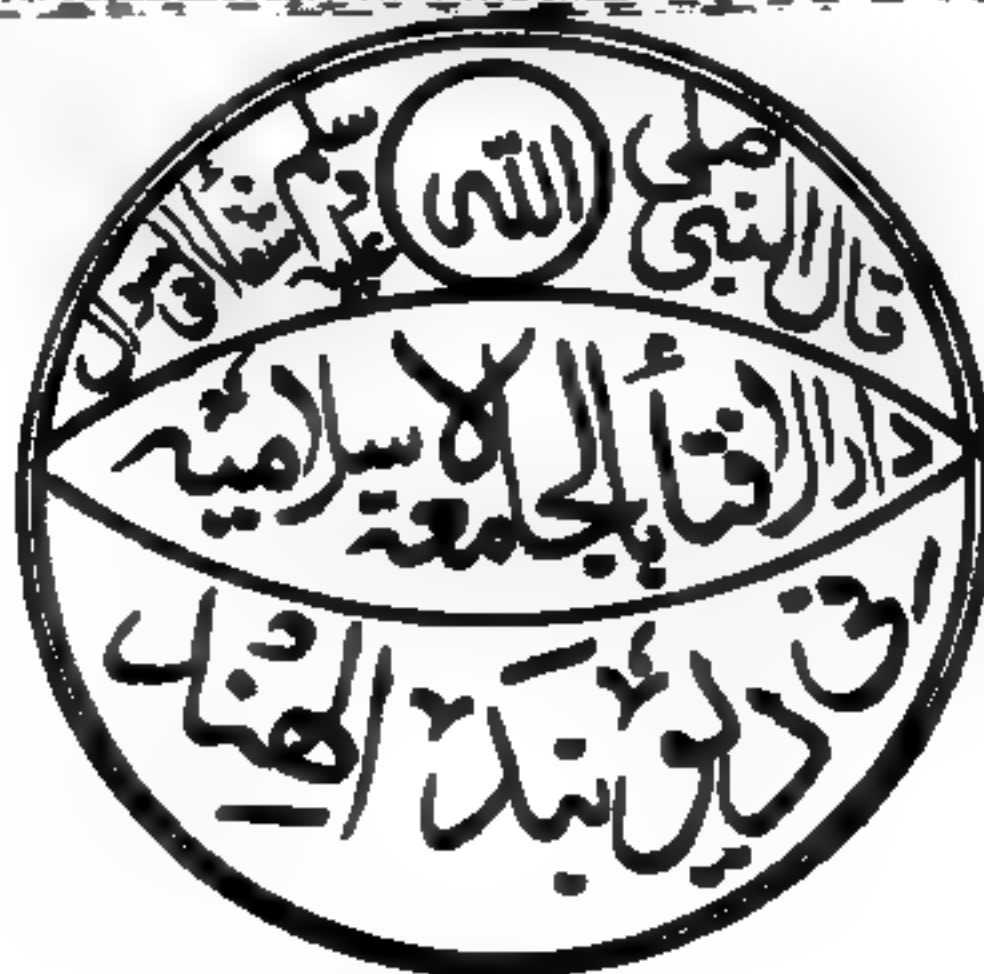
یا ثالث عند التوقان واجب اور بخوف زنا فرض اس کا ترک حرام باوجود قدرت کے تو نکاح ثانی کا اجرا بھی واجب ہے اور واجب کا ترک بخوف عوام درست نہیں اور تاکید نکاح ثانی رفع فساد کے واسطے ہے کہ زنا ہے اور وہ مشہود ہے پس آپ کی نظر نے بالکل بے محل نفس عزوبت کو دیکھ لیا اس کے ثمرۂ لازم کو نہ دیکھا اگر نکاح میں بھی کوئی دوسرا امر قائم مقام نکاح ثانی کے ہو کر دافع زنا ہو جاتا تو اس کی بھی وہ ہی صورت ہوتی مگر یہاں تو سوائے نکاح کے کوئی چارہ ہی نہیں۔ لہٰذا نکاح کی ہر فرد واجب ہوئی تقلید میں غیر معین کو چھوڑ کر دوسری فرد خود ذہنی کے عمل کو موجود ہے کہ فرض بھی ادا ہو اور فرض رفع فساد کا بھی ادا ہو۔ ہم ریخ و ہم کباب سالم و بجا رہی نکاح کے مقابل قائم مقام بتاؤ سوائے قطع اعضاء تناسل کے کہ وہ حرام ہی ہے فافہم۔

قولہ۔ البتہ کوئی مثال ایسی ہو قرون خیر میں الخ

اقول۔ یہ کلام آپ کی تو بس عجب در عجب ہے۔ سنو خاتم بائیں ہاتھ میں صحابہ کے قرن میں مباح تھی پیچھے بوجہ مشابہت روافض کے کہ یہ بھی فتنہ ہے لقولہ من تشبہ بقوم فھو منھم مکروہ تحریمی ہوئی۔ ہدایہ دیکھ لو پس یسار کا تختم اور یمین کا تختم دونوں جائز اور قرون ثلثہ میں یمین کا مباح رہا۔ اور پھر یسار کا مکروہ ہوا تو ترک تختم یسار واجب ہوا کہ ترک مکروہ واجب ہے تحقیق فلاں کہنا اول مباح تھا فقہاء نے ترک کو اس کے واجب کیا بسبب فتنہ عوام اور شیوع مذہب معتزلہ کے کہ ان کے نزدیک حق علی اللہ ہے ثواب مطیع و عذاب عاصی دو مثال ہے اگر تسلی نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا اور تم تو خود ہی بول رہے ہو کہ سوم مباح اور اب بسبب فتنہ کے حرام اور نکاح ثانی مباح اور بسبب خوف زنا واجب ہوا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تمام دنیا کے عالم تو فعل و قول رسول کو حجہ گر دانتے ہیں کہ اصل مقیس علیہ وہی ہے اور آپ لکھتے ہیں کہ وہ خود شارع تھے ماشاء اللہ اگر شارع کے فعل پر قیاس نہ ہوگا تو قیاس کی اصل کہاں سے آوے گی یہ تو تم نے ایسی کہی کہ دنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ قیاس قرآن و حدیث پر ادل ہے اس کے بعد کوئی امر دلیل ہوتا ہے تو اب یاد لو کہ یہ کیا تم نے لکھ دیا ہے۔ اور صحابہ کا قول بھی خود حجت ہے جیسا صحابہ مامور باتباع ہیں متبع بالکسر رسول کے اور متبع بالفتح من

بالکل صحیح و درست ہے۔

فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ

(مورخہ ۱۵ جمادی الاولی سنہ ۱۳۵۲ ہجری)

الجواب صحیح

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب صحیح

عبد السمیع عفی عنہ

المجیب مصیب

ریاض الدین عفی عنہ

الجواب صحیح

حسین احمد غفرلہ

بندہ سید محمد مبارک علی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مسعود احمد عفا اللہ عنہ

احق العباد

محمد طیب غفرلہ

## از مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۸۳

الجواب صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ

ناظم مدرسہ مظاہر علوم

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح

محمد زکریا کاندھلوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صواب

بندہ عبد الرحمن غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بندہ محمد اسعد اللہ عفا اللہ عنہ

بعد کے۔ ایسا ہی دیگر قرون میں ہے۔ نہ معلوم یہ فرق کہاں سے نقل کیا ہے صحابہ کا فعل حجت اور مقیس علیہ ہوتا ہے اگر قیاس صحیحہ کا نہ ہو۔ اصول کو دیکھو آنحضرت علیہ السلام نے غیر قریش کی زبان میں قرآن کو مباح کیا حضرت عثمان نے اس کو حرام اور ترک کرنا اس کا واجب کر دیا۔ شورش عوام کی وجہ سے یہ بھی حجت ہے۔ دیکھو اس کا مقیس علیہ بنانا درست نہیں کہ یہ قول محض غلط و خطا ہے۔ اب دوسری قسم کی مثال آپ کی محض خلاف فہم ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں عمل نہ ہونے سے فرق مخصوص بدعت نہیں ہو سکتا اور جو بدعت ہے وہ جائز نہیں ہو سکتی۔ یہ آپ کی فہم غلط سے پیدا ہوا ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر میں مجتہدین بھی داخل ہیں۔ نہ جانتے ہو دوسرے سے پوچھیں حکم عام ہے کوئی خصوص نہیں۔ احادیث صحیحہ وغیر منسوخہ کا جاننا بغیر تقلید کے مشکل ہے اس کے ہی لئے تقلید کی جاتی ہے اگر کسی کو معلوم ہو جاوے تو حاجت تقلید نہ ہو۔ مگر کیونکر معلوم ہو خود یہ بھی تقلید ہی ہے۔ دو حدیث صحیح متعارض کہ نسخ کسی کا معلوم نہیں پھر کسی سے پوچھ کر کسی کو مرجح کرے گا ورنہ تذبذب میں رہا اور احتمال ائمہ کے حدیث نہ ملنے کا ایک لغو امر ہے۔ جب مصرح اس کی تحقیق موجود ہے پھر یہ احتمال محض ہوائے نفسانی ہے۔

جیسا احادیث جہر آمین و رفع یدین وغیرہ میں صحیح ہیں۔ دوسری جانب بھی احادیث ہیں ترجیح معارضہ کے وقت ہوتی ہے یہاں معارضہ ہی نہیں۔ امام صاحب بھی وجود ان افعال کے مقر ہیں مگر آخر فعل ہونا ثابت نہیں ہوتا تعارض میں وحدت زمان شرط ہے دو وقت میں دو فعل کئے ناسخ کا حال اور منسوخ کا محقق نہیں ہر ایک نے ترجیح ایک جانب کو اجتہاد سے دی ہے جس کو چاہے قبول کر لیوے اگر سمجھ جاؤ تو مطلع کر دینا ورنہ پھر لکھنا کہ تمہاری اصلاح ضروری ہے۔ تم تو ایک ہی بحث میں بہک کر آل پتال کہنے لگے۔ اور شرم مت کرنا صاف صاف لکھنا کہ دین کی بات ہے۔ لغزش عالم کی خلق کو تباہ کرتی ہے۔ غیر مقلدین انہیں دو تین قاعدہ کے خبط سے خراب ہو گئے ہیں۔ براہین قاطعہ کو سمجھ لیتے تو ان خدشات سے محفوظ رہتے مگر سرسری نظر سے دیکھا ہے۔

بندہ
رشید احمد از گنگوہ

# خاتمہ

حضرت امام العارفین سراج السالکین خضر الطریق مظہر التوفیق فقیہ العصر حکیم الامت مجدد الملت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ کی تمہید میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ چند مسائل متعلقہ ازدواج بصورت اختلاف مذہب کا اضافہ بطور ضمیمہ کیا جاوے گا جس میں خصوصیت سے یہ بات بھی واضح کی جاوے گی کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں اور بعد تجدید اسلام دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے قلت فرصت کی وجہ سے اس ناکارہ غلام کو ارشاد فرمایا اس لئے تعمیل ارشاد کے لئے یہ رسالہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور نام اس کا حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج تجویز ہوا حق تعالےٰ اس کو بھی اصل رسالہ کی طرح مفید و مقبول فرماوے اور حضرت کے فیوض سے متمتع فرمائے آمین!

بندہ محمد شفیع دیوبندی غفرلہٗ
خادم دار الافتاء دیوبند

# تقلیدِ شخصی

## کا ثبوت

# صحابۂ کرامؓ کے تعامل سے

## از

## افاداتِ سیدی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت فضائلہم

"مولانا موصوف کی مجالس عموماً افاداتِ علمیہ سے معمور رہتی ہیں ایک اتفاقی مجلس میں آپ نے دو عظیم الشان فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا جن میں سے ایک اس صحبت میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے تقلید شخصی کے ثبوت میں صحیح بخاری کی روایت سے صحابہ کرام کے تعامل کا ایک واقعہ بیان فرمایا جس کو احقر نے باضافہ مختصر تمہید ضبط کر لیا وہو ہذا۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کسی مسلمان کو اس میں خلاف نہیں ہو سکتا کہ اصل حکم تمام امور میں حق تعالیٰ کا ہے اور صرف اُسی کا اتباع ہر شخص پر واجب ہے۔ انبیاء و رسل کے احکام جو واجب التسلیم ہیں وہ بھی صرف اسی بناء پر کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کے مبلغ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ اگر اپنے اجتہاد سے بھی کچھ حکم دیتے ہیں تو اس بناء پر کہ اُس کو کسی قرینہ و دلیل سے حق تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہیں اور اسی لئے خود حق سبحانہ و تعالیٰ نے اُن کے احکام کی اطاعت مخلوق پر فرض و واجب قرار دی ہے ورنہ ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم قابل تسلیم نہیں) قرآن کا کھلا ہوا اعلان ہے۔

اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو گئی کہ جس طرح انبیاء و رسل کے احکام کی اطاعت کو حق تعالیٰ کے ساتھ شرک فی الحکومۃ والربوبیۃ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح ائمہ امت جو انبیاء کرام

علیہم السلام کے نائبین اور اُن کے احکام کی حقیقت کو پوری طرح سمجھنے والے ہیں اُن کے تبلائے ہوئے احکام کی تبلیغ کرنے والے ہیں وہ جو کچھ اجتہاد سے بھی کہتے ہیں تو اس کی بھی اصل کتاب و سنّت کی ساتھ مستند ہوتی ہے۔ تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح ائمہ دین کی اطاعت بھی بلا شبہ اللہ و رسول کی اطاعت ہے، اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے۔

آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) میں قرآن کریم نے اسی اصول مسئلہ کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ خود قرآن و حدیث کے غوامض کو نہیں سمجھ سکتے وہ اہل علم سے احکام الٰہیہ دریافت کریں اور اُن کی تقلید کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر احکام خداوندی پر عمل کریں۔ اور یہ ایک ایسا مسلّم الثبوت ضابطہ ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے منصف اہل حدیث بھی مطلق تقلید کے جواز بلکہ وجوب میں اختلاف نہیں کرتے۔ اور اسی لئے اس کے عقلی اور نقلی دلائل جو عامہ کتب میں مذکور و معروف ہیں اُن کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اختلاف اور بحث صرف اس میں ہے کہ امام معیّن کی تقلید پر پابندی کی جاوے کہ ایک امام کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جاوے جس کو اصطلاح میں تقلید شخصی کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی حقیقت کو سمجھ لیا جاوے تو یہ بھی کوئی مشکل بحث نہیں رہتی۔

**تقلید شخصی کی حقیقت** اصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص اتباع ہویٰ (خواہش پرستی) کی حرمت و ممانعت کے لئے آئی ہیں اور اسی لئے ائمہ اربعہ اور تمام اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ اتباع ہویٰ احکام دینیہ میں قطعاً حرام ہے جو شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھ کر اُس کی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن و حدیث میں اس کے دلائل ڈھونڈھتا ہے وہ اپنے ارادے اور خیال کے اعتبار سے متبع ہویٰ ہے متبع قرآن نہیں اگرچہ قرآن میں اُس کی کوئی سند اتفاقاً مل بھی جاوے معاملہ علیم و خبیر کے ساتھ ہے جو دلوں کی گہرائیوں پر مطلع اور نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ

## اِعلامُ السؤال
عن
## اَعلامِ الرسول

# علم نبوی کی تحقیق

****************

مقام تصنیف — دار العلوم کراچی

تاریخ تصنیف — ۷؍شعبان سنہ ۱۳۹۰ھ

********

سنہء کے عام انتخابات میں جہاں نظریاتی فتنے اٹھائے گئے، وہاں لاتعداد جھنڈے بھی برآمد ہوئے، ہر ایک پارٹی نے اپنے زعم کے مطابق اپنے نظریات کے لئے مخصوص جھنڈے استعمال کئے جن کو ان نظریات کا مظہر قرار دیا گیا۔

ایک جماعت نے اپنے جھنڈے کو خالص "علم نبوی" قرار دیا، اس پر اطراف ملک سے بے شمار سوالات آنے لگے پیش نظر رسالہ میں بھی سوال وجواب مذکور ہیں اور شاید اس موضوع پہ یہ اپنی طرز کا پہلا اور انوکھا رسالہ ہے۔

******

رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں اس پر ایک مبسوط مقالہ میں تمام امت کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب ڈھونڈھتا ہے۔ اور اپنی ہویٰ پر عمل کر کے اس کو کسی امام کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا متبع نہیں۔ بلکہ متبع ہویٰ ہے اور ایسا کرنا دین کو ایک کھلونہ بنانا ہے۔

ابن تیمیہؒ کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوىٰ ومثل هذا لا يجوز باتفاق الامة (ثم قال بعد ثلاثة اسطر) ونظير هذا ان يعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا كان طالباً لها وعدم ثبوتها اذا كان مشترياً فان هذا لا يجوز بالاجماع وكذا من بنى صحة ولاية الفاسق في حال نكاحه وبنى على فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذٰلك باجماع المسلمين ولو قال المستفتي المعين انا لم اكن اعرف ذٰلك وانا اليوم التزم ذٰلك لم يكن من ذٰلك لان ذٰلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة الى ان يكون التحريم والتحليل

یہ لوگ ایک وقت اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اس امام کی جو اس کو صحیح قرار دیتا ہے اور یہ محض اپنی غرض و ہویٰ کی وجہ سے ہے اور ایسا کرنا باتفاق امت ناجائز ہے (پھر اس کے تین سطر بعد لکھا ہے) اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہو تو (مذہب امام ابوحنیفہ کے موافق) شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے اور اگر مشتری ہو اور دوسرا شخص طالب شفعہ ہو تو (مذہب امام شافعیؒ کے مطابق) اس کے عدم ثبوت کا معتقد بن جائے۔ ایسے ہی وہ شخص جو بحالت قیام نکاح ولایت فاسق کی صحت کا قائل اور اس کی بناء پر منافع نکاح سے منتفع ہے مگر جب طلاق ثلثہ دیدے تو حرمت مغلظہ سے بچنے کے لئے ولایت فاسق کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے سکے یہ باجماع مسلمین جائز نہیں۔ اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اس کا قول قابل تسلیم

# الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل سیاسی ہماہمی اور انتخابی سرگرمیوں کے سلسلہ میں جھنڈوں کا مقابلہ بھی ہو رہا ہے، ایک جماعت کا سیاہ اور سفید دھاریوں والا جھنڈا ہے، یہ جماعت کہتی ہے کہ یہ پرچم نبوی ہے اور حدیث سے اس کا ثبوت دیا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں عَلَمِ نبویؐ کے لئے لفظ "النمرۃ" وارد ہوا ہے جو علم مذکور کا مصداق ہے، کیا ان لوگوں کا یہ بیان صحیح ہے؟ اگر سیاہ و سفید دھاریوں والا جھنڈا استعمال کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو کیا اس جھنڈے کو کوئی تقدس حاصل ہے اور کیا اس کو دفع مصائب کے لئے گھروں پر لگا دینا درست ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ علم مذکور کے علاوہ دوسرے رنگوں کے جھنڈے استعمال کرنا بھی سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

**المستفتی**

محمد عبد المنان

مدینہ مسجد۔ کھلنا (مشرقی پاکستان)

# الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عَلَمِ مبارک کس قسم اور کس رنگ کا تھا اور موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی سیاہ و سفید دھاریوں والے عَلَم کو جو علم نبوی کہتی ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ سوالات آج کل اطراف پاکستان سے آرہے ہیں اور اس کو بلا وجہ بحث و جدال کا ایک نیا موضوع بنا دیا گیا ہے، ایک پارٹی اپنے

بحسب الاھواء

(فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ص ۱۴۰ و ص ۱۴۲)

نہیں کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولنا ہے اور اس کا سبب بنتا ہے کہ حرام و حلال کا مدار محض اہواء و خواہشات پر ہو جاوے۔

علماء امت کی تصریحات اس بارہ میں بے شمار ہیں ہم نے اُن میں سے صرف حافظ ابن تیمیہؒ کے کلام پر اس لئے اکتفاء کیا کہ حضرات اہل حدیث بھی ان کی امامت وجلالت کے قائل اور بہت سے معاملات میں ان کے متبع ہیں۔

الغرض اتباع ہوی باجماع امت حرام ہے۔ اور ادھر یہ بات تجربہ سے محسوس و مشاہد ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں چاہیں ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جس میں چاہیں شافعیؒ کے مذہب پر پھر جب چاہیں مالکیہ کا قول لے لیں اور جب چاہیں حنابلہ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کا تو اس کا انجام لازمی طور پر وہی ہوگا جس کو حافظ ابن تیمیہ رح نے باجماع مسلمین حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ اس شرعی مصلحت کی بناء پر عافیت اور سلامت اس میں دیکھی گئی کہ امام واحد کا اتباع تمام مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباع ہوی سے بچنا ہے اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہوی پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کی ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معین کی تقلید کے ثبوت کے لئے ضروری نہیں کہ قرآن و حدیث میں اُن کا نام بتلایا گیا ہو یا اُن کی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن و سنت مقاصد شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں اُن کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں جیسے حج کا فرض ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ مگر ریل اور جہاز یا موٹر اور اونٹ جن کے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے اُن میں سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب و سنت میں ڈھونڈھنا ناواقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے۔ اس لئے اگر کتاب و سنت میں کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا صرف اتباع ہوای کی ممانعت تقلید شخصی کے ثبوت کے لئے کافی تھی۔

جھنڈے کو خصوصی طور پر علم نبوی کہنے پر مصر ہے دوسری پارٹیاں اس کی مخالفت پر ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ واقعہ کی اصل حقیقت مستند روایات حدیث سے واضح کردی جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ لفظ "علم" کے ساتھ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی روایت کتب متداولہ میں نہیں ملی، لفظ "لوا" اور "رایہ" کے الفاظ سے حدیث میں مختلف روایات آئی ہیں، لوا اور رایہ بھی جھنڈے ہی کو کہا جاتا ہے۔

اس میں علمائے حدیث و لغت کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؛ بعض کا قول یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اور اکثر حضرات نے فرق کیا ہے، امام ترمذی رح نے دونوں لفظوں کے الگ الگ باب قائم کرکے اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عام طور سے حضرات محدثین اور علمائے لغت کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "لوا" بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں جو امیر المومنین کے ساتھ رہتا ہے اور مقامِ امیر کا پتہ دیتا ہے، اور "رایہ" چھوٹے چھوٹے جھنڈے ہوتے ہیں جو لشکر کے مختلف حصوں کے نشانات ہوتے ہیں، بعض حضرات نے اس کے برعکس بھی کہا ہے اور روایات حدیث و تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی لوا کی جگہ رایہ اور رایہ کی جگہ لوا کا لفظ بھی توسعاً استعمال کیا گیا ہے اسی لئے بعض حضرات نے دونوں لفظوں کو ہم معنی قرار دیا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک جہاد ہوتے تھے تو ان دونوں یعنی لوا اور رایہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی تھی، لوا النبی اور رایۃ النبی کہا جاتا تھا۔

عام روایات حدیث جن کی تفصیل بعد میں آتی ہے اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا مبارک (یعنی بڑا جھنڈا) سفید تھا، ترمذی کی روایت سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے وقت بھی سفید لوا ہی آپ کے ساتھ تھا، اور بعض روایات سے کسی وقت سیاہ لوا کا استعمال بھی معلوم ہوتا ہے (کماذکرہ ابن قیم فی الزاد)۔

لیکن حضرات صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرن اول میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ عام حضرات صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے۔ پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کر کے عمل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرات اتباع ہوی کے خطرہ سے محفوظ و مامون تھے۔ اور بعض اُس وقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے جس کی ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے اور یہی اس تحریر کا اصل مقصد ہے۔

# اہلِ مدینہ کا تعامل زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

ان اهل المدينة سألوا ابن عباس رضؓ عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد۔ (بخاری باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت). کتاب الحج۔

اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس رضؓ سے اُس عورت کے بارہ میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہو گئی ہو آیا کہ وہ طواف وداع کے لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف اُس سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کو چلا جانا جائز ہو گا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔

اور فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

افتيتنا اولم تفتنا زيد بن ثابت يقول لا تنفر۔

آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جاسکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہ رضؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

فقالت الانصار لا نتابعك يا ابن عباس وانت تخالف زيدا فقال سلوا صاحبتكم ام سليم۔ (فتح الباری ص۴۹۳ ج۳)

انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کا اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ سے دریافت کریں (کہ مسئلہ یہی صحیح ہے جو میں نے تلایا)

البتہ چھوٹے جھنڈے جو خاص خاص قبائل اور لشکر کے مختلف حصوں کی علامت سمجھے جاتے تھے وہ مختلف رنگ کے ثابت ہیں، ان میں سفید رنگ بھی ثابت ہے، سُرخ بھی، زرد بھی، سیاہ بھی اور سیاہ و سفید کا مجموعہ بھی، جس کی تشریح شراح حدیث نے یہ کی ہے کہ اس میں سیاہ و سفید خطوط تھے، اور عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحہ نے ان مختلف رنگوں کی وجہ یہ تبلائی ہے کہ اوقات مختلفہ میں مختلف رنگ استعمال کئے گئے ہیں (قلت وجہ الاختلاف باختلاف الاوقات۔ عمدہ ص ۲۲۳ ج ۱۴) مجموعہ روایات حدیث سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بڑا جھنڈا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا وہ تو عموماً سفید رہتا تھا کیونکہ سفید رنگ آپ کو محبوب بھی تھا، اور کبھی سیاہ بھی استعمال ہوا ہے اور لشکر کے مختلف حصوں کے لئے چھوٹے چھوٹے مختلف رنگوں کے سفید، سیاہ، سرخ، زرد اور سیاہ و سفید سے مرکب استعمال ثابت ہے، اس مجموعہ تعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ جھنڈوں کا کوئی خاص رنگ مطلوب و مقصود نہ تھا، بلکہ وقت پر جس رنگ کا کپڑا میسر آگیا وہ استعمال کر لیا گیا، اور یہی اسلامی سادگی اور اسلامی تعلیمات کا اصل مزاج ہے، سیرت حلبیہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "رایہ سوداء" جس کا ذکر حدیث میں ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی ایک چادر سے بنایا گیا تھا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وقت پر جیسا کپڑا آسانی سے مل گیا اس کو استعمال کر لیا گیا۔

اور یہ رواج جو آج کل تمام ممالک اور تمام اقوام میں چل گیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک کا جھنڈا اور اس کا مخصوص رنگ و ہیئت ایک مستقل قومی نشان سمجھا جاتا ہے اور اسی کو قوم کے اندازِ فکر کا مظہر قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں جھنڈے اس کام کے لئے استعمال نہ ہوتے تھے، بلکہ وہ صرف جنگ و جہاد میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے تھے، اسی وجہ سے ان کے رنگ اور ہیئت کا مختلف اوقات میں مختلف ہوتا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اگر جھنڈوں کو مستقل قومی نشان اور اسلامی فکر و عمل کا آئینہ دار بنانا مقصود ہوتا۔

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کی گفتگو کے الفاظ مذکورہ سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہوگئیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابت رضہ کی تقلید شخصی کرتے تھے اُن کے قول کے مقابل کسی کے فتوے پر عمل نہ کرتے تھے۔ دوئم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی النبوۃ ہے، حرام ہے۔ ناجائز ہے۔ بلکہ اُن کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابت رضہ کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انھوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضہ کے ارشاد کے موافق حضرت ام سلیم رضہ سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابت رضہ کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابت رضہ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کے قول کو قبول فرمالیا اور اپنے سابق فتوے سے رجوع کرلیا (کما صرح بہ فی الفتح ص ۴۶۴ ج ۲)۔

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے۔ وہ کسی امام معین کی تقلید کو اپنے پر لازم کرلیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

## تنبیہ

اس واقعہ سے قرن اوّل اور حضرات صحابہ کے تعامل سے تقلید شخصی کا ثبوت و جواز ثابت ہوا۔ پھر قرون متاخرہ میں اُس کو واجب و لازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہویٰ سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہوگیا۔ اس کے وجوب کی بھی ایک نظیر قرن اوّل ہی میں موجود ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ رسالہ میں لکھی جاوے گی۔ واللہ الموفق

حررہ العبد محمد شفیع عفا اللہ عنہ

فی کورۃ لیکری من مضافات دیوبند لست من شوال المکرم ۱۳۵۰ھ

تو یہ صورت ہرگز نہ ہوتی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی چادر مل گئی تو اس کا جھنڈا بنالیا اور کبھی کسی رنگ کا، کبھی کسی رنگ کا جھنڈا استعمال فرمایا۔ اس زمانہ میں جو جھنڈے کو قومی نشان اور قومی انداز فکر کا مظہر بنا کر استعمال کیا جارہا ہے یہ بھی اگرچہ کوئی ناجائز فعل نہیں، مگر اس کو سنت نبوی کہنا بھی درست نہیں۔

جس مخصوص رنگ کے جھنڈے کو ایک خاص پارٹی عَلَمِ نبوی کہنے پر اصرار کرتی ہے، اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ وسفید رنگ کا جھنڈا بھی استعمال فرمایا ہے۔ اسی لئے حدیث میں مسود اومن نمرۃ کا لفظ آیا ہے، شارحین اس کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ اس میں سیاہ وسفید خطوط کی آمیزش تھی لیکن اس آمیزش کی ہیئت کیا تھی؟ خطوط کی تعداد کتنی تھی؟ دھاریاں تھیں تو اوپر سے نیچے کو تھیں یا کسی دوسری طرح ٹیڑھی تھیں یا سیدھی؟ اس کی کوئی تفصیل روایات میں نہیں آئی، لہٰذا کسی خاص ہیئت نوعیت کا تعین پھر اس کی خصوصیت کا اور اس میں خاص تقدس کا ادعاء بالکل غلط اور بے دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یا جماعت اپنے جھنڈے میں ٹھیک وہی رنگ اور وہی ہیئت اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تب بھی اس کو عَلَمِ نبوی یا پرچم نبوی کہنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص سیاہ دستار استعمال کرے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ اور دوسرے مواقع میں سیاہ عمامہ استعمال فرمانا مستند احادیث سے ثابت ہے تو وہ محض اس رنگ کے اشتراک کی بنا پر اپنی دستار کو دستار نبوی یا عمامہ نبویہ کہنے لگے۔

امت نے لباس اور رنگ وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا ہر زمانہ میں بڑا اہتمام کیا ہے؛ اور آپ کے ساتھ ادنیٰ مشاکلت کے ثواب اور سعادت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، مگر یہ کہیں نہیں سنا گیا کہ کسی نے اس اشتراک رنگ کی وجہ سے اپنی قمیص کو قمیص نبوی یا اپنی دستار کو دستار نبوی کہا ہو۔ جھنڈوں کے رنگ میں بھی امت نے ضرور آپ کے جھنڈوں کے رنگ وغیرہ کی متابعت کی کوشش

ہر زمانہ میں کی ہوگی، لیکن یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس متابعت کی وجہ سے کسی نے اپنے جھنڈے کو علَم نبوی کہا ہو۔ آج بھی اگر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کی نیت سے سیاہ و سفید جھنڈا استعمال کیا خواہ وہ مشابہت پوری بھی نہ ہو تو اس نیت کا ثواب اُس کو ضرور ملے گا، مگر اس کو علَم نبوی کہہ کر دوسروں پر اپنے تفوق جتاتے پھرنے کا کوئی جواز نہیں، اس سے وہ ثواب بھی ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، خاص طور سے عوام کو یہ جتانا جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے بالکل ہی بے اصل ہے کہ اس خاص ہیئت کا پرچم اگر مکانات پر لگایا جائے تو دفع مصائب کا ذریعہ بنے گا۔

اس کے علاوہ اس وقت قابل غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض کے مجموعی تعامل میں جس چیز کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی کہ جھنڈے کا رنگ کیسا ہو اسی کو ایک سب سے بڑا مسئلہ بنا دینا حدود سے کس قدر تجاوز ہے! کیا مقاصد اسلامیہ انھی دلائل سے ثابت کئے جاتے ہیں؟ اگر کوئی بُری سے بری جماعت ٹھیک اس رنگ اور ہیئت کا جھنڈا استعمال کرنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا تھا تو کیا یہ جھنڈے کا رنگ اس کی حقانیت کی دلیل اور اس کے تقدس کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

**مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس فضول جدال سے بچیں اور کام کی باتوں میں وقت اور توانائی صرف کریں**

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی شہادت کے لئے روایات حدیث اور اس پر آئمہ حدیث کی چند تصریحات اہل علم کے لئے نقل کی جاتی ہیں، خدا کرے کہ شرح صدر اور رفع نزاع کا ذریعہ بنیں، واللہ الموفق والمعین

# جھنڈے کے رنگ کے متعلق احادیث

(۱) باب ماجاء فی الالویہ ــــــ عن جابر رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ ولواءہ ابیض (رواہ الترمذی)

# اتمام الخیر
## فی الافتاء
## بمذہب الغیر

# دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے حدود

اضطراری حالات میں افتاء بمذہب الغیر مشروع ہے، لیکن یہ بہت کٹھن باب ہے، اس کے مخصوص حدود و قیود ہیں جن سے تجاوز کرنا آئمہ کے نزدیک جائز نہیں، جب اضطرار عام کا تحقق ہو جائے اور رجوع الی مذہب الغیر کی تمام شرائط پائی جائیں تو اس کا جواز ثابت ہو جاتا ہے

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا اور اس کے لئے یہ ابتدائی تمہید بھی لکھی گئی تھی، اس کے لئے مختلف کتب سے آپ نے اس موضوع سے متعلق عبارات کے حوالے بھی جمع فرمائے تھے۔

اس وقت فقہی رسائل کے مسودات میں سے یہ تمہید اس موضوع سے متعلق ایک مختصر مسودہ اور عبارات فقہاء کے حوالوں پر مشتمل ایک یادداشت نکل آئی۔ بحکم حضرت مفتی صاحب ان تینوں کو اس امید پر طبع کیا جا رہا ہے کہ شاید کوئی عالم اس کی تکمیل کا ارادہ کرے تو اس وقت انشاء اللہ اس محنت کا ثمرہ نکل آئے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(۲) باب ماجاء فی الرایات ـــــــ سُئل عن البراء بن عازبؓ عن رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سوداء مربعۃ من نمرۃ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح الخ واخرجہ ابوداؤد والنسائی ایضا وفی تفسیر النمرۃ قال علی القاری ھی بردۃ من صوف یلبسھا الاعراب فیھا تخطیط من سواد وبیاض ـــ وعن ابن عباسؓ قال کانت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوداء ولوائہ ابیض ۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ (ترمذی ص ۲۳۷ ۲۳۸ ج اول وفی مجمع الزوائد ص ۳۲۱ ج ۵)

(۳) عن ابن عباس رضؓ وبریدۃ رضؓ ان رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت سوداء ولوائہ ابیض (رواہ ابو یعلی والطبرانی ۔ وفیہ حبان بن عبید اللہ بیض لہ ابن ابی حاتم فھو مجھول وبقیۃ رجال ابی یعلی ثقات)

وعن ابن عباس رضؓ قال کانت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوداء ولوائہ ابیض مکتوب فیہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قلت ورواہ الترمذی وابن ماجہ خلا الکتابۃ علیہ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ حیان وبقیۃ رجالہ رجال صحیح ۔

(۴) وفی زاد المعاد ـــــــ وکانت لہ رایۃ سوداء یقال لھا عقاب وفی سنن ابی داؤد عن رجل من الصحابۃ رایت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفراء وکانت لہ الویۃ بیضاء وربما جعل فیھا الاسود (زاد ص ۳۳ ج ۱)

(۵) وفی عمدۃ القاری وروی ابو الشیخ ابن حبان من حدیث عائشۃؓ قالت کان لواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابیض ۔

(۶) وروی ابو داؤد من روایۃ سماک بن حرب عن رجل من قومہ

یا فتّاح

# اتمام الخیر
## فی الافتاء
# بمذهب الغیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو ولا حکم ولا طاعۃ الا لہ۔ بعث لنا الرسول الامین بحبل متین وکتاب مبین۔ فامر المستنبطین منا باعمال الرویۃ والفکر والذین لا یعلمون ان یسألوا اھل الذکر۔ کیلا یتخذ الھوی مذھبا۔ او یجعل المذھب ملعبا۔ والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید الانس والجان۔ جاء بسمحۃ سھلۃ بیضاء لیلھا ونھارھا سواء۔ وعلی آلہ واصحابہ نجوم الھدایۃ فی دیاجی الغوایۃ ولیالی العمایہ۔

وبعد فقال العبد الضعیف محمد المدعو بالشفیع الدیوبندی کان اللہ لہ۔ ان فی ایامنا ھذہ قد شاعت المعاملات الفاسدۃ والباطلۃ فی التجارات والاجارات وعمت بھا البلوی۔ ومشائخ الائمۃ الاربعۃ متفقون علی جواز العمل والفتوی عند البلوی والاضطرار العام علی ای مذھب من مذاھب الفقھاء المجتھدین یوجد فیہ الرخصۃ والسھولۃ ولکن مشروطاً بشرائط کیلا یتجاسر العوام فی التلعب بالدین واتباع الھوی۔

فاراد العبد الضعیف ان یجمع نصوص المذاھب وشرائط

عن آخر منهم قال رایت رایة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفراء
وروی الطبرانی فی الکبیر من حدیث جابر رضہ ان رایة رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کانت سوداء
(٨) وروی ابن ابی عاصم فی کتاب الجهاد من حدیث کرز بن اسامۃ رضہ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ عقد رایة بنی سلیم حمراء۔
(٩) وروی ایضا من حدیث بریدة رضہ یقول کنت جالسا عند رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعقد رایة الانصار وجعلها صفراء۔
قال العینی فان قلت ما وجه التوفیق فی اختلاف هذه الروایات قلت
وجه الاختلاف باختلاف الاوقات (عمدہ ص ٢٢٣ ج ١٤)
(١٠) وفی السیرة الحلبیة من غزوة البدر الکبری ما نصہ ودفع
صلی اللہ علیہ وسلم اللواء وکان ابیض الی مصعب بن عمیر رضہ وکان
امامہ صلی اللہ علیہ وسلم رایتان سوداوتان احدهما مع علی بن ابی
طالب رضہ ای ویقال لها عقاب وکانت من مرط عائشة رضہ (وفیہ بعد ذلک)۔
وفی الامتاع انہ صلی اللہ علیہ وسلم عقد الالویة وهی ثلاثة لواء
یحملہ مصعب بن عمیر رضہ ورایتان سوداوتان احدهما مع علی بن ابی
طالب رضہ والاخری مع رجل من الانصار۔ وفیہ اطلاق اللواء علی الرایة
وقد تقدم ان جماعة من اهل اللغة صرحوا بترادف اللواء والرایة
(سیرة حلبیة ص ٤٢٣ ج ١)
(١١) قال ابن اسحاق عن عبد اللہ بن ابی بکر رضہ عن عائشة رضہ کان
لواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح ابیض ورایة سوداء
تسمی العقاب وکانت قطعة من مرط مرحل۔ البدایة والنهایة
ص ٢٩٣ ج ٣)

٭

العمل بمذهب الغیر فی جزء مستقل وذلک حین کان العبد الضعیف یتولی منصب الافتاء بدار العلوم دیوبند الهند ۱۳۶۰ سنہ من الھجرۃ۔ فجمع مواد المسئلۃ من کتب شتی ولم یرخص ھجوم المشاغل بسط ھذہ المسئلۃ تصنیفا وتالیفا الی یومنا ھذا من سنہ ۱۳۹۴ھ وقد بلغت الثمانین من عمری وسقطت القوی کلھا۔ والآن لا استطیع النظر فی ما کتبت سابقًا فکیف بترتیبھا وتالیفھا فی صورۃ مقالۃ او رسالۃ۔ فسألنی بعض الاحبۃ ان اجعل مواد ھذہ المسئلۃ کما ھی من غیر ترتیب تشریح جزءً مستقلاً لعلھا تفید اہل العلم والنظر اذا ارادوا الخوض فی ھذہ المسئلۃ فہا ھی من عبارات الفقہاء من کتب شتی من المذاھب۔ واللہ ولی التوفیق۔

العبد محمد شفیع الدیوبندی

دار العلوم کراتشی ۱۴

سنہ ۱۳۹۴ھ

# الفرق بین اللواء والرایة

قال الوشاطی الرایات کانت بخیبر وانما کانت الالویة قبل

(عمدۃ القاری)

وفی شرح المسلم، الرایة العلم الصغیر۔ واللواء العلم الکبیر۔

قلت ویؤیدہ حدیث "بیدی لواء الحمد وآدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامہ"

قال التورپشتی، الرایة ھی التی یتولاھا صاحب الحرب ویقاتل علیھا وتمیل المقاتلة الیھا۔ واللواء علامة کبکبة الامیر یدور معہ حیث دار (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

وفی عمدۃ القاری اللواء العلم الضخم علامة لمحل الامیر

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی ۱۴

۸ شعبان سنہ ۱۳۹۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

اقول وبالله التوفيق ان الحق الحقيق والتحقيق الذی لایمازجہ تلبیس ولاتلفیق فی هذا الباب هوجواز الافتاء بمذهب الامام المالك رحمه الله فی امراة المفقود وغیرها مما مست الضرورة الیه لعموم البلوی فقول عمر فی هذا الباب هوالصحیح المختار لکنه اخطاء فی عدم اشتراط القضاء فان الصحیح المختار عند ارباب الترجیح من مشائخ المالکیة والمرجوع الیه من مذهب امام دار الهجرة رحمة الله علیه هو اشتراط القضاء فی التفریق بین المفقود وزوجه کما صرح به العلامة الباجی فی شرح المؤطا تحت اثر الفاروق الاعظم حیث قال قوله رضی الله عنه ایما امراة فقدت زوجها فلم تدراین هو فانها تنتظر اربع سنین ولم یعتبر بما اقامت قبل ان ترفع الیه. یعنی الحاکم ولو اقامت عشرین سنة (منتقی شرح مؤطا ص ٩٠ ج ٤) وقال العلامة الخلیل وهو من کبار الائمة المالکیة فی مختصره ولزوجة المفقود الرفع الی القاضی والوالی ووالی الماء والا لجماعة المسلمین قال العلامة الدردیری شرحه وان لم یوجد واحد منهم فلجماعة المسلمین من صالحی بلدها. (شرح دردیر علی مختصر الخلیل ص ٣٩٩ ج ١)

وکذلك اشتراط القضاء مصرح عند الحنفیة کما ینص علیه فی الهدایة والکنز والدر وغیرها فالحکم بالتفریق بین المفقود وزوجه بلا اشتراط القضا خلاف للاجماع واما قول من قال ان الافتاء بمذهب الغیر والمذهب المرجوح لایجوز فهو صحیح فی نفسه بلاخلاف

ولا نکار کما صرح بہ فی الدر المختار وعدہ خلافا للاجماع وھو المصرح فی عامۃ کتب الفقہ والاصول وبہ صرح العلامۃ الشامی فی رسالتہ المسماۃ بعقود رسم المفتی غیر ان مواضع الضرورۃ مستثناۃ منہا فالافتاء بالمرجوح فی مسئلۃ المفقود وامثالہ لم تختر الا اخذ اشاھد نا فیہا ضرورۃ تفوق الضرورات والدلیل علی ماقلنا ما ذکرہ العلامۃ ابن عابدین فی رسالتہ المسماۃ بعقود رسم المفتی ولفظہ ومتی کان قول ابی یوسف ومحمد موافق قولہ لا یتعدی عنہ الا فیما مست الضرورۃ وعلم انہ لوکان ابوحنیفۃ رای ما راو لافتی بہ وکذا لو فی ذلک نظم

| | |
|---|---|
| ولا یجوز بالضعیف العمل | ولا یجاب من جاء یسأل |
| الا لعامل لہ ضرورۃ | اومن لہ معرفۃ مشہورۃ |

وقال الشرح ھذہ الابیات والاظہر فی الجواب اخذاً من التعبیر بالتشہی ان یقال ان الاجماع علی منع اطلاق التخییر ای بان یختار ویتشہی مہما اراد من الاقوال فی ای وقت اراد اما لو عمل بالضعیف فی بعض الاوقات لضرورۃ اقتضت ذلک فلا یمنع منہ وعلیہ یحمل ما نقلوا عن الشرنبلالی من ان مذہب الحنفیۃ المنع بدلیل انہم اجازوا للمسافر والضیف الذی خاف الریبۃ ان یاخذ بقول ابی یوسف بعدم وجوب الغسل علی المحتلم الذی امسک ذکرہ عند ما احس بالاحتلام الی ان فترت شہوتہ ثم ارسلہ مع ان ھذا خلاف الراجح فی المذھب لکن اجازوا الاخذ بہ للضرورۃ وینبغی ان یکون من ھذا القبیل ما ذکرہ الامام المرغینانی صاحب الھدایۃ فی کتابہ مختارات النوازل وھو کتاب مشہور ینقل عنہ شراح الھدایۃ وغیرھم حیث قال فی فصل النجاسۃ والدم اذا خرج من القروح قلیلاً قلیلاً غیر سائل فذاک

# طریق السداد
فی
# عقوبۃ الارتداد

# مرتد کی سزا اسلام میں

لیس بمانع وان کثر وقیل لوکان بحال لوترکہ یسئل یمنع انتہی ثم
اعاد المسئلۃ فی نواقض الوضوء فقال ولو خرج منہ شئ قلیل ومسحہ
بخرقۃ حتی لوترك یسیل لا ینقض وقیل الخ ولا یخفی ان المشہور
فی عامۃ کتب المذہب ہو القول الثانی المعبر عنہ واما ما اختارہ
من القول الاول فلم ار من سبقہ الیہ ولا من تابعہ بعد المراجعۃ
الکثیرۃ فہو قول شاذ ولکن صاحب الہدایۃ امام جلیل اعظم مشائخ
المذہب من طبقۃ اصحاب الترجیح والتصحیح کما مر فیجوز للمعذور
تقلیدہ فی ہذا القول عند الضرورۃ فانہ فیہ توسعۃ عظیمۃ لاہل الاعذار
(ثم قال بعد ذلك) وقد ذکر صاحب البحر فی الحیض فی الوان الدماء
اقوالا ضعیفۃ ثم قال وفی المعراج عن فخر الائمۃ لو افتی مفت بشئ
من ہذہ الاقوال فی مواضع الضرورۃ طلبا للتیسیر کان حسنا انتہی
وبہ علم ان المضطر لہ العمل بذلك لنفسہ کما قلنا وان المفتی
لہ الافتاء بہ للمضطر فما مر انہ لیس لہ العمل بالضعیف والافتاء
بہ محمول علی غیر موضع الضرورۃ کما علمتہ من مجموع ما قررناہ
واللہ اعلم - انتہی ما قالہ العلامۃ الشامی فی رسم المفتی قال العبد
الضعیف اقال اللہ تعالی عثراتہ ان ہذا ہو الحق الحقیق الذی لا ینبغی
ان یتجاوز عنہ وہو الامر العدل والقول الفصل فی الباب وبہ صرح
العلامۃ کمال المحقق ابن الہمام فی تحریر الاصول ص ۳۵۰ ج ۳ وفیہ
من المساہلۃ فی ہذا الباب ما لا ینبغی الطہارۃ والساعۃ فی زمننا ہذا
الغلبۃ الفساد واتباع الہوی فرأینا الحبیبۃ علی غیرہ اولی ولکن نورد ہہنا
شرائط الانتقال من مذہب الی مذہب آخر وہو جملۃ مفیدۃ اشتدت
الضرورۃ الیہ وہو ہذا قال الرویانی یجوز تقلید المذاہب والانتقال
الیہا بثلاثۃ شروط ان لا یجمع بینہا علی صورۃ تخالف الاجماع کمن تزوج

مقام تالیف ——— دیوبند

تاریخ تالیف ——— ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

اشاعت اوّل ——— دارالاشاعت دیوبند

"قادیانیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل نہیں ہے، اس سلسلہ میں ان کا آرگن "پیغام صلح" بار بار قتل مرتد کے اجماعی حکم کے خلاف مضامین شائع کر رہا تھا، یہ مقالہ اس کی تردید میں سپرد قلم کیا گیا"

بغير صداق ولا ولى ولا شهود فان مثل هذه الصورة لم يقل بها احد وان يعتقد فيمن يقلده الفضل بوصول اخباره اليه ولا يقلد اميا فى عماية ولا يتتبع رخص المذاهب انتهى (تحرير الاصول ص ٣٥٢ ج ٣) و قال الامام العلامة سيف الدين الآمدى فى احكام الاحكام فى هذا الباب ما نصه۔

المسئلة الثامنة اذا اتبع العامى بعض المجتهدين فى حكم حادثة من الحوادث وعمل بقوله فيها اتفقوا على انه ليس له الرجوع عنه فى ذلك الحكم بعد ذلك الى غيره وهل له اتباع غير ذلك المجتهد فى حكم آخر اختلفوا فيه فمنهم من منع منه ومنهم من اجازه وهو الحق نظرا الى ما وقع عليه اجماع الصحابة من تسويغ استفتاء العامى لكل عالم فى المسئلة وانه لم ينقل عن احد من السلف الحجر على العامة فى ذلك ولو كان ذلك ممتنعا لما جاز من الصحابة اهماله والسكوت عن الانكار عليه ولان كل مسئلة لها حكم نفسها فكما لم يتعين الاول للاتباع فى المسئلة الاولى الا بعد سواله كذلك فى المسئلة الاخرى واما اذا عين العامى مذهبا معينا كمذهب الشافعى او ابى حنيفة او غيره وقال انا على مذهبه وملتزم له فهل له الرجوع الى الاخذ بقول غيره فى مسئلة من المسائل اختلفوا فيه فجوزه قوم نظرا الى ان التزامه لمذهب معين غير ملزم له ومنع من ذلك آخرون لانه بالتزامه المذهب صار لازما له كما لو التزم مذهبه فى حكم حادثة معينة والمختار انما هو التفصيل و هو ان كل مسئلة من مذهب الاول اتصل عمله بها فليس له تقليد الغير فيها وما لم يتصل عمله بها فلا مانع من اتباع غيره فيها انتهى (احكام ص ٣١٨ ج ٤) وفى كتاب الاحكام للآمدى من ليس بمجتهد هل تجوز له الفتوى بمذهب غيره من المجتهدين كما هو المختار فى زماننا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

قادیانی مذہب اور اُس کی تحریفات نے جن ضروریاتِ اسلامیہ کو تختۂ مشق بنایا ہے وہ غالباً ہمارے ناظرین سے مخفی نہیں۔ ختم نبوت کا انکار، نزول مسیح کا انکار اور فرشتوں کا زمین پر آنے سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ تھا مگر ہم سمجھتے تھے کہ یہ سب اولوالعزمیاں مرزا صاحب کے دم تک ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتے تھے اور اس کا مستحق سمجھتے تھے کہ حدیثِ نبوی کے ذخیرہ میں سے جس حصّہ کو چاہیں لیں اور جس کو چاہیں (نعوذ باللہ) ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں جس کا خود مرزا صاحب نے اپنی تصانیف شہادت القرآن اور اربعین ص ۱۵ وغیرہ میں کھلے بندوں اعلان کیا ہے لیکن آج نعمت[1] اللہ خاں مرزائی کے قتل نے یہ بات دکھلا دی کہ ع

"ایں خانہ تمام آفتاب است"

مرزا صاحب کے مرنے سے بھی نصوص شرعیہ کی تحریف اور بدیہی الثبوت مسائل اسلامیہ کے انکار کا دروازہ بند نہیں ہوا بلکہ اُن کا روحانی فیض آج تک اپنے لوگوں میں کام کر رہا ہے جس کی نظیر یہ ہے کہ شریعتِ اسلام کا کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو نے

[1] یہ شخص کابل میں مرزائی دجل کی اشاعت کرنے کے لئے گیا تھا۔ والی کابل نے علماء کے فتویٰ سے کر اس کو قتل کرا دیا اس پر مرزائی اُمت بجائے اس کے کہ اپنے مرتد نہ ہونے کا ثبوت پیش کرتی اس قدر چراغ پا ہوئی کہ اسی کا انکار کر دیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ارتداد کی وجوہ میں ایک اور وجہ کا اضافہ کر دیا کہ اسلام کا ایسا قطعی حکم جو قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع سے ثابت ہے اُس کی تحریف کر ڈالی۔ اس زمانہ میں اخبارات میں یہ بحث چلی کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے یا نہیں۔ احقر نے یہ مضمون اسی زمانہ میں لکھ کر اخبارات کو دیا تھا۔ پھر بعض احباب کے تقاضا سے مناسب معلوم ہوا کہ مستقل بھی شائع کر دیا جاوے ۱۲ منہ

هذا اختلفوا فيه فذهب ابو الحسين البصري وجماعة من الاصوليين الى المنع من ذلك لانه انما يسئال عما عنده ولانه لوجازت الفتوى بطريق الحكاية عن مذهب الغير لجاز ذلك للعامی وهو محال مخالف للاجماع ومنهم من جوزه اذا ثبت ذلك عنده بنقل من يوثق بقوله والمختار انه اذا كان مجتهدا فی المذهب بحيث يكون مطلعا على ماخذ المجتهد المطلق الذی يقلده وهو قادر على التفريع على قواعد امامه واقواله متمكن من الفرق والجمع والنظر والمناظرة فی ذلك كان له الفتوى تمييزاً له عن العامی ودليله انعقاد الاجماع من اهل كل عصر على قبول مثل هذا النوع من الفتوى وان لم يكن كذلك فلا (احكام الاحكام ص۳۱۵ ج۴) وفی تحرير الاصول للكمال ابن الهمام و شرحه لابن امير الحاج مسئله لا يرجع المقلد فيما (قلد المجتهد فيه ای عمل به اتفاقا) ذكره الآمدی وابن الحاجب لكن قال الزركشی وليس كما قالا ففی كلام غيرهما ما يقتضی جريان الخلاف بعد العمل ايضا وكيف يمتنع اذا اعتقد صحته لكن وجه ما قالاه انه بالتزامه مذهب امام مكلف به مالم يظهر له غيره والعامی لا يظهر له بخلاف المجتهد حيث ينتقل من امارة الى امارة (الى ان قال) نعم المفتی على مذهب الامام اذا افتى بكون الشئ واجبا او مباحا او حراما ليس له ان يقلد و يفتی بخلافه لانه حينئذ محض تشهی كذا (ثم قال) وهل يقلد غيره ای غير من قلده اولا فی شئ (فی غيره) ای غير ذلك الشئ كان يعمل اولا فی مسئلة بقول ابی حنيفة رح وثانيا فی اخرى بقول مجتهد آخر (المختار) كما ذكره الآمدی وابن الحاجب (نعم للقطع) بالاستقراء التام (بانهم) ای المستفتين فی كل عصر من زمن الصحابة وهلم جراً كانوا يستفتون مرة واحدة ومرة غيره غير ملتزمين مفتيا واحدا وشاع

کی سزا قتل ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کے بعد احادیث نبویہ کا ایک بڑا دفتر اس حکم کا صاف طور سے اعلان کر رہا ہے جن میں سے تقریباً تیس حدیثیں ہمارے زیرِ نظر ہیں جن کو اگر ضرورت سمجھی گئی تو کسی وقت پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر خلافتِ اسلامیہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو چاروں خلفائے راشدین سے لے کر بعد کے تمام خلفاء کا متواتر عمل بتلا رہا ہے کہ یہ مسئلہ اُن بدیہیاتِ اسلامیہ سے ہے کہ جس کا انکار کسی مسلمان سے متصور نہیں۔

بایں ہمہ آج جب کہ دولتِ افغانستان (زادہا اللہ شرفاً و اجلالاً) نے اس شرعی اور قطعی فیصلہ کے ماتحت نعمت اللہ خاں مرزائی کو قتل کر دیا تو فرقہ مرزائیہ کی دونوں پارٹیاں قادیانی اور لاہوری اور بالخصوص اُس کا آرگن پیغام صلح سرے سے اس حکم کے انکار پر تُل گئے اور دولتِ افغانستان پر طرح طرح کے بیہودہ عیب لگانے اور اُن کے عین شرعی فیصلہ کو وحشیانہ حکم ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔

ہمیں اس دیدہ دلیر معاصر سے سخت تعجب ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کو چیلنج دیتا ہے کہ از روئے شریعتِ اسلامیہ مرتد کی سزا قتل ہونا ثابت کریں۔ حالانکہ یہ مسئلہ اسلام میں اس قدر بدیہی الثبوت ہے کہ ہم کسی مسلمان پر بلکہ خود ایڈیٹر پیغام صلح پر بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ اس قدر ناواقف اور احکامِ شرعیہ سے غافل ہوں گے کہ ان کو قتلِ مرتد کی کوئی دلیل ادلۂ شرعیہ میں نہیں ملی۔ میں تسلیم کر سکتا ہوں کہ قرآن کریم کے دلائل اور اُس کے محیر العقول لطائف ان کی پرواز سے بالاتر ہونے کی وجہ سے ان کی نظر سے اوجھل رہے ہوں۔ لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ احادیث کا اتنا بڑا دفتر ایک شخص پر بالکل مخفی رہے جو منہ بھر بھر کر علم کی ڈینگ مارتا ہے اور علمائے اسلام کے منہ آتا ہے۔

ہاں میں اُن کو اس میں بھی معذور سمجھتا کہ یہ سب حدیثیں غیر درسی کتابوں میں ہیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ ان میں سے دس بارہ حدیثیں وہ ہیں جو حدیث کی درسی کتابوں (صحاح) پر ایک سرسری نظر ڈالنے والے کے بلا تکلف سامنے آجاتی ہیں۔ جن سے معمولی درجہ کے طالب علم بھی ناواقف نہیں رہ سکتے۔ مگر ایڈیٹر پیغام صلح ہیں کہ نہایت دلیری کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ (سنت نبوی میں قتلِ مرتد کا کوئی اُسوہ نہیں ملتا)۔

وتكرر ولم ينكروهذا اذا لم يلتزم مذهبًا معينًا فلو التزم مذهبًا معينًا
كابي حنيفة رح والشافعي رح فهل يلزمه الاستمرار عليه فلا يعدل عنه
في مسئلة من المسائل فقيل يلزم لانه بالتزامه يصير ملزما بـه
كما لو التزمه في حكم حادثة معينة ولانه اعتقد ان المذهب الذي
انتسب اليه هوالحق فعليه الوفاء بموجب اعتقاده وقيل لا يلزم
وهو الاصح كما في الرافعي وغيره لان التزامه غير ملزم اذ لا واجب
الا ما اوجبه الله تعالى ورسوله ولم يوجب الله ولا رسوله على احد
من الناس ان يتمذهب بمذهب رجل من الامة فيقلده في دينه
في كل ما ياتي ويذر دون غيره (الى ان قال) ثم قال الامام صلاح الدين
علائي والذي صرح به الفقهاء في مشهور كتبهم جواز الانتقال في
احاد المسائل والعمل فيها بخلاف مذهب امامه الذي يقلد مذهبه
اذا لم يكن ذلك على وجه التتبع للرخص انتهى (تحرير مع شرحه ص ٣٥١
ج ٣) وبمثل هذا صرح الاسنوي في شرح المنهاج للبيضاوي حيث قال
اذا قال مجتهدًا في مسئلة فليس له تقليد غيره منها اتفاقا ويجوز ذلك
في حكم آخر على المختار فلو التزم مذهبًا معينًا كالطائفة الشافعية
والحنفية ففي الرجوع الى غيره من المذاهب الثلاثة اقوال ثالثها
يجوز الرجوع في مالم يعمل به ولايجوز في غيره -

(فائدتان) احدهما ذكر القرافي في شرح المحصول ان تقليد
مذاهب الغير حيث جوزناه فشرطه ان لايكون موقعا في امر يجتمع
على ابطاله الامام الذي كان على مذهبه والامام الذي انتقل اليه
فمن قلد مالكًا مثلاً في عدم النقض باللمس الخالي عن الشهوة فلا
بد ان يدلك بدنه ويمسح جميع راسه والا فتكون صلوته
باطلة عند الامامين انتهى بقدر الضرورة (اسنوي على المنهاج ص ٣٣١

ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کلام غیظ و غضب کی بدحواسی میں ان کے قلم سے نکل گیا ہے (جس پر وہ افاقہ کے بعد قرآن و حدیث کو دیکھ کر پشیمان ہوئے ہوں گے) یا واقع میں اُن کی تحصیل اور مبلغ علم یہی ہے کہ جس حکم سے قرآن و حدیث اور تعامل سلف کے دفتر بھرے ہوئے ہوں اُن کا دماغ اُس کے علم سے ایسا کورا ہے کہ علمائے اسلام کو اُس کے اثبات کا اس بیہودہ خیال پر چیلنج دے رہے ہیں کہ وہ ثابت نہ کرسکیں گے۔ اور اگر ایسا ہے تو ہم ایڈیٹر صاحب کو اس معاملہ میں بھی معذور سمجھیں گے کیونکہ اُن کو مرزا صاحب ایک ایسے کام میں لگا گئے ہیں جس سے وہ کسی وقت فارغ نہیں ہوسکتے۔ مرزا صاحب کے متہافت اور متعارض اقوال کی گتھیوں کا سلجھانا ہی عمر گنوا دینے کے لئے کافی ہے۔ ان کو کہاں فرصت کہ وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طرف متوجہ ہوں اور آپ کی احادیث کو پڑھیں اور سمجھیں۔

اگرچہ مرزائی فرقہ کے حالات کا تجربہ رکھنے والے حضرات یہاں بھی یہی کہیں گے کہ یہ سب شقیں غلط ہیں۔ در اصل یہ سب احکام قرآن و حدیث اُن کے ضرور سامنے ہیں مگر وہ جان بوجھ کر دیکھتے آنکھوں اُن کا انکار کر رہے ہیں اور وہ اس میں بھی معذور ہیں کیونکہ ان کے آقا مرزا صاحب کی یہی تعلیم ہے جس پر اُن کی زندگی کے بہت سے کارنامے شاہد ہیں۔

بہرحال صورت کچھ ہو، آج پیغام صلح دنیائے اسلام کو پیغام جنگ دے کر یہ چاہتا ہے کہ اس مسئلہ کو اخباری گھوڑدوڑ کا میدان بنائے اگر اُس کے نزدیک اسی کی ضرورت ہے کہ اس بدیہی الثبوت مسئلہ پر بحث کر کے اخبار کے کالموں کو پُر کیا جائے تو ہمیں بھی کچھ ضرورت نہیں کہ اس کو غیر ضروری ثابت کریں۔

لہٰذا ہم مختصر طور پر یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ مرتد کے لئے کیا سزا تجویز کرتی ہے اور خلفائے راشدین اور بعد کے تمام خلفاء نے مرتدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔

**قرآن عزیز اور قتل مرتد** | اس بحث کو چونکہ مجھ سے پہلے اور فاضل بھی مفصل لکھ

على هامش التحرير ج ۳) وحاصل الكلام الذي تلخصناه من تفتيشات اولئك الاكابر ان اختيار مذهب الغير في بعض المسائل والاحكام يجوز للمجتهد ولا يجوز الا بشرائط - الاول ان لا يلزم التلفيق بين المذهبين بحيث يتحقق اجماع الاماميين على بطلانه كما صرح في تحرير الاصول والاحكام وفي المستصفى وغيره. والثاني ان يكون اختيار مذهب الغير قبل العمل بمذهب امامه بان لم يكن عمل به في هذه الحادثة بمذهب امامه كما في التحرير والاحكام وغيرها. والثالث ان لا يكون على وجه التتبع للرخص فانه لا يجوز للعامي اجماعاً كما صرح به ابن عبد البر من انه لا يجوز للعامي تتبع الرخص اجماعاً (شرح تحرير ص ۳۵۱ ج ۳) قلت هذا راى المتقدمين من مشائخنا الحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة والاضطرار بل اكتفوا على اشتراط عدم تتبع الرخص واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوى واعجاب كل ذي راى برايه والتلاعب بالدين فتتبع الرخص متعين ومتيقن باعتبار الغالب الاكثر. فلا يجوز الا بشرائط الضرورة الشديدة وعموم البلوى والاضطرار كما ذكره العلامة ابن العابدين في رسالته عقود رسم المفتي وقدمنا نصه والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم واحكم

كتبه الاحقر الافقر

محمد شفيع الديوبندی

چکے ہیں اس لئے صرف ایک آیہ کو مختصراً پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے - قال اللہ تعالیٰ
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ۔(الآیہ) یہ آیت اُن لوگوں کے
بارہ میں نازل ہوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے جس کا
طویل واقعہ اکثر کتب حدیث و تفسیر میں موجود ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اسی آیت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اُن لوگوں کو قتل کیا جیسا کہ صحیح بخاری اور
فتح الباری وغیرہ تمام معتبر کتب حدیث و تفسیر میں موجود ہے - اور امام بخاریؒ نے
قتلِ مرتد کے بارہ میں اسی آیت سے استدلال کرنے کے لئے احکام مرتد کے ابواب کو
اسی آیہ سے شروع فرمایا ہے - نیز سورۂ مائدہ کی تفسیر میں حضرت سعید ابن جبیر سے نقل
کیا ہے کہ آیت میں محاربۂ اللہ سے مراد کافر ہونا ہے اور فتح الباری میں بحوالہ ابن بطال
اسی کی تائید کی گئی ہے -

الغرض آیۂ مذکورہ مرتد کے لئے سزائے قتل تجویز کرتی ہے پھر قتل کے معنی مطلقاً
جان لینے کے ہیں خواہ تلوار سے یا سنگساری سے یا کسی اور طریق سے جیسا کہ امام راغب
اصفہانی نے مفردات القرآن میں اور صاحبِ اقرب الموارد نے اقرب میں نقل کیا ہے -

## حدیث نبوی اور قتل مرتد

ہم نے نقل کیا ہے کہ کثیر التعداد احادیث اس مسئلہ کے
ثبوت میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے تقریباً تیس حدیثیں
ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہمارے سامنے ہیں - لیکن اخبار کے کالم اس کام کے لئے
زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتے کہ ان میں اس قدر احادیث کا سلسلہ نقل کیا جائے
اس لئے صرف ان گیارہ احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کتب صحاح یعنی احادیث
کی درسی کتابوں میں موجود ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اخباری دنیا کے لئے بہت
زائد ہے :-

(۱) من بدل دینہ فاقتلوہ — جو شخص اپنے دین اسلام کو بدلے اس
(رواہ البخاری وابوداؤد والدارقطنی — کو قتل کر ڈالو -
عن ابن عباس رضؓ)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

# ماخذ المسئلة

قنیۃ الفتاوی فی باب مستقل ص ۱۵۵

فتاوی مہدویہ ص ۲۱۶ ج ۲

رد المحتار باب الرجعۃ مطلب التحلیل رشامی مصری قدیم ص ۵۵۶)

شرح المنظومۃ المسماۃ بعقود رسم المفتی ص ۲۶، ۲۹ الی آخر الرسالۃ

تحریر الاصول لابن همام رح ص ۳۵۳ ج ۳

شروط الانتقال من مذهب الی آخر

تحریر الاصول ص ۳۵۲ ج ۳

ترجیح بعض الائمۃ علی بعض تحریر الاصول ص ۳۵۳ ج ۳

د اجماع القرون علی الائمۃ الاربعۃ

ما یتعلق بالاجتهاد و التقلید و الافتاء الاستفتاء مفصلا کتاب الاحکام للآمدی ج ۴ ص ۳۱۸ الی آخر الکتاب القاعدۃ الثالثۃ فی المجتهدین داحوال المفتین والمستفتین۔

فتاوی ابن تیمیہ ص ۲۳۰ ج ۲ وقبل ذلك وبعده مطالب مفیدۃ فی الباب فلیراجع۔

الرسالۃ، الرسالۃ الثامنۃ لصاحب الاشباه ص ۲۹، ۳۰

الافتاء بمذاهب الغیر وشرائطہ، فتاوی خیریہ ص ۱۵ ج ۲

الافتاء بالضعیف شامی ص ۶۵۳ ج ۲

الافتاء بمذهب الغیر کتاب الحدود، حد السرقۃ شامی ص ۲۱۸

ذکر الفقیہ ابو اللیث فی تاسیس النظر انہ اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلۃ یرجع الی مذهب المالک لانہ اقرب المذاهب الیہ۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والی یمن تھے ایک مرتبہ حضرت معاذ رضؓ یمن پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد قید کر کے لایا گیا۔ حضرت معاذ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ | میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس |
| و رسولہ ثلاث مرات فامر بہ | کو قتل نہ کیا جائے یہی ہے اللہ اور رسول کا حکم تین مرتبہ یہی |
| فقتل (بخاری ومسلم و نسائی و | کہا۔ چنانچہ اس کو قتل کیا گیا (روایت کیا اس کو بخاری |
| ابوداؤد و احمد) | مسلم، نسائی ابوداؤد وغیرہ نے)۔ |

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق حکم فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اینما لقیتموھم فاقتلوھم | ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لئے کہ ان |
| فان فی قتلھم اجراً لمن قتلھم یوم | کے قتل کرنے میں ثواب ہے۔ |
| القیامۃ (بخاری ومسلم وغیرھما) | (بخاری ومسلم) |

(۴) اسی مضمون کی ایک حدیث ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے نقل کی ہے۔

(۵) جب قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کیا جس کا طویل واقعہ اکثر کتب حدیث بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعود روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل ہرگز حلال نہیں مگر تین شخصوں کو قتل کیا جائے گا۔

| | |
|---|---|
| النفس بالنفس والثیب الزانی | جان کے بدلے میں جان لی جائے اور |
| والمارق لدینہ التارک للجماعۃ | بیاہا ہونے کے بعد زنا کرنے والا اور اپنے دین اسلام اور |
| (بخاری ومسلم) | جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا (بخاری ومسلم) |

(۷) اور جب حضرت عثمان غنی گھر کے اندر محصور تھے تو ایک روز گھر کی دیوار پر چڑھے اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلم کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جبتک

شامی کتاب الطلاق باب الرجعۃ فصل التحلیل ج ۲ ص ۵۸۳

باب القضاء بخلاف ما یعتقد المحکوم له او المحکوم علیه ۔

باب ثامن من قضاء العالمگیریۃ مصری ص ۲۰۵ ج ۳

اذا لم یوجد فی المسئلۃ عن ابی حنیفۃ رح

تنقیح الفتاوی ص ۳۳۳ ج ۲ و ص ۳۰۵

الانتقال من مذهب الی مذهب آخر قنیه ص ۱۵۵

تنقیح الفتاوی کتاب الکراهیه ص ۳۲۰ ج ۲

الحکم

کتاب الموافقات للشاطبی ص ۸۰ ج ۳ فیض القدیر شرح جامع صغیر (حدیث) تحت حدیث اختلاف امتی رحمۃ ص ۲۱۰ ج ۱

شامی کتاب الشهادۃ باب قبول الشهادۃ ص ۳۲۰ ج ۴ و شامی فصل التعزیر ۔

فتاوی حدیثیه ص ۸۵ و ۸۶

تنقیح الفتاوی کتاب القضاء مطلب فسخ یمین المضافۃ ومثله فی طلاق الشامیۃ ۔

اس سے تین کاموں میں سے کوئی کام سرزد نہ ہو۔ اور وہ تینوں یہ ہیں :۔

| | |
|---|---|
| زنی بعد احصان وکفر بعد اسلام وقتل نفس بغیر حق (نسائی ترمذی، ابن ماجہ) | بیاہا ہونے کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر ہونا اور کسی شخص کو بغیر حق کے قتل کرنا (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) |

(۸) اور حضرت صدیقہ عائشہ رضؓ سے بھی اسی مضمون کی کئی حدیثیں مروی ہیں دیکھو مسلم اور مستدرک حاکم وغیرہ۔

| | |
|---|---|
| (۹) من غیر دینہ فاضربوا عنقہ (بخاری ومسلم عن زید بن ارقم) | جو شخص اپنے دین اسلام کو بدلے اسے قتل کردو (بخاری ومسلم) |
| (۱۰) اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمہ (رواہ ابوداؤد عن جریر رضؓ) | جب کوئی اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف بھاگے تو اس کا خون حلال ہے۔ (ابوداؤد) |
| (۱۱) من جحد اٰیۃ من القراٰن فقد حل ضرب عنقہ (ابن ماجہ عن ابن عباس رضؓ) | جو شخص قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے اس کی گردن ماردینا حلال ہوگیا۔ (ابن ماجہ) |

یہ سب حدیثیں وہ ہیں جو صحاح کی کتابوں میں موجود ہیں اور اکثر صحیحین بخاری ومسلم میں مذکور ہیں ان تمام فرامین نبویہ کے ہوتے ہوئے ایڈیٹر پیغام صلح کا یہ کہنا کس قدر ان کے علم کی وادی بتاتا ہے کہ سنت نبویہ میں قتل مرتد کا کوئی اسوہ نہیں ملتا۔ اس کے جواب میں ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی احادیث میں دخل دینا ہی ان کی اصولی غلطی اور خواہ مخواہ دخل در معقولات ہے ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے مہدی، مسیح نبی، میکائیل، عیسیٰ، موسیٰ، ابراہیم، آدم، مرد، عورت، حاملہ، حائضہ، غرض ہر رنگی معتقد کی عبارات اور اس کے اُدھیڑ بُن میں لگے رہیں اور احکام اسلامیہ کو ان لوگوں کے سپرد کریں جو اس کے اہل ہیں۔

**خلفاء راشدین اور قتل مرتد** اس بحث میں سب سے پہلے افضل الناس بعد الانبیاء خلیفہ

# فتویٰ متعلقہ

# جماعتِ اسلامی

****************

تاریخ تالیف :- ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ
مارچ ۱۹۷۵ء

مقام تالیف :- کراچی

غیر مطبوعہ :-

اوّل حضرت ابوبکر صدیق رض کا عمل ملاحظہ فرمائیے ۔

(۱) شیخ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں حضرت عمر رض سے نقل کرتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور مدینہ کے اردگرد میں بعض عرب مرتد ہو گئے تو خلیفہ وقت صدیق اکبر رض شرعی حکم کے مطابق ان کے قتل کے لئے کھڑے ہو گئے اور عجب یہ کہ فاروق اعظم جیسا اسلامی سپہ سالار اس وقت ان کے قتل میں بوجہ نزاکتِ وقت تامل کرتا ہے لیکن یہ خدا کی حدود تھیں جن میں مساہلت سے کام لینا صدیق کی نظر میں مناسب نہ تھا اس لئے فاروق اعظم رض کے جواب میں بھی یہی فرمایا :۔

| هیهات هیهات مضی النبی صلی الله علیه وسلم و انقطع الوحی والله لاجاهدهم ما استمسك السیف فی یدی ۔ | ہیہات ہیہات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور وحی منقطع ہو گئی خدا کی قسم میں ضرور اُن سے اُس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا ، جب تک میرا ہاتھ تلوار پکڑ سکے گا ۔ |
|---|---|

یہاں تک کہ فاروق اعظم رض کو بھی بحث کے بعد حق واضح ہو گیا اور اجتماعی قوتوں سے مرتدین پر جہاد کیا گیا اور اُن میں سے بہت سے تہ تیغ کر دیئے گئے (تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

(۲) حوالی مدینہ سے فارغ ہو کر صدیقِ اکبر مسیلمہ کذاب کی طرف متوجہ ہوئے جو نبوت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے باجماع صحابہ مرتد قرار دیا گیا تھا چنانچہ ایک لشکر حضرت خالد رض کی سرکردگی میں اُس کی طرف روانہ کیا جس نے مسیلمہ کذاب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ (فتح الباری و تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت مرتد ہے اگرچہ وہ کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے ۔ یا کوئی تاویل کرے کیونکہ مسیلمہ کذاب جس کو صدیقِ اکبر نے قتل کرایا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا منکر نہیں تھا بلکہ اپنی اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کا اعلان کرتا تھا (تاریخ طبری) پھر جس جرم میں اُس کو مرتد واجب القتل سمجھا گیا وہ صرف یہ تھا کہ آپ کی نبوت کو ماننے کے باوجود اپنی نبوت کا بھی دعویٰ کرتا تھا جیسا کہ مرزا صاحب کا بعینہٖ یہی حال ہے ۔

# سوال

بخدمت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی اعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش آنکہ جیسا کہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ احقر کو دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار میں افتاء کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے۔ طرح طرح کے سوالات میں اکثر یہ سوال بھی آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت جمہور اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟ اور مذاہب اربعہ میں سے ان کا کس مذہب سے تعلق ہے؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے رجحانات سلف صالحین کے خلاف ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعض لوگ آپ کی کسی سابقہ تحریر کی بناء پر آپ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟

والسلام

احقر محمد وجیہ، از دارالعلوم،
ٹنڈوالٰہیار (سندھ)

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الجواب

مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے پاس سالہا سال سے سوالات آتے رہے ہیں، جن کا جواب میں اس وقت کے حالات اور ان کے بارے میں اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق لکھتا رہا ہوں، ان میں بعض تحریریں شائع بھی ہوئی ہیں اور بعض نجی مکاتیب کے جواب میں لکھی گئی ہیں، اس وقت ان تمام تحریروں کو سامنے رکھنا ممکن نہیں، البتہ اس عرصہ میں احقر کو کچھ ان کی مزید

(۳) پھر سنہ ۱۲ھ میں بحرین میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تو ان کے قتل کے لئے علاء ابن الحضرمی کو روانہ کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

(۴) اسی طرح عمان میں بعض لوگ مرتد ہو گئے تو آپ نے ان کے قتل کے لئے عکرمہ ابن ابی جہل کو حکم فرمایا (تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

(۵) اہلِ بنجیر میں سے چند لوگ اسلام سے پھرے تو صدیق اکبر رضؓ نے بعض مہاجرین کو اُن کے قتل کے لئے بھیجا (تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

(۶) اسی طرح زیاد بن لبید انصاری رضؓ کو ایک مرتد جماعت کے قتل کے لئے حکم فرمایا (تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

یہ تمام واقعات وہ ہیں جو اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ اور افضل الناس بعد الانبیاء کے حکم سے ہوئے اور صحابہ کرام کے ہاتھوں ان کا ظہور ہوا۔ صحابہ کی جماعت تھی جو کسی خلافِ شرع حکم کو دیکھنا موت سے زیادہ ناگوار سمجھتے تھے کیسے ہو سکتا تھا کہ اگر معاذ اللہ صدیقِ اکبر رضؓ بھی کسی خلافِ شریعت حکم کا ارادہ کرتے تو تمام صحابہ اُن کی اطاعت کر لیتے اور خونِ ناحق میں اپنے ہاتھ رنگتے۔ لہٰذا یہ واقعات اور اسی طرح باقی تمام خلفائے راشدین کے واقعات تنہا صدیقِ اکبر وغیرہ کا عمل نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام کا اجماعی فتویٰ ہے کہ شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

## خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضؓ اور قتل مرتد

(۱) آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مذکورۃ الصدر تمام واقعات میں فاروق اعظم رضؓ بھی صدیقِ اکبر رضؓ کے ساتھ اور شریک مشورہ تھے۔

(۲) فاروق اعظم رضؓ نے چند مرتدین کے متعلق اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کو تین روز تک اسلام کی طرف بلانا چاہیئے اور روزانہ ان کو ایک ایک روٹی دی جائے اگر تین روز تک نصیحت کے بعد بھی ارتداد سے توبہ نہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔ (شفاء قاضی عیاض)

## خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضؓ اور قتل مرتد

(۱) جو احادیث ہم اوپر نقل کر کے آئے ہیں ان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ قتل

تحریرات کے مطالعہ کا موقع ملا، کچھ ان کی نئی تالیفات سامنے آئیں اور کچھ ان کے لٹریچر کے عام اثرات اور ان کی جماعت کے حالات کو مزید دیکھنے کا موقع ملا، اس مجموعے اب ان کے بارے میں جو میری رائے ہے بے کم و کاست ذیل میں تحریر کر رہا ہوں:-

میری سابقہ تحریرات اگر اس تازہ تحریر کے موافق ہوں تو فبہا اور اگر سابقہ تحریرات میں کوئی چیز اس کے خلاف محسوس ہو تو اسے منسوخ سمجھا جائے اور اب میری رائے کے حوالہ کے لئے صرف ذیل کی تحریر پر اعتماد کیا جائے۔

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالانکہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں اس بنیادی غلطی کی بناء پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے "خلافت و ملوکیت" میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے، اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے وہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا، اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے، اس سے نکل جانے کے بعد بڑی نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرین حدیث، قادیانیوں یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں شمار کرنا بھی میرے نزدیک درست نہیں، جنہوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لئے قرآن و سنت میں تحریفات کی ہیں۔

مرتد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھتے تھے اور لوگوں سے اُس کی تصدیق کراتے تھے۔

(۲) کنز العمال میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| من کفر بعد ایمانہ طائعاً فانہ یقتل (کنز ص ۹۰ ج ۱) | جو شخص ایمان کے بعد اپنی خوشی سے کافر ہو جائے اُس کو قتل کیا جاوے۔ |

(۳) سلیمان ابن موسیٰ نے حضرت عثمان کا دائمی طرز عمل یہی نقل کیا ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ توبہ کرنے کے لئے فرماتے تھے اگر قبول نہ کرتا تو قتل کر دیتے تھے۔ (کنز العمال ص ۹۰ ج ۱)

(۴) امام الحدیث عبد الرزاق نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتد حضرت ذی النورین کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اس کو تین مرتبہ توبہ کی طرف بلایا اُس نے قبول نہ کیا تو قتل کر دیا (کنز العمال ص ۹۰ ج ۱)

(۵) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ایک مرتبہ اہلِ عراق میں سے ایک مرتد جماعت کو گرفتار کیا اور اُن کی سزا کے بارے میں مشورہ کے لئے حضرت عثمان کی خدمت میں خط لکھا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:-

| | |
|---|---|
| اعرض علیھم دین الحق فان قبلوا فخل سبیلھم وان لم یقبلوا فاقتلھم (من الکنز) | ان پر دین حق پیش کرو اگر قبول کریں تو ان کو چھوڑ دو ورنہ قتل کر دو (کنز) |

## خلیفۂ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور قتل مرتد

(۱) امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بعض مرتدین کو قتل کیا۔ (بخاری)

(۲) حضرت ابو الطفیل رض فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بنی ناجیہ کے قتال کے لئے لشکر بھیجا تو اس میں میں بھی شریک تھا ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں میں تین فرقے ہیں۔ بعض پہلے نصاریٰ تھے پھر مسلمان ہوئے اور اسی پر ثابت قدم رہے۔

.......................... بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریریں ایک خاص سطح تک کے زتعلیم یافتہ حلقوں میں مؤثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں، یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں جو انہوں نے جمہور علماء کے خلاف اختیار کئے ہیں تو یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں اور اصولاً جو بات مولانا مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو، ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو، لیکن عملی طور سے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا علمی سرمایہ اور اپنے عمل کا محور بنایا ہوا ہے بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت کا عام طرزِ عمل ہر جگہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد بھی ان نظریات اور تحریروں سے متفق ہیں، البتہ اگر کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں جو مذکورہ بالا امور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں اور جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک کو اس کے مقابلے میں درست سمجھتے ہوں تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہئے جو جمہور اہل سنت کے مسلک کا پابند ہو، لہٰذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا امور میں متفق ہوں انہیں باختیار خود امام بنانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی تو نماز ہوگئی۔

---

یہ میری ذاتی رائے ہے جو اپنی حد تک غور و فکر کے بعد فیما بینی و بین اللہ قائم کی ہے، جب کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی اور بے احتیاطی سے بھی اللہ کی

اور بعض نصاریٰ تھے اور ہمیشہ اسی مذہب پر رہے۔ اور بعض لوگ وہ تھے کہ پہلے نصرانیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر نصرانیت کی طرف لوٹ گئے۔ ہمارے امیر نے اس تیسرے فرقے سے کہا کہ اپنے خیال سے توبہ کرو اور پھر مسلمان ہو جاؤ۔ انھوں نے انکار کیا تو امیر نے ہمیں حکم دیا، ہم سب ان پر ٹوٹ پڑے اور مردوں کو قتل اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

(۴) عبدالملک بن عمیرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مستورد ابن قبیصہ گرفتار کر کے لایا گیا جو اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ٹھوکروں میں مسل کر مار ڈالا جاوے۔ یہ اُن خلفائے راشدین کا عمل ہے جن کی اقتدار کے لئے تمام اُمتِ اسلامیہ مامور ہے اور جن کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (مشکوٰۃ)

تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی اقتدار کرو۔

## کیا قتل مرتد کے لئے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے؟

ہماری مذکورہ بالا تحریر میں اس کا کافی جواب آچکا ہے کیونکہ اوّل تو جو احادیث سزائے مرتد کے بارے میں نقل کی گئی ہیں اُن میں کوئی محاربہ اور مقابلہ کی شرط نہیں، بلکہ عموماً مرتد کے قتل کا اعلان ہے۔ اس کے بعد جن لوگوں کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے سزائے ارتداد میں قتل کیا ہے ان میں دونوں قسم کے آدمی ہیں وہ بھی جو مرتد ہونے کے بعد محاربہ کے لئے کمربستہ ہوئے اور وہ بھی جن سے کسی قسم کا ارادہ فساد و محاربہ کا ظاہر نہیں ہوا۔

وہ لوگ جو قتل مرتد کو یہ کہہ کر اڑا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں صرف انھیں مرتدین کے قتل کا حکم ہے جو محاربہ اور سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ ہوں وہ آنکھیں کھولیں اور احادیث اور عمل سلف پر نظر ڈالیں کہ وہ کیا بتلا رہے ہیں۔

## کیا سزائے ارتداد میں سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے؟

مذکورۃ الصدر احادیث اور واقعات سلف نے اس سوال

پناہ مانگتا ہوں اور دین کے معاملہ میں مداہنت سے بھی۔

جن حضرات کو میری اس رائے سے اتفاق نہ ہو وہ اپنے عمل کے مختار ہیں، مجھے ان سے کوئی مباحثہ کرنا نہیں نہ میرے قویٰ اور معروفیات اس کے متحمل ہیں، اور اگر کوئی صاحب ....

...... اس کو شائع کرنا چاہیں تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کو پورا شائع کریں۔ ادھورا یا کوئی ٹکڑا شائع کر کے خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

کو بھی طے کر دیا ہے کیونکہ ان سے واضح ہو چکا ہے کہ اصل سزائے ارتداد قتل ہے اور ہم بحوالہ امام راغب اصفہانی اور دیگر اہل لغت یہ نقل کر چکے ہیں کہ قتل کے معنی جان لینا ہے خواہ تلوار سے یا سنگساری سے یا کسی اور ذریعہ سے لہٰذا جب سزائے قتل مرتد کے لئے ثابت ہو گئی تو امام وقت کو اختیار ہے کہ مصالح وقت کو دیکھ کر جس صورت سے چاہے قتل کرے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ ابھی نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتد کو زیادہ سرکش سمجھ کر پاؤں میں مسل کر مارنے کا حکم کر دیا۔

## خلفاء راشدین کے بعد باقی خلفاء اسلام اور قتلِ مرتد

**حضرت عبداللہ بن زبیرؓ** نے اپنے زمانہ خلافت میں مختار ابن ابی عبید کو اسی جرم میں قتل کیا تھا جو آج مرزا صاحب کے لئے معراج ترقی ہے یعنی اُس کے دعوے نبوت کو ارتداد قرار دے کر قتل کیا گیا ہے (فتح الباری ص ۲۵۵ ج ۶ و تاریخ الخلفاء ص ۱۵۰)

**خالد قسری** نے اپنے زمانہ حکومت میں جعد ابن درہم کو ارتداد ہی کی سزا میں قتل کیا (فتح الباری ص ۲۳۹ ج ۱۲)

**عبدالملک ابن مروان** نے اپنے زمانہ خلافت میں حارث نامی ایک شخص کو اسی جرم میں قتل کیا جو آج مرزا صاحب کا دعویٰ اور اُن کی اُمت کا مذہب ہے (یعنی دعویٰ نبوت)۔ (شفاء قاضی عیاض ص ۲۸۱)

**خلیفہ منصور** نے اپنے عہد خلافت میں فرقہ باطنیہ کے مرتدین کو قتل کیا۔ (فتح الباری ص ۲۳۹ ج ۱۲)۔

یہ بھی یاد رہے کہ فرقہ باطنیہ کا بانی بھی ابتداء میں ایک صوفی مزاج آدمی تھا مسلمانوں کی عموماً اور اہل بیت کی خصوصاً بہت ہمدردی کا دعویٰ کرتا تھا۔ شروع میں مرزا صاحب کی طرح لوگوں پر تصوف کا رنگ ظاہر کیا۔ اور کچھ لوگ معتقد ہو گئے تو نبوت کا دعوے دار بن گیا اور اسی جرم میں واجب القتل سمجھا گیا۔

**خلیفہ مہدی** منصور کے بعد مہدی تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو باقی ماندہ باطنیہ کے استیصال کی فکر کی اور اُن میں سے بہت سے آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے (فتح الباری)

**خلیفہ معتصم باللہ** نے اپنے عہدِ خلافت میں ابن ابی العزاقیر کو اس لئے قتل کیا کہ وُہ اسلام سے مرتد ہوا تھا (شفاء ص ۲۸۲)

قاضی عیاض رح نے شفاء میں بہت سے مرتدین کے قتل کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وفعل ذٰلك غیر واحد من الخلفاء والملوك باشباههم واجمع علماء وقتهم علی صواب فعلهم۔ (شفاء مصری ص ۲۸۲)

اور بہت سے خلفاء اور بادشاہوں نے مرتدین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے اور اُن کے زمانہ کے علماء نے ان کے فعل کے موافق شرع ہونے پر اتفاق کیا ہے (شفاء مصری)

ہمیں اس مختصر گذارش میں تمام خلفاء کی تاریخ اور ان کے قتلِ مرتد کے واقعات کا استیعاب کرنا نہیں ہے۔ بلکہ چند خلفائے اسلام کے طرزِ عمل کا نمونہ پیش کر کے ایڈیٹر پیغامِ صلح کو یہ دکھلا دینا ہے کہ آج نعمت اللہ مرزائی کے قتل پر کسی وجہ سے جو طرح طرح کے الزام دولتِ کابل پر لگائے جا رہے ہیں وہ درحقیقت نہ صرف تمام خلفائے اسلام اور اسلامی سیاست پر عیب لگاتا ہے بلکہ خلفائے راشدین کی سنت پر بیہودہ اعتراض اور احکامِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ پر الزام ہے (نعوذ باللہ منہ)

**ائمہ اربعہ اور قتلِ مرتد** ایڈیٹر پیغامِ صلح نے جہاں تمام احکامِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ اور تعاملِ سلف کو پسِ پشت ڈال کر قتلِ مرتد کا انکار کر دیا تو کیا عجب ہے کہ اُس نے فقہ حنفی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا اور نہایت وقاحت کے ساتھ کہہ دیا کہ فقہ حنفیہ میں اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ ہم یہ دکھلا دینا چاہتے ہیں کہ مرتد کے لئے سزائے قتل نہ فقط فقہ حنفی کا متفق علیہ مسئلہ ہے بلکہ کل فقہائے امت اور بالخصوص ائمہ اربعہ کا اجماعی حکم ہے۔

**امام اعظم ابو حنیفہ رح** دیکھو جامع صغیر مصنفہ امام محمد ص ۸۷

ویعرض علی المرتد — مرتد پر اسلام پیش کیا جائے خواہ وہ غلام ہو یا

# پیر و مرید کا فقہی اختلاف

## مثالی بحث و تنقید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر نظر سطور میں ایک واقعہ کی یادداشت ہے، جس کو متعدد فوائد کے پیشِ نظر ضبط کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق میرے مخلص دوست مولانا حافظ جلیل احمد صاحب سابق رئیس علی گڑھ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ مرحوم سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص اور ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ حضرت رح سے تعلق ارادت و اصلاح ہونے کے بعد آپ پر درویشی کا ایسا رنگ غالب ہوا کہ اپنی زمینداری اور ریاست کو چھوڑ چھاڑ کر مع اہل و عیال تھانہ بھون کی سکونت اختیار کر لی تھی اور حضرت رح کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔ علم دین حاصل کرنے کا شوق ہوا تو خانقاہ میں مقیم ایک عالم سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے متداول علوم پورے کئے۔ حضرت رح کی وفات کے بعد جب پاکستان بنا تو پاکستان میں منتقل ہو گئے اور جامعہ اشرفیہ انارکلی لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام فرمایا۔ اور گوشۂ گمنامی کے ساتھ دعوت و ارشاد اور تعلیم و تبلیغ کی خدمات میں مشغول رہ کر اب سے چند سال پہلے جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اپنے صاحبزادے کے ساتھ اب بھی جامعہ اشرفیہ میں مقیم ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مولانا وکیل احمد

حدا کان عبدًا الاسلام فان ابی قتل — آزاد پس اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جاوے۔

اور ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۲۸۲۔

قال محمد ان شاء الامام اخر المرتد ثلاثا ان طمع فی توبتہ او سالہ عن ذلک المرتد وان لم یطمع فی ذلک ولم یسالہ المرتد فقتلہ فلا باس بہ (موطا امام محمد)

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر امام کو یہ توقع ہو کہ مرتد توبہ کرلے گا یا خود مرتد مہلت طلب کرے تو امام کو چاہیئے کہ تین روز تک اس کے قتل کو مؤخر کر دے۔ اور اگر نہ اس کی توبہ کی توقع ہو اور نہ خود مہلت طلب کرے تو ایسی صورت میں اگر امام اس کو بلا مہلت دیئے قتل کر دے تو مضائقہ نہیں۔

**امام مالکؒ** فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مرتد کے معاملہ میں وہی قول قابل عمل ہے جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یعنی مرتد کو تین روز مہلت دے کر توبہ کی طرف بلایا جاوے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جاوے۔ (شفاء وغیرہ)

**امام شافعیؒ** سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ مرتد کو کوئی مہلت نہ دی جاوے بلکہ اگر وہ وہیں توبہ نہ کرے تو فوراً قتل کر دیا جاوے۔ اور دوسری یہ کہ تین دن کی مہلت دینے کے بعد توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جاوے (شفاء ص ۳۰۰)

**امام احمد بن حنبلؒ** کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔

اس قدر گذارش کے بعد ہمارے خیال میں کسی مسلمان کو جس طرح اس مسئلہ کے حکم میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں رہتا کہ مرزائی حضرات قطعیات اسلامیہ سے انکار کر دینے اور بے حیائی کے ساتھ نصوص شرعیہ کو ٹھکرانے کو کوئی بڑی بات نہیں سمجھتے۔ ویحسبونہ ہیناً وھو عند اللہ عظیم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند

ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

صاحب شروانی اب بھی جامعہ اشرفیہ میں مدرس ہیں۔

جس زمانے میں مرحوم اپنے اہل و عیال کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم تھے آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کی وقف کردہ جائداد کے متعلق کچھ سوالات حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کئے جن کا جواب اس وقت کے مفتی خانقاہ نے تحریر فرمایا مگر حضرت رحؒ کو اس جواب پر اطمینان نہ ہوا اور اس پر کچھ اشکالات تحریر فرما کر اپنا جواب لکھا اور ارشاد فرمایا کہ اب یہ مجموعہ محمد شفیع کے پاس دیوبند بھیج دیا جائے کہ وہ جواب لکھے میں نے مسئلہ میں جتنا غور و فکر کیا تو مجھے حضرت رحؒ کی تحریر پر اطمینان اور شرح صدر نہ ہوا بلکہ کچھ شبہات و اشکالات پیش آئے جن کو تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں بھیج دیا اور مسئلہ کے متعلق میرا جواب حضرت رحؒ کے جواب سے مختلف ہو گیا۔ اب معاملہ اور زیادہ الجھ گیا تو حضرت رحؒ نے مولانا حافظ محمد جلیل صاحب سے فرما دیا کہ خط و کتابت میں طول ہو گا، محمد شفیع کے تھانہ بھون آنے کا انتظار کرو زبانی گفتگو سے بات طے کر لی جائے گی۔ جب احقر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت رحؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کیلئے ایک وقت مقرر فرمایا اور کافی دیر تک مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث و گفتگو ہوتی رہی مگر عجب اتفاق یہ پیش آیا کہ اس زبانی گفتگو میں بھی کسی ایک صورت پر رائیں متفق نہ ہوئیں، حضرت کے سامنے مجھ بے علم و عمل کی رائے ہی کیا تھی؟ مگر حکم یہی تھا کہ جو کچھ رائے ہو اس کو پوری صفائی سے پیش کرو اس میں ادب مانع نہ ہونا چاہیئے اس لئے اظہار رائے پر مجبور تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجلس اس بات پر ختم ہوئی کہ دیر کافی ہو گئی ہے اب پھر کسی روز اس مسئلہ پر غور کریں گے۔

اب حافظہ رخصت ہو چکا ہے پوری بات یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ اس کے بعد پھر تحریری سلسلہ شروع ہوا، حضرت رحؒ نے میرے شبہات و اشکالات کا جواب تحریر فرمایا مگر اس جواب پر احقر کو اطمینان نہ ہوا تو مزید سوالات لکھ کر بھیجے اس طرح ایک عرصہ تک پھر یہ زیر بحث مسئلہ ملتوی رہا اور آخر میں جب احقر تھانہ بھون حاضر ہوا

تو مزید غور و فکر کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی اس میں بھی صورت حال یہی رہی کہ نہ حضرت رحمہ کی رائے بدلی نہ میری۔ حضرت رحمہ نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب کو اصول و قواعد کی رو سے غلط نہیں کہتا، مگر اس پر میرا شرح صدر نہیں، اس لئے اختیار نہیں کرتا۔ احقر نے بھی عرض کیا کہ حضرتؒ کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی رائے غلط ہوگی مگر کیا عرض کروں کہ اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں اس پر حضرت رحمہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس آپ اپنی رائے اور فتویٰ پر رہو میں اپنی رائے اور فتویٰ پر رہوں مستفتی کو ہم اس کی اطلاع کر دیں گے کہ اس مسئلے میں ہم اور ان میں اختلاف ہے اور ہم کسی جانب کو بیقین غلط بھی نہیں کر سکتے اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو عمل کر لو۔

عجب اتفاق ہے کہ مستفتی جو حضرت رحمہ کے مرید اور خلیفہ خاص تھے ان کو جب اختیار ملا تو انھوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے تو بندہ محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے، حضرت رحمہ نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول کیا۔ یہ واقعہ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات سے چھ سال پہلے یعنی ۱۳۵۶ھ کا ہے۔

مسئلہ کی اہمیت اور اس پر مکرر، سہ کرر غور و فکر کا تقاضا تھا کہ یہ ساری بحثیں سوالات و جوابات پورے تحریر کے ذریعہ محفوظ رکھے جاتے اور فتاویٰ کا جزء بنتے مگر افسوس اس وقت اس کا اندازہ .... نہ تھا کہ یہ بحث اتنا طول پکڑے گی، اور اس میں اتنے علمی فوائد ہوں گے، اس لئے زبانی بحث کو تو ضبط ہی نہیں کیا گیا۔ تحریر میں بھی دو طرفہ تحریروں کے جمع کرنے کا اتفاق نہ ہوا اور یہ بات ہمیشہ دل میں کھٹکتی رہی کہ ہم نے اس مفید علمی بحث کو ضائع کر دیا۔ کچھ عرصہ ہوا مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا وکیل احمد صاحب سے اس کا تذکرہ ہوا میں نے ان سے کہا کہ شاید والدہ محترمہ کے پاس اس خط و کتابت کا کچھ حصہ محفوظ ہو، انھوں نے تفتیش کی تو صرف ایک خط ملا جو احقر نے مولانا جلیل احمد صاحب کو حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھا تھا جس پر تاریخ ۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ پڑی ہوئی ہے

# شریعتِ اسلام

## میں

# غیر مسلموں کے ساتھ معاملات

***********

مقامِ تصنیف : ——————— دار العلوم دیوبند

تاریخ تصنیف : ——————— ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

***********

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے حدود و قیود کیا ہیں؟ اور اس سلسلہ میں مسلمانوں میں کیا کیا کوتاہیاں پائی جاتی ہیں؟ اس موضوع کی شرعی حیثیت پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے آج سے چالیس سال پہلے یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، اس وقت متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ہندوؤں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا تھا اور ان معاملات میں بہت بے اعتدالیاں ہوتی تھیں، حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس رسالہ میں کفار کے ساتھ معاملات میں اعتدال کا راستہ واضح فرما دیا ہے۔

***********

ظاہر ہے کہ یہ درمیانی ایک خط ہے نہ اس میں مسئلے کی پوری صورت مذکور ہے نہ پہلے سوال وجواب نہ آخری فیصلہ اس سے کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے مگر اس کو اس لئے شائع کیا جاتا ہے کہ کم از کم اس سے اتنا فائدہ ہوگا کہ استاد شاگرد پیر مرید میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو طرز اختلاف کیا اور کیسا ہونا چاہئے کہ بے ادبی کا شائبہ بھی نہ آئے۔ آج کل بہت سے لوگ بڑوں پر تنقید کرنے کو تو اپنا حق سمجھتے ہیں مگر تنقید کے بجائے تنقیص میں مبتلا ہو کر ادب سے محروم ہو جاتے ہیں ان کے لئے یہ واقعہ اور اس کا یہ ایک خط ہی سبق حاصل کرنے کے لئے کافی ہے، اس خط کی نقل یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم بندہ مولوی جلیل احمد صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احقر مدت سے بیمار رہا اور اب بھی طبیعت صاف نہیں اس لئے جناب کی تحریر کے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔

اب حضرت والا دامت برکاتہم کی تحریر کا چند بار مطالعہ کیا حضرت کے شرح صدر کے بعد عمل میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کیوں کہ اس باب میں سب سے بڑی چیز احقر کی نظر میں بزرگوں کا شرح صدر ہے لیکن طالب علمانہ چند شبہات قلب میں وارد ہوتے ہیں وہ احقر نے اس پرچہ میں ضبط کر دیئے ہیں اگر موقع مل جائے تو حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش فرمادیں، اور جو کچھ ارشاد ہو اگر اس کو ضبط کر کے احقر کو بھی مطلع فرمادیں تو عنایت ہو۔

حضرت والا کے ارشاد گرامی کا یہ ہے کہ رجسٹری کی شرط ملائم عقد نہ ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں اس پر یہ شبہ گزرتا ہے کہ کسی شرط کے معتبر ہونے کے لئے متون وفتاویٰ میں صرف یہ شرط تو مذکور ہے کہ خلاف شرع نہ ہو، شرط کے ملائم وقف

---

ف یعنی ایسے مسائل میں جہاں علماء کا اختلاف ہو اور دلائل دونوں کے موجود ہوں ۱۲ محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد : اصل مقصد سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام موجودہ مذاہب میں صرف اسلام ہی کو حق تعالیٰ نے یہ امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ اس کی ہر بات معتدل ہے ، نہ اس میں عام مذاہب کی طرح تعصب سکھایا گیا ہے کہ حق بات ہو یا ناحق اپنی قوم ہی کی حمایت کی جائے جیسا کہ بہت سی اقوام کا دستور العمل ہے ، نہ اس میں چھوت چھات کی لغو تعلیم ہے کہ اپنے سوا دوسری قوموں سے ایسا برتاؤ کیا جائے جو عام جانوروں کے ساتھ بھی کوئی شریف الطبع انسان گوارا نہیں کر سکتا ، جیسا کہ ہندوؤں کا مذہب ہے ، اسی طرح اتنی آزادی اور بے قیدی بھی نہیں کہ مذہب ، مذہب ہی نہ رہے ، نہ اس کی کچھ حدود و قیود ہوں اور نہ حلال و حرام کی کوئی تفصیل ہو ، نہ کفر و اسلام اور مسلم و غیر مسلم کا کوئی امتیاز رہے ۔

بلکہ اسلام کی شریعت کو حق تعالیٰ نے ایک ایسا معتدل قانون بنایا ہے جس میں ہر چیز کا پورا انتظام ہے ، عقائد و عبادات اور معاشرت و معاملات کے ہر پیش آنے والی صورت کے لئے حدود مقرر ہیں جن سے تجاوز ممنوع ہے ، شفقت و رحمت اور حسن معاشرت و حسن اخلاق کا برتاؤ اسلام میں اتنا عام ہے کہ اپنی قوم اور ہم مذہب مسلمانوں سے گذر کر عام کفار کے ساتھ بھی یہی معمول ہے بلکہ ان سے بھی آگے تمام جانداروں کے ساتھ حسن معاملہ کی سخت تاکید ہے ۔

حدیث میں ہے فی کل ذات کبد رطبۃ اجر یعنی ہر جاندار کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے ، اور بخاری کی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص کی مغفرت حق تعالیٰ نے صرف اس بنا پر کر دی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا ، شریعت نے اس کو جائز نہیں رکھا کہ کسی معاہد کافر کو ای کافر کہہ کر خطاب کیا جائے

ہونے کی شرط کہیں نظر سے نہیں گذری۔ بلکہ شامی کی عبارت ذیل سے کچھ اطلاق و تعمیم ہی متبادر ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

فان شرائط الوقف معتبرة مالم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية (الى ان قال) ارأيت لو وقف على فقراء اهل الذمة ولم يذكر غيرهم اليس يحرم منه فقراء المسلمين ولو دفع المتولى الى المسلمين ضمن الخ (شامی استنبولی ص ۶۹۹ ج ۳) تحت مطلب۔ شرائط الوقف معتبرة مالم تخالف الشرع۔

اس سے خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک اپنی ملک کے تصرفات میں کوئی شرط بیہودہ یعنی سے غیر ملائم عقد بھی لگادے تو گو اس کے لئے وہ شرط نافع نہ ہو، مگر متولی اس کا پابند ہوگا جیسا کہ تمام عقود میں مالک کے تصرفات اور شرائط خواہ اس کے لئے مفید ہوں یا مضر ملائم ہوں یا غیر ملائم نافذ سمجھے جاتے ہیں۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ رجسٹری کی شرط خلاف شرع ہے کیوں کہ حکومت موجودہ کے ماتحت حکام کبھی مسلم ہوتے ہیں کبھی کافر اور کافر کی شہادت معتبر نہیں اس میں یہ شبہ ہے کہ اصل شرط میں تو کوئی سقم نہیں کہ احتمال شہادت مسلم کا بھی ہے، وقوعاً کسی وقت شہادت کافر اس پر مرتب ہوجائے تو اس کی وجہ سے شرط کو خلاف شرع قرار دینا سمجھ میں نہیں آیا۔

تیسرا جزء یہ ہے کہ رجسٹری اصل مقصود نہیں بلکہ بحسب عرف مقصود اصلی جعل سازی کا انسداد اور ثبوت ہے، رجسٹری بھی چوں کہ عادۃً اس کا ایک ذریعہ ہے اس لئے رجسٹری کا ذکر کر دیا گیا۔

اس میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس میں تو شبہ نہیں کہ رجسٹری خود کوئی مقصود چیز نہیں، لیکن پھر اس کلام کے دو محمل ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مقصود اصلی ثبوت اور غلط دعاوی کا انسداد ہے مگر اس عام مضمون کو خاص عنوان رجسٹری سے تعبیر کر دیا

جس سے اس کو تکلیف ہو۔

| | |
|---|---|
| لوقال لیہودی او مجوسی یا کافر یأثم ان شق علیہ۔ کذا فی القنیۃ (عالمگیری ص ۲۵۹ ج۵) | اگر کسی مسلمان نے یہودی یا مجوسی کو یا کافر کہہ کر خطاب کیا اور اس کو ناگوار ہوا تو گنہگار ہوگا۔ |

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات جو اپنے مخالفین کے ساتھ رہے ہیں وہ اس کے لئے شاہد عدل ہیں، عین اس وقت جب کہ کفار مکہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح پریشان کر کے حرم مکہ اور وطن مالوف سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اور آپ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو چکے تھے، ان کی بداعمالیوں کی نحوست اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا، قریش مکہ اور عام باشندے بھوکوں مرنے لگے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو پانسو دینار کفار قریش کے سردار ابو سفیان اور صفوان بن امیہ کے پاس فقراء مکہ میں تقسیم کرنے کے لئے بھیج دیئے، سیر کبیر میں امام محمد رح نے اس موضوع پر ایک مستقل باب رکھا ہے جس میں بہت سے واقعات اس قسم کے تحریر فرمائے ہیں، یہ واقعہ بھی اس میں مذکور ہے (شرح سیر کبیر ص ۹۹ ج ۱)

یہ موقع اس کا نہیں کہ اس قسم کے واقعات کا استیعاب کیا جائے، نمونۃً چند باتیں عرض کی گئیں، جن سے یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ شفقت و رحمت اور رواداری اور ایثار کی جو تعلیم دی ہے وہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں صرف اسی کا طرہ امتیاز ہے۔

لیکن اس کے ساتھ اس معتدل قانون اور شریعتِ حقہ نے یہ بھی جائز نہیں رکھا کہ خدا تعالیٰ کے دوست اور دشمن، مسلم و کافر سب ایک پلڑے میں تولے جائیں، اسلام و کفر کا کوئی امتیاز نہ رہے، بلکہ مومن کامل کی یہ علامت قرار دی کہ اس کی محبت و عداوت خداوند عالم کی محبت و عداوت کے تابع ہو، جس کو خدا تعالیٰ محبوب رکھتا ہے وہ اس کے نزدیک بھی محبوب ہو اور جس کو خداوند عالم مبغوض رکھتا ہے اس سے

جیسا کہ حضرتِ والا کی تحریر میں مذکور ہے اور دوسرا محمل اس کلام کا یہی ہو سکتا ہے کہ ثبوت
اور انسداد جعل سازی کو قرار دے کر اس کے ذرائع اور طرق مختلفہ میں سے واقف
نے اپنی نظر اور عادت و عرف کی بنا پر ایک ذریعہ رجسٹری کو متعین کر دیا پہلے محمل کی بنا پر
رجسٹری شرط نہ رہے گی بلکہ نفس ثبوت خواہ کسی طریق سے ہو جائے ترمیم کے لئے کافی ہوگا۔
اور دوسرے محمل پر رجسٹری شرط قرار دی جائے گی کیونکہ واقف نے طرق ثبوت میں سے
اس کو متعین کر دیا ہے اور ظاہر عبارت سے احقر کا خیال یہی ہے کہ محمل ثانی متبادر ہے۔
یہ چند طالب علمانہ شبہات ہیں جن کا کچھ جواب ہو جائے تو تشفی ہو جاوے گی ورنہ
عمل میں حضرت والا کے شرح صدر سے تجاوز کرنا مناسب نہیں۔
احقر کو جو اس فتویٰ میں کوئی بات کھٹک کی باقی ہے وہ صرف ائمہ اور ارباب فتویٰ
کے اقوال متضادہ میں سے قول محمد کو ترجیح دینا ہے کہ یہ اپنی حیثیت سے بہت اونچا
معاملہ ہے، اس میں خصوصیت سے حضرت والا کی رائے معلوم ہو جائے تو بہتر ہے

والسلام

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ

# انتباہ

اصل معاملہ کیا اور کس طرح تھا، اب حافظہ میں کچھ نہیں رہا، خط میں غور کرنے سے
اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ واقف نے وقف نامہ میں اپنے لئے شرائط وقف میں ترمیم و تبدیل
کا حق رکھا تھا اس کے لئے شرط یہ لگائی تھی کہ اس ترمیم کی بھی رجسٹری کرائی جائے جیسا کہ اصل وقف
نامہ رجسٹری ہے۔ بعد میں کوئی ترمیم کی گئی مگر اس کی رجسٹری نہیں ہوئی، اس لئے سوال یہ ہوا
کہ یہ ترمیم شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجسٹری کی شرط کو غیر ملائم للعقد قرار دے کر
اس کے بغیر بھی ترمیم کو معتبر قرار دیا، احقر کو اس پر شبہات تھے جن کا اس خط میں ذکر کیا
گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۲ رجب ۱۳۹۴ھ

اس کو بھی بغض ہو ۔ اس کا اعلان حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر اس طرح فرمایا گیا ہے ،

| | |
|---|---|
| کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا باللہ وحدہٗ ۔ | ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ اکیلے پر ۔ |

حدیث میں ہے :

| | |
|---|---|
| من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی بحوالہ مشکوٰۃ) | جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی ، اللہ کے لئے دیا اور اللہ ہی کے لئے دینے سے رک گیا ، اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا |

اور اسی بغض کے اظہار کے لئے کفار کے ساتھ ان کی وضع قطع اور صورت وسیرت خاص میں مشابہت پیدا کرنے کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے ۔

حدیث میں ہے ،

| | |
|---|---|
| من تشبہ بقوم فھو منھم (اخرجہ السخاوی فی المقاصد الحسنۃ وحسنہ) | جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلی ، وہ اسی قوم میں سے سمجھا جائیگا ۔ |

نیز کفار کے ساتھ بلاضرورت اختلاط اور معاملات کی شرکت کو بھی منع کیا گیا ہے ،

قال اللہ تعالیٰ :۔

| | |
|---|---|
| ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار | اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو بھی لگے گی آگ ۔ |

اور اس کو پسند کیا گیا ہے کہ کفار و فجار سے اظہار کراہت و ناراضی کیا جاوے فتاویٰ عالمگیری میں ہے ،

| | |
|---|---|
| ویلیق الکافر والمبتدع بوجہ مکفھر وتکرہ المصافحۃ مع الذمی الخ | کافر اور مبتدع سے ناگواری کے ساتھ ملے اور ذمی کے ساتھ مصافحہ |

## تعدیل الهادی فی
## تقبیل الایادی

# دست بوسی اور قدم بوسی

| | |
|---|---|
| مقام تالیف | دار العلوم کراچی |
| تاریخ تالیف | ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ |
| اشاعت اول | البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ |

"اس کا سبب تالیف دلچسپ ہے اور اندر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تحریر میں ملاحظہ ہو"

(کتاب الکراہیۃ عالمگیری باب ۱۴ ج ۵، ص ۳۴۷)     مکروہ ہے۔

# معاملات کفار میں تعلیمات اسلام کا خلاصہ

الغرض شریعتِ اسلام کے معتدل قانون نے کفار و غیر مسلم لوگوں کے ساتھ نہ تو ایسا چھوت چھات کا برتاؤ روا رکھا جیسا ہنڈوں میں ہے کہ جس کو کوئی عقل مند خوش الطبع انسان کسی دوسرے انسان کے لئے پسند نہیں کر سکتا اور نہ ایسا خلط ملط اور بے ضرورت اشتراک معاملات کو پسند کیا جس سے برادرانہ تعلقات کا اظہار ہو اور خداوندِ عالم کے نافرمان دشمنوں کا کوئی فرق اس کے فرمانبردار بندوں سے باقی نہ رہے اسی بنا پر شریعت نے غیر مسلموں کے ساتھ خرید و فروخت اور معاملات کو اصل سے جائز رکھا ہے، ان کے ہاتھوں اور برتنوں اور کپڑوں پر جب تک کسی نجاست کا تیقن یا ظن غالب نہ ہو جائے اس وقت تک طہارت ہی کا حکم دیا ہے، لیکن ساتھ ہی بلا ضرورت شدیدہ اس کو پسند نہیں کیا گیا، عالمگیری میں ہے:

| | |
|---|---|
| (۱) لا باس بان یکون بین المسلم والذمی معاملۃ اذا کان مما لابد منہ، کذا فی السراجیۃ (عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ۱۴ ج ۵، ص ۳۵۹۔ مصری) | مسلمان اور ذمی (کافر) کے درمیان کوئی معاملہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ ایسا کرنا ضروری ہو، دوسری کوئی صورت نہ ہو۔ |

نیز عالمگیری باب مذکور میں ہے،

| | |
|---|---|
| (۲) یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل ومع ھذا لو اکل او شرب فیھا قبل الغسل جاز، ولا یکون آکلا ولا شاربا حراما وھذا اذا لم یعلم بنجاسۃ | کفار کے برتنوں میں ان کو دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے، لیکن دھونے سے پہلے اگر ان میں کھا پی لیا تو جائز ہے اس صورت میں حرام کھانے والا |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عجائب اتفاق سے ہے کہ آج سے سینتیس سال پہلے وسط ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ میں احقر نے خواب میں دیکھا کہ سیدی و مرشدی حکیم الامت قدس سرہٗ میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے ارشاد فرمایا کہ تقبیل کے متعلق تم نے کتاب دیکھی ہے یا نہیں (ایسا محسوس کرتا تھا کہ حضرت نے اس سے پہلے کسی اشکال کی وجہ سے اس مسئلہ پر کتابیں دیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا، اس کی تاکید کے لئے اس وقت یہ جملہ فرمایا) میں نے عرض کیا کہ اب تک دیکھنے کا وقت نہیں ملا، اب دیکھوں گا، اور غالباً طریقہ محمدیہ میں مسئلہ مل جائے گا۔ یہ تو حضرت سے عرض کیا اور اپنے دل میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ میں یہ مسئلہ ہے، اب اس کو بھی دیکھوں گا، اسی اثناء میں آنکھ کھل گئی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ تقبیل سے کیا مراد ہے اور اس پر اشکال کیا ہے جس کے لئے کتابیں دیکھنے کا ارشاد ہوا ہے، احقر نے یہ خواب حضرت کی خدمت میں لکھ بھیجا جس کا جواب یہ آیا:

"اول بار تو شرح صدر کے ساتھ کچھ سمجھ میں نہ آیا گو تکلف سے کچھ حل ہوا مگر خود تکلف ہی پسند نہیں۔ دوسری بار جو خط پڑھا تو بیساختہ خیال آیا کہ اس وقت تقبیل ایدی (دست بوسی) کی جو اہتمام کے ساتھ عادت ہو گئی ہے میں اُس کے محذورات بھی بیان کرتا ہوں، شاید خواب میں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہو گا۔ خواہ عمل کے لئے خواہ ضبط کے لئے تاکہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے، واللہ اعلم۔ اگر کسی وقت اس کے متعلق کچھ لکھا جاوے اس کا نام یہ مناسب ہے۔ تعدیل الهادی فی تقبیل الایادی"۔

اول تو معاملہ خواب کا پھر تعبیر خواب میں بھی حضرتِ والا نے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کی

الاّ انی فاما اذا علم قاتہ لا یجوز ان یشرب و یاکل منہا قبل الغسل

(عالمگیری ص ۳۵۸ ج ۵)

اور حرام پینے والا نہ ہوگا۔ لیکن یہ عیب ہے جب کہ ان برتنوں کی ناپاکی کا علم نہ ہو اور اگر اس کا علم ہو تو دھونے سے پہلے ان میں کھانا پینا جائز نہیں

اور بدائع صنائع کتاب السیر میں ہے:

(۳) ولا باس بحمل الثیاب والمتاع ونحو ذٰلك الیھم (اھل الحرب) لانعدام معنی الامداد والاعانة وعلیٰ ذالك جرت العادة من تجار الامصار انھم یدخلون دار الحرب للتجارة من غیر ظھور الرد والانکار علیھم الا ان الترك افضل لانھم یستخفون بالمسلمین ویدعونھم الیٰ ما ھم علیہ فکان الکف والامساك عن الدخول من باب صیانة النفس عن الھوان والدین عن الزوال۔

(بدائع کتاب السیر ص ۱۰۲ ج ۷)

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کپڑے اور سامان دار الحرب برآمد کیا جائے اس میں ان کفار کی امداد اور اعانت (جو شرعاً ممنوع ہے) لازم نہیں آتی، اس لئے کہ مسلمان تجار کی یہ عادت شروع سے جاری ہے کہ وہ تجارت کے لئے دارالحرب جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان پر کوئی رد اور نکیر منقول نہیں ہے لیکن ایسی تجارت ترک کرنا افضل ہے اس لئے کہ دارالحرب کے کفار مسلمانوں کو کمتر سمجھتے ہیں اور انہیں اپنے طور طریقوں کی ترغیب دیتے ہیں اس لئے دارالحرب نہ جانا اپنے آپ کو بھی ذلت سے بچاتا ہے اور اس میں اپنے دین کی حفاظت بھی ہے۔

عالمگیری میں ہے:

(۴) الاکل مع المجوسی ومع غیرہ من اھل المشرکین ھل یحل ام لا؟ حکی عن الحاکم الامام عبد الرحمٰن

مجوسی یا دوسرے مشرکین کے ساتھ کھانا پینا حرام ہے یا نہیں؟ حاکم عبدالرحمٰن الکاتب سے منقول ہے کہ اگر

تاکید نہیں فرمائی، بلکہ محض اپنی فرصت اور خواہش پر چھوڑا، اس لئے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کا فوری طور پر کوئی ارادہ نہ ہوا اور انجام کار مرورِ ایام سے اس میں ذہول ہو گیا۔

اتفاقاً ۱۳۸۲ھ میں احقر کو عمرہ و زیارت کے لئے حرمین کی حاضری نصیب ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں محب محترم اخی فی اللہ مولانا سید محمود بن سید نذیر طرازی مقیم مدینہ منورہ کے پاس ایک قلمی رسالہ شیخ امام محمد عابد سندھی کا جو بارھویں صدی ہجری کے مشائخ سندھ میں سے ہیں اور آپ کے حواشی تقریباً صحاح ستہ پر معروف و مقبول ہیں، نظر پڑا جس کا نام تھا "الکرامۃ و التقبیل" جس میں پہلے کراماتِ اولیاء کے حق ہونے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اس کے بعد علماء و مشائخ کی دست بوسی اور قدم بوسی کو احادیث معتبرہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت فرمایا ہے۔ جس سے احقر کو یہ خیال آیا کہ خواب میں جو اس مسئلہ کا طریقۂ محمدیہ میں نے دیکھنے کا ذکر کیا ہے، شاید طریقۂ محمدیہ سے یہی سنن و آثار مراد ہوں۔ احقر نے اس رسالہ کو خود اپنے قلم سے نقل کر لیا، تاکہ وہ قدیم ارادہ پورا کروں کہ مسئلہ تقبیل پر کچھ لکھوں،

لیکن اب کہ ۱۳۹۲ھ ہے، اس واقعہ کو بھی دس سال ہو گئے اور اس کام کا موقع نہ ملا خواب میں جس تعویق اور تاخیر کا اظہار ہوا تھا وہ شاید کوئی تکوینی امر تھا کہ اب تک بھی اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ ۱۳۹۲ھ میں احقر کو شدید قلبی مرض پیش آیا، بظاہر امید زلیست نہ تھی، پھر حق تعالیٰ نے کرم فرمایا اور صحت ہو گئی مگر ضعف شدید ہنوز چل رہا ہے اسی حال میں نامکمل تالیفات کی تکمیل اور خاص خاص تالیفات پر نظر ثانی کا عزم کیا حق تعالیٰ نے سب سے اہم تالیف تفسیر معارف القرآن کی تکمیل بھی اس واقعہ کے بعد کرا دی اور اس وقت شیخ محمد عابد سندھی کا قلمی نسخہ سامنے آ کر اس کے لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ مفید و نافع بنا دیں اور قبول فرمائیں۔

بندہ محمد شفیع روز عید الاضحیٰ
۱۳۹۲ھ

| | |
|---|---|
| الکاتب انہ ان ابتلی بہ المسلم مرۃ او مرتین فلا باس بہ ولما الدوام علیہ فیکرہ۔ | مسلمان ایک دو دفعہ اس میں مبتلا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے |

(کذا فی المحیط ص ۱۵۹ ج ۵)

اور شرح سیر کبیر میں امام محمدؒ سے منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| (۵) لا باس بان یوکل ویشرب فی آنیۃ المشرکین ولکن یغسل ذالک قبل ان یوکل فیہا منہ الاوانی لایلتہا نجاسۃ الکفر (الی قولہ) الاوانی المشرکین لا ینعمون غسل الاوانی فینبغی للمسلمین ان یعیدوا الغسل ولا یاتمن المشرکون علی ذالک (الی قولہ لما روی عن ابی ثعلبۃ الخشنی رض انہ قال یارسول اللہ انا ناتی ارض المشرکین افنا کل فی آنیتہم فقال ان لم تجدوا منہا بدا فاغسلوھا ثم کلوا فیہا۔ | مشرکین کے برتنوں میں سے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں لیکن استعمال کرنے سے پہلے یہ برتن دھولیے جائیں (جائز اس لئے ہے کہ) چونکہ برتنوں میں کفر کی نجاست سرایت نہیں کرتی یہ چونکہ مشرکین اچھی طرح برتن نہیں دھوتے اس لئے مسلمانوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ ان برتنوں کو دوبارہ دھولیا جائے اور اس میں مشرکین پر اعتماد نہ کیا جائے ...... اس باب میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رض سے ایک حدیث بھی مروی ہے، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے رسول، ہم مشرکین کی سرزمین میں جاتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھانا کھا سکتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو پہلے ان کو دھو ڈالو پھر ان میں کھاؤ (پیو) |

(شرح سیر کبیر ج ۱ ص ۹۹)

نیز سیر کبیر میں مشرکین و کفار کے ہدایا قبول کرنے کے متعلق روایات مختلفہ حدیث کی نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

علماء و مشائخ کی دست بوسی و قدم بوسی کے مسئلے میں حضرات فقہاء میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور مستند روایات حدیث اور آثار صحابہ و سلف سے اس کا جواز بلکہ اس پر تعامل ثابت ہوتا ہے مگر جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے تقبیل کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے مسئلہ تحقیق طلب ہو گیا، روایاتِ حدیث کی تطبیق و تحقیق کے لئے تو حضرت شیخ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ مذکورہ کافی شافی ہے۔ حضرات فقہاء نے جو اس کو منع فرمایا اس کی وجہ اس کی فی نفسہ ممانعت و حرمت نہیں بلکہ بعض مفاسد اور منکرات کی شمولیت کے سبب سے ان حضرات نے بطور رسد ذرائع دست بوسی و قدم بوسی کو منع فرما دیا ہے۔

میں پہلے اس جگہ رسالہ حضرت شیخ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص اردو زبان میں لکھتا ہوں ان کا اصل رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اس کے بعد حضرات فقہاء کے اختلاف اور اس میں اعدل الاقوال پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

## تلخیص مقالہ حضرت شیخ محمد عابد سندھی محررہ ۱۲۴۴ھ

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ ایک نفسانی شہوت کے ساتھ بوسہ دینا ہے وہ باتفاق فقہاء بجز اپنی زوجہ یا زر خرید کنیز کے کسی دوسری عورت یا مرد کے لئے جائز نہیں خواہ المحرم ہی کیوں نہ ہو جیسا سر اور ہاتھ وغیرہ دوسرا سبب اس کا اکرام کا نہ شفقت ہوتی ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر یا چہرہ وغیرہ کا بوسہ لینا تیسرا

(۶) فبهذا تبين ان للامير داياً في قبول ذالك لان في القبول معنى التاليف وفي الرد اظهار الغلظة والعداوة۔

ماقبل کی اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس بارہ میں امام اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے (اس لئے کہ قبول ورد دونوں کے حق میں شرعی وجوہ موجود ہیں) قبول کرنے میں ان کو اپنے ساتھ جوڑنا ہے اور لوٹا دینے میں ان پر اپنی درشتی اور سختی کا اظہار کر دینا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ معاملات کفار میں اگر تالیف کی نیت یا اس کا وجود محتمل نہ ہو تو پھر بجز حالتِ اضطرار کے اظہار عداوت وغلظت ہی دستور العمل ہونا چاہیئے۔

عبارات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ اصل مذہب اور تعلیم شریعت معاملات کفار ومشرکین کے بارہ میں یہ ہے کہ بوقت ضرورت ان کے ساتھ معاملات خرید و فروخت، شرکت، ملازمت اور تجارت جائز ہیں اور ان کے ہاتھوں اور برتنوں کی چیزوں کا کھانا بھی بوقت ضرورت جائز ہے۔

لیکن عبارات مذکورہ ہی سے اس جواز کے لئے چند شرائط مستفاد ہوتی ہیں کہ اگر وہ شرطیں پائی جائیں تو یہ معاملات جائز بلا کراہت ہیں ورنہ مکروہ و ناجائز۔

۱ ——— بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار ومشرکین کے ساتھ معاملات نہ کئے جائیں جیسا کہ عبارت عالمگیری ۱ سے ظاہر ہوا۔

۲ ——— جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں اور برتنوں کی چیزیں کھانے پینے کے لئے ملیں اس وقت تک غیر مسلموں کے ہاتھوں اور برتنوں کی چیزیں استعمال نہ کی جائیں جیسا کہ عبارت سیر کبیر ۵ اور عبارت عالمگیری ۲ سے ثابت ہوا، نیز حدیث ابی ثعلبہ خشنی رض سے بروایت سیر کبیر ثابت ہوا۔

۳ ——— کفار ومشرکین کے ساتھ اس طرح معاملات نہ کئے جائیں جس سے مسلمانوں کی ذلت ظاہر ہو جیسا کہ بدائع کی عبارت ۳ سے ثابت ہوا۔

اب جب کہ ہندوستان کی موجودہ حالت اور واقعات ومعاملات پر نظر کی جاتی

سبب اس کا تعظیم و تکریم ہوتا ہے جیساکہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر بوسہ دینا۔ آخری صورتیں جائز ہیں اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔

**تقبیل شفقت** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بدن کو بوسہ دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر بوسہ دیا جبکہ اُن کو بخار میں مبتلا دیکھا (کما اخرجہ ابوداؤد) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی پیشانی کو بوسہ دیا (کما اخرجہ ابوداؤد) یہ واقعات وہ ہیں کہ تقبیل بزرگانہ شفقت کی بنا پر ہوئی اور اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔

**تقبیل تعظیم** شیخ محمد عابد سندھی نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا کہ تعظیم و تکریم کے لئے دست بوسی یا قدم بوسی صرف ان لوگوں کی جائز ہے جو عالم صالح یا سلطان عادل ہو یا کوئی دینی شرف و بزرگی رکھتا ہو۔ ان کے سوا دوسروں کے لئے جائز نہیں حرام ہے۔ کیونکہ نصوص حدیث سے اس کا جواز صرف دینی شرافت و فضیلت رکھنے والوں کے لئے ثابت ہے۔ اُن کے سوا دوسروں کے لئے ثابت نہیں۔

البتہ علمی و دینی شرف رکھنے والوں کے لئے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی قوی روایات حدیث سے ثابت ہے۔

**روایات حدیث متعلقہ تقبیل تعظیم**

۱ ——— ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ذارع رض سے روایت کیا ہے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کی روایت ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا

۲ ——— نیز ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رض سے اس قصہ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب)

قال فدنونا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلنا یدیہ

یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے دونوں ہاتھوں

ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ،

۱ ـــــــ مسلمانوں نے ان تمام شرائط سے قطع نظر کر کے اس میں ایسا توسع اختیار کر لیا ہے کہ جو ان کے لئے دین اور دنیا دونوں میں مضر ثابت ہو رہا ہے بلکہ بلا کسی ضرورت کے مسلمانوں کی دکانیں چھوڑ کر کفار و مشرکین سے معاملات کئے جاتے ہیں اور اس کو قطعاً برا نہیں سمجھتے۔

۲ ـــــــ عام کفار کے اور بالخصوص ہندوؤں کے برتنوں اور ہاتھوں کی پکی ہوئی چیزیں استعمال کرنے میں ذرا احتیاط نہیں کی جاتی، بغیر کسی ضرورت کے ان کا استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں بعض نجاسات صرف پاک ہی نہیں، بلکہ مطہر سمجھی جاتی ہیں، جیسے گائے کا پیشاب اور گوبر وغیرہ، علاوہ ازیں تجربہ و مشاہدہ سے ہمیشہ ثابت ہوتا رہتا ہے کہ ان کے یہاں نجاسات سے پرہیز کرنے کا ذرا اہتمام نہیں، اسی طرح دوسرے طوائف کفار میں جو صفائی کا کچھ اہتمام بھی کرتے ہیں مگر نجاست و طہارت ان کے یہاں کوئی چیز نہیں۔

۳ ـــــــ ہندوؤں کا طرز عمل بوقت معاملات جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ ایک مستقل ایسی چیز ہے کہ اگر شرعاً یہ معاملہ جائز بھی ہو جب بھی کوئی شریف الطبع انسان اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کتوں سے زیادہ ان کو نجس اور منجس سمجھتے ہیں، کتے ان کے برتنوں کو چاٹتے رہتے ہیں، پروا نہیں کی جاتی، اور مسلمان کا اگر سایہ بھی ان کے برتنوں پر پڑ جاتا ہے تو گھبرا اٹھتے ہیں، ان کے برتنوں کو ہاتھ لگانا تو بڑی چیز ہے جس برتن کو مسلمان کا ہاتھ لگا ہو، اگر ہندو اس کو اپنا ہاتھ لگا دے تو وہ اپنے کو نجس سمجھتا ہے اور دھونا فرض سمجھتا ہے اور یہ سب معاملات مسلمان اپنے سامنے دیکھتے ہیں جو ایک بہت بڑی ذلت ہے، کاش مسلمان احساس کریں، قطع نظر جواز و عدم جواز سے شرافت و غیرت بھی کوئی چیز ہے۔ ـــــ اور یہاں تو پہلے بحوالہ بدائع الصنائع نقل کر چکا ہوں کہ شرعاً ایسا کوئی معاملہ کفار کے ساتھ اپنے اختیار سے جائز نہیں جس میں مسلمانوں کی ذلت ہو اور مسلمان کو کافر کے سامنے ذلت اختیار کرنا

کو بوسہ دیا۔

۳ ——— نیز ابوداؤد نے حضرت صدیقہ عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوتے تو وہ استقبال کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیتی تھیں۔

۴ ——— نیز ابوداؤد نے حضرت سید بن حصین سے روایت کیا کہ وہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باہم بات چیت کر رہے تھے۔ ان میں ایک شخص ہنسی مزاح کرنے والا بھی تھا جو ان کو ہنسا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوکھ کو ایک لکڑی سے چھیڑا تو اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ (آپ نے میری کوکھ میں لکڑی لگائی ہے میں اس کا بدلہ لوں گا) آپ مجھے بدلہ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہیں تھا ننگے بدن پر آپ کی چھڑی لگی ہے اور آپ کے بدن پر کرتہ ہے۔ اس لئے انتقام پورا نہیں ہوگا، آپ نے قمیص مبارک کچھ اٹھا دی یہ شخص آگے بڑھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ کر آپ کے پہلو کو بوسے دینے لگا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ میری غرض اس گفتگو سے یہی تھی۔

۵ ——— طبرانی نے کعب بن مالک رضؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھوں سے تھاما اور اُس کو بوسہ دیا۔

۶ ——— طبرانی نے معجم اوسط میں سند جید کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ میں نے آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا تو آپ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔

۷ ——— حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہ رضؓ سے روایت کر کے اس کو

کیسے جائز ہو سکتا ہے جب کہ شریعت نے بغیر اس مقابلہ کے بھی اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں رکھا لہ

حدیث میں ہے لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہٗ۔ یعنی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، اسی لئے فقہا نے مسلمان کے لئے اس کو مکروہ فرمایا ہے کہ کافر کی ملازمت خدمت گاری پر کرے جس میں اس کی ذلت ہو کما فی خلاصۃ الفتاوی من الاجارۃ ص ۱۴۹ ج ۳

| | |
|---|---|
| المسلم اذا اجر نفسہ من الکافر لیخدمہ جاز وتکرہ قال الفضلی لایجوز فی الخدمۃ وما فیہ اذلال بخلاف الزراعۃ والسقی۔ انتہٰی | مسلمان اگر کسی کافر کی ملازمت اس کی خدمت کے لئے کرے تو یہ جائز لیکن مکروہ ہے۔ علامہ فضلی کہتے ہیں کہ خدمت کے لئے ملازمت جس میں مسلمان کی ذلت ہو جائز نہیں ہے، |

البتہ زراعت اور کھیتی سیراب کرنے کے لئے ملازمت جائز ہے۔

اور مدخل ابن حاج میں اس موضوع پر ایک مستقل فصل رکھی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| فصل۔ ویتعین ان لایشتری المسلم الدقیق من طواحین اھل الکتاب ولا یطحن عندھم لوجوہ | یہ لازم ہے کہ مسلمان اہل کتاب کی چکیوں سے آٹا نہ خریدے اور نہ ان کے ہاں پسوائے، اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ |
| (احدھا) ماتقدم من انہ یعین اھل الکفر بذالک (والثانی) | (۱) اس طرح وہ اہل کتاب کا مددگار قرار پاتا ہے۔ |
| انہ یترک اعانۃ اخوانہ المسلمین (والثالث) ان اھل الکتاب | (۲) اس میں مسلمانوں کی اعانت سے احتراز بھی ہے۔ |

لہ یہ رسالہ قیام پاکستان سے کافی عرصہ پہلے (انڈیا کے) بھارت میں لکھا گیا تھا اس لئے مضمون میں وہاں کے حالات کا بطور خاص ذکر ہے۔

صحیح الاسناد قرار دیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ کے سر مبارک اور قدموں کو بوسہ دیا ۔

۸ ـــــــ ترمذی ، نسائی ۔ ابن ماجہ نے حضرت صفوان سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا ۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے ۔

حضرت شیخ محمد عابد سندھی نے مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم اور سلطان عادل اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے کیوں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں صفات کے ایسے جامع ہیں کہ جس کی کوئی نظیر عالم میں نہیں ۔ اس کے بالمقابل حضرت انس رض کی ایک روایت سے جو تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ ان عام لوگوں کے لئے ہے جو اوصاف ثلٰثہ مذکورہ سے خالی ہوں ۔

۹ ـــــــ ترمذی نے بسند حسن حضرت انس بن مالک رض سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی جو اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک جائے آپ نے فرمایا نہیں ۔ پھر اس نے سوال کیا کہ کیا معانقہ کرے اور تقبیل کرے ، آپ نے فرمایا نہیں ۔ پھر اس نے سوال کیا کہ کیا مصافحہ کرے ؟ تو فرمایا کہ ہاں ۔

شیخ محمد عابد صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن میں مذکورالصدر اوصاف ثلٰثہ میں سے کوئی وصف نہ ہو اس کے ساتھ یہ معاملہ معانقہ اور تقبیل کا نہ کیا جائے ، صرف مصافحہ کافی ہے اور قرینہ اس کا خود وہ سوال ہے جو حدیث میں مذکور ہے ، کیوں کہ سائل نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑے عالم یا بزرگ سے ملیں تو کیا کریں بلکہ سوال عام دوست یا بھائی کا کیا ہے جس کے جواب میں آپ نے معانقہ اور تقبیل کو منع فرمایا ۔ یہاں تک تو واقعات اس کے تھے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ

يستعملون الصناع عندهم
من المسلمين وفي ذالك
ذلة للمسلم وعزة للكافر
فيؤمر المسلم ان لا يعمل عندهم
ولا بينهم (الرابع) انهم لا
يتحرزون من النجاسات و
قد تقدم (الخامس) انهم
يتدينون بغش المسلمين و
قد تقدم ذلك ايضا۔
(السادس) انهم اذا شكروا
سلعهم بالحسن والجودة لا
يمكن الاطلاع على صدقهم
بل الغالب عكسه بخلاف
المسلمين فان الاسلام وازع
و لتحسين الظن بهم مجال۔
(السابع) مايفعله بعضهم
من الصليب على باب الحانوت
وفي اركانها فينبغي للمؤمن
ان ينزه حرمة الاسلام عن
هذه الرذائل واشكالها و
قد استحكمت هذه الاشياء
في هذا الزمان فصار عند اكثرهم
لا فرق بين الشراء من

(۳) اہل کتاب عام طور پر مسلمان کاریگر
سے کام لیتے ہیں اس میں مسلمان کی
توہین اور کافر کا اعزاز ہے اس لئے
مسلمانوں کو کہا جائے کہ وہ نہ ان کے ہاں
کام کرے اور نہ ان کی مدد کرے۔
(۴) یہ لوگ عام طور پر ناپاکی سے بچاؤ
نہیں کرتے۔
(۵) اس بات کو دین سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں
کو دھوکہ دیا جائے۔
(۶) اس لئے بھی کہ جب یہ لوگ اپنے
سامان کی تعریف و خوبی بیان کرتے ہیں
تو ان کی سچائی کا گمان نہیں کیا جاسکتا
بلکہ اس کے خلاف ہی کا گمان غالب ہے اس
کے برخلاف مسلمانوں کے حق میں ایسا اندیشہ نہیں
کیا جاسکتا اس لئے کہ ان کا اسلام اس دھوکہ دہی سے مانع
ہے اور ان کے حق میں حسن ظن کی گنجائش ہے
(۷) اس لئے بھی کہ بعض اہل کتاب دکان
کے دروازہ پر اور اس کے گوشوں میں
صلیب لٹکاتے ہیں، تو مسلمانوں کے
لئے مناسب یہی ہے کہ اس قسم کے منکرات
سے اسلام کی حرمت کو پاک رکھیں اور
یہ خرابیاں اس زمانہ میں اس قدر عام ہو
گئیں کہ اکثر لوگ اب مسلمان اور کافر کے

علیہ وسلم کی دست بوسی کی، اب وہ واقعات بھی سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی تقبیل فرمائی۔

۱۰ ——— حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے تشریف لانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے معانقہ فرمایا اور اُن کے منہ کو بوسہ دیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا تو انھوں نے بھی آپ کی اتباع میں صدیق رضؓ اکبر کے منہ کو بوسہ دیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابوالحسن ابوبکر کا درجہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا میرا درجہ میری والدہ کے سامنے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقبیل اور دست بوسی وغیرہ کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، دوسروں کے لئے بھی جائز ہے بشرطیکہ ان میں اوصاف مذکورہ میں سے کوئی موجود ہو اور مندرجہ ذیل روایات سے اس عدم خصوصیت کی پوری تائید ہو جاتی ہے جن میں صحابہ کرام کا باہم ایک دوسرے کی دست بوسی وغیرہ کرنا ثابت ہے اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کیا۔

۱۱ ——— طبرانی نے یحییٰ بن حارث الذماری سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ میں واثلہ بن اسقع رضؓ سے ملا تو اُن سے کہا کہ آپ کے اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ ہاں، میں نے عرض کیا تو آپ اپنا ہاتھ مجھے دیجیے کہ میں اس کو بوسہ دوں، انھوں نے میری درخواست منظور کر لی میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، حافظ ہیثمی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ رجال اسنادہ ثقات یعنی اس کی اسناد کے سب رجال ثقہ ہیں۔

۱۲ ——— اور محب طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرہ میں حضرت صدیق اکبر رضؓ کے فضائل میں ابو رجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو لوگوں کا ایک مجمع دیکھا اور ایک شخص کو دیکھا جو ایک دوسرے

المسلم والكافر بل بعضهم يفضل معاملة اهل الكتاب على معاملة اخوانه المسلمين ويدينون لذالك على زعمهم وجهلهم بحجج لا يقوم شئ منها على ساق ولا تقبل منهم لقيام الحجج الشرعية برد ذالك عليهم انتهى۔

(مدخل ص ۱۳۰، ج ۲ مطبعۃ مصطفی البابی بمصر)

وفی اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیۃ رحمہ والموالاۃ والموادۃ وان کانت متعلقۃ بالقلب لکن المخالفۃ فی الظاھر اعون علی مقاطعۃ الکٰفرین ومباینتھم ومشارکتھم فی الظاھر ان لم تکن ذریعۃ او سببًا قریبًا او بعیدًا الی نوع ما من الموالاۃ والموادۃ فلیس فیھا مصلحۃ المقاطعۃ والمباینۃ مع انھا تدعو الی نوع ما من المواصلۃ کما توجبہ الطبیعۃ وتدل علیہ العادۃ ولھذا کان السلف رحمہ یستدلون

ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے، بلکہ بعض لوگ مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں اہل کتاب کے ساتھ معاملہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لئے اپنے زعم کے مطابق ایسی توجیہات و دلائل ذکر کرتے رہتے ہیں جن میں سے کوئی بھی دلیل مضبوط بنیاد نہیں رکھتی اور شرعی دلائل کے مقابلہ ان کے ایسے دلائل کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

اور ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں فرمایا کہ قلبی میل جول اور محبت (جو کفار کے ساتھ ممنوع ہے) کا تعلق اگرچہ قلب سے ہے لیکن ظاہری مخالفت کفار کے ساتھ قطع تعلق میں زیادہ موثر ہے (اور یہ قطع تعلق مطلوب ہے) پھر ظاہری تعلق اگرچہ قلبی تعلق کا سبب قریب یا بعید نہ بن سکے، لیکن اس میں قطع تعلق کی مصلحت بھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ ظاہری تعلق کچھ ربط اور میل ہی کی طرف مائل کرتا ہے جیسا کہ انسانی طبیعت اور عادت کا تقاضیٰ ہے، اسی لئے اسلاف ان آیات سے (جن میں کفار سے موودت و موالات کی ممانعت ہے) اس بات پر استدلال کرتے رہے ہیں کہ

شخص کے سر کو بوسہ دے رہا تھا اور یہ کہتا جا رہا تھا کہ میں تم پر قربان ہو جاؤں اگر تم نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ جس کے سر کو بوسہ دیا جا رہا ہے۔ اور بوسہ دینے والا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر صدیق رضؓ ہیں اور بوسہ دینے والے حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے پر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے جم گئی تھی اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو اس میں خطرہ تھا، اس لئے مخالفت کر رہے تھے، مگر جب صدیق اکبر کی رائے کے مطابق جہاد ہوا اور اس کے نتائج خیر سامنے آئے تو اس وقت عمر بن خطابؓ نے صدیق اکبر کی رائے کی تصویب کے لیے یہ عمل ظاہر فرمایا۔

۱۳ ——— اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حالات میں بروایت ابن مبارک عن داؤد بن ابی الہند عن الشعبی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے (بطور تعظیم و اکرام کے) ان کی رکاب تھامی، حضرت زید نے منع کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ ایسا نہ کریں مگر حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ :

ھکذا امرنا ان نفعل بعلمائنا۔ ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علماء کے ساتھ تعظیم و اکرام کا ایسا ہی معاملہ کریں۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا ھکذا امرنا ان نفعل باھل بیت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم و اکرام کا معاملہ کریں۔

یہی واقعہ مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابہ میں بروایت ابن عباسؓ نقل کر کے فرمایا ہے کہ اسناد اس کی صحیح علی شرط مسلم ہے اور حافظ ذہبی نے بھی

يفضله الآيات على ترك
الاستعانة بهم في الولايات
فروى الامام احمد رح
باسناد صحيح عن ابي موسى
قال قلت لعمر رض ان لي
كاتبا نصرانيا قال مالك
قاتلك الله، اما سمعت
الله يقول، يا ايها الذين
امنوا لا تتخذوا اليهود
والنصارى اولياء بعضهم
اولياء بعض - الا اتخذت
حنيفا قال قلت يا امير المومنين
لي كتابته وله دينه قال
لا اكرمهم اذ اهانهم الله و
لا اعزهم اذ اذلهم الله تعالى
ولا ادنيهم اذ اقصاهم الله
(اقتضاء ص ۵۰ مطبوعہ مصر)

سلطنت وانتظام کے امور میں بھی ان سے
مدد نہ لی جائے جیسا کہ حضرت امام احمدؒ
نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رض
اشعری سے روایت کی ہے وہ فرماتے
ہیں میں نے حضرت عمر رض سے ذکر کیا کہ میرا
ایک نصرانی کاتب ہے انہوں نے
ناراضگی کا اظہار فرما کر کہا کہ کیا تم نے
اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اے ایمان والو
یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنایا کرو
وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں؟
تم نے کسی مسلمان کو کیوں نہ کاتب بنالیا؟
میں نے عرض کیا کہ مجھے اس کے لکھنے سے
مطلب ہے اور اس کا دین اسی کے لئے ہے
انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ نے ان کی
اہانت کی ہے تو میں ان کا اکرام نہیں کروں گا
جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا تو میں ان کا
اعزاز نہیں کروں گا اور جب اللہ نے
انہیں دور کر دیا ہے تو میں ان کو قریب نہیں کروں گا۔

وایضاً فی الاقتضاء ص ۵۰
قد روى ابو الشيخ الاصبهاني
في شروط اهل الذمة باسناده
ان عمر كتب ان لا تكاتبوا
اهل الذمة فيجري بينكم

نیز ابو الشیخ اصفہانی رح نے شروط اہل الذمہ
میں اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے
کہ حضرت عمر رض نے عاملوں کو لکھ دیا تھا
کہ اہل کتاب سے لکھنے کا کام نہ لیا کرو
اس لئے کہ اس طرح تم میں اور ان میں محبت

اس پر کوئی تنقید نہیں فرمائی، بلکہ سکوت سے اقرار فرمایا ہے۔ اور یہ واقعہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں بھی ذکر کیا ہے (ص ۷۳۔ ج ۱۶)

۱۴ ـــــــ اور بیہقی نے بروایت ضرار بن عمر حضرت ابو رافع رضہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لشکر روم کے جہاد کے لئے بھیجا تھا جن میں حضرت عبد اللہ بن حذافہ صحابیؓ بھی تھے (مگر ہوا یہ کہ رومیوں کی قوت زیادہ تھی) انھوں نے ان مسلمانوں کو قید کر لیا اور بادشاہ روم نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضہ کو حکم دیا کہ تم نصرانی بن جاؤ تو میں تمھیں اپنی سلطنت میں شریک کروں گا حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضہ نے اس سے انکار کیا تو حکم دیا کہ ان کو سولی پر چڑھاؤ اور چار طرف سے ان پر تیر برساؤ۔ لوگوں نے تعمیل کی مگر حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضہ سولی پر چڑھے ہوئے بھی بالکل مطمئن ہشاش بشاش نظر آئے گھبراہٹ پاس نہ تھی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو سولی سے اتار لو اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کو خوب گرم کرکے پکالو۔ جب یہ پانی پوری طرح جوش مارنے لگا تو حکم دیا کہ ایک قیدی کو اس میں ڈال دو۔ وہ ڈالا گیا تو فوراً ہی اس کا گوشت گل کر پانی میں گر گیا اور اس کی ہڈیاں چمکتی نظر آنے لگیں۔ عبد اللہ بن حذافہ کو یہ منظر دکھانے کے بعد حکم دیا کہ ان کو اسی دیگ میں ڈال دو۔ جب ان کو دیگ کے پاس لے گئے تو یہ رونے لگے۔ بادشاہ نے ان کو اپنے پاس واپس بلایا اور کہا کہ تمھارے رونے کی کیا وجہ ہے تو فرمایا کہ مجھے حسرت و افسوس اس پر ہے کہ میری ایک ہی جان ہے، وہ ایک دفعہ اس کھولتے ہوئے پانی میں پڑ کر ختم ہو جائے گی تو مجھے حسرت ہی رہ جائے گی، کاش میری سو جانیں تو میں اور ایک ایک کرکے اس پانی میں ڈالی جاتیں اور یہ پر کیف سلسلہ کچھ دیر تک چلتا۔ بادشاہ روم پر حق تعالیٰ نے ان کی اس ثابت قدمی کا رعب ڈال دیا۔ وہ سخت تعجب میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ اچھا بس تم ایک کام کر لو کہ میرے سر کو بوسہ دے دو تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضہ نے فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ سب مسلمان قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔ شاہ روم نے اس کو بھی مان لیا تو عبد اللہ بن حذافہ رضہ نے اس کے سر

وبینهم المودة ولا یکنوهم الخ ...... وفی موضع آخر تحت قوله تعالیٰ "لست منهم فی شئ" وذالك یقتضی تبرءه منهم فی جمیع الاشیاء (اقتضاء ص ۲۲)

تمام ہوجائے گی جو شرعاً ممنوع ہے) اور ان کے لئے کنایہ کے الفاظ استعمال کرو ان کے لئے تعظیم و تکریم کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں) ..... ایک اور جگہ آیت قرآنی لست منہم فی شئی کے ذیل میں فرمایا کہ اس کا تقاضی یہ ہے کہ ان سے تمام امور میں احتراز کیا جائے۔

ان سب باتوں کے علاوہ ایک اور چیز قابل لحاظ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا عالمگیر افلاس اور فقر و فاقہ اور بے کاری بھی ایک ایسی چیز ہے جو ان کی دنیا کے ساتھ دین کو بھی تباہ کر رہی ہے وہ مجبور ہو کر ایسے ایسے کاموں میں پڑجاتے ہیں جنہیں حلال و حرام کا امتیاز تو کیا ہوتا خود ایمان کا رہنا دشوار ہوجاتا ہے، اسی کو صادق مصدوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کاد الفقر ان یکون کفراً (یعنی بعض اوقات فقر کفر کا سبب بن جاتا ہے) ہندوؤں نے چھوت چھات کے ذریعہ اپنی تجارت اپنے اندر محفوظ کرلی۔ مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کو درست کرنے اور ان کو سخت پریشانیوں سے نکالنے کی اگر کوئی آسان صورت اس وقت ہے تو صرف یہی کہ مسلمان اپنی تجارت کا خود تحفظ کریں، دولت مند لوگ خود دکانیں کھولیں اور ناداروں کو اپنے ساتھ لگائیں، اگر خرید و فروخت میں مسلمان اس کا اہتمام کریں کہ بلا ضرورت شدیدہ غیر مسلموں سے معاملات نہ کریں تو بآسانی مسلمانوں کی یہ پریشانی رفع ہوسکتی ہے۔

**تنبیہ:** اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے اور قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص سے ثابت ہے کہ صحبت کا ایک بڑا اثر تمام اشیاء میں ہوتا ہے اس لئے جو چیزیں بزرگوں کے ہاتھوں میں رہی ہوں یا انھوں نے استعمال کی ہوں ان کو متبرک سمجھا جاتا ہے اور ارباب بصیرت ان میں انوار و برکات محسوس کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اسی صحبت کا نتیجہ ہے جو ان اشیاء کو بزرگوں کے ساتھ رہی ہے،

کو بوسہ دے دیا (کیوں کہ نہ وہ کوئی شرک و کفر تھا نہ کوئی گناہ اور اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان اس سے بچتی تھی۔ اس لئے قبول کر لیا) جس کے نتیجہ میں شاہ روم نے ان کو مع سب مسلمان قیدیوں کے آزاد کر دیا۔

جب یہ سب مسلمانوں کے ساتھ واپس حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں پہنچے تو عمر بن خطابؓ کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

ابن عساکر نے اس قصہ کا ایک شاہد اور بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ہشام بن عثمان کے فوائد میں مرسل زہری سے نقل کیا ہے۔

۱۵ ــــــ طبقات ابن سعد (ص ۲۲۴، ج ۶) میں عاصم بن ابی النجود کے حالات میں حضرت ابو وائل سے نقل کیا ہے کہ ابو وائل کبھی کبھی گاؤں میں جاتے اور چند روز غائب رہتے تھے جب واپس آکر حضرت عاصم سے ملتے تو اُن کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔

۱۶ ــــــ مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابہ (ص ۲۵۴، ج ۳) میں حضرت ابوسفیان کے مناقب میں لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں حضرت ابوسفیانؓ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حرب ہے۔ آپ ان سے آپ ان سے راضی ہو جائیے (کیوں کہ فتح مکہ سے پہلے جتنے معرکے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتے اُن سب میں ابوسفیان ہی کفار کے لشکر کی قیادت کرتے تھے فتح مکہ میں مسلمان ہو گئے مگر حضرت عباسؓ کو یہ خیال تھا کہ اس کے باوجود آپ کے قلب مبارک میں ان کی طرف سے تکدر ہو گا، اسی لئے یہ درخواست کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی سفارش قبول ہے میں ان سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے معاف فرما دے۔ پھر حضرت عباس کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ وہ بیشک میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا جب کہ وہ گھوڑے کی رکاب میں تھا۔

تو خوب سمجھ لیا جائے کہ جس طرح بزرگوں کی صحبت کے برکات استعمالی چیزوں میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح کفار و فجار کے ہاتھوں میں یا استعمال میں رہی ہوئی چیزوں میں ایک روحانی تاریکی بھی ضرور ہوتی ہے جس کو ارباب بصیرت اکثر محسوس بھی کر لیتے ہیں۔

## خلاصہ حکم

روایاتِ حدیث و فقہ کے دیکھنے اور حالاتِ موجودہ پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوا کہ اس وقت باوجود اباحت فی نفسہا کے مسلمانوں کے لئے اپنی دکانیں چھوڑ کر غیر مسلموں سے سامان خریدنا ہرگز جائز نہیں، باقی ضرورت شدیدہ مستثنیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ؛ احقر محمد شفیع غفرلہٗ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

روایاتِ مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ بزرگانِ دین کی دست بوسی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں بلا نکیر و اختلاف ثابت ہے بعد کے علماء میں بھی یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

۱۷ ——— ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابو بکر بن محمد بن عمر سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک روز حضرت ابو بکر بن مجاہد کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت شبلی اس مجلس میں تشریف لائے تو ابو بکر بن مجاہد کھڑے ہوئے اور ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ ابو بکر بن مجاہد نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے ایک خواب میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا تھا کہ شبلی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے ہیں لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم الآیۃ اور اس کے بعد مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

۱۸ ——— حافظ ابو موسیٰ مدینی وغیرہ نے حضرت سفیان سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن مبارک موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دے کر کہا کہ اس سنت پر عمل کرنے کے لئے اس سے اچھا موقع کہاں ملے گا۔

۱۹ ——— امام مسلم بن حجاج کا واقعہ جو امام بخاری کے ساتھ پیش آیا کہ امام مسلم نے امام بخاری کی پیشانی کو بوسہ دیا اور قدم بوسی کا ارادہ کیا یہ کتبِ حدیث و رجال میں معروف و مشہور ہے۔ مذکورہ روایات سے علماء امت کا باہم معاملہ تقبیل کا بغیر کسی نکیر و انکار کے ثابت ہو گیا۔ اور اس کی مزید تاکید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر رض کی طرف سے پیش آیا کہ جب

وہ جنازے پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے چہرہ پر ان کی موت کے بعد بوسہ دیا۔

ان تمام روایات واقعات سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ اور دینی شرف رکھنے والے حضرات کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی نیز پیشانی وغیرہ پر بوسہ دینا سنت اور تعامل صحابہ و تابعین سے بلا کسی نکیر کے ثابت ہے۔ انتہی (رسالہ شیخ محمد عابد سندی محررہ ۱۲۴۳ھ)۔

# اقوالِ فقہاء

مبسوط شمس الائمہ سرخسی کتاب الاستحسان جلد عاشر ص ۱۴۹ میں لکھا ہے۔

۲۰ —— روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل فاطمۃ رض و یقول اجد منہا ریح الجنۃ و قبل ابوبکر راس عائشۃ رض وقال صلی اللہ علیہ وسلم من قبل رجل امہ فکانما قبل عتبۃ الجنۃ۔ (مبسوط)

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رض کی تقبیل فرماتے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس میں سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور صدیق اکبر رض نے حضرت عائشہ کے سر کو بوسہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی ماں کا پاؤں چوما گویا اس نے جنت کی چوکھٹ کو بوسہ دیا (مبسوط)

مبسوط شمس الائمہ ہی میں محمد بن المنکدر رض سے نقل کیا ہے کہ ایک رات میں اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا اور میرا بھائی ابوبکر تمام رات نماز میں مشغول رہا اور مجھے ہرگز پسند نہیں کہ میں اپنی رات کو ان کی رات سے بدل لوں۔

عورتوں کی تقبیل اور ہاتھ سے چھونے کے متعلق ان روایات کو نقل کر کے شمس الائمہ نے فرمایا کہ یہ تقبیل اور بدن کو مس کرنا صرف اس صورت میں مباح ہے جب کہ نہ

وقایۃ المسلمین
عن
ولایۃ المشرکین

ملکی سیاست میں

# غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل

کی

## حدودِ شرعیہ

مقام تالیف :- دیوبند، ہندوستان

تاریخ تالیف :- ایام حج ۱۳۶۴ھ تقریباً ۱۹۴۵ء

اشاعت اول :- نامعلوم

اشاعت دوم :- دار الاشاعت دیوبند

اپنے نفس سے شہوت کا خطرہ ہو نہ اس عورت سے جس کی تقبیل کی جائے اگرچہ وہ اولاد ہی میں سے ہو اور خواہ تقبیل بدن کے کسی حصہ پر ہو اور جب خطرہ شہوت کا اس کے لئے یا اپنے لئے ہو تو قطعاً جائز نہیں (مبسوط، ص ۱۴۹ ج ۱۰)

واما حکم المس فلا خلاف ان المصافحة حلال لقوله علیه السلام تصافحوا تحابوا وروی عنه صلی الله علیه وسلم انه قال اذا لقی المومن اخاه فصافحه تناثرت ذنوبه ولان الناس یصافحون فی سائر الاعصار فی العهود والمواثیق فکانت سنة متوارثة۔

واختلف فی القبلة والمعانقة قال ابو حنیفة رح ومحمد یکره للرجل ان یقبل فم الرجل او یده او شیئاً منه او یعانقه وروی عن ابی یوسف رح انه لا باس به ووجهه ما روی انه لما قدم جعفر بن ابی طالب رض من الحبشة عانقه سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم وقبل بین عینیه وکذا روی ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا اذا رجعوا من اسفارهم کان یقبل بعضهم بعضاً ویعانق بعضهم بعضاً واحتجا بما روی انه سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقیل ایقبل بعضنا بعضاً فقال لا فقیل ایعانق بعضنا بعضاً فقال علیه الصلوٰة والسلام لا فقیل ایصافح بعضنا بعضاً فقال علیه الصلوٰة والسلام نعم وذکر الشیخ ابو منصور رح ان المعانقة انما تکره اذا کانت شبیهة بما وضعت للشهوة فی حالة التجرد واما اذا اقصد بها المبرة والاکرام فلا تکره وکذا التقبیل الموضوع لقضاء الوطر والشهوة وهو المحرم فاذا زال تلک الحالة ابیح وعلی هذا الوجه الذی ذکره الشیخ یحمل الحدیث الذی احتج به ابو یوسف۔
(بدائع ص ۱۲۴ ج ۵ کتاب الاستحسان)

(ترجمہ) اور رہا مسئلہ چھونے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مصافحہ

یہ رسالہ تحریک پاکستان کے زمانہ میں
ان سوالات کے جواب میں لکھا گیا جو مسلم لیگ اور
کانگریس کی شرعی حیثیت سے متعلق برصغیر کے گوشہ گوشہ
سے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے پاس آرہے تھے اس
وقت یہ دو بار "کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق
شرعی فیصلہ" کے نام سے شائع ہوا۔

مگر حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس میں "کافروں
کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی تعلقات کے موضوع پر
خالص فقہی حیثیت سے اصولی بحث فرمائی ہے
اور اس موضوع کے تمام متعلقات پر سیر حاصل
تحقیقی مواد کے ذریعہ مسئلہ کے ہر پہلو کو
خوب واضح اور مدلل فرما دیا ہے۔

لہٰذا اس رسالہ کی حیثیت محض ایک
وقتی مسئلہ کی نہیں بلکہ یہ غیر مسلموں
کے ساتھ مسلمانوں کی داخلی و خارجی پالیسی
کے لئے اہم شرعی دستور العمل ہے۔ اسی لئے
حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ایماء پر اب اس
کا نام بدل کر اس مجموعہ کا جزء بنایا جا رہا ہے
عربی نام میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

(مرتب)

حلال ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں مصافحہ کیا کرو تاکہ باہم محبت بڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مومن اپنے بھائی مومن سے ملے اور مصافحہ کرے تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس لئے کہ مصافحہ کا رواج ہر زمانے میں معاہدات کے مواقع میں رہا ہے اس لئے یہ سنت متوارثہ ہے اور بوسہ دینے اور معانقہ کے مسئلے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ ایک دوسرے مرد کے منہ پر یا ہاتھ پر یا اس کے کسی اور عضو پر بوسہ دینا یا معانقہ کرنا مکروہ ہے اور ابو یوسفؒ سے روایت کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور دلیل اُن کی وہ روایت ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب حبشہ سے واپس ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ فرمایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اسی طرح یہ روایت کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اپنے سفروں سے واپس آتے اور آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے تھے اور معانقہ کرتے تھے۔ اور ابوحنیفہ رح اور محمدؒ نے اس روایت سے استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہم آپس میں ملاکریں تو کیا ایک دوسرے کو بوسہ دیں آپ نے فرمایا نہیں پھر سوال کیا گیا کہ کیا معانقہ کریں، آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپس میں مصافحہ کیا کریں تو فرمایا کہ ہاں شیخ ابو منصور نے فرمایا، معانقہ اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ اس طرز پر ہو جو شہوت کے ساتھ کیا جاتا ہے جب کہ درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو لیکن جب کہ اس سے محض اکرام اور احسان مقصود ہو تو مکروہ نہیں یہی حکم بوسہ دینے کا ہے کہ جو بوسہ شہوت کے ساتھ دیا جاتا ہے اس کے مشابہ ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اور ابو یوسف نے جس حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا وہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ اس میں شہوت کا کوئی خطرہ یا مشابہت نہ ہو۔

اور فتاویٰ قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ :

ویکرہ ان یقبل الرجل فم الرجل اویدہ اوشیئامنہ فی قول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# الاستفتاء

کشمکش سے ہر گھر اختلاف کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اغیار تماشا دیکھ رہے ہیں اور مسلمانوں کی جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں اور اس جنگ و جدل کا اثر مسلمانوں کے ہر شعبہ زندگی مذہب معاشرت اقتصاد، ملکی سیاست پر پڑ رہا ہے۔

جو مسلمان کسی پارٹی کے پیچھے لگے ہوتے نہیں اور یکسوئی کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں ان کو ہر طرف کھینچا جا رہا ہے۔ ہم چند مسلمان بھی ایسی حالت میں حیران ہیں اس لئے حضرات علماء کی طرف رجوع کر کے اپنے لئے صحیح راہ عمل کی ہدایت چاہتے ہیں کہ خالص دینی اور مذہبی حیثیت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہمارے لئے کیا ہے اس لئے موجودہ حالات کو پیش کر کے چند سوالات کئے جاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

**حالات یہ ہیں** کہ اس وقت ہندوستان کی ہر قوم مسلمان، ہندو، سکھ، اچھوت وغیرہ آزادی ہندوستان کی جدوجہد پر متفق نظر آتی ہے، اس آزادی کے حصول کے لئے کوشش کرنے والی متعدد جماعتیں ہندوستان میں قائم ہیں جن میں سے تعداد کے اعتبار سے بڑی جماعتیں دو ہیں کانگرس اور مسلم لیگ ان کے

ابی حنیفۃ و محمد ولا بأس بالمصافحۃ وقال ابو یوسف لا باس بالتقبیل والمعانقۃ فی ازار واحد فان کانت المعانقۃ من فوق قمیص او جبۃ او کانت القبلۃ علی وجہ المبرۃ دون الشھوۃ جاز عند الکل۔
(فتاوی قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری ص ۴۴۴، ج ۳)

مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو یا کسی اور حصہ بدن کو ابو حنیفہ اور محمد کے قول میں اور مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور ابو یوسف نے فرمایا کہ بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب وہ کرتے اور جبہ کے اوپر سے اور بوسہ دینا بطور مسرت و اکرام کے ہو شہوت سے نہ ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں کی آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقبیل و معانقہ میں جو اختلاف امام ابو حنیفہ رح و محمد رح کا نقل کیا جاتا ہے وہ اس صورت میں ہے جس میں خطرہ شہوت کا یا مشابہت اس کی پائی جائے ورنہ معانقہ اور تقبیل تینوں آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔ بدائع میں شیخ ابو منصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

فی الدر المختار طلب من عالم او زاھد ان یدفع الیہ قدمہ ویمکنہ من قدمہ لیقبلہ اجابہ وقیل لا یرخص فیلطف رد المحتار قولہ اجابہ لما اخرجہ الحاکم ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارنی شیئا ازداد بہ یقینا فقال اذھب الی تلک الشجرۃ فادعھا فذھب الیھا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوک فجاءت حتی سلمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لھا ارجعی فرجعت ثم اذن لہ فقبل راسہ ورجلیہ وقال لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا وقال صحیح الاسناد اھ من رسالۃ الشرنبلالی (شامی جلد ۵ ص ۳۷۸)

کسی عالم سے کوئی درخواست کرے کہ اپنے قدم ہمیں دیں کہ ہم ان کو بوسہ دیں تو

سوا جو جماعتیں ہیں یا تو ان کا موضوع بالذات اور بلاواسطہ آزادی ہند نہیں یا وہ ان میں سے کسی ایک جماعت میں داخل یا منضم ہیں یا اس قدر قلت میں ہیں کہ ان کو کوئی قوم موجودہ آئین کے اعتبار سے مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس لئے حصولِ آزادی یا ملکی حقوق کے بارہ میں یہی دو جماعتیں قابل ذکر ہیں۔

کانگریس کے اصول میں ہے کہ ہندوستان کے بسنے والے خواہ کسی مذہب و ملت اور کسی قوم و برادری کے ہوں وہ بلاشرط کانگریس میں داخل ہو جاویں اور یہ سب مل کر ایک ہندوستانی وطنی قوم کی حیثیت سے آزادی طلب کریں۔ کانگریس سب کی نمائندہ ہو اور جو آزادی یا حقوق حکومت سے ملیں وہ کانگریس کا حق ہوں پھر مشترک طور پر سب اس کا استعمال کریں۔ لیکن ہندوستان میں بھاری اکثریت ہندوؤں کی ہے اگر مسلمان سب کے سب کانگریس میں داخل ہو جاویں تب بھی ایک چوتھائی سے زائد نہیں ہو سکتے اس لئے کانگریس میں مسلمان ہمیشہ ایک کمزور اقلیت میں رہیں گے اور چونکہ کانگریس کا نظام جمہوری ہے جس میں حکومت اکثریت کی ہوتی ہے اقلیت کو اس کا تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے اس لئے مسلمانوں کو اس میں ہندوؤں کا تابع ہو کر رہنا ناگزیر ہے بلکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس و اچاریہ کرپلانی سکریٹری کانگریس گاندھی جی کی قیادت اور امامت کو تسلیم کرنا اور ان کی اسکیم کے تابع چلنا لازمی اور لابدی امر ہے۔

## ابوالکلام صاحب کے خطبہ کا ایک اقتباس

ملاحظہ ہو مولانا ابوالکلام کا خطبہ صدارت اجلاس رام گڑھ کانگریس منعقدہ ۱۹۴۰ء جس کے الفاظ یہ ہیں کہ مسٹر گاندھی کی لیڈرشپ قیادت و امامت پر ایمان کو مل کامیابی کی تین شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔

## کانگریس کا موقف

اور اچاریہ کرپلانی کہتے ہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفہ کے ماتحت چلائی جائیگی یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ کسی اصلاحی اسکیم کو کسی اور فلسفہ زندگی کے اصول پر چلا سکیں

اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی درخواست قبول کرے اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ شامی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ جواز پر دلیل وہ حدیث ہے کہ ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز دکھلا دیجئے جس سے میرا یقین ایمانی بڑھ جائے آپ نے کسی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ گیا اور درخت سے کہا کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ وہ درخت اسی وقت حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ واپس چلے جاؤ تو وہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سر مبارک اور دونوں قدموں کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی اور فرمایا کہ صحیح الاسناد ہے۔

اور عالمگیری ص ۴۰۴ جلد ۵ میں ہے۔

طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ليقبله لا يرخص فيه ولا يجيبه الى ذلك عند البعض وذكر بعضهم يجيب الى ذلك۔

اگر کسی عالم یا بزرگ زاہد سے درخواست کی جائے کہ اپنا قدم دیجئے کہ ہم بوسہ دیں تو اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ یہ درخواست قبول کرے۔ بعض کے نزدیک اور بعض نے اجازت دی ہے۔

اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ:

"اگر یکے از عالم یا زاہد التماس پائے بوسی او کند باید کہ اجابت نکند و نگزارد کہ بوسہ و در قنیہ گفتہ لا باس بہ است"

اور مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں حدیث وفد عبد القیس نقل کرنے کے بعد فرمایا:

یگانہ ہوئی فلسفۂ زندگی کسی اور فلسفۂ زندگی کا ماتحت نہیں بنایا جاسکتا ملاحظہ ہو مدینہ بجنور ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء امرتا بازار پتریکا کلکتہ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۹ء

**مسلم لیگ کا موقف** دوسری جماعت مسلم لیگ ہے یہ صرف مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس کا اصول یہ ہے کہ مسلمان سب اس کے زیر علم جمع ہو کر اپنی مستقل تنظیم کریں اور جماعتی حیثیت سے ہندوؤں کے ساتھ کوئی معاہدہ کر کے جنگ آزادی میں حصہ لیں۔ حقوق آزادی میں مسلمانوں کا حصہ مستقل اور علیحدہ ہو۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو آزاد و مختار حکومت ملنا چاہئیے اسی کا نام مطالبۂ پاکستان ہے۔

لیکن اس جماعت کے بڑے ذمہ دار لوگوں کے متعلق بھی دیندار مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ یہ حضرات شریعت کے پابند نہیں ان سے بھی یہ خطرہ ہے کہ حکومت و اختیارات مل جانے کے بعد خلاف شرع قوانین نافذ کریں اور دینیات سے بے پروائی اور تغافل ان کے اثر سے اور زیادہ ہو جائے۔ اب سوالات یہ ہیں:۔

**تین سوال** (۱) ان حالات میں کہ کانگریس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور مسلمانوں کی اکثریت و غلبہ کسی حال متوقع نہیں، مسلمانوں کا بلا شرط اس میں داخل ہو کر حصولِ آزادی کی کوشش کرنا اور ان سے مدد لینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) بحالات مذکورۃ الصدر مسلم لیگ کی حمایت و شرکت اور اس کے زیر علم آزادی کی کوشش جائز ہے یا نہیں۔

(۳) مسلم لیگ کا مطالبۂ پاکستان یعنی مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان کی آزاد و خود مختار حکومت اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بینوا توجروا!

احقر محمود راندیری — احمد عبداللہ کاٹھیاواڑی

عبدالرحمٰن جرجی — اسمٰعیل ابوبکر (بمبئی)

یوسف مجلا (راندیر)

اراکین مجلس دعوۃ الحق بمبئی۔

"ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چومنا پاؤں کا جائز ہے مگر فقہاء اس کو منع کرتے ہیں۔ الخ"

اس مسئلہ میں ایک اختلاف ائمہ حنفیہ کا بدائع اور قاضی خان کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں دست بوسی اور قدم بوسی کے ساتھ معانقہ بھی شامل ہے۔ اس اختلاف کا حاصل قاضی خان کی تحقیق کے مطابق یہ تھا کہ جس صورت میں یہ افعال ایسے طرز پر ہوں جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ ہو، اس کو ابو حنیفہ رح محمد رح نے مکروہ فرمایا ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہ متفق علیہ جائز ہے۔

اور در مختار شامی اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے سے جو اختلاف اوپر نقل کیا گیا ہے یہ اختلاف فقہاء متاخرین کا ہے اور اصل مسئلہ تقبیل و معانقہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ منشاء اختلاف کا یہ ہے کہ جس شخص کی قدم بوسی دست بوسی کی جائے کیا اس کے لئے بھی یہ جائز و درست ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے۔

اور وجہ اختلاف کی بظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اگر حقیقۃً عجب و تکبر نہ بھی ہو تو صورۃً ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس خطرہ کی بناء پر مکروہ قرار دیا بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے جائز فرمادیا۔

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل تحریر فرمایا:۔

"تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جا سکتا پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہ ہے اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائے گا (امداد الفتاوی مبوب جلد خامس ص ۳۴۵) مورخہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

مذکورہ سوال کے ساتھ چند اور سوال و جواب بھی اس معاملے سے متعلق ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الجواب

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ہندوستان کی سیاسی کشمکش اور اس کے طوفانی مدوجزر نے ایک زمانے سے مسلمانوں میں مختلف قسم کے سیاسی اور مذہبی سوالات پیدا کر رکھے ہیں۔ اہل فہم پر مخفی نہیں کہ معمولی امور یا جزوی اختلاف کو فتووں کا رنگ دے کر ان کو سیاسی اکھاڑوں کا کھیل بنانا کسی طرح زیبا نہیں کہ اس کی وجہ سے قسم قسم کے افراط و تفریط اور حدود شرعیہ سے تجاوز و غلو کے علاوہ خود فتویٰ کے اعتماد و احترام میں سخت خلل پڑتا ہے۔

**اس فتوے کا سبب** لیکن پیش کردہ سوالات ایک حد تک اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر مسلمانوں کی ملی و سیاسی مساعی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور جن کے صحیح یا غلط ہونے کا اثر ان کے تمام شعبہائے زندگی تک پہنچنے والا ہے بالخصوص مذہب اور شعائر مذہب پر اس کا اثر سب سے زیادہ ہے۔ ادھر دیندار مسلمانوں کے سوالات و استفتاء اطراف و اکناف سے بکثرت آ رہے ہیں سب کا شافی جواب علیحدہ علیحدہ لکھنا دشوار ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان مسائل پر کسی قدر مفصل بحث کر کے ایک منقح امر پیش کر دیا جائے جس میں عامۃ الورود سوالات کا بھی جواب ہو جاوے۔

واللہ ولی التوفیق

ان کا نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوا۔

## سوال دوم

"اگر قدم بوسی بلا کراہت جائز ہو تو سر جھکا کر اگرچہ بحد رکوع و سجود ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اس امر میں ہمارے دیار کے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب قدم بوسی جائز ہے تو اگرچہ بصورت رکوع و سجود و انحناء رأس سے ہو تب بھی جائز ہے اور ایک جم غفیر علماء کہتے ہیں کہ قدم بوسی اس صورت میں جائز ہے جب کہ انحناء رأس بہیئت رکوع و سجود نہ ہو اور یہ لوگ اس بارے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو مشکوٰۃ کے باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے، عن انس قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا، رواہ الترمذی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص ۷۰۴ میں مرقوم ہے (اینحنی لہ) الانحناء وھو امالۃ الراس والظھر تواضعا وخدمۃ (قال لا) ای فانہ فی معنی الرکوع وھو کالسجود من عبادۃ اللہ تعالیٰ وفی شرح مسلم للنووی حتی الظھر مکروہ للحدیث الصحیح فی النھی عنہ و لا تعتبر بکثرۃ من یفعلہ ممن ینسب الی علم وصلاح، فی اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ج ۴ وانحناء مائل گردانیدن سر و پشت ست وطیبی از محی السنہ نقل کردہ کہ انحناء ظہر مکروہ است از جہت ورود حدیث صحیح در نہی ازاں اگرچہ بسیار از انہا کہ منسوب بعلم وصلاح اند، آنرا می کنند اما اعتبار و اعتماد بداں نتواں کرد و در مطالب المومنین از شیخ ابو المنصور نقل کردہ کہ اگر بوسہ دہد یکے پیش یکے زمین را یا پشت دوتا کند یا سر نگوں گرداند کافر نگردد بلکہ آثم است زیرا کہ مقصود تعظیم است

**پہلے سوال کا جواب** ایک مسلمان کی کسی کافر کے ساتھ اتفاقی ملاقات و مصاحبت اس طرح کہ بازار میں ریل میں موٹر میں، کچہریوں میں جمع ہو جاویں ظاہر ہے کہ نہ یہ کوئی معاہدہ ہے نہ اشتراکِ عمل نہ اس کے جواز و عدم جواز وغیرہ میں بحث نہ سوال کا اس سے کوئی تعلق، اسی طرح جائز معاملات بیع شراء و اجارہ میں بھی اس وقت کوئی بحث نہیں۔

**غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی تعلق کی تین صورتیں** گفتگو اور سوال اس وقت اس میں ہے کہ مسلم و غیر مسلم کسی سیاسی و انتظامی معاملہ میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو کر کام کریں۔ حالاتِ موجودہ میں اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان اور کفار کی دو جماعتوں میں محض صلح یا تجارتی معاملات وغیرہ کے متعلق کوئی معاہدہ ہو۔ استعانت و استمداد یا شرکتِ عمل کچھ نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ مسلم جماعت اپنے جماعتی نظام و استقلال کو باقی رکھتے ہوئے کسی تیسری قوم کا مقابلہ کرنے کے لئے یا نظامِ حکومت وغیرہ بنانے کے لئے باہم معاہدہ کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے۔

تیسرے یہ کہ مسلمان انفرادی طور سے بلا کسی شرط و معاہدہ کے کسی کافر قوم کے ساتھ شریکِ عمل ہو جاویں

# پہلی صورت مصالحت بلا استعانت

**اس کی شرعی حدود و شرائط** یعنی مصالحت بلا استعانت جس کو فقہی اصطلاح میں موادعت[۲] بھی کہا جاتا ہے یہ اس وقت جائز ہے کہ صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور مفادِ اسلامی پیشِ نظر ہو اور شرائطِ صلح خلافِ شرع نہ ہوں (شرح سیر ص۶۶ جلد ۴) آیت کریمہ (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اور آیت (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ) سے ظاہری تعارض

---

[۱] :۔ مسلم و غیر مسلم کے باہمی جائز و ناجائز معاملات رواداری اور بیر و اقساط کی حدود و مصالحت و معاہدہ کے قوانین موالات شرعیہ کی حرمت وغیرہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ معاملات المسلمین باہل الکتاب والمشرکین میں مذکور ہے جو اسی مجموعہ جواہر الفقہ کا جزو بن کر شائع ہو رہا ہے۔ نیز سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے رسالہ الروضۃ الناضرۃ فی المسائل الحاضرۃ میں بھی ان مسائل کی تفصیل مذکور ہے یہ رسالہ مجموعہ افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ کے اندر شائع ہوا ہے ۱۲

[۲] :۔ موادعت کے معنی لغۃً متارکت کے ہیں اور بجائے مصالحت کے اس لفظ کو اختیار کرنے کی حکمت شرح سیر کبیر میں یہ لکھی ہے کہ مومنین و مشرکین میں حقیقی مصالحت اور مسالمت تو ہو ہی نہیں سکتی بلکہ معاہدہ ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ الا الذین عاھدتم من المشرکین شرح سیر کبیر ص۶۳ ج ۴ ۱۲ منہ

ترجمہ عبادت ست، و بعضے مشائخ در منع ازاں تغلیظ و تشدید بسیار کردہ
و گفتہ کہ ان الانحناء ان یکون کفرا انتہی۔ اسی طرح مظاہر حق کی جلد
چہارم کے ص ۱۱۱ میں مذکور ہے اور مجمع الانہر ص ۲۲۰ ج ۲ میں ہے فی
القہستانی الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود و
فی العمادیۃ ویکرہ الانحناء لانہ یشبہ فعل المجوس اور
ملتقی الابحر میں ہے فی المجتبی الایماء بالسلام الی قریب الرکوع
کالسجود و الانحناء مکروہ رد المحتار کتاب الکراہیت میں ہے فی
الزاہدی الایماء فی الاسلام الیٰ قریب الرکوع کالسجود
وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ انتہی۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انحناء کے طور پر قدم بوسی ناجائز ہے
اور عالمگیری کے تقبیل رجل میں جو یہ روایت ہے کہ طلب من عالم
اوزاہد ان یدفع الیہ قدمہ لیقبلہ اور در مختار میں جو یہ
روایت ہے طلب من عالم اوزاہد ان یدفع الیہ قدمہ
ویمکنہ من قدمہ لیقبلہ اور غایۃ الاوطار کی جلد چہارم ص ۲۱۹
پر جو اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے عالم یا زاہد سے اس کی درخواست
کی کہ اپنا قدم اس کی طرف بڑھا دے اور اس کو چومنے دے، یہ باواز
بلند بتاتی ہے کہ یہ قدم بوسی بطریق انحناء اور امالہ نہیں ہے۔ اب کس فریق
کا قول حق اور احق بالاتباع ہے؟

**الجواب:** جو انحناء مقصوداً ہو وہ ناجائز ہے اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آ جائے وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔

## سوال سوم

تقبیل قدم کس کا کیا مستحق ہیں؟ قدم کو بوسہ دینا یا حجر اسود کی طرح ہاتھ سے قدم

کا شبہ ہوسکتا تھا اس کو جمہور مفسرین و فقہاء نے رفع فرما دیا ہے چنانچہ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا ہے :-

وما ذكر من الامر بالمسالمة اذا مال المشركون فحكم ثابت ايضاً وانما اختلف حكما الآيتين لاختلاف الحالين فالحال التي امر فيها بالمسالمة هي حالة قلة عدد المسلمين وكثرة عدوهم والحال التي امر فيها بقتل المشركين وقتال اهل الكتاب حتى يعطوا الجزية هي حال كثرة المسلمين وقوتهم على عدوهم وقد قال (فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ) فنهى عن المسالمة عند القوة على قهر العدو وقتلهم وكذلك قال اصحابنا (احکام ص۸۲ جلد ۳)

اور یہ جو ذکر کیا گیا کہ جب مشرکین مائل بصلح ہوں تو صلح کرلی جاوے یہ بھی ایک ثابت شدہ حکم ہے اور دونوں آیتوں (یعنی آیت وان جنحوا اور آیت (فاقتلوا المشرکین) میں حکم کا اختلاف بوجہ اختلاف حالات کے ہے تو جس حالت میں صلح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ حالت مسلمانوں کے ضعف اور قلت کی اور کفار کی قوت و کثرت کی ہے اور جس حال میں قتل مشرکین و اہل کتاب کا حکم دیا گیا ہے وہ حالت مسلمانوں کی کثرت (غلبہ) و قوت کی ہے بمقابلہ کفار۔ اور آیت کریمہ (فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون والله معكم) میں صلح کرنے سے منع فرمایا گیا۔ یہ اسی وقت ہے جب مسلمانوں کو کفار پر غلبہ پانے کی قدرت حاصل ہو (احکام القرآن)

اور اسی مضمون کی تائید میں اس سے پہلے ارشاد فرمایا ہے :-

وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم عاهد حين قدم المدينة اصنافا

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو بہت سے مشرکین بنو نضیر، بنو قینقاع

عـــہ علی الاطلاق صلح سے ممانعت نہیں ورنہ اہل نجران سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں صلح فرماتے بلکہ قوت و غلبۂ اسلام کے وقت اس آیت مبارکہ میں اس صلح سے ممانعت ہے جو سستی اور تکاسل سے ناشی ہو ۱۲ منہ

کو مس کر کے ہاتھ کو بوسہ دینا یا عام معنی لئے جاویں۔

# جواب

معنی اول ہی اس کا مدلول ہے اور ثانی بے اصل ہے (ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ)

# خلاصۂ کلام

روایات حدیث اور آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ و فقہاء جن کی تفصیل آپ اوپر پڑھ چکے ہیں اُن سے "مسئلہ تقبیل" کے متعلق مندرجہ ذیل احکام حاصل ہوئے۔

۱۔۔۔۔۔ تقبیل و معانقہ اگر شہوت کے ساتھ ہو وہ باتفاق امت اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ اسی طرح جب اپنے نفس میں یا دوسری جانب میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۔۔۔۔۔ اور جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم و اکرام کے لئے ہو وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

۳۔۔۔۔۔ اور جہاں تقبیل و معانقہ بلکہ مصافحہ میں بھی کچھ منکرات شامل ہو جائیں وہ باتفاق مکروہ ہے وہ منکرات جو ایسے مواقع میں شامل ہو جاتے ہیں کئی قسم کے ہیں اُن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اُن سے بچ سکیں۔

## تقبیل اور معانقہ و مصافحہ میں شامل ہونے والے منکرات

اول یہ کہ جس شخص کو ان امور سے اپنے نفس میں تکبر و اعجاب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو اس کو درست نہیں کہ دوسرے لوگوں کو دست بوسی، قدم بوسی وغیرہ کا موقع دے۔

دوسرے یہ کہ جس صورت میں یہ خطرہ ہو کہ اس عمل سے دوسرے شخص کو ایذا و تکلیف پہنچے گی تو وہاں اُن امور میں سے کچھ یہاں تک کہ مصافحہ بھی جائز نہیں مثلاً جب دیکھے

من المشركين منهم[عـه] النضير و بنو قينقاع وقريظة وعاهد قبائل من المشركين ثم كان بينه وبين قريش هدنة الحديبية (الی) ولم يختلف نقلة السير والمغازی فی ذلك وذلك قبل ان يكثر اهل الاسلام ويقوی اهله

(احکام ص۲۶۷ ج ۳)

بنو قریظہ سے معاہدات فرمائے۔ پھر آپ کے اور قریش مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اس میں مغازی اور سیر کے روایت کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ اسی وقت کے واقعات ہیں جب کہ اہل اسلام کو قوت حاصل نہ تھی۔

(احکام القرآن)

جصاص کے کلام میں جو کثرت وقلت پر حکم کا مدار رکھا گیا ہے یہ واقعات نزول کی رعایت سے بطور تمثیل معلوم ہوتا ہے اصل مقصود مصلحت مسلمین کی رعایت ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں مطلق مصلحتِ مسلمین کا لفظ موجود ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ان الامام نصب ناظراً ومن النظر حفظ قوة المسلمين اولاً وربما يكون ذلك فی الموادعة اذا كانت للمشركين شوكة (مبسوط ج ۱۰)

امام مسلمانوں کی مصالح کے لئے قائم کیا گیا اور مصلحت کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ پہلے خود مسلمانوں کی قوت کی حفاظت کرے اور یہ حفاظت بسا اوقات اسمیں منحصر ہوتی ہے کہ کفار سے صلح کرلی جاوے جبکہ ان کو شوکت وقوت حاصل ہو۔

---

اور ہدایہ میں ہے اذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم وكان ذلك مصلحة المسلمين فلا بأس به۔

جب امام (خلیفۃ المسلمین) یہ مناسب سمجھے کہ اہل حرب سے یا اُن کے کسی خاص فریق سے صلح کرلے اور اسمیں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو اسمیں مضائقہ نہیں

نصوص مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اگر مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت صلح میں ہو تو صلح کرلینا جائز ہے نیز معلوم ہوگیا کہ صلح کے جواز میں یہ بھی شرط نہیں کہ مسلمان غالب ہی ہوں بلکہ بعض فقہا و مفسرین نے یہ شرط لگائی ہے کہ صلح جب جائز ہے کہ اہل اسلام ضعیف ہوں۔

لیکن یہ حکم صرف مصالحت وموادعت کا ہے جس میں کافر قوم سے استمداد اور استعانت

---

عـه ۔ کذا بالاصل ولعل الصحيح اليهود ۱۲ منه

کہ جس سے ملاقات کرنا ہے وہ مشغول ہے یا کسی ضروری کام میں ہے اُس وقت اُس کے ساتھ معانقہ و تقبیل بلکہ مصافحہ کی کوشش کرنا بھی اس کی ایذا و تکلیف کا سبب ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے اجتناب چاہیئے۔

تیسرے یہ جہاں یہ خطرہ ہو کہ جس کی دست بوسی کی جا رہی ہے یہ اُس کے نفس میں تکبّر و غرور پیدا کر دے گا تو اس سے اجتناب ضروری ہے خصوصاً دست بوسی اور قدم بوسی اگر کسی مجمع کے اندر ہو تو ایک مفسدہ تو یہی ہے کہ اس میں وقت بڑا خرچ ہو گا کام کی ضروری باتوں میں خلل آئے گا اور دوسرا بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جس جگہ اس کی رسم اور عادت ہو جائے تو ہر آنے والا یا تو خواہی نخواہی دست بوسی اور قدم بوسی میں اہل مجلس کا اتباع کرے یا پھر سب سے متعلق ہونے کا گویا اعلان کرے جس سے اور بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے جو واقعات آپ نے اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائے ان کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے جس درجہ میں سنّت اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت ہوا ہے۔ ان تمام روایات و واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام ہوئے مگر اتفاقی طور پر کسی ایک دو آدمی نے کر لئے نہ اس کی عادت تھی نہ سب مجمع کو یہ کام کرنا تھا نہ کوئی کسی کو اس کی دعوت دیتا تھا اور نہ کوئی کسی کی حرص کرتا تھا بس اسی سادگی اور عدم پابندی کے ساتھ جہاں ہوں جائز و درست بلکہ مستحب بھی ہو سکتا ہے، جہاں یہ سادگی نہ رہی پابندی آگئی یا عادت پڑ گئی تو وہ مفاسد سے خالی نہیں اور فقہاء کا یہ ضابطہ معروف و مشہور ہے کہ اگر کسی مستحب کام میں کچھ منکرات شرعیہ شامل ہو جائیں تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ سنن مقصودہ میں سے نہ ہو، جیسے جماعت نماز کے بعد کے مصافحہ کو بعض فقہاء نے اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس کو نماز کی ایک سنت جیسا قرار دے دینا خلاف شرع اور گناہ ہے۔

بس مختصر بات یہی ہے کہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے اس کو اسی حد پر رکھا جائے تو بلا شبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ

اور اشتراکِ عمل کی صورت نہ ہو۔ اور جہاں اشتراکِ عمل اور استعانت ہو اس کا حکم دوسری صورت کے تحت میں آتا ہے۔

# دوسری صورت مصالحت
## مع
# استعانت و اشتراکِ عمل

**اس کی شرعی حدود و شرائط** جس میں کسی کافر قوم سے مصالحت و معاہدہ کے ساتھ استعانت و استمداد اور اشتراکِ عمل بھی ہو۔ اس کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ اگر مسلمان غالب اور کفار مغلوب ہوں اور کفار مسلمانوں کے زیرِ علم قتال وغیرہ میں شریک ہوں تو جائز ہے اور کفار کے غالب یا برابر ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔

**آیاتِ قرآنیہ** آیت کریمہ۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾

اور آیت کریمہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾

اور آیت کریمہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا﴾

اور آیت کریمہ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

اور اسی مضمون کی دوسری آیاتِ کثیرہ حسب تصریح ائمہ مفسرین (جو آئندہ عبارات میں آتی ہیں) اس پر شاہد ہیں کہ کفار سے استعانت جائز نہیں۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مصافحہ سب جائز بلکہ سنّت و مستحب ہیں اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہوجائے وہ گناہ ہے۔

میرا وہ خواب جو اس رسالہ کی وجہ تالیف ہوا ہے اس میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ نے یہی فرمایا تھا کہ اس وقت جو لوگوں میں دست بوسی کی عادت ہوگئی ہے میں اس کے محذورات و منکرات بیان کیا کرتا ہوں وہ اسی طرح کے محذورات ہیں کہ سنّت کو حدِ سنت سے بڑھا کر اس میں غلو کرنے سے یا دوسروں کی ایذا کا سبب بننے سے پیدا ہوتے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہ رسالہ روز عید الاضحیٰ ۱۳۹۲ھ سے شروع ہوکر ۱۴ ذی الحجہ کو پانچ روز میں مکمل ہوا۔ واللہ ولی التوفیق۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

کے عمل وارشاد سے اتنی گنجائش ثابت ہوتی ہے کہ اگر کفار مغلوب و تابع اور مسلمانوں کے زیر علم ہوں تو اشتراکِ عمل واستعانت جائز ہے۔

## عہد رسالت میں بنی قینقاع اور ابن ابی کیساتھ مختلف معاملہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وعمل میں مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کی تصریح بوضاحت موجود ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کفار بنی قینقاع وغیرہ کو جہاد میں ساتھ ہونے کی اجازت دے دی اور غزوۂ اُحد میں ابن ابی کے حلفاء کو شریک جہاد ہونے سے ان الفاظ سے منع کر دیا کہ انا لا نستعین بمن لیس علی دیننا۔
یعنی ہم ایسے لوگوں کی امداد نہیں لیا کرتے جو ہمارے دین پر نہ ہوں۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ بنو قینقاع وغیرہ اسلام کے زیر علم اور تابع تھے اور حلفاء ابن اُبی مسلمانوں کے تابع ہو کر ان کے زیر علم جہاد کرنے پر آمادہ نہیں تھے جیسا کہ آئندہ شرح سیر کی عبارات میں اس کی تصریح آتی ہے۔

## مفسرین اور فقہاء کی تصریحات

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات احکام القرآن میں آیات مذکورۃ الصدر کے ماتحت حسب ذیل ہیں:-

قال تعالیٰ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم) وقال (لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیآء بعضهم اولیاء بعض و من یتولهم منکم فانه منهم) فنهی فی هذه الآیات عن موالاۃ الکفار واکرامهم وامر باهانتهم واذلالهم ونهی عن الاستعانۃ بهم

حق تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو تم غیروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ اور فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے وہ بھی انہیں میں شمار ہے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے اور ان کی اہانت واذلال کا

فی امور المسلمین لما فیه من العزو علو الید وکذالک کتب عمر رض الی ابی موسی ینهاه ان یستعین باحد من المشرکین فی کتابة وتلا (لاتتخذوا بطانة من دونهم لایالونکم خبالاً)
(احکام القرآن ص۱۲۳ ج ۳)

حکم دیا ہے۔ اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رض نے ابوموسیٰ اشعری کو ایک خط لکھا جس میں ان کو اس سے منع فرمایا کہ وہ کتابت (پیشی) میں کسی مشرک سے امداد لیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔
(لاتتخذوا بطانة من دونکم لایالونکم خبالا)

نیز احکام القرآن ص۱۲۷ ج ۲ میں آیت مذکورہ کے ماتحت ارشاد فرمایا۔

وفی هذه الآیة دلالة علی انه لاتجوز الاستعانة باهل الذمة فی امور المسلمین من العمالات والکتبة

اس آیت (یعنی لاتتخذوا بطانة) میں اس کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں اور ملازمتوں میں کفار اہل ذمہ سے امداد لینا جائز نہیں

اور آیت کریمہ (یاایها الذین امنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا) الآیة کے تحت میں ہے۔

فیه نهی عن الاستنصار بالمشرکین لان الاولیاء هم الانصار (الی قوله) وقال اصحابنا لاباس بالاستعانة بالمشرکین علی قتال غیرهم من المشرکین اذا کانوا متی ظهروا کان حکم الاسلام هو الظاهر واما اذا کانوا لو ظهروا

اس آیت میں ممانعت ہے مشرکین سے مدد حاصل کرنے کی کیونکہ اولیاء ودوست، معین انصار امداد گار ہوتے ہیں اور دوست بنانا کفار کا حرام ہے اور ہمارے ائمہ حنفیہ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت سے بمقابلہ دوسرے مشرکین کے امداد لینا اس شرط سے جائز ہے کہ بوقت فتح غلبہ حکم اسلام کا ہو۔ اگر ایسی حالت ہو کہ

# مروّجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت

اشاعت اول — دار الاشاعت دیوبند ۱۳۵۱ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ آج کل ملک کے اندر سیرۃ کمیٹی اور یوم النبی کے نام سے ماہ ربیع الاول میں جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں جس میں بہت سے امور شرعی حدود سے متجاوز اور منکر بھی خلط ہو جاتے ہیں، روایات کی نقل میں معتبر اور غیر معتبر کا کوئی معیار قائم نہیں رکھا جاتا۔

نیز سال بھر کے بارہ مہینوں میں صرف ربیع الاول اور مہینے کے تیس دنوں میں سے صرف بارہ تاریخ کی خصوصیت اس کے لیے رکھی گئی ہے۔

نیز بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سیرۃ کمیٹی کے پردہ میں قادیانی اثرات اور اس کی تحریک کی تبلیغ واشاعت کی جاتی ہے اور مقصد بھی اس تحریک سے اشاعت مذہب قادیان ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ ان قیودات مروجہ اور تخصیصات کے ساتھ ان سیرۃ کمیٹیوں کا انعقاد از روئے شرع شریف کیا حیثیت رکھتا ہے بینوا توجروا۔

## الجواب

سیرت کمیٹی کی تحریک ابتداء میں سخت تلبیس کے ساتھ اٹھائی گئی، اس کو منکرات اور رسوم بدعیہ سے پاک دکھلایا گیا اور ایسے دل فریب مقاصد وقواعد سطح پر رکھے گئے جن کو دیکھ کر ہر شخص موافقت پر مجبور ہو، کیونکہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور آپ کے حالات ومقالات کا مسلمانوں میں خصوصاً اور تمام عالم میں عموماً

| | |
|---|---|
| کان حکم الشرک ھو الغالب فلا ینبغی للمسلمین ان یقاتلوا معھم جصاص ص۲۵۲ ج ۲) | بوقت فتح غلبہ اہل اسلام کا نہ ہو بلکہ حکم شرک غالب ہو تو مسلمانوں کو اُن کے ساتھ مل کر جہاد کرنا جائز نہیں۔ |

نیز آیت کریمہ بشر المنافقین بان لھم عذابا الیما الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین) کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| وھذا یدل علی انہ غیر جائز للمؤمنین الاستنصار بالکفار علی غیرھم من الکفار اذا کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر ھو الغالب وبذلک قال اصحابنا (جصاص ص۳۵۲ ج۲) | یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے کفار سے امداد لینا دوسرے کفار کے مقابلہ کے لئے جب کہ حالت ایسی ہو کہ بوقت فتح حکم کفر غالب ہونے کا خطرہ ہو۔ |

نیز آیت کریمہ ایبتغون عندھم العزۃ کی تفسیر میں فرمایا :-

| | |
|---|---|
| فتضمنت ھذہ الآیۃ النھی عن اتخاذ الکفار اولیاء وانصارا والاعتزاز بھم والالتجاء الیھم (جصاص ص۳۵۲ ج۲) | یہ آیت مشتمل ہے کفار کو دوست اور مددگار بنانے اور ان سے قوت حاصل کرنے اور انکی پناہ لینے کی ممانعت پر (احکام القرآن) |

## یہ مسئلہ جہاد و قتال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں

امام ابوبکر جصاص کی پہلی اور دوسری عبارت میں اس کی بھی تصریح ہوگئی کہ یہ مسئلہ صرف جہاد و قتال کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسلمانوں کے جماعتی کام اور امداد وغیرہ سب اس میں داخل ہیں کہ ان میں مشرکین و کفار سے استعانت واستمداد جائز نہیں۔

مفسر اعظم ابو السعودؒ نے آیت (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) کی تفسیر میں بھی اس کی توضیح فرمائی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں :-

| | |
|---|---|
| نھوا عن موالاتھم (الی قولہ) او عن | مسلمانوں کو کفار کی دوستی سے منع کیا گیا اور |

صحیح صورت میں شائع کر دینا اسلام اور مسلمانوں کا اہم ترین فریضہ ہے اور تمام مدارس و مکاتب اور تعلیم و تبلیغ کی روح یہی ہے، اس کی ضرورت کا احساس قلوب میں پہلے ہی سے تھا، اس تحریک سے اس کو عملی صورت میں آتے ہوئے دیکھ کر عام مسلمانوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ لیکن اہل علم و فراست کو پہلے ہی سے یہ خطرہ تھا کہ مبادا یہ تحریک کوئی بدعت و ضلالت کی صورت اختیار کرلے اور اگرچہ اس وقت اس کو سادہ رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے لیکن عوام کی آمیزش خیال سے کچھ عرصہ کے بعد اس میں بھی وہی رسمی بدعات و خرافات شامل ہو جائیں جو **عید میلاد** وغیرہ کی قدیم رسوم میں ہیں۔

اس لیے علمائے کرام کی بہت بڑی جماعت نے تو اوسی وقت سے اس کی موافقت کسی عنوان سے نہیں کی اور بعض معتمد حضرات علماء نے موافقت کی بھی تو ایسی قیود و شرائط لگا کر کہ جن کی وجہ سے کوئی بدعت اس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ بانیان تحریک نے اس میں خیانت سے کام لیا اور ان کی تحریرات میں سے قیود و شرائط کو علیحدہ کرکے مطلقاً اپنی موافقت شائع کردی۔ جس کا راز یہ تھا کہ ان کو ان قیودات و شرائط کا خلاف کرنا اور اس تحریک کو مجموعہ بدعات بنانا تھا۔ چنانچہ تین سال کے قلیل عرصہ میں اس کی حقیقت کھل گئی اور یہ تحریک اصلی صورت میں دنیا کے سامنے آگئی تو معلوم ہوا کہ یہ وہی مشہور بدعت ہے جس کو پہلے **عید میلاد** کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث و تفسیر علامہ شاطبی اپنی کتاب الاعتصام میں تحریر فرماتے ہیں۔ واما غیر العالم وھو الواضع لھا یعنی البدعۃ فانہ لایمکن ان یعتقدھا بدعۃ بل ھی عندہ مما یلحق بالمشروعات کقول[1] من جعل یوم الاثنین بصام لانہ یوم مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعل الثانی عشر من ربیع الاول ملحقا بایام الاعیاد لانہ علیہ السلام ولد فیہ الخ (اعتصام ص۲۱۲ ج ۲)

---

[1] بدعات غیر مشروعہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں، جیسے اس شخص کا قول جو یوں کہے کہ پیر کے روز روزہ رکھنا اس لیے ثواب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو عیدین کی ساتھ ملحق کرے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پیدا ہوئے ہیں ۱۲۔

الاستعانة بهم فى الغزو وسائر الامور الدينية (تفسیر ابو السعود ج ۱ ص ۲۳۶) | ان سے جہاد اور تمام امور دینیہ میں امداد لینے سے بھی منع فرمایا گیا۔

اس سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ اس وقت کا کانگریس کی شرکت حقیقی معنی میں جہاد یا قتال نہیں تو اس میں مشرکین سے استمداد و استعانت کو جہاد کی استعانت قرار دیکر ناجائز کیسے قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ امام جصاص اور مفتی ابو السعود کی تصریحات کے موافق یہ حکم جہاد اور جملہ امور مسلمین اور امور دینیہ پر حاوی ہے۔

اور حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیر کبیر اور اس کی شرح شمس الائمہ میں اس مسئلہ پر دو مستقل باب رکھے ہیں۔ پہلے باب کا عنوان الاستعانة باہل الشرک واستعانة المشرکین بالمسلمین ہے۔ یعنی مسلمانوں کا مشرکین سے یا مشرکین کا مسلمانوں سے امداد لینا۔ اس باب کے تحت میں فرماتے ہیں۔

(ولا بأس بان يستعين المسلمون باهل الشرك على اهل الشرك اذا كان حكم الاسلام هو الظاهر عليهم لان رسول الله صلى الله عليه وسلم استعان بيهود بنى قينقاع على بنى قريظة ولان من لم يسلم من اهل مكة كانوا خرجوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركبانا ومشاة الى خيبر (الى قوله) فعرفنا انه لا بأس بالاستعانة بهم وما ذلك الا نظير الاستعانة بالكلاب على قتال المشركين والى ذلك اشار رسول الله صلى الله عليه وسلم

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان بمقابلہ مشرکین کے کسی دوسرے فرقہ مشرکین سے امداد لیں بشرطیکہ امداد دینے والے مشرکین پر حکم اسلام کا غالب ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی قینقاع سے بمقابلہ بنی قریظہ امداد لی۔ نیز مکہ کے بعض غیر مسلم غزوہ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیادہ و سوار نکلے تھے اس سے ہم سمجھے کہ کفار سے امداد لینا جائز ہے اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے کفار کے مقابلہ میں کتوں سے امداد لی جاوے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے اس حدیث میں کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کبھی

اور ساتویں صدی ہجری کے مشہور و معروف بزرگ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدخل میں اس بحث کو مستقل فصل میں بیان فرمایا، جس کے متفرق جملے درج ذیل ہیں۔

ومن جملة[1] ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات واظہار الشرائع ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرمات الخ مدخل ص۲ ج ۱۔

باقی رہے وہ موہوم منافع جن کو اس تحریک کا سنگ بنیاد بتلایا جاتا ہے، اول تو ان محرمات و منکرات کے ساتھ جو ان جلسوں میں مشاہد ہو رہے ہیں ان کا حصول ہی متصور نہیں، اگر بالفرض وہ منافع حاصل بھی ہوں مگر ایک مستقل بدعت و ضلالت اور بہت سے معاصی کا نتیجہ ہو کر حاصل ہو تو کیا کوئی عاقل ان منافع کی وجہ سے اس مجموعہ منکرات کو جائز کہہ سکتا ہے اور اگر اس کو جائز کہا گیا تو پھر دنیا میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی برے سے برا کام اور سخت سے سخت گناہ ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ منافع و فوائد نہ ہوں اور ظاہر ہے اگر منافع نہ ہوں تو ان کے پاس ہی کون جائے۔

لیکن ان منافع کے موجود ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود قرآن کریم کا فیصلہ ایسے امور میں یہی ہے کہ اثمھما[2] اکبر من نفعھما۔ اور اگر ذرا غور کیا جائے اور صرف سطحی اور وقتی چیزوں سے گذر کر اسلامی تاریخ کے مجموعی حالات پر نظر ڈال جائے تو بلاشبہ ہر آنکھوں والے پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کسی وقت اور کسی حال وہ طریقہ نافع نہیں ہو سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین، اور صحابہ کرام کی سنت سنیہ سے جدا ہو۔

مسلمانوں کی دینی ترقیات و منافع تو اتباع پر موقوف ہیں ہی لیکن ساڑھے تیرہ سو برس

---

[1] منجملہ ان بدعات کے جو لوگوں نے گھڑلی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب سے بڑی عبادت اور دین کی نشر و اشاعت ہے وہ بدعات ہیں جو ماہ ربیع الاول میں مجلس مولد کے نام سے کی جاتی ہے حالانکہ یہ مجلس بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے ۱۲ مدخل۔ [2] ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے ۱۲۔

ان اللہ لیؤید ھذا الدین باقوام لا خلاق لھم فی الآخرۃ والذی روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد رأی کتیبۃ حسناء قال من ھولاء فقیل یھود بنی فلان حلفاء ابن اُبی فقال انا لانستعین بمن لیس علی دیننا تاویلہ انھم کانوا اھل منعۃ وکانوا لایقاتلون تحت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندنا اذا کانوا بھذہ الصفۃ یکرہ الاستعانۃ بھم (شرح سیر ج ۳ ص ۱۸۶)

ایسی اقوام سے بھی فرمائیں گے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں ایک پُرشوکت لشکر دیکھ کر فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں عرض کیا گیا کہ یہود بنی قینقاع ہیں جو ابن اُبی منافق کے ساتھی ہیں (آپ کی امداد کیلئے آئے ہیں) آپ نے فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں سے امداد نہیں لیا کرتے جو ہمارے ہم مذہب نہ ہوں۔ اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ لشکر صاحب شوکت و قوت تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر علم قتال کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور ہمارے نزدیک جب جماعت کفار ایسی حالت میں ہو تو ان سے امداد لینا جائز نہیں

**فائدہ:** شرح سیر کی عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ کسی کافر قوم سے جہاد وغیرہ میں امداد لینا اس وقت جائز ہے جبکہ یہ قوم خود ایسی صاحب شوکت نہ ہو جس سے مسلمانوں کو اندیشہ ہو۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ ہمارے زیر علم شریک جہاد ہو۔ اس کا کوئی مستقل جھنڈا نہ ہو۔

محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بھی اس کی تصریح بالفاظ ذیل فرمائی ہے۔

ولا بأس بان یستعان بالمشرکین علی قتال المشرکین اذا خرجوا طوعاً ویرضخ لھم ولا یسھم لھم ولا یکون لھم رایۃ تخصھم

(فتح القدیر قسمۃ الغنیمۃ ص ۳۲۳ ج ۲)

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مشرکین کی ایک جماعت سے بمقابلہ دوسری جماعت مشرکین کے امداد لیجائے جبکہ وہ اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ نکلیں اور مال غنیمت سے ان کو کچھ حصہ دیا جاوے پورا حصہ مسلمانوں کی برابر نہ دیا جاوے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اُن کا اپنا کوئی جھنڈا نہ ہو بلکہ وہ مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے شریک قتال ہوں۔

کی اسلامی تاریخ کا تجربہ یہی بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام دینوی ترقیات بھی بحیثیت مجموعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت کے اتباع پر موقوف ہیں۔ اور اس کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس موجودہ تنزل و انحطاط کے بعد بھی اگر اس امت مرحومہ کے لیے کوئی ذریعہ سنبھلنے کا ہے تو یہی اور صرف وہی ذریعہ ہے جس نے ان کو اول مرتبہ تمام گمراہیوں اور ذلتوں کی اندھیریوں سے نکالا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت کا اتباع۔ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے :۔

لا یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا۔

اس امت کی اصلاح صرف وہی طریقہ کر سکتا ہے جس نے اس امت کے متقدمین اور سلف کی اصلاح کی تھی۔

اور ارشاد فرمایا ہے :۔

ما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا۔ (اعتصام)

اور جو چیز اس وقت یعنی آنحضرتؐ اور صحابہ کے زمانہ میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

اور مسلمانوں کی اصلاح یا اسلام و تعلیمات اسلام کی اشاعت و تقویت کے لیے نئے نئے طریقے اور رسم بدعت ایجاد کرنے کی ممانعت جو بے شمار آیات و احادیث میں وارد ہے، اس کا راز بھی امام مالکؒ نے خوب ظاہر فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالٰی یقول الیوم اکملت لکم دینکم۔ فما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا۔

(اعتصام للشاطبی ص۲۸ ج۱)

جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرے، جس کو وہ نیکی سمجھتا ہو، گویا وہ اس کا مدعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام امت کو پہنچانے میں خیانت کی اور یہ نیکی ان کو نہیں بتلائی کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے آج تمہارا دین کامل کر دیا ہے تو جو چیز اس دن دین میں داخل نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی۔

شرح سیر میں دوسرا باب اسی مسئلہ سے متعلق اس عنوان سے رکھا ہے (قتال اہل الاسلام اہل الشرک مع اہل الشرک) یعنی مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ ہو کر دوسرے مشرکین سے لڑنا، اس باب کے تحت میں ارشاد ہے:۔

(لاینبغی للمسلمین ان یقاتلوا اھل الشرک مع اھل الشرک) لان الفئتین حزب الشیطان وحزب الشیطان ھم الخاسرون فلا ینبغی للمسلم ان ینضموا الی احدی الفئتین فیکثر سوادھم ویقاتل دفعا عنھم وھذا لان حکم الشرک ھو الظاھر والمسلم انما یقاتل لنصرۃ اھل الحق لا لاظھار حکم الشرک (ولا ینبغی ان یقاتل احد من اھل العدل احدا من الخوارج مع قوم آخرین من الخوارج اذا کان حکم الخوارج ھو الظاھر) لان اباحۃ القتال مع الفئۃ الباغیۃ من المسلمین ان رجعوا الی امر اللہ ولا یحصل ھذا المقصود بھذا القتال اذا کان حکم الخوارج ھو الظاھر (شرح سیر ص۲۲۱ ج۳)

مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کی ایک جماعت سے قتال کریں کسی دوسری جماعت مشرکین کی ساتھ ہو کر۔ کیونکہ مشرکین کی دونوں جماعتیں شیطان کی پارٹیاں ہیں اور شیطان کی پارٹی ناکام ونامراد ہے اس لئے مسلمان کے لئے درست نہیں کہ وہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کے ساتھ منضم ہو جاوے جس سے اس کی تعداد بڑھے۔ اور یہ کہ وہ اُنکی طرف سے مدافعت کے لئے قتال کرے۔ اور یہ اس لئے کہ اس صورت میں حکم شرک غالب ہے اور مسلمان جو جہاد کرتا ہے تو اہل حق کی نصرت کے لئے کرتا ہے نہ کہ حکم شرک کو غالب کرنے کے لئے اور درست نہیں کہ کوئی اہل سنت مسلمان کسی فرقۂ خوارج کے ساتھ بمقابلہ دوسرے فرقۂ خوارج کے قتال میں شریک ہو جبکہ فتح کے وقت غلبہ خوارج کا ہوتا ہو کیونکہ اس فرقہ باغیہ کے ساتھ قتال کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جبکہ قتال کا انجام رجوع الی الحق ہو اور جب قتال کے بعد حکم خوارج ہی کا غالب ہے تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا

عہ عبارت مذکورہ میں لفظ لاینبغی سے کسی اہل علم کو اس معاملہ میں تسہیل کا شبہ نہ ہونا چاہئیے کیوں کہ اس کے مقابلہ میں لفظ اباحت لا کر یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ لفظ لاینبغی اس جگہ لایجوز کے معنی میں ہے ۱۲ منہ

خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ سیرت کمیٹی کی موجودہ تحریک ان موجودہ تعینات وتشخصات کے ساتھ خود بھی ایک بدعت سیئہ ہے جو اگر دوسرے منکرات پر مشتمل نہ ہو تو اس وقت بھی گناہ ہے اور بالخصوص اب تو اطراف ہندوستان سے ان جلسوں کی جو کیفیات موصول ہو رہی ہیں وہ ایک خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے اور ذکر سیرت کی آڑ میں محرمات لہو ولعب اور تماشے کیے جاتے ہیں جن کے مقابلہ میں نصاریٰ کی رسم کرسمس ڈے بھی گرد ہوگئی۔ اس لیے ضرورت ہوئی کہ اس تحریک کی ابتدائی تلبیس کی وجہ سے جن حضرات علماء نے قیود و شرائط مناسبہ کے ساتھ اس میں شرکت کی اجازت دی تھی ان سے مکرر استفتاء کیا جائے، چنانچہ نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اس بارہ میں درج ذیل ہے جو کہ سیکرٹری خلافت کمیٹی کاندھلہ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہم صدر مدرس دارالعلوم کا

## مکتوب گرامی

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سیرت کمیٹیوں کا انشاء اور اختراع قادیانیوں کی طرف سے تو نہیں ہوا مگر بعض اوقات میں اس سے قادیانیوں نے فائدہ ضرور اٹھانا چاہا۔ اور اٹھایا اس کا بیڑا اٹھانے والے شیخ عبدالمجید صاحب قریشی ساکن پٹی لاہور ہیں، قریشی صاحب نے ابتداء میں اس کے متعلق مختلف مقامات سے رائے لی۔ چنانچہ میرے پاس اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے پاس بھی ان کے خطوط آئے تھے، ہم دونوں کے جوابات تقریباً متفق تھے۔ خلاصہ یہ تھا کہ یہ امر نہایت مستحسن ہے بشرطیکہ اس کے لیے کوئی تاریخ اور مہینہ متعین نہ ہو، کبھی صفر میں ہو تو کبھی جمادی الاولیٰ میں، کبھی ربیع الاول میں ہو تو کبھی رجب میں، علیٰ ہذا القیاس، بارہ یا پندرہ کی ہمیشہ کے لیے تعیین نہ ہوا کرے۔ نیز سال میں صرف ایک دفعہ نہ ہوا کرے بلکہ دوسرے تیسرے مہینہ اور اگر اس سے زائد ممکن ہو تو زیادہ تر ہوا کرے۔ نیز سیرت کے متعلق بیان کرنے والے

اور حدیث وفقہ کے مشہور امام طحاوی رحمۃ اللہ کی مشکل الآثار میں ہے:۔

هٰكذا حكمهم الآن عند كثير من اهل العلم منهم ابو حنيفة واصحابه يقولون لا بأس بالاستعانة باهل الكتاب في قتال من سواهم اذا كان حكمنا هو الغالب ويكرهون اذا كانت احكامنا بخلاف ذلك ونعوذ بالله من تلك الحال۔
(مشکل الآثار ص۲۴۰ ج ۲)

کفار اہل کتاب کا یہی حکم اب بھی بہت سے اہل علم کے نزدیک ہے جن میں سے ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد وغیرہ ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کفار اہل کتاب سے امداد لینا بمقابلہ دوسرے کفار کے جائز ہے بشرطیکہ اُن پر حکم ہمارا (اسلام کا) غالب ہو اور اگر معاذ اللہ صورت ایسے خلاف ہو (یعنی غلبہ کفار کا ہوتا ہو) تو استمداد کو منع فرماتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث پر آیات قرآنیہ اور روایات حدیث کی نصوص صریحہ بقدر کفایت ذکر کردی گئی ہیں اور اُن کے ضمن میں ائمہ مجتہدین اور علماء امت کی کچھ تصریحات بھی آچکی ہیں۔

## اس مسئلہ میں خود امام اعظم کا ایک فتویٰ

اب ہم اس مسئلہ کے متعلق خود امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جو امام محمد بن حسنؒ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ مذہب حنفیہ کے مدون اول حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے استاذ امام الائمہ) ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ کیا مسلمان اہل حرب کے مقابلہ میں مشرکین سے امداد لے سکتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ حکم اسلام کا ظاہر و غالب ہو کیوں کہ اس طرح اہل حرب سے قتال کرنا تو اعزاز دین کے لئے ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں مشرکین سے استعانت ایسی ہے جیسے لڑائی میں کتوں سے کام لیا جاوے۔ امام محمدؒ کا یہ استفتاء اور امام اعظمؒ کا فتویٰ سیر صغیر کے حوالہ سے شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے:۔

کوئی واقف کار شخص ہوں جو کہ صحیح اور قوی روایتیں بیان کریں اور عوام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل زندگی سے آگاہ کرتے رہیں، جب تک اس قسم کے بیانات عوام تک لگاتار اور کثرت سے نہ پہنچائے جائیں گے، کما ینبغی فائدہ نہ ہوگا معترضین علی الاسلام کے زہر آلود پروپیگنڈوں سے عوام کو اسی طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ قریشی صاحب نے ہماری عبارت میں کانٹ چھانٹ کی اور اپنے مدعا کے موافق جملوں کو لے کر شائع کرایا اور باقی کو حذف کر دیا، ہم نے اس کے بعد اسی زمانہ میں اخباروں میں اپنی تراشیدہ عبارت کو پھر چھپایا مگر وہ اپنے پروپیگنڈے سے باز نہیں آئے اور اب انھوں نے سالانہ ربیع الاول کو اس کی تحریک شروع کر دی اور اس کے استحسان میں ہمارے نام شائع کرا رہے ہیں، ہم ہرگز تعیین تاریخ و ماہ سالانہ ایک جلسہ کو شرعی اور ملی نقطہ نظر سے نہ مفید اور نہ ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ مثل عمل نصاریٰ (برتھ ڈے) یوم پیدائش اور اس کی رسوم کے ایک رسم ہو رہی ہے کیونکہ عیسائی یوم ولادت عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں اس کو دیکھ کر مصر وغیرہ کے لوگ بھی اس قسم کی تابعداری کرنے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اخلاق اور سیر لوگوں کے کانوں تک پہنچانے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہیں۔ اگر مذکورہ بالا طریق پر ہو تو مفید اور بہترین چیز ہے ورنہ اجتناب چاہیے، افسوس کہ سیرت کمیٹی اور اس کے علم برداروں نے تمام امور مشروطہ کو ترک کر دیا۔ والسلام

از دار العلوم دیوبند ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

اس مفصل تحریر کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ عمل کرنے والوں کے لیے مسئلہ میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے گا اور معاندین کی بحث کا خاتمہ کسی حجت و دلیل سے غیر ممکن ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق وعلیہ التکلان۔

کتبہٗ احقر محمد شفیع غفرلہٗ خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند ۳ صفر ۱۳۵۱ھ۔

الجواب صحیح

ننگ اسلاف حسین احمد صدر مدرس دار العلوم دیوبند۔

| | |
|---|---|
| وسألته عن المسلمين يستعينون باهل الشرك على اهل الحرب قال لابأس بذلك اذا كان حكم الاسلام هو الظاهر الغالب لان قتالهم بهذه الصفة لاعزاز الدين والاستعانة عليهم باهل الشرك كالاستعانة بالكلاب (مبسوط ص ۱۳۰ ج ۱۰) | میں نے ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ مسلمان بمقابلہ اہل حرب مشرکین سے امداد لے سکتے ہیں یا نہیں فرمایا امداد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ حکم اسلام کا اُن پر ظاہر و غالب ہو کیونکہ ایسی حالت میں ان کفار کا قتال بھی اعزاز دین کیلئے ہوگا اور کفار سے استعانت ایسی ہوگی جیسے کتوں سے کام لے لیا جاوے۔ (مبسوط) |

اور امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص جو مذہب مالکیہ کے مدونِ اول ہیں اپنی مشہور کتاب مدونہ کبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

فقہ مالکی کی مشہور کتاب مدونہ کا اقتباس۔

| | |
|---|---|
| (قلت) هل كان مالك يكره ان يستعين المسلمون بالمشركين فی حروبهم (قال) سمعت مالكا يقول بلغنی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لن استعين بمشرك قال ولم اسمعه يقول فی ذلك شيئا قال ابن القاسم ولا ارى ان يستعينوا بهم يقاتلون معهم الا ان يكونوا نواتية او خدما فلا ارى بذلك باسا۔ (مدونہ ص ۲ ج ۲) | میں نے دریافت کیا کہ کیا امام مالکؒ مسلمانوں کیلئے جہاد میں مشرکین سے امداد لینے کو منع فرماتے تھے (ابن قاسم نے) کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ہم مشرک سے امداد نہیں لیتے بس یہ حدیث روایت فرمائی اس کے سوا کچھ اس بارہ میں نہیں فرمایا ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ مسلمان کفار سے امداد لے کر دوسرے کفار سے قتال کریں مگر اس صورت میں کہ کفار خدمت گاروں اور ملازموں کی طرح ہمارے ساتھ لگ جاویں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں (مدونہ امام مالک) |

عبارت مرقومہ سے ظاہر ہے کہ امام ابن القاسمؒ نے استعانت بالمشرکین کی اُسی شرط کے ساتھ اجازت دی ہے جو امام اعظم رحمہ اللہ کے کلام میں گذر چکی ہے۔

# مروجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

## ایک استفتاء اور اس کا جواب

## استفتاء

(الف) بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بنا کر اور کھڑے ہو کر آواز بلند بالفاظ ذیل سلام پڑھتے ہیں یا رسول سلام علیک یا نبی سلام علیک وغیرہ وغیرہ
ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اس لئے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں جو لوگ ان کے اس عمل میں شریک نہیں ہوتے ان کو مطعون کرتے اور طرح طرح سے بدنام کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں عموماً مسجدوں میں نزاع اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کا سلام پڑھنا مسجدوں میں جائز ہے؟ اور متولیان مساجد کو اس کی اجازت دینا چاہیئے یا نہیں؟

(ب) جہاں مذکورہ طریقہ پر صلاۃ وسلام پڑھا جائے وہاں

۱۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ یا
۲۔ بغیر تشریف لائے سلام کو خود سن لیتے ہیں۔ یا
۳۔ اس طرح کے صلاۃ وسلام کو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

(ج) طریقہ مندرجہ بالا پر صلاۃ وسلام پڑھنا قیام کے بغیر کیسا ہے اور قیام کے ساتھ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

یعنی یہ کہ کفار مغلوب و مقہور خدام کی طرح ساتھ لگ جاویں تو جائز ہے ورنہ نہیں اور مشائخ حنفیہ میں سے صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں فرمایا ہے :-

| | |
|---|---|
| ولا ینبغی للمسلمین ان یستعینوا بالکفار علی قتال الکفار لانہ لا یؤمن غدرھم اذ العداوۃ الدینیۃ تحملھم علیہ الا اذا اضطروا الیھم (بدائع ص۱۰۱ ج۷) | اور مسلمانوں کے لئے درست نہیں کہ وہ کفار کے مقابلہ میں دوسرے کفار سے امداد لیں کیونکہ ان کے غدر سے اطمینان نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کی مذہبی عداوت انہیں غداری پر آمادہ کرے گی ۔ مگر اُس صورت میں کہ مسلمان اُن سے امداد لینے کے لئے مضطر ہو جائے (تو جائز ہے) |

**حالت اضطرار کا حکم** صاحب بدائع کے کلام سے اتنی بات زائد معلوم ہوئی کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ مسلمان کفار سے امداد لینے کے لئے مضطر ہو جاویں تو

بدون شرط غلبہ اسلام بھی ... استعانت و استمداد کر سکتے ہیں ۔

**اضطرار کے اصطلاحی معنی** لیکن اضطرار ایک شرعی اصطلاحی لفظ ہے اس کو اخباری محاورات پر محمول کر کے عام نہیں کیا جا سکتا ۔ اضطرار کے معنی اس کے سوا نہیں کہ مسلمان کے لئے جان بچانے کا کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہے ۔ ایسے حالات میں حسب تصریحات قرآن کریم اس کے لئے بہت سے محرمات حلال ہو جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ شراب اور خنزیر بھی ۔ اسی درجہ میں صاحب بدائع نے بلا شرط غلبۂ اسلام کے استعانت بالکفار کی اجازت دی ہے ۔ اصول کلیہ کے علاوہ اضطرار کی یہ تفسیر دوسرے جزئیات فقہیہ سے بھی واضح ہے چنانچہ

شمس الائمہ سرخسی نے اُن مسلمانوں کے لئے جو کفار کے ہاتھ میں قید ہو جاویں اُن کو اپنی جان بچانے کے لئے قید کرنے والوں کے ساتھ ملکر دوسرے کفار سے قتال کی اجازت دی ہے ۔ اور اس اجازت کی علت خود شمس الائمہ رح نے یہ بیان فرمائی ہے :-

(د) اندرونِ مسجد یہ صلوٰۃ وسلام کیا حکم رکھتا ہے اور مسجد کے باہر اس کا کیا حکم ہے؟
جواب باصواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

والسلام!

# الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوالات کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں تمام عبادات نماز۔ روزہ ذکر اللہ۔ تلاوت قرآن وغیرہ سب کے لئے کچھ آداب و شرائط اور حدود و قیود ہیں جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا و آخرت ہے اور ان حدود و قیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے۔ نماز تمام عبادات میں افضل ہے لیکن طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنا حرام ہے۔ مقرر کردہ رکعات میں کوئی رکعت زائد کر دے تو حرام ہے۔ جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور اس سے نماز کے ثواب میں ستائیس گنا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن کوئی نفل نماز کی جماعت کرنے لگے تو ممنوع اور گناہ ہے۔ روزہ کتنی بڑی عظیم عبادت اور اس کا ثواب کتنا بڑا ہے مگر عیدین اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے، قرآن مجید کی تلاوت بہترین عبادت ہے لیکن رکوع و سجدہ کی حالت میں تلاوت ممنوع اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں بلند آواز سے تلاوت ناجائز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام افضل عبادات و موجب برکات اور سعادت دنیا و آخرت ہے مگر دوسری سب عبادات کی طرح اس کے بھی آداب و شرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ لازم آتا ہے۔

(الف) جس ہیئت سے مساجد میں بطرز مذکور اجتماع اور التزام کے ساتھ درود وسلام کے نام پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے اس کو درود وسلام کی نمائش تو کہا جا سکتا ہے درود وسلام کہنا اس کا صحیح نہیں کیونکہ وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

لانهم يدفعون الآن شر القتل عن انفسهم وقتل اولئك المشركين لهم حلال ولاباس بالاقدام على ماهو حلال عند الضرورة بسبب الاكراه وربما يجب ذلك كما في تناول الميتة وشرب الخمر (شرح سیر ص۲۲۲ ج۳)

کیونکہ وہ اس وقت اپنی جانوں سے قتل کی مصیبت دور کرتے ہیں اور اُن مشرکین کا قتل کرنا ان کے لئے جائز ہے اور ضرورت اکراہ کے وقت اس جائز فعل پر اقدام میں کوئی مضائقہ نہیں اور بسا اوقات اکراہ کی صورت میں یہ اقدام واجب ہو جاتا ہے جیسے (بھوک پیاس سے مضطر ہو کر) مرنے والے کے لئے امردار کھا کر یا شراب پی کر جان بچانا۔

نیز اسیر ہی کے احکام میں اس کے بعد فرمایا ہے :-

وان كانوا في ضروبلاء يخافون على انفسهم الهلاك فلاباس بان يقاتلوا معهم المشركين اذا قالوا نخرجكم من ذلك (شرح سیر ص۲۲۳)

اور اگر وہ مصیبت و بلاء میں ہوں اپنی جانوں کی ہلاکت کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان مشرکین کے ساتھ مل کر دوسرے مشرکین سے قتال کریں جبکہ یہ مشرکین یہ وعدہ کریں کہ ہم تمہیں اس بلاء سے نکالیں گے

نیز اس کے بعد باب مذکور کے ختم پر نہایت واضح الفاظ میں تصریح فرما دی ہے کہ ضرورت و اضطرار سے مراد جان کا خطرہ ہی ہے۔ الفاظ یہ ہیں لا ینبغی لهم ان يقاتلوا على هذا الا عند تحقق الضرورة بان يخافوهم على انفسهم الخ (شرح سیر ص۲۳۰ جلد ۳)

اور چونکہ اس قتال کے جواز کی علت اپنی جان کا خطرہ ہے اسی لئے اس صورت میں کہ قیدی مسلمانوں کو جان کا خطرہ نہ ہو اس قتال کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ اسی جگہ شرح سیر میں ہے :-

(ولو قال اهل الحرب لاسراء فيهم قاتلوا معنا عدونا من المشركين وهم المشركون وهم لا يخافونهم

اور اگر اہل حرب نے اُن مسلمانوں سے جو اہل حرب کے ہاتھ میں قیدی ہیں۔ کہا کہ تم ہمارے ساتھ مل کر ہمارے دشمن سے قتال کرو اور وہ

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسجد پوری مسلمان قوم کی مشترک عبادت گاہ ہے اس میں کسی فرد یا جماعت کو فرائض وواجبات کے علاوہ کسی ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز۔ تسبیح۔ درود۔ تلاوت قرآن وغیرہ میں مخل انداز ہو۔ اگرچہ وہ عمل سب کے نزدیک بالکل جائز اور مستحسن ہی کیوں نہ ہو فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں بآواز بلند تلاوت قرآن یا ذکر جہری جس سے دوسرے لوگوں کی نماز یا تسبیح وتلاوت میں خلل آتا ہو، ناجائز ہے (شامی۔ خلاصۃ الفتاویٰ) ظاہر ہے کہ جب قرآن اور ذکر اللہ کو بآواز بلند مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں تو درود و سلام کے لئے کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

(۲) کسی نماز کے بعد اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے اگر یہ عمل اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا تو صحابہ وتابعین اور ائمہ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لئے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے۔ اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ وارد ہے۔ د شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں اور ہر نئی ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیمات رسول کو ناقص قرار دینے کا مرادف اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کا راستہ ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ وتابعین نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ

على انفسهم ان لم يفعلوا فليس ينبغي ان يقاتلوا معهم لان في هذا القتال اظهار الشرك والمقاتل يخاطر بنفسه فلا رخصة في ذلك الا على قصد اعزاز الدين او الدفع عن نفسه (شرح سیر ص۲۲۲ ج۳)

دشمن بھی مشرک ہے تو اگر مسلمانوں کو اُن کے ساتھ مل کر قتال نہ کرنے میں اپنی جانوں کا خطرہ نہ ہو تو اُن کے لئے درست نہیں کہ اُن کے ساتھ مل کر قتال کریں۔ کیونکہ اس قتال میں کفر کی امداد ہے اور مقاتلہ کرنے والا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے جس کی اجازت صرف اعزاز دین یا اپنی جان بچانے کی غرض ہو سکتی ہے

شمس الائمہ کی تصریحاتِ مذکورہ جو بضمن تعلیل مذکور ہیں ان سے اضطرار کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ رہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دفع عن نفسہ سے اخباری محاورات کا دفاع مراد نہیں جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی تحریر پر تبصرہ کے ضمن میں ایک اہل علم نے سمجھ لیا ہے اور پھر ان جزئیات کو مطلقاً اسیر و غیر اسیر سب مسلمانوں کے حق میں عام کر دیا۔ اس میں کئی وجہ سے غلطی ہوئی۔

اول تو یہاں عام دفاع و مدافعت مراد نہیں لے سکتے کیوں کہ عن نفسہ کا لفظ (یعنی اپنی جان سے مدافعت کرنا) موجود ہے۔ اور اس کے قبل و بعد کی عبارتوں میں خود شمس الائمہؒ نے دفع قتل و ہلاکت وغیرہ کے الفاظ سے اس مضمون کو خود بیان فرمایا اُس سے کسی ادنیٰ وہم کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

دوسرے یہ حکم صرف اسیر کے لئے ہے جس کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے۔ جیسا کہ خود اسی جزئیہ میں اسیر کی قید مذکور ہے۔

تیسرے اگر اس حکم کو اسیر و غیر اسیر کے لئے عام رکھیں تو شرح سیر کی دو عبارتوں میں جو ایک ہی صفحہ میں مذکور ہیں صریح تعارض ہو جاتا ہے کہ اول تو استعانت اور قتال مع الکفار کے لئے حکم اسلام کا غالب ہونا شرط قرار دیا ہے اور اسی صفحہ میں اس کے خلاف یہ حکم لکھا ہے۔

چوتھے جس مقصد کے ثبوت میں صاحب تبصرہ نے ان جزئیات سے استدلال

صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا (الی) وخذوا بطریق من کان قبلکم۔
یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو (کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۳۱۱ ج ۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم
یعنی تم لوگ ہمارے (صحابہ کرام کے) آثار کا اتباع کرو اور نئی نئی عبادتیں نہ گھڑو کیونکہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔

## تنبیہ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کلام انفرادی درود و سلام کے بارے میں نہیں کیونکہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث و قرآن میں مذکور اور صحابہ و تابعین کا معمول ہے نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے نہ تعداد جتنا کسی سے ہو سکے اختیار کرے اور سعادت دارین حاصل کرے۔ کلام صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت کو باتفاق فقہاء و ائمہ مکروہ کہا گیا ہے تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام والتزام سے کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کرنے والوں کو اس پر ایسا اصرار ہو جیسے فرض و واجب پر بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں ان پر طعن و تشنیع کی جائے۔ یہ کسی حال جائز نہیں کیونکہ اگر بالفرض یہ عمل بدعت بھی نہ ہوتا تب بھی زیادہ سے زیادہ ایک نفلی عمل ہوتا جس پر فرض و واجب کی طرح اصرار کرنے اور دوسروں کو مجبور کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

جس کام پر اللہ و رسول نے کسی کو مجبور نہیں کیا کسی دوسرے کو اس پر مجبور کرنے کا کیا حق ہے اور نہ کرنے کی صورت میں اس پر طعن و تشنیع کرنا ایک مستقل گناہ ہے جس میں یہ حضرات عموماً بے احتیاطی سے مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے خود ان کے نزدیک بھی یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب اور نفل ہے ایک نفل کی خاطر کبیرہ گناہ

کرنا چاہا ہے یعنی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو کے ساتھ مل کر تیسری قوم سے قتال جائز ہو یہ پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو اگر واقعات سے آنکھیں بند کرکے اسیر اور قیدی ہی کہہ دیا جائے تو وہ اسیر انگریزوں کے ہوں گے نہ کہ ہندوؤں کے بلکہ اس صورت میں تو ہندو بھی مسلمانوں کی طرح اسیر سمجھے جاویں گے پھر ایک اسیر کی تہدید یا وعدہ وعید کا دوسرے اسیر پر کیا اثر ہو سکتا ہے جس سے احکام شرعیہ میں فرق پڑ جائے۔

پانچویں ان جزئیاتِ مذکورہ میں اسیر کی قید مذکور ہونے کے علاوہ خود شمس الائمہ نے دوہی صفحہ کے بعد اس کی جداگانہ تصریح بھی فرمادی کہ یہ احکام اسیر (قیدی) کے لئے ہیں اور جو مسلمان کسی کافر حکومت میں اُن کی اجازت سے داخل ہو جس کو فقہی اصطلاح میں مستامن کہا جاتا ہے اُس کے یہ احکام نہیں۔ شمس الائمہؒ کے الفاظ یہ ہیں:۔

(وھذا اخلاف ما اذا جاء ھم قوم من المسلمین لیدخلوا دار الحرب فقال لھم ادخلوا وانتم اٰمنون فدخلوا ولم یشترطوا لھم شیئا) لان ھناک مجیئھم علی سبیل الاستیمان بمنزلۃ التصریح بالاشتراط علی انفسھم ان لا یغدروا بھم ولا یوجد ھذا المعنی فی حق الاسراء لانھم کانوا مقھورین فی ایدیھم لا مستأمنین

(شرح سیر صفحہ ۲۲۵ ج ۳)

بخلاف اُس صورت کے کہ اہل حرب کے پاس مسلمانوں کی کوئی جماعت آئے تاکہ دار الحرب میں داخل ہو اور اہل حرب اُن سے یہ کہدیں کہ داخل ہو جاؤ ہم تمہیں امن دیتے ہیں۔ اور یہ مسلمان دار الحرب میں بغیر اس کے کہ اہل حرب کے قانون و احکام کی پابندی کا عہد کریں دار الحرب میں داخل ہو جاویں کیونکہ اس جگہ اُن کا امن طلب کرنے کے انداز سے آنا ہی گویا اس معاہدہ کی تصریح ہے کہ وہ ان کے عہد شکنی نہ کریں گے۔ اور یہ بات قیدی کے حق میں متحقق نہیں کیونکہ وہ تو اہل حرب کے ہاتھ میں مقہور ہیں مستامن نہیں۔

## کافروں کے ملک میں اجازت سے داخل ہونا بھی استیمان ہے

شرح سیر کی اس عبارت سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے موجودہ

میں مبتلا ہونا کونسی دانشمندی ہے۔

(۳) خطاب کے الفاظ یارسول یانبی اگراس عقیدہ سے ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر زمان و مکان میں موجود اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے کائنات کی ہر آواز کو سنتا اور ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح (معاذ اللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان خدائی صفات میں شریک ہیں تو یہ کھلا ہوا شرک اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو گو بصورت معجزہ ایسا ہونا ممکن ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن یا حدیث سے اس کا ثبوت ہو۔ حالانکہ کسی آیت یا حدیث میں قطعاً اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور بغیر ثبوت و دلیل کے اپنی طرف سے کوئی معجزہ گھڑ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے جس کے بارہ میں آپ نے فرمایا ہے:۔

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار یعنی جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے اور اگر اس طرح کا کوئی بھی غلط عقیدہ نہ ہو تب بھی موہم الفاظ ہیں جن میں اس عقیدۂ فاسدہ کو راہ ملتی ہے اس لئے بھی ان سے اجتناب ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر پکارنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں۔

البتہ روضۂ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کیساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔

الغرض روضہ اقدس کے علاوہ دوسرے مقامات میں اگر ان الفاظ خطاب کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہے تو کھلا ہوا شرک ہے۔ اور مجلس میں تشریف لانے کا عقیدہ ہے تو رسول کریم صلی اللہ

حکومت سے کوئی عہد نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کو مستامن کہا جاسکے۔ کیوں کہ عبارتِ مرقومہ سے معلوم ہو گیا کہ کسی کافر قوم کی حکومت میں ان کی اجازت سے داخل ہونا اگرچہ کسی عہد و معاہدہ کا تذکرہ نہ آوے یہ بھی ایک عملی معاہدہ اور استیمان ہے اور اس طرح داخل ہونے والا مستامن ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی ملک پر کفار کا تسلط کامل ہو جانے کے بعد ان کی زیرِ حکومت و سلطنت رہنا اور اپنے تمام امور و ضروریات میں ان کی طرف رجوع کرنا اور خوف کے وقت ان کی پناہ لینا خواہ طوعًا ہو یا کرھًا بہرحال یہ بھی ایک عملی استیمان ہے الغرض مسلم و غیر مسلم کے وفاق کی دوسری صورت یعنی اشتراکِ عمل اور استمداد و استعانت اس شرط سے جائز ہے کہ غلبہ اسلام و مسلمین کا ہو۔ کفار غالب یا برابر ہوں تو جائز نہیں۔ صرف اضطرار کی صورتیں جیسے قیدیوں کو درپیش آجاتی ہیں اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔

# تیسری صورت
# اشتراکِ عمل بلا شرط و مُعاہدہ

**یہ صورت بالاجماع ممنوع ہے** مندرجہ بالا دو صورتوں یعنی مصالحت اور استعانت بشرطیکہ غلبۂ حکم اسلام کے سوا جتنی صورتیں کسی کافر قوم کے ساتھ اشتراکِ عمل کی ہیں وہ سب اس تیسری صورت میں داخل اور بتصریحاتِ قرآن و حدیث و اجماعِ سلف و خلف ممنوع ہیں گو درجاتِ ممانعت حرمت و کراہت کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

**کفار کی متابعت و موالات حرام ہے** اور اصل یہ ہے کہ کفار اور کفر سے بغض و عداوت اور اظہارِ مخالفت

علیہ وسلم پر افترا اور بہتان ہے اور دونوں میں سے کوئی غلط عقیدہ نہیں تو بھی موہم شرک ہونے کی وجہ سے ایسے الفاظ ممنوع ہیں پھر اس ناجائز عمل پر اصرار کرنا دوسرا گناہ ہے اور فرض و واجب کی طرح اس کو ضروری سمجھنا تیسرا گناہ ہے اور اس میں شریک نہ ہونے والے بے گناہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنا اور مطعون کرنا چوتھا گناہ ہے اور مساجد میں بآواز بلند کہہ کر دوسرے مشغول لوگوں کے شغل میں خلل انداز ہونا پانچواں گناہ ہے۔

افسوس ہے کہ بہت سے نیک دل مسلمان قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے سبب اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کا نشان سمجھ کر اس میں شریک ہوتے ہیں یہ جذبۂ محبت وعظمت بلاشبہ قابلِ قدر و مبارکباد ہے مگر اس کا بے جا استعمال ایسا ہی ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغرب کی نماز تین کے بجائے چار رکعت پڑھے اور اپنے دل میں یہ حساب لگائے کہ ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے تو مجھے ثواب اوروں سے زیادہ ملے گا حالاں کہ وہ کمبخت اپنی تین رکعتوں کا ثواب بھی کھو بیٹھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع اور التزام کے ساتھ کھڑے ہو کر بآواز بلند مسجدوں میں درود وسلام پڑھنے کا مروجہ طریقہ سراسر خلاف شرع اور باہم نزاع وجدال اور مسجدوں کو اختلافات کا مرکز بنانے کا سبب ہے اس لئے متولیان مسجد اور ارباب حکومت پر لازم ہے کہ مسجدوں میں اس کی ہرگز اجازت نہ دیں

اہم مقاصد اسلام سے ہے اور اُس کے مقابلہ میں کفار کی متابعت و موالات اور دوستانہ تعلقات حرام صریح اور مخالفت و مشابہت وغیرہ ممنوع و ناجائز ہیں۔ صرف مصالحت اور اشتراکِ عمل کی وہ صورت جس میں غلبہ حکم اسلام کا ہو یا معاملات اجارہ و تجارت کی اجازت دی گئی ہے۔ باقی ہر قسم کا اختلاط و اشتراک کفار کے ساتھ حرام و ناجائز ہے۔

قرآن و حدیث کی نصوصِ صریحہ اس بارہ میں اس قدر ہیں کہ اگر جمع کیا جاوے تو ایک ضخیم کتاب ہو جاوے۔

چنانچہ امام حدیث حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم لکھی ہے جو باریک ٹائپ کے دو سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جگہ چند آیات و احادیث پر بطور مثال اکتفا کیا جاتا ہے۔

## آیاتِ قرآنیہ :-

قال اللہ تبارک و تعالیٰ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ٘ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو چال چلنی ہے اچھی ابراہیم کی اور جو اُس کے ساتھ تھے جب کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو جب تک تم یقین نہ لاؤ اللہ اکیلے پر

**دو قومی نظریہ** اس آیت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ کفر و اسلام کی تفریق ایسی چیز ہے کہ جو لوگ نسلی طور پر پہلے سے ایک قوم تھے ان کو اس تفریق نے دو جداگانہ قومیں بنا دیا چہ جائیکہ مسلمانوں کی مستقل قوم کو کفار کے ساتھ ملا کر متحدہ قومیت کا تصور باندھا جاوے۔

اگر کسی کو کرنا ہے تو اپنے گھر میں کرے تاکہ کم از کم مسجدیں تو شور و شغب اور نزاع وجدال سے محفوظ رہیں۔

(ب) سوال الف کے جواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا فیصلہ خود ایک حدیث میں اس طرح فرمایا ہے:۔

من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیا ابلغتہ (مشکوٰۃ از بیہقی) یعنی جو شخص میری قبر کے پاس درود وسلام پڑھتا ہے اُسے میں خود سنتا ہوں اور جو دُور سے درود وسلام بھیجتا ہے وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

(ج) جس طرح ذکر اللہ تلاوت قرآن کھڑے ہو کر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے ہاں اگر کوئی کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کو صرف کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے۔ بیٹھ کر پڑھنا بے ادبی ہے۔

(د) جواب الف میں واضح ہو چکا ہے کہ بطرز مذکور سلام پڑھنے کے لئے اجتماع والتزام تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے جو مسجد میں بھی ناجائز ہے اور مسجد سے باہر بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں اگر کوئی بیٹھ کر مسنون درود وسلام کے الفاظ کو بھی باواز بلند اس طرح پڑھے جس سے دوسرے حاضرین مسجد کے شغل میں خلل آتا ہو تو وہ بھی ناجائز

وقال تبارك وتعالى وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ وقال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط

نہ جھکو اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا کہ (اُن کی طرف مائل ہونے سے) تمہیں بھی آگ جہنم کی لگ جائے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری امداد نہ کی جاویگی۔ اے ایمان والو نہ بناؤ غیروں کو اپنا بھیدی۔ وہ تمہارے برباد کرنے میں کمی نہ کریں گے۔

وقال تعالیٰ (وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کو ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اور مسلمانوں کے راستہ سے الگ چلے ہم اس کو اسی کے حوالہ کر دیتے ہیں اور جہنم میں داخل کرتے ہیں اور جہنم برا ٹھکانا ہے

وقال تعالیٰ (وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُن کی خواہشات کا اتباع نہ کرو اور اس سے بچو کہ وہ اللہ کے نازل کئے ہوئے بعض احکام کے متعلق تمہیں کسی فتنہ میں ڈالدیں۔

وقال تعالیٰ (ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب بکل اٰیة ما تبعوا قبلتك وما انت بتابع قبلتهم (الی قوله تعالیٰ) ولئن اتبعت اهواءهم من بعد ما جاءك من العلم انك اذا لمن الظالمین ۔

اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے ہر نشانی پیش کر دیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے اور آپ بھی اُن کے قبلہ کے تابع نہیں اور اگر آپ ان کی خواہشات کا اتباع کریں گے بعد اس کے کہ آپ کو علم الٰہی مل چکا تو آپ ظالمین میں سے ہو جائیں گے۔

## احادیث نبویہ

اور احادیث صحیحہ معتبرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

من تشبه بقوم فهو منهم (رواه

جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار

ہے۔ اور مسجد سے باہر اس کی گنجائش ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## ہمدردانہ مشورہ

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور ان معاملات میں تعصب بندی اور قدیم آبائی رسوم پر ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سمجھنا چاہیے اور یہ غور کرنا چاہیے کہ دنیا کے تو تمام معاملات میں ہمارے جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں کم از کم اللہ کے گھر اور عبادت نماز کو تو ہر طرح کے جھگڑے فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم۔ کراچی

۱۲/۱۱/۸۱ھ

ابوداؤد وقال ابن تیمیہ اسنادہ جید (اقتضاء) ملا

کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

انا بریٔ من کل مسلم مقیم بین اظہر المشرکین۔

میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان (باختیار خود) مقیم ہو۔

ان الیہود والنصاریٰ لا یصبغون فخالفوہم (بخاری ومسلم)

یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم اُن کی مخالفت کرو یعنی خضاب کیا کرو۔

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی (بخاری ومسلم)

مشرکین کی مخالفت کرو مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھیوں کو چھوڑو۔

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم وخفافہم (ابوداؤد)

یہود کی مخالفت کرو وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے (تم پڑھ سکتے ہو)

لا یزال الدین ظاہراً ما عجل الناس الفطر لان الیہود والنصاریٰ یؤخرون (ابوداؤد)

یہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں کیوں کہ یہود ونصاریٰ دیر کرکے افطار کرتے ہیں۔

آیات واحادیث مذکورہ اور ان کی صدہا نظائر میں. عامہ کفار ومشرکین کے ساتھ مخالطت ومشابہت اور مشارکت ومتابعت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور کفر اور اہل کفر سے مخالفت کے اظہار کو ایک اہم مقصد قرار دیا ہے ایسے افعال بھی حرام ہیں جن سے موالات ومشابہت ظاہر ہوتی ہو۔ ان ہی آیات وروایات کے تحت میں ائمہ مفسرین وفقہاء نے ایسے افعال کو بھی داخل کیا ہے جن سے کفار کی موالات ومتابعت یا مشابہت کا اندیشہ ہو یا جو دوستانہ تعلقات اور خلط ملط اور ربط ضبط کا ذریعہ بنیں۔

## حضرت شیخ الہندؒ کا ارشادِ گرامی

سیدی حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ نے خطبۂ صدارت جمعیۃ العلماء میں اسی کو بالفاظِ ذیل ارشاد فرمایا ہے:۔

رہا یہ شبہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے آیت موالات کو منع کرتی ہے نہ معاملات کو۔ تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات اور معاملہ میں مفہوم

# مساجد کی نئی شکلیں اور اُن کے مفاسد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقامِ تصنیف : ———— دار العلوم کراچی
تاریخِ تصنیف : ———— ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

مغربی تہذیب نے مسلمانوں کی معاشرت کو فیشن پرستی اور جدت پسندی کے جس راستہ پر ڈال دیا ہے اس کی تباہکاریاں وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں ۔ اس نے مسلمانوں کو صحت و دولت ہر اعتبار سے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اب یہ ذوق معاشرت سے نکل کر عبادت اور عبادتگاہوں میں بھی ظاہر ہونے لگا ہے جو معابد و مساجد کے بالکل ہی خلافِ شان اور دینی شعائر سے رفتہ رفتہ محرومی کا سبب ہے۔ اب بعض لوگوں کا میلان اس طرف ہونے لگا ہے کہ مسجد کی تعمیر میں بھی جدید تزئین و نقش کا مظاہرہ کیا جائے

اس سلسلہ میں لاہور سے ایک استفسار کیا تھا۔ پیش نظر صفحات میں یہی سوال و جواب پیش کر رہے ہیں۔

کے لحاظ سے فرق ضرور ہے۔ لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت و معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنی کے لحاظ سے داخل ہیں پس تمام ایسے معاملے جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ میل جول ربط و اتحاد بڑھے۔ ایسے معاملات جو ان کی معاندانہ طاقت کو بڑھائیں۔ ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکتِ اسلامیہ کے مٹانے میں دخل رکھتے ہوں۔ ایسے روابط جن کی وجہ سے انہیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کرسکیں ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت و الفت کا اظہار ہوتا ہو براہ راست یا بواسطہ موالات ممنوعہ محرمہ میں داخل ہیں (خطبۂ صدارت ۱۹۲۰ء)

یہ افعال و معاملات ایسے ہیں کہ کسی کافر قوم کے ساتھ مسلمان کے لئے جائز نہیں جن سے کوئی معاہدہ صلح یا امانت و استعانت کا کسی خاص چیز میں ہو جاوے ان کے ساتھ بھی صرف معاہدہ کی حد میں موافقت و اشتراک جائز ہوگا۔ باقی امور میں وہ بھی عامہ کفار کے حکم میں رہیں گے۔ شرح سیر کبیر میں ان لوگوں کے بارہ میں جن سے مسلمانوں کی مصالحت و موادعت ہو مذکور ہے۔

| | |
|---|---|
| لانهم في حكم المحاربين وان تركوا القتال بسبب الموادعة الى مدة (شرح سیر ۲۴۳) | کیونکہ وہ بھی محاربین کے حکم میں ہیں اگرچہ ایک مدت کیلئے موادعت کے سبب انہوں نے قتال چھوڑ رکھا ہے |

# خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کے وفاق کی صرف دو صورتیں جائز ہیں ایک محض مصالحت و موادعت بلا اشتراکِ عمل یہ جائز ہے بشرطیکہ اسمیں مصلحت مسلمین ملحوظ ہو اور شرائط صلح میں کوئی شرط خلافِ شرع نہ ہو۔

دوسرے استعانت اور مشارکت عمل یہ اس شرط سے جائز ہے کہ غلبہ حکم اسلام کا ہو۔ کفار محض تابع ہو کر ساتھ لگے ہوں۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کسی غیر مسلم قوم

# استفتاء

ہمارے شہر لاہور کی ایک مشہور شارع عام پر یادگار شہدا ایک مسجد عام مسلمانوں کے چندے سے تعمیر ہو رہی ہے جس کے قریب میں ایک عظیم الشان گرجا کی تعمیر پہلے سے موجود ہے۔

(الف) مسجد شعائر اسلام میں سے ہے اور دنیا میں ہزار تنوع کے باوجود اس کی ایک ممتاز ہیئت متعین ہے جس کو دور سے دیکھ کر ہر مسلم و غیر مسلم واقف و ناواقف مسجد سمجھتا ہے لیکن اس مسجد کی تعمیر کا انتظام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے انھوں نے اس مسجد کا ڈیزائن دنیا کی سب مسجدوں سے مختلف رکھا ہے کہ جب تک کوئی بتلائے نہیں اس کو دیکھنے والا مسجد نہیں سمجھ سکتا بلکہ اس کا ایک علیحدہ مینار گرجا کے مشابہ ہے اور پوری چھت کا محیط اور پست گنبد صومعہ سے مشابہت رکھتا ہے۔

(ب) مسجد سات (مسبع) پہلو سطح پر بنائی گئی ہے جب کہ مسبع کے اوپر کے کونے کو محراب کی جگہ دی ہے اور آج تک مسلمانوں نے اس سطح پر مسجد کبھی تعمیر نہیں کی جس کی وجہ سے اول تو مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے کوئی سمت قبلہ متعین نظر نہیں آتی، دوسرے جو سمتِ قبلہ ہے اس میں بھی دیوار قبلہ کے بجائے کئی محراب نما در بنا دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے باہر کے لوگوں کی آمد و رفت اور سب چیزیں نظر آکر نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ تیسرے اس کی پہلی صف جو سب سے افضل ہے وہی سب سے چھوٹی صف ہے، صفِ اول کی فضیلت بہت کم لوگ حاصل کر سکتے ہیں اور اکثریت فضیلت سے محروم رہ جاتی ہے اس لئے سوال یہ ہے کہ:

(۱) جو مسجد بلا ضرورت کے دنیا کی عام مساجد کی ممتاز ہیئت و صورت کے خلاف اس طرح بنائی جائے کیا وہ مسجد شرعی ہے؟ اور اس میں نماز جائز ہے اور اس کے احکام

کے ساتھ اختلاط اور جماعتی اشتراک کی کوئی صورت جائز نہیں خواہ وہ صورت متابعت و مشابہت کہلائے یا موالات و مودت کہی جائے یا کچھ اور۔

# کانگریس کی شرکت کس صورت میں داخل ہے

مذکورۃ الصدر تینوں صورتوں کے احکام شرعیہ معلوم ہو جانے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کی شرکتِ کانگریس کس صورت میں داخل ہے۔ اور یہی چیز اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔ سو کانگریس اور مسلمانوں کی اس میں شرکت کے مختلف ادوار کا مشاہدہ کرنے والوں اور پیش آمدہ حالات و واقعات کے دیکھنے سننے والوں پر مخفی نہیں کہ مسلمانوں کی شرکت کانگریس کے مختلف ادوار میں مختلف صورتوں پر رہی ہے۔ اوّل سے آخر تک ایک صورت نہیں رہی۔

**کانگریس کے ساتھ اشتراک کا پہلا دور** تحریکاتِ حاضرہ کے ابتدائی دور میں جب کہ خلافت کمیٹی نہایت قوت و شوکت کے ساتھ ساتھ پیش پیش تھی۔ ہندو لوگ اہل اسلام کے پیچھے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس وقت کی حالت یا تو پہلی صورت (یعنی مصالحت) میں داخل تھی یا کم از کم دوسری صورت (یعنی استعانت) میں اور بلاشبہ جواز استعانت بالکفار کی شرط یعنی غلبۂ اسلام اس وقت موجود تھا۔ جنگ آزادی کا علم مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا ہندو ساتھ ہو گئے تھے۔

**حضرت شیخ الہند کی صراحت** جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس جو ۱۳۳۹ھ ہجری اور ۱۹۲۰ء عیسوی میں بمقام دہلی شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ کے زیر صدارت منعقد ہوا ہے۔ اس کے خطبۂ صدارت کے ختم پر حضرت ممدوح کی اختتامی تقریر میں جو وفات سے صرف نو روز پہلے فرمائی ہے۔ یہ حقیقت بالکل صاف نمایاں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

مسجد شرعی کے احکام ہیں؟

(۲) اور اگر اس کو مسجد کا حکم دیا بھی جائے تو کیا منتظمین مسجد کے لئے یہ جائز ہے کہ عام مسلمانوں کے چندہ سے تعمیر ہونے والی مسجد کی شکل وصورت بگاڑ کر اس کو گرجا وغیرہ یا دوسری عمارتوں کے مشابہ بنا دیں؟ اور مساجد کا اسلامی امتیاز ختم کر دیں؟

(۳) اور کسی فرد یا جماعت نے غفلت یا ناواقفیت سے ایسی شکل کی مسجد بنا دی ہے تو کیا شرعاً یہ واجب نہیں کہ اس کی اصلاح کر کے عام اسلامی مساجد کے مشابہ بنایا جائے؟

(۴) مسبّع پہلو ہونے کی وجہ سے، نیز دیوار قبلہ نہ ہونے کی وجہ سے جو شرعی عیوب پیدا ہو گئے ہیں کیا تعمیر میں اس کی اصلاح و ترمیم ضروری نہیں؟ سائل

محمد عبد اللہ چغتائی

۱۵ ار ایف، گلبرگ (D) نزد مارکیٹ لاہور

# الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) جہاں تک مسجد کے شرعی ہونے کا معاملہ ہے اس میں تو کسی دیوار اور چھت کی بھی ضرورت نہیں کوئی فرد یا جماعت اپنی مملوکہ زمین کو مسجد کے لئے وقف کر دے اور عام مسلمانوں کو اس میں نماز کی اجازت دے دے اور مسلمان اس میں نماز با جماعت ادا کرنے لگیں تو وہ کھلی زمین بھی مسجد شرعی ہو جاتی ہے، اس کے لئے نہ کوئی عمارت شرط ہے اور نہ کوئی ڈیزائن معتبر ہے، اس میں مسجد ہی کا ثواب ملتا ہے، اس کے تمام احکام مسجد ہی کے احکام ہو جاتے ہیں جیسا کہ عام کتب فقہ میں تصریحات موجود ہیں اس لئے مذکورۃ السوال مسجد کے مسجد شرعی ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

"کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنایا ہے۔ اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے خلاف ہو گی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دے گی۔ اُدھر حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بد اعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے گی۔

ہاں یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشین کر لیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں اُن سے کوئی رخنہ نہ پڑے۔ جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذار۔ سانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لیے اپنے مذاہب

(۲) ——— دوسرا معاملہ مسجد کی تعمیر اس کی ہیئت اور شکل کا ہے اس میں یہ بات تو سب سے اہم اور ضروری ہے کہ اس کی تعمیر غیر مسلموں کے معابد کے مشابہ نہ ہو جائے۔ شریعتِ اسلام نے معاشرتی امور، لباس وطعام وغیرہ میں بھی غیر مسلموں کی مخصوص صورت اختیار کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، قرآن وسنت کی بے شمار نصوص اس پر شاہد ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار تم ظالموں یعنی کافروں کی طرف میلان نہ رکھو کہ اگر ایسا کیا گیا تو تم کو بھی جہنم کی آگ پہنچے گی اور حدیث میں ارشاد ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ او کما قال علیہ السلام جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی مخصوص چیزوں میں ان کی نقل اتارتا ہے وہ اسی قوم میں داخل سمجھا جائے گا، یہ کس قدر وعید شدید ہے اور معاشرتی امور میں تشبہ بالکفار کا یہ حکم ہے تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عبادات اور معابد کے معاملہ میں تشبہ

بالکفار سے اجتناب کرنا کس قدر اہم اور ضروری ہوگا۔ کسی مسجد کی تعمیر، مندر، گرجا، صومعہ کی مخصوص شکل یا اس کا مشابہ صورت میں کرنا بالکل حرام ہے جو مسجد ایسی بنا دی گئی ہو اس کو توڑ کر اس مشابہت کو دور کرنا واجب ہے اگر بنانے والوں نے عام مسلمانوں کی اجازت ومشورہ کے بغیر ایسا کیا ہے تو مصارف کی ذمہ داری بنانے والوں پر ہوگی۔

دوسری صورت ڈیزائن بدلنے کی یہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معابد کے مشابہ تو نہیں مگر مساجد دنیا کی خصوصیات اور ہیئت وصورت سے مختلف دوسری عمارتوں کی شکل میں ہے، جس کو عام لوگ دور سے دیکھ کر مسجد نہیں سمجھ سکتے۔ یہ صورت اگرچہ تشبہ بالکفار سے تو نکل گئی مگر مساجد کی تعمیر میں بلا کسی شدید مجبوری کے ایسی ہیئت وشکل اختیار کرنا بھی بہت سے دینی مفاسد کی وجہ سے مکروہ ومذموم ہے اور اصل تعمیر کو توڑے بغیر جس قدر اس کو مساجد دنیا کے ہم شکل بنایا جاسکتا ہے وہ اصلاح ضروری ہے۔

اس معاملے میں سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہر قوم دنیا میں اپنی خصوصیات اور

کی حد سے گذر جاتے ہیں۔ لیکن محکموں اور ابواب معاش میں ایک دوسرے کی ایذار رسانی کے درپے رہتے ہیں۔

میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری یہ گذارش دونوں قوموں کے رہنما (لیڈروں) سے ہے کہ ان کو جلسہ میں ہاتھ اٹھانے والوں کی کثرت اور زبانی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے۔ ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے لیے مہلک نہیں۔ البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔

(خطبہ صدارت ص۱۰)

## اس بصیرت افروز بیان میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت ہے

ایسی حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بصیرت افروز بیان درحقیقت مسلمانوں کے لئے ایک محکم دستور ہے جس میں ان کی سب سیاسی و مذہبی الجھنوں کا موثر علاج ہے ان کے خط کشیدہ جملوں کو پھر بغور پڑھیئے جن میں امور ذیل کی تصریح ہے۔

(الف) آزادی ہند کے اصل علمبردار مسلمان تھے پھر ہندوؤں نے تائید شروع کردی۔

(ب) اس تائید و حمایت کو بضرورت وقت غنیمت سمجھا گیا۔

(ج) ضرورت مذکورہ کی بنا پر دونوں قوموں میں مصالحت ہوئی

مخصوص شعائر سے زندہ رہتی ہے جو قوم اپنے خصوصی امتیازات اور شعائر کو فنا کر دے اُس کو کسی مستقل قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جاتا۔

اسلام چونکہ مسلمانوں کو تمام اقوام عالم سے ممتاز ایک مستقل قوم بنانے کا داعی ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تعلیمات میں مسلمانوں کی سیرت وصورت لباس اور وضع قطع، کھانے پینے اور رہن سہن کے تمام طریقوں میں ایسی ہدایات دی ہیں وہ ان سب چیزوں میں دوسری اقوام سے ممتاز رہیں۔

مدینہ طیبہ کے یہود داڑھی بھی بڑھاتے اور مونچھیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے وہاں پہنچے تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ داڑھی تو خود شعار اسلام ہے تم اپنی مونچھیں ترشوا دیا کرو تاکہ یہود سے تمہاری شکل ممتاز ہو کر دور سے پہچانی جائے۔ اسی طرح لباس اور کھانے پینے کے جو طریقے کسریٰ وقیصر اور عجم میں رائج تھے اُن سے جدا سادہ اور پاکیزہ طریقوں کی تعلیم دی، مسلمانوں کا یہ اسلامی امتیاز خود کفر و اسلام میں ایک حد فاصل اور دوسری قوموں کے لئے رشک و حسد کا موجب تھا کہ دنیا میں مشرق و مغرب کے مسلمان اپنی ان امتیازی خصوصیات میں مشترک اور متحد نظر آتے تھے۔

یہ تو معاشرتی امور کا معاملہ تھا عبادات میں تو اسلام نے یہاں تک احتیاط کام لیا کہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب، نصف النہار کے جو اوقات مشرکین کی عبادت کے اوقات تھے ان اوقات میں ہر قسم کی نماز بلکہ سجدہ تک کو حرام قرار دے دیا۔

اقوام یورپ جب صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں تو انھوں نے بڑی گہری سازش سے جو سست رفتار زہر مسلم قوم کے لئے تیار کئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان پر مغربی معاشرت، مغربی فیشن مسلط کر دیا جائے جس کو یہ محض ایک دنیوی اور معاشی چیز سمجھ کر اختیار کر لیں گے پھر معاشرت بدلنے کے بعد خیالات و عقائد و اعمال و اخلاق بدلنے کا راستہ آسان ہو جائے گا اس کا یہ فریب ہم پر چل گیا جس کا نتیجہ آج ہم اس شکل میں دیکھ رہے ہیں کہ وہ قوم جو شعائر اسلام بلکہ اسلام کی یادگاروں پر جان دینے والی تھی وہ خود ہی ان کو ایک ایک کر کے رخصت کر رہی ہے۔

(د) جوازِ صلح کے لئے شرائط تعین کر دیں (۱) خدا کی باندھی ہوئی حدود میں اس معاملت سے کوئی رخنہ نہ ڈالا جائے۔ (۲) فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے (۳) دنیوی معاملات میں صلح و آشتی اور رواداری کو شیوہ بنایا جائے۔ (۴) نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں اور حریفانہ جنگ آزمائیوں سے اجتناب کیا جائے۔

اور جبکہ حضرت اقدس رح کو شرائط مذکورہ کے خلاف بعض مسلمانوں کا حدود مذہب سے تجاوز معلوم ہوا تو اسی بیان میں اُس پر شدید نکیر فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ صلح و آشتی کا پائیدار رہنا اسی پر موقوف ہے کہ حدود مذہب کو ہاتھ نہ لگایا جاوے الغرض اگر حقیقت کو دیکھا جاوے تو اُس وقت مسلمان کانگریس میں شریک نہ ہوئے تھے بلکہ کانگریسی ہندو مسلمانوں کے ساتھ تائید و حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے اور آزادیٔ ہند کا مشترک مطالبہ پیش کرنے کے لئے دونوں قوموں میں مصالحت کی صورت پیدا ہو گئی تھی جس کے شرائط سب شریعت کے مطابق اور حدود مذہب کی حفاظت کے لئے بالکل کافی تھیں۔ اس لئے یہ توافق بین المسلمین والمشرکین مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی مصالحت میں داخل تھا۔ بعد میں جب جلسہ جلوس اور مظاہروں میں دونوں قوموں کا اشتراک عمل ہوا تو اس کو زیادہ سے زیادہ دوسری صورت یعنی استعانت میں داخل کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مطالبۂ آزادی کے اصل علمبردار اور کام کو چلانے والے مسلمان تھے اس لئے غلبہ اُن کا تھا اور جوازِ استعانت کی شرط موجود تھی۔

بہرحال اس ہندو مسلم اتفاق و اشتراک کا پہلا دور اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے حدود شرعیہ کے مطابق جائز و صحیح تھا اسی لئے علماء اہل حق میں سے کسی نے اس وقت اصل مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور جن افعال پر کسی نے نکیر کیا تو وہ ایسے افعال تھے کہ خود حضرت شیخ الہند رح اور دوسرے علماء قائدین

غور کیا جائے تو ہماری نسل کی فیشن اور جدت پسندی کا یہ درجہ کہ مساجد و معابد کو بھی نئے فیشن میں دیکھنا چاہتے ہیں، غیر شعوری طور پر انگریزوں کی اس صد سالہ کوشش کا نتیجہ ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے ذہن کو اسلامی خصوصیات سے نہ صرف بیگانہ بلکہ بیزار بنانا چاہتے تھے۔

اس کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم اور ان کی تاریخ تعمیری ترقیات میں بھی کوئی مفلس قوم نہیں۔ دنیا میں ان کی مساجد کیسی کیسی عالی شان حسین اور خوبصورت موجود ہیں، اگر کسی کو اپنے تعمیری ذوق ہی کو پورا کرنا ہے تو مساجد عالم میں اچھی سے اچھی مسجدیں موجود ہیں ان سب کو چھوڑ کر نئے فیشن اختیار کرنے کو غیر شعوری طور پر اسلام بیزاری کے سوا کیا کہا جائے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ مفسدہ بھی کچھ کم نہیں کہ مساجد کی ممتاز شکل و صورت اس کے منارے اور گنبد دور سے مسلمانوں کو اپنی طرف دعوت دینے کا کام بھی کرتے ہیں، ہر ناواقف، نووارد یہ علامات دیکھ کر نماز کے وقت اُن کی طرف دوڑتا ہے جب یہ نہ رہا تو اجنبی لوگوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہوگا اس کے علاوہ مسلمانوں کی تعمیری ترقیات کے دور میں مساجد کی یہ مخصوص ہیئت عملی طور پر اسلام کی شان و شوکت کا مظاہرہ بھی ہے ہر آنے والا اس کو دیکھ کر محسوس کر لیتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا شہر ہے یہ جدت پسندی شہر کو اس سے بھی محروم کر دیتی ہے۔

اسی مغربی ذہن نے آج کل ہماری قوم کو قدامت پسند اور جدت پسند کے دو فرقوں یا جماعتوں میں بانٹ دیا ہے اگر اسلامی تعلیمات سے پہلے صرف عقل ہی سے دیکھا جائے تو یہ تفرقہ ہی بے عقلی پر مبنی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ نہ ہر نئی چیز اچھی مفید ہی ہوتی ہے اور نہ ہر پرانی چیز خراب یا مضر ہی۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان کو نہ قدامت پسند ہونا چاہیئے نہ جدت پسند بلکہ حقیقت پسند ہونا چاہیئے جو چیزیں پرانی اچھی ہیں ان کو اختیار کرے جو چیزیں نئی اچھی اور نافع و مفید ہیں ان کو اختیار کرے۔

تحریک بھی اُس پر نکیر میں شریک تھے۔ اور جن حضرات نے تحریک سے اختلاف کیا تو اُس کی وجہ بھی اصل مسئلہ کا اختلاف نہ تھا بلکہ اس بارہ میں رائے کا اختلاف تھا۔ کہ یہ تحریک غلبۂ اسلام کے لئے مفید و منتج ہو گی یا معاملہ بر عکس ہوگا۔

## حضرت تھانوی رح کا موقف

سیدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ قدس سرہ نے جو اس تحریک سے اختلاف کیا تھا ان کا اپنا بیان خود یہ ہے جو رسالہ تسلی الغمین کے آخر میں شائع ہوا ہے۔

**مسئلۂ چہارم**:- حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو اُستاذی حضرت مولانا دیو بندی کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل اختلاف حنفی شافعی کے خیال کرتے ہیں۔ سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا نہ کہ متابعت یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی جس سے حضرت مولانا کو قوی اُمید تھی کہ حکم اسلام کا غالب ہوگا اور ہم لوگوں کا خیال قرائن و وجدان سے اس کا عکس تھا۔ سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف شافعی حنفی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں متابعت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا یہی وجہ کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے ضعف یا کسی شعار کفر کی قوت کا ذرا شبہ بھی ہوتا تھا تو فوراً اُس پر نکیر شدید فرماتے تھے چنانچہ مشاہد و متواترہ اس کا شاہد ہے بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے اُس کی ہر تجویز سے موافقت و مداہنت کی جاتی ہے اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے اس لئے مسلمانوں کو اپنی تقویت و تنظیم مستقل لازم ہے تاکہ اس کے بعد جو اشتراک ہو مصالحت ہو متابعت نہ ہو خلاصہ یہ کہ اشتراک ایک لفظ مشترک ہے مگر اس کے دو فرد ہیں کا یعنی مصالحت و متابعت کا حکم جدا جدا ہے پس حقیقی امتیاز کے بعد محض لفظی اشتراک سے اشتباہ نہ ہونا چاہئے۔ اھ (بوادر النوادر ص ۹۳۹)

سب سے آخر میں ایک اہم بات قابلِ نظر یہ ہے کہ اسی فیشن پرستی اور جدت پسندی کے دور میں خود ان قوموں نے جو فیشن اور جدت پسندی کی داعی ہیں اپنے معاشرتی امور میں تو فیشن اور جدت اختیار کر لی ہے مگر انکے معابد اور گرجاؤں میں وہی قدامت پسندی ہر جگہ دیکھی جاتی ہے۔

اس فیشن پرستی اور جدت پسندی سے نہ ہندوؤں نے اپنے مندروں کے ڈیزائن بدلے نہ نصاریٰ نے گرجاؤں کے نہ یہود نے صوامع کے کس قدر افسوس ہے کہ ہم مسلمان کہلانے والے ہی اس کے شکار ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس لئے مندرجہ سوال مفت بیلو مسجد چونکہ بن چکی ہے اب اس کی تعمیر کو بنیاد سے توڑ کر نقشہ بدلنا تو مسلمانوں کی بڑی رقم کو ضائع کرنا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اندر سمت قبلہ میں مکمل دیوار کر دی جائے جس سے باہر کی چیزیں نمازی کے سامنے آکر خلل نماز کا سبب نہ بنیں۔ سمت قبلہ کو محراب معروف کی شکل دی جائے اس میں منبر قائم کیا جائے اور باہر سے مینار وغیرہ کے ذریعہ جس قدر اس کو عام مساجد کے ہم شکل بنایا جاسکتا ہے بنا دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع
دار العلوم کراچی ۱۴
۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

۲۷۲
دار الافتاء
دار العلوم کراچی ۱۴
۱۵ ۳/۹۰ ھ

الغرض سیدی حضرت شیخ الہند اور حضرت حکیم الامت (متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہما) کی تصریحات سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کا اشتراک اپنے ابتدائی دور میں جائز مصالحت کی صورت سے تھا جس کے فی نفسہ جواز میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ اسی طرح اس میں بھی کسی کو اختلاف نہ تھا کہ جس چیز سے اسلام و اہل اسلام کو ضعف یا مضرت پہنچے اس سے علیحدگی لازم ہے اسی واسطے شدھی سنگٹھن کے واقعات اور نہرو رپورٹ کے بعد عام اہل اسلام اور بالخصوص علماء و زعماء کانگریس سے کنارہ کش اور متنفر ہو گئے۔

## شرکت کانگریس کا دوسرا دور

لیکن شدھی سنگٹھن کے واقعات کے بعد جب کانگریس نے لاہور میں نیا جنم لیا اس میں تحریک کے بانی اور علمبردار ہندو تھے۔ مسلمان ابھی ابھی ہندوؤں کی خیانت و غداری اور شدھی سنگٹھن کے المناک حوادث کی تلخی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے ہندوؤں کے ساتھ اس تحریک میں شریک ہونے سے جھجکتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ مسلمان بھی ان کے ساتھ جانے لگے۔ اس وقت چونکہ تحریک پر پورا قبضہ اور غلبہ ہندوؤں کا تھا۔ انہوں نے اس تحریک کو صرف ایک سیاسی تحریک کے بجائے خالص ہندو ذہنیت اور ہندوانہ خیالات اور طرز پر اٹھایا۔ اور یہ اصول بنا دیا کہ جو شخص کانگریس میں داخل ہو وہ انفرادی اور شخصی حیثیت سے داخل ہو۔ کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانگریس میں نہ لیا جائے گا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت کانگریس میں ایک مستقل قوم اور جماعت کی نہ مانی جائے گی بلکہ جس قدر افراد داخل کانگریس ہوں گے وہ محض ہندوستانی ہونے کی حیثیت میں اپنے اعداد و شمار کے مطابق کانگریس کے حصہ دار ہوں گے۔ جس کا لازمی اثر یہ تھا کہ مسلمان کانگریس میں نہایت کمزور اقلیت میں رہ کر ہمیشہ ہندو اکثریت کے تابع و محکوم بنے رہیں جیسا کہ جمہوری نظام مروجہ ہند

کا اقتضا رہے۔

یہی وجہ ہوئی کہ کانگریس میں شریک ہونے والے مسلمانوں میں خود اختلاف پیش آیا علماء وزعماء کی ایک جماعت نے اس طرح بلا شرط داخلہ کانگریس کو مسلمانوں کے لئے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے مضر سمجھا۔ اور بہت سے ماہرین سیاست مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ اب باقی ماندہ مسلمان جو کانگریس میں رہ گئے وہ اور بھی زیادہ اقلیت وضعف کی حالت میں رہ گئے۔ اور ہندوؤں کو کانگریس کے سیاسی محاذ سے اپنے خالص ہندوانہ خیالات وتصورات کو بروئے کار لانے اور پورے ہندوستان پر ان کو مسلط کرنے کا موقع مل گیا۔

چنانچہ کانگریسی جھنڈے کو ہندوانہ سلامی اور بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ تو کانگریس کے آئین وشعار میں داخل کر لیا گیا۔

واردھا اسکیم، ودھیامندر اسکیم۔ دیہات سدھار اسکیم کے نام سے ایسے قانون پورے ہندوستان کے لئے جاری کئے جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبے سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان سب کا خلاصہ ہندوستان کی ہر قوم مسلم وغیر مسلم کو ہندوانہ رنگ میں رنگنے اور ہندو طرز معاشرت اور مشرکانہ رسم ورواج کا عادی بنانے کے سوا کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی زبان بھی بجائے اُردو کے ہندی بنانے کی مہم کوشش شروع کردی اور دفتری زبان تو جہاں جہاں بس چلا بدل بھی ڈالی۔

مسلمانوں کی سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ اور تمام اسلامی جماعتوں کی طرح جمعیۃ علماء ہند نے بھی ان اسکیموں کو شعائر اسلام کے مٹانے اور اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والا اور مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کا مرادف قرار دے کر اس کے خلاف احتجاج کیا لیکن کانگریس نے ان تمام اختلافی احتجاجات کا ذرہ برابر اثر نہ لیا۔

# تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال

# سمتِ قبلہ

## سمتِ قبلہ کی شرعی حیثیت اور سمت معلوم کرنے کے طریقے

ان اسکیموں کی حقیقت اور اسلام و شعار اسلام کے لئے انتہائی مضر ہونا ہونا خود اُن علماء و زعماء نے واضح کیا جو کانگریس میں شریک تھے اور بعض اب بھی شریک ہیں۔ ان میں سے چند حضرات کے کچھ کلمات ذیل میں درج ہیں۔ ان سے واقعات وحالات پوری طرح روشن ہو جائیں گے۔

## جمعیتہ علماء ہند کا احتجاج واردھا اسکیم کے خلاف

جمعیتہ علماء ہند نے اپنے جلسہ منعقدہ مورخہ ۳، ۴، ۵، ۶ ، مارچ ۱۹۳۹ء میں ایک طویل قرارداد پاس کی اس میں کہا کہ ہم کو افسوس ہے کہ واردھا اسکیم کے بنیادی اصول ملکی کی جو تشریح خود ڈاکٹر ذاکر حسین صدر واردھا کمیٹی نے اپنی رپورٹ اردو ایڈیشن رسالہ جامعہ صفحہ ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۱۹ میں پیش کی ہے وہ بالکل مختلف چیز ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اس اسکیم کا آخری مقصد تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت پیدا کرنا ہے جس کا کلچر، جس کا عقیدہ اور جس کے اعمال ایک ہی طرح کے ہوں۔ جو تمام مذاہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ سب سچے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ نیز اہنسا کی صداقت پر ایمان ہو اور اسی پر عمل بھی ہو۔

ظاہر ہے یہ اصول نہ صحیح ہے اور نہ عملی اس لئے کہ باشندگان ہند کے مختلف مذاہب اور رجحانات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ محال ہے کہ وہ اپنے اسلامی کلچر کو چھوڑ کر کسی متحدہ قوم کے اندر جذب ہو جائیں۔ اور اسلامی اور غیر اسلامی کلچروں کا کوئی امتیاز تسلیم نہ کریں۔ مسلمان دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کا طرز عمل اختیار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اس طرز عمل کے برعکس ایک بنا دینے والے کسی ایسے نیشنل ازم (متحدہ قومیت) کا سبق پڑھایا جانے لگا جو اسلامی تہذیب کی خصوصیات کو برباد کر دینے والا ہے تو یہ پالیسی نہ صرف سطحی بلکہ آئندہ کی تباہی کا باعث ہو گی۔ (رپورٹ اجلاس جمعیتہ العلماء صفحہ ۶ (از نظامنامہ جمعیتہ علماء اسلام)

تاریخ تالیف ——— ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

مدت تالیف ——— آٹھ گھنٹے

مقام تالیف ——— دیوبند

طبع اوّل ——— ۱۳۶۰ھ

طبع دوم ——— بحیثیت فتاویٰ دار العلوم

ص ۲۶۲ ج ۲

"قائد خاکسار مشرقی صاحب نے حسابات کے ذریعہ سمت قبلہ متعین کر کے اعلان کیا کہ جو مسجدیں اس کے خلاف بنی ہیں ان میں نماز نہیں ہوتی، یہ مقالہ اس کی تردید میں لکھا گیا جس سے قبلہ رُخ ہونے کی شرعی حیثیت اور اس کا فقہی مفہوم واضح کیا گیا، اس مقالے کو بھی حضرت تھانوی رح کی نظر ثانی کا شرف حاصل ہے اور عربی نام بھی انہی کا تجویز کردہ ہے۔"

# دیہات سدھار اسکیم کے خلاف امارتِ شرعیہ کا احتجاج

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار، صدر انڈی پنڈنٹ مسلم پارٹی۔ ممبر عاملہ جمیعۃ العلماء نے دیہات سدھار اسکیم کے خلاف ۲۳ راگست ۱۹۳۸ء کو دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف (پٹنہ) سے آنریبل ڈاکٹر محمود وزیر کانگریس وزارت بہار کو ایک احتجاج نامہ ارسال کیا جس میں لکھتے ہیں :-

"ان دونوں ادارات (مدھوبنی آشرم اور پھلواری شریف کیمپ جیل) میں جن مضامین کی تعلیم دی جائے گی وہ حسب ذیل ہیں۔ تاریخ گاؤں کی پنچایت دیہات کی زندگی، ستیاگرہ (سچائی) اور اہنسا (عدم تشدد کا مذہب) مہاتما گاندھی کی سوانح عمری خود نوشت (تلاش حق) اور مہاتما گاندھی کی تعلیم وغیرہ میں اس خط کے ذریعہ اس اسکیم کے بدترین نقائص کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ اور آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ قابل اعتراض مضامین خارج کرنے کا اعلان کر دیں۔ آپ اور آپ کی حکومت نے اہنسا دھرم گاندھی جی کی سوانح عمری (تلاش حق) اور ان کی تعلیم کو خصوصیت کے ساتھ ہر قوم و ملت کے لڑکوں کے لئے لازم قرار دیا ہے"

یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اہنسا دھرم۔ گاندھی جی کی تعلیمات اور ان کی سوانح عمری جو زیادہ تر ان کے مخصوص مذہبی معتقدات و تخیلات اور تلاش حق کی سرگردانیوں کی آئینہ دار ہیں۔ ہندوؤں کے لئے دل آویز اور بصیرت افروز ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والی ہیں۔ اس لئے مسلمان اس قسم کی تعلیم و تربیت ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کے مذہبی اور قومی رواجات کی بیخ کنی اس اسکیم میں نمایاں ہیں۔ مسلمانوں میں بجائے اسلام ازم پھیلانے کے ہندو ازم پھیلانے کا تہیہ کیا جارہا ہے۔ امارت شرعیہ بہار آرگن نقیب ۱۸ جلد ۲ (عصر جدید کلکتہ ۴ ستمبر ۱۹۳۸ء)

# تمہید

(از جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے، سابق وزیر تعلیمات ریاست جوناگڑھ)

"اہل نظر" بقول مرزا غالب[1] قبلہ کو قبلہ نما کہتے ہیں"۔ لیکن اہل دل اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[2] کا جلوہ دیکھتے ہوئے جدھر حکم ہوتا ہے اوسی سمت سر تسلیم خم کرتے ہیں مشرق و مغرب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ مقصودِ اصلی رضائے مولیٰ ہے، اسی لیے اون کے قبلہ کو قبلہ نما کے بجائے رضا نما کہنا چاہیے۔ اور حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ[3] کی تعمیل سمجھنا چاہیے۔ اب آئیے اسی رضا نما کا ایک کرشمہ آج کل کے دور انقلاب میں دیکھیے۔

اودھ کے ضلع بارہ بنکی میں جہانگیر آباد ایک چھوٹا سا اسلامی راج ہے۔ جس کے فرمانروا عالی جناب راجہ سر محمد اعجاز رسول خاں صاحب کے، ٹی کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ام، ال، اے" ہیں۔ ممدوح جو بڑے بیدار مغز، مدبر، اور روشن دماغ ہیں۔ نہ صرف گورنمنٹ میں معزز و مقتدر ہیں، بلکہ برادرانِ ملت اور ابنائے وطن میں بھی محترم اور معتبر ہیں۔ اور آپ کے چشمۂ فیض سے یگانہ و بیگانہ سبھی سیراب ہو رہے ہیں۔

موصوف کو عمارات کا شوق ہے جو نہ صرف حظِ نفس ہے، خلق و ملت کی خدمت بھی ہے۔ لکھنؤ میں حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار کے متصل جو عالی شان مسجد ہے وہ آپ ہی کی احساسِ عملی کا ایک پائدار نقش ہے۔ دو سال کا

---

عہ غالب کا پورا مصرعہ یوں ہے "ہے قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں" ۱۲ وصل۔

عہ ترجمہ:۔ تم لوگ جس طرف بھی رخ کرو، اللہ کا رخ ہے۔ ۱۲۔

سہ ترجمہ:۔ تم لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو، اپنے چہروں کو اوسی طرف کیا کرو۔ ۱۲۔

## مسلمان کانگریسی اخبار مدینہ بجنور کا تبصرہ

اخبار مدینہ بجنور نے ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء میں بعنوان (گاندھی ازم اور مسلمان) لکھا ہے۔

اس خط کی نقل مولانا سجاد نے مولانا ابوالکلام کے پاس ارسال فرمائی ہے تاکہ وہ اپنی مخصوص ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ مبذول فرمائیں اور اپنے اثرات کو کام میں لاکر نصابِ تعلیم کی مذکورہ قابلِ اعتراض باتوں کے اخراج کے لیے کوشش عمل میں لائیں۔ ہمیں اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ ان دونوں معتقد اور محترم ہستیوں نے اس خط کا کیا جواب دیا۔ اور اب تک جواب دینے کی زحمت بھی گوارا فرمائی یا نہیں۔ الخ

نیز اسی اخبار نے گاندھی مذہب کے سب سے بڑے شارح اچاریہ کرپلانی کی تحریر جو کانگریس کی موجودہ حقیقت کے بیان سے متعلق ہے شائع کر کے اس پر تبصرہ لکھا ہے جس کے چند جملے سوال میں نقل کیے گئے ہیں وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

## مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمار ہند کا ایک مقالہ

مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علمار ہند نے اپنی نظامت کے زمانہ میں سائمن کمیشن کے سلسلہ میں ایک مقالہ شائع کرایا تھا جو ۴ر جنوری ۱۹۳۰ء کے عصر جدید کلکتہ میں شائع ہوا ہے اس کے چند جملے یہ ہیں:۔

۔ انگریز سے حقوق حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انگریز کی جگہ ہندو کو وہی حق دیدیئے جاویں جو اب انگریز کو حاصل ہیں۔

(پھر فرماتے ہیں) ایسے سوراج کو سلام ایسی آزادی کو ڈنڈوت جس کا انجام ہندو راج یا بنیوں کی غلامی ہو۔

(پھر فرماتے ہیں) ہندو بربریت اور غابیت نے مسلمانوں کی نظر میں آزادی کا مفہوم مشتبہ کر دیا ہے۔

(پھر فرمایا) اس کا (یعنی مسلمان کا) خیال ہے کہ جس کو آزادی کہا

عرصہ گزرتا ہے، جب ممدوح نے جہانگیر آباد میں ایک وسیع مسجد جامع کی بنیاد ڈالی،
سمتِ قبلہ ایک ماہرِ سائنس دکتور نے علوم جدیدہ کی روشنی میں نکالی اور کام شروع
ہو گیا، کئی ماہ میں جب بنیاد مستحکم ہو کر بھر گئی تو ممدوح کو عالم رؤیا میں دکھایا گیا کہ "جیسے
آپ جدید بنیاد پر کھڑے ہیں اور سامنے قلعہ کی مسجد ہے" (جس کا سنگِ بنیاد حضرت
مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا) اور کوئی کہہ
رہا ہے کہ یہ نئی مسجد کیوں بناتے ہو؟ جب آنکھ کھلی تو یہ تعبیر ذہن میں آئی، کہ شاید
سمتِ قبلہ میں جو جدت کی گئی ہے، وہ درست نہیں، اب علماء سے تحقیق شروع ہوئی
اور کام ملتوی کر دیا گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ، جو اس زمانے میں
ایک مشہور عالمِ باعمل اور مفتیٔ دین ہیں، اون کی خدمت میں مکرمی جناب وصلؔ صاحب
بلگرامی بھیجے گئے مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پہلے اسے علمائے اسلام سے جو علمِ ہیئت
سے بھی واقف ہوں رجوع کیا جائے تاکہ وہ بتائیں کہ سمتِ قبلہ میں انحرافِ قلیل واقع
ہے یا کثیر؟ اس کے بعد فتویٰ دیا جا سکے گا، تب جناب وصلؔ نے ڈاکٹر حکیم سید
عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) اور لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب
مولوی سید علی صاحب زینبی سے سمتِ قبلہ کے استخراج کے قواعد دریافت کر
کے ثبت کئے پھر سر راجہ صاحب نے ایک دن مقرر کر کے جملہ حضرات کو انجینیر
صاحب کی موجودگی میں جہانگیر آباد مدعو کیا اور صبح سے دوپہر تک اپنے سامنے دونوں
فریق سے سمتِ قبلہ کی جانچ کرائی۔ معلوم ہوا کہ علوم جدیدہ کے حساب سے جہانگیر آباد
کا سمتِ قبلہ مائل بجنوب نکالا گیا ہے۔ لیکن مولانا زینبی کے حساب سے مائل بشمال
نکلتا ہے اور چند درجوں کا فرق ہے۔ صورتِ موجودہ کو بشکل استفتاء لکھ کر جناب
وصلؔ نے دیوبند سے جواب مفصل حاصل کیا۔ پھر حضرت مولٰینا اشرف علی صاحب
مدظلہ کی خدمت میں مع چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے پیش کیا۔ حضرت مولانا
مدظلہ نے فیصلہ فرمایا کہ بحالت موجودہ سمتِ قبلہ میں قلیل انحراف واقع ہوا ہے۔ اس
لیے نماز تو جائز ہوگی، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ قدیم مساجد سے سمتِ قبلہ درست کر لی جائے

جاتا ہے وہ درحقیقت ہندوؤں کی غلامی ہے اور جس کا سوراج کہا جاتا ہے وہ سامراج ہے۔"

اس قسم کے بہت سے بیانات ہیں جو خود سرکار کانگریس کی طرف سے شائع ہوئے۔ مگر افسوس و حیرت ہے کہ کانگریسی ہندوؤں نے مسلمانوں کے اس اجتماعی مطالبہ واحتجاج کا ذرہ برابر اثر نہ لیا اور اپنی اسکیموں کا ایک شوشہ نہ بدلا پھر بھی یہ حضرات اسی طرح کانگریس میں شریک اور اس کی طرف مسلمانوں کو دعوت دینے اور اس کی حمایت کرنے میں سرگرم ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تحریر سے بتصریح حدیث عند اللہ بری نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث ترمذی ابوداؤد میں مذکور ہے۔

قال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم وآکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون الحدیث (مشکوٰۃ)

## شرکتِ کانگریس کے پہلے اور دوسرے دور کا موازنہ

| پہلا دور | دوسرا دور |
|---|---|
| (۱) جنگ آزادی کے علمبردار اور تحریک برتقابو یافتہ مسلمان تھے ہندو ساتھ لگ گئے تھے۔ | (۱) جنگ آزادی کے علمبردار اور تحریک پر پورے قابو یافتہ ہندو ہیں مسلمان ساتھ لگ گئے۔ |

[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع فرمایا۔ وہ باز نہ آئے پھر علماء ان کی مجالس میں اور کھانے پینے وغیرہ میں شریک رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کے قلوب ایک جیسے کر دیئے اور حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت بھیجی۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرنا ان کی عادت تھی ۱۲

سر راجہ صاحب نے جس وقت یہ فیصلہ پڑھا تو فرمایا کہ میں رخصتِ شرعیہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترکِ اولیٰ گوارا نہیں کر سکتا، خواہ اس میں مالی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔
اب انجینیر صاحب حیران ہوئے کہ یہ گہری مستحکم بنیاد جس میں کئی ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے اور گویا لوہے کی دیوار ہے، کیونکر کھودی جائے گی اور کس طرح پیوند لگا کر سمت درست ہوگی؟ اس مشکل کو سر راجہ صاحب نے یوں حل فرمایا کہ جس قدر اوپر تعمیر ہو چکی تھی وہ منہدم کرا کے بنیاد کے متصل، صحنِ مسجد کی جانب دوسری نئی بنیاد کھود دیے جانے کا حکم دیا۔ پھر جناب وصلؔ سے فرمایا کہ حضرت مولانا سے میری طرف سے عرض کریں کہ ایک لکھوری اینٹ دستِ مبارک سے مس کر کے بنیاد میں رکھنے کے لیے عطا فرما دیں جو بذریعہ پارسل روانہ کر دی جائے۔ چنانچہ مولانائے ممدوح نے بنیادِ کعبہ کی دعائے ابراہیمی اور آیاتِ مسجدِ قبا کو ایک اینٹ پر دم کر کے اور محترم بانیٔ مسجد کے حق میں دعائے خیر فرما کر روانہ کرنے کے لیے مع ایک صحیفۂ گرامی کے جناب وصلؔ کے حوالہ فرما دی۔ اور یہ پارسل مع گرامی صحیفۂ مذکورہ کے سر راجہ صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا، اب نئی بنیاد کھد رہی ہے اور کام شروع ہو گیا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ اس دورِ فتنہ میں جبکہ علومِ جدیدہ کی جدت آفرینیوں نے تشکیک اباحت اور بے راہ روی کے خیالاتِ فاسدہ پیدا کر دیے ہیں۔ اور وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔[۵] کی عملی تعلیم اور اتحادِ یک جہتی کو جو دینِ یسیر کا خاصہ ہے، لوگ بھول رہے ہیں آئندہ نسلوں کے لیے اسوۂ حسنہ کے طور پر ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ واقعہ کو حیطۂ تحریر میں لایا جائے اور تحقیق سمتِ قبلہ کے موضوع پر یہ رسالہ جس کو جناب وصلؔ نے مرتب کیا اور اپنا مقدمہ جس میں چند ضروری مکاتیب بھی شامل ہیں درج کیا جس کو سمت قبلہ کے نام سے موسوم کیا اور اس کا تاریخی نام قبلہ کے سمت کی پاکیزہ تحقیق ۱۳۶۰ھ

[۵] ترجمہ۔ اور ہر شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا رہا ہے، سو تم نیک کاموں میں تگا پو کرو، تم خواہ کہیں ہو گے، اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے۔ ۱۲۔

## پہلا دور

(۱) مسلمانوں کی اپنی تنظیم بذریعہ خلافت کمیٹی مکمل تھی اور جماعتی حیثیت سے اہل خلافت نے ہندوؤں سے صلح کی تھی۔

(۲) اس وقت مصالحت میں سب سے اہم چیز یہ تھی کہ محض ایک سیاسی مطالبہ (یعنی آزادی ہندوستان) میں اشتراک ہوگا۔ فریقین کے مذہبی امور میں سے کسی ادنیٰ امر کو ہاتھ نہ لگایا جاوے گا۔

(۳) شرکت کانگریس کی وجہ سے مسلمان کسی خلاف شرع کام میں شرکت پر مجبور نہ تھے بلکہ جو افعال خلاف شرع صادر ہوئے وہ افراد و اشخاص کے ذاتی اعمال تھے۔ جیسے قشقہ لگانا وغیرہ کانگریس کی قرارداد نہ تھی۔ اور جب ان کے خلاف شرع ہونے پر تنبیہ کی گئی تو مسلمان اس سے باز آگئے۔

## دوسرا دور

(۱) موجودہ کانگریس میں مسلمانوں کی مستقل قومیت ہی تسلیم نہیں اور نہ کوئی مطالبہ قومی اور مذہبی حیثیت سے کانگریس کے پلیٹ فارم پر سنا جا سکتا ہے۔ کانگریس میں داخلہ انفرادی طور سے اور وہ بھی بلاشرط ہو سکتا ہے۔

(۲) اب کانگریس مسلمانوں کے مذہبی تمدنی، معاشرتی سب امور میں نہ صرف یہ کہ دخل دینا چاہتی ہے بلکہ جبری طور سے شعائر اسلام کو مٹا کر ہندو رنگ چلانے کی سعی بہیم کر رہی ہے۔

(۳) اب خود کانگریس کے آئین اور جاری کردہ تجاویز میں ایسی چیزیں داخل ہیں جو نہ صرف معصیت بلکہ اصول شریعت اور شعائر اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔ جیسے جھنڈے کی سلامی، مشرکانہ ترانہ اور ہندوانہ تعلیم وغیرہ کی اسکیمیں۔ اور مسلمانوں کو بوجہ اقلیت آئینی طور پر یہ اختیار ہرگز نہیں کہ اس میں تبدیلی کرا سکیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہو گیا کہ کانگریس کے ساتھ اشتراک کا پہلا دور جو حضرت شیخ الہندؒ کے عہد میں معاذہ ہندوؤں کے ساتھ ایک قسم کی مصالحت یا استعانت کی جائز صورت تھی اسی طرح یہ بھی روشن ہو گیا کہ اس کے دوسرے

یعنی الملقب بلقب تاریخی "سمت قبلہ کے لاجواب شرعی احکام" رکھا، شائع کیا جائے۔
۱۳۶۰ھ
اللہ تعالیٰ اس عمالۂ نافعہ کو قبول فرمائے اور سر راجہ صاحب دام اقبالہ اور جن جن حضرات نے اس میں سعی فرمائی ہے، اون سب کو اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین یا الٰہ العالمین بحرمت سید المرسلین و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نواب علی

لکھنؤ۔ یکم جون ۱۹۴۱ء

دور میں یہ اشتراک محض مغلوبیت اور متابعت ہوگئی۔ اور وہ بھی ایسے امور میں جو شعائرِ اسلام کو ہدم کرنے والے ہیں جن کو وہ حضرات بھی مذکورہ بالا بیانات میں تسلیم کر رہے ہیں جو کانگریس کی شرکت کو نہ صرف جائز فرماتے ہیں۔ واجب تک کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اور بڑی تلبیس یہ کی جاتی ہے کہ اس طرزِ عمل کو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالاں کہ سابقہ تصریحات سے معلوم ہو چکا کہ اس موجودہ طرزِ عمل کو حضرت ممدوح کے طرزِ عمل سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔ بلکہ دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔

کفار کے ساتھ اتفاق کی تین قسمیں جو اوپر مفصل ذکر کی گئی ہیں ان میں معلوم ہو چکا ہے کہ جب غلبہ اسلام کا نہ ہو تو کفار سے استعانت بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ بلاشرط انفرادی طور پر کفار کی جماعت میں شامل ہو جانا اور پھر شعائرِ کفر کے اظہار اور شعائرِ اسلام کے مٹانے والی تجاویز نافذ کرنے کے باوجود اس میں شامل رہنا جو تیسری قسم کی بھی بدترین فرد ہے۔

**خلاصہ** خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی شرکتِ کانگریس بلاشبہ ناجائز ہے بچند وجوہ۔

**اول**:۔ اس لئے کہ کانگریس میں ہندو غالب اور مسلمان مغلوب ہیں اور ایسی حالت میں اگر ہندو بالفرض رواداری سے بھی کام کریں اور اسلام کے خلاف تجاویز نافذ نہ کریں جب بھی حسب تصریحاتِ مذکورہ ان سے اشتراکِ عمل جائز نہیں

**دوسرے**:۔ اس لئے کہ صورتِ موجودہ میں مسلمانوں کو طوعاً یا کرہاً ہندوؤں کی متابعت کرنا پڑتی ہے۔

**تیسرے** اس لئے کہ ایسی متابعت و مشارکت حسب تصریح جمہور مفسرین و فقہاء و حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ موالاتِ کفار کی حد میں داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ خطبہ صدارت جلسہ جمعیت العلمائے دہلی کے حوالہ سے اوپر آ چکا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

# مقدمہ

از وصل بلگرامی

حضرت نبی آخر الزمان علیہ التحیۃ والثنا کے ظہور پُرنور کے بعد سے اسلام کی بنیاد پڑی، اسلام کے نام لیوا پیدا ہوئے۔ اور ایک زمانے تک خدا کے فضل سے روز افزون اور حیرت انگیز ترقی کرتے رہے، زمانہ سدّ راہ ہوا۔ دنیا نے اون کو قابو میں لانے کی کوشش کی۔ مگر وہ فدائیان اسلام دنیا اور زمانے کو نیچا دکھاتے ہوئے شاہراہِ اسلام پر برابر گامزن رہے اور اس طرح نہ معلوم کتنے منزلِ مقصود پر پہونچ گئے۔ اب جتنا زمانہ گزر رہا ہے، ہم دیکھتے ہیں مسلمانوں کے دلوں میں وہ اسلامی جوش، وہ خروش، وہ ولولہ نہیں ہے۔ دین کی طرف سے لاپروائی۔ احکامِ شرع کی طرف اعتنا نہیں، نہ دین کی دل میں سچی محبت، نہ علماء کی قدر، نہ بزرگانِ دین کا وقار باقی ہے۔ اس کا باعث موجودہ زمانے اور موجودہ روش کا اثر۔ موجودہ تعلیم اور موجودہ معاشرت میں انہماک ہے۔ خاص کر اصحابِ دول کی حالت زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ خدا ہر مسلمان کی حالت پر رحم فرمائے اور اعمالِ نیک کی توفیق عطا کرے۔

لیکن باوجود اس قدر نہایت تغیر و انقلاب کے اب بھی ایسی ہستیاں ہیں اور خدا کرے وہ قائم رہیں اور پختہ مسلمان ہو جائیں، جن میں باوجود تموّل کے دینی خدمات کا جذبہ موجود ہے، وہ دین کے نام پر اپنا مال، اپنی دولت لٹانے کو تیار ہیں، وہ اسلام پر اپنی جان تک فدا کرنے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

انھیں مغتنم ہستیوں میں عالی جناب راجہ سر محمد اعجاز رسول خاں صاحب بالقابہٗ وخطابہ دام اقبالہ واعزانہ کی ذاتِ والا صفات بھی ہے جو امورِ دینیہ اور نیک کاموں

# چند شبہات اور ان کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ حدیث میں آخر زمانہ کے متعلق خبر ہے کہ مسلمان رومی کفار سے صلح کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر کسی تیسری قوم کا مقابلہ کریں گے اور کامیاب ہوں گے۔ اس سے بلا شرط ہندوؤں کی ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت نکالی جاتی ہے۔

یہ حدیث ابوداؤد کتاب الفتن میں حضرت ذی مخبر رضہ سے مروی ہے لیکن اول تو اس حدیث میں صلح کی نوعیت اور شرائط صلح کا کوئی تذکرہ نہیں کہ اس میں حکم اسلام کا حسب شرط غالب ہوگا یا کیا صورت ہوگی کیونکہ الفاظ حدیث صرف یہ ہیں۔

ستصالحون الروم صلحا امنا۔ | تم رومیوں سے قابل اطمینان صلح کروگے۔

دوسرے یہ ایک خبر ہے جو زمانہ فتن میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہے اس میں یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ اس وقت کے مسلمان کریں وہ صورت صحیح اور قابل تقلید ہو بلکہ فتن کی احادیث میں تو عموماً وہ واقعات مذکور ہیں جو شرعاً مذموم ہیں مثلاً حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں جھوٹ اور جھوٹی شہادتوں کی کثرت ہوجائے گی راگ مزامیر عام ہوجائیں گے۔ اور اولاد والدین کی نافرمانی کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ تو جس طرح ان احادیث سے جھوٹ اور مزامیر اور والدین کی نافرمانی کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس اشتراک عمل کو علی الاطلاق کیسے جائز کہا جاسکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ دوسری احادیث صحیحہ میں اس کے لئے غلبہ اسلام و مسلمین کی شرط بھی مذکور ہو۔ اور حدیث کے آخر میں فتح کے بعد پھر باہمی قتل و قتال اور اس میں عصابہ مسلمین کی شہادت مذکور ہے اس سے آخری جہاد کا محمود ہونا معلوم ہوتا ہے جو نقض صلح کے بعد ہوگا لیکن اس سے پہلے کے واقعہ کے جواز پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ مسلمانوں کی جماعت ہوگی اور اپنے استقلال کو باقی رکھ کر رومیوں سے صلح

کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے کبھی دریغ نہیں فرماتے۔ آپ کی یہ خدمات نام و نمایش یا شہرت و نمود کے لیے نہیں ہوتیں، بلکہ صرف اللہ اور اس کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہیں، نہ معلوم کتنے اس طرح امداد پا رہے ہیں۔ جس کی کسی دوسرے کو خبر نہیں۔
ابھی تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے۔ آپ کو محسوس ہوا کہ خاص جہانگیر آباد میں ایک مسجد جامع کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنے اسلامی جذبات اور عالی ہمتی سے ارادہ کر لیا کہ وہاں کے لحاظ سے ایک وسیع مسجد بنائی جائے۔ اس کا نقشہ باقاعدہ بنوایا۔ علوم جدیدہ کے ذریعے سے سمتِ قبلہ کی تحقیقات ہوئی (جس کا مفصل تذکرہ تمہید رسالۂ ہذا میں موجود ہے)، اور اسی کے مطابق نئی مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی۔ جب مسجد کی بنیادیں بھر گئیں اور ان پر عمارت بننا شروع ہو گئی، اس وقت سننے میں آیا کہ جس رُخ پر مسجد بن رہی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس بنا پر جناب سر راجہ صاحب بہادر نے رنج کے طور پر بہت کچھ تحقیقات فرمائی اور جب کامل اطمینان نہ ہوا تو حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کی طرف رجوع کیا اور حسبِ ذیل تحریر میرے پاس تھانہ بھون روانہ فرمائی:۔

> مکرمی و مشفقی صاحب زاد عنایتکم! تسلیم ......... میں جہانگیر آباد میں ایک مسجد بنوا رہا ہوں۔ جس کے رخ کے متعلق کچھ اختلاف رائے ہے۔ میری خواہش ہے کہ جناب مولانا حضرت مولوی اشرف علی صاحب سے بھی مشورہ حاصل کروں، لہٰذا اگر آپ ایک روز کے لیے جہانگیر آباد چلے آویں تو میں آپ کو سمجھا دوں، اور آپ کے ہمراہ اوور سیئر کر دوں تاکہ جو کچھ حضرت قبلہ ارشاد فرماویں آپ اس کو سمجھا دیجیے، دوبارہ آپ کو آنے کی زحمت نہ ہوگی ......... تاریخ اور وقت سے اطلاع دیجیے تاکہ اسٹیشن جہانگیر آباد پر سواری بھیجی جاوے۔ جناب مولانا صاحب قبلہ کی خدمت میں بصد تعظیم میرا سلام عرض کر دیجیے گا۔ فقط۔
>
> نیازمند ......... (راجہ سر) اعجاز رسول (باقلم خود)

کرے گی۔ اس سے کفار کی جماعت میں انفرادی طور سے بلا شرط داخلہ وادغام کے جواز کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

(۲) بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ کے بعض قبائل یہود سے اس پر صلح کی دونوں قومیں متفق ہو کر دوسری اقوام کا مقابلہ کریں گی۔ اس سے موجودہ حالت میں ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کا جواز بڑے شد ومد سے ثابت کیا جاتا ہے۔

## ہجرتِ مدینہ کے بعد قبائلِ یہود سے صلح کے شرائط

مگر افسوس ہے کہ اس واقعہ کی نقل اور اس سے استدلال میں کھلی ہوئی خیانت سے کام لیا گیا ہے کہ جس کتاب اور جس جگہ سے یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے اسی جگہ اسی کتاب میں وہ شرائط بھی مذکور ہیں جن کی بنا پر یہ اشتراک و مصالحت جائز رکھی گئی۔ وہ یہ کہ وہاں قوت وغلبہ مسلمانوں کا تھا۔ یہ قبائل یہود تابع ہو کر ساتھ ہوئے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قوموں مسلم وغیر مسلم کے حکم مسلمہ فریقین تھے کہ کوئی اختلاف باہم پیش آوے تو فریقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننا پڑے گا۔

## صلح نامہ

یہ پورا واقعہ اور معاہدہ جو اس سلسلہ میں لکھا گیا ہے، سیرت ابن ہشام میں بالفاظ ذیل منقول ہے۔

| | |
|---|---|
| هذا كتاب من محمد النبي صلى الله عليه وسلم بين المؤمنين والمسلمين من قريش ويثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم انهم امة واحدة من دون الناس (الى ان قال) وان المؤمنين | یہ معاہدہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے درمیان مومنین ومسلمین کے قریش اور اہل یثرب اور ان لوگوں کے جو ان کے تابع اور ان کے ساتھ ملحق ہوں اور ان کے ساتھ جہاد کریں یہ کہ وہ ایک جماعت ہیں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں (الی قولہ) اور یہ کہ مسلمان آپس میں |

حال معلوم ہونے پر لکھنؤ سے میں نے جناب راجہ صاحب بہادر سے ملنے سے قبل حضرت اقدس مدظلہم العالی کی خدمت گرامی میں ایک درخواست بھیجی، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"جناب سر راجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد حضرت اقدس مدظلہم العالی سے ایک شرعی مسئلہ میں کچھ امداد لینا چاہتے ہیں۔ اور مجھے ارقام فرمایا ہے ہیں کہ میں ممدوح سے مل کر اون کے اوورسیئر کو ساتھ لے جاؤں اور حضرت اقدس سے اس کا جواب لے کر اوورسیئر صاحب کو سمجھا دوں۔ چنانچہ میرا ارادہ جہانگیر آباد جانے کا ہے، لیکن اب حضور سے اس کی اجازت درکار ہے کہ میں سر راجہ صاحب بہادر کے منشاء کے مطابق اون کے اوورسیئر کو ساتھ لے کر وہاں حاضر ہوں اور حضرت اقدس کے حضور میں ممدوح کا استفتاء پیش کروں۔ اور جو حضور ارشاد فرمائیں، وہ اوورسیئر صاحب کو سمجھا دوں۔

یہی میں جناب سر راجہ صاحب بہادر سے کل کی ملاقات میں عرض کر دوں گا کہ میں نے اجازت طلب کی ہے۔ اجازت کے بعد جو جناب ارشاد فرمائیں گے، تعمیل کروں گا۔ جناب سر راجہ صاحب بہادر کا منشاء زبانی سمجھنے سمجھانے کا ہے۔ اب جو حکم ہو تعمیل کی جائے۔ جناب سر راجہ صاحب بہادر کے نامۂ نامی کی نقل ارسال خدمت اقدس ہے (جو یہاں اس عریضہ سے پہلے درج ہو چکی ہے)"

۱۲ اپریل ۱۹۴۱ء۔ ۹ قیصر باغ لکھنؤ۔

حضرتِ اقدس مدظلہم العالی نے حسبِ ذیل جواب ارقام فرمایا:۔

"یہ مسئلہ سمت قبلہ کا ہیئت کا ہے۔ میں ہیئت کا ماہر نہیں۔ میرے خیال میں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے ذریعہ سے کسی ماہر ہیئت سے تحقیق فرمانا مناسب ہے۔ پھر اون کی تحقیق سے مجھ کو اطلاع دی جائے۔ میں روایاتِ فقہیہ سے

بعضهم موالی بعض دون الناس
وانه من تبعنا من الیهود فان له
النصر والاسوة غیر مظلومین
ولا متناصرین علیهم (ثم قال)
وانه ما کان بین اهل هذه
الصحیفة من حدث او اشتجار
فساده فان مرده الی الله عزوجل
والی محمد رسول الله صلی الله
علیه وسلم۔

ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں بمقابلہ غیروں کے اور یہ کہ جو لوگ یہود میں سے ہمارے تابع ہو جاویں تو ان کی امداد کی جاویگی نہ ان پر ظلم کیا جائے گا۔ نہ ان کے مقابل کی امداد کی جاوے گی (پھر لکھا) اور جو اس عہد نامہ والوں کے درمیان کوئی اختلاف جھگڑا پیش آجاوے تو اس کا رجوع فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگا۔

اس صحیفہ گرامی کے خط کشیدہ جملوں کو غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ دو جگہ اس کی تصریح ہے کہ اصل قوت و غلبہ مسلمانوں کا تھا خواہ تعداد میں زیادہ ہو جیسا کہ قبائل اوس و خزرج کے داخل اسلام ہو جانے سے ظاہر ہے یا تعداد کم ہی ہو۔ کیوں کہ اس زمانہ میں غلبہ کا مدار اکثریت تعداد پر نہ تھا ہر حال یہود محض تابع ہو کر ساتھ لگ گئے تھے اور تابع بھی ایسے کہ ہر اختلافی معاملہ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے پر مجبور تھے۔

کیا کانگریسی ہندو اب اسی طرح تابع ہو کر مسلمانوں کے پیچھے چلنے والے ہیں یا وہ مسلمانوں کے کسی بڑے سے بڑے کو اپنا حکم تسلیم کر سکتے ہیں یا اس کے برعکس کانگریسی مسلمان ان کے تابع ہیں اور ان کے سرگروہ گاندھی کو طوعاً یا کرہاً حکم بنا رکھا ہے۔ پھر اس واقعہ کو ناتمام نقل کر کے اس کو کانگریس میں مدغم ہو جانے کی دلیل بنانا اور لفظ اُمّۃ واحدۃ سے جو حسب تصریح لسان العرب اس جگہ توسعاً و مجازاً استعمال ہوا ہے۔ کانگریس کی مجوزہ متحدہ قومیت پر استدلال کرنا کس قدر ظلم عظیم ہے۔

---

منطبق کر کے جواب عرض کروں گا۔

(۱۸ اپریل ۱۹۳۱ء)

اسی کے ساتھ ایک اور تحریر منسلک فرمادی، جس کی نقل ذیل میں درج ہے :-

تحقیق اجمالی سمتِ قبلہ۔

"چونکہ اہل ہند کا قبلہ مغرب میں ہے، اس لیے استقبالِ قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ سے گزرتا ہوا جنوب وشمال میں ختم ہو جائے اور نمازی کی وسط جبہہ سے ایک خط مغرب کی طرف نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جائیں" قبلۂ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویۂ حادہ ومنفرجہ پیدا کرے لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر طرفین جبہہ کے کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویۂ قائمہ پیدا کرے۔ وہ انحرافِ قلیل ہے۔ اس سے نماز صحیح ہو جاوے گی۔ اور اگر جبہہ کے کسی طرف سے بھی زاویۂ قائمہ پیدا نہ ہو، وہ انحرافِ کثیر ہے۔ اوس سے نماز نہ ہوگی"

اور اس قاعدۂ مذکورہ کی تطبیق میں اگر کچھ تکلف ہو تو سہل طریق اس کی معرفت کا یہ ہے کہ :-

"موسم گرما کے سب سے بڑے دن میں (یعنی ۲۲ جون کو) اور اسی طرح موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن میں (یعنی ۲۲ دسمبر کو) غروب شمس کا موقع دیکھا جاوے۔ قبلہ ان دونوں موقع کے درمیان میں ہوگا۔ یعنی ان دونوں موقع کے درمیان درمیان جس نقطہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی، صحیح ہو جاوے گی۔"

| | |
|---|---|
| کما فی رسالۃ بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب تحت الامر الخامس | جیسے رسالہ بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب میں خاتمہ کے امر پنجم کے ماتحت تنقیح طلب امور میں |

**حضرت گنگوہیؒ کے فتوے کی حقیقت** | حامیانِ کانگریس اپنے استدلال میں ایک فتویٰ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا شرکت کانگریس کے جواز پر پیش کرتے ہیں لیکن ان کے دعوے کی تردید کے لئے خود یہی فتویٰ کافی ہے: اس کے سوال وجواب کو پورا پورا پڑھنے کے بعد ہر سمجھ دار انسان اس سے موجودہ وقت کی کانگریس کے ساتھ موجودہ طرز کے اشتراک عمل کو ناجائز قرار دینے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔

**سوال وجواب کی بعینہٖ نقل** | اس لئے ہم وہ سوال وجواب بعینہٖ نقل کرتے ہیں تاکہ اہل بصیرت خود فیصلہ کرلیں: کہ اس فتوے سے موجودہ دور کی کانگریس میں یہ بلاشرط انفرادی داخلہ اور اس میں بیسیوں چیزیں مسلم مفاد اور اسلامی اصول کے خلاف رائج ہونے کے باوجود اس میں داخل رہنا جائز ثابت ہوتا ہے یا ناجائز (منقول از نصرۃ الابرار صہ۱۳)

## سوال سوم

ایک جماعت قومی مسمّی بہ نیشنل کانگریس جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائی ہند کے واسطے رفع تکالیف وجلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی اور ان کا اصل اصول یہ ہے کہ انہیں امور میں ہو جو کل جماعتہائے ہند پر موثر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کی جاوے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلاف شعار ہو۔ تو ایسی جماعت میں شرکت درست ہے یا نہیں۔

**سوال چہارم** | سید احمد خان نیچری نے جو ایک جماعت ایسوسی ایشن قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ ۸ اگست ۱۸۸۸ء یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ جو کانگریس کے برخلاف ہیں شامل ہیں۔ ہر شخص جو داخل ہو پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام علیگڈہ یا بنارس میں راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے وغیرہ وغیرہ

من الخاتمة فی الامور المنقحة صفحہ
۱۴۳- بعد بحث طویل- مانصہ فان
الفساد بالخروج من جھة الربع
متعین بالاتفاق اما قول الفقہاء
الکرام ان ما بین المغربین قبلة
ای ان الکعبة واقعة بین مغرب
اقصی عہ (یعنی اطول) یوم الصیف
وھو اول یوم السرطان وبین مغرب
اقصی یوم الشتاء وھو اول الجدی
جمیع ما بینھما قبلة سمرقند و
بخارا و ترمذ و نسف و مرو و
سرخس وما والاھا وجمیع بلاد
الھند مع رحبھا وتوابع ذلک ذکرہ فی
التجنیس والملتقط وامالی الفتاوی و
البنایة شرح الھدایة من قول ابی
منصور الماتریدی- انتھی-

صفحہ ۱۴۳ پر ایک طویل بحث کے بعد ہے۔ اس
کے لفظ یہ ہیں کہ فساد نماز ربع دائرہ کی جہت
سے نکل جانے سے ہے، بالاتفاق اور
فقہائے کرام کا قول ہے کہ دونوں مغربوں
کے درمیان قبلہ ہے۔ یعنی کعبہ مکرمہ گرمی کے
سب سے بڑے دن یوم السرطان کے
مقام غروب اور سردیوں کے سب سے
چھوٹے دن اول جدی کے مقام غروب کے
درمیان واقع ہے۔ ان دونوں کے درمیان
کا سب حصہ سمرقند و بخارا اور ترمذ و نسف
و مرو و سرخس اور ان کے قرب و جوار اور
ہندوستان کے وسیع ممالک کا قبلہ ہے
مختار کے اس قول کو تجنیس، ملتقط، امالی
الفتاویٰ اور عینی شرح ہدایہ میں ابو منصور ماتریدی
کے قول سے نقل کیا ہے۔

فقط

کتبہ: اشرف علی عفی عنہ- من نصف ربیع الاول ۱۳۶۱ھ"

مرقومۂ بالا قدسی صحیفہ اور اس تحریر کو لے کر میں جناب سر راجہ صاحب بہادر کی خدمت
میں جہانگیر آباد پیلس لکھنؤ میں حاضر ہوا۔ اس وقت جناب انجینیر صاحب بھی تشریف

---

عہ یہاں نسخہ مطبوعہ میں غلطی سے اقصر لکھا گیا مگر اول آخر خود غنیہ کے صفحہ ۱۲۵ پر اقصی کا لفظ موجود ہے دوسرے بحر وشامی
نے جو ابو منصور کا قول نقل کیا ہے اس میں اطول موجود ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ یوم سرطان اطول ہی ہوتا ہے ۱۲ منہ۔ اس
کے بعد خود مصنف بغیۃ الاریب سے اس کی تحقیق کی گئی۔ اون کا جو جواب آیا ہے اوس میں تصریح ہے کہ اصل میں
اقصر تحریف ہے اقصی کی جو یقیناً طباعت کی ہے ۱۲ منہ۔

اور اس کی مدد کے واسطے جا بجا ایسی لیٹنین انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہیں جو شخص ان کی ساتھ اتفاق کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ طرح طرح کا فساد اور فتنہ برپا کرکے اس کو جبراً ملانا چاہتے ہیں۔ آیا ایسی جماعت میں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور نیچری لوگ بدخواہِ اسلام ہیں یا نہیں؟

## جوابؔ از حضرت گنگوہی قدس سرہٗ

اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع و شراء و تجارت میں کر لیویں اس طرح کہ کوئی نقصان دین میں یا خلاف شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے جائز ہے اور مباح ہے۔ مگر سید احمد سے تعلق رکھنا نہیں چاہئے اگرچہ وہ خیرخواہی قوم کا نام لیتا ہے یا واقع میں خیرخواہ ہو مگر اس کی شرکت مآل کار اسلام و مسلمانوں کو سم قاتل ہے ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا پس اس کے شریک مت ہونا اور ہنود سے شرکتِ معاملہ کر لینا۔ اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلافِ شرع امر لازم آتا ہو یا مسلمانوں کی ذلت و اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو وہ کام بھی حرام ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اسی طرح پہ ہے اور بس۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اس سوال و جواب کے خط کشیدہ الفاظ کو مکرر پڑھ کر مندرجہ ذیل امور پہ نظر ڈالئے:۔

(۱) یہ فتویٰ ۱۳۰۶ھ ہجری کا شائع شدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں جس کانگریس کی شرکت کا سوال ہے وہ اب سے تقریباً اسّی برس پہلے کی کانگریس ہے جبکہ اس کی بنیاد کسی انگریز کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی اور اپنے بالکل ابتدائی حالات میں تھی۔

---

ف اس سوال پر رسالہ نصرۃ الابرار میں اور بھی علماء کے جوابات لکھے ہوئے ہیں جو تقریباً حضرت گنگوہی کے جواب کے جواب کے قریب قریب ہی ہیں یہاں حضرت گنگوہی کے جواب پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ استدلال اسی سے کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

رکھتے تھے اور جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم-اے سابق وزیر تعلیمات ریاست جونا گڑھ و حال متوسل جناب سر راجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد (جن کی تمہید رسالۂ ہذا کے اس مقدمہ سے پہلے ناظرین نے ملاحظہ کی ہوگی) بھی موجود تھے - تحریر اقدس سنائی، آخر متفقہ رائے یہ ہوئی کہ جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے ذریعے سے کسی عالم ماہر ہیئت سے اس کی عقدہ کشائی کی جائے، اتفاق سے جناب مولوی عبدالباری صاحب ندوی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) لکھنؤ میں موجود تھے، میں اور جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب دونوں جناب مولوی عبدالباری صاحب کی کوٹھی پر گئے، اون سے یہ سب واقعات بیان کیے اور سب ہم رائے ہو کر جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے پاس آئے اور مفصل تذکرہ کیا - جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جناب مولوی سید علی زینبی صاحب جو لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں، اون سے بہتر یہاں علماء میں عملی طور سے ہیئت کا کوئی اور ماہر شاید نہیں ہے، لہٰذا اون سے اس کام کے لیے کہنا چاہیے - چنانچہ میں اور جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب دونوں جناب مولوی سید علی زینبی صاحب سے جا کر ملے اور حالات بیان کیے، انھوں نے باوجود عدیم الفرصتی کے وعدہ فرمایا کہ فلاں دن میں جہانگیر آباد چل کر جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا، خدمت بجا لاؤں گا، جناب سر راجہ صاحب بہادر کو اس کی اطلاع کر دی گئی - ممدوح نے تین موٹر بھیج دیے، ایک پر جناب انجینیر صاحب مع ضروری اسٹاف اور ضروری سامان اور باقی دو موٹروں پر جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب، جناب پروفیسر مولوی عبدالباری صاحب، جناب مولوی مسعود علی صاحب ندوی، جناب حکیم ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی صاحب، جناب مولوی مصطفیٰ حسین صاحب علوی کاکوروی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی تھے - اور ان سب حضرات کے ہمراہ میں - وہاں پہونچنے پر جناب سر راجہ صاحب بہادر کی طرف سے جس قدر تواضع، خاطر مدارات اور مہمان نوازی کی گئی وہ ممدوح کی شان کے شایان تھی - ناشتے اور چائے کے بعد سب لوگ موقعِ مسجد مذکورہ پر گئے - جناب مولوی

(۲) اس وقت کی کانگریس کے اغراض و مقاصد اس سے زائد نہ تھے کہ باشندگان ملک کی تکلیف کے ازالہ یا کسی خاص فائدہ کی تحصیل کے لئے حکومت کے سامنے کوئی درخواست پیش کی جائے۔ جیسے آج کل کسی محلہ میں بسنے والے ہندو مسلمان مل کر میونسپل بورڈ میں محلہ کی روشنی یا صفائی وغیرہ کے لئے کوئی مشترک درخواست دیں۔ نہ کسی حکومت کا مقابلہ تھا نہ کسی نئے نظامِ حکومت کی تشکیل و تجویز زیر بحث تھی نہ اقلیت و اکثریت کی جنگ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی درخواستوں میں مسلمان اور ہندو کا اجتماع ایک نوع مُصالحت و معاملہ کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔

(۳) اس وقت کی کانگریس کے اصول مقررہ میں سے تھا کہ کانگریس کسی ایسے امر میں بحث بھی نہ کرے گی جو کسی مذہب و ملت کو مضر ہو۔

(۴) اس وقت کی کانگریس کا یہ بھی اصول تھا کہ کسی ایسے امر میں بھی بحث نہ کرے گی جو خلافِ سرکار ہو۔

(۵) حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے اس کانگریس کی شرکت کا سوال کیا گیا جس کی کیفیات و حالات اوپر معلوم ہوئے۔

(۶) ایسی جماعت کے ساتھ بھی حضرت موصوف نے صرف شرکت معاملہ کی اجازت دی جیسے بیع و شراء وغیرہ کی شرکت ہو نہ یہ کہ دونوں قوموں کے اتحاد و اشتراک سے کسی متحدہ قومیت کی بنیاد ڈالی جاوے اور یہ شرکت معاملہ کی اجازت بھی شرائط ذیل کے ساتھ دی۔ (الف) اس شرکت و معاملہ سے کوئی امر خلاف شرع لازم نہ آوے۔ (ب) اس میں مسلمانوں کی کوئی ذلت و اہانت نہ ہو۔ (ج) اس شرکت سے ہنود کو تقویت و ترقی نہ ہو۔ اور اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس شرکت معاملہ کو بھی صراحۃً حرام قرار دیا ہے۔

اب اہل نظر سے یہ سوال ہے کہ (۱) کیا کانگریس اب بھی وہی ساٹھ برس پہلے کی کانگریس ہے اور اس کے وہی اغراض و مقاصد ہیں یا وہ اپنے موجودہ آئین کی رو سے حکومتِ وقت کے خلاف حصول آزادی کی آئینی جنگ کی علمبردار اور نئی

سیدعلی زینبی صاحب نے جناب انجینیر صاحب کی امداد سے پیمائش کی، حساب لگائے اور ہر طرح سے جانچا اور فرمایا کہ میں اپنا حساب لگا لایا ہوں۔ اور اس وقت موقع پر جانچنے کے بعد بھی میں اپنے حساب کو صحیح پاتا ہوں۔ میرے حساب سے جہانگیر آباد کا سمت قبلہ قطب سے جانب مغرب ۳۲ دقیقہ ـ ۸۹ درجہ ہے۔

جناب مولوی سید علی زینبی صاحب نے جن کتابوں سے مدد لی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) THE WHERE IS IT REFERENCE INDEX PART 2ND.
PREPARED BY THE,
SURVEY OF INDIA,
PUBLISHED BY,
BRIGADIER E.A. TANOY R.E
SURVEYOR GENERAL OF INDIA
1928.

جس کے صفحہ ۲ میں بارہ بنکی کا عرض بلد ۹ دقیقہ ـــــ ۲۶ درجہ
اور طول بلد ۱ ـــــ ۸۱ درج ہے۔
اور صفحہ ۲۷ میں جہانگیر آباد کا عرض بلد : ـــــ ۲۷
اور طول بلد ۲ ـــــ ۸۱ درج ہے۔

(۲) THE OXFORD INDIAN SCHOOL ATLAS,
BY,
JHON BARTHOLOMAW

میں مکہ معظمہ کا عرض بلد ۳۰ دقیقہ ـــــ ۲۱ درجہ
اور طول بلد ۴۰ ـــــ ۱۴ درج ہے۔

انھیں عرض البلد اور طول البلد کو کام میں لاکر جناب مولانا زینبی صاحب نے

حکومت اور نئے نظام کا مطالبہ کرتی ہے جس کیلئے وہ ہندو مسلم کی ایک مشترک حکومت کے ایسے قوانین بنا رہی ہے جسمیں مسلم قوم اپنی اقلیت کی بنا پر ہمیشہ کیلئے ہندوؤں کی غلام بنی رہے۔

(۲) اور کیا اب بھی کانگریس کا یہی طرز عمل ہے کہ وہ کسی ایسے امر سے بحث نہ کرے جو کسی مذہب وملت کو مضر ہو۔ اور اگر ایسا ہے تو کیا واردھا کی تعلیمی اسکیم اور دیہات سدھار اسکیم اور ودیا مندر اسکیم اور بندے ماترم کے مشرکانہ ترانے اور جھنڈے کی مشرکانہ سلامی میں مسلمانوں کی شرکت مذہب اسلام اور مسلم قوم کے لئے مضر نہیں جن کی کانگریس میں صرف بحث نہیں بلکہ تجویز پاس ہو کر نافذ ہو چکی ہے اور باوجود تمام مسلمان جماعتوں کے احتجاج کے ان کا ایک شوشہ بھی وہ بدلنے کے لئے تیار نہیں۔

(۳) اور کیا اب بھی کانگریس وہی لوڈیوں کی جماعت ہے جو خلاف سرکار کسی امر میں بحث کرنے کے لئے بھی طیار نہیں۔

اگر آج کانگریس کے یہ حالات نہیں رہے جیسا کہ ہر آنکھوں والے پر روشن ہے تو پھر جو فتویٰ مذکورہ بالا حالات میں ایک جماعت کی شرکت معاملہ کے جواز کا دیا گیا تھا اس کو آج کی مسلم کش، اسلام کی دشمن کانگریس پر منطبق کرنا کیا خیانت نہیں؟

احقر نے اسی تحریر میں جہاں ہندو مسلم وفاق کی تین صورتیں جائز و ناجائز رکھ کر یہ سوال کیا ہے کہ کانگریس کی شرکت ان میں سے کس صورت میں داخل ہے وہیں واضح کر دیا ہے کہ کانگریس کی ساتھ اشتراکِ عمل کو علی الاطلاق نہ کسی نے پہلے ناجائز کہا ہے نہ اب کوئی کہتا ہے بلکہ اس کے حکم میں تفصیل ہے بدرجۂ مصالحت ومعاملہ جس کو حضرت گنگوہی رہ کے فتوے میں شرکتِ معاملہ سے تعبیر کیا گیا ہے بشرائط مذکورہ جائز ہے۔ ناجائز صورت وہ ہے جو اس وقت رائج ہے کہ کانگریس ایک مشترک حکومت مسلم وغیر مسلم کی بنانا چاہتی ہے۔ جس میں حکم اور فیصلہ کی قوت صرف اکثریت کے ہاتھ میں ہے اور اقلیت کو اس کا تابع رہنا ناگزیر ہے۔ پھر اس میں ہندوؤں نے اپنی اسی اکثریت کی بنا پر حصول حکومت سے پہلے ہی ایسے قوانین وقوعدنافذ کرنا شروع کر دیئے جو بقول مولانا سید صاحب رحمۃ اللہ کی میادروں کو کفر لقلا کرنے والے ہیں اور درحقیقت بدم

جہانگیر آباد کا سمتِ قبلہ قطب سے جانب مغرب ۲ دقیقہ ۸۹ درجہ نکلا۔

نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ جناب مولانا زینبی صاحب کے نکالے ہوئے سمت قبلہ میں اختلاف ہے۔ علاوہ اس کے جناب انجینیر صاحب مائل بجنوب بتلاتے ہیں۔ اور جناب مولانا زینبی صاحب مائل بشمال، ان حسابات سے جناب سر راجہ صاحب بہادر کی کسی طرح تسکین نہیں ہوئی بلکہ اس اختلاف سے اور بھی بے اطمینانی پیدا ہوگئی کیونکہ اب بھی اس امر کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ کس حساب کو صحیح اور قطعی مان لیا جائے اور جب ممدوح کو اپنے اس خواب کا (جس کو جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب نے اپنی تمہید میں نقل فرمایا ہے) خیال آیا تو اور بھی اضطراب پیدا ہوا۔ ان سب حالات پر نظر فرما کر مجھ سے فرمایا کہ میں حضرت اقدس مدظلہم العالی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور کل حالات کو بیان کر کے جو وہاں سے ارشاد ہو لکھوا کر لے آؤں۔ چنانچہ میں تھانہ بھون حاضر ہوا اور مفصل حالات عرض کیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس طرف علماء کی جماعت میں اگر کوئی صاحب ماہر ہیئت ہوں، اُن سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ چنانچہ میں حضرت اقدس مدظلہم العالی کا مکتوب گرامی لے کر مخدومی جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب دام مجدہم مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موصوف نے فرمایا کہ میں ہیئت جانتا تو ہوں اور پڑھاتا بھی ہوں۔ مگر عملی طریق سے واقف نہیں اور جناب مولوی اسعد اللہ صاحب نے بھی یہی فرمایا اور یہ رائے دی کہ میں محترمی جناب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مشکل کو حل کراؤں۔ اس رائے کے بعد میں دیوبند گیا اور جناب مفتی صاحب سے کل واقعات بیان کیے۔ جناب موصوف نے فرمایا کہ ہیئت کی طرف زیادہ پڑھنا اور حسابات ریاضیہ میں زیادہ کاوش کرنا نہایت غیر ضروری امر ہے۔ میں اس مسئلہ میں فقہائے سلف کے اقوال لکھے دیتا ہوں۔ یہ حضرت اقدس مدظلہم العالی کے حضور میں پیش کر دیے جائیں اور وہاں سے جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے۔ جناب مفتی صاحب نے میری ضرورت کو دیکھ کر مجھ سے ایک استفتاء لکھوایا اور ایک نہایت قیمتی

اسلام کی تمہید ہیں نعوذ باللہ منہ۔

الغرض ہر ذی عقل جانتا ہے کہ فتویٰ کا مدار حالات پر ہوتا ہے۔ حالات بدلنے سے فتویٰ بھی بدل جاتا ہے۔ آج جبکہ کانگریس سر سے پیر تک بدل چکی ہے وہ بجائے ایک درخواست کنندہ کے خود حاکم بننے لگی اور سراسر اسلام دشمنی پر اُتر آئی۔ اس وقت کی کانگریس کے لئے حضرت گنگوہی کا مذکورہ فتویٰ استدلال میں پیش کرنا انصاف اور دیانت کا خون کرنا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں خود اس فتوے میں جن شرائط کی تصریح کے ساتھ شرکت معاملہ کی اجازت دی ہے وہ شرائط اس وقت ایک ایک کرکے مفقود ہیں۔ مگر فتویٰ پھر بھی وہی باقی ہو عقل و دیانت سے کس قدر بعید ہے۔ فالی اللہ المشتکی و علیہ توکلت والیہ انیب۔

## دوسرے سوال کا جواب

### کانگریس اور مسلم لیگ کی شرعی حیثیت

کانگریس کے جو حالات اور احکام پہلے سوال کے جواب میں ابھی مذکور ہوئے ہیں ان سے واضح ہو چکا کہ اس میں ہندوؤں کا غلبہ بلکہ مکمل قبضہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق برباد ہو رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کا اس میں بلا شرط انفرادی داخلہ تحفظ حقوق کا کسی طرح ضامن نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ مسلمانوں کی کوئی منظم جماعت اس کے باطل منصوبوں کو پامال کرے اور بجز موجودہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے علاوہ کوئی ایسی منظم اور باقاعدہ جماعت نہیں ہے جس کو مسلمانوں کی اکثریت سے وہ قوت حاصل ہو جس کو حکومت وقت اور ہمسایہ قومیں تسلیم کر سکیں۔

اس لئے تحریک آزادی اور مذہبی و سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنا ناگزیر ہے۔ رہا یہ سوال کہ بسا اوقات مسلم لیگ کے ارکان بھی قانون ساز مجلسوں میں اسلامی احکام کی پرواہ نہیں کرتے سو کھلی بات ہے کہ

وقت اس دینی کام میں صرف فرما کر ممنونِ منت بنایا، نہ معلوم کتنی کتابیں منگائیں. کتنی دیکھیں. کتنوں کے حوالے درج فرمائے۔ اور نہایت قلیل وقت میں ایک اچھا خاصہ رسالہ تحریر فرما کر دستخط و مہر سے مزین کر کے مجھے عطا فرما دیا۔ میں اس کو لے کر حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور وہ فتویٰ پیش کیا حضرت اقدس نے اس کو لفظ بہ لفظ ملاحظہ فرمایا اور چند سطور اس کے آخر میں اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر اور بھی اس کو مستحکم فرما دیا۔ وہ سطور فتوے کے بعد منقول ہیں۔ اس کے بعد جو استفتاء جناب ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) نے اپنے قلم سے لکھ کر اپنے خط کے ساتھ حضرت اقدس مدظلہم العالی کے حضور میں پیش کرنے کے لیے دیا تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے جواب تحریر فرما کر مجھے عطا فرمایا۔ اس خط کی نقل مع استفتاء و جواب استفتاء ذیل میں درج ہے:۔

● ——نقل خط جناب مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بعالی خدمت حضرت حکیم امت مدظلہم العالی

مخدوم محترم متعنا اللہ بحیاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید ہے کہ جناب والا بخیریت و عافیت ہوں گے۔ میں نے سمتِ قبلہ مولانا سید علی صاحب سابق مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلوایا ہے۔ ندوۃ العلماء کا سمت قبلہ بھی موصوف ہی نے نکالا تھا فن ہیئت میں مہارت رکھتے ہیں۔ انجینیر صاحب نے جو سمت نکالا ہے۔ اس سے یہ بہت مختلف ہے۔ انجینیر صاحب سے میں نے پوچھا کہ یہ کس اصول سے نکالا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ولی محمد صاحب سے سمجھ کر مجھے بتائیں گے۔ مگر کئی روز گزر چکے ہیں وہ ابھی سمجھ کر مجھے بتانے نہیں آئے۔ استفتاء مرسل خدمت ہے جواب ارسال فرمائیے۔ مزاج والا کی کیفیت سے مطلع فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ جناب والا کو عرصۂ دراز تک بعافیت رکھے۔ آمین۔

خاکسار۔ عبد العلی ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء

اس کا تدارک عام طور پر مسلمانوں کے متوجہ ہونے اور زوردار طریقہ پر توجہ دلانے سے ہو سکتا ہے بخلاف کانگریس کے کہ اس کے آئین میں مسلمانوں کی کوئی مذہبی اور قومی حیثیت ہی تسلیم نہیں تو ان کے کسی مطالبہ کا کیا وزن ہو سکتا ہے اور بار بار اس کا مشاہدہ بھی ہو چکا ہے۔

## امور دنیویہ میں فساق کی اعانت و استعانت بالاتفاق جائز ہے

علاوہ ازیں ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ کفار کے مقابلہ میں فساق و فجار اور نام کے مسلمانوں کی بھی حمایت و اعانت میں کوئی مضائقہ نہیں اور جہاد وغیرہ امور دینیہ میں اُن سے استعانت اور ان کی اعانت بلا خلاف جائز ہے۔ شرح سیر کبیر میں ہے:-

ولا بأس بان يقاتل المسلمون من العدل مع الخوارج المشركين من اهل الحرب لانهم يقاتلون الآن لدفع فتنة الكفر واظهار الاسلام فهذا قتال على الوجه المامور به وهو اعلاء كلمة الله تعالى (شرح سیر ج ۳ ص ۲۱۱)

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اہل سنت والجماعت مسلمان خوارج کے ساتھ مل کر کفار اہلِ حرب کا مقابلہ کریں کیوں کہ خوارج اس وقت فتنۂ کفر کے دفع کرنے اور اسلام کے اعزاز کے لئے قتال کرتے ہیں اس لئے یہ قتال بطریق مامور بہ واقع ہوا ہے اور وہ طریق ہے اعلاء کلمۃ اللہ کا۔

## نیز شمس الائمہ سرخسی رح کے مبسوط میں ہے

وكذالك ان كان فى بلاد الخوارج الذين اغار عليهم اهل الحرب قوم من اهل العدل لم يسعهم الا ان يقاتلوا عن بيضة المسلمين وحريمهم لان الخوارج مسلمون حتى القتال

اسی طرح وہ خوارج جن کے شہروں پر کفار اہل حرب نے حملہ کیا ہو اگر ان شہروں میں کچھ اہلسنت مسلمان بھی بستے ہوں تو اس حملۂ کفار کی حالت میں ان مسلمانوں کے لئے چارہ نہیں کہ وہ جماعت مسلمین

# استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبۂ جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا سمتِ قبلہ ایک انجینیر صاحب نے نقطہ مغرب سے دس درجہ جانب جنوب قرار دیا ہے، ایک دوسرے عالمِ دین ماہر ہیئت نے سمت قبلہ نقطہ مغرب سے ۲۸ دقیقہ جانب شمال نکالا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جہاز رانی میں شہروں کی سمت بھی اسی قاعدے سے معلوم کی جاتی ہے۔ مسجد کا طول ۷۰ فیٹ ہے اور اس اختلاف کی بناء پر ۴ فیٹ ۹ انچ کا فرق نکلتا ہے۔ اس حالت میں جو حکم شرع شریف کا ہو۔ اس سے مطلع فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

# الجواب

علمائے امت و فقہائے ملت نے قاطبۃً بلا اختلاف تصریح فرمائی ہے کہ سمتِ قبلہ کا مدار آلاتِ رصدیہ و حساباتِ ریاضیہ پر نہیں بلکہ اس میں مساجد قدیمہ کا اتباع و توافق کافی ہے، جن کی بناء امارات و علامات عرفیہ پر ہے۔ اگرچہ قواعد ہیئت کی رُو سے اس میں سمتِ حقیقی سے کچھ انحراف بھی ہو، جس میں اصل قاعدے سے ربع[ع] دائرہ (۹۰ درجہ) کے قریب تک یعنی دونوں جانب تخمیناً

---

ع۔ اور حدیث ما بین المشرق والمغرب قبلۃ میں ایک سہل عنوان سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ پوری جہت جنوب قبلہ ہے۔ اصطلاح ریاضی پر نقطہ مشرق و مغرب کی درمیانی قوس مراد نہیں، جس سے نصف دائرے کا شبہ ہو سکے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا ہمارے بلاد میں تفہیم عوام کے لیے کہا جاوے کہ شمال و جنوب کے درمیان قبلہ ہے یعنی پوری جہت مغرب ۱۲ منہ

يدفعون اهل الحرب عن المسلمين ودفع اهل الحرب عن المسلمين واجب على كل من يقدر عليه فلهذا لم يسعهم الا ان يقاتلوهم۔

(مبسوط ص۹ ج۱۰)

اور ان کے حریم سے مدافعت کے لئے قتال کریں ایسی حالت میں خوارج کے ساتھ مل کر قتال کرنا اعزاز دین کے لئے ہے اور کیوں کہ وہ اس قتال کے ذریعہ اہل حرب کو مسلمانوں سے دفع کرتے ہیں اور مسلمانوں سے اہل حرب کا دفع کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس مدافعت کی قوت رکھتا ہو۔ اسی لئے ان مسلمانوں کے لئے بجز اس کے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ خوارج کے ساتھ مل کر کفار کا مقابلہ کریں (مبسوط ص۹ ج۱۰)

روایاتِ مذکورہ میں خوارج کی حمایت اور ان کے ساتھ شریک ہو کر کفار کا مقابلہ کرنا مشروع کیا گیا ہے حالاں کہ خوارج وہ جماعت ہے جس کے فاسق ہونے پر امت کا اجماع ہے بلکہ روایات حدیث میں ان کے متعلق ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جن سے بظاہر ان کا کافر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی لئے بہت سے علماء نے ان کی تکفیر بھی کی ہے لیکن جمہور کے نزدیک وہ کافر نہیں مسلمان ہیں اگرچہ نام کے مسلمان ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود بمقابلہ کفار ان کی حمایت ونصرت کو جائز رکھا گیا ہے حالانکہ خوارج سے وہ خطرات تھے جو آج لیگ کے آزاد خیالوں سے بھی کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ بہر حال مسلمان اگرچہ نام ہی کے مسلمان ہوں کفار کے مقابلہ میں ان کی حمایت اور بمقابلہ کفار ان کے ساتھ کسی جائز معاملہ میں اشتراکِ عمل بلاشبہ جائز ہے۔ نیل الاوطار میں علامہ شوکانی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

وتجوز الاستعانة بالفساق على الكفار اجماعا۔ (نیل الاوطار ص۲۲۴ ج۷)

اور جائز ہے امداد لینا فساق سے بمقابلہ کفار باجماع

اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ ترکی سلطنت اور اس کے ارکان کی خلافِ شرع کاروائیاں اور بدعملی جو مسلم لیگ اور اس کے ارکان کی بدعملی سے کہیں زائد اور سب کے نزدیک مسلّم ہے

دائرے تک (۴۵ - ۴۵ درجہ) اور بنا بر احتیاط بین المغربین یعنی
ہر طرف ۲۴ درجہ مجموعہ ۴۸ درجہ تک گنجائش ہے اس بنا پر دونوں

عہ وذلک لما فی رد المحتار معزیا للشرح زاد الفقیر وفی بعض الکتب المعتمدة فی
استقبال القبلة الی الجهة اقاویل کثیرة واقربها قولان الاول ان ینظر فی مغرب الصیف
فی اطول ایامه ومغرب الشتاء فی اقصر ایامه فلیدع الثلثین فی الجانب الایمن والثلث فی
الایسر والقبلة عند ذلک ولو لم یفعل هکذا وصلی فیما بین المغربین یجوز (الی ان قال)
فعلم ان الانحراف الیسیر لا یضر وهو الذی یبقی معه الوجه او شیء من جوانبه مسامتا لعین
الکعبة او لهوائها (ثم قال) وعلی ما قررنا یحمل ما فی الفتح والبحر عن الفتاوی من ان الانحراف
المفسد ان یجاوز المشارق الی المغارب اه (شامی ص۲۹۹ ج۱) وقال الشامی فی حاشیة البحر تحت
قوله وفی الفتاوی الانحراف المفسد ان یجاوز المشارق الی المغارب ما نصه کذا نقله فی فتح
القدیر وهو مشکل فان مقتضاه ان الانحراف اذا لم یصله الی هذا القدر لا یفسد وعبارة
التجنیس التی نقلها المؤلف بعده اعم من ذلک فانه جعل المفسد انحراف الصدر فیصدق
بما دون ذلک ای بان ینحرف بصدره بحیث لا یصل الی استقبال المشرق والمغرب ویؤیده ما فی
منیة المصلی عن امالی الفتاوی ونصه وذکر فی امالی الفتاوی حد القبلة فی بلادنا یعنی سمرقند
ما بین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف فان صلی الی جهة خرجت من المغربین فسدت
صلوته اه (الی قوله) وقال ابو منصور ینظر الی اقصر یوم فی الشتاء والی اطول یوم فی الصیف
فیعرف مغربیهما ثم یترک الثلثین عن یمینه والثلث عن یساره ویصلی فیما بین ذلک وهذا
استحباب والاول للجواز ومشی علی الاول الرستغفنی وجعل فی مجموع النوازل ما ذکره
ابو منصور هو المختار (حاشیة البحر ص۳۰۵ ج۱)

قلت فتحصل من هذه العبارات ان ههنا قولان مصححان احدهما ان الانحراف
المفسد ان یجاوز المشارق الی المغارب وقدره فی الخیریة بربع الدائرة اعنی خمسا
واربعین درجة من کل جانب یمینا ویسارا کما سیأتی فی الرسالة الملحقة الملقبة بتنقیح
المقال نصه والثانی ان المفسد من الانحراف اذا خرج من المغربین ومقدار المغربین علی

لیکن ہمیشہ ہندوستان کے ہر طبقہ کے علاوہ جمعیت علماء ہند اور عامہ مسلمین نے بمقابلہ کفار ان کی حمایت ونصرت کو ضروری سمجھا اور حسب استطاعت اس میں حصہ لے لیا۔

## جواز کی وجہ

اور وجہ جواز کی یہ نہیں کہ شریعت سے ناواقف اور لاپروا ہ مسلمانوں سے مذہبی نقصانات کا خطرہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ بمقابلہ کفار ان کی حمایت نہ کرنا اسلام اور جماعتِ مسلمین کو ضعف پہنچانا ہے اور کفار کے غلبہ کو دور کرنے کے بعد مسلمانوں کی اصلاح اور عہدہ داروں کا تغیر و تبدل مسلم جمہوریت کے ہاتھ میں ہوگا۔

## حضرت تھانوی کا ارشاد گرامی

یہی وجہ ہے کہ امام العصر مجاہد ملت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے تمام موجودہ حالات کے مطالعہ اور تمام شرعی پہلوؤں پر نظر غائر فرمانے کے بعد مسلم لیگ کی حمایت کے لئے بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا ہے جو کہ بنام تنظیم المسلمین حضرت کی حیات میں شائع ہو چکا ہے۔

> اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ فضاء حاضر میں مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ان کے تمام منافع ومصالح کی حفاظت اور تمام مضار ومفاسد کی صیانت اس تنظیم پر موقوف ہے مگر اس کے ساتھ ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم والعمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے مطابق ہو۔ سو اگر اس وقت اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب توقع اس لئے بجز اس کے چارہ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور اس میں قواعد شرعیہ کی رو سے جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو اور دوسری کی دشوار ہو بقاعدہ عقلیہ ونقلیہ (من ابتلی ببلیتین فلیختر اہونہما) اس میں داخل ہو جاویں جس کی اصلاح آسان ہو۔ سو اس کے متعلق

انحراف مذکور فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن
اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں یا قرب وجوار
میں ہوں، اون کے موافق اس مسجد کو درست کرالیا جاوے۔
ان سب احکام کے دلائل دارالعلوم دیوبند کے فتوے میں منقول ہیں
جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں۔

کتبہ: اشرف علی عفی عنہ۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ

جناب ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے استفتاء پر حضرت اقدس مدظلہم العالی کا گرامی فتویٰ اور اپنے استفتاء پر جناب مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کا جواب باصواب لے کر ۳ مئی ۱۹۴۱ء کو لکھنؤ آیا۔ جناب سر راجہ صاحب بہادر کو بمقام جہانگیر آباد اپنے آنے کی اطلاع کردی اور محترمی جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب سے مل کر اُن کو وہ سب تحریریں دکھائیں، اس کے بعد ۹ مئی ۱۹۴۱ء کو جناب سر راجہ صاحب بہادر نے موٹروں کا انتظام فرمادیا۔ ایک پر جناب انجینیر صاحب مع اسٹاف کے تشریف لے گئے اور دوسرے پر میں اور جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب مع اپنے ایک عزیز دوست جناب سید زاہد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر کے ایک ساتھ جہانگیر آباد گئے۔

(بقیۃ الحاشیۃ ص ۵) قواعد الهندسة ثلث وأربعون درجة لما في شرح الجغميني من نهاية ميل دائرة البروج عن معدل النهار مقدارها كم له أى ثلث وعشرون جزأ وخمس وثلثون دقيقة على ما وجد بارصاد المأمون (ثم قال بعد ذكر الأقوال المختلفة فيه) لكن اكثر ما وجد ده لم يزد على اربعة وعشرين جزءا (شرح جغميني باب رابع ص ۷۶) فعلى هذا القول يكون الانحراف الجائز في كل جانب من اليمين واليسار اربع وعشرون درجة ومجموع الجهة ثمان واربعون درجة وعلى القول الاول القدر الجائز خمس واربعون درجة في كل جانب ومجموع الجهة تسعون درجة وهو ربع الدائرة ـ واختار الشامي وغيره القول الثاني لما فيه من الاحتياط وكلا الحاشيتين من المولوى محمد شفيع الديوبندي سلمه ۱۲ منه

۔ جہاں تک تفحص بلیغ کے ساتھ تحقیق کیا گیا مذکورہ و مسئول دونوں جماعتوں میں ان کی موجودہ حالت پر نظر کر کے مسلم لیگ کے نقائص کا رفع کرنا سہل ہے۔ اور کانگریس کی اصلاح متعسر بلکہ متعذر ہے۔ الخ

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

# تیسرے سوال کا جواب

## مطالبۂ پاکستان کی شرعی حیثیت

تیسرا سوال مطالبۂ پاکستان سے متعلق ہے ظاہر بات ہے کہ اگر ہندوستان کا ایک مرکز رہے تو ہندو اکثریت کے سبب پورے ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت ہوگی۔ گو اس میں بڑی جدوجہد کے بعد کسی حد تک مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ بھی کر لیا جاوے (جس کی حالات موجودہ و سابقہ کی بنا پر کوئی توقع نہیں) اور یہ امر مسلم ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے اوپر غیر مسلم حکومت مسلط کرنے کا مطالبہ کرنا یا اس کا قبول کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

اور دو مرکز مسلم و غیر مسلم ہو جانے کی صورت میں مسلم مرکز میں حکومت مسلمانوں کی ہوگی جس کے سبب اپنی حدود میں اسلامی احکام کے موافق دستور اور نظام جاری کرنے پر قدرت حاصل ہوگی۔ نیز یہ با اقتدار حکومت دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کی پوری حفاظت اور نگرانی کر سکے گی جو مسلمانوں کی اقلیت زدہ منتشر قوت کے ذریعہ کسی حال متصور نہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے لئے دو مطالبے ضروری ہیں۔ ایک اپنے لئے مستقل مرکز کا جس کو پاکستان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرے مسلم اقلیتوں کے صوبے میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا غیر مبہم الفاظ میں مکمل معاہدہ جس کی نگرانی اسلامی مرکز کے فرائض و اختیارات میں داخل ہو۔

اس تفصیل کے بعد پاکستان کی شرعی حیثیت بالکل واضح ہے کہ ہندوستان جو

جناب سید نواب علی صاحب نے جناب سر راجہ صاحب بہادر کو حضرت اقدس مدظلہم العالی کا ارشاد گرامی اور جناب مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کے فتوے کا خلاصہ سنایا اور جو حضرت اقدس مدظلہم العالی کے ارشاد کا منشاء تھا وہ ظاہر کیا۔ جناب سر راجہ صاحب بہادر نے نہایت خوشی و انبساط سے منظور فرمایا کہ حضرت اقدس نے جو طریقۂ اولیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے میں اوس پر عملدرآمد کے لیے دل و جان سے تیار ہوں۔ اور اسی وقت انجنیئر صاحب وغیرہ سب کو لے کر جہاں نئی مسجد بن رہی تھی تشریف لے گئے اور اُس مسجد کی سمتِ قبلہ کے مطابق جو قلعۂ جہانگیر آباد میں واقع ہے اور جس کی بنیاد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی اور جس کو جناب سر راجہ صاحب نے خواب میں بھی دیکھا تھا کہ میں اس نئی مسجد کی بنیاد پر کھڑا ہوں۔ اور قلعہ والی مسجد میرے سامنے ہے۔ نشان ڈلوادیا اور حکم دے دیا کہ یہیں سے بنیاد قائم کی جائے اور جو عمارت بن چکی تھی، اوس کو گرادینے کے لیے حکم دے دیا۔ اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ کہ کس قدر صرف ہو چکا ہے۔ کس قدر نقصان ہوگا۔ بس یہ چاہا کہ شرع شریف میں جو طریق اولیٰ ہے اوس کے سامنے سر جھکادیں اور اوس کی تعمیل نہایت خوشی و مسرت سے کریں خدا کرے اس کا اجرِ عظیم راجہ صاحب بہادر کو ملے اور اون کا ہر کام خدا کی مرضی کے لیے ہو۔ اوس کے بعد فرمایا کہ یہ فتاویٰ وغیرہ سب مرتب کر لیے جائیں۔ اور طبع ہو جائیں تاکہ دوسروں کے لیے مفید کارآمد ثابت ہوں۔ اسی کے ساتھ حضرت اقدس مدظلہم العالی کی خدمت گرامی میں پیش کرنے کے لیے ایک خط بھی دے کر مجھے رخصت فرمایا۔ وہ خط یہ ہے:۔

جہانگیر آباد پیلس

۱۱ مئی ۱۹۳۱ء

جناب محترم دام برکاتہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مسجد جہانگیر آباد کے سمتِ قبلہ کے مسئلہ میں جس قدر جنابِ والا نے توجہ فرمائی اور راہِ اوس کو واضح فرمادیا

صدیوں تک دارالاسلام رہا ہے اور اب ایک عرصے سے اس پر غیر مسلم حکومت کا تسلط ہے اور بہت سے خلافِ شرع قوانین نافذ ہیں اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس تسلط کے ازالہ یا تقلیل کی جو صورت جس حصہ ملک میں وہ کسی تدبیر سے حاصل کر سکیں اس میں کوتاہی نہ کریں کہ یہ بھی استخلاصِ دارالاسلام کی ایک فرد ہے۔ نیز بقیہ حصہ میں وہاں کے مسلمانوں کی حقوق کی حفاظت کے لئے جدوجہد بھی جاری رہنا چاہیئے کہ وہ نصرۃ المستضعفین میں داخل ہے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

اللّٰھم انا نعوذ بک من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔

اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ وصفوۃ رسلہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم تسلیماً کثیراً

ناکارۂ خلائق بندہ محمد شفیع دیوبندی
عفا اللہ عنہ وعافاہ وجعلہ کما یحب ویرضیٰ

اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ جناب کو بیحد
تکلیف ہوئی۔ معافی کا طالب ہوں۔ اب جناب والا کے فتوے کے مطابق
میں نے مسجد ٹیلہ لکھنؤ جو بعہد شاہ عالمگیر بنی تھی اوس کے حساب سے نیز
مسجد قلعہ جہانگیر آباد جس کی بنیاد حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب
رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی نے رکھی تھی۔ اوس کے حساب سے اس
نئی مسجد کی بنیاد از سر نو رکھوا دی ہے۔ خدائے پاک قبول فرمائے۔
باادب ایک استدعا ہے کہ ایک لکھوری اینٹ اپنے دست مبارک
سے مس کر کے عطا فرمائیں۔ جس کو جناب وصی صاحب بھیجیں گے اور
وہی بنیاد میں رکھ دی جاوے گی۔ اور اس طرح اس مسجد کی بنیاد جناب
والا کی رکھی ہوئی باعث برکت ہوگی۔ جو فتوے اور کاغذات اس کے
متعلق ہیں وہ میں نے جناب وصی صاحب کو دے دیے ہیں تاکہ وہ
جناب کے ملاحظہ سے گزران کر بصورت ایک رسالہ مرتب کریں اور قلمی
مسودہ پہلے مجھے بھیج دیں۔ تاکہ آئندہ اوس کے طبع کا انتظام ہو سکے۔

فقط والسلام مع الاکرام

عریضہ۔ محمد اعجاز رسول عفی عنہ

اس کا جواب حضرت اقدس مدظلہم العالی نے اپنے دست مبارک سے تحریر
فرما کر مع ایک لکھوری اینٹ کے جس پر بنائے کعبہ کی دعائے ابراہیمی و اسمٰعیلی اور
مسجد قبا کی آیتیں دم فرما کر عطا فرمائی۔ تاکہ میں بذریعۂ پارسل جہانگیر آباد بھیج دوں۔
چنانچہ میں نے دونوں چیزیں جہانگیر آباد روانہ کر دیں۔ اس جواب کی نقل یہ ہے:۔

از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ۔ بگرامی خدمت محترم و محتشم نیست دارم و دولت معارہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الطاف نامہ سے ممنون یاد آوری فرمایا۔ جو کچھ جناب
والا نے از راہ قدردانی تحریر فرمایا ہے یہ سب آپ کی عنایتیں اور حسن
اخلاق ہے۔ ورنہ اس دینی خدمت میں جو کچھ میں نے حصہ لیا واقعی ہیں تو

# تصدیقات بعض مشاہیر علمار کرام

میں نے اس فتوے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے اہل علم و نظر کے لیے گنجائش نہیں چھوڑی سب اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں حق تعالیٰ شانہ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔

شبیر احمد عثمانی

دیوبند ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

بعد الحمد والصلوٰۃ اس حقیر نے بھی فتویٰ مذکورہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ سیاست حاضرہ کا شرعی حکم اچھی طرح واضح فرمادیا اور بڑی محنت سے قرآن و حدیث و فقہ سے جزئیات احکام کو تلاش کرکے جمع فرمادیا امید ہے کہ اس کے بعد مسائل حاضرہ میں کسی اور فتوے کی حاجت باقی نہیں رہے گی۔

ھکذا تکون ھمۃ الرجال وعزیمۃ الابطال کثر اللہ فینا امثالھم۔ والسلام

ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ ۳ محرم [illegible]ھ

اعانت واستعانت بالکفار کے مراتب سہ گانہ کے متعلق حضرت مجیب دام فیضہم نے جو تفصیلات حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بیان کی ہیں صحیح ہیں۔

ہیچمدان سید سلیمان ندوی

احقر کے نزدیک بھی یہ مضمون بالکل صحیح ہے اور گویا حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ امام تھانوی قدس اللہ سرہ کے ارشادات کی شرح و توضیح ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مجیب صاحب کے فیوض میں برکت عطا فرمائیں۔

جمیل احمد تھانوی خادم دار الافتاء خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۴ محرم [illegible]ھ

محمد شبیر علی ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون بقلم خود۔

۴ محرم [illegible]ھ

علامہ مجیب مدفیوضہم کی تحقیقات علمیہ صحیح اور قابل تقلید ہیں۔

بندہ خیر محمد عفی عنہ ناظم مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر پنجاب، ۴ محرم الحرام [illegible]ھ [illegible]

اپنے فرضِ منصبی کا حق بھی ادا نہ کر سکا اور اگر فرضاً ادا بھی کر سکتا تب بھی اپنی آخرت کو درست کرتا، نہ کسی پر احسان تھا۔ نہ کسی کے شکریہ کا مستحق تھا۔ بلکہ ایک درجہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ مجھ کو باوجود میری نااہلیت کے ایک جزو میں علمی شرکت کا موقع عطا فرمایا۔ اور سب سے زیادہ اس سے ممنون ہوں کہ اس محروم و مہجور کی علمی شرکت کی ایک خاص صورت تجویز فرمائی۔ اگرچہ وہ صورت اصلی شرکت سے بدرجہا متاخر ہے۔ لیکن میری لیاقت سے بدرجہا فوق ہے۔ جس کا صلہ بجز دعا کے میں کیا پیش کر سکتا ہوں۔ اس تجویز کی بناء پر بامید قبول درگاہ الٰہی ایک اینٹ اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر بنائے کعبہ کی دعائے ابراہیمی و اسمٰعیلی اور بنائے مسجد قبا کی آیتیں دم کر کے وصل صاحب کے سپرد کرتا ہوں۔ شاید خریدارانِ یوسفی کی فہرست میں اس سُوت والی بڑھیا کے نام کے نیچے اس ناکارہ بوڑھے کا نام درج ہو جائے۔ اس کا خاص اثر میرے قلب پر ہے کہ آپ نے احتیاط کا پہلو پیشِ نظر کر کے مکرر صَرف کا بار بخوشی گوارا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادے اور عالی ہمتی میں ترقی فرمائے۔ ترتیب رسالہ کی خدمت سے بھی عذر نہیں گو اس کی لیاقت نہیں لیکن میں دفعتاً بیمار ہو گیا اس لیے اس میں کسی قدر مہلت کی اجازت کا مستدعی ہوں۔

والسلام

اس کا جواب جو سر راجہ صاحب بہادر کی طرف سے آیا وہ درج ذیل ہے:۔

جہانگیر آباد راج۔ اودھ

۲۶ر مئی ۱۹۳۱ء

حضرت محترم دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ صحیفۂ گرامی دستِ مبارک سے لکھا ہوا مع ایک خشتِ پختہ آیاتِ قرآنی دم کی ہوئی بنیان مرصوص کے لیے شرف صدور فرما کر باعث صداقت رہا۔ حقیقتاً یہ ایک دینی خدمت

نور السراج
فی
احکام العشر والخراج

# عُشر و خراج کے احکام

تھی جس کو جناب والا نے باحسن وجوہ خالصاً لوجہ اللہ انجام دی۔ اب عملی کارروائی کے اجر سے بھی بمصداق الدال علی الخیر کفاعلہ ذات گرامی فائز ہوگی اور طفیل میں یہ خادم علمائے راسخین شریعت غراء شرف اندوز اور ماجور ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالےٰ۔

اس توجہ خاص اور عنایت بے غایت کے اظہار تشکر کے لیے زبان وقلم قاصر ہے۔ پس خاموشی حد تشکر ہے۔ امید ہے مزاج اقدس بخیر ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

طالب دعا۔ محمد اعجاز رسول عفی عنہ

اس کا جواب بھی حضرت اقدس مدظلہم العالی نے روانہ فرمایا جس کی نقل ملاحظہ ہو۔

از احقر اشرف علی عفی عنہ۔ بگرامی خدمت عالی درجت مجمع الحسنات و منبع البرکات دامت محاسنہم ومعالیہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ صحیفہ گرامی میں احقر کی محض نفلی خدمت و شرکت کو نظر تحسین خاصیت سے ملاحظہ فرما کر اس کا درجہ بڑھایا گیا تھا۔ ممنون یادآوری فرمایا۔ اول تو خدمت ہی کیا تھی۔ پھر اس کے بادی بھی جناب والا ہی تھے۔ جب اوس کو شمار میں لیا گیا تو جناب کی جو حقیقی خدمت ہے یعنی بقعۂ مطہرۂ مبارکہ کی تکمیل، مجھ پر بدرجۂ اولیٰ حق ہے کہ اس کی مقبولیت و نافعیت اور باقیات صالحات میں ممتاز جگہ پانے کی دل سے دعا کرتا رہوں۔ اور اس دعا کو بھی اپنی سعادت میں اضافہ سمجھوں۔

والسلام۔ خیر ختام۔

از تھانہ بھون۔ یکم جمادی الاول ۱۳۶۰ھ

یہ وہ ضروری واقعات تھے جو میں نے بیان کر دیے اور جو ضروری مکتوبات تھے وہ درج کر دیے۔ اب آخر میں ایک ضروری مکتوب اور درج کرتا ہوں جو معظمی جناب مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی زید مجدہم کا ہے جس میں سمتِ قبلہ معلوم

مقامِ تالیف ——— کراچی

تاریخِ تالیف ——— ۱۳۸۳ھ

اشاعتِ اوّل ——— بذیل "اسلام کا نظامِ اراضی"
ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۸۳ھ

"یہ مقالہ دراصل حضرت مفتی صاحب مدظلہم
کی کتاب "اسلام کا نظامِ اراضی" کا چھٹا باب
ہے لیکن اپنے موضوع پر ایک مستقل حیثیت
رکھتا ہے اسی لئے اس کو اس مجموعہ میں بھی
شائع کیا جا رہا ہے۔"

کرنے کا ایک سہل ترین طریقہ مندرج ہے امید ہے کہ اس سے عام فائدہ پہنچے، اور لوگ اس سے مستفیض ہوں۔ وہ مکتوب یہ ہے:۔

مکرم و محترم بندہ جناب وصلی صاحب زاد الطافکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اب تک احقر کی طبیعت درست نہیں ہوئی۔ سابقہ عریضہ کے بعد دوبارہ اختلاج کی شدت ہوگئی تھی۔ آج قدرے سکون ہونے پر گرامی نامہ کا جواب معروضۂ خدمت ہے اور انشاء اللہ اسی جمعہ تک حاضری خانقاہ کا ارادہ ہے اگر یہ معروض ناکافی ہو تو اس وقت زبانی عرض کروں گا۔

# سمت قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ

(جس کو صاحب تصریح نے سہل ترین قرار دیا ہے۔)

اُن مقامات کے لیے جو مکہ معظمہ سے نوے درجے سے کم فاصلے پر مشرق عہ میں واقع ہیں (یہ طریقہ صرف ۲۹ مئی اور ۱۴ جولائی عہ کو کارآمد ہے دو ایک یوم کی تقدیم تاخیر کا مضائقہ نہیں کہ تفاوت قلیل ہے۔)

جس جگہ کا سمتِ قبلہ معلوم کرنا چاہیں وہاں کے طول البلد کو غیاث اللغات وغیرہ یا کسی اٹلس سے معلوم کر کے ۴۰ درجہ کو (جو طول البلد ہے مکہ کرمہ کا) اوس میں سے تفریق کردیں۔ اور باقی کو ۴ میں ضرب دے کر حاصل ضرب

---

عہ مغرب میں بھی یہی طریقہ کام دے سکتا ہے۔ مگر مشرق میں نصف النہار۔ کہ موخر ہوگا اور مغرب میں مقدم اور جن مقامات کا بُعد مکہ معظمہ سے نوے درجہ یا اوس سے زاید ہو وہاں نصف النہار مکہ کے وقت رات ہوگی اور وہاں کے لیے مقاطر مکہ سے حساب کیا جاتا ہے۔ عدم ضرورت کے سبب یہاں نہیں لکھا گیا ۱۲ منہ

عہ یہ دونوں تاریخیں جینیمن کے قول کے مطابق ہیں موجودہ ماہرینِ فن کے اقوال میں اور بھی ہیں مثلاً ۲۸ مئی اور ۱۶ یا ۱۷ جولائی۔ لیکن یہ تفاوتِ قلیل قابلِ التفات نہیں۔ ان تاریخوں میں سے جس تاریخ میں بھی دیکھا جاوے گا۔ سمتِ قبلہ صحیح ہو جائے گی۔ ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عشر و خراج کے احکام

عُشر اور خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عُشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لئے عُشر[1] مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عُشر[2] تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک

---

[1] عُشر کے فرض ہونے کی دلیل قرآن مجید کی آیت سورۂ انعام واٰتوا حقہ یوم حصادہ اور آیت سورۂ بقرہ یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنالکم من الارض اور احادیث صحیحہ ہیں۔ اور عُشر میں حیثیت عبادت ہونا اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہونا بھی انہی آیات سے ثابت ہے۔ بدائع الصنائع میں وجوب عُشر کی شرائط کے بیان میں ہے احدھما الاسلام وانہ شرط ابتداء ھذا الحق فلا یبتدأ بھذا الحق الا علی المسلم بلاخلاف لان فیہ معنی العبادۃ والکافر لیس من اھل وجوبھا ابتداء فلا یبتدأ بہ علیہ (بدائع ص۵۴ ج ۲)

[2] قال فی البدائع واما سبب فرضیتہ (ای العشر) فالارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ وسبب وجوب الخراج الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ او تقدیرا حتی لو اصاب

باقی ص۳۴۲ پر

کو ۶۰ پر تقسیم کر کے گھنٹے منٹ بنالیں۔ یہ فرقِ وقت ہوگا
مقامی نصف النہار اور نصف النہار مکہ مکرمہ میں مثلاً

| | درجہ |
|---|---|
| جہانگیر آباد | ۸۱ |
| مکۂ مکرمہ | ۔ |

۴۰
۴۱
۴
۱۶۴

۶۰) ۱۶۴ (۲
۱۲۰
۴۴

پس ۲ گھنٹے ۴۴ منٹ فرقِ وقت ہوا۔ یہ ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو ایک فٹ یا کم و بیش مربع زمین کی سطح خوب ہموار کر کے اس کے درمیان ایک کیل بالکل سیدھی نصب کی جاوے۔ (وہ کیل تخمیناً ۳ انچ ہو) اور مقامی دھوپ گھڑی سے ۱۲ بجے وقت ملالیں بعد ازاں فرقِ وقت کے مطابق یعنی جہانگیر آباد میں ۲ بج کر ۴۴ منٹ پر اس کیل کے سایہ کے منتہیٰ پر ایک نقطہ لگادیں اور اس نقطہ سے کیل کے سر پر ڈورا رکھ کر صحیح خط کشید کریں۔ اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی۔ والسلام

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ۔ از مدرسہ قدسیہ شاہ آباد ضلع کرنال مورخہ ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۶۰۔

---

عہ اور اگر وہاں دھوپ گھڑی موجود نہ ہو تو اس کیل کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر اس سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ تاریخ مذکور سے ایک دو دن پہلے صبح کے وقت دیکھیں کہ کیل کا سایہ دائرے میں کس جگہ داخل ہوتا ہے وہاں پر بہت احتیاط سے ایک نقطہ لگادیں (یہ مدخلِ ظل ہے)، پھر شام کے وقت اس جگہ ایک نقطہ لگائیں جہاں سے کیل کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے (یہ مخرجِ ظل ہے) پھر مدخلِ ظل اور مخرجِ ظل کے درمیان ایک خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل و مخرج کے درمیان جو دائرے کا حصہ آیا ہے اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں اور پھر ان دونوں نقطوں پر سے گزرتا ہوا ایک خط کیل تک کھینچ دیں یہ خط نصف النہار ہو جائے گا۔ اب ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو جب کیل کا سایہ نصف النہار پر چڑھے اس وقت گھڑی میں ۱۲ بجا لیے جاویں۔ ۱۲ منہ

زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج موظف ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کردی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی جب کہ مالک نے اپنی غفلت وکوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھا ہے۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہوجائے گا۔ کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں (شامی ص۴۳ ج ۲)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہوسکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں (بدائع)

عشر اگرچہ ایک حیثیت سے زمین کی زکوٰۃ اور عبادت ہے مگر اس میں ایک دوسری حیثیت زمین کے ٹیکس کی بھی ہے اس لئے زکوٰۃ اموال اور عشر میں بھی یہ فرق ہوگیا کہ اموال تجارت اور سونے چاندی کی زکوٰۃ عبادت خالصہ ہے اور عشر میں عبادت کی حیثیت بھی ہے ٹیکس کی حیثیت بھی۔

عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ کوئی نقصان بھی ہوجائے مگر

بقیہ ص۲۵۱ الخارج آفة فهلك لا يجب منه العشر في الارض العشرية ولا الخراج في الارض الخراجية لفوت النماء حقيقة وتقديرا ولو كانت الارض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الخارج حقيقة ولو كانت ارض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا ولو كانت ارض خراج نزة او غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيه الزراعة او سبخة او لا يصل اليه الماء فلا خراج فيه لعدم الخارج فيه حقيقة وتقديرا (بدائع ص۵۷ جلد ۲)

اب میں اپنے مقدمہ کو ختم کرتا ہوں۔ اس کے بعد اول اصل فتویٰ بصورت رسالہ شروع ہوتا ہے جو روح ہے اس مجموعہ کی۔ جس کا نام حضرت اقدس مدظلہم العالی نے **تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال** تجویز فرمایا ہے۔ اور آخر میں ایک شبہے تیئے فتنہ کے انسداد کے لیے مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی استاذ مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ کا ایک محققانہ مضمون "مشرقی اور سمتِ قبلہ" رسالہ معارف اعظم گڑھ سے بجنسہٖ نقل کرتا ہوں۔ جس میں سمتِ قبلہ کے متعلق مشرقی کے بے اصل شبہات و اعتراضات کا شافی کافی جواب دیا گیا ہے۔

اس مکمل مجموعہ کو حضرت اقدس مدظلہم العالی نے تحقیق سمتِ قبلۃ البلاد لسعی رئیس جہانگیر آباد کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ لوح کی کل عربی عبارت حضرت اقدس مدظلہم العالی کی ہے۔ اس سے پہلے ایک اور سرورق ہے جس کا نام میں نے عوام کے سمجھنے کے لیے سمتِ قبلہ اور تاریخی نام قبلہ کے سمت کی پاکیزہ تحقیق اور لقب تاریخی سمتِ قبلہ کے لاجواب شرعی احکام رکھا ہے۔

۱۳۶۰

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول فرمائیں، جن جن علمائے دین اور متقیان شرع متین نے اس میں امداد فرمائی ہے اس کا ان کو نیک صلہ ملے اور اس مجموعہ کا ہر لفظ مسلمانوں کے لیے مفید اور سمتِ قبلہ کے دریافت کرنے والوں کے لیے کارآمد ثابت ہو اور جناب سراجہ صاحب بہادر جہانگیر آباد بالقابہ کی عالی ہمتی، سعی بلیغ، جذبۂ اسلامی اور جوش ملی کا بہتر سے بہتر اجر اور اپنے اور اپنے حبیب حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پہ چلنے کی توفیق نیک عطا ہو عمر و اقبال اور دولت و اجلال میں ترقی ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہان آمین باد!

اس سلسلے میں اگر میں اپنے محترم جناب پروفیسر سید تواب علی صاحب ایم۔ اے کی مخلصانہ توجہات کا شکریہ ادا نہ کروں تو کمال ناشکر گزاری ہوگی۔ آپ نے اس کار خیر میں جس قدر امداد فرمائی ہے جت انفراق کی اور اپنے مفید مشوروں سے مجھے سرفراز کیا اس کا میں شکریہ ادا بھی نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ یہ کہوں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اور

۵ جون ۱۹۴۱ء — احقر رسول بلگرامی

نقصان ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔
بخلاف عُشر کے کہ زمین میں پیداوار ہو گی تو عُشر لازم ہو گا پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں (یہ سب مسائل بدائع الصنائع اور کتاب الخراج یحییٰ بن آدم سے لئے گئے ہیں)۔
لفظ عُشر کے اصلی معنی دسواں حصّہ ہے مگر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی بھی دو قسم قرار دی ہیں ایک میں عُشر یعنی دسواں حصّہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عُشر یعنی بیسواں حصّہ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسم پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عُشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں۔ عُشر اور خراج اور ان دونوں کے احکام میں بھی فرق ہے اور اس میں بھی کہ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر۔
اور اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ[۵] عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے متبدل نہ ہو گا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہو گا۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کر مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خرید لے تو اس پر بھی عشر ہی واجب رہے۔
لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔
مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ خاص حالات و صفات کے اعتبار سے زمینوں

---

[۵] قال فی البدائع من باب العشر ولو اشتری مسلم من ذمی ارضاً خراجیة فعلیه الخراج ولا تنقلب عشریة لان الاصل انه مؤنة الارض لا تتغیر بتبدل المالک الا لضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورة لان الکافر لیس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج فی الجملة فلا ضرورة الی التغییر بتبدل المالک اھ (بدائع الصنائع ص ۵۵ ج ۲)

# تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال

از

جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب زید مجدہم۔ مفتی دار العلوم دیوبند (سہارنپور)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا سمتِ قبلہ ایک انجنیر صاحب نے ایک انگریزی ماہر ہیئت کے ذریعے سے دس درجہ جانبِ جنوب قرار دیا ہے۔ ایک دوسرے عالم دین ماہر ہیئت نے سمتِ قبلہ اٹھائیس دقیقہ جانبِ شمال نکالا ہے۔ اس حالت میں جو حکم شرع شریف کا ہو، اوس سے مطلع کیا جاوے اور عام طور سے مسجد کی تعمیر کے لیے سمتِ قبلہ کس طرح معلوم کی جائے اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

## الجواب

سمتِ قبلہ کی تعیین اور بنائے مسجد میں سنتِ سلف صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں۔ اون کا اتباع کیا جائے۔ ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نامناسب وباعثِ تشویش ہے۔ ہاں جنگلات اور ایسی نوآبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی

جاوے تو مضائقہ نہیں۔ گر اُن سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں۔ بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمین قریبی آبادیوں کی مسجد کا کافی ہے اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں تو بظن غالب۔ یا تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جو اُن میں زیادہ اقرب معلوم ہوں۔ اوس کا اتباع کر لیا جائے۔ البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جائے کہ وہ سمتِ قبلہ سے اس درجہ منحرف ہیں کہ نماز ہی درست نہ ہو گی تو ایسی صورت میں اُن کا اتباع نہ کیا جاوے بلکہ قواعدِ ریاضیہ سے سمتِ قبلہ کا استخراج کیا جاوے۔ یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کر کے سمت قبلہ متعین کیا جاوے۔ لہٰذا صورتِ مندرجہ سوال میں انجینیر صاحب اور دوسرے ماہر ہیئت صاحب نے جو متخالف سمتیں نکالی ہیں دونوں کو نظر انداز کر کے مساجد قدیمہ کے مطابق مسجد تعمیر کی جاوے۔ اصل سوال کا جواب اتنا ہی ہے جو مقتضاء ادلۂ شرعیہ کا ہے۔ باقی مسئلہ سمتِ قبلہ کی تحقیق اور اس کے دلائل پر اجمالی نظر کے لیے سطور ذیل لکھی جاتی ہیں:-

اس مسئلہ میں اصل قابلِ نظر دو چیزیں ہیں۔

(۱) استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے اس کی حد ضروری کیا ہے؟

(۲) بلاد بعیدہ میں اس ضروری سمتِ قبلہ کے معلوم کرنے کا شرعی طریق کیا ہے۔ یہ دونوں مسئلے جُدا جُدا سمجھ لیے جاویں تو مسئلہ زیرِ بحث خود بخود حل ہو جائے گا۔

پہلے مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اوس کے لیے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اوس سے غائب ہے اوس کے ذمہ جہتِ کعبہ کا استقبال ہے، عین کعبہ کا نہیں۔ کما فی البدائع۔ و تعتبر الجهة دون العين كذا ذكر الكرخي والرازي وهو قول عامة مشايخنا بما وراء النهر (بدائع ج ۱ ص ۱۱۸) ومثله في الهداية وعامة المتون والشروح۔ جیسے کہ بدائع میں ہے کہ اعتبار جہت کعبہ کا کیا جاتا ہے۔ نہ کہ عین کعبہ کا۔ ایسے ہی امام کرخی اور امام رازی نے بیان کیا ہے اور یہی ماوراء النہر کے بارے عام مشائخ کا قول ہے (بدائع جلد اول ص ۱۱۸)

اور ایسے ہی ہدایہ اور عام متون و شروح میں ہے۔

پھر جہتِ قبلہ کے استقبال کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب و شمال پر منتہی ہو جائے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اوس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اوس سے موقع تقاطع پر دو زاویۂ قائمہ پیدا ہو جاویں وہ قبلۂ مستقیم ہے۔ اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کر وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویۂ قائمہ پیدا نہ کرے، بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویۂ قائمہ پیدا کر دے، تو وہ انحرافِ قلیل ہے، اوس سے نماز صحیح ہو جاوے گی۔ اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویۂ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحرافِ کثیر ہے اوس سے نماز نہ ہوگی۔ اور علمائے ہیئت و ریاضی نے انحرافِ قلیل و کثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل ہے، اوس سے زاید ہو تو کثیر، مفسدِ صلوٰۃ ہے (لما سیاتی عن الخیریۃ) چنانچہ عنقریب فتاویٰ خیریہ سے نقل ہو کر آتا ہے۔ انحراف قلیل و کثیر کی تعیین میں فقہائے کرام کا ایک دوسرا قول بھی ہے جس میں اس سے کم گنجایش ہے یعنی مابین المغربین وہ احتیاط پر مبنی ہے۔ جیسا کہ آئندہ (ص۳۹ کے حاشیہ میں) آتا ہے۔ اور علمائے ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم گنجایش نکلتی ہے۔ اس جگہ ہم نے بنظرِ احتیاط اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار کیا ہے۔ قولِ اول کی دلیل عبارات ذیل ہیں:۔

فی رد المحتار۔ بل المفہوم مما قدمنا عن المعراج والدرر من التقیید بحصول زاویتین قائمتین عند انتقال المستقبل لعین الکعبۃ یمینا او یسارا انہ لا یصح لو کانت احدہما

شامی میں لکھا ہے۔ بلکہ اوس عبارت سے جس کو ہم نے پہلے معراج اور درر سے نقل کیا ہے کہ استقبال کرنے والے کے منتقل ہونے کے وقت عین کعبہ پر دو زاویۂ قائمہ حاصل ہونے کی قید ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر

حادة والاخرى منفرجة (الى ان
قال) فعلم ان الانحراف اليسير لا
يضر وهو الذي يبقى معه الوجه او
شئ من جوانبه مسامتا لعين الكعبة
او لهوائها بان يخرج الخط من
الوجه او من بعض جوانبه ويمر
على الكعبة او هوائها مستقيما ولا
يلزم ان يكون الخط الخارج على
استقامته خارجا من جبهة المصلى
بل منها او من جوانبها (شامى هندى
ج۱ ص۲۸۸) ويؤيده ما فى الفتاوى الخيرية
وعن ابى حنيفةؒ المشرق قبلة اهل
المغرب والمغرب قبلة اهل
الشرق والجنوب قبلة اهل الشمال
والشمال قبلة اهل الجنوب وعليه
فالانحراف القليل لا يضراه (خيرية
ج۱ ص۶) وايضا يؤيده ما فى البحر فلو
فرض مثلا خط من تلقاء وجه المستقبل
للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد
وخط آخر يقطعه على زاويتين قائمتين
من جانب يمين المستقبل وشماله
ولا يزول تلك المقابلة بالانتقال
الى اليمين والشمال على ذلك الخط

ایک حادہ اور دوسرا منفرجہ ہوگا تو نماز صحیح نہ ہوگی
(یہاں تک کہ) اس سے معلوم ہوا کہ انحراف
قلیل مضر نہیں اور وہ وہ ہے جس کے وقت
چہرہ یا اوس کے ہر دو جانب عین کعبہ، یا
فضائے کعبہ کی سمت میں رہیں، اس طرح کہ
چہرہ یا اوس کی کسی جانب سے اگر ایک خطِ مستقیم
نکالا جائے تو وہ کعبہ یا فضائے کعبہ پر گذر جائے
اور یہ ضروری نہیں کہ وہ خارج ہونے والا خط
مستقیم نمازی کی پیشانی سے نکلے بلکہ پیشانی سے
یا اوس کی ہر دو جانب سے (شامی ج۱ ص۲۸۸)
اور فتاوی خیریہ کی یہ عبارت بھی اس کی موید
ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ مشرق
اہل مغرب کا قبلہ ہے۔ اور مغرب اہل مشرق
کا، اور جنوب اہل شمال کا اور شمال اہل جنوب
کا۔ اور اس کلام سے ثابت ہوا کہ انحرافِ قلیل
مضر نہیں (خیریہ ج۱ ص۶) اور بحر الرائق کی
یہ عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ مثلاً
کسی شہر میں ایک شخص صحیح طور سے کعبہ کا استقبال
کیے ہوئے ہے اوس کے چہرہ سے ایک خط نکلتا
ہوا فرض کریں ایک دوسرا خط اس کا قاطع فرض
کریں کہ وہ پہلے خط کو قطع کرتا ہوا دائیں بائیں
جانب دو زاویہ قائمہ بنائے (اس صورت میں جہتہ
کعبہ کا مقابلہ زائل نہ ہوگا۔ جب وہ شخص اسی

بفراسخ كثيرة ولذا وضع العلماء قبلة بلد وبلدين و بلاد على سمت واحد (بحر جلد ۱ ص ۳۰۱) ومثله فى رد المحتار عن الفتح وشرح المنية وزاد الفقير وغيره.

وفى الخيرية تحت قوله (سئل) ومن القواعد الفلكية اذا كان الانحراف عن مقتضى الادلة اكثر من خمس واربعين درجة[عه] يمنة اويسرة يكون ذلك الانحراف خارجا عن جهة الربع الذى فيه مكة المشرفة من غير اشكال (الى) فهل هذه المحاريب التى انحرافها كثير فاحش يجب الانحراف فيها يسرة الى الجهة مقتضى الادلة والحالة ماذكرنا ام لا. واذا قلتم يجب فهل اذا عاند شخص وصلى فى هذه المحاريب بعد اثبات ما ذكرنا تكون صلوته فاسدة الخ (اجاب) حيث زالت بالانحراف المذكور المقابلة بالكلية بحيث لم يبق شئ من سطح الوجه مسامتا

خط پر میلوں دائیں بائیں جانب ہٹتا جاتا ہے اور جگہ بدلتا ہے اسی لیے علماء نے ایک شہر اور دو شہر اور کئی شہروں کے قبلے ایک سمت پر قائم کیے ہیں (بحر جلد ۱ ص ۳۰۱) ایسے ہی فتح القدیر و شرح منیۃ المصلی اور زاد الفقیر وغیرہ سے شامی میں نقل ہے۔

اور فتاوٰی خیریہ میں قول سئل کے تحت میں ہے اور قواعد فلکیہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دائیں بائیں جانب کا انحراف (قبلہ سے بلحاظ دلائل فلکیہ) ۴۵ درجہ سے زائد ہو تو یہ انحراف بغیر اشکال مکہ مکرمہ کی جہت ربع سے باہر ہوگا۔ (یعنی قبلہ کا استقبال نہ ہوگا) (یہاں تک والی، یعنی درمیانی عبارت چھوڑکر) حالات مذکورہ میں وہ مساجد جن کا انحراف (قبلہ سے) بہت زیادہ ہوگیا ان میں واجب ہوگا کہ قواعد ریاضیہ کی رو سے جو سمت نکلے، اوس طرف مائل ہو جاویں یا نہیں۔ اگر انحراف کو واجب کہتے ہو، اس صورت میں اگر کوئی معاند بعد ثبوت دلائل ان محاریب (منحرفہ) کی طرف نماز پڑھے، کیا اوس کی نماز فاسد ہوگی۔ جواب۔ جب انحراف مذکور سے اس طور پر کہ مقابلہ کعبہ بالکلیہ زائل ہوگیا کہ چہرہ کے سامنے کا کوئی حصہ کعبہ کے مقابل باقی نہ رہا، استقبال قبلہ شرط صحت

[عه] فيصير مجموع انسمت تسعون درجة وهو ربع الدائرة ۱۲ - محمد شفيع عفا عنه -

ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات مصر میں نیل۔ خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا۔ جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا[1] یہ سب عشری پانی ہے اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں۔ نہر گنگ و نہر جمن وغیرہ وہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے۔ عام کتب حدیث کے علاوہ کتاب الاموال ابوعبید میں یہ روایات و آثار تفصیل سے موجود ہیں۔

البتہ بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام کے اجماع کی بنا پر اس ضابطہ سے کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا۔ وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پاتیں۔ لیکن صاحب بدائع الصنائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رض کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا یہ ارض موات

---

[1] مگر بڑے دریاؤں کے پانی کے بارہ میں امام ابویوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہیں بدائع باب العشر ص۵۸ ج۲ شامی کتاب السیر باب العشر ص۲۵۹ ج۳

للكعبة عدم الاستقبال الشرط لصحة الصلوة بالاجماع واذا عدم الشرط عدم المشروط (خيرية ج۱ ص۱۱)

نماز کے لیے اجماعاً نہ پایا گیا۔ جب شرط (یعنی استقبال قبلہ) نہ پایا گیا، مشروط (یعنی نماز) بھی نہ ہوگی۔

عبارات مذکورہ سے سمتِ قبلہ اور استقبال قبلہ کی جو حد ضروری معلوم ہوتی ہے اس کا حاصل سہل اور عامیانہ عبارت میں یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنیٰ حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا، بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصے کے ساتھ مقابل ہو جاوے۔ اور فن ریاضی کی اصطلاحی عبارت میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس۴۵ درجہ تک بھی انحراف ہو جاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فاسد ہو جائے گی، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انحرافِ قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے۔ یہ ناقابل التفات ہے۔ اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کو قائم رکھتے ہوئے کسی طرف، مائل ہونے کی ضرورت ہے۔

دوسرا مسئلہ[ع] یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ اور جہت استقبال معلوم کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ صحابہ و تابعین اور جمہور امت کا اس میں تعامل کس طرح ہے؟ اور یہ کہ قواعد ریاضیہ کا استعمال اس کام کے لیے جائز و معتبر ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ میں؟

اس بارے میں پہلے بطور مقدمہ یہ بتلا دینا مناسب ہے کہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے تمام احکام کی بنیاد یُسر و سہولت اور سادگی و بے تکلفی پر ہے۔ فلسفیانہ تدقیقات پر نہیں۔ کیونکہ دائرہ حکومت اس شریعت کا تمام عالم کے بحر و بر، اسود و احمر، شہری و دیہاتی آبادیوں اور ان کے سکان پر حاوی ہے۔ اسلامی فرائض

ع اس مسئلہ کی ایک مزید و مفید توضیح خود حضرت مؤلف کی لکھی ہوئی بعنوان سمت قبلہ اور استقبال قبلہ رسالہ ہذا کے صفحہ ۴۴ تا ۴۷ میں ملحق ہے جو واجب الملاحظہ ہے۔ ۱۲ دستی

یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کا احیا کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں۔ مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا، اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

**زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالتؐ و خلفائے راشدین کے کچھ فیصلے**

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔

علامہ شامی نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچا ہے۔ اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے یمن میں عدن بھی داخل ہے۔

بعض علماء نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عرض ساحل جدہ سے ملک شام تک ایک نظم میں ضبط کیا ہے (رد المحتار کتاب السیر باب العشر و الخراج ص ۳۳۵ ج ۳)

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا عراق عرب کی حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے (بدائع و شامی)

اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا، ان پر خراج عائد فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں نصف ماہ رجب میں اور

نماز روزہ وغیرہ جس طرح شہریوں اور تعلیم یافتہ طبقات پر عائد ہیں۔ اسی طرح دیہاتیوں اور پہاڑ کے دیتوں اور جزائر کے رہنے والے ناخواندہ و ناواقف لوگوں پر بھی عائد ہیں۔ اور جو احکام اس درجہ عام ہوں، اون میں مقتضا عقل و حکمت و رحمت کا یہی ہے کہ اون کو تدقیقات اور قواعد ریاضیہ یا آلاتِ رصدیہ پر موقوف نہ رکھا جائے۔ تاکہ ہر عام و خاص، خواندہ و ناخواندہ بآسانی اپنے فرائض انجام دے سکے۔ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر احکام اسی نظریہ کے ماتحت بالکل آسان اور سادہ طریق پر آئے۔ روزہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا ہے، حسابات ریاضیہ پر نہیں مہینے قمری رکھے گئے ہیں جن کا مدار رویت ہلال پر ہے۔ شمسی مہینے جن کا مدار خاص حسابات ریاضیہ پر ہے، عام احکام شرعیہ میں اون کو نہیں لیا گیا۔ اسی طرح احکامِ اسلامیہ کے تتبع سے بکثرت اس کے نظائر معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

اس مختصر مقدمہ کے بعد مسئلہ زیر بحث میں یہ فیصلہ کر لینا آسان ہو گیا کہ سمتِ قبلہ اور استقبالِ قبلہ جس کا ہر مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مامور ہے۔ اوس کے لیے شریعت نے ضرور کوئی آسان اور بالکل سادہ طریقہ اختیار کیا ہو گا جس کو ہر شہری و دیہاتی بآسانی عمل میں لا سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے متعلق یہ ہے۔ ما بین المشرق والمغرب قبلة رواه الترمذی عن ابی ھریرة۔ یعنی مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ (اس کو ابو ہریرہؓ سے ترمذی میں روایت کیا) یہ ارشاد اگرچہ تمام عالم کے لیے نہیں بلکہ خاص اہل مدینہ اور اوس کے قرب و جوار کے لیے ہے۔ لیکن اتنی بات اس میں عام ہے کہ سمتِ قبلہ کی تعیین میں زیادہ تدقیق کا تکلف نہیں بتایا بلکہ بین المشرق والمغرب (مشرق و مغرب کے درمیان) فرما کر پوری جہت جنوب کو قبلہ قرار دے دیا اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں بین المشرق والمغرب سے اصطلاح ریاضی پر نقطہ مغرب و مشرق کی درمیانی قوس یعنی نصف دائرہ مراد نہیں جس سے ربع دائرہ کا قول جو بحوالۂ خیریہ ذکر کیا گیا ہے۔ اوس کے مخالف حدیث ہونے کا شبہ ہو سکے، بلکہ محاورے کے مطابق پوری جہت جنوب کا بتلانا مقصود ہے

نصف ماہ محرم میں اور یہی طریق بعد تک جاری رہا (بدائع صہ ۵۸ ج ۲)

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دو گنا عشر وصول کیا جائے مگر شرعی حیثیت سے یہ دو گنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا (بدائع)

یہاں تک ان فیصلوں کا اور ان سے حاصل شدہ ضابطہ فقہیہ کا بیان تھا جس کی بنیاد پر دوسرے ممالک کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تشخیص و تعیین کی جاسکے اب اصل مقصود کتاب یعنی اراضی پاکستان و ہندوستان کے احکام کو اسی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

# اراضی پاکستان میں عشر و خراج

(۱) غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مسلم مہاجرین میں تقسیم کیں قاعدہ مذکورہ کی رُو سے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے خواہ ان کی کچھ بھی حیثیت ہو۔ کیونکہ بنا پاکستان اور دونوں حکومتوں کے معاہدہ تبادلہ جائداد ختم ہو جانے کے بعد یہ سب اراضی بیت المال کے حکم میں داخل ہو کر حکومت کی تقسیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ملک ابتدائی بن گئیں۔ اور مسلمانوں کی زمینوں پر عشر ہی لگایا جانا چاہیئے اس لئے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔

(۲) اسی طرح وہ زمینیں جو پاکستان قائم ہونے سے پہلے غیر آباد تھیں کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں پھر انگریزی حکومت نے ان میں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر کے لوگوں میں مالکانہ طور پر تقسیم کیں ان میں جو اراضی مسلمانوں کو بلا قیمت یا با قیمت حاصل ہوئیں وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو حاصل ہوئیں وہ خراجی ہیں۔ اسی طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیا اور

توجس طرح مدینہ طیبہ میں مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے، اسی طرح ہندوستان میں جنوب و شمال کے درمیان قبلہ کہا جاسکتا ہے یعنی پوری جہتِ مغرب۔

وقد نص علیہ احمد بن خالد بان قول عمر ما بین المشرق والمغرب قبلۃ قالہ بالمدینۃ فمن کانت قبلتہ مثل قبلۃ المدینۃ فھو فی سعۃ مما بین المشرق والمغرب ولسائر البلدان من السعۃ فی القبلۃ مثل ذلک بین الجنوب والشمال وقال ابو عمر بن عبد البر لاخلاف بین اھل العلم فیہ (کتاب الخطط ج۱ ص۲۵۸)

اور احمد بن خالد نے تصریح فرمائی ہے کہ حضرت عمر نے "ما بین المشرق والمغرب قبلۃ" مدینہ منورہ میں فرمایا تھا۔ لہذا جس کا قبلہ مدینہ کے قبلہ کی طرح ہو، اوس کو مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ کی گنجایش ہے۔ باقی شہروں میں جنوب و شمال کے درمیان کی وسعت ہوگی۔ ابو عمر بن عبد البر (مالکی) فرماتے ہیں کہ اہل علم اس بارے میں اختلاف نہیں رکھتے (یعنی سب متفق ہیں) کتاب الخطط ج۱ ص۲۵۸۔

پھر حضرات صحابہ و تابعین اور اون کے بعد عامہ مسلمین کے تعامل نے اوس کو بالکل واضح کر دیا کہ بلاد بعیدہ میں جہاں کہیں حضرات صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں، یا آپ کے بعد پہونچے ہیں، وہاں نمازیں ادا کرنے اور مستقل قیام کی صورت میں مساجد بنانے میں ان حضرات سے کہیں منقول نہیں کہ آلاتِ رصدیہ سے کام لے کر سمتِ قبلہ متعین کی ہو، بلکہ موٹے موٹے آثار و نشانات اور اور شمس و قمر اور قطب وغیرہ مشہور و معروف ستاروں کی پہچان سے ایک اندازہ قائم کر کے محض تحری و تخمینہ سے سمتِ قبلہ متعین فرمائی ہے۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں نہایت کافی تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے مصر اور دوسرے بلاد میں اسی طرح موٹے موٹے آثار و نشانات کے ذریعہ اندازہ و تحری سے کام لے کر مساجد بنائی ہیں، اور عام مسلمانوں نے اُن کا اتباع کیا ہے۔ اور احمد بن طولون نے جب مصر میں اپنی مسجد کی بنا ڈالی تو مدینہ طیبہ آدمی بھیج کر مسجد نبوی کی سمتِ قبلہ خاص طریق پر دریافت کرائی اور اوس کے موافق

مسلمانوں کو بقیمت یا بلاقیمت تقسیم کیا جیسے پنجاب میں تھل کا علاقہ اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ ان سب زمینوں پر چونکہ ابتدائی ملکیت مسلمانوں کی ہوئی اس لئے یہ بھی عشری قرار دی جائیں گی بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو جو قدرتی طور پر جاری ہیں کسی حکومت کے بنائے ہوئے نہیں کیونکہ ایسے دریاؤں کا پانی عشری ہے (کما مر) پنجاب میں تھل کا علاقہ سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ اور اندرون سندھ کی جدید آباد کردہ سب زمینوں کا یہی حکم ہے۔

(۳) مذکورہ دو قسم کی زمینوں کے علاوہ پاکستان کی جو زمینیں غیر مسلموں کی ملک میں ہیں ان پر خراج ہونا قاعدہ کی رو سے واضح ہے اس لئے یہ تین قسم کی زمینیں ایسی ہیں جن میں سے اول دو میں عشر ہونا اور تیسری میں خراج ہونا متعین ہے اس میں کسی بحث و اختلاف کی گنجائش نہیں۔

(۴) اب باقی رہی وہ زمینیں جو پاکستان بننے سے پہلے سے مسلمانوں کی ملک ہیں ان کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل مدار اس تحقیق پر ہے کہ مشترکہ ہندوستان کی اسلامی فتوحات کے وقت یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئی تھی تو زمین عشری ہوگی۔ یا قدیم مالک زمین ہندو کو اس کی ملکیت پر برقرار رکھ کر اس پر خراج عائد کیا گیا پھر مسلمانوں نے ان سے خرید لی۔ یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت کسی مسلمان کی طرف منتقل ہو گئی تو یہ زمین باوجود مسلمان کی ملکیت کے خراجی ہی رہے گی یا کوئی ایسی صورت ہوئی ہے کہ اول فتح کے وقت یہ زمین آباد قابل کاشت ہی نہیں تھی پھر کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے اس کو قابل کاشت بنا لیا اور اس طرح وہ اس کا مالک ہو گیا تو یہ عشری ہو گی۔ یا یہ کہ کسی غیر مسلم نے آباد کیا اور وہ اس کا مالک ہو گیا اور اس پر خراج لگایا گیا پھر اس سے مسلمانوں نے خرید کر یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت حاصل کی تو اس پر سابق وظیفہ خراج

مسجد بنائی جو جامع عمرو بن عاص فاتح مصر سے کسی قدر منحرف ہے۔ لیکن علماء نے جامع عمرو بن عاص کے اتباع کو ہی اولیٰ قرار دیا ہے اور مصر و اطراف مصر کی مساجد اسی کے مطابق ہیں۔ کتاب الخطط کی بقدر ضرورت عبارت یہ ہے کہ:۔

قال الکندی وقال یزید بن ابی حبیب سمعت اشیاخنا ممن حضر مسجد الفتح (یعنی جامع عمرو بن العاص) یقولون وقف علی اقامة قبلة المسجد الجامع ثمانون رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منهم الزبیر بن العوام والمقداد و عبادة بن الصامت وابو الدرداء و فضالة بن عبید وعقبة بن عامر و فی روایة اسس مسجدنا هذا اربعة من الصحابة ابوذر وابو بصیرة ومحمئة بن جزء الزبیدی ونبیه بن صواب قال عبد اللہ بن ابی جعفر اقام محرابنا هذا عبادة بن الصامت و رافع بن مالک وهما نقیبان[ع] وقال داؤد بن عقبة ان عمرو بن العاص

کندی کا قول ہے کہ یزید بن حبیب فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے اون شیوخ (واساتذہ) سے جو مسجد الفتح (یعنی جامع عمرو بن العاص کے تعمیر) کے وقت موجود تھے۔ یہ سُنا ہے کہ جامع مسجد کے قبلہ کی تصحیح کے واسطے اسی صحابہؓ مقرر کیے گئے تھے، اون میں حضرت زبیر بن العوام، مقدادؓ عبادہ بن الصامت، ابو درداء، فضالہ بن عبید عقبہ بن عامرؓ تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ ہماری اس مسجد کی بنیاد چار صحابہؓ نے رکھی۔ ابوذر و ابو بصیرہ و محمئہ ابن جزء الزبیدی و نبیہ بن صواب۔ نیز عبد اللہ ابن ابی جعفر فرماتے ہیں کہ ہماری اس محراب کو عبادہ بن الصامت رافع بن مالک نے قائم فرمایا۔ اور یہ دونوں نقیب تھے۔ داؤد بن عقبہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے ربیعہ بن شرجیل بن حسنہ اور عمرو بن علقمہ قرشی عدوی کو قبلہ کے قائم کرنے کے

ع قال فی مجمع البحار وکان ای عبادة من النقباء هو جمع نقیب وهو کالعریف علی القوم المقدم علیهم یتعرف اخبارهم وینقب عن احوالهم ای یفتش اه ص۳۹۶ ج۴ (حضرت عبادہؓ نقباء میں سے تھے۔ نقباء جمع نقیب کی ہے اور نقیب وعریف قوم کے اس سردار کو کہتے ہیں جو ان کے حالات سے باخبر رہے اور ان کے واقعات کی تفتیش کرے۔ ۱۲ منہ

ہی کا جاری رہے گا۔ لیکن جزوی اور شخصی طور پر ہر زمیندار کی زمین کے متعلق اس وقت کی صحیح حیثیت آج معلوم کرنا جب کہ اسلامی فتوحات پر اس وقت کسی خطے میں بارہ سو کسی میں سات آٹھ سو سال گذر چکے ہیں اور ان میں سینکڑوں انقلاب آئے ہیں ظاہر ہے کہ عادۃً ناممکن اور متعذر ہے۔ اتفاقی طور پر کسی خاص زمین اور اس کے مالکان کا پورا شجرہ کہیں محفوظ ہو تو وہ ایک شاذ و نادر واقعہ ہوگا جس پر دوسری زمینوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے جن علماء نے اس سلسلہ میں کوئی مستقل رسالہ لکھا ہے وہ عموماً کسی خاص خطہ کے عام حالات کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ علاقہ سندھ کے متعلق بہت سے اکابر علماء سندھ نے اس موضوع پر کچھ مقالات یا رسالے تحریر کئے ہیں۔ اس وقت میرے پاس ان میں سے ایک قلمی رسالہ "سراج الہندی تحقیق خراج السند" مولانا ہمایونی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جن کے متعلق مزید حالات کا علم نہیں بجز اس کے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا ہے اس رسالہ میں انھوں نے مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب بیاض واحدی اور شیخ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب رفع القریۃ اور مخدوم محمد عارف سندھی کی بیاض اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب اتحاف الاکابر کے حوالے اس مسئلہ میں دیئے ہیں اور علاقہ سندھ کے متعلق ان سبھی حضرات کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور استدلال سب کا یہی ہے کہ اس ملک کو محمد بن قاسم نے کہیں عنوۃً اور کہیں صلحاً فتح کیا ہے اور دونوں صورتوں میں مالکان زمین کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر فرمایا ہے۔

رسالہ مذکورہ میں شیخ ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

| | |
|---|---|
| قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنۃ ثلاث و تسعین وکان عنوۃ الامر دم چنہ | کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ میں جنگ و جہاد کے ذریعہ ہوئی ہے بجز مقام مودم چنہ کے لوگوں |

بعث ربیعة بن شرحبیل بن حسنة وعمرو بن علقمة القرشی ثم العلائی یقیمان القبلة وقال لهما قوما اذا زالت الشمس اوقال انتصفت الشمس فاجعلاها علی حاجبیکما ففعلا۔ وقال اللیث ان عمرو بن العاص کان یمد الحبال حتی اقیمت قبلة المسجد۔ وقال عمرو بن العاص شرقوا القبلة تصیبوا الحرم۔ قال فشرقت جداً الخ۔

کتاب الخطط للمقریزی ج ۲ ص ۲۴۶، ۲۴۷

واسطے بھیجا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ وہاں کھڑے رہو جب سورج ڈھلے یا یہ فرمایا کہ نصف النہار پر پہنچے تو سورج کو جاجبین (بھوؤں) پر لینا۔ ہر دو نے ایسا ہی کیا اور (امام) لیث فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے رسی تان کر (پھیلا کر) قبلۂ مسجد کو قائم فرمایا اور حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ قبلہ مشرق کے طرف رکھو تو حرم کعبہ کا صحیح استقبال ہوگا۔ (لیث نے) فرمایا کہ اسی لیے ہیں سنے (قبلہ کو) مشرق کی طرف زیادہ مائل کر دیا۔

کتاب الخطط للمقریزی ج۔ ۲ ص ۲۴۶، ۲۴۷

روایات مذکورہ میں اگرچہ بظاہر قدرے اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن اول تو غور کرنے کے بعد یہ تعارض رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کی شرکت میں یہ کام ہوا، روایت کرنے والوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق خاص خاص صحابہؓ کی طرف منسوب کیا، جس میں دوسروں کی نفی نہیں، ثانیاً یہ سب روایات اتنی بات پر متفق ہیں کہ سمتِ قبلہ کی تعیین میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ سے کام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ مصر جیسا شہر اس کے جاننے والوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محض تحری و تخمین سے سمتِ قبلہ مقرر کی گئی وہو المراد۔ اور اسی لیے صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں:-

لا عذر لاحد فی الجهل بالادلة الظاهرة المعتادة کالشمس و القمر وغیر ذلک اما دقایق علم الهیئة وصور النجوم الثوابت

دلائل ظاہرۂ عادیہ مثل سورج چاند وغیرہ سے جہل کی معذوری کسی شخص کی بھی قابل قبول نہیں۔ (البتہ) علم ہیئت اور صور ستارگان غیر سیارہ کے دقائق کو نہ جاننا عذر صحیح ہے۔

اسلموا طوعاً علی ما صرح بہ فی التاریخ — کے جنہوں نے اول فتح کے وقت اسلام اھ — قبول کر لیا۔

اسی رسالہ میں مذکورہ حوالہ کے بعد لکھا ہے۔

ازاں ست فقہائے اسلام آں روئے۔ آب را کہ در تصرف مردم چنہ بود عشری می گویند۔

نیز بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مذکورہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وما سمعت من احد وما وجدت من کتاب ان محمد بن القاسم وضع العشر علی ارض السند ولو وضع لنقل۔ | اور نہ میں نے کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے سندھ کی زمینوں پر عشر لگایا ہو اور اگر وہ عشر لگاتے تو یقیناً ان کا حکم نافذ ہوتا اور وہ معروف ومشہور ہوتا۔ |

اور مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وخراجها الخمس كما حققه الشيخ المحقق السندهي فی رسالته المسماة برفع الفرية ونقل فيها عن جامع الفتاوى الناصرى ان ارضنا عشرية لكن ضعف هذا النقل۔ | ظاہر یہ ہے کہ ہند وسندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پانچواں حصہ پیداوار کا ہے جیسا کہ محقق دہری ارشیخ ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ رفع الفریہ میں ذکر کیا ہے اور اسی رسالہ میں جامع الفتاوی ناصری کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ |

اسی رسالہ سراج السند میں مخدوم ہاشم سندھی ٹھٹوی کی کتاب "اتحاف الاکابر" کے حوالہ سے لکھا ہے

| | |
|---|---|
| وذكر الحافظ السيوطی فی تاریخ | حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے |

فھو معذور فی الجھل بھا (الی ان قال) قال ومحاریب الدنیا کلھا نصبت بالتحری حتی منیٰ ولم یزد علیہ شئ وھذا خلاف ما نقل عن ابی بکر الرازی فی محراب المدینۃ انہ مقطوع بہ فانما نصبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوحی بخلاف سائر البقاع حتی قیل ان محراب منیً نصبت بالتحری والعلامات وھو اقرب المواضع الی مکۃ

(بحر صفحہ ۳۰۲ ج ۱)

ومثلہ فی رد المحتار۔

(یہ بھی کہا)، کہ دنیا کی مساجد کے تمام محرابین یہاں تک کہ (مسجد) منٰی کی بھی تحری و اندازے سے قائم کی گئی ہیں۔ تحری کے علاوہ کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔ (یعنی آلات رصدیہ سے کام نہیں لیا گیا)۔ (البتہ) اس عموم سے وہ مستثنیٰ ہے جو کہ ابو بکر رازی سے منقول ہے کہ محراب مدینہ قطعی اور یقینی ہے (تخمینی نہیں) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ قائم فرمایا ہے۔ بخلاف باقی شہروں کے (کہ تحری وعلامات سے ہوئے)، محراب منٰی جو خانۂ کعبہ سے قریب تر ہے وہ بھی تحری وعلامات پر قائم کی گئی۔ (بحر صفحہ ۳۰۲ ج ۱)

اور شامی میں بھی اسی طرح بیان ہے۔

اور ملک العلماء صاحبِ بدائع فرماتے ہیں:۔

وان کان نائیا عن الکعبۃ غائبا عنھا یجب علیہ التوجہ الی جھتھا وھی المحاریب المنصوبۃ بالامارات الدالۃ علیھا لا الی عینھا (ثم قال) اما اذا جعلت قبلۃ الجھۃ وھی المحاریب المنصوبۃ لا یتصور ظھور الخطاء فنزلت الجھۃ فی ھذہ الحالۃ منزلۃ عین الکعبۃ فی حال المشاھدۃ واللہ

اگر (مصلی) کعبہ سے دور اور اوس سے غائب ہو۔ اوس وقت جہت کعبہ کی طرف توجہ کرنا واجب ہے۔ نہ عین کعبہ کی طرف اور جہت کعبہ وہ محرابین ہیں جو علامات دالہ سے قائم کی گئی ہیں۔ (پھر فرماتے ہیں)، کہ جب نمازی کا قبلہ محراب بنائے قائمہ مقرر کر دی گئی ہیں۔ اوس میں خطا و غلطی ظاہر نہ ہوگی۔ کیونکہ جہت قبلہ اس وقت بمنزلۂ عین کعبہ کے قرار دے دی

الخلفاء ان فی سنة ثلاث وتسعین ایام خلافة الولید بن عبد الملک فتحت دیبل ولا شک ان دیبل هو اکبر قصبات السند وصلاد دیارها۔

کہ ۹۳ھ میں بعہد خلافت ولید بن عبدالملک سندھ کا شہر دیبل فتح ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دیبل سندھ کے بڑے قصبات میں سے ایک مرکزی شہر ہے۔

⁂

مذکورہ تمام تحقیقات کا مدار اسی اصول پر ہے جو اول ذکر کیا گیا ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری اور چونکہ سندھ کے عام علاقوں کے متعلق اس کتاب کے باب دوم میں آچکا ہے کہ محمد بن قاسم نے جن شہروں کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا ان میں انھیں مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھ کر ان پر خراج لگا دیا اور جو شہر صلح سے فتح ہوئے ان میں تو شرائط صلح میں یہ بات داخل تھی کہ مالکان اراضی اپنی اپنی املاک پر بدستور مالک متصرف رہیں گے ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسی لئے مولانا ہاشمی اور شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم علماء سندھ نے اس علاقہ کی عام زمینوں کو خراجی قرار دیا ہے۔

البتہ شیخ ابوالحسن سندھی نے کچھ ایسے لوگوں کا بھی پتہ دیا ہے جو اول فتح کے وقت مسلمان ہوگئے۔ ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔ مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایۂ تخت برہمن آباد کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ فتح کے وقت مسلمان ہوگئے۔

اسی طرح جامع الفتاوی الناصری کا جو قول موصوف کے رسالہ میں نقل کیا گیا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی اراضی) عشری ہیں۔ اس قول کو اگرچہ شیخ ابوالحسن نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ عام اراضی سندھ کو عشری کہنا قول ضعیف ہے ورنہ بعض اراضی کے عشری ہونے کو وہ خود بھی تسلیم کر رہے ہیں۔

لیکن اس مجموعی تحقیقات کا حاصل یہ ضرور ہے کہ اراضی سندھ عام طور سے ہندو

تعالى ان يجعل اى جهة شاء قبلة لعباده على اختلاف الاحوال واليه وقعت الاشارة فى قوله تعالى سيقول السفهاء من الناس ما ولّٰهم عن قبلتهم التى كانوا عليها قل لله المشرق والمغرب يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ولانهم جعلوا عين الكعبة قبلة فى هذه الحالة بالتحرى وانه مبنى على مجرد شهادة القلب من غير امارة و الجهة صارت قبلة باجتهادهم المبنى على الامارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر وغير ذلك فكان فوق الاجتهاد بالتحرى و لهذا من دخل بلدة و عاين المحاريب المنصوبة فيها يجب عليه التوجه اليها ولا يجوز له التحرى الخ (بدائع)

گئی۔ حالات کے بدلنے میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ بندوں کے واسطے جس چیز کو چاہیں، قبلہ توجہ بنادیں۔ حق تعالےٰ شانہ کے اس قول میں اشارہ اسی طرف ہے۔ اب تو یہ بے وقوف ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے. کس (بات) نے بدل دیا۔ آپ فرما دیجیے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک میں ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں (دوسری وجہ) یہ ہے کہ کعبہ سے دور ہونے کی صورت میں عین کعبہ کو تحری و اندازہ سے قبلہ بنایا گیا ہے اور تحری کا مدار عین شہادت قلب پر ہے (جس میں علامات سے استدلال کا دخل نہیں) اور جہت کعبہ کو قبلہ بنانے کا مدار شمس و قمر وغیرہ علامات والہ سے استدلال پر ہے اسی لیے بذریعہ امارات وعلامات جہت کو قبلہ قرار دینا اوس سے بہتر ہے کہ محض تحری و اندازہ سے عین کعبہ کی طرف استقبال کیا جاوے۔ اسی لیے جو شخص کسی شہر میں داخل ہوا اور وہاں کی قائم شدہ محرابین دیکھے اوس کو نماز کے واسطے اسی طرف توجہ

مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رہنے کی وجہ سے خراجی ہیں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آج جو پنجاب اور سندھ کے مسلمان زمینداروں کے مالکانہ قبضہ میں لاکھوں ایکڑ زمینیں زمانہ قدیم سے وراثت میں چلی آتی ہیں کیا ان کو بھی یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی وقت ہندو مالکان سے منتقل ہو کر اُن کے قبضہ میں آئی ہیں۔ اس لئے باوجود مسلمان مالک ہونے کے زمینیں خراجی ہیں۔ یا زمانہ قدیم سے مسلمانوں میں بطور وراثت چلے آنے سے یہ سمجھا جائے کہ یہ اراضی اول ہی سے مسلمانوں کی ملک ہیں اور اس لئے عشری ہیں احتمال بلا شبہ یہ دونوں ہو سکتے ہیں لیکن چند وجوہ سے ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ جن اراضی کے متعلق کافی ثبوت اس کا موجود نہیں کہ اول ہندوؤں کی ملکیت تھی پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسری صورت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں ان کو بطور استصحاب حال کے اول ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری کہا جائے۔

کیونکہ اول تو اول فتح کے وقت بہت سے لوگوں کا مسلمان ہو جانا معتمد کتب تاریخ سے ثابت ہے اور شیخ ابو الحسن نے بھی اس کو مردم چتہ (مقام کا نام) کے زیر عنوان تسلیم فرمایا ہے ہے اور اسی کتاب کے باب دوم میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ولید بن عبد الملک کے آخری عہد میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر ڈھیلی ہوئی تو راجہ داہر کا بیٹا جئیسیہ پھر بغاوت کر کے برہمن آباد پر قابض اور خود مختار بادشاہ بن گیا۔ اسی طرح سندھ کی بہت سی دوسری ریاستوں کے راجہ بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام خطوط لکھے جن میں ان کو اول اسلام کی دعوت دی گئی تھی پھر اطاعت کی۔ راجہ داہر کا بیٹا جئیسیہ اس غائبانہ دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی اراضی پر خراج نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔

۱۱۳؎) و فی فتاوی قاضی خان وجهة الکعبة تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقری المحاریب التی نصبها الصحابة والتابعون فعلینا اتباعهم فی استقبال المحاریب المنصوبة فان لم تکن فالسوال من الاهل اھ۔

واجب ہے تحری و اجتہاد جائز نہیں۔ الخ (بدائع ج۱ص۱۱۸؎) اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ جہت کعبہ دلیل سے معلوم کی جاتی ہے اور شہر اور آبادی میں دلیل (قبلہ) وہ محرابین ہیں جن کو صحابہؓ و تابعینؒ نے قائم فرمایا ہے۔ اس لیے ہمارے ذمہ واجب ہے کہ محرابہائے قائمہ میں اُنھیں کا اتباع کریں ہاں اگر کسی جگہ ایسی محرابین موجود نہ ہوں اوس وقت جو اس کے اہل ہوں اون سے دریافت کیا جائے۔

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بلاد بعیدہ میں سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا صحیح طریقہ جو سلف سے چلا آتا ہے یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جائے، کیونکہ اکثر بلاد میں تو خود حضرات صحابہؓ و تابعین نے مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں۔ اور سمتِ قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر اُنھیں کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں۔ اس لیے یہ سب مساجد مسلمین سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لیے کافی ووافی ہیں ان میں بلاوجہ شبہات فلسفیہ نکالنا شرعاً محمود نہیں، بلکہ مذموم اور موجب تشویش ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان تشویشات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابہؓ و تابعین اور عامة المسلمین پر بدگمانی ہوجاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں۔ حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف عالم ابن رجب حنبلی اسی بناء پر سمتِ قبلہ میں آلاتِ رصدیہ اور تدقیقاتِ ریاضیہ میں پڑنے کو منع فرماتے ہیں ولفظہ:۔

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد جو نئے شہر اور نئی بستیاں باجازت حکومت اسلامی مسلمانوں نے بسائی ان کی زمینوں کے پہلے مالک احیاء موات کے اصول مندرجہ باب اوّل کی رو سے یہ مسلمان ہی ہوئے اور ان زمینوں کی آب پاشی جس پانی سے کی جاتی ہے وہ پانی بھی سندھ و پنجاب کے بڑے دریاؤں کا پانی ہے جو امام اعظمؒ کے نزدیک عشری پانی ہے (احکام عن البدائع والشامیہ)

لہٰذا یہ زمینیں سب عشری ہوں گی۔ جیسے ہمارے زمانہ میں حکومت پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ۔ سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ۔ اور اندرون سندھ و پنجاب وغیرہ میں بہت سے علاقے نئے آباد کرائے اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں قیمۃً یا بلاقیمت تقسیم کر دیں تو ان اراضی کے اول مالک بھی مسلمان ہی ہوئے اور ان کی زمینیں بھی عشری ہی ہو سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور احتمال بھی ہے کہ ان اراضی کے پہلے مالک مسلمان ہی ہوں وہ یہ کہ سندھ کا علاقہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتح ہوا ہے جس کو اب تیرہ سو سال ہونے کے قریب ہیں اس طویل مدت میں کتنے انقلابات ان زمینوں پر آئے ہیں کتنی بستیاں بسی اور اُجڑی ہیں۔ ان زمینوں پر کتنے زمانہ تک مختلف مالکوں کا قبضہ اور تصرف رہا اور کتنے زمانہ یہ لاوارث پڑی رہی ان چیزوں کا حقیقی علم تو اسی ذات کے پاس ہے جو ان سب کی خالق و مالک ہے مگر تاریخ پر نظر رکھنے والوں کے سامنے بھی بہت سے واقعات آجاتے ہیں ان میں یہ بات کوئی بعید از قیاس نہیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت جو زمین ہندو مالکان کے قبضہ میں بدستور رکھی گئی تھی اور اس پر خراج عائد کیا گیا تھا کچھ عرصہ کے بعد یہ زمینیں غیر آباد لاوارث ہو کر پھر بیت المال کے قبضہ میں آگئی ہوں اور متولی بیت المال نے پھر اپنی صوابدید پر یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ حیثیت سے دے دی ہو۔ اس طرح اس زمین پر مسلمان کی یہ ملکیت اگرچہ اول فتح کے بہت زمانہ بعد ہوئی ہے، مگر زمین کے غیر آباد ہو جانے اور لاوارث رہ جانے کے سبب سے اول یہ زمینیں ملک بیت المال

واما علم التسيير فاذا نعلم منه ما يحتاج اليه للاستهداء ومعرفة القبلة والطرق كان جائزاً عند الجمهور و ما زاد عليه فلا حاجة اليه وهو يشغل عما هو اهم منه وربما ادى التدقيق فيه الى اساءة الظن بمحاريب المسلمين في امصارهم كما وقع في ذلك كثير من اهل هذا العلم قديما وحديثا و ذلك يفضي الى اعتقاد خطاء الصحابة والتابعين في صلوتهم في كثير من

لیکن علم تسییر[1] سواس کو اس قدر حاصل کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے جس سے راہ یابی اور قبلہ اور راستوں کی شناخت ہوسکے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں کہ وہ (یعنی زیادہ سیکھنا) امور ضروریہ سے غافل کر دے گا۔ اور بعض مرتبہ تدقیقات فلکیہ میں پڑنا عامۂ بلاد اسلامیہ میں جو مسلمانوں کی مسجدیں ہیں، اون کے متعلق بدگمانی پیدا کر دیتا ہے اس فن میں مشغول ہونے والوں کو ہمیشہ اس قسم کے شبہات پیش آتے ہیں اس سے یہ بھی اعتقاد پیدا ہوگا کہ بہت سے شہروں میں صحابہؓ و تابعین کی نمازیں غلط طریقہ پر تھیں۔ اور یہ بالکل لغو و باطل ہے۔ امام احمدؒ نے (ستارہ) جدی (جس کو ہمارے بلاد میں قطب کہتے ہیں) سمتِ قبلہ میں اس سے بھی استدلال کرنے کو منع کیا اور فرمایا

---

[1] علم تسییر فن نجوم کے ایک خاص عمل سے متعلق ہے جس کی توضیح قاضی محمد اعلیٰ صاحب تھانوی نے کشاف اصطلاحات الفنون میں اس طرح کی ہے اعلم انهم يحركون دلائل الطالع من درجة الطالع والعاشر وغيرهما اى يعتبرون حركتها في السنة الشمسية بمقدار درجة واحدة من المعدل ويسمون هذا العمل تسييرا واذا بلغ التسيير بجد كوكب ما من الخمسة المتحيرة يسمى موضعه بدرجة القسمة (ص۲۸۵ ج ۱) (یہ عبارت چونکہ فن نجوم کے مخصوص عمل سے متعلق ہے۔ ترجمہ ہونے کے بعد بھی عوام نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے ترجمہ نہیں کیا گیا۔)

میں داخل ہوئیں پھر بیت المال کی طرف سے از سر نو مسلمانوں کو مل گئیں تو ابتدائی ملکیت مسلمان ہی کی قرار پائیں گی اور عشری قرار دی جائیں گی۔

خلاصہ یہ کہ جو زمینیں سندھ، پنجاب یا ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ میں مسلمانوں کے اندر نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلی آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم مالک سے ان کے خریدنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے تو بطور استصحاب حال کے ان زمینوں کا پہلا مالک مسلمان ہی کو سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اس علاقہ کی عام زمینوں پر غیر مسلم مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھنا اول فتح میں معروف و مشہور ہو۔ کیونکہ ایسے علاقوں میں بھی مسلمانوں کا پہلا مالک زمین بن جانا ان چند صورتوں کے ذریعہ ممکن ہے جو ابھی بیان کی گئی ہیں۔ محض اس بنا پر کہ اس خطہ کی عام زمینیں ہندو مالکان کی ملکیت ہیں کسی مسلمان کی مملوکہ زمین کی ملکیت کو مشتبہ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت شاہ جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ احکام الاراضی جس کا ذکر اس کتاب کے باب اوّل میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور اس کے مضامین کی پوری تلخیص بھی اس کتاب میں لے لی گئی ہے۔ اس رسالہ کا اصل موضوع بحث ہی یہ ہے کہ جس خطہ میں جو زمینیں مسلمان زمین داروں کے مالکانہ قبضہ میں نسلاً بعد نسلٍ چلی آئی ہیں ان کی ملکیت کو صرف اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس علاقہ کی ابتداء فتح کے وقت غیر مسلم مالکان اراضی کا قبضہ مالکانہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ پھر مسلمان اس کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے۔ وجہ اس کی تفصیل کے ساتھ ابھی گذر چکی ہے کہ اس میں منجملہ بہت سے احتمالات کے ایک یہ احتمال بھی ہے کہ کسی خطہ کی زمینیں غیر آباد اور لاوارث رہ گئیں اس لئے وہ ملک بیت المال میں داخل ہوگئیں پھر بیت المال کی طرف سے عطاء جاگیر کے طور پر یا قیمۃً فروخت کے ذریعہ اس کا پہلا مالک کوئی مسلمان بنا ہو۔

**حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی تحقیق دربارہ اراضی ہند و سندھ**

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے فتاویٰ معروف امداد الفتاویٰ میں اراضی ہندوستان مقبوضہ انگریز گورنمنٹ کے متعلق دو

| | |
|---|---|
| الامصار وھو باطل وقد انکر | کہ حدیث شریف میں (صرف) مابین المشرق |
| الامام احمد الاستدلال بالجدی | والمغرب قبلۃ آیا ہے۔ یعنی مشرق و |
| وقال انما ورد ما بین المشرق | مغرب کی درمیانی پوری جہت قبلہ |
| والمغرب قبلۃ۔ (ص١٢) | ہے۔ |

اور جن جنگلات یا نو آبادیات وغیرہ میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہؓ وتابعین سے ثابت ہے یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور ومعروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمتِ قبلہ متعین کر لی جاوے اگر اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے تو اوس کو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ حسب تصریح صاحب بدائع ان بلاد بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے اور اسی پر احکام دائر ہیں۔ جیسے شریعت نے نیند کو قائم مقام خروج ریح کا قرار دے کر اسی پر نقض وضو کا حکم کر دیا، یا سفر کو قائم مقام مشقت کا قرار دے کر مطلقاً سفر پر رخصتیں مرتب کر دیں، حقیقۃً مشقت ہو یا نہ ہو، اسی طرح بلاد بعیدہ میں مشہور ومعروف نشانات وعلامات کے ذریعہ جو سمت قبلہ تحری واندازہ سے قائم کی جائے گی، وہی شرعاً قائم مقام کعبہ کی ہو گی۔

علامہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| والشرط وقوع المسامتۃ علی | اور استقبال قبلہ میں شرط ضروری صرف یہ ہے |
| حسب ما یری المصلی و نحن | کہ نمازی کی رائے اور اندازہ کے موافق کعبہ کے |
| غیر مامورین بالمسامتۃ علی | ساتھ مسامتت (محاذات) واقع ہو جاوے |
| ما یحکم بہ الالات | اور ہم اس کے مکلف نہیں کہ وہ درجہ مسامتت |
| الرصدیۃ ولھذا افتوا | و محاذات کا پیدا کریں۔ جو آلاتِ رصدیہ کے |
| ان الانحراف المفسد ان | ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے اسی لیے عام علماء |
| یتجاوز المشارق المغارب | کا فتویٰ یہ ہے کہ انحراف مفسد صلوۃ وہ ہے |

سوال و جواب درج ہیں ان کو یہاں بعینہٖ نقل کرتا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

**سوال ۸۹** عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے۔

**الجواب** حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارشاد و شرائد و بلم جزء ۱ وہ زمینیں عشری ہیں اور درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل استصحاب حال پس وہ بھی عشری ہو گی وقدر العشر معروف فقط ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ (از تتمہ اولی امداد الفتاوی ص ۵۰)

**سوال ۹۰** ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ (یعنی انگریزی حکومت میں) خراجی ہے یا عشری۔ جب گورنمنٹ برطانیہ نے غدر کے بعد سلطنت کی باگ اپنے قبضہ و اقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے اگر صاحب اراضی دعوی کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بالعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مال گذاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کر دی اور بعض کو معاف کر دی۔

**الجواب** ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملکانہ و حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی از تتمہ ثالثہ

(رسائل الارکان ص۵۳) جس میں مشرق و مغرب کا تفاوت ہو جاوے۔

(رسائل الارکان ص۵۳)

÷

اور بلادِ ہندوستان میں سہل[1] اور احوط طریق سمتِ قبلہ معلوم ہونے کا یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن (یعنی ۲۲ جون) اور اسی طرح موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن (یعنی ۲۲ دسمبر) میں غروبِ شمس کا موقع دیکھا جاوے۔ قبلہ ان دونوں موقعوں کے درمیان ہوگا۔ یعنی ان دونوں موقعوں کے درمیان درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی، صحیح ہو جاوے گی۔ افادہ سیدی حکیم الامۃ التھانوی متعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ نقلاً عن رسالۃ بغیۃ الاریب وھو الذی صرح بہ الشامی فی مواضع وذکرہ فی البحر وغیرہ۔ سیدی حکیم الامۃ التھانوی نے (ہم کو اللہ تعالیٰ آپ کے برکات سے نفع پہونچائے) اس کو بغیۃ الاریب سے نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کی علامہ شامی نے چند مواضع میں تصریح فرمائی ہے اور بحر وغیرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

یہاں تک تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سمتِ قبلہ میں آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے کام لینا سلف کا طریقہ نہیں تھا۔ اور نہ شریعت نے اس کا امر کیا ہے۔ اور نہ کسی حال میں اس کی ضرورت ہے بلکہ طریقۂ معروفہ سلف کا یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے۔ جہاں نہ ہوں وہاں مشہور و معروف ستاروں اور دوسرے آثار جلیہ سے کام لے کر اندازہ قائم کر کے جہت متعین کر لی جاوے۔ بڑی وجہ ان آلات و حسابات کے استعمال نہ

---

[1] رسائل الارکان کی مذکورہ عبارت سے نیز فتاویٰ خیریہ کی عبارت سابقہ سے ہر دو جانب سے ۴۵، ۴۵ درجہ تک انحراف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور بین المغربین کے قول پر صرف ۲۴، ۲۴ درجہ تک انحراف ہر دو جانب میں جائز معلوم ہوتا ہے۔ قول اول اوسع اور ثانی احوط ہے کما فی حاشیۃ البحر للشامی بعد نقل القولین وھذا استحباب والاول للجواز (حاشیہ بحر ص۲۸۵ ج۱) ۱۲۔ محمد شفیع عفا عنہ۔

امداد الفتاوی ص ۱۰

یہ دونوں فتوے امداد الفتاوی مبوب جلد دوم باب العشر و الخراج ص ۵۲ و ۵۳ پر منقول ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دار العلوم کے فتاوے بھی اسی مضمون کے شاہد اور مؤید ہیں۔ عزیز الفتاویٰ کے چند فتاوی حسب ذیل ہیں۔

سوال نمبر ۶۰۲/۴۳۸ | ہندوستان کی زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب | ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

سوال نمبر ۵۹۵/۹۹ | ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری اور جو عشری ہیں ان میں عشر واجب ہے یا نہیں۔

الجواب | ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیئے۔

یہ دونوں سوال و جواب فتاویٰ دار العلوم دیوبند مبوب جلد سوم چہارم طبع امدادیہ دیوبند کے ص ۱۰۶ پر مرقوم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ کے زمانہ میں مشترکہ ہندوستان کی زمینوں کے جو احکام عشری یا خراجی ہونے کے متعلق مذکور الصدر تحقیق اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے فتوی سے ثابت ہوئے ہیں بنا بر پاکستان کے بعد پاکستان کی بعض اراضی میں وہ احکام بدلے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مسلمانوں میں تقسیم کیں وہ سب عشری ہو گئیں خواہ پہلے سے خراجی ہوں۔

اسی طرح وہ زمینیں جن کو حکومتِ پاکستان نے آباد کر کے مسلمانوں میں تقسیم کیا وہ بھی عشری ہو گئیں اگرچہ اس سے پہلے نہ وہ عشری تھیں نہ خراجی۔ ان دو قسموں کے علاوہ باقی اقسام اراضی کے وہی احکام باقی رہے جو عہد برطانیہ میں اور اس سے

کرنے کی تو یہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں ہیں کہ ہر شخص کو ہر جگہ میسر آسکیں
دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درجہ ان آلات وحسابات کا بھی تخمینہ وتحری، اور
اندازہ اور اٹکل سے زائد نہیں، جس طرح تحری واندازہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ ان
آلات وحسابات میں بھی خطا ہو جانا ممکن بلکہ واقع ہے۔ جیسا کہ خود واقعۂ مندرجہ
سوال میں دو ماہرین ہیئت کے اتنے عظیم اختلاف سے ظاہر ہے کہ ایک دس
درجہ مائل بجنوب قرار دیتے ہیں اور دوسرے کچھ دقیقہ مائل بشمال بتلاتے ہیں۔
اور ان دونوں حضرات کا یہ اختلاف بھی کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ اون سے پہلے
ارباب تصنیف میں بھی اس قسم کے اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ میرے سامنے
اس وقت دو رسالہ اس موضوع کے موجود ہیں، ایک رسالہ قلمی جناب بشیر الدین
صاحب کاکوروی کا ہے۔ جس کا ماخذ ایک قدیم مہندس کا رسالہ ہے، جو عہد
شاہجہان میں لکھا گیا ہے۔ اس میں لکھنؤ کی سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے سات
درجہ گیارہ دقیقہ مائل بجنوب قرار دیا ہے اور دوسرا رسالہ ضوابط سمت ہے۔ اس
میں لکھنؤ کی سمتِ قبلہ کو نقطۂ مغرب سے ۹ درجہ ۲۵ دقیقہ مائل بشمال بتلایا ہے۔
اور دونوں قواعد ریاضیہ سے استدلال کر رہے ہیں۔ الغرض جبکہ حساباتِ ریاضیہ
اور آلاتِ رصدیہ کا انجام وہی غلبۂ ظن بامارات وعلامات ہے اور احتمال خطاو
صواب ادس میں بھی یکساں تو سادہ وسہل طریقۂ سلف کو کیوں چھوڑا جائے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ
سے اگر اس میں کام لے لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات
کے ذریعہ متعین کی جاوے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فیصلہ علامہ
شامی کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں تو باتفاق علماء ان آلات
وحسابات سے کام لینا جائز ہے۔ بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو، اس کے لیے ایسے
مواقع میں جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات
ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے کیونکہ محض تحری وتخمینہ سے

پہلے اسلامی حکومت کے زمانہ میں چلے آتے تھے جن کی تفصیل حکیم الامت قدس سرہ، اور فتاویٰ دارالعلوم کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے یہ تفصیل پاکستانی اراضی کے متعلق تھی۔ موجودہ ہندوستان کی اراضی کے احکام حسب ذیل ہیں:

## ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق

تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

### ہند میں مسلمانوں کی متروکہ اراضی

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائینگی۔

اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس سے پہلے اسلامی عہد میں تھے جس کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

زیادہ مفید ظن غالب ہیں۔ اور جس جگہ مساجد قدیمہ موجود ہوں وہاں آلات وحسابات کے ذریعہ سمتِ قبلہ نکالنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض ناجائز۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول عدم جواز کا اسی تحریر میں گزر چکا ہے۔

افاد فی النھر ان دلائل النجوم معتبرة عند قوم وعند اٰخرین لیست معتبرة قال وعلیہ اطلاق عامة المتون اھ۔ اقول لم ار فی المتون ما یدل علی عدم اعتبارھا ولنا تعلم ما نھتدی بہ علی القبلة من النجوم وقال تعالٰی والنجوم لتھتدوا بھا علی ان محاریب الدنیا کلھا نصبت بالتحری حتی منیٰ کما نقلہ فی البحر ولا یخفی ان اقوی الادلة النجوم والظاھر ان الخلاف فی عدم اعتبارھا انما ھو عند وجود المحاریب القدیمة اذ لا یجوز التحری معھا کما

نہر الفائق (نام کتاب) میں بیان کیا ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک دلائل نجوم معتبر ہیں۔ اور دوسروں کے نزدیک معتبر نہیں۔ اسی (عدم اعتبار) پر عام متون ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے متون میں ایسی کوئی عبارت نہیں دیکھی، جس سے دلائل نجوم کے عدم اعتبار پر دلالت ہو۔ ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم نجوم سے وہ چیزیں حاصل کریں جن سے قبلہ کی رہنمائی ہو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ستاروں کو پیدا کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے ہدایت پاؤ۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ جس قدر دنیا کی محرابیں ہیں، یہاں تک کہ منیٰ کی بھی، وہ سب بذریعہ اجتہاد وتحری رکھی گئی ہیں۔ جیسا کہ بحر الرائق میں نقل کیا ہے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اجتہاد وتحری کے لیے امارات وعلامات والہ میں سب سے زیادہ قوی اور ظاہر وہ ستارے ہیں جن سے سمتوں پر استدلال کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ علامات اور نجوم سے استدلال میں خلاف اس

## ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بناء پر ایک اشتباہ اور اس کا جواب

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کالعدم ہوجانے کے بعد ہندوستان کا دار الحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہوچکا تھا۔ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کا مستقل رسالہ اس موضوع پر شائع ہوچکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا۔ اس میں بھی وہ حصہ جو ہندو اکثریت کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد سے کچھ مختلف نہیں ہوسکتے۔ اس لئے موجودہ ہندوستان کا دار الحرب ہونا واضح ہے۔

اس پر زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی

یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے در مختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط فی ارض خراجیۃ او عشریۃ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| و یحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضہا لیست ارض خراج و عشر۔ | یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ وعشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لئے ہو جو دار الحرب میں ہو کیونکہ دار الحرب کی زمین ارض خراجی ہے نہ عشری۔ |
| (شامی باب الرکاز ص ۵۹ ج ۲) | |

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی نے امام محمدؒ کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

| | |
|---|---|
| لان العشر و الخراج انما یجب فی ارض المسلمین و ہذہ اراضی اہل الحرب لیست بعشریۃ و لا خراجیۃ (شرح سیر ص ۲۴۳ ج ۴) | کیونکہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمین پر عائد ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب (کفار) کی ہیں اور اہل حرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ |

حضرات فقہاء کے مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہوگیا کہ

| | |
|---|---|
| تقدمناہ لئلا یلزم تخطئۃ السلف الصالح وجماہیر المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفازۃ فینبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوہا فی المفازۃ لتصریح علمائنا وغیرہم لکونہا علامۃ معتبرۃ فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلوۃ وفی القبلۃ علی ما ذکرہ العلماء الثقات فی کتب المواقیت وعلی ما وضعوہ لہا من الآلات کالزیج والاصطرلاب فانہا ان لم تفد الیقین تفید غلبۃ الظن للعالم بہا وغلبۃ الظن کاف فی ذلک (شامی ص۲۸۹ ج۱ طبع ہند) | صورت میں ہے جبکہ محاریب قدیمہ موجود ہوں. کیونکہ اون کے ہوتے ہوئے تحری وتخمینہ لگانے کی اجازت نہیں. جیساکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے تاکہ اس سے سلف صالحین وجمہور مسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے بخلاف جنگل ومیدان کے کہ اوس میں نجوم وغیرہ کا اعتبار حسب تصریح علمائے حنفیہ وغیر حنفیہ واجب ہے لہذا ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں اوقات صلوۃ وقبلہ میں اوس تحقیق پر اعتماد کرنا چاہیے جو کتب مواقیت میں قابل اعتماد علماء نے ذکر کی ہے نیز ایسے جنگلات وغیرہ میں اون قواعد پر بھی اعتماد چاہیے جو علماء نے زیج و اصطرلاب وغیرہ آلات رصدیہ کے وضع و مقرر کیے ہیں. کیونکہ اگر یہ یقین کا فائدہ نہ دے سکیں تو اُس فن کے جاننے والے کے لیے غلبۂ ظن کو تو ضرور مفید ہوں گے. اور اس میں غلبۂ ظن کافی ہے. (شامی ص۲۸۹ ج۱ طبع ہند) |
| وفی الفتاوی الخیریۃ بعد قولہ ولا یجوز العمل بقول الفلکی المذکور والحاصل ان المسئلۃ خلافیۃ فمذہب الحنفیۃ یعمل بالمحاریب المذکورۃ | فتاوی خیریہ میں اس قول کے بعد کہ فلکی مذکور کے قول پر عمل جائز نہیں (یہ بیان کیا ہے) خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ محاریب مذکور پر عمل کیا جائے گا. طعن مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہوگا |

جب انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا گیا تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک میں ہوں خواہ مسلمانوں کی ملکیت میں نہ عشری رہیں نہ خراجی۔ پھر اس کے نتیجہ میں بعض علماء نے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر و خراج سے سبکدوش قرار دے دیا اور بعض اہل علم نے قرآن سنت کی نصوص کے عموم و اطلاق سے یہ ثابت کیا کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عُشر ہے خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو اور کسی کافر کی ملکیت سے منتقل ہو کر مسلمان کے پاس آئی ہو یا اول ہی سے مسلمان کی ملک ہو کیونکہ آیت قرآنی وآتوا حقه یوم حصاده عام ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ یاایها الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض بھی تمام اراضی کے لئے عام ہے اس عموم کا اقتضا یہ تھا کہ جن زمینوں پر خراج عائد ہو چکا ہے جب وہ مسلمان کی ملکیت میں آجائیں تو ان پر خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہو۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر (رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر ج ۲)۔ | یعنی مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔ |

اس حدیث کی وجہ سے خراجی زمین جب مسلمان کی ملک میں آجائے تو اس پر عُشر لازم نہیں کیا جاتا۔ یہ سب مضمون مع حدیث مذکور کے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے ——— اس کا حاصل یہ ہے کہ خراجی زمین جو مسلمان کی ملکیت میں آجائے تو اس پر بھی قاعدہ سے عشر لازم ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ اس پر ایک وظیفہ خراج کا پہلے سے عائد ہو چکا ہے اس لئے دوسرا وظیفہ عُشر کا عائد نہیں کیا جا سکتا جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمین پر خراج نہ ہوتا تو عشر ضرور لازم ہوتا۔

اب مذکورالصدر حکم دارالحرب کو دیکھا جائے کہ اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی اس قانون کی رُو سے خراج کا حکم اراضی ہندوستان سے ساقط ہو گیا اس لئے

ولا یلتفت للطعن المذکور ومذہب الشافعیۃ یلتفت الیہ ویعمل بہ اذا کان من عالم بصیر ثقۃ ولاخفاء ان مذھبنا سمح سھل حنیفی میسر غیر معسر فان الطاعۃ بحسب الطاقۃ وفی تعیین عین الکعبۃ حرج وھو مرفوع عنا بالنص الشریف (ج ۱۔ ص )

اور شافعیہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ کسی عالم ماہر ثقہ کی طرف سے ہو تو اوس کی طرف التفات اور اس کے قول پر عمل کیا جائے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا (حنفیہ کا) مذہب نرم وسہل وصاف ہے۔ جس میں کچھ دشواری نہیں کیونکہ طاعت بقدر طاقت ہے۔ اور عین قبلہ کی تعیین میں حرج ہے۔ جو کہ بتصریح شارع علیہ السلام ہم سے دور کیا گیا۔ (ج ۱۔ ص )

ھذا اٰخر ما اردت جمعہ فی ھذہ العجالۃ لعل اللہ تعالیٰ ینفع بھا المسلمین ویجنبھم عن طرق التعمق والتکلف فی امور الدین۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع فی کل باب۔

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ فی ثمان ساعات من ثالث ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ

دار الافتاء بالجامعۃ الاسلامیۃ فی دیوبند الھند سنہ ۱۳۲۸ھ

بعد الحمد والصلوٰۃ میں نے اس فتوے کو دیکھا، مسئلہ زیر بحث میں کافی ووافی پایا۔ جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں اور سہولت تعبیر کے لیے اس کو تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال سے ملقب کرتا ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۴ ربیع الثانی سنہ ۶۰ھ

الجواب صواب
احقر محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند۔

الجواب حق
محمد حسن مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر۔

اصل وظیفہ جو عشر تھا وہ عود کر آیا اور جتنی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں خواہ وہ پہلے عشری تھیں یا خراجی لیکن دار الحرب ہونے کے بعد ان میں سے جو بھی مسلمانوں کی ملک ہیں وہ سب عشری سمجھی جائیں گی اور سب پر عشر لازم ہوگا۔

یہ وہ تحقیق ہے جو بعض علماء اہل عصر نے لکھی ہے لیکن اوّل تو اس تحقیق میں خامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دار الحرب سے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انھیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔

غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے۔ اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی۔ بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی[۱] جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر مکرر نظر کی جائے۔

| | |
|---|---|
| لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب | کیونکہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔ |

٭ ٭ ٭

---

[۱] یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وجوب عشر کے لئے ملکیت زمین شرط نہیں اسی لئے اراضی وقف پر بھی عشر عائد ہوتا ہے اور مستاجر و مستعیر پر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ ان سب اراضی پر تصرف مسلمانوں کا ہے بخلاف اراضی دار الحرب کے کہ وہاں مسلمانوں کا تصرف ہی نہیں ۱۲

# ملخص تحریر جناب حافظ مولانا مولوی ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی زید مجدہم پروفیسر (عربی) ڈھاکہ یونیورسٹی (بنگال)

بعد الحمد والصلوٰۃ آوارہ ناکارہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز نے رسالہ تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال مولفہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی دام فیضہ کا مطالعہ کیا۔ میں اس تحقیق سے لفظ بلفظ متفق ہوں۔ اللہ تعالیٰ مؤلف فاضل کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کے فیض ظاہری و باطنی کو عام و تام بنائیں۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ الاحقر الافقر۔ ظفر احمد عفا عنہ تھانوی۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

# تصدیق فتویٰ مذکور از جناب مولانا خیر محمد صاحب زید مجدہم مفتی مدرسہ خیر المدارس جالندھر شہر

۷۸۶

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ احقر بعنایت سراپا اخلاص و محبت حضرت وصل صاحب بلگرامی زید مجدہم مجموعۂ رسالہ تحقیق سمتِ قبلۃ البلاد۔ بسی رئیس جہانگیر آباد۔ کے مطالعہ سے مشرف ہوا جس میں اکابر علمائے کرام متعنا اللہ بطول بقائہم نے مسئلۂ سمتِ قبلہ کو ایسی تحقیقات و تنقیحات سے واضح فرمادیا ہے کہ اس کا کوئی شرعی پہلو تشنۂ تحقیقِ مزید نہیں رہا۔ حق تعالیٰ حضرات موصوفین کے افاضہ و افادہ کو ہمیشہ جاری رکھتے ہوئے عامۂ مسلمین کو استفاضہ و استفادہ کی توفیق عطا فرماویں۔ اور حضراتِ

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیونکہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطہ ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتداءً سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہا ہے یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں۔

اس لئے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کے لئے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے جس کو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

## حکم اراضی سرکاری در باب وجوب عشر

**سوال ۹۴** علاقہ پنجاب میں سرکار نے کچھ اراضی نہر کے پانی پر آباد کی ہے۔ اس اراضی کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ ایک جنگل بیابان تھا سوائے گھاس کے کچھ پیداوار نہ ہوتی تھی کچھ لوگ اپنے مواشی اس جنگل میں چرایا کرتے تھے اور سرکار کو کچھ نقد اس کے معاوضہ میں دے دیا کرتے تھے۔ جب سرکار کا ارادہ نہر کا پانی لاکر اس اراضی کو آباد کرنے کا ہوا تو وہاں کے باشندوں کو کہا کہ تم اس اراضی کو آباد کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے کھیتی کا کام نہیں ہو سکتا ہے تو سرکار نے باہر سے

محرکین وسامعین کو جزائے دارین سے مالامال کریں۔

خادم الطلبہ

خیر محمد عفی عنہ جالندھری / مفتی مدرسہ خیر المدارس جالندھر شہر / ۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۱ھ

---

# ملخّص تحریر جناب الحاج مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بنوری زید مجدہم، مدرس مدرسہ ڈابھیل (سورت) مؤلف کتاب بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب

---

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد استفتائے سمتِ قبلہ جہانگیر آباد اور اس کے جوابات سے محظوظ اور مستفید ہوا۔ اصل مسئلہ بہت صاف اور منقح ہے، زیادہ تفصیل کی اب کوئی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ

از

ڈابھیل (ضلع سورت) ۱۴ جمادی الاولی سنہ ۱۳۶۱ھ

---

لوگوں کو بلا کر اس اراضی کو آباد کرایا۔ اس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے لوگ آباد ہیں بندہ خاکسار کا بھی کچھ تعلق وہاں پر ہے سرکار نے وہ اراضی فی الحال لوگوں کو موروثی کردی ہے اور کچھ لگان نقد مقرر شدہ ششماہی یا سالانہ کاشتکاروں سے لیتی ہے اور مالک خود سرکار بنی ہوئی ہے۔ جب سے وہ اراضی آباد ہوئی ہے سب کاشتکار وہاں کے اس کی آمدنی سے عشر برابر ادا کرتے رہے جیسے اور ملکوں میں پنجاب ہندوستان میں عشر نکالا جاتا ہے اور اس عشر کو لوگ واجب سمجھتے رہے لیکن کچھ عرصہ سے ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ اراضی سلطانی ہے اس میں نہ عشر واجب ہے اور نہ خراج نقل فتویٰ حسب ذیل مکتوب ہے۔

اراضی المملکۃ والحوز لاعشریۃ ولاخراجیۃ لاشئی علی زراع الارض السلطانیۃ من عشر او خراج سوی الاجرۃ (در مختار) قلت و هذا النوع الثالث یعنی لاعشریۃ ولاخراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی الحوز وهو مامات اربابه بلا وارث و آل لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیمۃ وحکمه علی ما فی التاتارخانیۃ انه یجوز للامام دفعه الی الزراع باحد الطریقین اما باقامتهم مقام الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج واما باجارتها لهم بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی الملاک الامام خراجا ثم ان کان دراهم فهو موظف وان کان بعض الخارج فخراج المقاسمۃ واما فی حق الاکرۃ فاجرۃ لاغیر لاعشر ولاخراج فلماذا ل دلیل علی عدم لزوم المؤنتین العشر والخراج فی اراضی المملکۃ والحوز کان الماخوذ منها اجرۃ لاغیر الخ ما فی الدر المنتقی ملخصا قلت فعلی هذا لاشئی علی زراعها من عشر او خراج شامی جلد ثالث ص ۲۵۶

از مسائل مسطورہ بالا مستفاد گردید کہ زمینہائے سلطانیہ یعنی مالکان سوائے سلطان ندارند نہ عشری نہ خراجی فقط آہ۔

# ضمیمہ رسالہ

## تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال

ایک مفید اور مزید توضیح حضرت مؤلف کی لکھی ہوئی جس کا عنوان ہے

## سمتِ قبلہ اور استقبالِ قبلہ

## میں

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کا طرزِ عمل

(جو رسالہ مرقومۂ بالا کے صفحہ ۲۹ سطر ۱۴ کے بعد سے متعلق ہے جو مجھے اصل رسالہ کے وصول ہونے کے بہت بعد حاصل ہوئی۔ وصّی)

(۱) اس پر اتفاق ہے کہ مسجد بیت اللہ کے بعد سب سے پہلی مسجد جو اسلام میں بنائی گئی وہ مسجد قبا ہے (قبا مدینۂ طیبہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک مشہور مقام کا نام ہے) اس مسجد کی بنیاد تو اس وقت پڑی تھی جبکہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ پھر جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی تو اس کی خبر لے کر ایک روز قبا میں ایک صحابی ایسے وقت پہونچے کہ اس مسجد میں نماز ہو رہی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی امام اور پوری جماعت بیت اللہ کی سمت پھر گئی۔ یہ واقعہ عام کتب تفسیر و حدیث میں منقول ہے اور اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کے اس فعل کی تصویب فرمائی۔

فتویٰ مذکورہ بالا ایک اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا انھوں نے حسب ذیل جواب لکھا۔

نقل جواب :۔ ایک روایت شامی باب الرکاز میں یہ دیکھی گئی واحترز بہ عن دا ئرہ وارضہ۔ دارالحرب الی ان قال فان ارضہا ای دارالحرب لیست ارض خراج وعشر الخ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان وغیرہ اراضی دارالحرب میں عشر اور خراج کچھ نہیں ہے۔

ملک سندھ میں ایک مولوی صاحب ہیں انھوں نے حکم لکھا ہے کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے مثل اراضی پنجاب وہندوستان کے اور فتوی مذکورہ بالا کی عبارت کو اراضی شام ومصر کے ساتھ مختص کرتے ہیں یعنی شامی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اراضی مصر وشام کی بحث ہے عام نہیں اور شامی کی بعض عبارات سے وجوب عشر ثابت کرتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے اس فتویٰ کی عبارت کو نقل نہیں کیا گیا فقط۔

حضور والا کی خدمت میں ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے یا نہیں۔ علاوہ اس اراضی کے ہندوستان وپنجاب کی زمین کا کیا حکم ہے عشری ہے یا خراجی ہے۔ پہلے فتویٰ کی عبارت کا اور شامی باب الرکاز کی روایت کا کیا مطلب ہے بحوالہ کتب معتبرہ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔

**الجواب** اراضی سلطانیہ کا وہ حکم اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عام مسلمین کی ہیں کما فی رد المحتار، وھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ ولا خراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی الحوز وھو ما مات اربابہ بلا وارث وال لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیمۃ۔

(ص ۲۹۵ ج ۳)

اور اراضی مذکورہ فی السوال ایسی نہیں۔ پس اس حکم پر حکم مذکور کی بنا بھی جائز نہیں۔ پھر خود اراضی مذکورہ کے اس حکم میں بھی کلام ہے۔ کما قال فی رد المحتار وبلا خلاف

ظاہر ہے کہ حالتِ نماز میں جو سمتِ قبلہ اہل قبا نے اختیار کی، نہ اُس میں آلاتِ رصدیہ اور اصطرلاب کا دخل ہو سکتا ہے نہ کسی قطب نما اور ستارہ کا، محض تخمینہ و تحری سے سمت قائم کی گئی۔ پھر نماز کے بعد بھی کہیں منقول نہیں کہ اس تحری و تخمینہ کے سوا کوئی دوسرا انتظام و اہتمام یا حسابات ریاضیہ کا استعمال استخراج سمت قبلہ کے لیے کیا گیا ہو۔

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں تمام اسلامی قلمرو میں ہر صوبہ کے عامل کے نام فرمان بھیجے کہ ہر محلہ میں مسجد بنائی جاوے۔ عمالِ حکومت نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر سمت قبلہ قائم کرنے کے لیے نہ تو حضرت فاروقؓ ہی نے کوئی انتظام آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ کا کیا اور نہ عمالِ حکومت نے بلکہ تخمینہ و تحری سے سمتِ قبلہ متعین کرکے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

(۳) آلات و حسابات سے نکالی ہوئی سمتِ قبلہ میں بھی اکثر اہل فن کا اختلاف رہتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ طول بلد اور عرض بلد کے معلوم کرنے میں ذرا سا فرق رہ گیا تو سمت کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے۔

لطیفۂ عجیبہ۔ علماء کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد تحری و تخمینہ سے قائم کی گئی ہیں۔ لیکن مسجد نبویؐ کی سمتِ قبلہ بطور وحی و مکاشفہ قائم کی گئی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت اللہ کو بطور معجزہ سامنے کر دیا تھا۔ اوس کو دیکھ کر آپ نے مسجد مدینہ کی سمتِ قبلہ قائم فرمائی (کذا فی البحر الرائق و رد المحتار) اس لیے باجماعِ امت مسجد نبویؐ کی سمتِ قبلہ بالکل یقینی ہے۔ لیکن حساباتِ ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری۔ چنانچہ امیر مصر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند ماہرینِ ہندسہ کو مدینہ طیبہ بھیج کر پہلے مسجد نبویؐ کی سمتِ قبلہ کو آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ جانچا تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبویؐ کی سمت دس درجہ مائل بجنوب ہے۔ جیسا کہ مقریزی نے کتاب الخطط میں بالفاظ ذیل

غیر شرط فیہ بل الشرط ملك الخارج الی قوله فکان ملك الارض وعدمه سواء کما فی البدائع ثم الی قوله فالقول بعدم الوجوب فی خصوص هذه الارض یحتاج الی دلیل خاص و نقل صریح الخ (ص ۲۹۴ ج ۲) خصوص صاحبین کے قول پر کہ عشر مالک پیداوار پر ہے مالک زمین پر نہیں۔ کما فی رد المحتار قلت فعلی هذا الاشئ علی زراعها من عشر او خراج الاعلیٰ قولهما بان العشر علی المستاجر کما مر فی بابه (ص ۲۹۵ ج ۲) اور باب مذکور میں ہے وفی الحاوی القدسی وبقولهما ناخذ ج ۲ ص ۸۸ اور بعض جزئیات سے جو شبہ سقوط عندهما کا ہوتا ہے تو اس کی بنا یہ ہے کہ انھوں نے اجرت کو خراج کہا ہے مگر خراج کو واجب نہیں کہا کما فی رد المحتار و اما علی قولهما فالظاهر انه کذلك لما علمت من ان المأخوذ لیس اجرة من کل وجه لانه خراج فی حق الامام (ص ۸۹ ج ۲)

پس ثابت ہو گیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہو سکتا پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آوے اس پر خراج ہے اور جس پر عشری کی تعریف صادق آوے اس پر عشر ہے۔

البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو۔ مگر یہ موقوف ہے دار الحرب ہونے پر۔ اور اس میں گنجائش کلام ہے۔

۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۰۶) از امداد الفتاوی مبوب ص ۴۳ تا ۷۰ جلد دوم

اس فتویٰ میں دار الحرب کے متعلق گنجائش کلام جو ذکر کی گئی ہے اس کی بنا یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دار الحرب نہیں کچھ زمانے سے بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دار الحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضرور عائد ہوں گے اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کی زمینوں کی بھی

ذکر کیا ہے:۔

ان احمد بن طولون لما عزم بناء ھذا المسجد بعث الی محراب مدینة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ سمتہ فاذا ھو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج الی جھة الجنوب (خطط ج۲ ص۲۵۶)

احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی دیکھا تو وہ حسابات کے ذریعہ نکالے ہوئے سمت قبلہ سے دس درجہ مائل بجنوب ہے۔ (خطط ج۲۔ ص۲۵۶)

اب وہ لوگ جو آلات رصدیہ پر سمتِ قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ اُن کی تجویز پر تو مسجد نبوی ؐ کی سمتِ قبلہ بھی درست نہیں ہوتی معلوم نہیں کہ عنایت اللہ مشرقی جو ہندوستانی مسجدوں میں انھیں حسابات کی بناء پر نماز ناجائز قرار دیتے ہیں وہ مسجد نبوی ؐ کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے، مشرقی کچھ کہیں، مذکورالصدر تعامل مسلمانوں کے اطمینان کے لیے انشاء اللہ کافی و وافی ہے۔ والحمد للہ اولہ وآخرہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

ہے جو امداد الفتاوی وغیرہ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آئے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں کسی کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس رسالہ اراضی کے اصل موضوع سے متعلق تو صرف اتنی ہی بحث و تحقیق تھی کہ کونسی زمین عشری ہے کونسی خراجی۔ عشر و خراج کے مفصل احکام اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں لیکن چونکہ عام طور پر مسلمان ان مسائل سے واقف نہیں اور ان کا بیان بھی عام اردو کتابوں میں موجود نہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ عشر و خراج کے ضروری احکام لکھ دیئے جائیں۔ اور چونکہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہی ہے اس لئے عشر کے احکام پہلے لکھے جائیں گے اس کے بعد خراج کے احکام ذکر کئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

# عشر کے احکام و مسائل

عشر زمین کی زکوٰۃ ہے جیسے سونے چاندی، مال تجارت مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ فرض ہے جس طرح سونے چاندی اور مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اور مویشی کا جدا گانہ قانون ہے اسی طرح زکوٰۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ مگر ان دونوں کو عرف فقہاء میں بغرض سہولت عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

زکوٰۃ الارض میں ایک قسم خمس یعنی پانچواں حصہ بھی ہے جو قدرتی معادن اور کانوں کی پیداوار سے متعلق ہے یا کوئی قدیم خزانہ جاہلیت کا برآمد ہو تو اس کا بھی خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا فرض ہوتا ہے مگر اس جگہ زکوٰۃ الارض کی تمام

# مشرقی اور سمتِ قبلہ

(از)

(مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی استاذ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

علمی حلقہ میں جناب عنایت اللہ صاحب مشرقی کا تعارف سب سے پہلے ان کی تصنیف "تذکرہ" کے ذریعہ سے ہوا تھا، اب اُن کی تحریک خاکساریت نے ان کی شہرت عام کر دی ہے۔ وہ یورپ کی درجنوں ڈگریوں کے مالک اور مختلف فنون میں علم و کمال کے مدعی ہیں، اسے دیکھ کر یہ خیال تھا کہ مذہب کے متعلق ان کے معلومات و خیالات کیسے ہی ناقص و غلط ہوں۔ لیکن جدید علم سے ضرور ان کو واقفیت ہو گی، لیکن ان کے بعض علمی مضامین کو دیکھ کر یہ حسن ظن بھی غلط ثابت ہوا۔ حیرت ہوا انھوں نے علم ہیئت کی مدد سے ہندوستان کی مسجدوں کی سمتِ قبلہ کے غلط ہونے پر ایک مضمون لکھا تھا، اس کے علاوہ "مولویوں کی جہالت" کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً جن عالمانہ خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علم میں بھی ان کا پایہ مذہبی علم سے کم نہیں ہے۔ اس مضمون میں ریاضی و ہیئت اور تاریخ علوم میں ان کے علمی کمالات پر تبصرہ مقصود ہے۔ مولویوں کی جہالت کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:۔

> "آپ کی بلا جانتی ہے کہ مکہ کا رخ دریافت کرنا کسے کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے جغرافیہ کس بیل کا نام ہے، علم نجوم کسے کہتے ہیں، دُوربین کیا ہوتی ہے۔ خط سرطان کس مرض کو کہتے ہیں، آپ صرف اپنی رات کی باسی روٹیاں گن کر بیچنا نہیں جانتے اور اگر روٹیاں زیادہ ہوں اور آنے پورے نہ بیٹھیں تو حساب میں گھنٹوں غلطی نہیں کرتے، بلکہ آنوں کو ا۔۔

قسموں اور ان کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں۔ صرف عشر و خراج کے احکام وہ بھی ضمناً لکھے جاتے ہیں۔

**وجوب عشر کی شرائط** پہلی شرط مسلمان ہونا ہے کیونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی کافر خرید لے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد کر دیا جاتا ہے کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں۔ اس لئے بمجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ وظیفہ زمین کا جو ابتداءً میں مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لئے ناقابلِ تبدیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین کو خرید لیا تو مسلمان مالک ہو جانے کے باوجود وظیفہ اس زمین کا خراج ہی رہے گا۔ (بدائع)

دوسری شرط زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمین پر دو وظیفے عشر اور خراج کے جمع نہیں ہو سکتے (بدائع وغیرہ)

تیسری شرط زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے کہ زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبر گیری اور حفاظت نہیں کی بہر صورت عشر ساقط ہو جائے گا (بدائع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ خودرو گھاس یا بیکار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں ہو جائیں تو ان میں عشر نہیں۔ گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں (بدائع)

**عقل اور بلوغ شرط نہیں** عام احکام شرعیہ میں عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط

روٹیوں پر بٹھا لیتے ہیں۔ آپ کو اس کا پتہ ہے کہ مغرب اور شمال کے دو طرفوں کے درمیان خود مسلمانوں ہی نے ۹۰ درجہ قائم کیے تھے۔ ہر درجہ کو ساٹھ دقیقہ (منٹ) اور دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں (سیکنڈ) میں تقسیم کیا تھا۔"

## مشرقی صاحب کی ریاضی سے واقفیت کا نمونہ

مشرقی صاحب کو اس دعوائے ہمہ دانی کے باوجود یہ بھی نہیں معلوم کہ مسلمانوں سے بہت پہلے یونانیوں نے اس فن کو مرتب کیا تھا۔ بطلیموس کی کتاب "مجسطی" اس فن میں معروف و مشہور ہے۔ اس بارہ میں آپ بھی اور ملاؤں کے نقش قدم پر نکلے، مغرب اور شمال کے دو طرفوں کے درمیان تخصیص بھی عجیب ہے، کیا مغرب اور جنوب کے دو طرفوں کے درمیان ۹۰ سے کم یا زیادہ درجے قائم کیے تھے۔ یا اس کے درجوں کو ساٹھ دقیقوں سے کم و بیش پر تقسیم کیا تھا اور پھر ان دقیقوں کی ساٹھ ثانیہ (سیکنڈوں) سے کم و بیش پر قسمت کی تھی۔ علی ہذا القیاس نقطہ شمال و مشرق کے دو طرفوں اور نقطہ مشرق و جنوب کے دو طرفوں کو کے درجوں اور ان درجوں کو کتنے دقیقہ و ثانیہ پر تقسیم کیا۔ جب اس فن میں ہر دائرہ ۳۶۰ درجہ پر منقسم ہے تو ہر ربع ۹۰ درجہ کا ہوا، خواہ وہ نقطۂ مغرب و شمال کے درمیان ہو یا نقطۂ شمال و مشرق کے درمیان نقطۂ مشرق و جنوب کے درمیان ہو یا نقطۂ جنوب و مغرب کے درمیان، کسی دو نقطوں کے درمیان جس کا فصل ربع دور ہو لامحالہ ۹۰ درجہ ہوگا۔ اور ہر درجہ ۶۰ دقیقہ اور ہر دقیقہ ۶۰ ثانیہ اور ہر ثانیہ ۶۰ ثالثہ اور ہر ثالثہ ۶۰ رابعہ اور ہر رابعہ ۶۰ خامسہ اور ہر خامسہ ۶۰ سادسہ اور ہر سادسہ ۶۰ سابعہ اور ہر سابعہ ۶۰ ثامنہ اور ہر ثامنہ ۶۰ تاسعہ اور ہر تاسعہ ۶۰ عاشرہ پر منقسم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ تخصیص بالکل غلط اور بے معنی ہے۔

ایک اور نادر تحقیق:۔ مشرقی صاحب فرماتے ہیں:۔

"مغرب اور شمال کی دو سمتوں میں تین لاکھ چوبیس ہزار مختلف طریق مسلمانوں

ہوتا ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ اور مجنون کے مال میں واجب نہیں ہوتی (بدائع)

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کے لئے شرط نہیں اس لئے اراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی سے بطور عاریت کے لے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں (علی خلاف فی المستاجر بین الامام و صاحبیہ بینا ثم و فی الحاوی و بقو لھما ناخذ - در مختار)

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو نقد روپیہ کے عوض کرایہ یا مقاطعہ پر دے دیا تو اس کی پیداوار کا عشر بقول مفتی بہا مالک زمین کے ذمہ نہیں بلکہ مقاطعہ دار کے ذمہ ہے جو زمین میں کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔ امداد الفتاوی میں بحوالہ شامی اس مسئلہ کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے جو بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔

**سوال ۸۸** زید کی زمین کا عمرو ۱۵ من غلہ فی بیگہ ہر سال دے کر زراعت کرتا ہے۔ باقی غلہ آپ لے لیتا ہے اور زید اس غلہ سے ۲/۱ عہ فی بیگہ سرکار کو دیتا ہے تو زید اس غلہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔

**الجواب** فی الدر المختار والعشر علی المؤجر کخراج موظف و قالا علی المستاجر کمستعیر مسلم و فی الحاوی و بقولهما ناخذ - قلت و لکن افتی بقول الامام جماعة من المتاخرین الی ان قال لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القری و المزارع یرضی المستاجر بتحمل غرامات و مؤنة لیستاجرها بدون

نے خود اسی قرآن کی تعلیم کو صحیح سمجھ کر قائم کی تھیں۔"

کیا فن کا حساب ثانیہ ہی تک محدود ہے جو تین لاکھ چوبیس ہزار سمتیں ہوں گی۔ اس کا حساب تو در حقیقت عاشرہ سے بھی متجاوز ہے۔ اگر عاشرہ ہی تک مانا جائے جب بھی ہر ربع کی دو سمتوں میں پندرہ سنکھ ستائیس پدم چھبیس نیل چونسٹھ کھرب مختلف سمتیں متعین ہوتی ہیں، ایسی حالت میں ان کو صرف تین لاکھ چوبیس ہزار سمتیں بتانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ میں مشرقی صاحب کی اس خوش اعتقادی کی ضرور تعریف کروں گا کہ قرآن شریف خواہ پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں اور سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں مگر زبان پر دعویٰ قرآن شریف ہی کا ہے، ربع دائرہ کو ۹۰ حصہ اور ہر حصہ کو ۶۰ دقیقہ اور ہر دقیقہ کو ۶۰ ثانیہ پر تقسیم کو قرآن شریف کی صحیح تعلیم کا نتیجہ بتانا بھی عجیب دعویٰ ہے۔ کاش مشرقی صاحب نے ان آیتوں کو بھی تحریر فرما دیا ہوتا جن سے مسلمانوں نے یہ حساب قائم کیے کہ اس سے اوروں کو بھی فائدہ پہونچتا۔ آپ کے نزدیک گویا قرآن شریف فقہ و مسائل دینی کی بجائے ہندسہ و ہیئت کی تعلیم کی کتاب ہے۔ اسی لیے فقہی مسائل جو قرآن شریف سے مستنبط ہوئے ہیں وہ ان کے نزدیک مولوی اور مُلّا کا بتایا ہوا دین ہے اور ہیئت و ہندسہ کے مسائل قرآن کی تعلیم ہیں۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

**ایک دعویٰ میں چار غلطیاں** آپ نے اپنے ایک دعوے میں چار غلطیاں کیں (۱) شمال مغرب کے دو طرفوں میں ۹۰ درجہ مسلمانوں کا قائم کرنا۔ (۲) مغرب و شمال دو سمتوں کی تخصیص۔ (۳) ان دو سمتوں کے درمیان تین لاکھ چوبیس ہزار سمت بتانا (۴) اس تقسیم کو قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ظاہر کرنا۔

**ایک اور غلطی** پھر کہتے ہیں:-

"اسی مغرب اور شمال کی سمتوں کے درمیان صرف ایک درجہ ۱/۹۰ حصہ پھر جانے سے دو ہزار تین سو میل کی دوری پر پورے چالیس میل کا فرق پڑ

اجر المثل بحيث لا تفي الاجرة ولا اضعافها بالعشر او خراج المقاسمة فلا ينبغي العدول عن الافتاء بقولهما في ذلك لانهم في زماننا يقدرون اجر المثل بناء على ان الاجرة سالمة بجهة الوقف ولا شئ عليه من عشر وغيره اما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستاجر ليس عليه سوى الاجرة فان اجرة المثل تزيد اضعافا كثيرة كما لا يخفى فان امكن اخذ الاجرة كاملة يفتى بقول الامام والا بقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذي لا يقول به احد والله تعالى اعلم۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمہ ہے۔ اور اگر موجر اجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے۔ چونکہ ہمارے دریا میں اجرت کم لی جاتی ہے اسی لئے بوجوب عشر علی المستاجر پر فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر کسی جگہ پوری اجرت لی جائے جس میں زمین دار عشر بخوبی ادا کرسکتا ہو تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا صورت مسئولہ میں اجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لئے حکم میں تعیین نہیں کی جاسکتی واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ص ۶۰ ج ۱)

مسئلہ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں نصفا نصف ہو یا ایک تہائی ہو اور دو تہائی ہو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا (بدائع)

مسئلہ اگر کسی شخص نے کوئی زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور اس زمین میں کاشت کر رہا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا زکوٰۃ تجارت واجب نہیں ہوگی کیونکہ زمین کی اصل زکوٰۃ عشر ہے نیت تجارت کی وجہ سے اس پر دوسری زکوٰۃ لازم نہیں آئے گی جیسے مویشی اگر تجارت کی نیت سے پالے ہوں تب بھی ان کی زکوٰۃ

جاتا ہے:

یہاں بھی مغرب و شمال کی تخصیص بے معنی ہے۔ جن لوگوں کا سمت قبلہ منحرف بجنوب ہے، ان میں جو لوگ مکہ معظمہ سے دو ہزار تین سو میل کی دوری پر ہیں۔ وہ اگر ایک درجہ صحیح سمت سے پھر جائیں تو کیا ان لوگوں کو چالیس میل کا فرق نہ پڑے گا۔ اسی طرح جو لوگ مکہ معظمہ سے پچھم ہیں اور ان کا سمت قبلہ نقطۂ مشرق سے منحرف بہ شمال یا جنوب ہے وہ اگر دو ہزار تین سو میل کی دوری پر ہوں اور سمت قبلہ سے ایک درجہ پھر جائیں تو ان لوگوں کو بھی صحیح سمت سے چالیس میل کا فرق ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے، اور اگر ہوگا تو یہ تخصیص غلط ہے اور بے معنی ہوئی۔ پھر مکہ معظمہ سے لاہور کا فصل دو ہزار تین سو میل بتانا بھی صحیح نہیں اس لیے کہ فصل طول ـتـ لو ہے۔ اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے جب بھی ایک درجہ پر چالیس میل کا فرق بتانا غلط ہے، ورنہ ۶۰ درجہ کے زاویہ پر جہاں مثلث متساوی الاضلاع ہوتا ہے اور شکل ترسی نمودار ہوتی ہے (جس جگہ کرہ عالم پر کھڑے ہونے والے دو متساوی القد انسانوں کے سرونکا فاصلہ قدموں کے فاصلہ سے بقدر ایک قامت زائد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے) وتر اسی قدر ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس حساب سے وتر دو ہزار چار سو میل ہوتا ہے۔

## مکہ سے سورت کی سمت کی تعیین میں غلطی

فرماتے ہیں:-

"مکہ معظمہ سے سورت جہاں عرب پہلی صدی میں سب سے پہلے اترے تھے، ٹھیک مشرق کی طرف تھا۔"

یہ بھی محض رجماً بالغیب اور بالکل غلط، مکہ معظمہ کا قم ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے اور سورت کا عرض کا قے ۲۱ درجہ ۱۲ دقیقہ ہے الخ ۲۸ دقیقہ کا فرق ہے اور مکہ معظمہ کا طول م لح یعنی ۴۰ درجہ ۱۳ دقیقہ اور سورت کا عہ ۵ یعنی ۷۳ درجہ ۵ دقیقہ ہے۔ مابین الطولین لب نـ قے اس حساب سے دونوں شہروں میں شرقی غربی فرق دو ہزار

وہی رہے گی جو مویشی کے لئے مقرر ہے تجارتی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ص۵۶ ج۲)

## عشر کے لئے کوئی نصاب نہیں

عشر کا ضابطہ شرعی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے اس کے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے۔ وجہ اس کی قرآن و حدیث کے الفاظ کا عموم ہے مما اخرجنا لکم من الارض ۔ اتوا حقه یوم حصاده (بدائع وغیرہ)

## مقدار واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔

ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر۔ جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(ف) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصطلاح میں عام طور پر جس کو عشر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے ضمن میں نصف عشر بھی داخل ہے۔

مسئلہ اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ بارش سے کچھ کنوئیں وغیرہ سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے گا کہ زیادہ آب پاشی بارانی ہے تو عشر واجب ہوگا اور اگر کنوئیں یا نہر یا تالاب وغیرہ سے سیراب کرنا زیادہ ہے تو نصف عشر واجب ہوگا۔[۱]

مسئلہ جس زمین کی آبپاشی بارش اور کنوئیں یا نہر وغیرہ دونوں طریقوں سے

---

[۱] ولو سقی الزرع فی بعض السنة سیحا و فی بعضها بالة یعتبر فی ذلك الغالب بدائع ص ۶۲ ج ۲

ایک سو ستاسی میل ہوا۔ اتنی دوری پر ۲۸ دقیقہ یعنی تقریباً نصف درجہ فرق ہونے سے مشرقی صاحب ہی کے حساب سے سمت قبلہ میں ۱۹ میل کا فرق ہو جائے گا۔ پھر ٹھیک مشرق کہاں ہوا کہ سمت قبلہ ان کے خیال کے مطابق ٹھیک نقطۂ مغرب ہو۔

**تاریخی غلطی** | مشرقی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"عرب جیسی جاہل اور اُجڈ قوم چند برسوں کے اندر اندر دو ہزار میل دور مقام کی صحیح سمت دریافت کر سکی، حالانکہ اوس وقت جغرافیہ کا نام و نشان موجود نہ تھا۔ اور نہ سطح زمین پر طول بلد و عرض بلد کے خطوط کوئی متنفس جانتا تھا۔"

بے خبری بھی کیا چیز ہے، اس کے طفیل میں انسان جو جی میں آئے کہہ دے کوئی ذمہ داری نہیں، پڑھا لکھا آدمی ایسی بات لکھنی در کنار اسے بولتے، بلکہ تصور کرتے شرمائے گا۔

علم جغرافیہ کب وجود میں آیا؟ موجد کون ہے؟ طول بلد، عرض بلد کے خطوط اسلام سے کتنے پہلے کھینچے گئے؟ ان کے لیے کشف الظنون اور دائرۃ المعارف دیکھیے صاحب کشف الظنون علم جغرافیہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

هو علم يعرف منه احوال الاقاليم السبعة الواقعة فى الربع المسكون من كرة الارض وعروض البلدان الواقعة فيها واطوالها وعدد مدنها وجبالها وبراريها وبحورها وانهارها الى ذلك من احوال الربع. واول من صنف فيه بطليموس القلوذى

علم جغرافیہ وہ علم ہے۔ جس کے ذریعہ کرۂ ارض کے ربع مسکون کی ساتوں اقلیموں کے حالات اور ان کی آبادیوں کے عرض البلد اور طول البلد ان کے شہروں، ان کے پہاڑوں، ان کی خشکی، ان کے دریاؤں ان کی نہروں وغیرہ ربع مسکون کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس فن میں سب سے پہلے بطلیموس قلوذی نے تصنیف کی جسطی کے

برابر برابر ہو تو اس میں آدھی پیداوار کا عشر واجب ہوگا۔ آدھی کا نصف عشر[1]

مسئلہ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے۔ بونے کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں[2]

**عشر کے مصارف** عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر دے کر قبضہ کرا دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے[3]

**سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے عشر ادا نہیں ہوگا** جب اوپر معلوم ہو گیا کہ عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی حکومت خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر خرچ کریں اور یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرتے سے اموال تجارت اور نقد کی زکوٰۃ

---

[1] کما فی الدر المختار و لو استویا فنصفہ و قیل ثلثۃ ارباعہ۔ و قال سیدی فی امداد الفتاوی و اختلف الترجیح والاحتیاط فی الثانی (امداد مبوب ص ۵۳ ج ۲)

[2] ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقۃ البقر لقولہ علیہ السلام ما سقتہ السماء ففیہ العشر الخ (ہدایہ الخ)

[3] قال فی البدائع اما رکنہ فھو التملیک لقولہ تعالیٰ وآتوا حقہ یوم حصادہ و الایتاء ھو التملیک لقولہ تعالیٰ و آتوا الزکوٰۃ فلا تتأدی بطعام الاباحۃ وبمالیس بتملیک رأسا من بناء المساجد ونحو ذلک (بدائع ص ۶۵ ج ۲)

| | |
|---|---|
| فان صنف کتابہ المعروف بجغرافیا ایضا بعد ما صنف المجسطی۔ | بعد اس نے اس فن پر ایک کتاب لکھی۔ جو جغرافیہ کے نام سے مشہور ہے۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ فن جغرافیہ پر جس میں طول وعرض بلد وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے، سب سے پہلے بطلیموس نے کتاب لکھی جس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے۔ دائرۃ المعارف میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| بطلیموس کلودیوس ریاضی فلکی جغرافی یونانی مصری یقال انہ ولد فی بیلوسوم ونشأ فی الاسکندریۃ فی قرن الثانی المیلاد۔ | بطلیموس کلودیوس، عالم ریاضی فلکی جغرافی یونانی مصری دوسری صدی عیسوی میں بیلوسوم میں پیدا ہوا۔ اور اسکندریہ میں نشوونما حاصل کی۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ جبکہ مشرقی صاحب کے خیال کے مطابق جغرافیہ کا نام ونشان نہ تھا اور سطح زمین پر طول بلد عرض بلد کا کوئی جاننے والا نہ تھا۔

رہا عربوں کا صحیح سمت دریافت کر لینا، اگر درحقیقت سورت کی مسجدیں عربوں کی بنائی ہوئی ہیں یا اسی بنیاد پر ہیں اور بالکل صحیح سمت قبلہ کی طرف ہیں تو محض نور اسلام کی وجہ سے ہے ورنہ اگر ٹھیک نقطۂ مغرب کو ہیں تو ان کے قاعدہ سے ۱۹ میل خانۂ کعبہ سے منحرف ہیں۔

سمت قبلہ کی تعیین کا مشہور طریقہ | آگے چل کر مشرقی صاحب فرماتے ہیں:۔

"میں نے ایک شخص کو لاہور کے ملاؤں اور معماروں کے پاس بھیجا کہ وہ مسجد بناتے وقت قبلہ کا رخ کیونکر مقرر کرتے ہیں۔ ایک بڑی عمر کے جاہل نے کہا۔ واہ جی یہ تو بہت آسان ہے۔ قطب تارے کی طرف ہاتھ پھیلا کر اور کندھے کی طرف دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو ناک کی سیدھ میں قبلہ ہے۔ خیر میں سمجھ گیا کہ ملا کی نجوم دانی کس قدر بے خطا ہے۔ اور

ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت اگر یہ ٹیکس وصول کرتی ہے تو معاملہ واضح ہے کہ نہ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے اس لئے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔

البتہ اگر حکومت اسلامی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حکومت مسلم لوگوں سے زکوٰۃ کے اصول کے مطابق زکوٰۃ کہہ کر وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا وعدہ کرے اسی طرح زمینوں کا عشر و خراج اسی نام سے اسی کے اصول شرعیہ کے موافق وصول کرے اور انہیں کے مصارف پر خرچ کرنے کی پابندی کا اعلان کرے تو یہ زکوٰۃ یا عشر جو حکومت مسلمہ کو دیا جائے گا وہ شرعاً زکوٰۃ اور عشر ہی میں شمار ہوگا اور لوگ زکوٰۃ و عشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے پھر اگر یہ حکومت اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں کوئی کوتاہی بھی کرے تو اس کی ذمہ داری عمال حکومت پر رہے گی ارباب اموال زکوٰۃ و عشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے لیکن حکومت پاکستان اس وقت تک مسلمانوں سے جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے نہ وہ زکوٰۃ کے اصول پر وصول کیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے نام سے لیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے کی حکومت پابندی قبول کرتی ہے اسی طرح زمینوں کی جو سرکاری مالگذاری وصول کرتی ہے حکومت اس کو بھی عشر اور خراج کے شرعی اصول کے ماتحت وصول نہیں کرتی نہ عشر و خراج کہہ کر وصول کرتی ہے نہ ان کے مصارف میں صرف کرنے کی پابندی کا کوئی اعلان حکومت کی طرف سے ہے اس لئے حکومت مسلمہ کو انکم ٹیکس یا زمین کی سرکاری مالگذاری ادا کر دینے پر بھی زکوٰۃ اور عشر کے فرائض سے سبکدوشی نہیں ہوتی وہ بجا لہذا واجب ہیں ارباب اموال پر لازم ہے کہ اپنی زکوٰۃ اور عشر نکالیں اور ان کے مصارف پر بطور خود صرف کریں البتہ خراج چونکہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے اس لئے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور اگرچہ حکومت اس کا کوئی اعلان نہیں کرتی مگر مصارف خراج پر بہت زیادہ رقوم خرچ کرتی ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے جو آپ کہتے ہیں کہ شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب
ہی کی طرف ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ مشرقی صاحب کی ساری پرواز اور ہندوستان کی مسجدوں کے سمت قبلہ سے انحراف کی ساری عمارت انھوں نے کسی ملا کے بیان پر قائم کی ہے اور اسے غایت دیانت سے تمام مولویوں کی جہالت کے سر منڈھ دیا ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ اُس ملا یا اُس جاہل معمار کی موٹی بات کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اگر وہ اس کے الفاظ پر غور فرماتے تو آسانی سے سمجھ میں آجاتا کہ ہندوستان کے شہروں کی سمت قبلہ تین طرح کی ہے۔ بعض کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب بلا انحراف نقطۂ شمال یا جنوب ہے اور بعض کا منحرف بشمال، اور بعض کا منحرف بجنوب، اور ان سب کی پہچان قطب تارہ ہے۔ جہاں کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب ہے۔ وہاں مرکز قطب کو مونڈھے کی ہڈی کے مرکز کے سیدھ میں رکھنا ہوتا ہے اور جس جگہ کا قبلہ منحرف بشمال ہے، وہاں قطب تارے کو مونڈھے کے اگلے حصہ کی طرف کرنا ہوتا ہے اور جہاں کا قبلہ منحرف بجنوب ہو وہاں قطب تارے کو مونڈھے کی پشت پر رکھنا ہوتا ہے مگر جسے اس کا علم ہی نہ ہو اور اس تفصیل سے ناواقف ہو تو وہ لامحالہ اپنی جہالت کا الزام دوسرے کے سر تھوپے گا۔

**امام رازی کا طریق تعیین سمت قبلہ** امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

المسئلة الرابعة فى دلائل القبلة اعلم ان الدلائل اما ارضية او هوائية او سماوية اما الارضية والهوائية فهى غير مضبوطة ضبطا كليا اما السماوية فادلتها منها تقريبية و منها تحقيقية اما التقريبية فقد قالوا هذه الادلة اما ان تكون

چوتھا مسئلہ دلائل قبلہ کے بیان میں ہے۔ دلائل قبلہ تین قسم کے ہیں۔ ارضی، ہوائی، سماوی۔ ارضی اور ہوائی کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ سماوی دلیلیں دو قسم کی ہیں۔ تقریبی۔ تحقیقی۔ تقریبی بھی دو طرح کی ہیں۔ نہاری اور لیلی۔ نہاری تو آفتاب ہے اور لیلی یہ ہے کہ سمتِ قبلہ پر اس کوکب سے

مصارف خراج میں فوج کی تنخواہیں اور فوجی مصارف سب داخل ہیں اس لئے خراجی زمینوں کے مسلمان مالک پاکستان میں جو رقم سرکاری مال گذاری میں ادا کرتے ہیں اس میں نیت خراج کی کرلیں تو خراج ادا ہو جائے گا مگر عشری زمینوں کا عشر اس طرح ادا نہیں ہوگا۔

سیدی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ میں یہی فتویٰ دیا ہے جو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

**سوال ۹۲** زمین عشری کی مال گذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیق تھی۔ عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علاوہ دے مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کونسا ہے۔

**الجواب** ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں (حوادث الفتاویٰ ص ۹۱ ج ۱)

سیدی و استاذی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جو فتاویٰ دار العلوم حصہ عزیز الفتاویٰ مبوب طبع دیوبند ص ۱۸ پر طبع ہوا ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے یہ فتویٰ بھی بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

**سوال نمبر ۹۰۳/۹۹۹** مولانا عبدالحی صاحب در مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۱۸ نوشتہ اند کہ ہر کہ در زمین مملوکہ خود بآب باراں کاشت کرد عشر غلہ بر دو واجب الادا است مگر در صورتے کہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود دراں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت رد المحتار وغیرہا لا یجتمع العشر مع الخراج انتھیٰ ایں مسئلہ چگونہ است و قولہ لا یجتمع العشر مع الخراج چہ معنی دارد

**الجواب** معنی قولہ لا یجتمع العشر مع الخراج انہ لا یؤخذ من الارض الخراجیۃ العشر ولا من العشریۃ الخراج ولکن ان اخذ

نہاریۃ اولیلیۃ اما النہاریۃ فالشمس واما اللیلیۃ فہوان یستدل علی القبلۃ بالکوکب الذی یقال لہ الجدی فانہ کوکب کالثابت لاتظہر حرکتہ من موضعہ واما الطریقۃ الیقینیۃ وھی الوجوہ المذکورۃ فی کتب الھیئۃ۔ ۱ھ۔ مختصراً۔

استدلال کیا جائے۔ جسے جدی الفرقد کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ کوکب اگرچہ حرکت کرتا ہے مگر اتنی کم کہ بمنزلہ ثابت کے ہے۔ اس کی حرکت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور تحقیقی دلائل وہ وجوہ ہیں جو ہیئت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اھ مختصراً۔

**نجوم اور ہیئت کیا ایک ہیں** اس سے معلوم ہوا کہ کوکب جدی الفرقد یعنی قطب تارہ سے استدلال صرف لاہور کے بڑی عمر کے جاہل کی جدت نہیں بلکہ اکابر علماء کرام امام فخر الدین رازی جیسے مشہور و مستند عالم دین کی تحقیق ہے۔ بالفرض اگر جاہل ملا کا یہ جواب غلط ہی مان لیا جائے تو اس سے اس کی نجوم دانی سے ناواقفیت کا حکم کس طرح مشرقی صاحب نے لگا دیا کیا ان کے نزدیک علم ہیئت اور نجوم دونوں ایک چیزیں ہیں کہ ایک کی ناواقفیت سے دوسرے کی ناواقفیت لازم آتی ہے۔ حالانکہ اتنا تو ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ علم ہیئت افلاک کی حرکات اور کواکب کے اوضاع و اطوار سے بحث کرتا ہے اور علم نجوم میں ان اوضاع و حرکات کے آثار سے بحث ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی صاحب علم ہیئت و نجوم کے فرق سے بھی واقف نہیں پھر اس غلط جواب سے یہ نتیجہ کہاں سے نکلا کہ شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب ہی کی طرف ہے:

ایک ملا کے نہ جاننے سے تمام شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب کی سمت کس طرح ہو گیا۔ کیا شمالی ہندوستان کی تمام مسجدیں آپ کے بڑی عمر والے جاہل ہی کی رائے اور نقشہ سے بنی ہیں؟

**بے بنیاد دعویٰ** اس کے بعد آپ کے قیمتی افادات یہ ہیں۔

من العشریۃ الخراج فھل یسقط العشر فھو محل تامل پس ظاہر آنست کہ مولانا عبد الحی صاحب مرحوم حکم زمین خراجی نوشتہ اندکہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتند ادائے عشر لازم نخواہد شد لیکن اگر از زمین عشری خراج گرفتہ شد ظاہر آنست کہ دیانۃً بذمہ مالک ادائے عشر لازم است واللہ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

**سوال نمبر ۶۰۱ / ۴۴۴** انگریز از مایان خراج می گیرد آیا دریں صورت عشر ساقط شود یا نے

**الجواب** احتیاط این ست کہ عشر دادہ شود۔
علامہ ہمایونی سندھی نے اپنے رسالہ "سراج السند فی خراج السند" میں تحریر فرمایا ہے:۔

پس بدانکہ ہر کسیکہ خراج لازم آید او را لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہستند صرف نماید تا عند اللہ ز عہدۂ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد و اما انچہ حکام نصاری می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لھم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیھم مالا بنیۃ الخراج لا یخرجون عن عھدتہ لانھم لیسوا بمقاتلین لاھل الحرب ولا دافعین اعداء الاسلام عنھم وعن دارھم انتھی۔

علامہ ہمایونی نے جو حکم لکھا ہے وہ خراج کا ہے اس سے عشر کا حکم بدرجہ اولی معلوم ہو گیا کہ سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

## خراج کے احکام و مسائل

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔

**خراج کی دو قسم** خراج مقاسمہ، خراج موظف ہیں۔ خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے

"نقشہ کے موٹے خط (ب سے معلوم ہوگا کہ لاہور کی مسجدوں کا رخ صحیح رخ سے تقریباً ۲۵ درجہ جنوب کی طرف ہٹا ہے۔ ایک درجہ کا فرق دو ہزار تین سو میل، پر میں نے ابھی چالیس میل بتایا ہے تو اس حساب سے ۲۵ درجوں کا فرق ۲۵ × ۴۰ یعنی ایک ہزار میل ٹھہرا۔"

یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ اگر یہ بیان صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے کہ لاہور کی تمام مسجدیں نقطۂ مغرب کو ہیں، حالانکہ نقطۂ مغرب سے منحرف بجنوب ہونا چاہیے، تو لاہور کی مسجدوں کا رخ صحیح رخ سے جتنے درجے بھی ہو شمال کو ہٹا ہوگا، نہ جنوب کو۔ پھر اسے ۲۵ درجہ جنوب کو ہٹا ہوا بتانا بھی غلط ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بیت المقدس کی سمت میں نہ ہوں گی بلکہ اس شہر کی سمت میں ہوں گی جو لاہور سے جنوب کی طرف واقع ہوگا۔

ایک ہزار میل کا فرق بتانا بھی غلط اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ لاہور کی مسجدوں کا رخ اگر ٹھیک نقطۂ مغرب مان لیا جائے، تب بھی مشرقی صاحب کے اصول کے مطابق جو صرف عرض البلد کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی بنا پر وہ ہندوستان میں سورت، ناگپور، کٹک وغیرہ کا قبلہ جو ان کے خیال میں عرض البلد مکہ معظمہ پر واقع ہیں، نقطۂ مغرب صحیح خیال کرتے ہیں، بالکل غلط ہے۔ سمتِ قبلہ جاننے کے لیے صرف عرض البلد کافی نہیں، اس کے ساتھ طول البلد کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ طول البلد سے۔ عرض موقع معلوم ہوتا ہے۔ جس سے سمتِ اطراف پہچانی جاتی ہے۔ مشرقی صاحب چونکہ صرف عرض البلد کا لحاظ کرتے ہیں اس لیے گذارش ہے کہ لاہور کا عرض البلد لاَل ق ہے یعنی ۳۱ درجہ ۳۰ دقیقہ اور مکہ معظمہ کا کا م ق یعنی ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ مابین العرضین ط ن ق ۹ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے۔ اس حساب سے ۲۵ درجہ کا فرق بتانا بالکل بے اصل اور غلط ہے۔ کیا ۳۱ سے ۲۱ کی تفریق کرنے سے پچیس ۲۵ بچتے ہیں۔ جب یہ فرق ہی غلط ٹھہرا تو ۴۰ میں ضرب دے کر ہزار میل کا فرق بتانا بھی غلط ہوا۔ صحیح ۳۹۳ میل ہے۔

ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کر دیا جائے اور خراج موظف کے معنی یہ ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے۔

فقہار نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جن خراجی زمینوں پر جس طرح کا خراج لگا دیا جائے پھر اس کو بدلنا جائز نہیں[ع] ۔ مثلاً خراج مقاسمہ کو موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں[۱] (شامی)

### مقدار خراج موظف

جب عراق فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو اس کی زمین کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ رضؓ کو اس کام کا نگران مقرر فرمایا پوری مفتوحہ زمین عراق کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی[۲]

(ہدایہ باب العشر والخراج من السیر و کتاب الاموال ابو عبید ص ۶۹)

جریب ساٹھ مربع گز[ع] کو کہا جاتا ہے۔ جو ہمارے ملک کے مروجہ بیگھ کے قریب ہے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں[ع] پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جَو

---

[۱] وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمۃ اقول وکذلک عکسہ (رد المحتار ج ۳) [۲] ھذا ھو المنقول عن عمرؓ فانہ بعث عثمان بن حنیف حتی یمسح سواد العراق وجعل حذیفۃ مشرفاً علیہ فمسح فبلغ ستا وثلاثین الف الف جریب ووضع علی ذلک ما قلنا (ہدایہ کتاب السیر باب العشر والخراج و مثلہ فی کتاب الاموال ۱۲) [۳] ۔۔۔ ہیں۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

[ع] البتہ برضائے زمینداراں بدلنا جائز ہے کما یدل علیہ التعلیل بان فیہ نقض العہد وھو حرام ۱۲

[ع] یہ جریب ۳۶۰۰ مربع گز کی تھی اور ہمارے ملک کا مروجہ بیگہ ۳۰۲۵ مربع گز اور ایکڑ ۴۸۴۰ مربع گز ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

سب سے بڑی غلطی مشرقی صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے جواب دینے سے قبل لاہور کی مسجدوں کو خود نہیں جانچا۔ صرف مستفتی کے کہنے پر ایمان لے آئے۔ کاش اس شخص کو لاہور کے ملاؤں اور معماروں کے پاس بھیجنے کے بجائے آپ خود اس کی تحقیق کر لیتے تو اتنی ٹھوکریں نہ کھاتے، یا کسی ایسے شخص کو بھیجتے جو یہ معلوم کر سکتا کہ کون کون مسجدیں ٹھیک قبلہ کی سمت ہیں اور کون کون کس قدر اور کس جانب منحرف ہیں تو بھی غلطیوں میں مبتلا نہ ہوتے، لیکن یہ ہوتا کیونکر، مشرقی صاحب کو خود ہی نہیں معلوم کہ سمتِ قبلہ کے معلوم کرنے کا کیا قاعدہ ہے اور مسجدوں کی صحت اور غلطی معلوم کرنے کا کیا اصول ہے۔

**غلط سمتیں** آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اس نقشے سے صاف ظاہر ہے کہ تمام ہندوستان میں ماسوا سورت ناگپور، کٹک وغیرہ کے جو اسی عرض البلد پر واقع ہیں جس پر کہ مکہ معظمہ ہے۔ ہندوستان کی تمام نئی مسجدوں کا قبلہ غلط ہے۔ ایک مسجد ایسی نہیں جس کے نمازیوں نے آج تک ایک نماز قبلہ رُو ہو کر پڑھی ہو۔ لاہور اور امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس ہے، راولپنڈی والوں کا بغداد اور دمشق، پشاور والوں کا بیروت، دہلی والوں کا بوشہر، ملتان کا کوفہ، کراچی والوں کا مدینہ، مدراس والوں کا عدن، بمبئی والوں کا بندرگاہ سواکن وغیرہ وغیرہ:"

یہ آپ کے معلومات کا نچوڑ ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سرے سے سمت قبلہ کے معنی ہی سے ناواقف ہیں، اور نہ آپ کو اس کے جاننے کا اصول معلوم ہے۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ نمازی کا منہ نماز میں جس سمت کو ہو جائے وہی سمتِ قبلہ ہے اسی سے یہ فیصلہ صادر کر دیا۔ کہ لاہور اور امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس، راولپنڈی والوں کا بغداد اور دمشق ہے۔ اول دو شہروں کا جو طول و عرض میں مختلف ہیں، ایک قبلہ یعنی بیت المقدس بتانا بالکل غلط

یا جو چیز اس میں بوئی جائے۔ اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم (ہدایہ ص ۵۹۲ ج ۱)

ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے دس درہم پینتیس ماشے کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولے چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے اعتبار سے تقریباً چھ روپے بنتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لیکر مذکور الصدر چیزوں کا خراج متعین فرما دیا۔

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کردی جائے۔

(ہدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر)

مسئلہ: ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے خراج مقاسمہ کا بھی ایک اندازہ قائم ہو جاتا ہے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

مسئلہ: اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہنچ جائے جس

---

عـہ اس سے کم بھی جائز ہے اور جب کل پیداوار خراج مقررہ سے دو چند نہ ہو تو نصف پیداوار تک کم کرنا واجب ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

عـہ یعنی ایسے گنجان ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

عـہ خواہ ایسے گنجان ہوں جن میں زراعت نہ ہو سکے یا متفرق ہوں ایسے ہی انگور اور کھجور کے باغ جن میں کاشت ہو سکتی ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

للعـہ جیسے زعفران، کپاس، اور لہسن پیاز وغیرہ۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

عـہ خمس سے کم نہ کرنا بہتر ہے مگر جائز ہے اور نصف سے زائد جائز نہیں ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

ہے۔ جب دو شہر طول و عرض دونوں میں مختلف ہوں گے تو ان کا قبلہ بھی مختلف ہوگا۔ ایک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی بڑھ کر پُرلطف بات راولپنڈی کا قبلہ بغداد اور دمشق بتانا ہے جو طول و عرض دونوں میں مختلف ہیں، کوئی ایسے دو شہر جو طول و عرض دونوں میں مختلف ہیں، ایک شہر کا قبلہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ راولپنڈی کا قبلہ آپ نے صرف دو ہی شہروں بغداد اور دمشق ہی کو بتایا ورنہ آپ کے عامیانہ اصول پر توصل کے سامنے جتنے شہر، درخت، مکان، پہاڑ، مندر، گرجا وغیرہ واقع ہوں وہ سب اس کے قبلہ ہیں ورنہ تخصیص بلا مخصص لازم آئے گی۔

**سطحی نقشہ سے تعیین سمت کی سطحی غلطی**

سمتِ قبلہ میں مشرقی صاحب کی غایت معلومات یہ ہیں کہ:۔

"نقشہ اصلاح یا اس سے بہتر صحیح نقشہ یعنی اسکولوں کا نکالو اور جس شہر کا سمت قبلہ معلوم کرنا چاہتے ہو، اوس شہر اور مکہ معظمہ کے درمیان خط کھینچ کر جو سمت معلوم ہو ٹیڑھا یا سیدھا جس طرح کا خط ہو، اوسی طرح راست یا کج سمت قبلہ ہے۔"

مشرقی صاحب نے اسے اپنے رسالہ "مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹" کے نقشہ میں خط اب ج دے کر سمجھایا ہے۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے رسالہ یا اخبار "اصلاح" کا نقشہ تو در کنار بڑے بڑے نقشوں میں سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں جگہیں دنیا بلکہ ہندوستان کی ایسی ہیں کہ جن کا نام و نشان تک نہیں۔ اس کے لیے ساری دنیا کا نقشہ نہ سہی، ہندوستان کے لیے کم از کم ایشیاء کا نقشہ ضرور ہونا چاہیے۔ جس میں ایک طرف تو وہ شہر ہو جس کی سمت مطلوب ہے، دوسری طرف مکہ معظمہ، اسے تو جغرافیہ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایشیاء کے نقشہ میں ہندوستان کے سب بڑے بڑے شہر بھی نہیں ہوتے۔

**سمتوں کی تعیین میں سخت غلطیاں**

اس کے بعد مشرقی صاحب نے اپنی خیالی بنیاد پر چند شہروں کی سمت قبلہ بتائی ہے۔

سے وہ قابلِ کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہوجائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ البتہ زمین کے قابلِ کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت و کوتاہی سے کاشت نہ کی تو خراج مؤظف وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ نہیں تو خراج بھی نہیں۔ (ہدایہ فتح القدیر ص ۳۶۴ ج ۴)

مسئلہ زمین پر خراج لگ جانے کے بعد اگر مالکِ زمین مسلمان ہو جائے تو پھر وظیفۂ زمین تبدیل نہ ہوگا خراج ہی رہے گا (ہدایہ)

مسئلہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے کے بعد بھی وظیفۂ زمین کا نہ بدلے گا۔ بدستور خراج ہی رہے گا۔ بہت سے صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ انھوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور ان کا خراج ادا کرتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا مسلمان کے لئے بلا کراہت جائز ہے (ہدایہ مع فتح ص ۳۶۵ ج ۴)

مسئلہ اگر زمین سے سال بھر میں دو یا زیادہ مرتبہ فصل پیدا کی جائے تو بھی خراج مؤظف ایک ہی رہے گا۔ اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔ کیونکہ خراج مؤظف کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ زمین سے ہے بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ عشری زمین سے غلہ اگایا جائے گا اتنی ہی مرتبہ عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۶۷ ج ۴)

مسئلہ اگر خراجی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دے دی تو اگر یہ اجارہ بٹائی کی بنیاد پر ہے کہ مالکِ زمین اور مستاجر کے درمیان پیداوار کے حصے مقرر ہو کر تقسیم ہو تو خراج مقاسمہ بھی دونوں شخصوں پر اپنے اپنے حصے کے مطابق واجب ہوگا اور اگر اجارہ کچھ نقد روپیہ پر کیا گیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق خراج مؤظف مستاجر کے ذمہ ہوگا جیسا کہ عشر کے باب میں گذرا ہے (کذا فی الشامیہ وغیرہ)

**خراج کے مصارف** | خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا

اس کی واقعی صحت تو الگ رہی خود ان کے خود ساختہ اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

سورت، ناگپور اور کٹک کا قبلہ نقطۂ مغرب کو صحیح بتانا بھی غلط ہے۔

سورت کے متعلق اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مشرقی صاحب کے قاعدہ سے ۱۹ میل سمت قبلہ سے فرق ہے۔ ناگپور کا عرض کا ہ یعنی ۲۱ درجہ ۵ دقیقہ ہے اور مکہ معظمہ کا عرض کا م یعنی ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ مابین العرضین لہ یعنی ۳۵ دقیقہ. طول ناگپور عط ہ یعنی ۷۹ درجہ ۵ دقیقہ مابین الطولین لح نب یعنی ۳۸ درجہ ۵۲ دقیقہ. فصل طول ۲ گھنٹہ ۳۵ منٹ ۳۸ سکنڈ فرق دو ہزار پانچ سو چورانوے میل۔ جب آپ کے حساب سے دو ہزار تین سو میل پر ایک درجہ کے حساب سے پورے ۴۰ میل کا پڑتا ہے۔ تو دو ہزار پانچ سو چورانوے میل ۳۵ دقیقہ پر ۲۸ میل کا فرق ہوگا۔ پھر ٹھیک نقطۂ مغرب کہاں ہوا۔

علیٰ ہذا القیاس کٹک کا عرض ک ل ۲۰ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین ا ی ایک درجہ دس دقیقہ اور کٹک کا طول فوا ۸۶ درجہ ایک دقیقہ ہے مابین الطولین مہ مح ۴۵ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے۔ فصل طول ۳ گھنٹہ ۳ منٹ فرق مسافت تین ہزار بیالیس میل، تو کٹک کا فرق نقطۂ مغرب سے آپ ہی کے حساب سے ۷۰ میل ہوا۔ پھر کٹک کا سمت قبلہ نقطۂ مغرب بتانا کس طرح صحیح ہوگا۔

نیز انھوں نے ہندوستان کے جن جن شہروں کا قبلہ غیر ممالک کے جن جن شہروں کو بتایا ہے وہ جس طرح واقعہ کے خلاف ہے خود ان کے اصول و قاعدہ کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان شہروں کے عرض میں بھی فرق ہے اور طول کا فرق اس پر مستزاد ہے۔

اگر بالفرض ان شہروں کے مسلمان ٹھیک نقطۂ مغرب کی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں، تب بھی سمت قبلہ کی طرف ٹھیک رخ نہ سہی مگر ان شہروں کی طرف بھی (جنھیں مشرقی صاحب نے ان شہروں کا قبلہ بتایا ہے) رخ نہ ہوگا۔ وہ لاہور اور امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس بتاتے ہیں۔ اولاً لاہور اور امرتسر دونوں ایک عرض

مصرف عام مصالح ملک و اہل اسلام ہیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء و طلباء مفتیوں اور قاضیوں کا گزارہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے گا۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچ بھی اس مد سے کیا جائے گا۔

کفار سے جو جزیہ وصول کیا جائے اور ان سے مال تجارت پر جو ٹیکس وغیرہ وصول کیا جائے وہ سب بھی اسی مد میں داخل ہوگا۔ ہدایہ میں ہے۔

وماجباہ الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداہ اهل الحرب الی الامام والجزیة یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور و بناء القناطر الا الجسور ویعطی قضاة المسلمین وعمالهم و علماءهم منه ما یکفیهم و یدفع منه ارزاق المقاتلة وذراریهم اھ قال فی الفتح یعطی ایضا للمعلمین و المتعلمین و بهذا تدخل طلبة العلم (فتح ص ۲۸ ج ۴)

اور امیر المسلمین جو رقم خراج اراضی سے یا بنی تغلب کے عشر مضاعف سے حاصل کرے یا اس کو اہل حرب کی طرف سے کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو وہ سب مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کو اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں اور اسی سے قاضیوں کو اور عمال حکومت اور علماء کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطا یا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گزارہ دیا جائے گا (ہدایہ) فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین اور طلباء علم دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔

مسئلہ اگر کسی بادشاہ یا اس کے نائب نے کسی شخص کے لئے کسی زمین کا خراج معاف کر دیا تو یہ جائز ہے اور خراج کی رقم یا غلہ اس شخص کے لئے حلال ہے بشرطیکہ یہ شخص ان لوگوں سے ہو جن پر خراج کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ مثلاً دینی خدمات یعنی تعلیم، فتویٰ، تبلیغ، قضاء یا جہاد وغیرہ میں مشغول ہے یا طالب علم ہے تو اس کے لئے یہ معاف کیا ہوا خراج حلال ہے اور جو ایسا نہیں تو اس کے لئے حلال نہیں

پر نہیں ہیں، لاہور کا عرض البلد ۳۱ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور امرتسر کا ۳۱ درجہ ۳۷ دقیقہ ہے اس حساب سے اگر بیت المقدس لاہور والوں کا قبلہ ہوگا یعنی ان کے نقطۂ مغرب کے ٹھیک جہت میں ہوگا تو امرتسر والوں کا قبلہ نہ ہوگا۔ اور اگر امرتسر والوں کا قبلہ ہو گا تو لاہور والوں کا نہ ہوگا۔ حالانکہ واقعہ کے لحاظ سے بیت المقدس نہ لاہور والوں کا قبلہ ہے اور نہ امرتسر والوں کا۔ اس لیے کہ بیت المقدس کا عرض لَا مَہ ۳۱ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے۔ جس سے لاہور سے پورے دس دقیقہ اور امرتسر سے تین دقیقہ کا فرق ہے۔ اور بیت المقدس کا طول لَہ یدَ ۳۵ درجہ ۱۴ دقیقہ ہے اور لاہور کا طول عَدکَج ۷۴ درجہ ۲۳ دقیقہ، مابین الطولین لَطَ طَ ۳۹ درجہ ۹ دقیقہ، فصل طول دو گھنٹہ ۳۶ منٹ ۳۶ سکنڈ، فرق مسافت دو ہزار چھ سو میل، گویا خود ان کے قاعدہ سے ۱۰ میل کا فرق ہوا۔ پھر لاہور والوں کا قبلہ بیت المقدس کس طرح ہوگا۔

علی ہذا القیاس طول امرتسر عدمح ۷۴ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے تو بیت المقدس اور امرتسر کا مابین الطولین لَطَ لَد ۳۹ درجہ ۳۴ دقیقہ، اور فصل طول دو گھنٹہ ۳۸ منٹ ۱۶ سکنڈ ہوا۔ اور فرق مسافت دو ہزار چھ سو تیس میل ہوا۔ اس لیے مشرقی صاحب کے قاعدہ سے نقطۂ مغرب سے ۳ میل کا فرق ہوگا۔ پھر امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس کیسا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

اسی طرح راولپنڈی والوں کا قبلہ بھی بغداد نہ ہوگا۔ کیونکہ راولپنڈی کا عرض لَہ لَز ۳۵ درجہ ۳۷ دقیقہ ہے اور بغداد لَجَ کَہ۔ مابین العرضین بَ یز ۲ درجہ ۱۷ دقیقہ اور راولپنڈی کا طول عَج وَ ۷۳ درجہ ۶ دقیقہ ہے۔ اور بغداد کا مد کہ ۴۴ درجہ ۲۵ دقیقہ، مابین الطولین کح مَا، ۲۸ درجہ ۴۱ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۴ منٹ ۴۴ سکنڈ، فرق مسافت ایک ہزار نو سو سترہ میل۔ یہ فرق اگرچہ طول میں اور شہروں کے اعتبار سے کچھ کم ہے پھر بھی تقریباً دو ہزار میل ہے۔ مگر عرض کا فرق ۲ درجہ ۱۷ دقیقہ ہے۔ جب ایک درجہ پر آپ کے حساب سے ۴۰ میل کا فرق پڑجاتا ہے تو دو درجہ سے زائد پر ۹۱ میل فرق ہوگا۔ پھر راولپنڈی والوں کا قبلہ بغداد کو بتانا

بلکہ اس کے ذمہ لازم ہوگا کہ مقدار خراج کو صدقہ کرے

مسئلہ[1] اگر کوئی سلطان یا اس کا نائب کسی عشری زمین کا عشر کسی شخص کو معاف کردے تو شرعاً نہ اس کے لئے یہ معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالک زمین کے لئے یہ عشر اپنے خرچ میں لانا حلال ہے بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکالے اور فقراء و مساکین پر صدقہ کرے

# ادائے خراج کی صورت پاکستان و ہندوستان

احکام عشر کے تحت میں معلوم ہوچکا ہے کہ عشر کے معاملہ میں پاکستان و ہندوستان دونوں ملکوں میں کوئی فرق نہیں، مسلمانوں کو اپنی عشری زمینوں کا عشر خود نکالنا اور زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرنا واجب ہے سرکاری ٹیکس جو دونوں حکومتیں لیتی ہیں اس سے عشر ادا نہیں ہوتا۔

مگر خراج کے معاملہ میں ان دونوں ملکوں میں یہ فرق ہے کہ پاکستان میں خراجی زمینوں کا ٹیکس دینے والے اگر خراج کی نیت سے دے دیں تو ان کا خراج ادا ہوجائے گا کیونکہ حکومت پاکستان اگرچہ اس ٹیکس کو بحیثیت شرعی خراج کے وصول نہیں کرتی اور نہ اس کا نام خراج رکھتی ہے مگر بہت بھاری رقم سرحدوں کی حفاظت اور فوجی ضروریات میں خرچ کرتی ہے جو شرعاً مصرف خراج ہے۔ اس لئے اگر خراجی زمینوں کا ٹیکس حکومت پاکستان کو ادا کرنے کے وقت دینے والے خراج کی نیت سے دے دیں تو ان کا

---

[1] فی الدر المختار من باب العشر و الخراج کتاب السیر (ترک السلطان) او نائبہ (الخراج لرب الارض) او وھبہ لہ ولو بشفاعۃ (جاز) عند الثانی وحل لہ لو مصرفا والا تصدق بہ بہ یفتی وما فی الحاوی ترجیح حلہ بغیر المصرف خلاف المشہور (ولو ترک العشر لا) یجوز اجماعا ویخرجہ بنفسہ للفقراء (در مختار شامی ص ۲۰۹ ج ۳ کتاب السیر)

کس قدر غلط ہے اور دمشق اور راولپنڈی کا مابین العرضین ب ز قـ، ۲ درجہ اور ۷ دقیقہ ہے اور مابین الطولین ز ن ب قـ ۳۶ درجہ ۵۲ دقیقہ ہے۔ فصل طول ۲ گھنٹہ، ۳۱ منٹ ۲۸ سکنڈ اور فرق مسافت ۲ ہزار پانچ سو چودہ میل ہے، اس میں بھی ان کے حساب سے ۲۸ میل فرق ہوا، نہ ٹھیک نقطۂ مغرب ہوگا کہ راولپنڈی والوں کا قبلہ دمشق قرار دیا جائے۔

پشاور کا قبلہ بیروت بتانا بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ پشاور کا عرض البلد لہ یہ دقیقہ ۳۴ درجہ ۴۵ دقیقہ ہے۔ اور بیروت کا لج ند قـ ۳۳ درجہ ۵۴ دقیقہ، مابین العرضین کا قـ یعنی ۵۱ دقیقہ، طول پشاور عا ل ح، ۷۱ درجہ ۳۰ دقیقہ، طول بیروت لہ لا قـ، ۳۵ درجہ ۳۱ دقیقہ، مابین الطولین لہ نط قـ ۳۵ درجہ ۵۹ دقیقہ، فصل طول ۲ گھنٹہ ۲۳ منٹ ۵۶ سکنڈ، فرق مسافت دو ہزار چار سو میل تو ۱۲ درجہ پر ۱۴ میل کا فرق ہوگا۔ اسی طرح دہلی کا قبلہ بوشہر نہیں ہوسکتا، دہلی کا عرض البلد کح مب قـ ۲۸ درجہ ۴۲ دقیقہ ہے بوشہر کا کط ۲۹ درجہ ۵۰ دقیقہ، مابین العرضین اح قـ ایک درجہ آٹھ دقیقہ۔ طول دہلی عز ک قـ ۷۷ درجہ ۲۰ دقیقہ، طول بوشہر ۵۰ درجہ، مابین الطولین کز ک قـ ۲۷ درجہ ۲۰ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۹ منٹ ۲ سکنڈ، فرق مسافت ایک ہزار چھ سو بیاسی میل۔ پس ۴۵ میل فرق ہوگا۔

یہ بھی صحیح نہیں کہ ملتان کا قبلہ کوفہ ہے۔ ملتان کا عرض ل ج ج ۳۰ درجہ ۳ دقیقہ کوفہ کا عرض لب مد قـ ۳۲ درجہ ۴۴ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین ب ما، ۲ درجہ ۴۱ دقیقہ، طول ملتان عا ل قـ ۷۱ درجہ ۳۰ دقیقہ، طول کوفہ کد ۴۴ درجہ مابین الطولین کز ل قـ ۲۷ درجہ ۳۰ دقیقہ۔ فصل طول ح ی ۳ گھنٹہ دس منٹ، فرق مسافت تین ہزار ایک سو چھیاسٹھ یعنی مشرقی صاحب کے قاعدہ سے ایک سو باسٹھ میل فرق ہوگا۔ پھر ملتان کا قبلہ کوفہ بتانا کیسے صحیح ہوا۔ کراچی کا قبلہ مدینہ طیبہ بھی عجیب ہے کراچی کا عرض البلد کہ ۲۵ درجہ، مدینۂ منورہ کا عرض کد ک ۲۴ درجہ ۲۰ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین م قـ ۴۰ دقیقہ۔ طول کراچی سز ۶۷ درجہ، سوس مدینہ طیبہ م نہ قـ ۴۰ درجہ

خراج ادا ہو جائے گا۔ ۱؎

لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے۔ اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کر دیں جو ہندوستان میں موجود ہیں مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین و طلبہ فتوی اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء۔ ان پر یہ رقم خرچ کی جائیں

علامہ ہمایونی سندھی نے رسالہ سراج السند فی خراج السند میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے ۲؎

---

۱؎ في الهداية اذا اخذ الخوارج الخراج وصدقة السوائم لا يثنى عليهم لان الامام لم يحمهم والجباية بالحماية وافتوا بان يعيدوها دون الخراج لانهم مصارف الخراج لانهم مقاتلة والزكوة مصرفها الفقراء وهم لا يصرفونها اليهم انتهى. ومثله في الدر المختار. وانت تعلم ان مدار هذا الحكم على كون الآخذ مسلما يقاتل عن المسلمين يحفظ ثغورهم قلت فلو قوم من الشامي تحت هذا القول ويظهر من اهل الحرب اذا غلبوا على بلدة من بلادنا كذلك لتعليلهم اصل المسئلة بان الامام لم يحمهم والجباية بالحماية. فلا يظهر في وجه لكونه قياسا مع الفارق وكيف يقاس الكفار على المسلمين المقاتلين الذابين عن الاسلام والمسلمين الا ان يقال ان مراد الشامي انه ليس للامام اخذه ثانيا لا سقوط الخراج عن ذمة ارباب الاموال مطلقا والله اعلم وكذلك اول العلامة الهمايوني في رسالة الخراج كلام الشامي ۱۲

۲؎ ونصہ پس بدانکہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید او را لازم ست کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہست صرف نماید تا عند اللہ از عہدۂ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نگردد اما آنچہ حکام نصاری می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد لان الکافرین لیس لہم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین

۵۵ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ ۴۰ سکنڈ، فرق مسافت ۱۷۲۲ میل، تو ۴۰ دقیقہ پر ۲۲ میل کا فرق ہوگا۔

مدراس کا قبلہ عدن بھی نہیں ہو سکتا، عرض مدراس یجؔ بؔ ۱۳ درجہ ۲ دقیقہ، عرض عدن یبؔ مہ ۱۲ درجہ ۴۵ دقیقہ، مابین العرضین یجؔ ۱۷ دقیقہ، طول مدراس فؔ کب ۸۰ درجہ ۲۲ دقیقہ، طول عدن مہ ج ۴۵ درجہ ۳ دقیقہ، مابین الطولین لہ یط ۳۵ درجہ ۱۹ دقیقہ، فصل طول ۲ گھنٹہ ۲۱ منٹ ۱۶ سکنڈ، فرق مسافت ۲۴۳۲ میل یعنی ان ہی کے حساب سے ۱ میل کا فرق ہوگا۔ مدراس کا قبلہ عدن بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

بمبئی کا قبلہ بندرگاہ سواکن بتانا اگر مجذوب کی بڑ نہیں تو اور کیا ہے؟ عرض بمبئی یح نہ ۱۸ درجہ ۵۵ دقیقہ ہے۔ عرض سواکن یط ل ۱۹ درجہ ۳۰ دقیقہ، مابین العرضین لہ لہ ۳۵ دقیقہ، فصل طول دو گھنٹہ ۲۲ منٹ ۲۰ سکنڈ۔ فرق مسافت ۲۴۷۵ میل تو آپ ہی کے حساب سے ۲۸ میل کا فرق ہوا۔ ایسی صورت میں بمبئی کا قبلہ سواکن بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

غرض جہاں جہاں کا قبلہ مشرقی صاحب نے جن جن شہروں کو بتایا ہے، کُل کا کُل غلط ہے، نہ واقعہ کے اعتبار سے یہ شہر قبلہ ہیں اور نہ مشرقی صاحب کے قاعدہ کے مطابق، سب سے کم فرق امرتسر اور بیت المقدس کے نقطۂ مغرب میں ہے۔ وہ بھی ۳ میل ہے۔ اور سب سے زیادہ ملتان اور کوفہ میں ہے، جس میں ایک سو چھیاسٹھ میل کا فرق ہے۔

### سمت قبلہ کی تعریف اور اس کے معلوم کرنے کے طریقہ سے ناواقفیت

حقیقت یہ ہے کہ مشرقی صاحب کو نہ سمت قبلہ کی تعریف معلوم ہے، نہ وہ اس کے معلوم کرنے کا قاعدہ جانتے ہیں۔ نہ سمت قبلہ کے فنی مسائل سے واقف ہیں۔ سمت قبلہ کی تعریف علمائے ہیئت کے نزدیک یہ ہے:۔

سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں مثلاً علماء طلباء وغیرہ۔

# خراج مقاسمہ ادا کیا جائے یا خراج مؤظف

ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے مقاسمہ یا مؤظف اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں۔ اراضی سندھ کے متعلق تو مستند علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ مقرر ہے۔ جو محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا تھا اور وہ خراج مقاسمہ خمس ہے یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ

علماء سندھ میں ایک شیخ ابوالحسن دہری ہیں جو راجہ داہر کی اولاد میں ہونے ہی کے سبب سے دہری کہلاتے ہیں اور سنا گیا ہے کہ اب تک بھی سندھ میں ایک قوم دہری کے نام سے موسوم ہے جس کو لوگ عموماً ڈیری کہنے لگے ہیں یہ راجہ داہر قدیم ہندو والی سندھ کی طرف منسوب ہیں کیونکہ جیسا باب دوم میں نقل کیا جا چکا ہے۔ راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ مسلمان ہو گیا تھا ممکن ہے کہ یہ لوگ اسی کی اولاد میں ہوں

انہیں شیخ ابوالحسن دہری نے اپنے رسالہ رفع الغریہ میں لکھا ہے ان خراج سندھ ھو الخمس ای خمس الحشو اسی طرح مخدوم محمد عارف سندھی نے اپنی بیاض میں اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے جو تحقیق اراضی سندھ کے متعلق لکھی ہے اس سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے

اسی کتاب کے باب دوم میں آئینہ حقیقت نما کے حوالہ سے حجاج ابن یوسف کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو محمد بن قاسم کے خط کے جواب میں آیا تھا جس کا ایک جملہ یہ بھی ہے

"اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مال گذاری وصول کرو

هي نقطة في الافق من داجهها داجه الكعبة۔

سمت قبلہ افق میں اس نقطہ کا نام ہے کہ جو اس کے مواجہ میں ہوگا وہ کعبہ کے مواجہ میں ہوگا۔

اسی نقطہ پر دائرۃ الافق اس دائرۃ العظیم سے تقاطع کرتا ہے جو راس البلد، اور راس مکہ معظمہ پر ہوتا ہوا گذرے اور قوس سمت قبلہ کی تعریف یہ ہے:۔

واما سمت قوس سمت القبلة فهي قوس من الافق تقع بين هذه النقطة واحدى نقطتي الشمال و الجنوب بشرط ان لايكون اكثر من الربع او احدى نقطتي المشرق والمغرب كذلك وقد قوس انحرافها ايضا و هي قدر ما يجب ان ينحرف المصلي من مواجهة احدى النقاط الاربع ليواجه البيت۔

اور قوس سمت قبلہ افق کی وہ قوس ہے جو اس نقطہ اور نقطۂ شمال یا جنوب کے درمیان یا اس نقطہ اور نقطۂ مغرب و مشرق کے درمیان واقع ہو، بشرطیکہ ربع دَور سے زیادہ نہ ہو۔ اسس کو قوس انحراف بھی کہتے ہیں۔ یعنی مصلی کو نقاط اربعہ مغرب مشرق اور شمال و مغرب سے کسی قدر انحراف کرنا چاہیے کہ وہ بیت اللہ کے مواجہہ میں ہو۔

٭ ٭ ٭

## ہندوستان کے مختلف مقامات کے سمت قبلہ کا اختلاف

ہندوستان مکہ معظمہ سے مشرق میں ہے۔

اس لیے ہندوستان کے قبلہ کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ٹھیک نقطۂ مغرب میں ہو یا اس قدر کم فرق ہو کہ قابل التفات نہ ہو۔ جیسے اٹاوہ، اناؤ، بہرائچ، جالون سیتاپور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ کہ ان کا انحراف ایک درجہ سے بھی کم ہے۔ خصوصاً اناؤ۔ اس کا انحراف فقط ۳ دقیقہ ہے۔ دوسرے انحراف شمالی ہو، جیسے بنگال، بہار، اڑیسہ کے تمام شہر اور صوبجات متحدہ کے بعض اضلاع، تیسرے انحراف جنوبی ہو جیسے پنجاب کے تمام شہر اور یوپی کے بعض اضلاع۔

لیکن کن کن شہروں میں کس قدر انحراف شمالی یا جنوبی ہوگا۔ اس کا جاننا مسلمانوں کے لیے از حد ضروری ہے۔ افسوس کہ نہ صرف عام مسلمان بلکہ علماء تک اس سے

جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے" (آئینہ ص ۱۰۰)

یہ واقعہ ایک خاص خطہ سندھ کا ہے جو صلح کے ساتھ فتح ہوا اس میں زمین کی اسی مال گذاری کو برقرار رکھا گیا جو یہ لوگ پہلے سے اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے اس سے مذکورہ بیان خمس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہو گیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ (خمس) تھا اس زمانہ میں ملتان، بہاولپور پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے ان کا بھی یہی حکم ہو گا۔ بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جزء قرار دیا گیا تھا

اس لئے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس پر عمل کیا جائیگا ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا۔

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری عہد حکومت سے شروع ہو کر علاؤ الدین خلجی تک تمام ہوئیں۔ ان میں اگرچہ باب دوم کی مذکورہ تحقیق سے اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا۔ مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کونسی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی مقاسمہ یا موظف۔

لیکن علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت کی اصلاحات اور تغیرات کے ذیل میں کتب تاریخ۔ نزہۃ الخواطر اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ ان کے زمانہ سے پہلے جو فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاؤ الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کر دیا۔

اور ایک تغیر یہ بھی کر ڈالا کہ مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا۔ اور خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا

غافل ہیں، اسی ضرورت کو محسوس کر کے راقم الحروف نے اپنے رسالہ موذن الاوقات میں ہر عرض کے ایک مشہور مقام کے ہر مہینہ اور ہر دن کے جملہ اوقات روزہ و نماز ہیئت و توقیت کے قاعدہ جدید و قدیم سے استخراج کر کے دے دیے ہیں نیز اس عرض کے تمام اضلاع و قصبات اور مشہور دیہاتوں کا تفاوت جن کا طول و عرض مجھے اٹلس یا انڈکس آف میپ سے معلوم ہو سکا دے دیا ہے۔ اس لیے اس کتاب کا افادہ بہت بڑھ گیا ہے، شائقین اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

شہروں اور آبادیوں میں تو مسجدیں ایک حد تک اس سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ مگر جہاں مسجدیں نہیں ہیں یا نئی مسجد بنانی ہے یا کسی کی سمت قبلہ غلط ہے وہاں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے صوبہ جات بنگال، بہار، اڑیسہ، ممالک متحدہ آگرہ واودھ اور پنجاب کے اضلاع کا سمت قبلہ و قدر انحراف بقید درجہ و دقیقہ مع جہت انحراف لکھ دیا ہے۔ اس کے بعد دائرہ ہندیہ یا قطب نما سے سمت قبلہ نکال لینا بہت آسان ہے۔ جس شہر میں نقطہ مغرب سے جس قدر شمال یا جنوب کو انحراف لکھا گیا ہے، اسی قدر شمال یا جنوب کو دیتے ہوئے نماز میں کھڑا ہونا چاہیے واللہ الموفق۔

| نام شہر | قوس انحراف دقیقہ | قوس انحراف درجہ | جہت | نام شہر | قوس انحراف دقیقہ | قوس انحراف درجہ | جہت | نام شہر | قوس انحراف دقیقہ | قوس انحراف درجہ | جہت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| صوبۂ بنگال | | | | بوگرا | ۲۶ | ۶ | شمالی | دیناج پور | ۷ | ۵ | شمالی |
| | | | | پبنہ | ۵۶ | ۶ | " | ڈھاکہ | ۳۵ | ۷ | " |
| | | | | جلپائی گوڑی | ۱۵ | ۴ | " | رنگپور | ۱۱ | ۵ | " |
| باقرگنج | ۳۹ | ۸ | شمالی | جیسور | ۴۵ | ۷ | " | کلکتہ | ۷ | ۸ | " |
| بانکورا | ۷ | ۷ | " | چاٹگام | ۱۲ | ۹ | " | کوچ بہار | ۴۲ | ۴ | " |
| بردوان | ۹ | ۷ | " | دارجلنگ | ۳۳ | ۳ | " | کھلنا | ۱۲ | ۸ | " |

فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ تو پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا مگر اس کی تصریح نہیں کہ خراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں۔ اور اس کی بحث ہے بھی فضول کیونکہ شرعی حیثیت سے نہ وہ تبدیلی قابل قبول تھی جو علاؤ الدین خلجی نے کی اور نہ اس کے بعد کی کوئی تبدیلی اول فتح کے قانون کے خلاف کرنے کا کسی کو استحقاق تھا۔ اس کتاب کے باب دوم میں یہ واقعہ تفصیل سے گذر چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف (نقد) جاری تھا۔ اور خلجی نے جو اس کو مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے۔ خراج موظف کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب پر ایک درہم[1] (یعنی ۳ ۱/۲ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جَو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور باغات[2] پر ۱۰ درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء[3] کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

جریب کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ساٹھ[4] مربع گز کا ہوتا ہے ہندوستان میں بھی پیمائش کے لئے جریب استعمال ہوتا رہا ہے۔ شیر شاہ سوری کے عہد حکومت

---

[1] اس سے کم بھی جائز ہے اور جب کل پیداوار اس خراج سے دو چند نہ ہو تو پیداوار کے نصف تک کم کرنا واجب ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

[2] یعنی انگور و کھجور کے ایسے گنجان باغ جن میں کاشت نہ ہو سکے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

[3] یعنی زعفران جیسی قیمتی اشیاء اور انگور و کھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہی ہوں ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

[4] ۳۶۰۰ مربع گز کا جریب تھا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

| نام شہر | قوس انحراف درجہ | قوس انحراف دقیقہ | سمت | نام شہر | قوس انحراف درجہ | قوس انحراف دقیقہ | سمت | نام شہر | قوس انحراف درجہ | قوس انحراف دقیقہ | سمت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| مرشدآباد | ۶ | ۲۷ | شمالی | گیا | ۶ | ۴۶ | شمالی | بریلی شریف | ۲ | ۱ | جنوبی |
| مدناپور | ۸ | ۲ | 〃 | مالدہ | ۵ | ۳۴ | 〃 | بستی | ۱ | ۳۳ | شمالی |
| میمن سنگھ | ۶ | ۳۴ | 〃 | مان بھوم | ۷ | ۱۰ | 〃 | بلندشہر | ۲ | ۵۶ | جنوبی |
| نادیا | ۶ | ۱۷ | 〃 | مظفرپور | ۳ | ۲۵ | 〃 | بلیا | ۳ | ۲۴ | شمالی |
| نواکھالی | ۸ | ۳۶ | 〃 | موتی ہاری | ۲ | ۳۹ | 〃 | بنارس | ۳ | ۳۷ | 〃 |
| ہوڑہ | ۸ | ۵ | 〃 | ہزاری باغ | ۵ | ۴۸ | 〃 | بہرائچ | ۰ | ۱۷ | 〃 |
| ہوگلی | ۷ | ۴۷ | 〃 | | | | | پرتاب گڑھ | ۴ | ۲۸ | 〃 |
| **صوبۂ بہار واڑیسہ** | | | | **ممالک مغربی و شمالی** | | | | پیلی بھیت | ۲ | ۱۲ | جنوبی |
| | | | | | | | | ٹہری گڑھوال | ۵ | ۲۰ | 〃 |
| | | | | | | | | جالون | ۰ | ۵۹ | شمالی |
| آرہ | ۳ | ۴۶ | 〃 | آگرہ | ۱ | ۳ | جنوبی | جونپور | ۲ | ۵۰ | 〃 |
| اودے پور | ۶ | ۵۷ | 〃 | الہ آباد | ۲ | ۵۲ | شمالی | جھانسی | ۱ | ۳۶ | 〃 |
| بالاسور | ۸ | ۵۴ | 〃 | المورڑہ | ۳ | ۲۳ | جنوبی | دہرادون | ۴ | ۱۹ | جنوبی |
| بھاگلپور | ۳ | ۴۶ | 〃 | اعظم گڑھ | ۲ | ۵۲ | شمالی | رائے بریلی | ۱ | ۳۸ | شمالی |
| پٹنہ | ۳ | ۵۶ | 〃 | اٹاوہ | ۰ | ۳ | جنوبی | ریاست رامپور | ۲ | ۵۲ | جنوبی |
| پلامون | ۴ | ۲۳ | 〃 | ایٹہ | ۱ | ۱۸ | 〃 | سلطان پور | ۱ | ۵۷ | شمالی |
| پوری | ۱۰ | ۲۹ | 〃 | اناؤ | ۲ | ۵۴ | شمالی | سہارنپور | ۵ | ۲۱ | جنوبی |
| پورنیہ | ۴ | ۳۴ | 〃 | باندا | ۲ | ۲۶ | 〃 | سیتاپور | ۰ | ۲۲ | 〃 |
| چھپرا | ۳ | ۳۷ | 〃 | بارہ بنکی | ۰ | ۴۳ | 〃 | شاہجہانپور | ۱ | ۱۱ | 〃 |
| دربھنگہ | ۳ | ۴۳ | 〃 | بجنور | ۴ | ۸ | جنوبی | علی گڑھ | ۲ | ۷ | 〃 |
| رانچی | ۶ | ۳۰ | 〃 | بدایوں | ۲ | ۱۰ | 〃 | غازیپور | ۳ | ۲۱ | شمالی |

میں ایک جریب ۵۵ مربع گز کا سمجھا جاتا تھا۔ (آئینہ حقیقت نما)

## خلاصہ کلام

یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء پر صرف کرنا چاہیئے اور یہ خراج مؤظف ہوگا جس کی تفصیل ابھی گذری ہے اور توظیف عمری کے نام سے تمام حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

اور پاکستان کے مسلمان اپنی خراجی زمینوں کا خراج حکومت پاکستان کی مالگذاری میں دے کر سبکدوش ہوسکتے ہیں۔ بشرطیکہ مقدار خراج یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ پورا سرکاری مالگذاری میں آجاتا ہو اور اگر سرکاری مالگذاری اس مقدار سے کم ہو تو بقدر کمی کے پاکستانی مسلمانوں پر بھی بطور خود باقی ماندہ خراج کی ادائیگی اور مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وھذا آخر ما اردت ایرادہ فی ھذا الباب وبید اللہ سبحانہ وتعالیٰ السداد والصواب والیہ المرجع والمآب

---

ع۔ خراج مقاسمہ کو برضائے زمینداراں خراج مؤظف سے بدلنا جائز ہے کما یدل علیہ التعلیل بان فیہ نقض العھد وھو حرام۔ اس وقت چونکہ خراج مؤظف کل پیداوار کے خمس سے بہت کم ہے لہٰذا اس پر زمینداروں کی رضا متیقن ہے پس شرط مذکورہ صحیح نہیں ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

| نام شہر | قوس انحراف | | جہت | نام شہر | قوس انحراف | | جہت | نام شہر | قوس انحراف | | جہت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | درجہ | دقیقہ | | | درجہ | دقیقہ | | | درجہ | دقیقہ | |
| فتح پور | ۱ | ۵۲ | شمالی | ہمیر پور | ۱ | ۳۲ | شمالی | سیالکوٹ | ۱۱ | ۱۵ | جنوبی |
| فرخ آباد | ۰ | ۳۸ | جنوبی | صوبۂ پنجاب | | | | شاہ پور | ۱۲ | ۳۹ | 〃 |
| فیض آباد | ۱ | ۱۹ | شمالی | | | | | شملہ | ۷ | ۱۴ | 〃 |
| کانپور | ۰ | ۵۹ | 〃 | | | | | فیروزپور | ۸ | ۴۹ | 〃 |
| کھیری | ۰ | ۴۷ | جنوبی | امرتسر | ۹ | ۴۰ | جنوبی | کرنال | ۵ | ۱۷ | 〃 |
| گورکھ پور | ۱ | ۵۷ | شمالی | بنوں | ۵ | ۲۷ | 〃 | کوہاٹ | ۱۵ | ۴۲ | 〃 |
| گونڈہ | ۱ | ۲۰ | 〃 | پشاور | ۱۶ | ۱۶ | 〃 | گجرات | ۱۱ | ۴۳ | 〃 |
| لکھنؤ | ۰ | ۴۱ | 〃 | جہلم | ۱۲ | ۳۶ | 〃 | گجرانوالہ | ۱۱ | ۰ | 〃 |
| مراد آباد | ۳ | ۲ | جنوبی | جالندھر | ۸ | ۴۵ | 〃 | گڑگاؤں | ۲ | ۵۶ | 〃 |
| میرٹھ | ۳ | ۵۰ | 〃 | جھنگ | ۶ | ۱۱ | 〃 | لاہور | ۱۰ | ۰ | 〃 |
| مین پوری | ۰ | ۴۲ | 〃 | حصار | ۵ | ۱۷ | 〃 | لودھیانہ | ۷ | ۵۳ | 〃 |
| متھرا | ۱ | ۴۰ | 〃 | ڈیرہ اسمٰعیل خاں | ۱۳ | ۱۰ | 〃 | مظفرنگر | ۹ | ۵۲ | 〃 |
| مرزا پور | ۴ | ۴۸ | شمالی | ڈیرہ غازی خاں | ۱۰ | ۱۰ | 〃 | ملتان | ۹ | ۵۳ | 〃 |
| نینی تال | ۳ | ۲۶ | جنوبی | راولپنڈی | ۱۴ | ۱۳ | 〃 | منٹگمری | ۹ | ۲۳ | 〃 |
| ہردوئی | ۰ | ۲۳ | 〃 | رہتک | ۴ | ۴۲ | 〃 | ہوشیارپور | ۸ | ۴۸ | 〃 |

پنجاب اور یو۔پی کے جن شہروں کا سمت قبلہ جنوبی ہے، اسے تو مشرقی صاحب شاید تسلیم کرلیں، مگر یو۔پی کے جن شہروں کا قبلہ شمالی ہے یا بنگال، بہار، اڑیسہ کے تمام شہروں کا جن کا قبلہ شمالی ہے، اس کو تسلیم کرنے میں شاید ان کو تامل ہو، اور وہ یہ خیال کریں کہ یہ سب شہر مکہ معظمہ سے زائد العرض ہیں، اس لیے کہ ان کے دیے ہوئے نقشہ کے مطابق خط ملانے سے کعبہ معظمہ جنوب کی طرف آتا ہے نہ شمال کو۔

# انتخابات میں ووٹ، ووٹر

## اور امیدوار کی

# شرعی حیثیت

***********

تاریخ تالیف ــــــ ۲۰ شعبان ۱۳۸۰ھ

مقام تالیف ــــــ دار العلوم کراچی

اشاعت اول ــــــ شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم کراچی

● اسمبلی، کونسل یا کسی دوسرے ادارے کے انتخابات میں کسی شخص کو کس صورت میں امیدوار ہونا چاہیے ــــــ نیز کسی امیدوار کے حق میں ووٹر کو اپنا ووٹ کس طرح استعمال کرنا چاہیے!

● عام طور پر لوگ اس کو ذاتی اور نجی معاملہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ خالص دینی معاملہ ہے ــــــ پیش نظر مضمون میں ان دونوں طبقوں کے شرعی فرائض کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

اس لیے فقیر اس مسئلہ کو مدلل کرنے کے لیے سمت قبلہ معلوم کرنے کا قاعدہ لکھے دیتا ہے۔

## سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ

فصل طول مکۂ معظمہ اور بلد مفروض جس کی سمت قبلہ معلوم کرنا ہو، اگر ۹۰ درجے سے کم ہے تو عرض جنوبی میں وہ عمود جو سمت الراس مکۂ معظمہ پر گزرتا ہو، نصف النہار بلدی پر قائم کریں۔ (یعنی نقطۂ اعتدال سے ایک دائرۂ عظیم مکۂ مکرمہ کی سمت گزاریں کہ نصف النہار پر آپ ہی عمود ہوگا (کیونکہ اس کے دونوں قطب اعتدالین پر گزرا ہے)

یہ سمت الراس سے ہمیشہ شمال کو گزرے گا کہ اس عرض میں معتدل سمت الراس شمالی ہے اور سمت الراس مکۂ معظمہ معدل سے تو عمود جو نقطۂ اعتدال سے نکل کر سمت الراس مکۂ معظمہ پر گزرتا جو انصف النہار سے ملا ہو، قطعاً سمت الراس بلد سے شمالی ہوگا۔ مگر عرض شمالی میں تینوں حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر عرض عمود عرض البلد کے برابر ہے تو موقع عمود میں سمت الراس بلد ہے۔ یعنی بلد کا دائرہ اول السموت ہی سمت الراس مکہ پر گزرا ہوا ہے۔ اور اگر اس کا عرض عرض البلد سے زائد ہے تو موقع عمود سمت الراس سے شمالی ہوگا۔ اور اگر عرض البلد سے کم ہے تو جنوبی ہوگا۔ جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے۔ اب ح ء افق شمالی ہے ب ہ د اس کا اول السموت ب ر د معدل النہار ح قطب شمالی ظاہر ہے کہ اول السموت کا معدل سے فصل اعظم دائرہ نصف النہار پر ہ ر ہے کہ عرض البلد سے پھر کم ہوتا گیا ہے یہاں تک کہ نقطۂ ب پر معدوم ہو گیا۔ ح ر ح ل ح ک ح ی دوائر میلیہ ہیں جو قطب سے نکل کر معدل سے ملے ہیں اور اول السموت کے نقاط ہ ع ط سہ کا معدل سے عرض بتاتے ہیں، جن میں سب سے بڑا ہ ر ہے پھر ع ل پھر ط ک پھر سہ ی۔ غرض نصف النہار
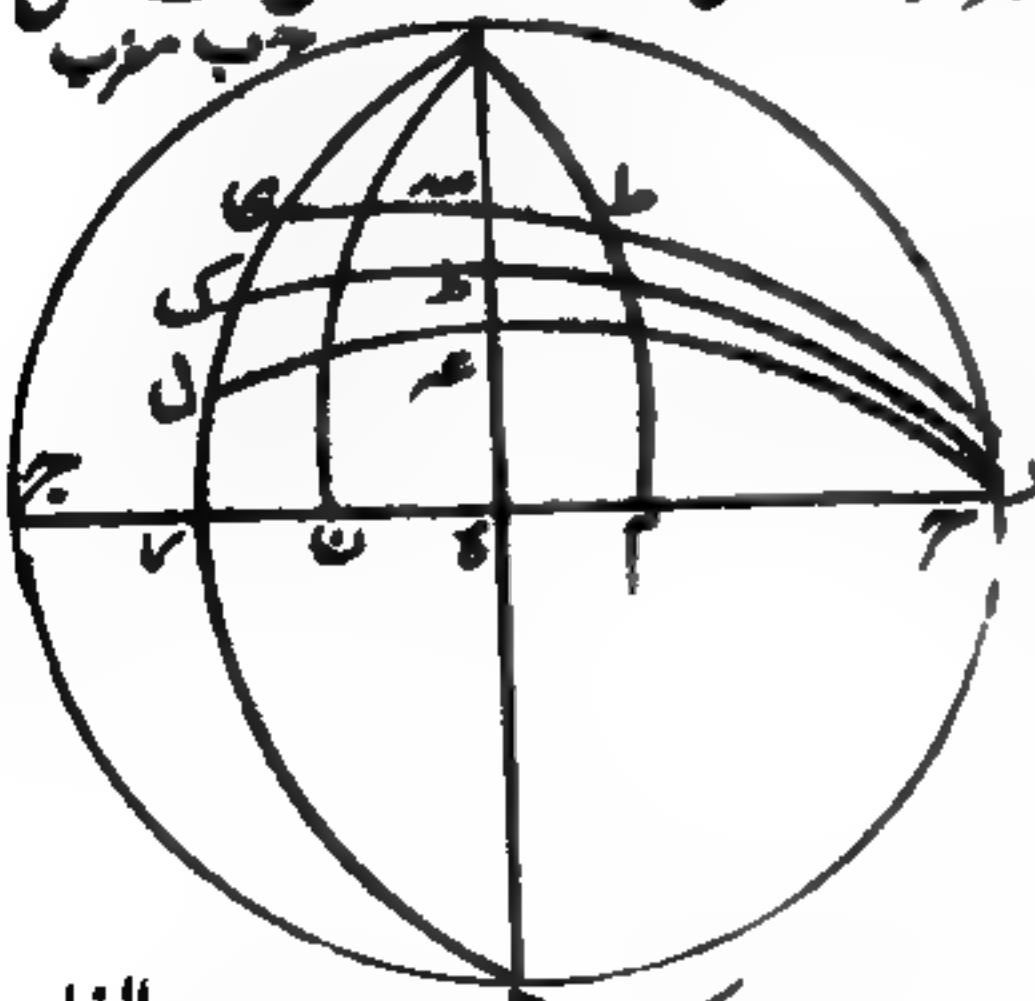
آج کی دنیا میں اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل وارڈوں اور دوسری مجالس
اور جماعتوں کے انتخابات میں جمہوریت کے نام پر جو کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ زور و زر
اور غنڈہ گردی کے سارے طاغوتی وسائل کا استعمال کر کے یہ چند روزہ موہوم
اعزاز حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے عالم سوز نتائج ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہیں
اور ملک و ملت کے ہمدرد سمجھدار انسان اپنے مقدور بھر اس کی اصلاح کی فکر میں
بھی ہیں۔ لیکن عام طور پر اس کو ایک ہار جیت کا کھیل اور خالص دنیاوی دھندہ سمجھ
کر ووٹ لئے اور دیئے جاتے ہیں لکھے پڑھے دیندار مسلمانوں کو بھی اس طرف
توجہ نہیں ہوتی کہ یہ کھیل صرف ہماری دنیا کے نفع نقصان اور آبادی یا بربادی
تک نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے پیچھے کچھ طاعت و معصیت اور گناہ و ثواب بھی ہے
جس کے اثرات اس دنیا کے بعد بھی یا ہمارے گلے کا ہار عذاب جہنم بنیں گے، یا
پھر درجات جنت اور نجاتِ آخرت کا سبب بنیں گے اور اگرچہ آج کل اس
اکھاڑہ کے پہلوان اور اس میدان کے مرد، عام طور پر وہی لوگ ہیں جو فکر آخرت
اور خدا و رسول کی طاعت و معصیت سے مطلقاً آزاد ہیں اور اس حالت میں اُن
کے سامنے قرآن و حدیث کے احکام پیش کرنا ایک بے معنی و عبث فعل معلوم ہوتا ہے
لیکن اسلام کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کبھی گمراہی پر جمع
نہیں ہوتی، ہر زمانہ اور ہر جگہ کچھ لوگ حق پرست بھی قائم رہتے ہیں جن کو اپنے
ہر کام میں حلال و حرام کی فکر اور خدا اور رسول کی رضا جوئی پیش نظر رہتی ہے
نیز قرآن کریم کا یہ بھی ارشاد ہے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین
یعنی آپ نصیحت کی بات کہتے رہیں کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو نفع دیتی ہے اس

سے جتنا فصل بڑھتا گیا ہے عرض اول السموت گھٹتا گیا ہے۔ فرض کیجیے کہ تین شہر مساوی العرض ہیں، جن کا عرض عرض حرم سے زیادہ ہے۔ اور فصل طول ۹۰ سے کم تو بوجہ تساوی عرض مواقع مذکورہ پران کے اول السموت کے عرض یکساں ہوں گے۔ فرض کیجیے عرض ع ل عرض حرم سے زائد ہے ط ک مساوی اور س ی چھوٹا تو ان تین شہروں میں مکۂ معظمہ سے جس کا فصل طول ل ر ہے وہاں سمت الراس مکۂ معظمہ ط نصف النہار ح ل پر ہے اور چونکہ ع ل عرض حرم سے زائد ہے، ط اول السموت اور معدل کے بیچ میں پڑے گا۔ تو عمود ب ن نقطۂ اعتدال سے نکل کر سمت الراس حرم پر ہوتا ہوا نصف النہار سے ملا ہوا سمت الراس بلد سے جنوب کو پڑے گا۔ اور جس کا فصل طول ک ر ہے وہاں ط نصف النہار ح ک پر ہے۔ اور چونکہ ط ک مساوی عرض حرم ہے اس لیے ط خاص اول السموت پر واقع ہوگا۔ اور ب ح جو اول السموت ہے عمود ہوگا کہ ب سے نکل کر ط پر گزرتا اور نصف النہار سے ملا ہوا ہے اور جس کا فصل طول ی ر ہے، وہاں ط نصف النہار ح ی پر ہے۔ چونکہ س ی عرض حرم سے چھوٹا ہے اس لیے ط اول السموت سے باہر شمال میں رہے گا۔ اور عمود ب ھ سمت الراس بلد سے شمال کو پڑے گا۔ علامہ موسیٰ رومی شارح چغمنی فرماتے ہیں:۔

"اعلم ان راس مکۃ فی ھذا القسم (الذی طولہ وعرضہ اکثر من طول مکۃ وعرضھا) یمکن ان یقع علی دائرۃ اول السموت البلد فیکون سمت القبلۃ نقطۃ المغرب والخط الذی علی صوبھا خط المشرق والمغرب وان یقع شمالیا منھا فیکون السمت فی الربع الغربی الشمالی من الافق وان یقع جنوبیا عنھا فیکون السمت فی الربع الغربی الجنوبی کما یقتضیہ العمل بما فی الکتاب الا انہ لایجب ان یکون الخط المذکور علی صوبہ"

لئے مناسب معلوم ہوا کہ انتخابات میں امیدواری اور ووٹ کی شرعی حیثیت اور اُن کی اہمیت کو قرآن اور سنت کی رو سے واضح کر دیا جائے شاید کچھ بندگانِ خدا کو تنبیہ ہو اور کسی وقت یہ غلط کھیل صحیح ہو جائے۔

**امیدواری** کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لئے جو اُمیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے۔ ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت و امانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے۔ یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے، اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک و ملت کے لئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا، پہلے تو وہ خود غدار و خیانت کا مجرم ہو کر عذاب جہنم کا مستحق بن جائے گا۔ اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال ہی تک محدود تھی۔ کیونکہ بنص حدیث ہر شخص اپنے اہل و عیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے اُن سب کی ذمہ داری کا بوجھ اُس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

**ووٹ اور ووٹر** کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن و حدیث چند حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ

علامہ برجندیؒ اس کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"توضیح المقام ان دائرة اول السموت تقطع معدل النہار علی نقطتی المشرق والمغرب وغاية البعد بينهما انما هی بقدر عرض البلد وكل من القسی الواقعة بينهما من دوائر الميل بل من انصاف نهار سائر الآفاق اصغر من عرض البلد وكل قوس ابعد من غاية البعد اصغر من الاقرب ويجوز ان يكون عرض مكة فی هذا القسم بقدر قوس من هذه القسی فيكون سمت راس مكة علی اول السموت و سمت البلد وسمت القبلة نقطة المغرب ويجوز ان يكون عرض مكة اعظم من تلك القوس فيكون سمت راس مكة فی شمال اول السموت وسمت القبلة فی الربع الغربی الشمالی من الافق ويجوز ان يكون عرض مكة اصغر من تلك القوس فيكون سمت راس مكة فی جنوب اول السموت وحينئذ يكون سمت القبلة فی الربع الغربی الجنوبی من الافق كما هو مقتضی العمل الذی ذكره المصنف"

اسی سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس طرح یہ خیال غلط ہے کہ زائد العرض شہروں کا سمت قبلہ مطلقاً جنوبی ہوتا ہے۔ اسی طرح مشرقی صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو شہر مکۂ معظمہ سے ٹھیک پورب واقع ہیں، ان کا قبلہ نقطۂ مغرب ہوگا۔ جس بناء پر انھوں نے سورت کو جہاں عرب پہلی صدی میں سب سے پہلے اترے تھے، مکۂ معظمہ سے مشرق کی سمت بتایا۔ اور سورت، ناگپور، کٹک وغیرہ کو جو اسی عرض بلد پر واقع ہیں، جس پر ان کے خیال میں مکہ معظمہ واقع ہے، ان کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب کو صحیح بتایا۔ امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں دلائل قبلہ بیان کرتے

دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبال دنیا و آخرت ہے صحیح بخاری کی حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے (مشکوٰۃ) اور ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبائر فرمایا ہے (بخاری و مسلم) جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرتا ہے

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے محض رسمی مروت یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے، دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اس سفارش کے بارہ میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے ومن یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا و من یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اُس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اُس کی برائی میں اُس کا بھی حصہ لگتا ہے۔ اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ اور بری سفارش یہ ہے کہ نا اہل نالائق، فاسق ظالم کی سفارش کر کے اُس کو خلقِ خدا پر مسلط کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک یا بد عمل کرے گا ہم بھی اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس

ہوئے فرماتے ہیں:۔

امام رازیؒ کے دلائل قبلہ — واما الطریقۃ الیقینیۃ المذکورۃ فی کتب الھیئۃ قالوا سمت القبلۃ نقطۃ التقاطع بین دائرۃ الافق وبین دائرۃ العظیمۃ، تمر بسمت رؤسنا ورؤس اھل مکۃ وانحراف القبلۃ قوس من دائرۃ الافق ما بین سمت القبلۃ ودائرۃ نصف النھار فی بلدنا وما بین سمت القبلۃ ومغرب الاعتدال تمام الانحراف قالوا ویحتاج فی معرفۃ سمت القبلۃ الی معرفۃ طول مکۃ وعرضھا فان کان طول البلد مساویا لطول مکۃ وعرضھا مخالف لعرض مکۃ کان سمت قبلتھا علی خط نصف النھار فان کان البلد شمالیا فالی الجنوب وان کان جنوبیا فالی الشمال واما اذا کان عرض البلد مساویا لعرض مکۃ وطولہ مخالفا لطولھا فقد یظن ان سمت قبلۃ ذالک البلد علی خط الاعتدال وھو ظن خطاء۔"

دیکھیے کس قدر روشن تصریح ہے کہ جب عرض بلد عرض مکہ کے مساوی اور طول بلد طول مکہ کے مخالف ہو تو خیال کیا جاتا ہے کہ اس شہر کا خط اعتدال یعنی ٹھیک مغرب کو ہے۔ جیسا مشرقی صاحب نے خیال کیا۔ مگر امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے۔

**استخراج سمت قبلہ کا قاعدہ** — اس تمہید کے بعد استخراج سمت قبلہ کا قاعدہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ ظم عرض حرم + جم فصل طول = ظم عرض موقع جم عرض موقع + ظل فصل طول = محفوظ۔ جیب تفاضل = ظل انحراف۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جس مقام کا سمت قبلہ معلوم کرنا ہو پہلے اس کے طول کا

میدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لئے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شہادت دوسرے سفارش تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اس طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

**ضروری تنبیہ** مذکورالصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رُو سے یہ واضح ہوا کہ نا اہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے اسی طرح ایک اچھے نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے۔ بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح سچی شہادت کو واجب و لازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط اور دوسری جگہ ارشاد ہے کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں، اللہ کے لئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہو جائیں تیسری جگہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے واقیموا الشھادۃ للہ یعنی اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو۔ ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے۔ ارشاد ہے ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے۔

مکہ معظمہ کے طول سے تفاضل لے لیا جائے۔ اس کے بعد ظل[1] التمام عرض مکہ کو جیب التمام فصل طول کے ساتھ جمع کیا جائے۔ حاصل جمع کی قوس معلوم کر کے اس کا کُل لے لیا جائے کہ عرض موقع ہے۔ پھر اس کو عرض بلد سے تقسیم کیا جائے۔ اگر عرض بلد عرض موقع سے کم ہے تو انحراف شمالی ہوگا۔ اور زائد ہے تو انحراف جنوبی ہوگا اور برابر میں کوئی انحراف نہ ہوگا بلکہ سمت قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب کو ہوگا۔ اس کے بعد جیب التمام عرض موقع کو ظل فصل طول کے ساتھ جمع کیا جائے۔ حاصل جمع کو جیب تفاضل عرض موقع و عرض البلد سے کم کر کے اس ظل کی قوس لے کر ۹۰ تک اس کا تمام لیا جائے، یہ قدر انحراف ہوگا۔ سمت قبلہ معلوم کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔

اس قاعدہ کے بعد اب میں پھر مشرقی صاحب کے افادات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

> "یہ کہنا کچھ بے جا نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی پچھلی کئی قرنوں کی نمازیں اور نفلوں کے علاوہ یقیناً اسی لیے قبول نہیں ہوئیں کہ وہ دین اسلام کے مقررشدہ قبلہ کی طرف نہ تھیں۔ خدا اس کم نگاہ اور اندھی امت سے بجا ناراض ہے۔"

اور کمالات کے ساتھ اس دعوے سے مشرقی صاحب عالم غیب بھی ہو گئے، کہ انھوں نے مسلمانوں کی قرنوں کی نمازوں کو اکارت کر دیا۔ دیکھیے ان کی پرواز کہاں تک لے جاتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی ان کے قصور علم کا نتیجہ ہے۔

**فہمِ قرآن کا نمونہ** ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ استقبال قبلہ عام ہے، خواہ عین کعبہ کی طرف رخ ہو، جیسے مکہ مکرمہ والوں کے لیے، یا محض اس جہت کی سمت ہو، جیسے اوروں کے لیے کلام اللہ کے یہ الفاظ ہیں۔ فول وجھك شطر المسجد الحرام۔ اور فولوا وجوھکم شطرہ۔ اگر عین کعبہ سے استقبال کا حکم

---

[1] ظل اور ظل التمام، جیب اور جیب التمام وغیرہ کی لوکارتمی اعداد میتھمیٹکل ٹیبلس لوکارتمس چیمبر صاحب میں ملیں گے۔ یہ کتاب رڑکی ٹامسن کالج سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور ادا کریں، آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آ رہی ہیں اُن کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ووٹ عموماً اُن لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم و ملت پر ظلم کا مرادف ہے، اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانتدار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## خلاصہ یہ ہے کہ

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور

ہوتا تو لفظ شطر کے بجائے فولوا وجوھکم الی بیت اللہ فرمایا جاتا۔ تفسیر کبیر میں ہے:۔

فی الآیۃ قولان الاول وھو قول جمھور المفسرین من الصحابۃ والتابعین والمتاخرین واختیار الشافعی رضی اللہ عنہ فی کتاب الرسالۃ ان المراد جھت المسجد الحرام وتلقاءہ وجانبہ وقراۃ ابی ابن کعبؓ تلقاء المسجد الحرام۔

یعنی شطر کی تفسیر میں دو قول ہیں، پہلا جمہور مفسرین، صحابہ و تابعین و علمائے متاخرین اور امام شافعیؒ کا کتاب الرسالۃ میں پسندیدہ قول یہ ہے کہ مراد جہت مسجد حرام ہے، اور اس کے مقابل و محاذی ہے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت ہی تلقاء المسجد الحرام ہے۔

امام رازی نے اس کے بعد دوسرا قول معتزلہ کا بیان کیا ہے کہ شطر سے مراد نصف ہے، اس کے بعد دو دلیلوں سے اسے رد کیا ہے، فرماتے ہیں اگر شطر سے مراد طرف ہو تو لفظ شطر بڑھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لیے اگر فول وجھک المسجد الحرام کہا جائے، جب بھی یہی مطلب ہوگا، البتہ اگر شطر کے معنی جہت لیے جائیں، تو بے شک اس لفظ کے بڑھانے کا فائدہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ البیت قبلۃ لاھل المسجد والمسجد قبلۃ لاھل المکۃ والحرم قبلۃ لاھل المشرق والمغرب۔

## ایک خوش اعتقادی

آگے مشرقی صاحب کی خوش اعتقادی مغربی قوم کے متعلق ملاحظہ ہو:۔

"اگر یہی فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام کا حکم کسی مغربی قوم پر نازل ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ یورپ کے ہر حصہ میں کروڑوں نہایت باریک بین رصدی آلات اس مطلب کے لیے شہر بشہر نصب ہو جاتے کہ خدائے عزوجل کے آسمانی حکم کی رو سے شطر المسجد الحرام صحیح طور پر دریافت کریں، وہ قوم ایسے دقیقہ رس اور نازک آلات ایجاد کرتی کہ

دوسرے اُمیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج بر آمد ہوتے ہیں،

۱ ——— آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برُے اقدامات کرے گا اُن کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے

۲ ——— اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے ثواب و عذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳ ——— سچی شہادت کا چھپانا ازروئے قرآن حرام ہے اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اسی کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے

۴ ——— جو امیدوار نظامِ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے

۵ ——— ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
مفتی وصدر دارالعلوم کراچی ۱۴ ، ۲۰/ شعبان ۱۳۸۰ھ

شمال و مغرب کے درمیان تین لاکھ چوبیس ہزار سمتوں سے ایک گز کا بھی
فرق نہ آنے پاتا، ان کے قبلہ کی سمت عین کعبہ کے سیاہ غلاف
کے نصف پر آکر پڑتی ہے۔ جو چھ فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا ہے۔
مشرقی صاحب نے خوش اعتقادی کی بھی حد کردی۔ ان کو ہمیشہ ایسی ہی باتوں
کا یقین ہوا کرتا ہے جو بالکل واقعہ کے خلاف ہوں، جنھیں اصلیت سے دور کا بھی
علاقہ نہ ہو۔ مغربی قوموں کو فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام کا حکم تو نہیں،
لیکن فولوا وجوھکم شطر البیت المقدس کا حکم تو ہے کہ وہ ان کا بھی قبلہ
ہے۔ میں مشرقی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مغربی قوموں نے یورپ میں کتنے
کروڑ باریک بین رصدی آلات بیت المقدس کی سمت معلوم کرنے کے لیے شہر
بشہر نصب کردیے۔ کیا مسلمانوں کے لیے خانۂ کعبہ کی جو اہمیت ہے مغربی قوموں
کے لیے بیت المقدس کی اس سے کم ہے؟۔

## سمت قبلہ معلوم کرنے کے طریقوں اور آلات سے ناواقفیت

مشرقی صاحب باوجود دعوئ ہمہ دانی اپنے
گھر کی دولت سے محروم ہیں، انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ مسلمانوں کے پاس سمت
قبلہ معلوم کرنے کے کیسے باریک آلات ہیں۔ آپ کے تخیل میں تو صرف مغربی قوم
ایسے آلات ایجاد کرتی کہ شمال و مغرب کے درمیان تین لاکھ چوبیس ہزار سمتوں سے
ایک گز کا بھی فرق نہ آنے پاتا اور مسلمانوں کے پاس اس گئی گزری حالت پر بھی
ایسے ایسے آلات و معلومات ہیں کہ نقطۂ شمال و مغرب کے درمیان پندرہ سنکھ
ستائیس پدم چھبیس نیل پرستہ کھرب مختلف طریقوں کے درمیان ایک گز تو در کنار
ایک انچ کا بھی فرق نہیں پڑسکتا۔ اگر جناب کو اس کی خبر نہ ہو تو اس کا کیا علاج،
میں بتاتا ہوں کہ اس آلہ کا نام اسطرلاب ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ ادراک سمت
قبلہ کے طریقۂ یقینیہ کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

"ولذلك طرق اسهلها ان یعرف الجزء الذی یسامت

رؤس اهل المكة من فلك البروج وهو ۲۳ من الجوزاء و ۷ من السرطان فيضع ذلك الجزء على خط وسط السماء فى الاسطرلاب المعمول لعرض البلاد ويعلم على المرئ علامة تحديدها لعنكبوت الى ناحية المغرب ان كان البلد شرقيا عن مكة كما فى بلاد خراسان والعراق بقدر ما بين الطولين من اجزاء الحجرة (الى قوله) ويخط على ظل المقياس خطا من مركز العمود الى اطراف الظل فذلك الخط خط الظل فيبنى عليه المحراب"

یہ آلہ آپ کی مغربی قوم کے آلات کی طرح بہت بیش قیمت بھی نہیں جس کا حصول ہر شخص کے لیے ممکن نہ ہو، رامپور لائبریری اور کتب خانہ خدا بخش مرحوم کے علاوہ دوسرے کتب خانوں میں بھی بہتیرے اسطرلاب ہیں۔ اسطرلاب کے علاوہ میں مشرقی صاحب کو ایک اور آلہ بتاتا ہوں جس سے نہایت آسانی کے ساتھ سمت قبلہ معلوم کی جا سکتی ہے اور مغرب و شمال کے پندرہ سنکھ حصوں میں اس کے ذریعہ بھی ایک انچ کا فرق نہیں پڑ سکتا، یہ آلہ خاص ہندوستان کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے اس کا نام دائرۂ ہندیہ رکھا گیا۔

علامہ ریاضی بہاء الدین محمد عاملی اپنی کتاب "تشریح الافلاک" میں اسطرلاب والا طریقہ بتا کر لکھتے ہیں :۔

"طريق آخر اسهل من الاول تاخذ يوم كون الشمس فى احد الجزئين السابقين (اى ثامنة الجوزاء او الثالثة والعشرين من السرطان) لكل خمس عشر درجة من التفاوت بين الطولين ساعة ولكل درجة اربع دقائق فاذا مضى من نصف النهار بقدر ما معك من الساعات والدقائق ان زاد طول البلد او بقى له بقدره ان نقص فظل المقياس

# قانونِ اسلامی بابت پٹہ دوامی

یہ بھی ایک استفتا کا مفصل جواب ہے جو اس سے
پہلے شائع نہیں ہوا۔ تاریخ تالیف، ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جنگل کا ٹکڑا ۱۰۱ ایکڑ مسلم یا کافر زمیندار سے یا بینک سے نذرانہ دے کر بہ لگان مبلغ ۵۰۴ روپیہ حاصل کیا۔ زمیندار و زید دونوں قانونِ گورنمنٹ نافذ الوقت کے اثر سے خوب واقف ہیں کہ زمیندار یا ورثاء زید سے اس قطعۂ زمین کو کسی وقت بلا رضامندی زید واپس نہیں لے سکتا۔ زید نے بصرفِ زرِ کثیر جنگل مذکور کو آباد کر کے قابلِ زراعت بنایا اور آلاتِ جدیدہ ترقیٔ زراعت کے واسطے لگائے۔ باغ نصب کیا و مکان و چاہ وغیرہ تعمیر کیے یعنی ایک چھوٹا فارم کھول دیا جس کے متعلق احکامِ شرعیہ کی تحقیق مطلوب ہے لہٰذا سوالات ذیل کا جوابِ شرعی مدلل مرحمت فرمایا جاوے۔

متعاقدین میں سے کسی ایک کی وفات پر شرعاً معاہدہ باطل ہو جاتا ہے تو پھر شرعاً کیا حکم ہے؟

۲۔ آیا یہ معاہدہ شرعاً تعریف کاشتکاری موروثی میں داخل ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہو تو وہی احکام کاشتکاری جاری ہوں گے یا اور کوئی صورت جواز بھی ہے؟

۳۔ بصورتِ ابطالِ معاہدہ، زید اگر قابض رہے تو شرعاً جواز قبضہ یا انتفاع منفعت کی صورت کیا ہوگی، نیز دوسرے شخص کو اجارہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

۴۔ بصورتِ عدم جواز زید نے جو زرِ کثیر صرف کر کے زمین آباد کی ہے، آیا اس کا یا مکان، باغ وغیرہ کا کوئی معاوضہ بصورتِ تخلیہ زمین زمیندار سے پانے کا مستحق ہے؟ اگر مستحق ہے تو مقدار

ح خط سمت القبلۃ وھی علی خلاف جہت الظل:

علامہ عصمت اللہ اس کی شرح میں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں:۔

"وذلک لان دائرۃ الارتفاع تمر حینئذٍ بسمت راس مکۃ ایضا والظل یکون فی سطحھا فخط الظل ھو خط سمت القبلۃ فما یحاذی احد طرفی ھذا الخط من اجزاء الدائرۃ الھندیۃ یکون نقطۃ سمت القبلۃ"

## سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا ایک اور آسان طریقہ

یہ تو مشرقی صاحب کو سمت قبلہ کے معلوم کرنے کے آلات کا پتہ بتانا تھا۔ اب عام مسلمانوں کے لیے سمت قبلہ نکالنے کی سہل ترین ترکیب لکھتا ہوں۔ ۲۹ مئی اور ۱۴ جولائی کو تاریخوں میں اپنے شہر اور مکہ معظمہ میں جتنے گھنٹہ اور منٹ کا فرق ہو، نصف النہار کے بعد اتنے گھنٹہ اور منٹ پر کسی عمود یا پایہ کا سایہ دیکھیں۔ یا خود سیدھے دھوپ میں کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت کا سایہ ٹھیک سمتِ قبلہ کو بتائے گا۔ مکہ معظمہ اور کسی شہر کے وقت میں گھنٹہ اور منٹ کا فرق اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اطلس کے آخر میں شہروں کا طول وعرض دیا ہوتا ہے۔ اس سے مکہ معظمہ اور اس شہر کا طول معلوم کر کے چھوٹے کو بڑے سے تفریق کریں۔ حاصل تفریق کو چار میں ضرب دے کر ساٹھ پر تقسیم کریں، اس سے گھنٹہ منٹ معلوم ہو جائے گا۔

کاش مشرقی صاحب لاہور کی مساجد کو کم از کم اسی قاعدہ سے دیکھنے کے بعد ان کی سمتِ قبلہ کے غلط ہونے کا حکم لگاتے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے سب نمازی مسلمان اگر اپنی نمازوں کو بارگاہ خداوندی میں پھر قبول کرانا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے غلط قبلوں کو اس صحیح نقشہ سے درست کرلیں جو میں نے الاصلاح میں دیا ہے

زمیندار یا اس کے وارث دینے سے انکار کریں تو کن کن صورتوں سے وصول کر سکتا ہے؟

۵۔ کیا زید جنگل مذکور پر بصورت پٹہ دوامی اپنا قبضہ ہمیشہ نسلاً بعد نسل بلا تجدید معاہدہ رکھ سکتا ہے۔

۶۔ پٹہ دوامی کا شتکاری موروثی کا حکم واحد ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا

# الجواب

اصل ضابطہ شرعیہ اس بارہ میں یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے۔ پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں رہتا (کما ھو مصرح فی عامۃ المتون والشروح والفتاوی) اور اسی بناء پر موروثی کاشتکاری اور دخیل کاری کا جو عام قانون اس وقت رائج ہے وہ اپنے عموم کی حیثیت سے بلاشبہ ظلم اور ناجائز ہے لیکن فقہائے متاخرین کے کلام سے بعض صورتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں کہ جس میں مستاجر (کاشتکار یا کرایہ دار) کا قبضہ چند شرائط کے ساتھ دائمی نسلاً بعد نسل قرار دیا جاتا ہے اور جب تک وہ شرائط کا پابند رہے اس کا قبضہ زمیندار کو اٹھانے کا حق نہیں ہوتا، کرایہ دار یا زمینداروں میں سے کسی کا انتقال بھی اس معاملہ میں اجارہ کو فسخ نہیں کرتا۔ بلکہ نسلاً بعد نسل یہ معاملہ جاری رہتا ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ جو زمین یا مکان اجارہ پر دیا گیا ہے وہ ابتدائے معاملہ ہی سے بطور پٹہ دوامی دیا گیا ہو اور کاشتکار یا کرایہ دار کو یہ یقین دلایا گیا ہو کہ یہ جائیداد اس کے قبضہ سے نکالی نہ جائے گی۔ جس کی بناء پر کاشتکار نے اپنا روپیہ اور محنت صرف کر کے زمین کو ہموار کیا اور کنواں وغیرہ بنایا یا کرایہ دار نے اس میں کوئی تعمیر وغیرہ قائم کر لی ایسی جائداد کو فقہاء کی اصطلاح میں ارض محتکرہ اور کردار یا جدک کہتے ہیں۔ اور اس دائمی حق کو مشد مسکہ یا حق قرار سے تعبیر کیا جاتا ہے (کما فی رد المحتار) اور یہ صورت یا اوقاف کی زمین میں ہوسکتی ہے یا بیت المال کی یا ایسی زمین میں جس کو مالک نے کرایہ ہی کی جائداد قرار دے کر پٹہ دوامی لکھ دیا ہے یا کرایہ دار کو عدم انتقال کا یقین دلایا ہے

یا اس سے بہتر نقشہ سے درست کرلیں. غلط قبلوں والی مسجدوں پر آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ سے صحیح قبلوں کے نشان از سر نو لگوائیں. حتی الوسع پرانی مسجدوں میں جن کے قبلے یقیناً درست ہوں گے. اپنی نمازیں علی الخصوص جمعہ کی نماز ادا کریں۔"

نماز کی قبولیت اور عدم قبولیت اور چیز ہے اور شرائط و ارکان کے مطابق ہونا اور چیز۔ ٹھیک سمت قبلہ پر نہ ہونے سے عدم قبولیت کا حکم لگانا ہرگز صحیح نہیں۔

## مشرقی صاحب کے نقشہ کی غلطیاں

اصلاح کے نقشوں سے قبلوں کی درستی کی بھی ایک ہی کہی، آپ حکم تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو دے رہے ہیں اور نقشے میں صرف چند جگہوں کے نام دیے ہیں اور وہ بھی غلط. مثلاً پٹنہ کا طول ۸۵ ہے، آپ کے نقشہ میں ۹۰ درجہ سے بھی پورب یعنی ۹۲ درجہ ہے اور عرض ۲۵ درجہ ہے. مگر آپ کے نقشہ میں خط سرطان کے قریب یعنی ۲۳ درجہ ہے۔ اولاً تو یہ قاعدہ ہی غلط ہے. اگر قاعدہ صحیح بھی ہو تو مشرقی صاحب کے نقشہ میں ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ ان پر بنیاد رکھنا کسی طرح صحیح نہیں اگر صحیح نقشہ بھی دستیاب ہو جائے تو اس میں گنتی کی چند جگہوں کے سوا تمام آبادیوں کے نام نہیں ہوتے۔ پھر نقشہ میں اگر وہ جگہ جس کی سمت قبلہ معلوم کرنی ہے مل بھی گئی، تو نقشہ میں مکہ معظمہ اور اس شہر کے درمیان خط کھینچ دینے سے اس شہر کی مسجدوں کی سمت قبلہ کس طرح معلوم ہوگی. پھر سطحی خط اور ہے. کروی خط اور. نقشہ میں ان دونوں شہروں کے درمیان خط ملا دینے سے اس دائرہ کے مساحت پر کس طرح ہوگا، جو سمت الراس مکہ معظمہ پر گزرتا ہو اور افق بلد سے متقاطع ہو۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمُو اینجاست ؎ نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند

## ایک پُر لطف تجویز

سب سے پر لطف آلات رصدیہ کے ذریعہ مسجدوں کے صحیح قبلوں کا نشان بنانے کی تجویز ہے۔ اولاً ہر مسجد کے لیے قیمتی آلات آئیں گے کہاں سے۔ پھر ہر جگہ کے عوام ان کے استعمال سے واقف نہیں، مولویوں

جس کی بناء پر اس نے اس زمین کو اپنا روپیہ اور محنت صرف کر کے درست کیا ہے۔ اس صورت میں شرعاً بھی کاشتکار یا کرایہ دار کا قبضہ اس وقت تک نہ اٹھایا جائیگا، جب تک کہ وہ شرائط ذیل کی پابندی کرے۔ اوّل یہ کہ جائداد کا مقررہ لگان یا حصہ بٹائی برابر ادا کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی وقت جائداد کی شرح لگان یا کرایہ عرف و رواج کے اعتبار سے زائد ہو جاوے تو کاشتکار و کرایہ دار اسی شرح سے کرایہ دینا منظور کرے جو اس وقت ہو گیا ہے۔ جس کا حاصل باصطلاح فقہاء یہ ہے کہ کاشتکار و کرایہ دار کو اجرتِ مثل کی پابندی لازم ہوگی، ابتدائے معاملہ میں طے شدہ لگان دائمی قرار نہ دیا جائے گا۔ البتہ اجرتِ مثل میں زمین کی موجودہ حالت جو کاشتکار یا کرایہ دار کے عمل سے پیدا ہوئی ہے، مثلاً زمین کو ہموار کر لیا گیا اور کنویں وغیرہ سے پانی کا انتظام کر لیا۔ یا افتادہ زمین پر مکان یا دکان تعمیر کر لی گئی، اس حالت کا اعتبار اجرتِ مثل میں نہ کیا جائے گا، بلکہ زمین کی اصل حالت جس پر کاشتکار یا کرایہ دار کے حوالہ کی گئی تھی اس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً جس افتادہ زمین کا لگان بوقت معاملہ دس روپیہ تھا، اگر ویسی حالت و صفت کی زمین کا کرایہ آج پندرہ روپیہ ہو گیا ہے تو کاشتکار و کرایہ دار کو اس کی پابندی لازمی ہوگی اور دس کے بجائے پندرہ روپیہ دینے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ کاشتکار یا کرایہ دار اس زمین کو تین سال تک معطل نہ چھوڑے (کما فی الخیریۃ اذا ثبت انهم معطلوها ثلث سنین تنزع من ایدیهم) اگر شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کاشتکار یا کرایہ دار کرے گا تو اس کا حق اس زمین سے ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے شرائط کی پابندی کی تو اس کا حق دائمی قرار دیا جائے گا اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوگا۔ مگر یہ انتقال بحیثیتِ ملک نہیں بلکہ بحیثیتِ استحقاق ہے۔ اس لیے قواعد و فرائضِ میراث کی اس میں رعایت نہیں کی گئی، اولاد میں اگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہیں تو یہ استحقاق صرف لڑکوں کو ملے گا، اولاد نرینہ نہ ہو تو بعض فقہاءؒ کے نزدیک یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ (کما فی خراج الدر المنتقی للعلائیؒ) اور بعض فقہاء کے نزدیک اولاد نرینہ نہ ہونے

اور ملاؤں کو آپ ناواقف بتا چکے ہیں تو کیا ہر جگہ آپ خود زحمت گوارا فرمائیں گے۔ جن جن مسجدوں میں آپ نے نمازیں پڑھی ہیں۔ کیا ان کی سمت قبلہ آپ نے آلات کے ذریعہ سے درست کرلی تھی، اچھرہ کی مسجد کا جہاں آپ چار سال سے مقیم ہیں اور جس میں آپ نے ہزاروں نمازیں پڑھی ہوں گی سمت قبلہ کیا ہے، نقطۂ مغرب سے کس قدر اور کس جانب انحراف ہے۔ کسی ایسی تجویز کا جس پر خود عمل نہ ہو پیش کرنا مضحکہ انگیز ہے۔

## کیا مسجد کی قدامت اس کے سمت قبلہ کی صحت کی دلیل ہے

مشرقی صاحب نے لاہور کے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ "وہ اپنی تمام نئی مسجدوں کو چھوڑ کر شاہی مسجد، سنہری مسجد اور وزیر مسجد وزیر خاں میں نماز ادا کریں۔"

کیا مشرقی صاحب نے ان مسجدوں کی سمت قبلہ کی تحقیق کرلی ہے یا محض قدامت کی بناء پر ان کی صحت تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قدامت کی بناء پر ان کا قبلہ صحیح سمجھتے ہیں، اس لیے کہ لاہور کی تمام مسجدوں کے سمت قبلہ سے منحرف ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

## خاتمہ

مشرقی صاحب کا رسالہ "مولوی کا غلط مذہب نمبر۹" شروع سے آخر تک بالکل غلط ہے جو مسجدیں سمت قبلہ کے مطابق ہیں خواہ وہ نئی ہوں یا پرانی، ان کی نمازوں کے سمت قبلہ کے موافق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اور جن مسجدوں کے قبلے صحیح سمت میں نہیں ہیں تو اگر وہ ۴۵ درجہ کے اندر تک ہیں جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ گو ہمارے بتائے ہوئے قاعدہ کے مطابق ان کی سمت قبلہ صحیح کرلینا ضروری ہے لیکن اگر ان کی موجودہ حالت میں بھی ان میں نمازیں پڑھی جائیں، جب بھی ہو جائیں گی۔ وسمت کعبہ کی جانب رُخ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رخ کا کوئی جزو کعبہ کی سمت میں واقع ہو، پس اگر کعبہ سے خفیف انحراف بھی ہو لیکن رُخ کا کوئی جزو کعبہ کے مواجہ میں ہو تو نماز ہو جائے گی۔ البتہ اگر ۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف ہوگا تو استقبال نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں نماز نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس

کی صورت میں دختر کو، اور اگر وہ نہ ہو تو حقیقی یا علاتی بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو حقیقی ہمشیرہ کو اور اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر ماں کو حق دیا جائے گا (کما فی الحامدیۃ وسیاتی نقلھا)

لیکن چونکہ صورت مذکورہ اصل ضابطہ اجارہ اور تصریحات متون و شروح کے بظاہر خلاف ہے اس لیے فقہاء کا کلام اس بارہ میں مضطرب نظر آتا ہے علامہ ابن عابدین شامی، نے ردالمحتار کے مختلف مواضع وقف، اجارہ، بیع وغیرہ میں ان صورتوں پر کلام کیا ہے پھر ایک مستقل رسالہ، رسائل ابن عابدین میں اس موضوع پر بنام "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں اس قسم کے معاملہ اور اس کے نسلاً بعد نسل باقی رہنے کو متونِ فقہ کی تصریحات کے مطابق ناجائز نقل کرنے کے بعد جواز پر قنیہ کا فتوے، پھر خصاف سے اس کی تائید نقل فرمائی ہے اور ذکر کیا ہے کہ فتاوی خیریہ وغیرہ میں علامہ رملی کا فتویٰ اس بارہ میں مضطرب اور متضاد ہے۔ بعض جگہ قنیہ و خصاف کے مطابق فتوے دیا ہے۔ بعض جگہ ظواہر متون کے مطابق پھر قنیہ و خصاف اور عامہ متون کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ قنیہ و خصاف میں عام اجارات کا یہ حکم نہیں لکھا بلکہ مخصوص ضرورتوں میں اور خاص صورتوں میں اجازت دی ہے اور متون میں عام قاعدہ مذکور ہے جس سے ان مخصوص صورتوں کو مستثنیٰ کہا جا سکتا ہے، جن میں قنیہ وغیرہ نے ایسا معاملہ جائز رکھا ہے اور وہی صورتیں ہیں، جو اسی تحریر میں اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن خود علامہ شامی کا کلام بھی اس بارہ میں بظاہر مضطرب معلوم ہوتا ہے۔ اس رسالہ میں تو مذکورہ صورت پر تطبیق دے کر قنیہ و خصاف کے موافق فتویٰ کی گنجائش دی ہے۔ مگر ردالمحتار کتاب الاجارہ کے اوائل میں اس پر شدید نکیر فرمائی۔ اور در مختار میں جو قنیہ کا قول نقل کر دیا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے:۔

واقول حیثما کان مخالفاً للمتون فکیف یسوغ الافتاء بہ مع انہ من کلام القنیۃ ولا یعمل بما فیھا اذا خالف غیرہ کما صرح بہ ابن حبان وغیرہ وما فی المتون قد ردہ الشراح واصحاب الفتاوی فما اتفق علیہ الکل اولیٰ بالتقدیم فلیت
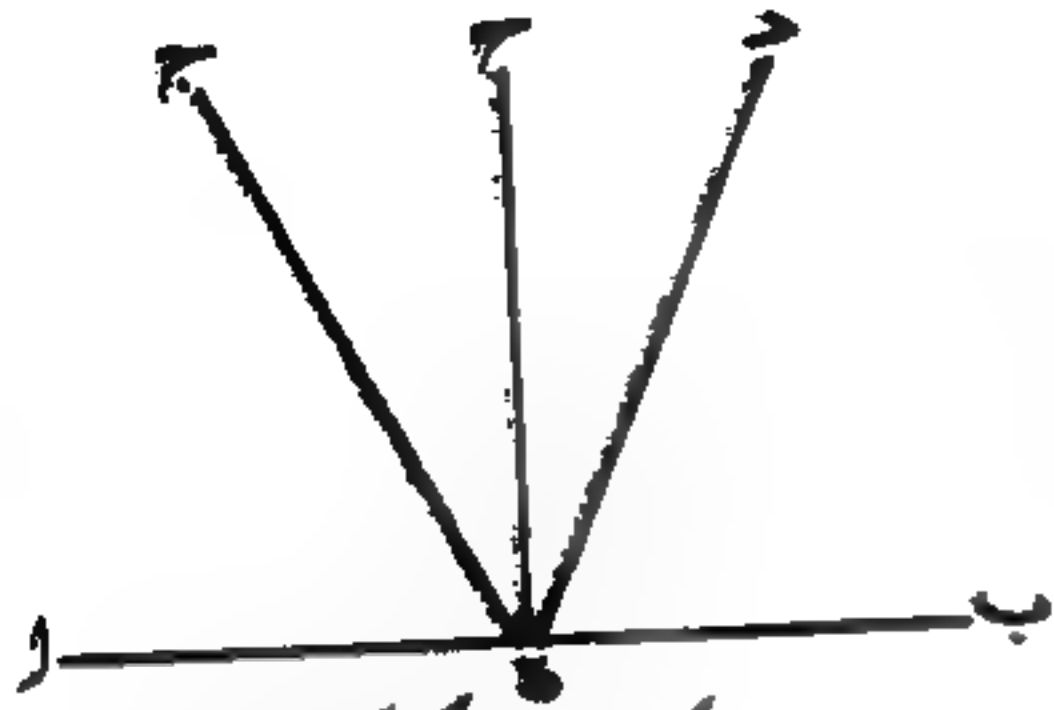
شکل سے واضح ہوگا کہ ا ب ایک
خط ہے اس پر ہ ح عمود ہے فرض
کیجیے کہ کعبہ معظمہ عین نقطہ ح کے
محاذی ہے دونوں قائمے ا ہ ح
اور ح ہ ب کی تنصیف کرتے ہوئے
خطوط ہ د اور ہ ج کھینچے تو زاویے ۴۵، ۴۵ درجے کے ہوئے کیونکہ قائمہ ۹۰ درجہ
کا ہوتا ہے۔ اس شکل کے مطابق جو شخص مقام ہ پر کھڑا ہے۔ اگر نقطہ ح کی طرف
رخ کرے تو عین کعبہ کی جانب ہوگا اور اگر داہنے یا بائیں د یا ج کی طرف جھکے تو
جب تک ہ د یا ہ ج کے اندر ہے جہت کعبہ میں ہے اور جب د سے بڑھ
کر د ب یا ج سے گزر کر ج ا کے درمیان ہوجائے گا تو جہت بالکل بدل جائے
گی اور نماز نہ ہوگی۔

(منقول از رسالہ معارف اعظم گڈھ بابت ماہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۳۰ء)

المصنف لم یذکرہ فی متنہ اھ (شامی ص۳۱ ج۵)

لیکن اسی کتاب میں چند ورق پہلے "مطلب مرصد وشد مسکہ" کے تحت میں ایک کلام سے جواز کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ وہذا لفظہ:

وفی فتاوی العلامۃ المحقق عبد الرحمٰن أفندی مفتی دمشق جوابًا لسوال عن الخلو المتعارف بما حاصلہ ان الحکم قد یثبت بالعرف الخاص عند بعض العلماءؒ کالنسفی ومنہ الاحکار التی جرت بہا العادۃ فی ہذہ الدیار وذلک بأن تمسح الارض وتعرف بکسر ویفرض علی قدر من الاذرع مبلغ معیّن من الدراھم ویبقی الذی یبنی فیہا یؤدی ذلک القدر فی کل سنۃ من غیر اجارۃ کما ذکرہ فی انفع الوسائل فاذا کان بحیث لو رفعت عمارتہ لا تستأجر باکثر ترک فی یدہ باجر المثل، ولکن لا ینبغی أن یفتی باعتبار العرف مطلقًا خوفًا من ان ینفتح باب القیاس علیہ فی کثیر من المنکرات والبدع نعم یفتی فیما دعت الیہ الحاجۃ وجرت بہ فی المدۃ المدیدۃ العادۃ وتعارفہ الاعیان بلا نکیر کالخلو المتعارف فی الحوانیت وھوان یجعل الواقف او المتولی او المالک علی الحانوت قدرًا معینًا یوخذ من الساکن ویعطیہ بہ تمسکًا شرعیًا فلا یملک صاحب الحانوت بعد ذلک اخراج الساکن الذی ثبت لہ الخلو ولا اجارتہا لغیرہ مالم یدفع لہ المبلغ المرقوم فیفتی بجواز ذلک قیاسًا علی بیع الوفاء الذی تعارفہ المتاخرون احتیالًا عن الربا اھ (شامی ص۲۲ ج۵)

اور رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ" میں علامہ شامی کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

ذکر فی البحر عن القنیۃ ما نصہ استاجر أرضًا وقفًا وغرس فیہا

وبنی ثم مضت مدۃ الاجارۃ فللمستاجر ان یستبقیھا باجر المثل اذا لم یکن فی ذلک ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الا القلع لیس لھم ذلک انتھی قال فی البحر وبھذا یعلم مسئلۃ الارض المحتکرۃ وھی منقولۃ ایضا فی اوقاف الخصاف انتھی۔ قال الشامی۔ قلت وحاصلہ ان کلام المتون والشروح وان کان شاملا للوقف والملک۔ لکن کلام القنیۃ حیث اعتضد بما ذکرہ الخصاف صار مخصصا لکلام المتون والشروح بالملک ویکون الوقف خارجا عن ذلک فللمستاجر الاستبقاء باجر المثل بشرط عدم الضرر علی الوقف اصلا ولکن اضطرب کلام الخیر الرملی فی فتاواہ فتارۃ افتی بھذا وتارۃ افتی باطلاق المتون والشروح حیث (سئل) فی ارض سلطانیۃ او وقف معدۃ لغراس (الی قولہ) اجاب نعم لہ الاستبقاء حیث لا ضرر علی الجھۃ ولزوم الضرر علی الغارس ثم نقل ما مر عن القنیۃ والبحر ثم قال وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی ھذا وفی القلع ضرر علیھم وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار لا ضرر ولا ضرار واللہ تعالی اعلم (ثم ذکر الشامی عدۃ فتاوی منہ علی خلاف ذلک ثم قال) ویمکن الجواب عما افتی بہ اولا بابداء الفارق وھو ان الارض فی السوال الاول معدۃ للغرس ولان تبقی فی ایدی غارسیھا باجرۃ المثل کما ھو مصرح بہ فی صدر السوال فاذا کانت العادۃ فیھا جاریۃ علی ذلک فتصیر کان الواقف شرط فیھا ذلک فیتبع شرطہ کالاراضی السلطانیۃ المعدۃ لذلک ایضا ویکون المستاجر احق بھا لان لہ فیھا

## رفع الملامة
عن
## القیام عند اول القیامۃ

# اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

"اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک رسالہ پہلے بھی دیوبند میں شائع ہو چکا ہے بعد ازاں موصوف کو نظر ثانی کا موقع ملا تو بہت سی ترمیم و اضافہ کے بعد یہ ایک نیا رسالہ بن گیا، جو ترمیم کے بعد پہلی بار البلاغ صفر ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا تھا۔"

حق القرار وھو المعبّر عنہ بالکردار (ثم اورد الشامی فتاوی عدیدۃً فی جواز الاستبقاء فی ارض الوقف والاراضی السلطانیۃ ثم قال)

تنبیہ۔ قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بأن تکون الارض معطلۃً فیستأجرھا من المتکلم علیھا لیصلحھا للزراعۃ ویحرثھا ویکبسھا وھو المسمّٰی بمشد المسکۃ فلا تنزع من یدہ مادام یدفع ما علیھا من القسم المتعارف کالعشر ونحوہ واذا مات عن ابن توجہ لابنہ (الٰی قولہ) ثم نقل عن مجموعۃ عبداللہ افندی انھا عند عدم الابن تعطی لبنتہ فان لم توجد فلأخیہ لاب فان لم یوجد فلأختہ الساکنۃ فیھا فان لم توجد فلأمہ (وذکر العلائی) فی خراج الدر المنتقی تنتقل للابن ولا تعطی البنتُ حصۃ وان لم یترک ابنا بل بنتا لا تعطی ویعطیھا صاحب التیمار لمن اراد اھ۔ وفی الحامدیۃ ایضا فی مزرعۃ وقف تعطلت بسبب تعطل قناتھا ودثورھا أجرھا الناظر لمن یعزل قناتھا و یعمرھا من مالہ لیکون مرصدًا لہ علیھا للضرورۃ الداعیۃ واذن لہ بحرثھا وکبسھا بالتراب وتسویتھا لیکون لہ حق القرار فیھا المعبر عنہ بالمسکۃ وبالفراس والبناء لیکون ذلک ملکًا لہ فانہ یصح (ثم ذکر) من القنیۃ والحاوی الزاھدی انہ یثبت حق القرار فی ثلاثین سنۃً فی الارض السلطانیۃ والملک والوقف فی ثلاث سنین اھ (ثم ذکر فذلکۃ الکلام فی فصل فقال) ان المستأجر بعد فراغ مدۃ اجارتہ یلزمہ تسلیم الارض ولیس لہ استبقاء نباتہ اوغرسہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد ۔ اقامتِ نماز کے وقت امام اور مقتدی کس وقت کھڑے ہوں ؟
شروع اقامت سے یا بعد میں موذن کے کسی خاص کلمہ پر، ایک ایسا فروعی مسئلہ ہے کہ اس کی جانب میں گناہ نہیں۔ دونوں ہی طریقے شرعاً جائز ہیں فرق اور اختلاف صرف اس میں ہے کہ افضل اور اولیٰ کون سا طریقہ ہے۔ اگر کچھ کراہت ہے تو وہ صرف اس صورت میں ہے کہ امام کے مسجد میں آنے سے پہلے اقامت شروع کر دیں اور سب مقتدی کھڑے ہو کر امام کے آنے کا انتظار کرتے رہیں۔ یہ صورت عموماً کہیں ہوتی نہیں، اور جو صورت عام طور پر پیش آ رہی ہے کہ امام بھی موجود مقتدی بھی، اس میں شروع سے کھڑا ہو جانا بھی بغیر کسی کراہت یا اختلاف کے جائز ہے اور کچھ تاخیر سے کھڑا ہونا بھی کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اس مسئلے کو بحث و مباحثہ اور باہمی جدال جھگڑے کا ذریعہ بنا لینا کوئی کارِ خیر نہیں بلکہ باہمی جدال اور جھگڑے سے جو فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُن میں فریقین سخت گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی توہین کرنے لگتے ہیں، باہمی منافرت پیدا ہو جاتی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی کے ساتھ رد کیا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ یعنی ایک مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے حرام، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اس کی آبرو بھی۔ توہین اور سخت کلامی میں ایک دوسرے کی آبرو پر حملہ ہوتا ہے جو از روئے حدیث مذکور حرام ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے سباب المسلم فسوق، یعنی کسی مسلمان کو گالی دینا برا کہنا فسق ہے۔
اب سمجھنے کی بات ہے کہ ایک اولیٰ و افضل پر عمل کرنے کے لئے اتنے حرام

بلا رضی المتکلم علی الارض (الی قولہ) وھذا شامل الارض الملک والوقف الا اذا کانت ارض الوقف معدۃ لذلک کالقری والمزارع التی اعدت للزراعۃ والاستبقاء فی ایدی فلاحیھا الساکنین فیھا والخارجین منھا باُجرۃ المثل من الدراھم او بقسم من الخارج کنصفہ وربعہ ونحو ذلک ومثل ذلک الاراضی السلطانیۃ فان ذلک کلہ لایتم عمارتہ والانتفاع بہ المعتبر الا ببقائہ بایدی المزارعین فانہ لولا ذلک ما سکن اھل القری المذکورۃ فیھا آنا فانھم اذا اطلقوا انھم اذا اخذوا الارض ذکروا اشجارھا وغرسوا فیھا اخذت منھم واخرجوا منھا ما فعلوا ذلک ولا سکنوھا فکانت الضرورۃ داعیۃ الی بقائھا بایدیھم اذا کان لھم فیھا کردار او مشد مسکۃ ما داموا یدفعون اُجرۃ مثلھا ولم یعطلوھا ثلاث سنین کما مر (تحریر العبارۃ جزء رسائل ابن عابدین ص۱۲۴ ج ۲)

علامہ شامی کی ان تمام عبارات وروایات میں تطبیق اور ان کی رائے جو ان کی مجموعہ عبارات سے مستفاد ہے یہ ہے کہ اراضی وقف اور اراضی سلطانیہ جبکہ ان کو آباد کرنے اور ان سے معتدبہ فائدہ اٹھانے کا کوئی ذریعہ بدون اس کے نہ ہو کہ وہ کرایہ دار یا مزارع کو بطور پٹہ دوامی دے دی جاویں اور ان کو حق قرار دیا جائے تو ان زمینوں کو بطرز مذکور اجارہ پر دے دیں اور ہمیشہ نسلاً بعد نسل ان کا قبضہ تسلیم کرلینا اس شرط سے جائز ہے کہ وہ اس زمین کی اجرتِ مثل ہمیشہ ادا کرتے رہیں اور اس کو تین سال تک معطل نہ چھوڑیں اور وقف کا کوئی ضرر اس سے محسوس نہ کیا جائے، اور جب یہ معاملہ جائز ہوا تو متولیٔ وقف کو اس کی پابندی اس وقت تک لازم ہے، جب تک کہ کاشتکار یا کرایہ دار سے شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی سرزد نہ ہو۔ ردالمحتار

اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا دانشمندی ہے خصوصاً اس زمانے میں کہ پورے عالم اسلام کو صرف مسلمانوں کے باہمی تفرقہ نے تباہی کے کنارے پر لگا دیا ہے۔
اس زمانے میں تو ایسے مسائل میں ہر مسلمان کو چاہیئے کہ جس عالم بزرگ پر اعتماد ہو اس کے فتویٰ کے مطابق اپنے عمل میں افضل کو تلاش کر کے اس پر عمل کرے، دوسرے اگر اس کے خلاف عمل کرتے ہیں، بغیر کسی جھگڑے کے نرمی سے سمجھا دینے کا موقع ہو تو سمجھا دے ورنہ اُس کو اُس کے طریقہ پر چھوڑ دے۔
مندرجہ رسالہ سوال وجواب اب سے تیئیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں لکھا گیا تھا چونکہ عوام یہاں بھی اس مسئلہ میں الجھتے رہتے ہیں اس لئے مسئلہ کی پوری حقیقت واضح کرنے کے لئے اس کو کسی قدر اضافہ وترمیم کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ مگر یہ پھر عرض ہے کہ اگر سمجھ میں آجائے تو خود عمل کریں، دوستوں کو تبلادیں، جو لوگ اس کے خلاف کریں، اُن سے کوئی جھگڑے کی صورت ہرگز نہ بننے دیں۔

واللہ المستعان
بندہ محمد شفیع، دارالعلوم کراچی
۲۷ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

# سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بوقت قیام الی الجماعت امام اور مقتدین کا ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا مستحب ہے یا حی علی الفلاح پر، اگر مقتدین بغیر امام یا مع الامام ابتداء اقامت سے کھڑے ہو جائیں تو کیا ان کا یہ عمل کراہت میں داخل ہے۔ اگر کراہت میں داخل ہے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ابتداء اقامت سے کھڑے ہو کر صفوف کو استوار کرنا اور اس پر عمل کی تلقین کرنا کراہت کے خلاف ہے اور اگر قیام من ابتداء الاقامۃ مکروہ نہیں تو حاشیہ طحطاوی میں تحریر کردہ حکم کراہت قیام من ابتداء الاقامۃ کا کیا جواب ہے۔ مع حوالہ کتب بیان فرما کر تشفی بخشیں بینوا وتوجروا۔

اور رسالہ تحریر العبارۃ میں جس جگہ جواز مذکور ہے اس کا یہی محل ہے۔ اور جب کسی وقت شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی ہونے لگے تو متولیٔ وقف کو قبضہ میں چھوڑنا اور ان کو قبضہ میں رکھنا ناجائز و حرام ہے۔ رد المحتار کی کتاب الاجارہ میں عدم جواز کا فتویٰ جو شامیؒ کی عبارت مذکورہ میں گذرا، اس کا یہی محل ہے، اور اس کا سبب علامہ شامیؒ نے تحریر العبارۃ میں بھی ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ " وھذا کلہ غیر واقع فی زماننا" جس کا حاصل یہ ہے کہ شامیؒ کے کلام میں کوئی اضطراب نہیں، بلکہ وہ تحقق شرائط کی صورت میں جواز کے قائل ہیں اور فقدان شرائط کی صورت میں عدم جواز کے جن واقعات میں انھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، وہ وہی ہیں جو ان کے زمانے میں پیش آئے اور جن میں ان کو عدم تحقق شرائط کا جزم ہوگیا ہے، اس کلام سے یہ تو معلوم و واضح ہوگیا کہ پٹہ دوامی اور موروثیت کی صحت اگرچہ عامۂ متون و شروح کے بظاہر خلاف ہے، لیکن قنیہ، خصاف، خیریہ، حامدیہ اور شامی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق خاص خاص صورتوں میں جائز ہے، جن کا ذکر ابتدائے تحریر میں آچکا ہے، پھر ان صورتوں کا جواز اراضیٔ وقف اور اراضی سلطانیہ، جنھیں اراضی بیت المال بھی کہا جاسکتا ہے، ان میں تو تمام کتب مذکورہ میں مصرح ہے۔ مگر وہ اراضی جو کسی خاص شخص کی ملک ہوں، شامی کی عام عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ صورت جائز نہیں۔ کما قال الشامیؒ فی تحریر العبارۃ۔

والفرق ان الوقف محتاج للایجار فایجارہ من ذی الید باجرۃ مثلہ اولی من ایجارہ من اجنبی لما فیہ من النظر للوقف والنظر للمستاجر الذی وضع التکلیف بالاذن وثبت لہ حق القرار بخلاف الملک فان لصاحبہ ان لا یوجر لیسکنہ بنفسہ او یعیرہ او یرھنہ او یبیعہ او یعطلہ (رسائل ابن عابدین ص۱۵۱ ج ۲)

وقال فی اجارۃ رد المحتار تحت قول الدر " ولو استاجر

# الجواب وباللہ التوفیق

سوال کے جواب میں پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل کیا اور کس طرح رہا ہے اسی کے سمجھنے سے سب سوالات کا خود بخود حل ہو جائے گا۔

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:**

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ

۱ —— کان بلال یؤذن اذا دحضت الشمس فلا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا خرج الامام اقام الصلوٰۃ۔

(مسلم باب متی یقوم الناس فی الصلوٰۃ، ص ۲۲۰ ج ۱)

حضرت بلالؓ اذان ظہر اُس وقت دیتے تھے جب آفتاب کا زوال ہو جاتا، پھر اقامت اُس وقت تک نہ کہتے تھے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر نہ آجاتے، جب باہر تشریف لاتے تو نماز کی اقامت کہتے تھے۔

نیز صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ،

۲ —— ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافہم قبل ان یقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ (مسلم ص ۲۲۰ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی، اور لوگ آپ کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

۳ —— عن ابی ھریرۃ رض یقول اقیمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (مسلم ص ۲۲۰)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: یک بار نماز کھڑی کی گئی تھی، ہم کھڑے ہوئے اور

ارض وقف وغرس فیہا الخ" قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن الحاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ بخلاف ما اذا استأجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیہا کذلک ان أبی المالک الا القلع بل یقلعہ علی ذلک الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالک فیکون الغراس والارض للغارس وفی العکس یضمن المالک قیمۃ الاغراس فتکون الارض والاشجار لہ وکذا الحکم فی العاریۃ اھ (شامی ص۲۶ ج۵)

لیکن علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندی کی عبارتِ منقولہ از شامی (ص۲۱، ۲۲ ج۵) نیز قنیہ اور حاوی زاہدی کی عبارتِ منقولہ از تحریر العبارۃ جو اوپر منقول ہو چکی ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی ملک میں بھی یہ معاملہ جاری ہو سکتا ہے، اور خود علامہ شامیؒ کی عبارتِ منقولہ از رد المحتار جو ابھی گذری ہے، اس میں بھی املاک میں مطلقاً اس معاملہ کو رد نہیں کیا۔ بلکہ فیصلہ یہ کیا ہے کہ کرایہ دار یا کاشتکار نے جو مکان یا درخت کرایہ کی زمین پر نصب کر لیے ہیں، اگر ان کی قیمت زمین کی قیمت سے کم ہو، تب تو کرایہ دار زمین کی قیمت ادا کر کے اس کا بالکلیہ مالک ہو جائے گا اور اگر قیمت زمین کی زائد ہے تو زمیندار اس درخت یا تعمیر کی قیمت ادا کر کے مجموعہ کا مالک ہو جائے گا، یہ نہیں کہ بہر صورت زمیندار کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنی تعمیر یا قائم کردہ درخت وہاں سے اٹھا لے، بناءً علیہ احقر کا یہ خیال ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ یہ معاملہ پٹہ دوامی کا جس طرح اوقاف یا اراضی سلطانیہ میں بضرورت جائز رکھا گیا ہے۔ املاکِ خاصہ میں بھی عند الضرورت جائز ہے۔ یعنی اگر کوئی زمیندار اپنی زمین کا پٹہ دوامی کسی کو لکھ دے اور ہمیشہ کے لیے حق قرار اسے دے دے تو زمیندار کو ہمیشہ اس کا پابند رہنا لازمی ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے وارثوں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہی ہم نے صفیں درست کر لیں۔

۴ ——— عن ابی قتادۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی رنجاری باب متی یقوم الناس اذا راوا الامام عند الاقامۃ وعن انس رواہ مسلم فتح الباری ج ۲ ص ۹۴)

حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔

۵ ——— روی عبد الرزاق عن ابن جریج عن ابن شہاب ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر یقومون الی الصلوٰۃ فلا یاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ حتی تعتدل الصفوف۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں (فتح الباری ص ۹۵، ج ۲)

۶ ——— عن عبد اللہ ابن اوفیٰ رض قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوٰۃ نھض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبد الرزاق)

حضرت عبد اللہ بن اوفیٰ رضی نے فرمایا کہ حضرت بلال رض جب قد قامت الصلاۃ کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے۔

مسئلہ زیر بحث کے متعلق یہ چھ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اس مسئلے کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ ان میں پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت بلال رض کی عام عادت یہ تھی کہ حجرۂ شریفہ کی طرف نظر رکھتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے کہ آپ باہر تشریف لے آئے تو اقامت شروع کرتے تھے، زرقانی نے شرح موطا میں اور قاضی عیاض نے شرح شفا میں اس حدیث کا یہی مفہوم لکھا ہے،

کو بھی اس کی پابندی لازم ہو گی. بشرطیکہ کرایہ دار اس کی اجرتِ مثل ہمیشہ ادا کرتا رہے .یعنی اگر کسی وقت جائیداد کی شرح کرایہ بڑھ جائے تو وہ اس زیادتی کو بھی قبول کر کے ادا کرتا رہے اور مسلسل تین سال تک زمین کو معطل نہ چھوڑے البتہ اگر کرایہ دار ان شرطوں میں سے کسی کی خلاف ورزی کرے ،مثلاً جائیداد کی اجرت ادا نہ کرے ،یا بوجہ افلاس ادا نہ کر سکے یا کرایہ بڑھ جانے کی صورت میں زائد کرایہ نہ ادا کر سکے .یا جائیداد کو تین سال تک معطل چھوڑ دے ان سب صورتوں میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا.

اس تنقیح کے بعد اصل سوالات کے جواب اس طرح سمجھنے چاہییں :۔

(۱) اگر زمیندار نے صراحتہً پٹہ دوامی لکھ دیا ہے اور کرایہ دار کو حقِ استقرار دائمی دے دیا ہے تو متعاقدین میں سے کسی ایک کے انتقال سے یہ معاہدہ باطل نہ ہو گا .(مگر محض اس بناء پر کہ رائج الوقت قانون میں ہے کہ کرایہ دار یا کاشتکار کو مطلقاً حقِ استقرار حاصل ہے . شرعاً یہ معاملہ دائمی اور پٹہ دوامی قرار نہ دیا جائے گا .اگرچہ زمین دار اور کرایہ دار دونوں کو اس قانون کا پورا علم ہو)۔

(۲) موروثی کاشتکاری کا جو مفہوم اس وقت معروف و مشہور ہے کہ جس وقت کاشتکار نے ایک مرتبہ زمین میں ہل ڈال دیا وہ موروثی یا دخیل کار ہو گیا اور زمین دار اس کو بے دخل نہیں کر سکتا . یہ تو سراسر ظلم اور ناجائز ہے. پٹہ دوامی کی صورت اس سے جدا ہے ، وہ حسبِ تحریرِ مذکور جائز ہے.

(۳) معاہدہ بشرائط مذکورہ باطل ہی نہیں ہے. لہٰذا اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں .

(۴) اس کا جواب بھی وہی ہے جو ۳ میں گذرا.

(۵) حسبِ تحقیق مذکور بشرائطِ مذکورہ رکھ سکتا ہے.

(۶) اس کا حکم ۲ میں گذر گیا.

---

ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ان بلالاً کان یراقب خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاول مایراہ یشرع فی الاقامۃ قبل ان یراہ غالب الناس ثم اذا راوہ قاموا فلا یقوم مقامہ حتی تعدل صفوفھم۔

(زرقانی علی الموطاء ص ۱۳۴، ج ۱)

حضرت بلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے اور آپ پر نظر پڑتے ہی اقامت شروع کر دیتے تھے اور ابھی اکثر لوگوں کی نظروں کے سامنے آپ نہ آنے پاتے تھے۔ پھر جب لوگ آپ کو دیکھتے تھے تو کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور آپ صفیں درست ہونے سے پہلے اپنی جگہ نہیں کھڑے ہوتے تھے۔

دوسری اور تیسری حدیث سے بھی یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کی عام عادت یہ تھی کہ جب مؤذن تکبیر شروع کرے تو سب لوگ کھڑے ہو کر صفوف کی درستی کر لیتے تھے امام نووی نے شرح مسلم میں تیسری حدیث کے جملہ فعدّلنا الصفوف پر فرمایا کہ،

اشارۃ الی انہ ھذہ سنۃ معھودۃ عندھم وقد اجمع العلماء علی استحباب تعدیل الصفوف۔

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کے نزدیک سنت ہے اور علماء کا اجماع ہے کہ صفیں سیدھی کرنا مستحب ہے چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرت بلال رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی اقامت شروع کر دی اور حسب دستور سب صحابہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دیر لگی تو آپ نے یہ ہدایت دی کہ میرے نکلنے سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔ مقصد اس کا ظاہر ہے کہ لوگوں کو مشقت سے بچانے کے لئے فرمایا ہے اور اس حدیث کے الفاظ لا تقوموا حتی ترونی یعنی اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ میں گھر سے باہر آگیا ہوں۔ اس لفظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میرے باہر آجانے کے بعد کھڑے ہوتے میں کوئی حرج نہیں۔

# تنبیہ

پٹہ دوامی کا معاملہ اگر حکومت موجودہ سے کیا گیا ہے یا کسی وقف زمین کے متعلق ہے تو اس میں جواز اس معاملہ کا خصاف اور قنیہ کے موافق شامی اور بحر وغیرہ میں منقول و مصرح ہے۔ اس میں تو احقر کے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن جو زمین کسی زمیندار کی ملک خاص ہو۔ اس کے بارہ میں چونکہ ان فقہاء متاخرین کے کلام بھی کچھ مختلف ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دوسرے علماء سے بھی اس کی تحقیق کرلی جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

احقر محمد شفیع عفی عنہ
(ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ)

(کما قال الزرقانی فی شرح المؤطا نہٰی عن القیام قبل خروجہ وتسویغ لاعتدد رؤیتہ ۔ ص ۱۴۳ ج ۱)

پانچویں حدیث میں اصل عادت اور عام تعامل یہ معلوم ہوا کہ حضرت بلال اقامت اس وقت شروع کرتے، جب دیکھ لیتے کہ آپ حجرۂ شریفہ سے باہر تشریف لے آئے اور اقامت شروع ہوتے ہی حسب دستور صحابۂ کرام کھڑے ہو کر صفوف کی درستی کر لیتے تھے۔

چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے، جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچتا تھا۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔

ان سب روایاتِ حدیث کے مجموعہ سے ایک بات قدر مشترک کے طور پر ثابت ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے مسجد میں تشریف فرما نہ ہوتے بلکہ گھر میں سے تشریف لاتے تھے تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بلال اقامت شروع کرتے اور سب صحابہ کرام شروع اقامت سے کھڑے ہو کر تعدیلِ صفوف کرتے تھے، آپ نے اس کو کبھی منع نہیں فرمایا، البتہ گھر میں سے باہر تشریف لانے سے پہلے اقامت کہنے اور لوگوں کے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے وہ بھی از روئے شفقت ممانعت تھی جس کو فقہاء کرام کی زبان میں مکروہ تنزیہی کہا جا سکتا ہے۔

## تعامل سنت خلفاء راشدین کا تعامل،

۱ ——— عن نعمان بن بشیر رضی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبر (رواہ ابو داؤد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی سے مروی ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں درست کرتے تھے اور جب ہم
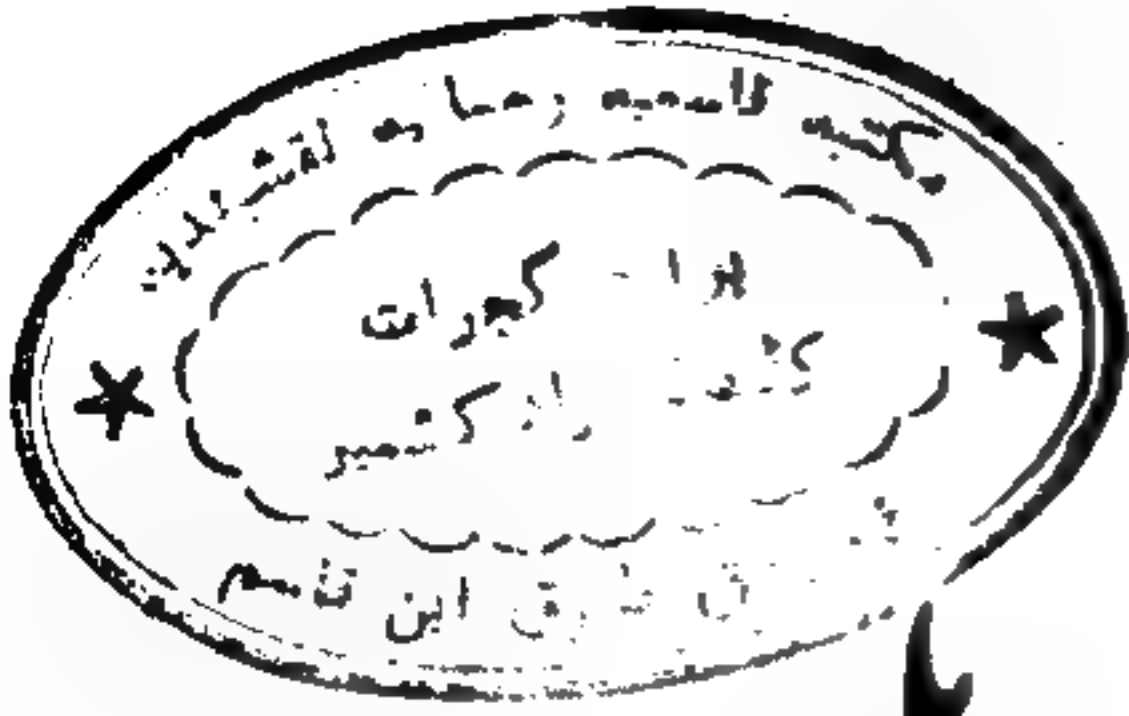
# زمیندارہ بل

مقام تالیف ———— دیوبند
اشاعتِ اوّل ———— ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

غیر منقسم ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے زمینوں کی شخصی ملکیت کے خلاف ایک بل پیش ہوا تھا، اس پر تنقید کے لئے یہ مقالہ زیرِ تحریر آیا اور اس میں شخصی ملکیت سے متعلق اسلام کے موقف کو واضح کیا گیا۔ اس میں اکابر علماء کے فتاویٰ بھی شامل ہیں۔

سیدھے ہو جاتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

۲ ——— روی عن عمر رض انہ کان یوکل رجالاً باقامۃ الصفوف فلا یکبر حتی یخبران الصفوف قد استوت (اخرجہ الترمذی و قال و روی عن علی و عثمان انھما کانا یتعاھدان ذلک) یہ دونوں حدیثیں نیل الاوطار کی ہیں۔

حضرت عمر رض نے صفیں درست کرنے کے لئے لوگ متعین کر دیئے تھے اور صفیں درست ہونے کی خبر جب تک نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے (امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض بھی اس امر کا اہتمام کرتے تھے۔

الغرض پہلی حدیث سے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور دوسری حدیث سے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر بن خطاب رض حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ تعامل اور عام عادت معلوم ہوئی کہ وہ صفوں کی درستی کی خود بھی نگرانی کرتے تھے اور جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ صفیں سب درست ہو گئیں یعنی نہ صف کے درمیان میں کوئی جگہ چھوٹی گئی اور نہ آگے پیچھے رہے اس وقت تکبیر نماز کی شروع فرماتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ جبھی ہو سکتا ہے جب لوگ شروع اقامت سے کھڑے ہو جائیں۔ جیسا کہ اوپر احادیث مرفوعہ سے صحابۂ کرام کی عام عادت بھی ثابت ہو چکی ہے ورنہ اگر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح یا قد قامت الصلوٰۃ پر لوگ کھڑے ہوں تو اس کے بعد یہ تسویہ صفوف کا انتظام کیا جائے تو یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اقامت ختم ہو جانے کے کافی دیر بعد نماز شروع ہو سکا کہ یہ باتفاق علماء مذموم ہے۔

مذاہب فقہاء

حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو بعنوان آداب الصلوٰۃ لکھا ہے اور آداب سے مراد وہ افعال ہیں جن کا چھوڑ دینا کسی کراہت یا عتاب کا موجب نہیں ہوتا، کرتا اس کا افضل ہے نہ کرنے والے پر بھی نکیر کرنا جائز نہیں بلکہ نکیر کرنا بدعت ہے۔ در مختار میں فصل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہِ وَکَفیٰ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفیٰ!

الاپو مغربی سُر میں نیا راگ
اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
جنونِ مغربی کا دور ہے یہ
فلک کو کد ہے بگڑو اور بگاڑو

تہذیب جدید اور نئی روشنی جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ زیبا ہے اس نے اقوام دنیا کے آئین تمدن و معاشرت اور اخلاق و اعمال سیرت و صورت میں جو نظر فریب مگر مہلک انقلاب پیدا کیا ہے اُس کی تباہی و بربادی اہل بصیرت پر تو پہلے واضح تھی اور وہ لوگوں کو اس پر متنبہ بھی کرتے رہے لیکن نوخیز طبائع پر ایک نیا نشہ چڑھا ہوا تھا جس نے کوئی نصیحت نہ سننے دی۔ حوادث زمانہ کے زبردست تازیانہ نے اُن کو بار بار چونکایا اور سیاست جدیدہ کے تباہ کن نتائج کا مشاہدہ کرا دیا مگر یورپ زدہ طبقہ کی ایک جماعت ہے جو برابر اسی لکیر کے فقیر رہنے کو سرمایۂ سعادت سمجھتی اور اسی کی نقل اُتارنے کو قوم کی فلاح و بہبودی تصور کرتی ہے۔

وہ دن دُور نہیں گئے کہ سارے دانایانِ فرنگ سرمایہ داری کے اصول کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر اپنی ساری دماغی قوتیں اُس کی تحصیل و تکثیر میں صرف کر رہے تھے اور اس بت کی پرستش میں وہ دین و دانش کے فرق حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی طرف بھی کوئی التفات نہ کرتے تھے۔ انسان کی فضیلت و شرافت کو صرف سرمایہ و دولت کی ساتھ تولا جاتا تھا۔ اس لئے ہر بُرے سے بُرا اور حرام سے حرام طریقہ جو سرمایہ بڑھانے میں معین ہو عین حکمت سمجھا جا رہا تھا سود خوری زندگی کے لوازم میں داخل کر لی گئی تھی۔ سرمایہ کے اڈوں اور خزانوں پر ایسے ناگ قبضہ کر کے بیٹھ گئے تھے کہ بعد میں آنے والوں کو وہاں تک پہنچنے کا بھی کوئی امکان نہ رہے اور غریب محنت کش لوگوں کے لئے بجز اُن کی غلامی کے زندگی

صفۃ الصلوٰۃ سے پہلے لکھا ہے:

و لھا آداب ترکھا لا یوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد و فعلہ افضل۔

اور نماز کے کچھ آداب ہیں جن کے چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوتا اور نہ ملامت ہوتی ہے مثلاً سنن زوائد کو ترک کرنا، ہاں اس کا کرنا افضل ہے۔ اس استحباب میں مذاہب آئمہ مجتہدین امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس طرح لکھا ہے:

مذاھب الشافعی رح و طائفۃ انہ یستحب ان لا یقوم احد حتی یفرغ المؤذن من الاقامۃ و نقل القاضی عیاض عن مالکؒ و عامۃ العلماء انہ یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ وکان انسؓ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ و بہ قال احمدؒ وقال ابو حنیفۃ رح والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ۔
(نووی شرح مسلم، ص ۲۲۱، ج ۱)

امام شافعیؒ اور ان کے علاوہ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے تک کسی کا کھڑا نہ ہونا مستحب ہے۔ قاضی عیاض نے امام مالکؒ اور عامۃ العلماء سے نقل کیا ہے کہ مؤذن کے اقامت شروع کرتے وقت لوگوں کا کھڑا ہو جانا مستحب ہے اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا تھا تو حضرت انس رض کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رح اور دیگر اہل کوفہ نے فرمایا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کہتے وقت صف میں کھڑے ہو جائیں۔

اور مذہب حنفیہ کی پوری تفصیل عالمگیری اور بدائع میں حسب ذیل ہے۔

ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والموتم اذا قال حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ وھو الصحیح فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلک الصف والیہ مال شمس الائمۃ السرخسی

گذارنے کا کوئی سامان نہ چھوڑا گیا اور فرنگی تقلید کے خوگر دماغوں نے اسے عین حکمت سمجھ کر قبول کیا۔

لیکن ہر چیز جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے جفاکش مزدور نے آخر اس ناانصافی کو محسوس کیا اور سرمایہ داری کا ردعمل اشتراکیت کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے سرے سے ملکیت شخصیہ ہی کو جرم ٹھہرا دیا اور وہی فرنگی تہذیب کے دل دادہ اب اُسی تیزی سے اس کے پیچھے چل کھڑے ہوئے کر اس مقصد کے حصول میں عقل و مذہب کی ہدایات کو پس پشت ڈال کر ہر جائز و ناجائز طریق سے اشتراکیت کی حمایت اور تنقید کو نجات و فلاح سمجھ لیا گیا لیکن جن کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے نورِ عقل پھر نورِ وحی کی نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی وہ ان کے پچھلے دونوں نظریات کے حق میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اقوام یورپ کی پہلی تقلید کے نتیجہ میں جو خرابیاں سامنے آئیں اور طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو افسوس ہے کہ پھر بھی اُنھیں غلط کار مقتداؤں کی تقلید میں ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے۔ سچ ہے :

الجاھل اما مفرط او مفرّط — جاہل یا بہت آگے نکل جاتا ہے یا بہت پیچھے رہ جاتا ہے اعتدال پر نہیں چلتا۔

قرآن حکیم نے اقوامِ دنیا کو ان دونوں تباہ کن طریقوں کے درمیان جو معتدل قانون دیا تھا اس کی بھلائی و خوبی نہ صرف نظری و فکری درجہ میں تھی دنیا نے اس کو برت کر اور استعمال کر کے دیکھ لیا تھا افسوس ہے کہ ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی مغرب زدہ دماغ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

اُسی فرنگی تقلید کے شکست خوردہ مدعیان عقل و تہذیب آج بھی انھیں کے دام کا شکار ہیں اور اصول سرمایہ داری سے اُکتائے تو اصولِ اشتراکیت کے پیچھے لگ گئے وہ قومیں جن کا اپنا کوئی آئینِ تہذیب و تمدن نہیں وہ اس یورپ کی اندھی تقلید میں پڑ جاتے تو تعجب نہ تھا۔

افسوس اس کا ہے کہ مسلمان جن کے ہاتھ میں قرآن مبین کا وہ روشن نظام ہے کہ بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کا امن چین اور ہر باشندۂ ملک کا اطمینان اگر ہوسکتا ہے تو صرف اسی کے ماتحت ہوسکتا ہے وہ بھی اس رو میں بہ رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ اشتراکیت کا اصول قرآن شریعت اور تعلیمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت ہے جب شخصی ملکیت ہی کو جرم کہہ دیا تو پھر زکوٰۃ وصدقات اور حج واوقاف جن کا مدار ہی شخصی ملکیت پر ہے اور جن سے قرآن وحدیث بھرا ہوا ہے اُن کا قصہ ہی ختم ہوجاتا ہے۔ عبادات مالیہ کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس اصول کی حمایت خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے کھلی بغاوت ہے۔

# زمیندارہ بل

حال میں یوپی گورنمنٹ نے زمینداری ختم کرنے اور زمینوں کو ملکیت شخصیہ سے نکالنے کا جو قانون پاس کیا ہے اور سنا جاتا ہے کہ بنگال میں بھی یہ قانون زیر تجویز ہے یہ اسی اصول اشتراکیت کی ایک قسط ہے جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بالکل مخالف اور مالکان اراضی پر ظالمانہ دستبرد ہے۔ مسلمانوں کو اس کی حمایت کسی طرح کسی حال روا نہیں یہ بات اگرچہ بالکل واضح اور قرآن وحدیث پر ادنیٰ نظر رکھنے والے کے لئے بالکل جلی ہے اس پر کسی برہان وبینہ یا فتویٰ اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن بمقتضائے وقت دیندار مسلمانوں میں یہ سوالات پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے اس پر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ رسالہ النور تھانہ بھون میں شائع ہوا جو اس قانون کے پیش ہونے سے پہلے ہی کسی دور اندیش کے سوالات کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ پھر حال میں یہ سوالات آئے تو احقر محمد شفیع نے اس کا جواب مفصل لکھا جو اخبار صدق لکھنؤ، تنویر لکھنؤ، احسان لاہور وغیرہ میں شائع ہوا۔

اور حسن اتفاق سے ایک فتویٰ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا بھی مل گیا جو بصورت اشتہار مولانا موصوف کی حیات میں شائع ہوا اور اس پر کل اکابر امت علمائے دیوبند وسہارنپور وتھانہ بھون وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں یہ فتویٰ اگرچہ زمینداری

ختم کرنے کے تصورات سے پہلے تازہ کا ہے اور حق موروثیت کے متعلق ہے لیکن اس میں یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک ہندوستان کی اراضی ملکیت زمینداراں ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف ان زمینوں میں ہر ادنیٰ تصرف کو بھی یہ عائد امت حرام قرار دیتے ہیں ہم یہ تینوں فتوے یک جا شائع کر کے مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ غدارا غفلت کو چھوڑ کر اس اشتراکیت کے فتنہ کو جو اسلامی شریعت کے لئے بالکل اعلانِ جنگ ہے روکنے اور مسلمانوں کو اس پر متنبہ کرنے میں پوری ہمت سے کوشش کریں۔

واللہ المستعان

بندہ
محمد شفیع عفا اللہ عنہ دیوبند
۱۳۶۶ھ ربیع الثانی

## فتویٰ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

**السوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں۔

(۱) صوبہ یوپی میں زمینداریاں اور اراضیات صدہا سال سے زمینداروں کی اس طرح ملکیت میں ہیں کہ وہ بیع۔ ہبہ۔ تملیک۔ وراثت وقف وغیرہ کے ذریعہ سے ہر حکومت کے عہد میں بطور جائز ہمیشہ منتقل کرتے رہے ہیں اور زمینداران اپنی اراضیات میں دوسروں سے کاشت کرا کر پیداوار میں سے یا نصف غلہ اور جنس کی بٹائی کر لیتے ہیں یا زر نقد مقرر کر کے وصول کرتے رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا ملکیت کی صورت اور کاشت کا طریقہ جو یوپی میں رائج ہے اسلام کی پہلی صدیوں میں اس کا وجود ملتا ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ اس سسٹم (طریقہ) کا پتہ اسلام میں نہیں ہے۔

(۲) اس قسم کی اراضیات کی ملکیت اور اس طریقہ سے دوسروں سے کاشت

وشیخ الاسلام خواھرزادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما راو الامام ولا یقومون مالم یدخل المسجد (عالمگیری، ص ۳۵، ج ۱)

اگر مؤذن امام کے علاوہ ہو اور مقتدی حضرات امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو امام اور مقتدی حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑے ہو جائیں ہمارے آئمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے اور یہی قول صحیح ہے اور اگر امام خارج مسجد ہو تو دیکھا جائے اگر امام صفوں کی طرف سے داخل ہو تو امام جس صف سے آگے بڑھتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ اسی طرح شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ بھی مائل ہوئے ہیں اور اگر امام مقتدیوں کے سامنے سے داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور جب تک مسجد میں داخل نہ ہو کھڑے نہ ہوں۔

اور بدائع میں اس تفصیل مذکور کی یہ حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ

لان القیام لاجل الصلوٰۃ ولا یمکن اداءھا بدون الامام فلم یکن القیام مفید اثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکما راوہ قاموا لانہ کما دخل المسجد قام مقام الامامۃ وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفا قام ذلک الصف لانہ صار بحال لو اقتدوا بہ جاز فصار فی حقھم کانہ اخذ مکانہ۔

(بدائع، ص ۲۰۰، ج ۱)

اس لئے کہ قیام نماز ادا کرنے کے لئے ہے اور نماز ادا کرنا بدون امام کے ممکن نہیں لہٰذا قیام (بغیر امام کے) مفید نہ ہوگا، پھر اگر امام صفوں کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں کیونکہ امام مسجد میں داخل ہوتے ہی امامت کی جگہ کھڑا ہو گیا، اور اگر امام صفوں کے پیچھے سے داخل ہو تو صحیح قول کے مطابق امام جس صف سے آگے بڑھتا جائے اسی صف کے لوگ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ امام جس صف سے آگے بڑھ گیا، ان کے حق میں اسی حالت پر ہو گیا کہ اگر اس کے پیچھے اقتدام

کرانا شریعت اسلامیہ اور فقہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں اور پیداوار میں سے مالک کے حق کی مقدار شریعت مقدسہ نے کس قدر مقرر کی ہے۔

(۳) اگر یہ ملکیت اور یہ طریقہ جائز ہے تو مالک اراضی کے لئے اپنے حقوق ملکیت کو اور اس قدر مفاد کو جس قدر کہ فقہ میں جائز قرار دیا گیا ہو محفوظ رکھنے کی نفس کوشش کرنا درست ہے یا نا جائز۔

(۴) زید کے اس دعویٰ کو صحیح فرض کرتے ہوئے کہ زمیندار انگریزی شاہنشاہیت کی پیدا کردہ جماعت ہے اور انگریزوں نے اپنی حکومت کو مضبوط اور پائدار بنانے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی ہے، ارشاد فرمایا جاوے کہ موجودہ زمینداریاں اور ان کے حقوق مالکانہ جواب وارثانہ یا مشتریانہ یا متولیانہ ہیں وہ جائز طور پر ہیں یا ناجائز طریقہ سے اور ان کا منافع از روئے شرع شریف جائز و حلال ہے یا حرام اور اس منافع کو صدقات و کار ہائے خیر میں صرف کرنا صحیح ہے یا نادرست؛

(۵) زید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ زمینداریاں مثل شراب کے ٹھیکہ کی ہیں جس طرح شراب کا ٹھیکہ فسخ ہو سکتا ہے اسی طرح زمینداروں سے اُن کی مملوکہ زمینداریاں اور ارضیات بھی نکال کر کاشتکاران موجودہ کی ملکیت یا ان کے قبضہ مستقل مالکانہ مخالفانہ میں دی جا سکتی ہیں اب فرمایا جاوے کہ سوال ۱ و ۲ کے اندر مذکور زمینداریوں کی شراب کے ٹھیکہ سے مثال دینا کیا صحیح اور جائز ہے اور آیا مذکورہ زمینداریاں مالک کی مرضی کے خلاف بالکل مفت یا واقعی۔ اور بازاری قیمت سے کم معاوضہ میں شرعاً منتقل ہو سکتی ہیں یا نہیں۔

(۶) مذکورہ بالا ارضیات کو مصارف خیر کے لئے وقف کرنا صحیح ہے یا غیر صحیح اور ان اوقاف کا بھی جبریہ انتقال جائز ہے یا نہیں؟

(۷) ایسے انتقالات کرنے والوں میں اگر کوئی عالم یا غیر عالم مسلم بھی شامل ہو تو اس کو شرعاً اس حق تلفی کی مخالفت کرنا چاہیئے یا نہیں؟

* * *

کریں تو کر سکتے ہیں۔ لہٰذا امام گویا ان کے حق میں اپنی جگہ پر آ گیا۔

اور مذہب مالکیہ کی تشریح خود امام مالکؒ نے جو موطا میں ایک سوال کے جواب میں فرمائی وہ یہ ہے :

متی یجب القیام علی الناس حین تقام الصلوٰۃ قال مالک و اما قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ فانی لم اسمع فی ذلک بحد یقام له الا انی اری ذلک علی قدر طاقۃ الناس فان منہم الثقیل و الخفیف و لا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحد (موطاء امام مالک)

نماز شروع ہوتے وقت لوگوں پر قیام کب واجب ہے؟ حضرت امام مالک نے فرمایا کہ نماز شروع ہوتے وقت لوگوں کے قیام کے بارے میں کوئی حد تعیین نہیں سنی کہ اس وقت کھڑے ہوں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان میں بعض بھاری ہیں اور بعض ہلکے ہوتے ہیں، اور سب ایک طرح کے نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ زیر بحث کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب مذکورۃ الصدر عبارات میں آ گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے۔ امام مالک کے نزدیک حسب روایت قاضی عیاض شروع اقامت ہی سے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ البتہ موطا کی تشریح سے یہ معلوم ہوا کہ کسی خاص حد پر یہ قیام واجب نہیں بلکہ لوگوں کو ان کی سہولت پر چھوڑا جائے۔ بھاری بدن کمزور آدمی دیر میں اٹھتا ہے ہلکا آدمی دیر میں اٹھتا ہے ہلکا آدمی جلدی اٹھ جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ معلوم ہوا کہ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہیئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب میں وہ تفصیل ہے جو عالمگیری اور بدائع کے حوالہ سے اوپر مذکور ہوئی کہ امام اور مقتدی اگر اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود تھے تو صحیح روایت کے مطابق حی علی الفلاح پر اٹھ جانا چاہیئے اور اگر امام باہر سے آرہا ہے تو اگر

# الجواب

یہ تعامل تصرفات مالکانہ کا جب کوئی دلیل معارض نہ ہو شرعاً خود دلیل مستقل ہے ملک کی اور جب تمام حکومتوں نے نیز حکومت حاضرہ نے ان تصرفات کو قانوناً بھی جائز رکھا تو یہ ان کی طرف سے اس مالکیت کا اقرار اور تسلیم ہے اور بتصریح فقہاء اقرار سے رجوع کرنا بدون رضائے مقرلہ کے جائز نہیں اور یہ حکم اس قدر ظاہر ہے کہ اس پر دلائل قائم کرتے بھی شرم آتی ہے لیکن تبرعاً دلائل کی طرف بھی اجمالی اشارہ کرتا ہوں وہ دلائل ابواب بیع و ہبہ و مزارعت و تقسیم غنائم و وقف وغیرہا کی احادیث اور بیع و ہبہ و اجارات وقف وغیرہا کے مسائل فقہیہ ہیں جن کی قدر مشترک نصاً و اجماعاً قطعی ہے ثبوتاً بھی اور دلالۃً بھی اور جو جواز شرعی کے ساتھ وقوع تاریخی پر بھی دال ہیں[1] بلکہ ان عقود میں جو صورتیں فاسد ہیں یا امام صاحب رحؒ نے مزارعت میں کلام فرمایا ہے وہ بھی دلیل ہیں ملک کی کیونکہ اس فساد کی علت عدم ملک نہیں کہی گئی بلکہ بعض عوارض سے فساد کا حکم کیا گیا اور جب مالکوں کا حق صحیح ثابت ہو گیا تو اس کے لئے کوشش کرنا یقیناً جائز بلکہ بعض صورتوں میں طاعت واجب یا مستحب ہے اور اس میں کوتاہی کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے۔ کما یدل علیہ حدیث ابی داؤد عن عوف بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی بین رجلین فقال المقضی علیہ لما ادبر حسبی اللہ ونعم الوکیل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یلوم علی العجز ولکن علیک بالکیس فاذا غلبک امر فقل حسبی اللہ ونعم الوکیل[2] (باب الاقضیۃ والشہادات) حتیٰ کہ اس کی حفاظت میں جان جاتی رہنے کو

---

[1] یعنی صرف یہی نہیں کہ ملکیت کی یہ صورت شرعاً جائز ہے بلکہ اسلام کے ہر قرن میں تاریخی طور پر ان صورتوں کا وقوع اور ان پر تعامل بھی ثابت ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ فرمایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے چلتے ہوئے کہا مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر وکیل ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بیوقوفی و بے تدبیری پر ملامت کرتے ہیں البتہ تدبیر کرنے کے بعد تم عاجز ہو جاؤ تو اس وقت کہو کہ مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر وکیل ہے ۱۲

وہ محراب کے کسی دروازے سے یا اگلی صف کے سامنے سے آئے تو جس وقت مقتدی امام کو دیکھیں اُس وقت کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ پچھلی صفوف کی طرف سے آرہا ہے تو جس صف سے گذرے وہ صف کھڑی ہوتی چلی جائے۔

ایک تنبیہ:

البحر الرائق میں حنفیہ کے مذہب کی تفصیل لکھتے ہوئے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ جب امام اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود ہو تو حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیئے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے:

والقیام حین قیل حی الفلاح لانہ امر یستحب المسارعۃ الیہ

(بحر ص ۳۲۱، ج ۱)

حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے لفظ حی علی الفلاح کھڑے ہونے کا امر ہے اس لئے کھڑے ہونے کی طرف مسارعت کرنا چاہیئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے حی علی الفلاح پر یا قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک استحباب کا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے بعد بیٹھے رہنا خلافِ ادب ہے نہ یہ کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلافِ ادب ہے؛ کیوں کہ پہلے کھڑے ہونے میں تو اور بھی زیادہ مسارعت پائی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جن حضرات ائمہ نے حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا استحباب کے خلاف ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلافِ ادب ہے کیونکہ وہ مسارعت الی الطاعت کے خلاف ہے۔

اس میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مذاہب ائمہ اربعہ میں دو باتیں متفق علیہ ہیں، ایک یہ ہے کہ یہ سب اختلاف محض افضلیت و اولویت کا ہے۔ اس میں کوئی جانب ناجائز یا مکروہ نہیں اور کسی کو کسی پر نکیر و اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ اسی لئے مذاہب اربعہ کے متبعین میں کبھی اس پر کوئی جھگڑا نہیں سُنا گیا۔

شہادت فرمایا گیا ہے حدیث من قتل دون مالہ فھو شہید[1] اس میں نص ہے۔ اور جب اُن کی ملک صحیح ہے تو اُس سے انتفاع کے حلال وطیب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے الا نعاد مَن اور اول تو کثرت سے وہی اراضی ہیں جو حکومت حال سے پہلے سے زمینداروں کے پاس ہیں انگریزوں کی دی ہوئی نہیں لیکن جو انگریزوں کی بھی دی ہوئی ہیں دینے کے بعد ان کی ملک ہو گئیں اور جب وہ مالک ہیں تو ملک اور ٹھیکہ کیسے جمع ہو سکتے ہیں اُس کو ٹھیکہ کہنا اور اس پر ٹھیکہ کے احکام کو متفرع کرنا خود باطل ہے۔ اسی طرح جب وہ مالک ہیں تو ان کی مرضی کے خلاف اس میں کسی کا کسی قسم کا تصرف کرنا خواہ بعوض ہو یا بلا عوض تو حرام اور ظلم ہے اور جب اراضی مملوکہ میں جو کہ فی نفسہ قابل انتقال ہیں ایسے تصرفات حرام ہیں تو اوقاف میں جو کہ قابل انتقال بھی نہیں ایسے تصرفات بدرجہ اولیٰ حرام ہوں گے اور ایسے ظلم کرنے والوں کے ساتھ اول تو شرکت ہی جائز نہیں اور جو غلطی سے شرکت ہو گئی ہو تو ان مظالم کے علم کے بعد جدا ہو جانا واجب ہے اور جدا ہونے کے قبل بھی اُن پر نکیر واجب ہے۔

کما قال تعالیٰ۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان وکما قال تعالیٰ لولا ینھاھم الربانیون والاحبار الآیہ واللہ اعلم۔

کتبہ
اشرف علی ۱۲ رجب
سنہ ھ

---

[1] جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے ۱۲

دوسرے یہ کہ باجماع صحابہ و تابعین و اتفاق آئمہ اربعہ صفوں کی تعدیل و درستی واجب ہے جو نماز شروع ہونے سے پہلے مکمل ہوجانا چاہیئے اور یہ اس صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ عام آدمی شروع اقامت سے کھڑے ہوجائیں، بقول امام مالکؒ کوئی کمزور ضعیف بعد میں بھی کھڑا ہو تو مضائقہ نہیں۔

جیسا کہ خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا تعامل اس کے مطابق اوپر معلوم ہوچکا ہے۔

**خلاصہ** یہ ہے کہ جس وقت امام اور مقتدی سب اقامت سے پہلے مسجد میں موجود ہوں تو امام اعظم ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک حی علی الفلاح اور قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا اور امام شافعی کے نزدیک آخر اقامت پر کھڑے ہونا افضل ہے اور امام مالک کے نزدیک شروع ہی سے کھڑا ہونا افضل ہے اور خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا تعامل بھی اس پر شاہد ہے اور اسی تعامل کی بناء پر حضرت سعید بن مسیب کا مذہب یہ ہے کہ شروع اقامت ہی سے سب کو کھڑا ہوجانا صرف مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔

مگر یہ امت میں کسی کا مذہب نہیں کہ امام اقامت کے وقت باہر سے آکر مصلی پر بیٹھ جائے اور بیٹھنے کو ضروری سمجھے کھڑے ہونے والے مقتدیوں کو کھڑے ہونے سے روکے۔ جو کھڑا ہو اس کو برا سمجھے، پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ اور برا سمجھنا اور برا کہنا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں۔ مذہب حنفیہ کی مستند روایات بحوالہ عالمگیری و بدائع اوپر گذرچکی ہیں جن کو شمس الائمہ سرخسی اور دوسرے آئمہ حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ حنفیہ کی کتابوں کے متون و شروح اور فتویٰ کی کتابوں میں بجز ایک مضمرات کی روایت کے جس کو طحاوی نے نقل کیا ہے کسی نے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ نہیں کہا اور کیسے کہہ سکتے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور عام صحابہ و تابعین کے تعامل سے ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ثابت ہے اور آئمہ حنفیہ میں کسی نے اس کو مکروہ نہیں کہا۔

# فتویٰ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند

## مع تصدیقات اکابر علماء

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

(۱) موجودہ زمینداریاں زمین دار کی ملک صحیح ہیں یا نہیں؟

(۲) تنسیخ زمین داری کا قانون جو کانگریس نے پاس کیا ہے اس کی رو سے برائے نام معاوضہ دے کر زمینداریوں پر قبضہ کیا جائے گا شرعاً یہ غصب جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جو زمینداریاں موقوفہ ہیں وہ بھی زمینداری بل سے مستثنیٰ نہیں ہیں یہ صریح ملکیت شرعیہ و دینیہ کا غصب ہے یا نہیں؟

(۴) مسلمانوں پر اس غصب ملکیت شرعیہ و نفسیہ کو بچانے کی جدوجہد کرنا اور اجتماعی قوت سے اس لوٹ مار و ذلت سے بچنے کی تدابیر کرنا لازم و ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) اپنی ملکیت کو بچاتے ہوئے جو شخص مقتول ہو وہ شہید ہے یا نہیں؟

(۶) اس ابتلائے عام میں ساکت رہنے والا اس لوٹ و غصب کا مؤید اور تعاون بالعدوان کا مرتکب ہے یا نہیں؟

(۷) چونکہ زمینداری کا اثر ہر زمیندار پر ہے لہٰذا اس کے خلاف جدوجہد میں فساق و مبتدعین بلکہ کافر و جابر کو اگر وہ شامل ہونا چاہیں۔ شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

## الجواب

(۱) موجودہ زمینداریاں بلاشبہ ان لوگوں کی ملک صحیح ہیں جن کا نام کاغذات سرکاری کے خانہ ملکیت میں درج ہے اور وہ ان میں مالکانہ تصرفات کرتے ہیں محمد ابن قاسم ثقفی جو ہندوستان کے پہلے فاتح ہیں ان کے عہد سے لے کر بعد کے تمام مسلم سلاطین کے فرامین و قوانین اس پر شاہد ہیں جن کی تفصیلات احقر کے رسالہ القول الماضی فی احکام الاراضی

یہ رسالہ "اسلام کا نظام اراضی" کے نام سے کراچی میں چھپ چکا ہے

اب رہا مضمرات کی روایت کا معاملہ تو اس روایت کے الفاظ طحطاوی نے یہ نقل کئے ہیں:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما کما فی مضمرات قہستانی

جب مؤذن اقامت شروع کرے اس حالت میں کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ شخص بیٹھ جائے، کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے۔

اس روایت کا صاف مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ امام کے آنے سے پہلے اقامت شروع کر دی ہو جس کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کما مر اور اس کا لفظ لا ینتظر اس مفہوم کا قریب ہے کیوں کہ انتظار سے مراد انتظار امام ہے اس صورت میں یہ روایت عام روایات حنفیہ اور تمام کتب حنفیہ کے مطابق بھی ہو جاتی ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ کے بھی خلاف نہیں اور اگر اس کا مفہوم یہ لیا جائے کہ امام کے موجود ہونے پر اقامت کہی جا رہی ہو تو باہر سے آنے والے کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے تو یہ خود مذہب حنفیہ کی تمام مستند روایات اور کتب حنفیہ کے متون و شروح کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی قابل ترک ہوگی اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے بھی اور جب کہ مضمرات کی اس روایت کا ایسا مفہوم بے تکلف بن سکتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ البتہ طحطاوی نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا جو سب متون شروح حنفیہ سے مختلف اور سنت صحابہ کے معارض ہے علامہ طحطاوی کی جلالت قدر اور علمی عظمت اپنی جگہ ہے مگر مضمرات کی روایت کا یہ مفہوم قرار دینا خود اس روایت کے سقوط کا موجب بنتا ہے۔

اور خود علامہ طحطاوی نے در مختار کی شرح میں وہی لکھا ہے جو اوپر عالمگیری اور بدائع کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ امام باہر سے اگر اگلی صف کی طرف سے آئے تو اس کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور پچھلی صفوف کی طرف سے آئے تو جس

شہادت فرمایا گیا ہے حدیث من قتل دون مالہ فھو شہید[1] اس میں نص ہے۔ اور جب اُن کی ملک صحیح ہے تو اس سے انتفاع کے حلال وطیب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے الا لعارض اور اول تو کثرت سے وہی اراضی ہیں جو حکومت حال سے پہلے سے زمینداروں کے پاس ہیں انگریزوں کی دی ہوئی نہیں لیکن جو انگریزوں کی بھی دی ہوئی ہیں دینے کے بعد ان کی ملک ہو گئیں اور جب وہ مالک ہیں تو ملک اور ٹھیکہ کیسے جمع ہو سکتے ہیں اُس کو ٹھیکہ کہنا اور اس پر ٹھیکہ کے احکام کو متفرع کرنا خود باطل ہے۔ اسی طرح جب وہ مالک ہیں تو ان کی مرضی کے خلاف اس میں کسی کا کسی قسم کا تصرف کرنا خواہ بعوض ہو یا بلا عوض تو حرام اور ظلم ہے اور جب اراضی مملوکہ میں جو کہ فی نفسہ قابل انتقال ہیں ایسے تصرفات حرام ہیں تو اوقاف میں جو کہ قابل انتقال بھی نہیں ایسے تصرفات بدرجہ اولیٰ حرام ہوں گے اور ایسے ظلم کرنے والوں کے ساتھ اول تو شرکت ہی جائز نہیں اور جو غلطی سے شرکت ہو گئی ہو تو ان مظالم کے علم کے بعد جدا ہو جانا واجب ہے اور جدا ہونے کے قبل بھی اُن پر نکیر واجب ہے۔

کما قال تعالیٰ۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان وکما قال تعالیٰ لولا ینھاھم الربانیون والاحبار۔ الآیہ واللہ اعلم۔

کتبہ
اشرف علی ۱۲ رجب
۱۳۵۶ھ

---

[1] جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے ۱۲

صف سے گذرے وہ کھڑی ہوتی جائے۔ علاوہ در مختار میں ایک اور مسئلہ یہ لکھا ہے کہ اگر امام خود ہی اقامت کرنے لگے تو مقتدی اس وقت تک نہ کھڑے ہوں، جب تک کہ اقامت پوری نہ ہو جائے۔ در مختار نے یہ مسئلہ ظہیریہ کے حوالے سے بیان کیا اور اس خاص مسئلہ کے تحت طحطاوی نے لکھا ہے۔

وربما يؤخذ منه كراهة تقديم الوقوف في البحث السابق

(طحطاوی علی الدر ص ۲۲۵، ج ۱)

بسا اوقات لوگ اس سے تقدیم وقوف کی کراہت کا مفہوم نکالتے ہیں۔

اس کے الفاظ ربما یوخذ سے خود اس کراہت کے مفہوم کے ضعف کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس مفہوم کو طحطاوی نے بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ بعض لوگ اس سے یہ مفہوم مراد لیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ تمام کتب حنفیہ میں سے ایک روایت مضمرات قہستانی کے الفاظ مشکوک ہیں اُن کا وہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے جو جمہور سلف اور تمام کتب حنفیہ کی تصریحات کے مطابق ہے اور دوسرا مفہوم کراہت تقدیم بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر روایت مضمرات کا یہی مفہوم لیا جائے تو وہ ائمہ مذہب کی تصریحات اور تمام متون و شروح حنفیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل ترک اترتی ہے۔

**خلاصہ کلام** سے یہ بات واضح ہو گئی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پھر خلفاء راشدین مذکور الصدر تصریحات اور جمہور صحابہ و تابعین کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ ان حضرات کا معمول و دستور یہی تھا کہ امام جب مسجد میں آجائے تو اول اقامت ہی سے سب لوگ کھڑے ہو کر صفوف کی درستی کریں اور جس صورت میں امام پہلے سے محراب کے قریب بیٹھا ہو اس میں بھی حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنا بھی بایں معنی ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے کیونکہ مسارعت الی الطاعت کے خلاف ہے نہ یہ کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلاف ادب ہے کیوں کہ ان میں

# فتویٰ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند
## مع تصدیقات اکابر علماء

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل ہیں۔

(۱) موجودہ زمینداریاں زمین دار کی ملک صحیح ہیں یا نہیں؟

(۲) تنسیخ زمین داری کا قانون جو کانگریس نے پاس کیا ہے اس کی رو سے برائے نام معاوضہ دے کر زمینداریوں پر قبضہ کیا جائے گا شرعاً یہ غصب جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جو زمینداریاں موقوفہ ہیں وہ بھی زمینداری بل سے مستثنیٰ نہیں ہیں یہ صریح ملکیت شرعیہ ودینیہ کا غصب ہے یا نہیں؟

(۴) مسلمانوں پر اس غصب ملکیت شرعیہ ونفسیہ کو بچانے کی جدوجہد کرنا اور اجتماعی قوت سے اس لوٹ مار و ذلت سے بچنے کی تدابیر کرنا لازم و ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) اپنی ملکیت کو بچاتے ہوئے جو شخص مقتول ہو وہ شہید ہے یا نہیں؟

(۶) اس ابتلائے عام میں ساکت رہنے والا اس لوٹ وغصب کا موید اور تعاون بالعدوان کا مرتکب ہے یا نہیں؟

(۷) چونکہ زمینداری کا اثر ہر زمیندار پر ہے لہٰذا اس کے خلاف جدوجہد میں فساق ومبتدعین بلکہ کافر وجابر کراگر وہ شامل ہونا چاہیں۔ شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

## الجواب

(۱) موجودہ زمینداریاں بلاشبہ ان لوگوں کی ملک صحیح ہیں جن کا نام کاغذاتِ سرکاری کے خانہ ملکیت میں درج ہے اور وہ ان میں مالکانہ تصرفات کرتے ہیں محمد ابن قاسم ثقفی جو ہندوستان کے پہلے فاتح ہیں ان کے عہد سے لے کر بعد کے تمام مسلم سلاطین کے فرامین وقوانین اس پر شاہد ہیں جن کی تفصیلات احقر کے رسالہ القول الماضی فی احکام الاراضی

---

یہ رسالہ "اسلام کا نظام اراضی" کے نام سے کراچی میں چھپ چکا ہے

تو مسارعت اور زیادہ ہے اور یہ کہ جو طریقہ بعض مسجدوں میں اختیار کیا جاتا ہے کہ اقامت کے وقت امام باہر سے یا مسجد کے کسی گوشہ سے چل کر آتے اور آ کر مصلے پر بیٹھ جاتے اور اس بیٹھنے کو اس درجہ ضروری سمجھے کہ جو لوگ پہلے کھڑے ہوں اُن کو بھی بیٹھ جانے کی تاکید کرے جو نہ بیٹھے اُس پر طعن کرے۔ یہ امت میں کسی امام وفقیہ کا مذہب نہیں خالص بدعت ہے۔

## تنبیہ:

یہ تفصیل مسئلے کی اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور آخری طریقہ جو جمہور آئمہ فقہاء کے خلاف ہے وہ اگرچہ مذموم ہے مگر مسلمانوں میں باہمی جھگڑا اور جنگ وجدال اس سے زیادہ مذموم و منحوس ہے اس لئے اس پر بھی کسی سے جھگڑنا مناسب نہیں۔ ہمدردی، خیر خواہی اور نرمی کے ساتھ مسئلے کی حقیقت ایسے لوگوں کو بتلادیں جن سے امید قبول کرنے کی ہو ورنہ سکوت بہتر ہے خود اپنا عمل سنّت کے مطابق رکھے دوسروں سے تعرض نہ کرے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

رفع التضاد
عن
احکام الضاد

# حرفِ ضاد کا صحیح مخرج

اور

# اس کے احکام

مقام تالیف ——— دیوبند

تاریخ تالیف ——— ۲۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

مدت تالیف ——— پانچ گھنٹے

اشاعت اوّل ——— کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند

"حرفِ ضاد کا مخرج ظاء کے مشابہ ہے یا
دال کے؟ نیز جن لوگوں سے حرفِ ضاد صحیح طور
پر ادا نہیں ہوتا ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟
ان مسائل کی تحقیق اس مقالہ کا موضوع ہے
اور اس میں ہند و مصر کے اکابر علماء کے فتاویٰ
بھی شامل ہیں۔"

میں مذکور ہے۔ انگریزی حکومت نے بھی اہل فسخ سے آج تک اس ملکیت کو برقرار رکھا ہے جس پر اس سلطنت کے ذمہ داروں کے بیانات کے علاوہ حکومت موجودہ کا یہ طرز عمل خود شاہد عدل ہے کہ تمام مالکانہ تصرفات بیع وشراء اور رہن و ہبہ اور وقف وصدقہ وغیرہ کے اختیارات کو ان لوگوں کے حق میں تسلیم کیا اور بذریعہ قانون خود ان کو نافذ کیا ہے اور کر رہی ہے بہت سے لوگوں نے حکومت سے بڑی بڑی رقمیں دے کر زمینیں خریدی ہیں اور بہت سے مواقع میں حکومت بھی اپنی ضرورت کے وقت ان کی زمینیں قیمت ادا کر کے خریدتی ہے۔ یہ سب چیزیں ان کی ملکیت کا بیّن ثبوت ہیں یہ مالکانہ قبضہ اور تصرفات بلانکیر خود سب سے بڑی اور واضح دلیل ملک کی ہے جس کے ہوتے ہوئے اصحاب اراضی سے ثبوت ملکیت کے لئے کسی مزید دلیل اور بینہ کا مطالبہ کرنا بھی حسب تصریحات فقہاء درست نہیں۔ حضرات فقہاء نے مصر و شام اور عراق میں جہاں کی زمینوں کے متعلق وقف ہونے کا احتمال غالب ہے وہاں بھی جن اراضی پر لوگوں کو مالکانہ تصرفات کرتے ہوئے پایا گیا ان کی ملک صحیح قرار دی اور حکام وقت کو اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ وہ ان سے شہادت وثبوت ملکیت کا طلب کریں ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں سلطان مصر ملک ظاہر بیبرس نے ایک مرتبہ یہ ارادہ کیا تھا کہ وہاں کی جو زمینیں لوگوں کے مالکانہ قبضہ میں ہیں ان سے بذریعہ اسناد وکاغذات تحریریہ اس کا ثبوت طلب کرے کہ وہ جائز طور سے ان کی ملکیت میں آئی ہیں اور جو ایسا ثبوت پیش نہ کر سکے اس سے زمین لے کر بیت المال کے لئے وقف کر دیں۔

اس زمانہ کے شیخ الاسلام امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان وقت کو اس سے روکا اور یہ بتلایا کہ ایسا کرنا کسی مذہب میں حلال نہیں علماء مذاہب کا اس پر اجماع و اتفاق ہے اور بار بار حکام وقت کو اس پر متنبہ کیا یہاں تک کہ وہ اس ارادے سے باز رہے علامہ شامی نے باب الجزیۃ والخراج میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے جس کے چند کلمات یہ ہیں۔

الملک الظاهر بیبرس اراد مطالبة ذوی العقارات بمستندات تشهد لهم بالملك والا انتزعها من ايديهم متعللا بما تعلق به ذلك الظالم

# مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی کا فتویٰ

## متعلقہ حرف ضاد

علامہ موصوف نے اپنی تفسیر روح المعانی میں آیۂ کریمہ «وما هو على الغيب بضنين» کے تحت میں اس مسئلہ پر ایک جامع و مختصر کلام کے ساتھ اسی مضمون پر فتویٰ دیا ہے جو اس رسالہ کا لب لباب ہے اور بعض الفاظ اُن کے یہ ہیں:

وَالْفَرْقُ بَيْنَ الضَّادِ وَالظَّاءِ مَخْرَجًا اَنَّ الضَّادَ مَخْرَجُهَا مِنْ اَصْلِ حَافَّةِ اللِّسَانِ وَمَا يَلِيْهَا مِنَ الْاَضْرَاسِ مِنْ يَمِيْنِ اللِّسَانِ اَوْ يَسَارِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَمَكَّنُ مِنْ اِخْرَاجِهَا مِنْهُمَا وَالظَّاءُ مَخْرَجُهَا مِنْ طَرْفِ اللِّسَانِ وَاُصُوْلِ الثَّنَايَا الْعُلْيَا وَاخْتَلَفُوْا فِيْ اِبْدَالِ اَحَدِهِمَا بِالْاُخْرٰى هَلْ يَمْتَنِعُ وَتَفْسُدُ بِهِ الصَّلٰوةُ اَمْ لَا فَقِيْلَ تَفْسُدُ قِيَاسًا وَنَقَلَهٗ فِي الْمُحِيْطِ الْبُرْهَانِيِّ عَنْ عَامَّةِ الْمَشَائِخِ وَنَقَلَهٗ فِي الْخُلَاصَةِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقِيْلَ لَا تَفْسُدُ اسْتِحْسَانًا وَنَقَلَهٗ فِيْهَا عَنْ عَامَّةِ الْمَشَائِخِ

ضاد اور ظاء میں مخرج کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ ضاد کا مخرج اصل حافہ لسان اور اس کے متصل کی داڑھیں ہیں خواہ زبان کی داہنی جانب سے نکالا جائے یا بائیں جانب سے اور بعض لوگ دونوں جانب سے نکالنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اور ظاء کا مخرج طرف لسان اور ثنایا علیا کی جڑیں ہیں اور علماء کا ان کے آپس میں ایک دوسرے سے بدل دینے کے بارہ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ابدال ناجائز اور مفسد نماز ہے یا نہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی قیاس ہے اور اسی کو محیط برہانی میں عامہ مشائخ سے نقل کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد رح سے نقل کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی استحسان ہے اور اسی کو اس میں عامہ مشائخ سے نقل کیا ہے مثل ابو مطیع بلخی اور محمد بن سلمۃ اور ایک جماعت

فقام عليه شيخ الاسلام الامام النووي واعلمه ان هذا غاية الجهل والعناد وانه لا يحل عند احد من علماء المسلمين بل من في يده شيء فهو ملكه فلا يحل لاحد الاعتراض عليه ولا يكلف اثباته ببينة ولم يزل النووي يشنع على السلطان ويعظه الى ان كف عن ذلك شامی ص ۵۵ ج ۳

ترجمہ: سلطان ظاہر بیبرس نے ارادہ کیا کہ زمینداروں سے ایسی سندات و ثبوت طلب کریں جن سے ان کی ملکیت ثابت ہو اور جو ایسی سندات پیش نہ کر سکے اس کی زمین اس سے لے لی جاوے اور اپنے اس فعل کے لئے وہی حیلے بیان کئے جو اس ظالم بادشاہ نے اختراع کئے تھے تو اس کے مقابلے کے لئے شیخ الاسلام امام نووی کھڑے ہوئے اور سلطان ظاہر کو بتلایا کہ یہ عمل انتہائی جہالت و عناد ہے اور علمائے اسلام میں سے کسی کے نزدیک حلال نہیں بلکہ جس شخص کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ اس کی ملک ہے اس سے کوئی تعرض کرنا یا ملکیت کو شہادت وغیرہ سے ثابت کرنے کی تکلیف دینا جائز نہیں۔ امام نووی برابر سلطان کو ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے اس ارادے سے باز آگئے۔

اور یہی مضمون مصر و شامی نے تقسیم سبکی اور محقق ابن حجر مکی وغیرہ سے بھی بالفاظ موکدہ نقل کیا ہے اور حضرات علماء کا یہ اجماع مصر و شام کی زمینوں کے بارہ میں ہے کہ جہاں کی اراضی کے متعلق عامہ علماء کا قول یہ ہے کہ وہ اوقاف ہیں املاک نہیں تو جن بلاد کی اراضی عام طور پر املاک ہیں وہاں یہ حکم اور بھی زیادہ قطعی اور ظاہر ہوگا۔ ہندوستان کی اراضی اس سے مختلف نہیں کہ مختلف اقسام کی زمینوں میں سے بعض حصہ حکومت کی بھی ملک ہیں لیکن عام اراضی وہ ہیں جو حکومت نے کسی کو بطور عطیہ دے دی یا اس نے حکومت سے قیمت دے کر خریدی یا فتح سے پہلے جو لوگ ان زمینوں کے مالک و قابض تھے انہیں کی ملکیت کو انگریزی حکومت نے باقی رکھا غرض یہاں کی عام زمینوں کی ملکیت بالکل ایسا ظاہر اور صاف ہے کہ مالکان اراضی کو ان پر شہادت وغیرہ کی تکلیف دینا بھی باجماع مسلمین و باتفاق مذاہب ظلم ہے۔

کابی مطیع البلخی ومحمد بن سلمة وقال جمع اذا امکن الفرق بینهما فتعمد ذلک وکان مما یقرأ به کما ههنا وغیر المعنی افسدت صلاته والا فلا لعسر التمییز بینهما خصوصا علی العجم وقد اسلم کثیر منهم فی الصدر الاول ولم ینقل عنهم حثهم علی الفرق وتعلیمه من الصحابة ولو کان لازما لفعلوه و نقل هذا هو الذی ینبغی ان یعول علیه ویفتی به وقد جمع بعضهم الالفاظ التی لا یختلف معناها ضادا او ظاء فی رسالة صغیرة ولقد احسن بذلک فلیراجع فانه مهم۔ (روح المعانی ج۱)

نے یہ کہا ہے کہ جب دونوں میں فرق کرنے پر قدرت ہو اور پھر عمداً غلط پڑھے اور کسی قراءت میں یہ تبدیل منقول نہ ہو جیسے ولا الضالین اور غیر المغضوب علیھم میں ہے اور معنی بھی بدل جائیں تو ان تمام شرطوں کے ساتھ فساد نماز کا حکم کیا جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ دونوں میں تمیز دشوار ہے۔ خصوصاً اہلِ عجم پر اور وا قعہ یہ ہے کہ بہت سے اہلِ عجم قرنِ اول میں مسلمان ہوئے اور کہیں منقول نہیں کہ صحابہ و تابعین نے اُن کو فرق کرنے کی تحریص وتاکید کی ہو یا اُس کے تعلیم حاصل کرنے کا امر کیا ہو اور اگر اہلِ عجم پر یہ فرق اور اُس کی تعلیم واجب ہوتی تو وہ صحابہ ضرور اس کی تاکید کرتے اور اُن سے اس کی نقل ہم تک پہنچتی اور یہی وہ چیز ہے کہ جس پر اعتماد کرنا اور فتویٰ دینا مناسب ہے۔

اور بعض لوگوں نے ایک مستقل رسالہ میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جن کے معنی ضاد اور ظاء ہو کے آپس میں بدلنے سے بدلتے نہیں اور یہ رسالہ بہت اچھا ہے اُس کو دیکھنا چاہیئے۔

(روح المعانی ص ۱۶ ج ۳۰)

(۲) بلاشبہ غصب صریح ہے جس کا کسی سلطان مسلم اور امام وامیر کو بھی حق نہیں غیر مسلم حکومت کو کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا ہے۔

ولیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف (شامی ص ۲۵۴ ج ۳)

امام مسلمین کے لئے جائز نہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کوئی چیز نکال لے بجز اس کے کہ اس کے خلاف کوئی حق ثابت ہو اور معروف ہو۔

اور وہ معاوضہ جس کے قبول کرنے اور زمین دینے کے لئے زمیندار بزور حکومت مجبور کیا جائے نہ وہ حقیقت میں معاوضہ ہے اور نہ اس کی بناء پر یہ صورت غصب کی حقیقت سے نکل سکتی ہے۔

(۳) یہ بھی غصب صریح ہے اور مملوکہ زمینداریوں کے غصب سے بدتر ہے کیوں کہ املاک میں تو یہ احتمال بھی ہے کہ کسی وقت مالک راضی ہو جائے تو اس پر قبضہ صحیح ہو سکے اوقاف نہ کسی کی ملک ہیں نہ کسی کی رضا و اجازت سے دوسرے کی ملک بن سکتے ہیں نیز جنگ کے ساتھ تغلب اور انقلاب سلطنت کے وقت فاتح سلطان کا استیلاء و قبضہ بھی ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتا خواہ استیلاء سلطان مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا۔

امام خصاف کی کتاب الاوقاف میں اس پر تصریح موجود ہے بہر حال اوقاف کا غصب املاک کے غصب سے زیادہ اظلم و اشنع ہے۔

(۴) بے شک مسلمانوں پر لازم و واجب ہے کہ اس لوٹ اور غصب کے خلاف مقدور بھر پوری کوشش کریں کیونکہ اس کا یہی منظر اگر خود مسلط کیا گیا تو مقدس دینی کی لوٹ نہیں بلکہ مقدس مذہب اور تمام مذہبی شعائر کا ہدم ہے کیونکہ یہ قانون جس نظریہ کی پہلی قسط ہے وہ سوشلزم کا نظریہ ہے جس میں کسی چیز پر کسی شخص کی شخصی ملکیت نہیں رہتی اگر خدانخواستہ یہ راستہ کھلا تو کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں رہتا اور جب مالک نہیں رہتا تو عبادات مالیہ زکوٰۃ و صدقات حج اور اوقاف سرے سے ختم ہو جاتے ہیں۔

# رَفْعُ التَّضَادْ
عن
# اَحْکَامُ الضَّادْ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اَمَّا بَعْدُ

اہل عجم عربی حروف کے ادا کرنے میں جو غلطیاں کرتے ہیں اُن میں سب سے زیادہ اشکال کی چیز حرف ضاد ہے کیونکہ اول تو حسب تصریح علماء قراءت و تجوید اس حرف کا ادا کرنا فی نفسہ مشکل ہے۔ مشاق اور ماہر قاریوں کو بھی اس میں مشقت کرنی پڑتی ہے عوام کا تو پوچھنا کیا (صَرَّحَ بِہِ الْمَرْعَشِیُّ وَسَیَاْتِیْ عَنْقَرِیْبٌ) پھر یہ حرف عام اتنا ہے کہ اس کے بغیر کوئی نماز ادا نہیں ہو سکتی سورہ فاتحہ جو واجبات صلوٰۃ میں ہے اس میں ہی دو جگہ واقع ہے اس لئے حرف ضاد کے تلفظ میں زمانہ طویل سے عجم و عرب میں اختلاف چلا جاتا ہے تقریبًا سیکڑوں رسائل و اشتہارات وغیرہ اس مسئلہ کے متعلق شائع ہوئے ہوں گے اور ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اس لئے ضرورت نہ تھی کہ اس مسئلہ پر کوئی رسالہ لکھا جائے۔ لیکن جب دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی خدمت اس ناکارہ کے سپرد کر دی گئی اور اس مسئلہ میں بھی سوالات کی کثرت ہوئی تو مناسب معلوم ہوا کہ ایک مختصر رسالہ جو افراط و تفریط سے خالی ہو اس موضوع میں لکھ دیا جائے جس میں اکابر دار العلوم کی رائے اس مسئلہ کے متعلق فقہی روایات کی تائید کے ساتھ واضح کر دی جائے اس لئے یہ چند ورق سیاہ کئے گئے ہیں خدا کرے کہ طالبین حق کے لئے اطمینان کا اور خواہ مخواہ جھگڑنے والوں کے لئے اسکات کا سبب بن جائے اور احقر کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے مفید ہو وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

**سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوگ اکثر دیار میں حرف

یہی سبب ہے کہ جس ناپاک سرزمین سے اس نظریہ کی ابتداء ہوئی اس میں سب سے پہلے مطلقاً مذہب اور خدا پرستی کے خلاف کھلی جنگ کی گئی خدا پرستی اور مذہبیت کو سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس قانون کے منسوخ کرانے میں اپنی طاقت وقدرت کے موافق پوری کوشش کریں۔

(۵) حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص شہید ہے۔ حدیث میں ہے

| | |
|---|---|
| من قتل دون دینہٖ | جو شخص اپنے دین کی حفاظت کے لئے قتل |
| فھو شھید ومن قتل | ہو جاوے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی آبرو |
| دون عرضہٖ فھو شھید ومن | کی حفاظت میں قتل ہو جاوے وہ شہید ہے |
| قتل دون مالہ فھو شھید | اور جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جاوے |

وہ شہید ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس قانون کی حقیقت پر نظر کر کے دین ومذہب کی حفاظت کی نیت سے جدوجہد کی جاوے تو اس کی شہادت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

(۶) جب تک حق بات کے اظہار پر قدرت ہو سکوت حرام ہے اور اعانت معصیت اور فرمان الٰہی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے خلاف ہے ہاں عاجز ومضطر کے احکام جدا ہیں۔

(۷) جب تک یہ تحریک محض درخواستیں دینے اور حکام وقت سے آئینی احتجاج کی حد تک ہے اور اس وقت تک مسلم وغیر مسلم کی شرکت اس میں بلا شرط ہو سکتی ہے ہاں اس سے آگے بڑھے تو اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جو وقت پر تحقیق کرنے سے معلوم ہو سکیں گی اور مسلمان خواہ فاسق فاجر بدعتی یا کسی اسلامی فرقہ کا ہو اس کو بہرحال اس تحریک میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ
الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۷ ذی الحجہ ۶۵ھ

ضاد کی صوت میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض اس کو مشتبہ الصوت بظاء کہتے ہیں گو فرق ضرور ہے بعض صوت متعارف یعنی دُواد کو صحیح کہتے ہیں۔ ان دونوں میں کون صحیح ہے؟
نیز جو شخص حرف ضاد کو صوت متعارف (دُواد) کے ساتھ پڑھے تو اس کی نماز جائز ہو گی یا فاسد؟

**الجواب** مسئلہ ضاد کے اختلافات دو قسم پر منقسم ہیں۔ اول یہ کہ حرف ضاد کی صوت مشابہ ظاء ہے یا دال مہملہ کے مشابہ ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص بجائے ضاد کے نماز میں ظاء معجمہ یا دال مہملہ پڑھے اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ دونوں امر کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ امر اول فن تجوید و قراءت کا مسئلہ ہے جس سے احقر زیادہ واقف نہیں پوری تحقیق اس کی کسی صاحب فن سے کر لی جائے اور جس قدر مشہور و معروف اور عام کتب فن میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ جمہور قراء و فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ مخرج ضاد حافۂ لسان اور اس کی متصل کی داڑھیں ہیں اور اس کی آواز ظاء معجمہ کی آواز کے مشابہ ہے دال مہملہ کے مشابہ نہیں جیسا کہ اکثر کتب فقہ و قراءت میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں منجملہ ان کے شیخ کی نصر اپنے رسالہ نہایۃ القول المفید فی علم التجوید ص ۵۸ مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| انّ الضّادَ وَالظّاءَ المُعجَمَتَانِ اِشْتَرَكَتَا جَهْرًا وَرَخَاوَةً وَاسْتِعْلَاءً وَاطْبَاقًا وَافْتَرَقَتَا مَخْرَجًا وَانفردت الضاد بالاستطالة وفي المرعشي نقلًا عن الرعاية مَا مُختصرهُ انّ هٰذَيْنِ الحرفين اَعْنِي الضّادَ وَالظّاءَ مُتَشَابِهَانِ فِي السَّمْعِ وَلَا تَفْتَرِقُ الضَّادُ اِلَّا بِاخْتِلَافِ الْمَخْرَجِ وَالْاِسْتِطَالَةِ | ضاد معجمہ اور ظاء معجمہ صفات جہر و رخوت و استعلاء و اطباق میں دونوں شریک ہیں اور مخرج کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں اور ایک صفت یعنی استطالت میں ضاد ممتاز ہے (ظاء میں یہ صفت نہیں) اور مرعشی میں رعایہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرف یعنی ضاد اور ظاء سننے میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق اس کے سوا نہیں کہ ایک تو مخرج ان دونوں کا الگ الگ ہے اور دوسرے ضاد میں صفت استطالت |

## الجواب صحیح

شبیر احمد عثمانی
۷ر ذی الحجہ ۶۵ھ

## الجواب صحیح

محمد ادریس کاندھلوی کان اللہ لہٗ
مدرس دار العلوم دیوبند

## الجواب صحیح

ظہور الحسن غفرلہٗ
ناظم امداد الغرباء سہارنپور

## الجواب صحیح

محمد احتشام الحق مبلغ دعوۃ الحق
مقیم نئی دہلی

## الجواب صحیح

لیکن ۲ کے جواب کا یہ جزو اور بھی ہے کہ اگر بالفرض آئندہ کے خدشات کا پیش خیمہ نہ قرار دیا جائے تب بھی اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے غالباً حضرت مجیب کا بھی یہی مطلب ہے۔

## اصاب المجیب

ظریف احمد غفرلہ
مدرس مدرسہ مظاہر علوم
سہارنپور

احقر جمیل احمد
خادم دار الافتاء خانقاہ اشرفیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

فِي الضَّادِ وَلَوْلَاهُمَا لَكَانَتْ إِحْدَاهُمَا عَيْنَ الْأُخْرٰى فَالضَّادُ أَعْظَمُ كُلْفَةً وَأَشَقُّ عَلَى الْقَارِئِ مِنَ الظَّاءِ وَحَتّٰى لَوْ قَصَّرَ الْقَارِئُ فِي تَجْوِيدِ ذٰلِكَ جَعَلَهَا ظَاءً انتهىٰ۔

ہے۔ جو ظا میں نہیں اور اگر یہ دو باتیں فارق نہ ہوتیں تو دونوں حرف ایک ہی ہو جاتے پس ضاد بہ نسبت ظا کے قاری پر زیادہ مشکل اور شاق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر قاری حرف ضاد کی تجوید میں ذرا کوتاہی کرتا ہے تو وہ ظاء بن جاتا ہے۔

اور امر دوم کے متعلق خلاصہ فتویٰ تو یہ ہے کہ جو شخص باوجود قادر بالفعل ہونے ورضاد کا مخرج صحیح جاننے کے بے پرواہی سے یا جان بوجھ کر حرف ضاد کے بجائے ظاء خالص پڑھے یا دال پڑھے خواہ تفخیم کے ساتھ یا بلا تفخیم کے تو دونوں صورتوں میں جس جگہ معنی میں تغیر فاحش ہو جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی لیکن عوام جو مخارج وصفات سے واقف نہیں اور بوجہ عدم تمیز و نا واقفیت کے ضاد کے بجائے ظا یا دال پڑھتے ہیں ان کی نماز بلا کسی تفصیل کے مطلقاً صحیح و درست ہو جاتی ہے۔

اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس بارہ میں فقہائے متقدمین و متاخرین کے اقوال مختلف ہیں۔ متقدمین کا مذہب تو یہ ہے اگر قرآن میں کوئی حرف دوسرے حرف سے بدل جائے خواہ ضاد ظا سے بدلے یا دال سے یا اس کا عکس اور اسی طرح دوسرے حرف میں اگر تبدیلی واقع ہو جائے تو فساد یا عدم فساد نماز کے متعلق یہ ضابطہ ہے۔

## ضابطہ متقدمین

اگر ان دونوں حرفوں کا مخرج ایک یا متقارب ہو اور ایک حرف کا دوسرے سے بدل لینا بغیر اور عزیمت جائز بھی ہو۔ یعنی بدلنے سے معنی مراد میں زیادہ تغیر فاحش نہ پیدا ہوتا ہو تو ان کے باہمی تبدیل سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ خواہ کوئی حرف ہو اور کسی طرح بدلا جائے مثلاً قاف اور کاف اور سین اور صاد وغیرہ۔ صَرَّحَ بِهٖ فِيْ شَرْحِ

# حضرات علماء مظاہر علوم سہارنپور کے ارشادات گرامی

## حامداً ومصلیاً

صوبہ یوپی کی اسمبلی میں جب سے زمینداره کے ختم کرنے کی تجویز پاس ہوئی ہے زمیندار طبقہ میں ایک عام ہیجان ہے اور اس سلسلہ میں علماء سے بھی سوالات کئے جا رہے ہیں دارالافتاء مظاہر علوم میں بھی بہت سے سوالات آئے اور ہم نے موجودہ حالات کے پیش نظر قانونِ اسلام کے مطابق ان کے جوابات بھی لکھے ہیں مگر ابھی چونکہ اس بل کا مسودہ شائع نہیں کیا گیا اس لئے اس پر ابھی ہم کوئی رائے زنی قطعی طور سے نہیں کر سکتے البتہ اصولِ شرعیہ کی روشنی میں بلاخوف لومۃ لائم مختصراً اس حقیقت کا اظہار کرنا اور کانگرسی حکومت اور اسمبلی کے ممبران کو اس طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے کسی کی مملوکہ زمین کا ضبط کرنا یا مالک کو اس کی بیع پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مسلمان ایسی مداخلت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے لہٰذا ارکانِ حکومت کو چاہیے کہ مسودہ میں مذکورہ بالا حقیقت کو نظر انداز نہ کریں۔ فقط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

**جوابات صحیح ہیں**

| سعید احمد غفرلہ | عبدالرحمٰن |
|---|---|
| مفتی مدرسہ مظاہر العلوم | از مدرسہ مظاہر علوم |
| سہارنپور، ۲۷ ربیع الثانی ۶۹ھ | سہارنپور ۲۸/۳/۶۹ |

یہ مضمون بالکل درست نیز حکومت وقت کے لئے برمحل اور نہایت ضروری تنبیہ ہے۔

**صحیح**

| عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم | محمد اسعد اللہ |
|---|---|
| سہارنپور | ۲۹ ربیع الثانی ۶۹ھ |

المنیۃ الکبیر۔ ص ۴۴۸۔

وَلَفْظُہٗ وَاِنْ بَدَّلَ حَرْفًا مَکَانَ حَرْفٍ کَانَ الْاَصْلُ فِیْہِ اَنَّہٗ اِنْ کَانَ بَیْنَہُمَا قُرْبُ الْمَخْرَجِ اَوْ کَانَ مِنْ مَخْرَجٍ واحدٍ لَا تَفْسُدُ صَلٰوتُہٗ (منیۃ) وزاد فی المحیط قَیْدًا لَابُدَّ مِنْہُ وَھُوَ اَنْ یَّجُوْزَ ابدال احدھما مِنَ الْاٰخَرِ وَ اِلَّا فَھُوَ مُنْتَقِضٌ بِمَسَائِلَ کَثِیْرَۃٍ (کبیری شرح منیہ ص ۴۴۸)

اور اگر ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو ضابطہ اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر ان دونوں حرفوں میں قرب مخرج ہو یا دونوں ایک ہی مخرج سے ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی اور محیط میں اس کے ساتھ ایک قید کا اضافہ کیا ہے جس کی سخت ضرورت ہے وہ یہ کہ ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے بدلنا جائز بھی ہو ورنہ اگر یہ قید نہ لگائی جائے) تو یہ ضابطہ بہت سے مسائل الکام میں ٹوٹ جائے گا (کبیری شرح منیہ ص ۴۴۸)

اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ اس کی تبدیل سے معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو جائے وہاں نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور مسئلہ زیر بحث یعنی ضاد کی تبدیل ظاد سے یا دال سے یہ دونوں اسی قسم میں داخل ہیں۔ تو متقدمین کے قول کے موافق جب کوئی شخص ضاد کو ظاد خالص سے بدل دے یا دال پڑھے دونوں صورتوں میں معنی پر غور کیا جائے گا۔ اگر تغیر فاحش پیدا ہو گیا کہ مراد قرآن بالکل بدل گئی تو فساد نماز کا حکم کیا جائے گا ورنہ نہیں شرح منیہ میں ہے:۔

اَمَّا اِذَا قَرَأَ مَکَانَ الذَّالِ الْمُعْجَمَۃِ ظَاءً مُعْجَمَۃً اَوْ قَرَأَ الظَّاءَ الْمُعْجَمَۃَ مَکَانَ الضَّادِ الْمُعْجَمَۃِ اَوْ عَلَی الْقَلْبِ (الی قولہ) فَتَفْسُدُ صَلٰوتُہٗ وَعَلَیْہِ اکثر الائمۃ للتغیر الفاحش

لیکن اگر ذال معجمہ کی جگہ ظاء معجمہ یا ضاد معجمہ کے بجائے ظاء معجمہ پڑھ دی یا اس کے برعکس کر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بوجہ بعید اور فاحش تغیر کے نیز شرح منیہ میں ہے کہ اگر خضرا کو بجائے ضاد کے دال سے پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو

# فتویٰ قطب عالم ابوحنیفہ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب

## گنگوہی قدس سرہ مع تصدیقات دیگر اکابر اُمت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاکمان وقت نے ایک حق کاشتکار کو قانونی قائم رکھا ہے وہ حق یہ ہے کہ جس کاشتکار نے زمین ملکیت کسی زمیندار کی عرصہ بارہ برس تک متواتر کسی لگان پر کاشت کر لی وہ کاشت کار موروثی متصور ہو گیا اس کو بلا وجہ کسی قانونی عمل کے اس اراضی سے بے دخل نہیں کر سکتا اور نہ بلانالش عدالت کے لگان کا اضافہ کر سکتا ہے اگرچہ وہ زمین ایسی کامل ہو کہ اگر وہ کاشت کار اس زمین کو چھوڑ دے تو وہ زمین اور کاشت کار غیر موروثی اس لگان مقررہ موروثی سے دوچند بلکہ سہ چند پر بخوشی زمیندار سے لے لیوے اور اس کاشت کار کو قانوناً یہ استحقاق بھی حاصل ہے کہ اپنی طرف سے بلا رضامندی مالک زمین دوسرے کاشت کار کو اس لگان سے چند (؟) کو خود دیتا ہے دوچند اور سہ چند لگان دے کر وہ منافع جو زیادہ لگان ہے اپنے تصرف میں لادے اور زمیندار بوجہ حکم حاکم وقت وپابندی قانون کچھ دم زنی نہیں کر سکتا (؟) دل سے اس کاشت کار کی کاشت اور منافع اس کاشت اُسے ناگوار ہے پس ایسی صورت بروئے شرع شریف وہ منافع جو اس کی کاشت سے یا دوسرے مزارع سے اس کو حاصل ہوتا ہے درست اور جائز ہے یا نہیں۔ اور عند اللہ وہ حق اس زمیندار کا ہے یا اس کاشتکار موروثی کا جو بوجہ حکم حاکم وقت حاصل کرتا ہے اور جو ناجائز ہے وہ کس قسم سے ہے (؟) ہے یا حرام ہے؟ بینوا و توجروا۔

## الجواب

حق موروثیت شرعاً کوئی شے نہیں ہے اور مالک کو استحقاق اپنی زمین دخلیں (؟) لینے

---

ف یہ فتویٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے زمانہ میں بصورت اشتہار شائع ہوا تھا یہ مطبوعہ اشتہار دفتر جمعیۃ علماء اسلام میں محفوظ ہے۔

البعید (کبیری مجتبائی ص ۴۴۸ ومنہا خصماً بالدال المہملۃ مکان الضاد المعجمۃ تفسد للبعد الفاحش۔
جائے گی بوجہ بعد فاحش کے۔

(کبیری شرح منیہ ص ۴۴۸)

پھر شرح منیہ میں بحوالہ قاضی خاں قاعدہ مذکورہ کے بہت سے جزئیات نقل کر کے ثابت کیا کہ جس جگہ ضاد کو ظا ء سے یا دال وغیرہ سے بدلنے میں تغیر فاحش معنی میں پیدا ہو گیا وہاں فسادِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ورنہ نہیں۔

مثلاً وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا میں ظاء سے بدل کر ظبحاً پڑھے یا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ کے بجائے غَیْرِ الْمَغْظُوْبِ ظاء پڑھے طَلْعُہَا ھَضِیْمٌ کے بجائے ھظیم بالظاء پڑھے۔ فَتَرْضٰی میں ظاء سے بدل کر تَرْظٰی پڑھے۔ ضعف الحیوٰۃ میں ظعف بالظاء پڑھے۔ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ میں فَرَظَ بالظاء پڑھے۔ ان سب صورتوں میں امام الفقہ والفتاوی قاضیخان نے فسادِ نماز کا حکم دیا ہے۔

(صرح بہ فی شرح المنیۃ صفحہ ۴۴۸)

نیز فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

وَھٰذَا لَوْ قَرَأَ غَیْرِ الْمَغْظُوْبِ بِالظَّاءِ اَوْ بِالدَّالِ تَفْسُدُ صَلٰوتُہٗ وَلَوْ قَرَأَ الظَّالِیْنَ بِالظَّاءِ اَوْ بِالدَّالِ لَا تَفْسُدُ صَلٰوتُہٗ وَلَوْ قَرَأَ الدَّالِیْنَ بِالدَّالِ تَفْسُدُ صَلٰوتُہٗ (قاضیخان ص ۷۰ جلد ۱)

## مذہب متقدمین کے موافق الثغ یا غیر قاری کا حکم

اور جو شخص صحیح لفظ نکالنے پر قادر نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ زبان میں کوئی نقص ہے جس کو الثغ کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ بوجہ ناواقفیت غلط پڑھتے پڑھتے وہی زبان پر اس طرح چڑھ گیا کہ اب اس کے خلاف نکالنے کی قدرت نہ رہی جیسے اکثر عورتوں اور بوڑھوں کو پیش آتا ہے اس کا حکم متقدمین کے مذہب پر یہ ہے کہ ان لوگوں کے ذمہ واجب ہے کہ دن رات ان حرفوں کی تصحیح کی کوشش کرتے رہیں جب تک یہ کوشش جاری رکھیں گے ان کی نماز صحیح قرار دی جائیگی۔

کا ہے اگرچہ کاشت کار نے سیری تک کاشت کیا ہو اور جو شخص کہ بلا مرضی مالک کے اس کی زمین وغیرہ روک لیتا ہے اور مالک کو قبضہ نہیں کرنے دیتا وہ شخص غاصب اور ظالم ہے اور یہ فعل اس کا حرام ہے اس پر مواخذہ سخت ہوگا اور جس قدر اس زمین کا اجر مثل ہے اس قدر کاشت کار کے ذمہ واجب الادا ہے اور مالک کو اس کا مطالبہ شرعاً پہنچتا ہے مثلاً اگر وہ زمین پندرہ روپیہ سالانہ کے اجارہ کی ہے اور کاشتکار مالک کو دس روپیہ سالانہ دیتا ہے اور مالک پندرہ سے کم پر راضی نہیں ہے تو پانچ روپیہ سالانہ کا مطالبہ ذمہ کاشتکار باقی ہے اگر مالک نے معاف نہ کیا تو آخرت میں فیصلہ ہوگا۔

قَالَ الْعَلَّامَةُ الشَّامِيُّ نَقْلًا عَنِ الذَّخِيْرَةِ قَالُوْا إِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ مُعَدَّةً لِلزِّرَاعَةِ بِأَنْ كَانَتِ الْأَرْضُ فِيْ قَرْيَةٍ اِعْتَادَ أَهْلُهَا زِرَاعَةَ أَرْضِ الْغَيْرِ وَكَانَ صَاحِبُهَا مِمَّنْ لَا يَزْرَعُ بِنَفْسِهٖ وَيَدْفَعُ أَرْضَهٗ مُزَارَعَةً فَذٰلِكَ عَلَى الزِّرَاعَةِ وَلِصَاحِبِ الْأَرْضِ أَنْ يُّطَالِبَ الْمُزَارِعَ بِحِصَّةِ الدِّهْقَانِ عَلٰى مَا هُوَ مُتَعَارَفُ أَهْلِ الْقَرْيَةِ النِّصْفُ أَوِ الرُّبُعُ أَوْ مَا أَشْبَهَهٗ وَهٰكَذَا ذُكِرَ فِيْ فَتَاوَى النَّسَفِيِّ وَهُوَ نَظِيْرُ الدَّارِ الْمُعَدَّةِ لِلْإِجَارَةِ إِذَا سَكَنَهَا إِنْسَانٌ فَإِنَّهٗ يُحْمَلُ عَلَى الْإِجَارَةِ وَكَذَا أَفْتٰى هُنَا أَدْرَكْتُ مَشَايِخَ زَمَانِيْ وَالَّذِيْ تَقَرَّرَ عِنْدِيْ وَعَرَضْتُهٗ عَلٰى مَنْ

علامہ شامی نے ذخیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ مشائخ نے فرمایا کہ اگر زمین زراعت کے لئے تیار کی گئی ہے بایں طور کہ زمین ایسے گاؤں میں ہو جس کے اہل دوسرے کی زمین جوتنے کی عادت رکھتے ہوں اور اس کا مالک ان میں سے ہو جو خود نہ برتتا ہو اور اپنی زمین زراعت پر دیتا ہو تو یہ زراعت پر محمول ہوگا اور زمین والے کو حق ہوگا کہ مزارع سے مالک زمین کے حصہ کا مطالبہ کرے جیسا متعارف ہو اہل قریہ کے نزدیک آدھا یا چوتھائی یا اس کے مثل اور ایسا ہی فتاوی نسفی میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ نظیر ہے اس مکان کی جو اجارہ کے لئے تیار کیا گیا ہو جب کوئی شخص اس میں سکونت کرے تو وہ اجارہ پر محمول ہوگا اور ایسا ہی یہاں پر۔ اسی پر میں نے اپنے زمانے کے مشائخ کو پایا ہے اور وہ بات جو میرے نزدیک ثابت ہے اور میں نے اس شخص پر پیش کیا ہے جس پر مجھے وثوق ہے یہ کہ اگر زمین تیار کی گئی ہو

(اگرچہ حرف غلط ہی نکلے) لیکن جب کوشش کرنا چھوڑ دیں تو نماز فاسد قرار دی جائے گی۔

وَذٰلِكَ لِمَا فِيْ شَرْحِ الْمُنْيَةِ وَقَالَ صَاحِبُ الْمُحِيْطِ وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوٰى فِيْ جِنْسِ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ اَنَّهٗ اِنْ كَانَ يَجْتَهِدُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ فِي التَّصْحِيْحِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ فَصَلٰوتُهٗ جَائِزَةٌ وَاِنْ تَرَكَ جُهْدَهٗ فَصَلٰوتُهٗ فَاسِدَةٌ (الٰى قوله) وَذُكِرَ فِيْ فَتَاوَى الْحُجَّةِ مَا يُوَافِقُ قَوْلَ صَاحِبِ الْمُحِيْطِ فَاِنَّهٗ قَالَ مَا يَجْرِيْ عَلَى اَلْسِنَةِ النِّسَاءِ وَالْاَرِقَّاءِ غَلَطًا الْكَثِيْرُ مِنْ اَوَّلِ الصَّلٰوةِ اِلٰى اٰخِرِهَا كَالشَّيْتَانِ وَالْاٰلَمِيْنَ وَاِيَّاكَ نَابُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَئِيْنُ السِّرَاتَ اَنَأَمْتَ فَعَلٰى جَوَابِ الْفَتَاوَى الْحُسَامِيَّةِ مَا دَامُوْا فِي التَّصْحِيْحِ وَالتَّعَلُّمِ وَالْاِصْلَاحِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَلَا يُطَاوِعُهُمْ لِسَانُهُمْ جَازَتْ صَلٰوتُهُمْ كَسَائِرِ الشُّرُوْطِ اِذَا عَجَزَ عَنْهَا مِنَ الْوُضُوْءِ وَتَطْهِيْرِ الثَّوْبِ وَالْقِيَامِ (الٰى قوله) اَمَّا اِذَا تَرَكُوْا

اور یہ اس لئے کہ شرح منیہ میں بحوالہ محیط مذکور ہے کہ مختار للفتوی اس جیسے مسائل میں یہ ہے کہ اگر یہ شخص شب و روز تصحیح حروف کی کوشش میں لگا رہے۔ اس کے باوجود بھی قدرت نہ ہو تو اُس کی نماز جائز ہے اور اگر کوشش چھوڑ بیٹھے تو اُس کی نماز (غلط فاحش مغیر معنی ہونے کی صورت میں) فاسد ہے (اس کے بعد کہا) اور فتاوی حجہ میں بھی محیط کے موافق ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ عورتوں اور غلاموں (یا خدمت پیشہ جاہل لوگوں) کی زبان پر جو غلط حروف چڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اول نماز سے آخر تک بہت سے اغلاط اُن سے سرزد ہوتے ہیں جیسے شیتان۔ الیمین۔ ایاک نابد۔ ایاک نستئین۔ السرات۔ انامت تو ان سب اغلاط کا حکم فتاوی حسامیہ کے موافق یہ ہے کہ یہ لوگ جب تک تصحیح حروف اور اصلاح و تعلم میں رات دن کوشش کرتے رہیں اور اس پر بھی اُن کی زبان سے صحیح حروف نہ نکلیں تو ان کی نماز جائز ہے جیسے تمام شروط نماز کا حکم ہے کہ جب اُن سے عاجز ہو تو معاف ہو جاتی ہیں جیسے وضو یا کپڑے کی پاکی یا قیام سے عاجز ہونے کی صورت میں فقہاء نے لکھا ہے (پھر فرمایا)

اَتِیْ بِہٖ اَنَّ الْاَرْضَ اِنْ کَانَتْ مُعَدَّۃً لِلزِّرَاعَۃِ تَکُوْنُ ھٰذِہٖ زِرَاعَۃً فَاسِدَۃً اِذْ لَیْسَ فِیْھَا بَیَانُ الْمُدَّۃِ فَیَجِبُ اَنْ یَکُوْنَ الْخَارِجُ کُلُّہٗ لِلْمُزَارِعِ وَعَلَی الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ الْاَرْضِ اِنْتَھٰی۔ اَقُوْلُ لٰکِنْ سَیَذْکُرُ الشَّارِحُ فِیْ کِتَابِ الْمُزَارَعَۃِ اَنَّ الْمُفْتٰی بِہٖ صِحَّتُھَا بِلَا بَیَانِ الْمُدَّۃِ وَتَقَعُ عَلٰی اَوَّلِ زَرْعٍ وَاحِدٍ فَالظَّاھِرُ اَنَّ مَا عَلَیْہِ الْمَشَایِخُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ھٰذَا

انتھٰی کلام العلامۃ الشامی

زراعت کے لئے تو یہ زراعت فاسدہ ہوگی کیونکہ اس میں مدۃ کا بیان نہیں ہے پس واجب ہے کہ پیداوار کل کی کل مزارع کے لئے ہو اور مزارع کے ذمہ زمین کی اجرت مثل ہو۔ ختم ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ لیکن آئندہ شارح کتاب المزارعۃ میں ذکر کریں گے کہ مفتیٰ بہ اجارہ بلا بیان مدۃ کی صحت ہے۔ جو صرف ایک سال یعنی سال اول کے لئے واقع ہوگا۔ پس ظاہر یہ ہے کہ مشائخ کا فتویٰ اسی پر مبنی ہے۔
(ختم ہوئی عبارت علامہ شامی رح کی)۔

اور جب قدر اجر مثل یا قدر حصہ مالک زمین کا ہوا تو اس کے سوا لینا اور مالک کو نہ دینے کی حرمت احادیث صریحہ و روایات صحیحہ سے خود ثابت ہے جس کی نقل اصلاً اظہار کی حاجت نہیں ہے واللہ اعلم۔

بندہ رشید احمد عفی عنہ

رشید احمد
۱۳۰۱ھ

دستخط و مہر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

الجواب صحیح
ذوالفقار علی دیوبندی عفی عنہ

دستخط حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ والد محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الجواب صحیح
فضل الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی

دستخط حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ والد محترم حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی۔

التَّصْحِیْحِ وَالْجُهْدِ فَسَدَتْ صَلٰوتُھُمْ لیکن اگر وہ تصحیح اور کوشش کرچھوڑ دیں تو ان کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

(حلبیری ص ۴۵۲، ۴۵۳)

اور یہ سب بیان مذکورہ مذہب فقہاء متقدمین کا ہے جیسا کہ شارح منیہ نے اس بیان کو نقل کر کے فرمایا ہے۔ (وھذا اینلہ علی مختار المتقدمین ص ۴۵۳)

# ضابطۂ متاخرین

اور فقہائے متاخرین نے جب اس مسئلہ میں عموم بلوی اور سہولت کی سخت حاجت کا مشاہدہ کیا اوّل تو عرب میں بھی بوجہ اختلاط عجم اب اُن چیزوں کی رعایت کما حقہا نہیں رہی پھر عجم تو اس سے عمومًا ناواقف ہیں مذہب متقدمین کی بناء پر تو شاید کسی کسی کی ہی نماز صحیح رہے۔ عام قراء اور مجودین کی نماز بھی صحیح نہیں رہ سکتی۔ بیچارے عوام تو کس حساب میں ہیں۔

اس لئے انھوں نے ادلۂ شرعیہ کی حدود میں رہ کر جس قدر گنجائش سہولت کی نکل سکتی تھی۔ اس کے موافق فتویٰ دیا اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق یہ ضابطہ قرار دیدیا کہ،

حروف کی باہمی تبدیل مطلقًا مفسد نماز نہیں خواہ اتحاد و قرب مخرج ہو یا نہ ہو اور معنی میں تغیر فاحش ہو یا نہ ہو جیسا کہ شامی بحث زلۃ القاری میں بحوالہ تاتارخانیہ نقل کیا ہے۔

وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْحَاوِيْ حُكِيَ عَنِ الصَّفَّارِ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الْخَطَاءُ إِذَا دَخَلَ فِي الْحُرُوْفِ لَا تَفْسُدُ لِأَنَّ فِيْهِ بَلْوٰى عَامَّةِ النَّاسِ لِأَنَّهُمْ لَا يُقِيْمُوْنَ الْحُرُوْفَ إِلَّا بِمَشَقَّةٍ وَفِيْهَا إِذَا

اور تاتارخانیہ میں بحوالہ حاوی صفار سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ خطاء جب حروف میں واقع ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ اُس میں عام لوگوں کا ابتلاء ہے کیونکہ وہ حروف کو بغیر مشقت کے درست نہیں کر سکتے۔

نیز تاتارخانیہ میں ہے کہ جب دو حرفوں میں

## الجواب صحیح

محمد منفعت علی عفی عنہ

مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

محمد منفعت علی

دستخط و مہر حضرت مولانا محمد منفعت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور و معروف مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

## الجواب صحیح حق

بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

عزیز الرحمٰن

دستخط و مہر حضرت مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دیوبند۔ برادر بزرگوار علامہ شبیر احمد صاحب

---

شرعاً حق موروثیت کوئی چیز نہیں اور بحق موروثیت بلا رضا مالک زمین پر قبضہ رکھنا اور نفع اٹھانا حرام ہے۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ

دستخط حضرت مولانا الحاج خلیل احمد صاحب

انبہٹوی صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

---

## الجواب حق صحیح

بندہ محمود عفی عنہ

دستخط حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

## الجواب صحیح

عبد الرحیم رائے پوری

دستخط حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رائے پوری)

---

## نعم الجواب

صدیق احمد انبہٹوی

دستخط حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

لَمْ یَکُنْ بَیْنَ الْحَرْفَیْنِ اِتِّحَادُ الْمَخْرَجِ وَلَا قُرْبُہٗ اِلَّا اَنَّ فِیْہِ بَلْوَی الْعَامَّۃِ کَالذَّالِ مَعَ الضَّادِ اَوِ الزَّاءِ الْمَحْضِ مَکَانَ الذَّالِ وَالظَّاءِ مَکَانَ الضَّادِ لَا تَفْسُدُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَائِخِ قُلْتُ فَیَنْبَغِیْ اَنْ لَّا یَفْسُدَ فِیْ اِبْدَالِ الثَّاءِ سِیْنًا وَالْقَافِ ھَمْزَۃً کَمَا ھُوَ لُغَۃُ عَوَامِّ زَمَانِنَا (شامی مصری ص ۵۹۲ ج ۱) وَرُوِیَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَۃَ مِثْلُہٗ۔ (شرح منیہ ص ۴۴۸)

نہ اتحاد مخرج ہو اور نہ قرب مخرج مگر اس میں ابتلاء عام ہو جیسے ذال بجائے ضاد یا زائے خالص بجائے ذال یا ظاء بجائے ضاد تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور میں کہتا ہوں کہ اس قاعدہ کی بناء پر ثاء کو سین سے اور قاف کو ہمزہ سے بدلنے میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسا کہ ہمارے زمانے کے اکثر عوام میں رائج ہے۔

(شامی مصری ص ۵۹۲ ج ۱)

علامہ شامی اور حلبی شارح منیہ نے متقدمین و متاخرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ اِنَّ مَذْھَبَ الْمُتَاَخِّرِیْنَ اَوْسَعُ وَمَذْھَبَ الْمُتَقَدِّمِیْنَ اَحْوَطُ فَاعْمَلْ بِمَا تَخْتَارُ وَالْاِحْتِیَاطُ اَوْلٰی۔ اس سے علمائے محققین نے فتویٰ ایک ایسے قول پر دیا ہے جو متقدمین و متاخرین دونوں کے اقوال کو جامع ہے جس میں ضرورت کا بھی پورا لحاظ کر لیا گیا ہے اور زیادہ آزادی بھی نہیں دی گئی وہ یہ ہے:۔

# قول مختار یا اعدل الاقاویل

چونکہ متاخرین کے ضابطہ مذکورہ کی بناء پر عوام میں زیادہ بے پروائی پیدا ہوجانے کا احتمال تھا اس لئے محققین متاخرین نے ایک بین بین اور متوسط ضابطہ تجویز فرمایا جس میں عوام پر تنگی بھی نہیں اور اصل حکم سے زیادہ بُعد بھی نہیں وہ یہ ہے کہ:۔

عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت یا عدم التمیز کے اگر ان کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکل جائے (خواہ کوئی حرف ہو) اور وہ یہ سمجھے کہ میں نے وہی حرف نکالا ہے جو قرآن شریف میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

**الجواب صواب بلا ارتیاب**

محمد اشرف علی عنہ

(دستخط حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

**الجواب صحیح**

غلام رسول عفی عنہ

(دستخط استاذ الکل مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ)

**ہذا ہو الحق والحق احق ان یتبع**

نور محمد عفی عنہ

مہتمم مدرسہ حقانی لودھیانوی

**السوال صحیح والجواب صحیح**

محمد عمر دراز عفی عنہ

فتح پور

**اصاب المجیب العلام**

محمد حسن عفی عنہ

دستخط حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

طبیب و مدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند و برادر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

**الجواب صحیح والتحقیق نجیح**

مغیث الدین سہروردی

تمت

(حسب ضابطہ متاخرین)۔

اور جو شخص واقف ہے اور صحیح حرف نکالنے پر قادر بالفعل ہے اور پھر بھی جان بوجھ کر یا بے پروائی سے غلط حرف نکالتا ہے تو جس جگہ معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو جائیگا حسب ضابطہ متقدمین اُس کی نماز فاسد قرار دی جائے گی۔

الغرض عوام کے حق میں متاخرین کے قول پر فتویٰ ہے اور خواص فقہاء و قراء کے حق میں متقدمین کے قول پر جو شخص مخارج و صفات سے واقف ہو وہ خواص میں داخل ہے خواہ عرف عام میں اُس کو قاری نہ کہتے ہوں اور جو اس سے ناواقف ہے وہ اس بارہ میں عوام میں داخل ہے۔ اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔

اور یہ قول منیہ اور شرح منیہ میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:۔

وَكَانَ الْقَاضِي الْإِمَامُ الشَّهِيْدُ الْحَسَنُ يَقُوْلُ الْأَحْسَنُ فِيْهِ أَيْ فِي الْجَوَابِ فِي هٰذِهِ الْإِبْدَالِ الْمَذْكُوْرَةِ أَنْ يَّقُوْلَ الْمُفْتِيْ إِنْ جَرٰى ذٰلِكَ عَلٰى لِسَانِهٖ وَلَمْ يَكُنْ مُمَيِّزًا بَيْنَ بَعْضِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ وَبَعْضٍ وَكَانَ فِيْ زَعْمِهٖ أَنَّهٗ أَدَّى الْكَلِمَةَ عَلٰى وَجْهِهَا لَا تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ وَكَذَا أَيْ مِثْلُ مَا ذَكَرَ الْحَسَنُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُقَاتِلٍ وَعَنِ الشَّيْخِ الْإِمَامِ إِسْمٰعِيْلَ الزَّاهِدِ وَهٰذَا مَعْنٰى مَا ذُكِرَ فِيْ فَتَاوٰى الْحُجَّةِ أَنَّهٗ يُفْتٰى فِيْ حَقِّ الْفُقَهَاءِ بِإِعَادَةِ الصَّلٰوةِ وَفِيْ حَقِّ الْعَوَامِ

اور قاضی امام شہید حسن فرماتے تھے کہ بہتر جواب اس قسم کے تغیرات مذکورہ میں یہ ہے کہ مفتی یہ جواب دے کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف بلا قصد اس کی زبان سے نکل گیا اور اس کو صحیح حرف اور غلط حرف میں امتیاز نہ ہوا اور اُس کا گمان یہی رہا کہ میں نے وہی حرف ادا کیا ہے جو قرآن کا اصل حرف ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور جو قول امام حسن کا ذکر کیا گیا ہے یہی محمد بن مقاتل اور امام اسمٰعیل زاہد سے بھی منقول ہے اور یہی مراد ہے اُس کلام کی جو فتاوی حجہ میں مذکور ہے کہ فقہاء و علماء کے حق میں اعادہ نماز کا حکم کیا جائے اور عوام کے حق میں جواز کا مثل قول محمد بن سلمہ کے تاکہ احتیاط کے موقع میں احتیاط کو اختیار کیا جائے

# اباحة التقطيف من ثمرة الصنعة والتاليف

## حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت

یہ اپنے موضوع پر ایک استفتاء کا مفصل جواب ہے
جو ۱۳۶۲ھ میں لکھا گیا اور اس سے پہلے شائع نہیں ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: (۱) مصنفین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا ان کو شائع نہ کر سکے، شرعاً یہ رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اس حق تصنیف یا حق ایجاد کی بیع و شراء کا کیا حکم ہے؟

جواب[۱] اپنی کسی تصنیف یا ایجاد کو رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی مباح تصرف سے روکنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا یہ تصرف کسی غیر کی ملک میں بلا اس کی اجازت کے ہو۔ دوسرے یہ کہ اس تصرف سے کسی شخص یا جماعت کا مضر ہوتا ہو اور مسئلہ زیر بحث میں یہ دونوں وجہ مفقود ہیں۔ اول تو اس لیے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا یا ایجاد کو بنانے والا مصنف یا موجد کی کسی ملک میں تصرف نہیں کرتا بلکہ کتابت خود کراتا ہے، کاغذ خود مہیا کرتا ہے، طباعت وغیرہ کی اجرت خود دیتا ہے اور نقل کرنے کے لیے جو کتاب لیتا ہے وہ بھی خرید کر یا کسی دوسرے مباح طریقے سے، رہا حق تصنیف، سو نہ وہ کوئی مال ہے، نہ ملکیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ البتہ موجودہ دور حکومت نے جس طرح اور بہت سی ناحق چیزوں کا نام حق رکھ دیا ہے۔ اس میں یہ حق تصنیف و ایجاد بھی داخل ہے اور وجہ ثانی اس لیے مفقود ہے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا مصنف کو یا کسی دوسرے شخص کو شائع کرنے سے نہیں روکتا۔ جو موجب مضر ہو۔ البتہ دوسری جگہ شائع ہو جانے سے مصنف یا موجد کی گراں فروشی کے غلو کا انسداد ہوتا ہے کہ اس کی من مانی منفعت پر لوگ مجبور نہیں ہو سکتے۔ سو اول تو یہ مضر نہیں، عدم النفع بلکہ تقلیل النفع ہے اور ضرر اور عدم نفع میں فرق ظاہر ہے۔

بِالْجَوَازِ كَقَوْلِ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ اِخْتِيَارًا لِلْاِحْتِيَاطِ فِيْ مَوْضِعِهٖ وَالرُّخْصَةِ فِيْ مَوْضِعِهَا (کبیری مجتبائی ص ۴۴۸)

اور تنگی کے موقع میں تنگی کر (کبیری شرح منیہ ص ۴۴۸)

اور یہی قول علامہ شامی نے قاضی امام ابو عاصم سے بالفاظِ ذیل بحوالہ غزانہ نقل فرمایا ہے اور حلیہ اور بزازیہ سے اس کا مختار اور اعدل الاقاویل ہونا نقل کیا ہے

اَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ تَفْسُدُ وَاِنْ جَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ اَوْ لَا يَعْرِفُ التَّمْيِيْزَ لَا تَفْسُدُ وَهُوَ الْمُخْتَارُ (حلیہ) وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ وَهُوَ اَعْدَلُ الْاَقَاوِيْلِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ۔ (شامی زلۃ القاری ص ۵۹۲ جلد ۱ مصری)

اور یہی مضمون عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب رابع میں بحوالہ وجیز کردری نقل کیا اور مختار ہونا بیان فرمایا ہے۔

## خلاصہ فتویٰ

الغرض حرف ضاد اپنے مخرج و صفات کے اعتبار سے ظاء خالص اور دال پُر دونوں سے بالکل جدا ایک مستقل حرف ہے اس کو جس طرح دال سے بدل کر عوام کی طرح ادا پڑھنا غلطی ہے اسی طرح ظاء خالص سے بدل کر (بعض قراء زمانہ کی طرح) پڑھنا بھی غلطی صریح ہے لیکن فساد نماز کے بارے میں فتویٰ اس پر ہے کہ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا تغیر کرے کہ ضاد کی جگہ دال یا ظاء خالص پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بوجہ ناواقفیت اور عدم تمیز ایسا سرزد ہو جائے اور وہ اپنے نزدیک یہی سمجھے کہ میں نے حرف ضاد پڑھا ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ عوام کی نماز تو بلا کسی تفصیل و تنقیح کے بہر حال صحیح ہو جاتی ہے خواہ ظاء پڑھیں یا دال یا زاء وغیرہ کیونکہ وہ قادر بھی نہیں اور سمجھتے بھی یہی ہیں کہ ہم نے اصلی حرف ادا کیا ہے اور قراء مجودین اور علماء کی نماز کے جواز میں تفصیل مذکور ہے کہ اگر غلطی قصداً یا بے پروائی سے ہو تو نماز فاسد ہے اور سبقت لسانی یا عدم تمیز کی وجہ

مبسوط شمس الائمہ کتاب السیر والجہاد میں اس کی تصریح اور حکم مذکور ہے کہ کسی دوسرے کے ضرر کا سبب بننا جائز نہیں۔ لیکن اگر ہمارے اپنے کام سے کسی دوسرے کے نفع میں فرق پڑتا ہو، اس کی اجازت ہے۔ اگر بازار میں ایک چیز کی متعدد دکانیں ہو جانے سے کسی کا نفع کم ہو جائے یا بالکل نہ رہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے دکان داروں نے اس کو ضرر پہنچایا۔ لہذا دوسروں پر حجر و ممانعت کی کوئی شرعی یا عقلی وجہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مصنف یا موجد کا یہ قصد کہ دوسرے اس کو نہ چھاپیں، صرف اس لیے ہو سکتا ہے کہ معتاد نفع جو عام تاجر رکھتے ہیں اس سے زائد نفع مقرر کر سکے یا کم از کم یہ کہ اس چیز کی بیع و شراء کا پورا نفع صرف اس کو ملے۔ دوسرے لوگ اس جائز نفع سے محروم رہیں، سو یہ خود عامۃ الناس کا ضرر اور بجائے دوسروں پر ممانعت عائد ہونے کے اس پر ممانعت کا موجب ہے، کیونکہ جس شخصی نفع سے عامۃ الناس کا ضرر ہو، شریعت اس نفع کی اجازت نہیں دیتی۔ احادیث صحیحہ میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تتلقی الرکبان وان یبیع حاضر لباد۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ غلہ کو شہر میں آنے سے پہلے دیہات و مزارع پر جا کر خرید لیا جائے۔ یا کوئی شہر والا گاؤں والوں کا دلال بن کر ان کا مال فروخت کرے کیونکہ اس صورت میں غلہ ایک شخص یا چند اشخاص کے قبضہ میں آ جاتا ہے۔ اور جو نرخ وہ رکھنا چاہیں عوام کو اس کی پابندی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اور خود گاؤں والا شہر والوں کو جس طرح ارزاں فروخت کرتا وہ ارزانی بند ہو جاتی ہے۔ جس سے عوام کا ضرر لازم آتا ہے۔ اسی طرح دیہات کے لوگ جلد سے جلد اپنا مال فروخت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہونے کی فکر میں عموماً مال کو ارزاں فروخت کر جاتے ہیں۔ اگر کوئی شہر والا ان کا دلال بن جائے جیسے آجکل عموماً آڑھت کا کاروبار جاری ہے تو دیہات کے لوگ بھی اپنا مال گراں فروخت کریں گے جو ضرر عامہ کو مستلزم ہے اس لیے حدیث مذکور میں اس کی بھی ممانعت فرما دی گئی اسی طرح احتکار غلہ کی ممانعت احادیث صحیحہ میں وارد ہے یعنی غلہ کو خرید کر بند کر دیا جائے کہ گرانی کے وقت فروخت

سے ہو تو جائز و صحیح ہے۔

# تنبیہ

لیکن نماز کے جواز و عدم فساد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بے فکر ہو کر ہمیشہ غلط پڑھتے رہنا جائز ہو گیا اور پڑھنے والا گناہ گار بھی نہ رہے گا۔ بلکہ اپنی قدرت و گنجائش کے موافق صحیح حروف پڑھنے کی مشق کرتا اور کوشش کرتے رہنا ضروری ہے ورنہ گناہ گار رہیگا۔ اگرچہ نماز فاسد نہ ہو۔ کما فی العالمگیریۃ فی الباب الرابع ومن لا یحسن بعض الحروف ینبغی ان یجہد ولا یعذر فی ذلک (عالمگیری مصری ص ۷۹ جلد ۱)۔

اور مقدمہ جزریہ میں ہے ؎

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ ... مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ
لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِلٰـهُ اَنْزَلَا ... وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا
وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا ... مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَمُسْتَحَقَّهَا

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں قَوْلُهٗ وَالْاَخْذُ وَالْاَظْهَرُ اَنْ يُّقَالَ نَفْسُ تَجْوِيْدِهٖ وَاَخْذُ الْقَارِیْ بِتَجْوِيْدِ الْقُرْاٰنِ وَهُوَ تَحْسِيْنُ اَلْفَاظِهٖ بِاِخْرَاجِ الْحُرُوْفِ مِنْ مَخَارِجِهَا وَاِعْطَاءِ حُقُوْقِهَا مِنْ صِفَاتِهَا فَرْضٌ لَازِمٌ وَحَتْمٌ دَائِمٌ وَاَمَّا دَقَائِقُ التَّجْوِيْدِ عَلٰى مَا سَيَاْتِيْ بَيَانُهٗ فَاِنَّمَا هُوَ مِنْ مُسْتَحْسَنَاتِهٖ (اَلْمِنَحُ الْفِكْرِيَّةُ شَرْحُ الْمُقَدِّمَةِ الْجَزَرِيَّةِ لِعَلِیِّ الْقَارِیْ)

كتبه احقر محمد شفیع الدیوبندی عفی عنہ
خادم دار الافتاء بدار العلوم الدیوبندیۃ فی خمس ساعات
من یوم الخمیس لعشر بقین من اولی الجمادین سنہ ۱۳۵۱ھ

کریں گے یہ بھی بوجہ ضرر عامہ کے جائز نہیں ہے حالانکہ یہ تمام تصرفات اپنی ملک میں ہیں اس کے باوجود بھی شریعت نے اس کا کسی کو اختیار نہیں دیا۔ پھر ایسی چیز جس سے اس کو ملکیت کا بھی تعلق نہ ہو اور وہ سبب ہو ضرر عام کا، اس کا کس طرح تحمل کیا جا سکتا ہے جیسے تصنیف وایجاد کی رجسٹری میں ہے کہ دوسرا شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے، مصنف و موجد مانع ہوتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے قرآن وحدیث سے استنباط کرکے ایک مستقل ضابطہ اس کا بنا دیا ہے جو اشباہ ونظائر میں بعنوان "الضرر یزال" مذکور ہے اور اس کی بہت سی نظائر اس میں نقل کی گئی ہیں۔ الغرض ضرر عامہ کے ازالہ کے لیے بعض اوقات شخصی ضرر بھی شرعاً گوارا کرلیا جاتا ہے چنانچہ ضرورت کے وقت حاکم شرع کو اختیار ہوجاتا ہے کہ ضروری اشیاء کے نرخ مقرر کردے جس سے زائد قیمت پر فروخت کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو (الاشباہ والنظائر) تو وہ ضرر عام جس کے ازالہ میں کسی کا ضرر بھی نہیں بلکہ عدم النفع بھی نہیں صرف تقلیل نفع ہے اور وہ کمی بھی محض موہوم، یعنی اپنے خیالی نفع سے کمی تو ظاہر ہے کہ ایسے ضرر عام کو شریعت اسلامیہ کس طرح باقی رکھ سکتی ہے۔

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دور حاضر کی عالمگیر بے چینی واضطراب کہ اس میں نہ کوئی فقیر وغریب مطمئن نظر آتا ہے نہ امیر وکبیر، اور تحصیل مال کے لیے ہزاروں جائز وناجائز طریقے ہر روز ایجاد ہوتے ہیں اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن ذرائع آمدنی کو وقف عام کیا تھا اور وہ عامۃ الناس کا حق مشترک تھے ان کو سرمایہ پرست حکومتوں اور ان کے اعوان وانصار نے یا خود قبضا لیا اور یا ان کو تجارت کی منڈی بنا دیا کہ جو ان کو ٹیکس ادا کرے وہ اس کا مالک ہے، یہیں سے سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شروع ہوئی اور اشتراکیت کا خلاف فطرت جنون ردعمل کے لیے میدان میں آیا جس سے دوسری قسم کی آفات پیدا ہوگئیں اور یقین ہے، کہ جب تک اسلام کے سیدھے اور صاف ومعتدل اقتصادی نظام کو اختیار نہ کیا جائے گا، کبھی یہ اضطراب رفع نہیں ہوسکتا اور امن عامہ حاصل نہیں ہوسکتا اور حاصل اس نظام کا یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ نے وقف عام کردی ہیں ان کو شخصی تغلبات سے نکالا جائے اور جو چیزیں مملوک ملک خاص ہیں، غیر مالک کو ان کی طرف نظر طمع نہ اٹھانے دی جائے مثلاً دریا اور اس میں پیدا ہونے والی

# تصدیق وتتمہ

## حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ امام القراءۃ والفقہ مولانا محمد اشرف علی تھانوی دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ اشرف علی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ رسالہ رفع التضاد بہت بہت دلچسپی سے دیکھا دلچسپ اور مطابق ضرورت کے پایا جزی اللہ تعالیٰ مؤلفہا خیر الجزاء چونکہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح خواں کے اقتداء کا واقعہ بھی کثیر الوقوع ہے اس لئے اس کے متعلق فتویٰ ذیل بطور ضمیمہ بلکہ تتمہ کے ملحق کردیا۔ میرا عمل بھی اسی فتوے پر ہے۔ وَھِیَ ھٰذِہٖ۔

فِی الدُّرِّ وَلَا غَیْرُ الْاَلْثَغِ بِہٖ اَیْ بِالْاَلْثَغِ عَلَی الْاَصَحِّ کَمَا فِی الْبَحْرِ عَنِ الْمُجْتَبٰی وَحُرِّرَ الْحَلَبِیْ وَابْنُ الشِّحْنَۃِ اَنَّہٗ بَعْدَ بَذْلِ الْجُہْدِ دَائِمًا حَتْمًا کَالْاُمِّیِّ فَلَا یَوُمُّ اِلَّا مِثْلَہٗ اِلٰی اَنْ قَالَ ھٰذَا ھُوَ الصَّحِیْحُ الْمُخْتَارُ فِیْ حُکْمِ الْاَلْثَغِ وَکَذَا مَنْ لَا یَقْدِرُ عَلَی التَّلَفُّظِ بِحَرْفٍ مِنَ الْحُرُوْفِ اھ (ص ۴۰۸ و ۴۰۹ جلد ۱ مع الشامی)

وَفِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ تَحْتَ قَوْلِہٖ عَلَی الْاَصَحِّ اَیْ خِلَافًا لِمَا فِی الْخُلَاصَۃِ عَنِ الْفَضْلِیْ مِنْ اَنَّہَا جَائِزَۃٌ لِاَنَّ مَا یَقُوْلُہٗ صَارَ لُغَۃً لَّہٗ وَمِثْلُہٗ فِی التَّاتَارْخَانِیَّۃِ وَفِی الظَّہِیْرِیَّۃِ وَاِمَامَۃُ الْاَلْثَغِ لِغَیْرِہٖ وَقِیْلَ لَا وَنَحْوُہٗ فِی الْخَانِیَّۃِ عَنِ الْفَضْلِیْ وَکَلَامُہٗ ہٗ اِعْتِمَادُہُمْ الصِّحَّۃَ وَکَذَا اِعْتَمَدَہَا صَاحِبُ الْحِلْیَۃِ قَالَ لِمَا اَطْلَقَہٗ غَیْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمَشَائِخِ مِنْ اَنَّہٗ یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ لَا یَوُمَّ غَیْرَہٗ وَ... فِیْ خِزَانَۃِ الْاَکْمَلِ وَتُکْرَہُ اِمَامَۃُ ... اھ وَلٰکِنَّ الْاَحْوَطَ عَدَمُ الصِّحَّۃِ الخ (ص ۴۰۸ ج ۱)

تمام مخلوقات، پانساد اس میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء، جنگلات اور قدرتی چشمے اور ان سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں آزاد کردی جائیں، تصنیف و ایجاد کا ناحق حق ختم کر کے ہر محنت کرنے والے اور روپیہ لگانے والے کو نفع اٹھانے کا موقع دیا جائے، یہی وہ معتدل اقتصادی نظام ہے جو امن عامہ کا کفیل ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ درحقیقت حق تصنیف و ایجاد کوئی ایسی چیز نہیں جو مملوک ملک خاص ہو سکے، ایک شخص ایک کتاب یا کوئی نئی ایجاد دیکھ کر اپنی ملک اور اپنی محنت سے اس کی نقل اتارے تو اس کو روکنا ایک امر مباح کو روکنا ہے جس کا وہ شخص حق دار تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ روکنا ظلم ناروا ہے۔

## تنبیہ

بعض حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ رجسٹری کرانے میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر عموماً تجارتی نفع کی خاطر تصنیف کو غلط اور مسخ کر کے چھاپ دیتے ہیں جس سے مصنف کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مصنف کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ اس طرح مسخ و محرف کر کے چھاپنے والے پر دعویٰ کرے کہ اس نے میری طرف ایسی چیز کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع میری نہیں ہے اس لیے اس کو یا طباعت سے ممنوع قرار دیا جائے اور یا آئندہ احتیاط پر مجبور کیا جائے لیکن عامۃً اشاعت پر پابندی کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اپنی تصنیف یا ایجاد کو اپنے لیے مخصوص کرنے کا مصنف یا موجد کو کوئی حق نہیں ہے تو خرید و فروخت بھی شرعاً جائز نہیں کیونکہ خرید و فروخت کے لیے مال ہونا شرط ہے اور حق مجرد کوئی مال نہیں ہوتا اگرچہ ذریعہ مال بن سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند ۱۳۶۲ھ۔

ان عبارات سے امورِ ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) الثغ کی امامت کے جواز میں اختلاف ہے بعض نے اس کی امامت کو سب کے حق میں جائز رکھا ہے۔

(۲) الثغ صرف وہی نہیں جس میں پڑھنے کی قابلیت ہی نہ ہو کیونکہ حلبی اور ابن شحنہ نے اس پر بذلِ جہد واجب کیا ہے اور وجوب جہد فرع ہے قدرت کی پس الثغ سے مراد وہ الثغ ہے جو اس وقت حالتِ موجودہ میں صحیح پڑھنے پر قادر نہیں۔

(۳) جو شخص الثغ نہ ہو لیکن اس وقت کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو وہ بھی بحکم الثغ ہے۔ پس ہر چند کہ صحیح مختار قول یہی ہے کہ الثغ کی امامت غیر الثغ کے لئے درست نہیں اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صحیح خواں کی اقتدا ایسے شخص کے پیچھے جائز نہ ہو جو حروف کو صحیح ادا نہ کرتا ہو مگر اس وقت ضرورت کی وجہ سے امام فضلی کے قول پر فتوٰی دینے کو جی چاہتا ہے خصوصاً حرف ضاد کے مسئلہ میں کیونکہ عام طور پر قراء تک اس کو غلط پڑھتے ہیں لہٰذا قاری کی اقتدا غیر قاری کے پیچھے درست ہے البتہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہیں جو بحالتِ موجودہ تصحیح حروف پر قادر ہے مگر غفلت یا بے توجہی یا رعایت عوام کی وجہ سے کسی حرف کو مثلاً ضاد کو اصلی مخرج سے نہیں نکالتا کیونکہ وہ بحکم الثغ نہیں بلکہ عمداً غلط پڑھنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہٗ ظفر احمد ۱۹ رجب ۱۳۴۳ھ

صح الجواب

اشرف علی ۱۹ رجب ۱۳۴۳ھ

# احکام القمار

## جوئے سٹے، لاٹری اور معمے وغیرہ کے احکام

## تقریظ و تصدیق از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب

## رحمۃ اللہ علیہ محدث دار العلوم دیوبند

رسالہ اور ضمیمہ احقر کے نزدیک نہایت دل پسند اور صحیح اور مفید ہے حق تعالیٰ مؤلف صاحب کو جزائے خیر اور مزید توفیق اس قسم کے افادات کی عطا فرمادیں۔

بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ
(مدرس حدیث دار العلوم دیوبند)

## تحریر جناب قاری عبد الوحید خان صاحب مدرس اوّل درجہ تجوید دار العلوم دیوبند

تحریر ہذا مع تنبیہ ضروری مؤلف جناب مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب مفتی سابق دار العلوم دیوبند کو امتثالاً دیکھا فی زمانا مناسب و غنیمت سمجھتا ہوں فن تجوید کے متعلق جناب موصوف نے خود ہی تحریر فرمادیا باقی رہا عدم فساد و فساد نماز کے متعلق اصحاب فتویٰ جانیں احقر کا منصب نہیں۔

احقر عبد الوحید الٰہ آبادی غفرلہٗ
یوم جمعہ ۲۸-۵-۵۱ھ

## فتاویٰ از حضرت قطب الارشاد امام ربانی فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

منقول از فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۳ و ۱۱۴ حصہ دوم مطبوعہ دہلی

**استفتاء** } کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ

مقام تالیف ــــــــــ لاہور

تاریخ تالیف ــــــــــ شعبان ۱۳۷۰ھ

مدت تالیف ــــــــــ ایک دن

اشاعت اوّل ــــــــــ دارالاشاعت کراچی

"آج کل قمار بازی کی مختلف صورتیں معاملات
میں رواج پاگئی ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد
ان کی تشریح و توضیح اور قرآن وسنت
اور فقہ سے ان کے احکام بیان کرنا ہے"

چند اشخاص حرف (ض) دو آد قرآن شریف میں پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم قرآن شریف میں (دُوآد) پڑھتے ہو تو عربی لفظ جو بزبان اردو بولتے ہو تو وضو کو (وُدو) کیوں نہیں کہتے اور ضیاء الدین کو (دیاء الدین) کیوں نہیں کہتے یہ بھی تو عربی لفظ ہیں تو قرآن شریف میں (زوآد) کا پڑھنا صحیح ہے یا (دُوآد) پڑھنا چاہیئے۔

زیادہ سلام

راقم احقر العباد حمایت اللہ

ساکن خمس پور ضلع ایٹہ پرگنہ پٹیالی معرفت جناب عبدالعلیم خانصاحب بھونگامی۔ فقط

# الجواب

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے اگر نہ ہوسکے تو بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

(مہر: وزکل مسے العزیز الرحمٰن)

الجواب صحیح عنایت الٰہی عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(مہر: عنایت الٰہی)

الجواب صحیح خلیل احمد مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(مہر: خلیل احمد)

الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند

(مہر: الٰہی عاقبت محمود گرداں)

الجواب صحیح احقر الزمان گل محمد خاں مدرس مدرسہ دیوبند

(مہر: گل محمد خاں)

الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ

(مہر: از گروہ اولیاء اشرف علی)

الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند

(مہر: غلام رسول)

(مہر: رشید احمد ۱۳۰۱)

# احکام القمار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

**اما بعد** آج کل دین کے ہر شعبہ اعتقادات، عبادات، معاملات سبھی میں ہماری سستی اور غفلت کی انتہا ہو گئی ہے۔ اگر اسلام کی صحیح تفسیر کے مطابق مسلمانوں کو تلاش کیا جائے تو دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں میں بہت ہی کم عدد نکلے گا جو سچا مسلمان کہلانے کا مستحق ہو۔ خصوصاً معاملات کا تو یہ حال ہو گیا کہ گویا اُن کو جزو دین ہی نہیں سمجھا گیا۔ جو لوگ مسجد میں پکے اور سچے مسلمان نظر آتے ہیں۔ بازاروں، کارخانوں، سرکاری ملازمتوں میں وہ بھی اسلام اور اس کی تعلیمات سے بیگانہ اور بے بہرہ محسوس ہوتے ہیں۔ اور معاملات میں وہ بھی سب کچھ وہی کرتے ہیں جو اسلام اور اس کی تعلیمات کے منکر کیا کرتے ہیں۔ بہت سے وہ حضرات جو زہد و عبادت میں مصروف اور مشائخ و مقتدار مانے جاتے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ ان میں بھی معاملات کے بارے میں بڑی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ حلال روزی سارے اعمال کی رُوح ہے۔

بعض حضرات نے امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام اعظم ابوحنیفہ رح سے کہا کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مگر تصوف و سلوک میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ فرمایا کہ لکھ تو دی۔ کتاب البیوع اور کتاب المعاملات۔ سارا تصوف اسی پر منحصر ہے کہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو اور وہ انہیں کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

یوں تو ہمارے معاملات سارے ہی گڑبڑ ہیں مگر اس وقت خصوصیت سے ایسے معاملات کی کثرت ہو گئی اور ہوتی جاتی ہے جن میں قمار (جوا) شامل ہے جس کو قرآن میں ایک حیثیت سے بُت پرستی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے دل میں تھا کہ قمار کے متعلق قرآن و حدیث کی وعیدیں اور اس کے مروجہ احکام رسالہ کی صورت

# سُوال

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ـــــ ص ۹۳ و ۹۴)

گذارش یہ ہے کہ میں تجوید سے واقف ہوں اور قرارت سیکھی ہے تو جو لوگ معذور بھی نہیں ہیں اور قرارت کا مخارج حروف کی جانب اُن کا خیال ہی نہیں تو ایسے شخصوں کے پیچھے نماز ہوگی یا نہ؟ اور میری نماز یا قاری کامل کی نماز ایسے شخصوں کے پیچھے ہو جاوے گی یا نہیں یا ترک جماعت کی جاوے اور اعادہ نماز ہر وقت کا نہایت مشکل ہے کیونکہ عام طور سے ضاد کو مشابہ بالدال ہی پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دال نہیں پڑھی بلکہ ایک مخرج علیحدہ ادا کیا ہے دیگر حروف کا فرق کرنا اس سے آسان ہے؟

# الجواب

د ۔ ظ ۔ ض کے حرف جداگانہ اور مخارج جداگانہ ہونے میں تو شک نہیں ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ قصداً کسی حرف کو دوسرے مخارج سے ادا کرنا سخت بے ادبی اور بسا اوقات باعث فساد نماز ہے مگر جو لوگ معذور ہیں اور ان سے یہ لفظ اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا اور وہ حتی الوسع کوشش کرتے رہتے ہیں ان کی نماز بھی درست ہے اور دال پُر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے بلکہ ضاد ہی ہے اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا ہی نہیں ہوا تو جو شخص دال خالص یا ظاد خالص عمداً پڑھے اس کے پیچھے تو نماز نہ پڑھیں مگر جو شخص دال پُر کی آواز میں پڑھتا ہے آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

# سُوال

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ـــ ص ، ۱۰۷)

قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم پانی پتی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ حرف ضاد

میں جمع کر دیئے جائیں اتفاقاً شعبان ۱۳۷۰ھ میں مجھے کراچی سے لاہور کا سفر کرنا ہوا اور یہاں اتفاقی طور پر چند روز قیام کرنا پڑا اس فرصت میں اس مسئلہ کا خیال آیا اور برخوردار عزیزم مولوی محمد زکی سلمہ ناظم ادارۂ اسلامیات لاہور سے اس کا ذکر آیا انہوں نے اصرار کیا کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس وقت یہ رسالہ لکھ دیا جائے۔ بنام خدائے تعالیٰ قلم اٹھایا اور بعونہ تعالیٰ یکم شعبان ۱۳۷۰ھ روز شنبہ کو ایک ہی دن میں یہ رسالہ مکمل ہو گیا۔ اللہ اس کو ہم سب مسلمانوں کے لئے نافع و مفید بنادیں۔ آمین۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۳۷۰ھ

# قمار کی تعریف

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو اصطلاح شرع میں قمار اور میسر کہلاتا ہے اردو زبان میں اس کو جوا کہا جاتا ہے جیسے دو شخص آپس میں بازی لگائیں کہ تم آگے بڑھ گئے تو میں تم کو ایک ہزار روپیہ دوں گا اور میں بڑھ گیا تو تمہیں ایک ہزار دینے پڑیں گے۔ یا اس طرح کہ اگر آج بارش ہو گئی تو تم ایک ہزار روپیہ مجھے دینا اور اگر نہ ہوئی تو میں تم کو دوں گا۔

یا بند ڈبے ایک مقررہ قیمت مثلاً چار آنہ فی ڈبہ کے حساب سے فروخت کئے جائیں کسی ڈبہ میں پانچ روپیہ کی چیزیں ہوں اور کسی میں دو پیسے کی تو اس ابہام اور دائر بین النفع والضرر صورت میں اس کی خریداری قمار ہے اس کی مختلف لاتعداد صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر زمانہ میں ہر خطہ میں مختلف طریقوں سے قمار کھیلا جاتا رہا ہے۔

عرب میں اس کا ایک خاص طریق تھا کہ قمار کے لئے دس تیر دس ناموں سے متعلق تھے اور تیر کے نام پر کچھ حصے ایک یا دو یا تین یا زیادہ مقرر تھے بعض تیر بے نصیب

کو مشابہ بالدال و ظاء نہ پڑھے ورنہ نماز نہ ہو گی کیوں کہ نماز میں قرآن کا صحیح پڑھنا فرض ہے لہٰذا ہر ایک شخص کو مخرج سے ادا کرنے کی ہر حرف کی کوشش ہونی چاہیئے اگر کوشش کرتا ہے تب بھی پورا حرف صحیح نہ ادا ہو تو اس میں مواخذہ دار نہ ہو گا اگر بلا سعی مشابہ بالدال و ظاء پڑھے گا تو معنی میں فرق آوے گا۔ لہٰذا اس تحریر میں حضور کیا فرماتے ہیں اور جو شخص کہ قاری ہو یا علم قراءت سیکھا ہو تو وہ شخص کہ مشابہ بدال و ظاء پڑھے اس کے پیچھے اس کی نماز ہو گی یا نہیں ؟ یا یہ اپنی نماز لوٹا دے یہ میں نے بھی دیکھا کہ اگر حرف ضاد کو مخرج سے ادا کرے تو ہرگز مشابہ بالدال نہیں نکلتا مشابہ بالظاء ادا ہوتا ہے اور باوجود یکہ یہ حرف شفویہ میں سے نہیں ہے مگر ہونٹ ملتے ہیں اور زبان وہاں سے ہٹتی ہے تب مشابہ بالدال نکلتا ہے اصل مخرج سے مشابہ بالظاء مع تمامی شرائط کے ادا ہوتا ہے۔ قیاساً ؟

## الجواب

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گناہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہو گی اور اگر باوجود کوشش و سعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو معذور ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے کا قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مگر جو شخص قصداً دال یا ظاء پڑھے اُس کے پیچھے نماز نہ ہو گی۔ فقط

رشید احمد عفا اللہ عنہ

بھی تھے جن پر کوئی حصہ مقرر نہ تھا ان تیروں کو رلا ملا کر ایک ایک شخص کے نام سے ایک ایک تیر کسی شخص سے اٹھواتے تھے۔ جس شخص کے نام پر جس قسم کا تیر نکل آیا وہ ہی اس کا نصیب ہوتا تھا اور اس تیر پر جتنے حصے مقرر تھے وہ ان کا مالک سمجھا جاتا تھا، اور جس شخص کے نام پر بے نصیب تیر نکلتا وہ بالکل محروم رہتا تھا اس کے ساتھ عادت یہ تھی کہ ایک اونٹ ذبح کرکے اس کو ان تیروں کے مقررہ حصوں کے موافق تقسیم کرتے تھے اور جس شخص کے نام بے نصیب نکلتا ایک طرف تو وہ اونٹ کے گوشت سے محروم رہتا تھا دوسری طرف اونٹ کی قیمت بھی اسی کو ادا کرنا پڑتی تھی اس خاص قسم کے قمار کو قرآن میں میسر اور ازلام کے نام سے موسوم فرمایا ہے میسر وہ اونٹ جو قمار کے لئے ذبح کرکے تقسیم کیا جائے اور ازلام وہ تیر جن کے ذریعہ قمار کے حصوں کی مقدار متعین کی جائے۔ اس کے علاوہ خرید و فروخت میں بھی مختلف صورتیں قمار کی رائج تھیں جن کو بیع ملامسہ یا منابذہ وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور احادیث نبویہ میں ان کی حرمت وارد ہوئی ہے۔

اسلام سے پہلے قمار نہ صرف رائج بلکہ شرافت وعزت اور مایہ تفاخر سمجھا جاتا تھا اور مزید تفاخر کے لئے یہ لوگ جو حصے قمار میں جیت لیتے تھے ان کو نہ کھاتے بلکہ فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے (تفسیر کبیر للرازی ص ۱۳۳ ج ۲)

## قمار کی حرمت

دین اسلام حیاتیات اور عبادات کی طرح معاشیات اور اقتصادیات میں بھی اپنا ایک عادلانہ اور معتدلانہ نظام رکھتا ہے وہ اس اندھیر نگری کو کب روا رکھ سکتا تھا جس میں کوئی شخص کسی کے مال کو بغیر صحیح استحقاق کے قبضہ لے اور جس کے نتیجہ میں کوئی غریب غریب اور مفلس سے مفلس ہوتا چلا جائے اور دوسرا بغیر کسی عمل کے قارونی خزانے جمع کرتا چلا جائے۔ یا غرباء اور فقراء کی جیبوں سے ایک بڑی رقم جمع کرکے کسی ایک فرد کو بلا وجہ شرعی اس کا مالک بنا دیا جائے اس لئے ناگزیر تھا کہ

اس کو ناجائز قرار دے۔ لیکن دین فطرت کی وسعت وہمہ گیری اور انسانی جذبات کی رعایت قابلِ دید اور لائق صد شکر ہے کہ شراب اور قمار جو عام لوگوں کی طبیعت ثانیہ بنے ہوئے تھے ان کو حرام کرنے کا ارادہ کیا گیا تو یک وقت ان کی حرمت مطلقہ نازل نہیں ہوگی بلکہ ابتداءً ان کی خرابیاں بتلائی جاتی رہیں۔ ایک عرصے کے بعد جب ان کی برائی قلوب میں مستقر ہوگئی اس وقت حرمت کے احکام نازل کئے گئے۔

چنانچہ ابتدا اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ حرام ہے یا حلال ہے۔ ان کے لئے پہلی آیت سورۂ بقرہ کی نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما

(سورہ بقرہ : ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت میں حرمت یا حلت کا معاملہ پوری طرح صاف نہ ہوا خاص خاص صحابہ کرام تو وحی کی روش اور طرز سے اس کا ناپسندیدہ ہونا معلوم کر کے ابتداً ہی ان چیزوں سے پرہیز کرنے لگے لیکن عام طور پر مسلمان صریح حرمت نازل ہونے تک استعمال کرتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس میں کوئی قطعی فیصلہ صادر نہ ہوا تا آنکہ سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ○ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ○

اس آیت میں پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ شراب و قمار کی حرمت نازل ہوگئی اور اس کی حرمت کو اتنی تاکیدوں کے ساتھ بیان کیا گیا کہ حسب تحریر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اوّل اس کے بیان کو لفظ انما سے شروع فرمایا جو عربی محاورہ کے اعتبار سے ایک خاص

الاعجوبة فی عربیة
خطبة العروبة

# خطبۂ جمعہ

عربی زبان میں کیوں ہے :

تاکید کا مضمون پیدا کرتا ہے۔ دوسرے ان چیزوں کو رجس (یعنی گندی چیز) فرمایا گیا جس سے طبع سلیم خود ہی اجتناب کرے۔ تیسرے اس کو شیطان کا کام قرار دیا گیا۔ چوتھے خود قمار کی حرمت کو بُت پرستی کے ساتھ جمع کر کے اس کی انتہائی شدت بتلائی گئی کہ یہ چیزیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور یہ سب کچھ بتلا کر فاجتنبوہ یعنی اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی دنیوی اور دینی خرابیاں اگلی آیت میں اس طرح بیان کی ہیں کہ شیطان ان چیزوں سے تمہاری دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کی وجہ سے تمہارے آپس میں بغض و عداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے جس کے مفاسد بہت دور تک پہنچتے ہیں اور ان چیزوں کی عادت اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز جیسے فریضہ سے انسان کو روک دیتی ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے آمین۔

## نزولِ حرمت کے بعد صحابۂ کرام کا جذبۂ اطاعت شعاری

دیرینہ عادات اور قومی رسوم انسان کی طبیعت میں جبلت اور فطرت کی جگہ لے لیتی ہیں۔ امتِ مسلمہ کے لئے یہ ایک سخت ترین امتحان کا وقت تھا کہ جو چیزیں آج تک ان کی جزو زندگی اور مایۂ شرافت و اعزاز تھی آج انکو سخت ترین حرام قرار دے دیا گیا یہ وقت بھی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایک طرف دینِ فطرت کے قانون میں انسانی جذبات و عادات کی رعایت جس طرح قابلِ شکر و امتنان تھی۔ اسی طرح نزولِ حرمت کے بعد امت مسلمہ کا جذبۂ فرمانبرداری و اطاعت شعاری بھی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

سورہ مائدہ کی آیت مذکورہ نازل ہونے پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک منادی بھیج دیا جو مدینہ کی گلیوں میں یہ اعلان کر دے۔

الا ان الخمر قد حرمت۔ خبردار کہ شراب حرام کر دی گئی

منادی کی آواز تھی یا کوئی بجلی کی رو جس نے طبائع اور جذبات کو یکسر بدل ڈالا شراب

تاریخ تالیف ـــــــــ دوشنبہ ۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ

مدت تالیف ـــــــــ پانچ گھنٹے متفرق اوقات میں

مقام تالیف ـــــــــ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

طبع اوّل ـــــــــ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

از دارالاشاعت دیوبند

"کہا جاتا ہے کہ غیر عرب مسلمانوں کے سامنے جمعہ کا خطبہ عربی میں کیوں دیا جاتا ہے ؟ ہر ملک کی اپنی مادری زبان میں کیوں نہیں ؟ یہ سوال دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بھی آیا تھا۔ یہ رسالہ اسی کا مفصل جواب ہے جس پر حضرت تھانوی ؒ نے نظر ثانی فرما کر اس کی تصدیق فرمائی۔"

جو آپ سے چند منٹ پہلے عرب کی محبوب ترین چیز اور جزو زندگی تھی اس آواز کے سنتے ہی جس کے ہاتھ میں جام تھا اس نے جام کو زمین پر پٹک دیا جس کے منہ سے لگا ہوا تھا کلی کر دی۔ گھر گھر سے جام و سبو کے توڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کے بعد رو کا پانی۔

جلیل القدر صحابی حضرت انس ابن مالکؓ کا بیان ہے کہ اس وقت ابو طلحہ کے مکان میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی جن میں ابو عبیدہ بن الجراح ابو دجانہ۔ معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضا جیسے اکابر شامل تھے میں اس جماعت میں ساقی بنا ہوا ان کو شراب پلا رہا تھا کہ یکایک منادی کی آواز میرے کان میں پڑی اور دوسرے حضرات نے بھی سنی۔

ہم میں سے کسی نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ باہر نکل کر معاملہ کی مزید تحقیق کریں۔ بلکہ جام شراب اتھوں سے پھینک دیئے مٹکے اور صراحیاں توڑ کر ساری شراب نالیوں کے راستے بہادی گئی اور ہم سب وضو اور غسل کر کے مسجد کی طرف چلے وہاں دیکھا کہ رسول کریم صلعم آیات مذکورہ تلاوت فرمارہے تھے (ابن کثیر ص ۹۴ ج ۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ایک جماعت کے ساتھ پینے اور پلانے میں مشغول تھے۔ منادی کی آواز کان میں پڑنا تھا کہ جس کے ہاتھ میں جام شراب تھا ہاتھ سے پھینک دیا اور جس کے منہ کو لگا ہوا تھا اس نے فوراً اسی جام میں کلی کر دی جو بڑے برتنوں میں تھی سب کو پھینک دیا گیا (ابن کثیر ص ۹۵ ج ۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی کا کاروبار یہی تھا کہ خیبر سے شراب لاتے اور مدینہ میں فروخت کرتے تھے اتفاقاً نزول حرمت کے وقت خیبر شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ کافی مقدار شراب کی مشکیزوں میں لئے ہوئے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے کہ کوئی صحابی راستہ میں مل گئے اور یہ خبر سنادی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ شراب لانے والے یہ بزرگ جس جگہ تک پہنچے تھے وہیں کھڑے رہ گئے اور اس کو گوارا نہ فرمایا کہ حرمت کی خبر سننے کے بعد شراب کے مشکیزوں کو لیکر ایک قدم بھی آگے بڑھائیں بلکہ وہیں ایک ٹیلہ پر یہ سب مشکیزے رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ولاسیما علیٰ
سیدنا ومولانا محمد المجتبیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ

امّا بعد

# استفتاء

شریعتِ مطہرہ کا اس بارہ میں کیا حکم ہے کہ خطبہ جمعہ عربی کے سوا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر خطبہ عربی زبان میں پڑھ کر ترجمہ اردو وغیرہ میں کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اگر دونوں صورتیں ناجائز ہوں تو اس مسئلہ کا مفصل جواب عنایت فرمایا جائے کہ جب خطبہ کا مقصود وعظ ہے تو عربی زبان سے ناواقف لوگوں کے سامنے عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ۔

# الجواب

چونکہ مسئلہ عامۃ الورود اور کثیر الوقوع ہے اس لئے جواب کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔ پہلے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ خطبہ جو نماز جمعہ کے لئے ایسا لازم کر دیا گیا ہے کہ اوس کے بغیر نماز جمعہ ہی ادا نہیں ہوتی اور جس طرح نماز جمعہ ظہر کے وقت سے پہلے درست نہیں اسی طرح خطبہ بھی اگر زوال سے پہلے پڑھ لیا جائے تو شرعاً معتبر نہیں۔ اوس کا اعادہ ضروری ہے (کما ھو مصرح فی عامۃ کتب الفقہ) اس خطبہ کی شرعی غرض اور اس سے اصلی مقصود کیا ہے تاکہ آگے یہ فیصلہ کرنا سہل ہو جائے کہ وہ کس زبان میں ہونا چاہیے اور اگر عربی میں پڑھیں تو اوس کا ترجمہ ملکی زبان میں کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خطبہ کے لئے کچھ تو ارکان و فرائض ہیں جن پر خطبہ کی صحت و عدم صحت کا مدار ہے اور کچھ آداب و سنن ہیں جو اوس کے مکملات میں سے ہیں۔

ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کیا صحیح ہے! آپ نے تصدیق فرمائی پھر عرض کیا کہ کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں نے جس سے خریدا ہے اُسی کو واپس کر دوں۔ فرمایا نہیں اب اس کا واپس کرنا بھی آپ کے لئے جائز نہیں۔ عرض کیا کہ میں یہ کسی غیر مسلم کو ہدیہ دیدوں جس کے مجھ پر احسان ہیں۔ ارشاد ہوا کہ (یہ بھی) نہیں۔ پھر عرض کیا کہ اس مال میں چند یتیموں کا مال بھی شامل تھا جو میری سرپرستی میں ہیں اس کا کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ جب ہمارے پاس بحرین کا مال (سرکاری خزانہ) آئے اس وقت آجانا یتیموں کے حق کا معاوضہ بیت المال سے دے دیا جائے گا (یہ بزرگ خدمت اقدس سے واپس ہوئے) اور اسی ٹیلے پر مشکیزوں کے دہانے کھول دیے جس کے نیچے شراب اس طرح بہنے لگی جیسے بارش کا پانی (تفسیر ابن کثیر ص ۹۶ ج ۲)

یہ موقع حرمت شراب کی روایات و واقعات جمع کرنے کا نہیں۔ مگر چونکہ شراب کی حرمت میسر و قمار کے ساتھ ساتھ نازل ہوئی اس لئے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کے جذبۂ اطاعت شعاری کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے یہ روایات قلم پر آگئیں۔

انھیں روایات سے اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان مقبولانِ الٰہی کا شراب جیسی چیز کے بارے میں یہ حال ہے جس کا ایک وقت چھوڑنا بھاری تھا تو میسر و قمار سے ان حضرات کے اجتناب و پرہیز کا کیا حال ہوا ہوگا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جن امور میں قمار کا شبہ بھی ہوتا تو صحابۂ کرام اس کے پاس نہ جاتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قال لصاحبہ تعالی اقامرك فلیتصدق۔ اگر کسی شخص نے کسی سے محض زبان سے بھی کہہ دیا کہ آؤ جوا کھیلیں (خواہ عمل نہ کیا ہو) تو وہ بھی ایک گناہ کا مرتکب ہو گیا۔ اس کو چاہیے کہ اس گناہ کی تلافی کے لئے صدقہ کرے۔

**تنبیہ** افسوس ہے کہ شراب اور قمار جن کی حرمت قرآن کریم میں اس قدر تاکید سے آئی اور حدیث میں محض زبان سے کہہ دینے کو بھی جرم قرار دیا گیا آج

# خطبہ کے ارکان اور آداب

فرض صرف دو ہیں۔ ایک وقت جمعہ، دوسرا مطلق ذکر اللہ۔ خواہ کسی لفظ سے ہو۔ پھر امام صاحبؒ کے مذہب پر طویل ہو یا مختصر اور صاحبین کے مذہب پر ذکر طویل جس کو عرفاً خطبہ کہا جاسکے شرط ہے کذا فی الہدایہ والفتح والبحر۔

اور آداب و سنن پندرہ ہیں :۔

ایکؔ طہارت اسی لئے بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے

دوسرےؔ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا اس کے خلاف مکروہ ہے۔

تیسرےؔ قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھنا۔

چوتھےؔ خطبہ سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ پڑھنا (علی قول ابی یوسفؒ)

پانچویںؔ خطبہ کا لوگوں کو سنانا اس لئے اگر آہستہ پڑھ دیا تو اگرچہ فرض ادا ہو گیا مگر کراہت رہی۔

چھٹے یہ کہ خطبہ مختصر پڑھنا جو دس چیزوں پر مشتمل ہو۔

(۱) حمد سے شروع کرنا (۲) اللہ تعالیٰ کی ثنا کرنا (۳) کلمہ شہادتین پڑھنا (۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا (۵) وعظ و نصیحت کرنا (۶) کوئی آیت قرآن مجید کی پڑھنا (۷) دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا (۸) دوسرے خطبہ میں دوبارہ الحمد اور ثنا اور درود پڑھنا (۹) تمام مسلمان مرد و عورت کے لئے دعا مانگنا (۱۰) دونوں خطبوں کو مختصر کرنا جس کی انتہا یہ ہے کہ طوال مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو

اس طرح پر یہ پندرہ سنتیں خطبہ کے لئے ہو گئیں جن کے خلاف کرنا مکروہ ہے مگر خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور نماز جمعہ صحیح ہو جاتی ہے (بحر)

اسی کے ساتھ ایک سولھویں سنت اور ہے جو انھیں دلائل سے ثابت ہے جن سے مذکورالصدر پندرہ سنتیں ثابت ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل اور مواظبت

کے مسلمان اس سے اتنے غافل ہیں کہ گویا قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت ہی نہیں ہے۔ یا معاذ اللہ ان کا قرآن وحدیث پر ایمان ہی نہیں۔ اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اس میں بہت سے وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو نماز روزہ کے اعتبار سے دیندار سمجھے جاتے ہیں ان کی واقفیت اور اطلاع کے لئے قمار کی وہ صورتیں بھی لکھی جاتی ہیں جو آج کل عموماً رائج ہیں۔

## قمار کی مروّجہ صورتیں

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

الشطرنج من المیسر (رواہ ابن ابی حاتم)

شطرنج بھی قمار میں داخل ہے۔

عل شئ من القمار فهو من المیسر حتی لعب الصبیان بالجوز (ابن کثیر ص ۲۹۱ ج ۲)

ہر چیز جو قمار میں داخل ہے وہ میسر ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ بچے جو اخروٹ وغیرہ سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں وہ بھی قمار ہے۔

اور حضرت راشد بن سعد اور حمزہ بن حبیب کا قول بھی یہی ہے کہ بچے جو کوڑیوں سے یا اخروٹ اور بیضوں سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں یہ بھی قمار میں داخل ہے۔

قمار کی مذکورۃ الصدر تعریف اور حضرات صحابہ وتابعین کی توجیہ سے ثابت ہوا کہ ہمارے زمانہ کے مندرجہ ذیل کھیل بھی قمار میں داخل ہیں اور قرآن کریم کی وعید شدید ان پر عائد ہوتی ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے اعمال کا جائزہ لے کر ان سے بچنے اور بچانے کی فکر کریں۔

**گھوڑ دوڑ** موجودہ زمانہ کی ریس (گھوڑ دوڑ)[1] گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگانا اور اس کے لئے فیس جمع کرنا کیونکہ یہ وہی نفع ونقصان دائر مبہم قمار کی صورت ہے جس میں کوئی شخص اپنی جمع کردہ فیس بھی ہار دیتا ہے اور کوئی شخص بڑی رقم حاصل کرلیتا ہے۔

[1] گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز قسمیں اور ان کے مفصل احکام اس رسالہ کے آخر میں دیکھئے ۱۲ محمد شفیع

کہ اسی سے اکثر سنن مذکورہ ثابت ہوئی ہیں اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہو غیر عربی میں نہ ہو۔ کیونکہ نہ تمام عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہوا اور نہ آپ کے بعد صحابہ کرام سے کبھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنا ثابت ہوا حالانکہ اُن میں بہت سے حضرات عجمی زبانوں سے واقف تھے اور بیان مذکور پر مندرجہ ذیل عبارات شاہد ہیں۔ امر اوّل کے دلائل کہ خطبہ جمعہ کی اصل حقیقت اور رکن صرف ذکر اللہ ہے یہ ہیں :-

# خطبہ کی اصل حقیقت ذکر ہے وعظ و تذکیر اس کا رکن نہیں

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ قلت و قد صرح عامۃ المفسرین بان المراد من الذکر الخطبۃ ویؤیدہ ما رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضؓ فی حدیث طویل فاذا خرج الامام حضرت الملائکۃ یستمعون الذکر (از تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۲ ج ۱) قال ابن کثیر ای ترکتم البیع واقبلتم الی ذکر اللہ والی الصلوٰۃ وفی مبسوط السرخسی رحمہ اللہ ولنا ان الخطبۃ ذکر والمحدث والجنب لا یمنعان من ذکر اللہ مبسوط ص ۲۶ ج ۲ ثم قال بعد ذلک ولان المنصوص

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اذان جمعہ دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چلو۔ عام مفسرین نے اس آیت کے تحت میں تصریح فرمائی ہے کہ ذکر سے آیت میں خطبہ جمعہ مراد ہے۔ اور بخاری و مسلم کی روایت اس کی تائید کرتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں مروی ہے الفاظ اس کے یہ ہیں (میں) جبکہ امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو ملائکہ ذکر سننے کے لئے اندر آجاتے ہیں (تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۲ ج ۱) نیز ابن کثیر کہتے ہیں یعنی تجارت بیع کو چھوڑ دینا اور ذکر اللہ اور نماز کی طرف متوجہ ہونا اور مبسوط امام سرخسی میں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور بے وضو اور غسل کی حاجت والا ذکر اللہ سے ممنوع نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ منصوص علیہ قرآن میں ذکر

موجودہ زمانہ میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے جس کی سینکڑوں صورتیں بازاروں اور کارخانوں میں رائج ہیں جن میں سے چند مشہور و معروف اقسام کے احکام لکھے جاتے ہیں۔

## اخباری معمے

آج کل وبا کی طرح قمار کی یہ صورت عام ہوگئی ہے جو حل معمہ کے عنوان سے بہت سے اخباروں اور ماہوار رسالوں کا بڑا کاروبار بنا ہوا ہے۔ معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً ایک روپیہ فیس کا بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان میں سے انعام اس شخص کو دیا جائے گا جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعہ نکل آئے۔ اس میں بعض لوگ بڑے بڑے انعامات بھی مقرر کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام غریب طبقہ کے لوگ بھی یہ سمجھ کر کہ فیس معمولی ہے ایک روپیہ ضائع ہی ہوگیا تو کوئی بڑا نقصان نہیں اور اگر کہیں نام نکل آیا تو ۲ لاکھ ہو جائیں گے۔ اس طمع میں قوم کے ہزاروں لاکھوں افراد معموں کے حل اور ان کے ساتھ ایک ایک روپیہ بھیج دیتے ہیں۔ کھلا ہوا قمار (جوا) ہے کہ ایک شخص اپنا فیس کا ایک روپیہ اس موہوم طریق پر ڈالتا ہے کہ یا تو یہ روپیہ بھی ضائع ہوگیا اور یا ہزاروں روپیہ لے کر آیا اسی کا نام شرع اسلام میں جوا یا قمار ہے۔ بعض رسالوں میں یہ کاروبار کروڑوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس میں اگر وہ کوئی اور بے ایمانی بھی نہ کریں بلکہ وعدہ کے مطابق انعامات تقسیم کر دیں تب بھی اس کاروبار والوں کو لاکھوں کروڑوں کی رقم بچ جاتی ہے جو لاکھوں غریبوں کے خون پسینہ کی کمائی ہوتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں ان کا خون چوس کر لکھ پتی کروڑ پتی بنتے چلے جائیں۔ قمار کے حرام اور ناجائز ہونے کی ایک یہی وجہ کافی ہے کیونکہ اسلام کے اقتصادی نظام میں اُصولی طور پر شدت کے ساتھ اس کا انسداد کیا گیا ہے کہ دولت عوام کے ہاتھوں سے سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں مقید ہو جائے۔

علیہ الذکر قال اللہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ وقد بینا ان الذکر بہا ای بالخطبۃ ثبت بالنص الذکر تحصل بقولہ الحمد للہ مبسوط مصری ص ۳۱ ج ۲۔ وقال الحلبی فی شرح المنیۃ الکبیر وقولہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ من غیر فصل بین کونہ ذکرا طویلا او قصیرا فالشرط الذکر الاعم بالقطع غیر ان الماثور عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار احد الفردین اعنی الذکر المسمی خطبۃ والمواظبہ علیہ فکان ذلک واجبا او سنۃ۔ (کبیری لاہوری ص ۵۴)

ہے۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ذکر با لخطبہ نص سے ثابت ہے اور ذکر لفظ الحمد للہ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے اور حلبی نے شرح منیہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاسعوا الی ذکر اللہ عام ہے کہ ذکر طویل ہو یا مختصر۔ پس شرط صلوٰۃ تتی ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے۔

ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر مطلق کی ایک فرد یعنی ایسا ذکر طویل جس کو خطبہ کہتے ہیں اختیار کرنا اور اس پر دوام فرمانا حدیث میں منقول ہے اس لئے ایسے ذکر طویل کو واجب یا سنت کہیں گے فرض نہیں۔

(بلکہ فرض تو مطلق ذکر سے ادا ہو جاتا ہے)۔

## خطبہ جمعہ غیر عربی میں جائز نہیں

امر دوم یعنی سنن اور آداب خطبہ کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے تعامل سے جس کی بناء پر فقہاء نے ان آداب کی تصریح فرمائی ہے عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب سادس ص ۱۴۰ ج ۱ مصری اور بحر الرائق ص ۱۵۹ ج ۲ میں ان کو مفصل لکھا ہے عبارت بحر کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

اما الخطبۃ فتشتمل علی فرض وسنۃ فاما الفرض فشیئان الوقت وذکر اللہ تعالیٰ واما سننہا فخمسۃ عشر ثم شرحہا

خطبہ دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک فرض دوسرا سنت۔ فرض تو صرف دو چیزیں ہیں ایک وقت جمعہ دوسرے ذکر اللہ تعالیٰ اور سنتیں پندرہ ہیں۔ اس کے بعد وہ پندرہ سنتیں بیا

معمہ بازی کا مروجہ قمار اس وجہ سے اور بھی زیادہ سخت اور ہزاروں گناہوں کا مجموعہ ہوجاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی ورزی کے لئے ڈنکے کی چوٹ تمام عوام کو دعوت دی جاتی ہے ہر ایک آدمی جو اس میں حصہ لیتا ہے قرآن کے کھلے ہوئے حکم کی خلاف ورزی کرکے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کاروبار کے چلانے والوں پر ان سب کے گناہوں کا وبال عائد ہوتا ہے اور جو لوگ اس کاروبار کی کسی درجہ میں اعانت کرتے ہیں وہ بھی شریک گناہ ہوتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت لاکھوں کروڑوں مسلمان علانیہ طور پر اللہ ورسول کے صریح حکم کے خلاف ایک حرام قطعی کے مرتکب ہوجاتے ہیں اور اس میں ہزاروں لاکھوں دیندار مسلمان بھی مبتلا ہوجاتے ہیں اور پھر اس کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وبال سے سب کو نجات عطا فرمائیں۔

**مختلف مالیت کے بند ڈبوں کی خرید وفروخت**

بازاروں اور نمائشوں میں بند ڈبے فروخت کئے جاتے ہیں کسی میں ایک پیسہ کا مال بھی نہیں ہوتا اور کسی میں زیادہ مال ہوتا ہے لوگ اس کو قسمت آزمائی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں یہ بھی کھلا ہوا قمار وحرام ہے۔

**بچوں کے مختلف کھیل**

بعض شہروں میں بچے بادام۔ اخروٹ یا کانچ کی گولیوں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔ بعض شہروں میں کنکوے اڑا کر پیسوں کی ہار جیت کا کھیل کھیلا جاتا ہے دیہات میں لکڑی کی گیڈیوں یا سرکنڈے کے پوروں سے ہار جیت کھیلی جاتی ہے یہ بھی قمار ہے۔

**سٹہ**

سٹہ کا سارا کاروبار سٹہ ہی ہے اور بنص قرآن حرام ہے اس کے کاروبار میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔

**پتنگ بازی اور کبوتر بازی**

بعض لوگ پتنگ بازی اور کبوتر بازی پر روپیہ کی ہار جیت کھیلتے ہیں۔ یہ کھیل خود بھی ناجائز ہیں اور ان میں روپیہ پیسہ کی ہار جیت دوسرا مستقل گناہ اور حرام صریح ہے۔

مفصلاً کما ذکرنا بیان کیں جو اوپر مذکور ہو چکیں۔

پندرہ سنتوں کی تصریح کتب مذکورہ کی عبارتوں میں ہے اور سولھویں سنت یعنی خاص عربی میں ہونا حضرت امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ اور امام نووی و رافعی وغیرہم نے اوسی دلیل سے ثابت کیا ہے جس سے پندرہ سنتیں ثابت ہیں یعنی عمل اور مواظبۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر صحابہ کرام کی باوجودیکہ جس طرح آج تبلیغ احکام اور اون کی تعمیم و اشاعت کی حاجت ہے اوس وقت اس سے زیادہ تھی کیوں کہ اب تو کتب و رسائل ہر قوم کی زبان میں ہزارہا موجود ہیں اور اوس وقت سلسلہ تصنیف بالکل نہ تھا نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہمیشہ اہل عرب ہی ہوں بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ روم و فارس اور مختلف بلاد عجم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس خطبہ میں شریک ہوتے تھے اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضور صلعم بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر مقصود خطبہ وعظ و تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہے کہ تمام اقوام عالم عرب و عجم کے لئے عام ہے تو عجمیوں کی رعایت سے ایسا کیا جا سکتا تھا کہ کسی صحابی کو حکم فرما دیتے تو خطبہ کے بعد ہی اوس کا ترجمہ عجم کی زبان میں سنا دیتے جیسا کہ بعض وفود وغیرہ سے مکالمہ کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا۔

لیکن تمام عمر نبوی میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مروی نہیں۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک سیل رواں کی صورت میں بلادِ عجم میں داخل ہوئے اور دنیا کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچا دیا اور شعائر اسلام نماز اور جمعہ و اعیاد قائم نہیں کر دیے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالفاظہا مذکور و مدون ہیں ان میں کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں داخل ہونے کے بعد اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا حالانکہ وہ ابتداءِ فتح اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ جب کہ تمام لوگ تبلیغ احکام کے لئے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔

یہاں یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اون کو عجمی زبان کی واقفیت نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابہ کرام کے متعلق اون کی سوانح و تذکروں میں تصریح ہے کہ وہ فارسی یا رومی یا حبشی

**انشورنس یا بیمہ** بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اس کی مروجہ صورتیں جتنی ہماری نظر سے گزری ہیں سود اور قمار سے خالی نہیں اس لئے وہ سب حرام ہیں۔ اختیاری حالات میں اس میں مبتلا ہونا گناہ عظیم ہے اس مسئلہ کی تفصیل علٰحدہ رسالہ بیمہ زندگی میں لکھی گئی ہے اس میں ملاحظہ فرمائیں۔

**نمائشوں کے انعامی ٹکٹ** چند سال سے کراچی لاہور وغیرہ میں دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف قسم کی نمائشوں کے اندر داخلہ کا ٹکٹ ہوتا ہے اور نمائش کے منتظمین یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس روپیہ کا ٹکٹ یک مشت خرید لے گا وہ اپنے اس ٹکٹ کے ذریعہ عام لوگوں کی طرح نمائش میں بھی داخل ہو سکے گا اور ان ٹکٹوں پر بذریعہ قرعہ اندازی کچھ انعام مقرر ہوتے ہیں جس کا نمبر نکل آوے اس کو وہ انعام بھی ملتا ہے۔

یہ صورت صریح قمار سے تو نکل جاتی ہے کیونکہ ٹکٹ خریدنے والے کو اس ٹکٹ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے۔ لیکن اب مدار نیت پر رہ جاتا ہے جو شخص بوہوم انعام کی غرض سے یہ ٹکٹ خریدتا ہے وہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا اور انتہائے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا وہ قواعد کی رُو سے قمار کے حکم سے نکل گیا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

**نوٹ:۔** ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ میں خواجہ ناظم الدین صاحب سابق گورنر جنرل پاکستان نے ریس (گھوڑ دوڑ) کے متعلق ایک سوال بھیجا تھا جس کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا گیا مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اس رسالہ کا جزو بنا دیا جائے وہ بطور ضمیمہ ملحق کر دیا گیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

بندہ محمد شفیع یکم رمضان ۱۳۷۰ھ

فی اربع ساعات بلاہور

وغیرہ زبانیں جانتے اور ان میں بخوبی تقریر کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے۔ اسی طرح حضرت سلمان رضؓ تو خود فارس کے رہنے والے اور حضرت بلال رضؓ حبشہ کے اور حضرت صہیب رضؓ روم کے باشندے تھے اسی طرح بہت سے حضرات صحابہ ہیں جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔

اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا بوقتِ خطبہ ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں کر دیا جائے۔ یہ کیا اس وقت ممکن نہ تھا؟ جیسا کہ دوسری ملکی اور سیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمال حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک مستقل ترجمان انھیں ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا (رواہ البخاری فی الوفود) لیکن اس کے باوجود کبھی نہ حضرت ابن عباس سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عربی خطبہ کا ترجمہ ترجمان کے ذریعہ ملکی زبان میں کرایا ہو اور نہ کسی دوسرے صحابی سے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ خطبہ کے لئے سنت یہی ہے کہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے اور بوقت خطبہ کوئی ترجمہ وغیرہ بھی اس کا نہ کیا جائے۔ عباراتِ ذیل اس مقصد کی دلیل ہیں محدث الہند، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اپنی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم وھلم جرا فتنقحنا وجود اشیاء منہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقوی وتلاوۃ آیۃ والدعاء للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ (الی قولہ) واما کونہا عربیۃ فلاستمرار اھل المسلمین | اور جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں پر نظر ڈالی تو ان میں چند چیزوں کا ثبوت ملا جن میں سے حمد و ثنا اور کلمہ شہادت اور درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تقویٰ کا امر کرنا اور کسی آیت کا پڑھنا۔ اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا۔ اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا پھر فرمایا کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا اس لئے ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب |

# گھوڑدوڑ کے شرعی احکام

آج کل مسلمانوں کی معاشرت ۔ معاملات ۔ اخلاق اسلام سے جس قدر بیگانہ ہوگئے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ۔ سود، قمار، رشوت جو قرآن و حدیث کی بے شمار تصریحات سے باجماع امت حرام ہیں آج مسلمانوں کا کوئی بازار کوئی سوسائٹی کوئی گھران سے خالی نہ رہا۔ الا ماشاء اللہ۔

ان بلاؤں کا شکار ایک تو وہ طبقہ ہے جس کو حلال حرام اور شریعت کی موافقت مخالفت کی طرف کوئی التفات ہی نہیں ان کے سامنے تو ان کے احکام پیش کرنا ایک درجہ میں بے سود ہے ۔ لیکن ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو کچھ نہ کچھ اس کی فکر رکھتا ہے مگر ناواقفیت یا غفلت کی وجہ سے ان میں مبتلا ہے ایسے لوگوں کے لئے ضرورت ہے کہ ان کو صحیح احکام سے آگاہ کیا جائے ۔ انھیں مسائل میں سے آج کل ایک اہم مسئلہ ریس (گھوڑدوڑ) کا ہے جس میں ابتلا عام ہے شریعت اسلام کے عادلانہ اور معتدلانہ نظام میں نہ ہر کھیل سے مطلقاً روکا گیا ہے اور نہ اس کو غیر محدود وسعت دی گئی ہے بلکہ جن کھیلوں کے ذریعہ قوتِ جہاد اور قوتِ جسمانی پیدا ہوتی ہے ان کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن قرار دیا گیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کے استحسان کو ثابت فرمایا آپ نے خود گھوڑدوڑ کرائی ۔ پیادہ دوڑ پر انعام دیا ۔ تیر اندازی اور تیراکی سیکھنے کی ہدایت فرمائی ۔ حبشیوں کی نیزہ بازی کی مشق کو خود کھڑے ہو کر معائنہ فرمایا اور صدیقہ عائشہ رضی کو دکھلایا وغیرہ ۔ اس کے مقابل ایسے کھیل جن میں کوئی دینی و دنیاوی فائدہ نہیں یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں ان کو سختی سے منع فرمایا ۔ انھیں مضر صورتوں میں وہ کھیل ہیں جن میں قمار (جوا) ہو۔

گھوڑدوڑ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ایک مفید کھیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و عملاً اس کی اجازت دی ہے اور اس میں بازی لگانے اور بازی لے جانے والے کے لئے مشروط انعام و معاوضہ کی بھی خاص شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے لیکن افسوس ہے کہ آج کل اپنے گھر کے جواہرات چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر دریوزہ گری کو

فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون عجمیین وقال النووی فی کتاب الاذکار رحمہ اللہ تعالیٰ ویشترط کونہا ای خطبۃ الجمعۃ وغیرھا بالعربیۃ

ہمیشہ یہی عمل رہا ہے۔ باوجودیکہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے۔ اور امام نووی رحمۃ کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو۔

اور در مختار میں شروع فی الصلوٰۃ کے بیان میں لکھتے ہیں:

وعلیٰ ھذا الخلاف الخطبۃ و جمیع الاذکار

یعنی خطبہ اور تمام اذکار اوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز فرماتے ہیں اور صاحبین ناجائز (لیکن امام صاحب سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے)

اور ائمہ شوافع میں سے امام رافعیؒ فرماتے ہیں:

وھل یشترط کون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجہان الصحیح اشتراطہ فان لم یکن منھم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا و یجب علیھم التعلم والا عصوا ولا جمعۃ لھم (شرح احیاء العلوم للزبیدی ص ۲۲۶ ج ۳) منقول از تحقیق الخطبہ

اور کیا خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے اس میں دو وجہ ہیں صحیح یہ ہے کہ عربی میں ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی ایسا آدمی حاضرین میں نہ ہو جو عربی پڑھ سکے تو عربی کے سوا دوسری زبان میں خطبہ پڑھے۔ اور پھر ان پر واجب ہوگا کہ عربی سیکھیں ورنہ گناہ گار رہیں گے۔

یہاں تک کل تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ کا اصلی رکن اور مقصد صرف ذکر اللہ ہے تبلیغ یا وعظ و تذکیر اس کے فرائض اور مقاصد میں داخل نہیں اس مضمون کے لئے مندرجہ ذیل مؤیدات مزید شہادت کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:۔۔۔۔

(الف) خطبہ جمعہ کو باتفاق فقہاء شرائط جمعہ میں شمار کیا گیا ہے۔

نقل العلامۃ ابن الھمام فی فتح القدیر الاجماع علی اشتراط نفس الخطبۃ (من البحر ص ۱۰۸ ج ۲)

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نفس خطبہ کے اشتراط پر اجماع نقل کیا ہے۔

+ + + +

اگر خطبہ کا مقصد وعظ و تبلیغ ہی تھا تو جمعہ کے شرائط میں داخل کرنے کے کوئی معنی

کو مایۂ ناز سمجھنے لگے اور صورت وسیرت تمدن ومعاشرت سب میں غیروں کی نقالی پر فخر محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عام کھیلوں میں بھی غیروں کی نقالی ہی رہ گئی۔ ان نقالی میں کوئی دوسری مضرت نہ ہوتی جب بھی ایک غیرت مند قوم کے لئے شایان نہ تھا، خصوصاً جب کہ غیر مسلموں نے قمار جیسی حرام چیزوں کو ان میں شامل کر دیا تو مسلمانوں پر لازم ہو گیا کہ ان سے یکسر اجتناب کرے۔

ہماری گھوڑ دوڑ بھی اسی مشق ستم کا نشانہ بن گئی جو چیز ایک جہاد کی تیاری اور ذریعہ عبادت تھی وہ اب محض ایک قمار اور لہو ولعب بن کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہمارے محترم عزت مآب الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر جنرل پاکستان کو انھوں نے گھوڑ دوڑ کے متعلق علمائے اسلام سے استفسار کرنے کی ضرورت محسوس فرما کر بعض علمائے شام سے فتویٰ حاصل فرمایا پھر علماء پاکستان سے استفسار کیا اس سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا وہ ایک مفید مجموعہ ہو گیا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ عام فائدہ کے لئے اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے جس میں گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز قسمیں اور جائز قسم کے لئے ضروری شرائط کی تفصیل درج ہے۔ واللہ الموفق والمعین

بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی صورت کھیل تماشہ کی ہے مگر ان کے ذریعہ قوت جہاد صحت جسمانی وغیرہ کے اہم فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں ایسے کھیلوں کو شریعت اسلام نے نہ صرف جائز بلکہ خاص شرائط کے ساتھ ایک درجہ میں مستحسن سمجھا ہے اور ان میں بازی لگانے اور مسابقت کرنے کی بھی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس میں قمار کی صورت نہ ہو جس طرح ایسے کھیلوں سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے جن میں قمار بازی ہو یا جن کے سبب میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں۔

**گھوڑ دوڑ** حدیث میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ کرائی (جصاص ص ۲۸۵ ج ۱) اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا سبق الا فی خف او حافر او نصل۔ (جامع صغیر۔ مسند احمد عن ابی ہریرۃؓ) حدیث میں لفظ سبق وارد ہوا ہے جس کے

نہ تھے کہ ادائے جمعہ اس پر موقوف ہوجائے۔

(ب) خطبہ جمعہ کے لئے وقت ظہر ہونا شرط ہے۔

(کما فی عامۃ الکتب و لفظ البحر لانہ (یعنی وقت الظہر) شرط حتی لو خطب قبلہ وصلی فیہ (ای فی وقت الظہر) لم تصح

بحر الرائق کے الفاظ یہ ہیں کہ وقت ظہر خطبہ کے لئے شرط ہے یہاں تک کہ اگر قبل ظہر خطبہ پڑھ لیا اور نماز جمعہ وقت ظہر کے اندر پڑھی تو یہ خطبہ اور نماز دونوں صحیح نہ ہوئے۔

(بحر الرائق ص ۱۵۸ ج ۲)

اگر خطبہ کا مقصد ذکر محض نہ تھا بلکہ وعظ و تبلیغ مقصود تھی تو وقت ظہر کی کیا تخصیص ہے اگر زوال سے پہلے کوئی خطبہ پڑھ لے اور نماز بعد زوال پڑھے تو کیا مقصد وعظ ادا نہ ہوگا کہ فقہاء اس صورت میں جمعہ کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(ج) ادائے خطبہ کے لئے صرف پڑھ دینا کافی ہے کسی کا سننا ضروری نہیں اگر چند بہرے آدمیوں کے سامنے یا سوئے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھ دیا گیا اور پھر نماز جمعہ پڑھی تو خطبہ ادا ہوگیا اور نماز جمعہ صحیح ہوگئی۔

کما فی البحر و ان کانوا صمًّا او نیاما۔

بحر الرائق میں ہے کہ اگرچہ حاضرین خطبہ بہرے ہوں یا سوتے ہوں۔

اگر مقصود خطبہ وعظ و تذکیر تھا تو صورت مذکورہ کے جواز کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

(د) اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہوگیا اور نماز میں کوئی معتدبہ فصل ہوگیا تو قول مختار کے موافق خطبہ کا اعادہ کرنا ضروری ہے اگرچہ سننے والے دوبارہ بھی وہی لوگ ہوں گے جو پہلے سن چکے ہیں۔

کذا ذکرہ فی البحر عن الخلاصۃ ثم قال وقد صرح فی السراج الوھاج بلزوم الاستیناف و بطلان الخطبۃ وھذا ھو الظاھر (بحر ص ۱۵۹ ج ۲)

بحر میں بحوالہ خلاصہ مذکور ہے کہ سراج وہاج میں اس صورت میں بطلان خطبہ اور اس کی تجدید کے لازم ہونے کی تصریح ہے اور یہی ظاہر ہے۔

معنی اس معاوضہ یا انعام کے ہیں جو کسی بازی میں آگے بڑھنے والے کو دیا جاتا ہے (سراج منیر شرح الجامع الصغیر) اس لئے معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی مسابقت بازی میں معاوضہ یا انعام مقرر کرنا جائز نہیں بجز اونٹوں کی دوڑ یا گھوڑ دوڑ یا تیراندازی (نشانہ بازی) کے۔

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خاص صورتوں میں بازی مسابقت اور اس پر معاوضہ یا انعام مقرر کرنا صرف مذکورہ تین چیزوں میں جائز ہے اور بعض حضرات فقہاء نے پیادہ دوڑ میں بازی لگانے کو بھی مذکورہ تین قسموں کے ساتھ شامل کر کے چار قسمیں کر دی ہیں۔ کیونکہ پیادہ دوڑ بھی قوت جہاد کے اسباب میں سے ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ رض کی ایک حدیث اس کی مؤید ہے (شامی ص۲۵۵ ج ۵ کتاب الکراہیۃ)

پھر گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی اور اس پر معاوضہ یا انعام کی چند صورتیں ہیں جن میں سب تشریح قرآن و حدیث بعض جائز ہیں بعض ناجائز۔

# گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں

مندرجہ ذیل تمام صورتوں میں جواز کے لئے دو صورتیں لازمی ہیں اول یہ کہ اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو بلکہ قوت جہاد یا ورزش جسمانی ہو۔ دوسرے یہ کہ جو انعام مقرر کیا جائے وہ معلوم متعین ہو۔ مجہول یا غیر معین نہ ہو (شامی وغیرہ)

(۱) مشروط معاوضہ پر گھوڑ دوڑ کی جائز صورت ایک یہ ہے کہ فریقین جو اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں آپس میں کسی کو کسی سے کچھ لینا دینا نہ ہو۔ بلکہ حکومت وقت یا کسی تیسرے شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے کے لئے مقرر ہو۔ بدائع الصنائع میں ہے:

(فاما) اذا كان من جانب واحد بان يقول احدهما لصاحبه ان سبقتني فلك كذا وان سبقتك فلا شيء لي عليك فهو جائز لما بينا ان ذلك من باب التحريض على استعداد اسباب الجهاد خصوصا من السلطان (بدائع ص۲۰۶ ج۶ وشامی ص۲۵۴ ج۵)۔

اگر وعظ و پند ہی خطبہ کا مقصد ہوتا تو اس اعادہ سے کیا فائدہ متصور ہے۔

(۵) بہت سے فقہاءؒ نے خطبہ جمعہ کو دو رکعتوں کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

ذکرہ فی البحر الرائق وفی البدائع — اس کو بحر میں ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ بدائع میں

ثم هی وان کانت قائمة مقام — ہے کہ خطبہ (اگرچہ) دو رکعتوں کا قائم مقام ہے

الرکعتین (ص ۱۰۴ ج ۲) الخ (بحر)

(۶) خطبہ جمعہ کے لئے جو پندرہ سنتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں وہ بھی یہی بتلاتی ہیں کہ خطبہ کا اصلی مقصد ذکر اللہ ہے وعظ و تبلیغ اوس کے مقاصد اصلیہ میں داخل نہیں ورنہ ان آداب و سنن کا وعظ و تذکیر سے کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ امور مذکورہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصد اصلی شریعت کی نظر میں صرف ذکر اللہ ہے وعظ و تذکیر اوس کی حقیقت و مقصد کا جزو نہیں البتہ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خطبہ میں کلمات وعظ و تذکیر کا ہونا سنت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ اون تمام کلمات کا خاص عربی زبان میں ہونا سنت ہے تو جس طرح وعظ و تذکیر وغیرہ کے کلمات کا خطبہ میں چھوڑ دینا خلاف سنت ہوا اسی طرح غیر عربی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر اوس کا ترجمہ سنانا خلاف سنت اور مکروہ ٹھہرا۔

**اس شبہ کا جواب کہ جب مخاطب سمجھتے نہیں تو پھر خطبہ عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ**

اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصود اصلی صرف وعظ و تذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے اور ایک جماعت فقہاء کی اسی وجہ سے اس کو دو رکعتوں کا قائم مقام کہتی ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہو گیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے ہی نہیں تو عربی میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اگر یہ سوال خطبہ پر عائد ہوگا تو پھر صرف خطبہ پر نہ رہے گا بلکہ نماز اور قراءۃ قرآن اور اذان و اقامت اور تکبیراتِ نماز وغیرہ سب پر یہی سوال عائد ہو جائے گا بلکہ قرأت قرآن پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوتا ہے

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ آگے بڑھنے والے کے لئے معاوضہ یا انعام فریقین ہی میں سے ہو مگر صرف ایک طرف سے ہو دو طرفہ شرط نہ ہو۔ مثلاً زید و عمر گھوڑوں کی دوڑ میں بازی لگا رہے ہیں۔ زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا دوسری طرف سے یہ نہ ہو کہ اگر زید بڑھ گیا تو عمر ایک ہزار دے گا دو طرفہ شرط کی صورت قمار حرام ہے۔

(۳) فریقین میں دو طرفہ شرط بھی حنفیہ کے نزدیک ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑے سوار کو مثلاً خالد کو اپنے ساتھ شریک کریں پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) شرط کی صورت یہ ٹھہرے کہ زید آگے بڑھے تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے اور عمر آگے بڑھے تو زید اتنی ہی رقم اس کو ادا کرے اور اگر خالد بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں۔

(ب) شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید و عمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں اور زید و عمر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں لیکن زید و عمر میں باہم جو آگے بڑھے دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم ہے۔

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے اس کو حدیث کی اصطلاح میں محلل کہا گیا ہے اور دونوں صورتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ تیسرے آدمی کا [illegible] نفع و ضرر میں دائر نہیں بلکہ ایک صورت میں اس کا نفع متعین ہے دوسری میں کچھ نقصان نہیں۔

شرط (ج) تیسرا [illegible] کے لئے سب سے [illegible] حدیث میں [illegible] شرط ہے کہ یہ تیسرا گھوڑا زید و عمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو جس کی وجہ سے اس کے آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ زید یا عمر کا یا دونوں کا [illegible] ان کا پیچھے رہنا عادۃً یقینی ہو یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی [illegible]

کیونکہ قرآن مجید کی غرض وغایت تو اوّل سے آخر تک ہدایت ہی ہدایت ہے اور وہ تبلیغ احکامِ الٰہیہ ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان واقامت اور تکبیرات جن کا مقصد محض لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے یہاں بھی یہ سوال بہ نسبت خطبہ کے زیادہ وضاحت کے ساتھ عائد ہوگا کہ حی علی الصلوٰۃ ۔ حی علی الصلوٰۃ کون جانتا ہے ۔ نماز کو چلو ۔ نماز کو چلو کی آواز دینی چاہیئے یا کم از کم ترجمہ کر دینا چاہیئے ۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان تو کلمات مقررہ میں ایک اصطلاح سی ہو گئی ہے باوجود معانی نہ سمجھنے کے بھی مقصد اعلان حاصل ہے تو صحیح نہیں کیونکہ نفس اعلان اور اصطلاح کے لئے تو چند کلمات تکبیر و شہادتین بھی کافی تھے اون سے اعلان کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سرے سے باقی الفاظ کا کہنا ہی فضول ہوگا ۔

لیکن غالباً کوئی سمجھ دار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نماز مع قرارت و تکبیرات کے اور اسی طرح تمام شعائرِ اسلامیہ اذان واقامت وغیرہ کو اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھا جایا کرے ۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغِ احکام ہی ہے لیکن نماز میں اوس کے پڑھنے کی غرض اصلی یہ نہیں بلکہ وہاں صرف ادائے عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قرارۃ قرآن کی جاتی ہے تبلیغ و وعظ مقصود نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہو جائے تو وہ ضمناً ہے ۔

ٹھیک اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھنا چاہیئے کہ اوس کا مقصد اصلی ذکر و عبادت ہے اور وعظ و پند جو اوس میں ہے تبعاً ہی حاصل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لئے قراۃ قرآن اور تکبیرات و اذان وغیرہ کی طرح خطبہ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہیئے دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلاف سنت بلکہ بدعت و ناجائز ہے اور نماز تو اس طرح ادا ہی نہ ہوگی ۔

یہاں تک اصل مسئلہ کا جواب تو صاف ہو گیا کہ خطبہ جمعہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر دوسری زبان میں اوسی وقت ترجمہ کرنا بدعت و ناجائز ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام کے عمل اور قرون مشہود لہا بالخیر کے

سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو۔ حدیث میں ہے۔

من ادخل فرسا بین فرسین وھو لا یأمن ان یسبق فلا بأس بہ

و من ادخل فرسا بین فرسین وھو آمن ان یسبق فھو قمار (ابوداؤد

و مسند احمد)

بدائع الصنائع میں شرائط جواز بیان کرتے ہوئے مذکورہ صورت پوری تفصیل لکھی ہے (بدائع الصنائع ص ۲۰۶ ج ۶ نیز عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ باب اور شامی ص ۲۵۴ ج ۵ میں بھی یہ سب تفصیل موجود ہے۔

# گھوڑدوڑ کی ناجائز صورتیں

۱۔ گھوڑدوڑ وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی جمع کے لئے ہو اور استعداد قوت جہاد کی نیت نہ ہو۔ شامی

۲۔ معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دو طرفہ ہو اور کسی تیسرے کو اپنے ساتھ بتفصیل مذکورہ بالا نہ ملایا جائے تو یہ قمار اور حرام ہے۔ (بدائع، شامی، عالمگیری)

۳۔ ریس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی کی طرف سے ہوتی ہے۔ گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار اس کمپنی کے ملازم اور دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگاتے ہیں جس کی فیس ان کو دینا پڑتی ہے۔ جس نمبر کا گھوڑا آگے بڑھ جائے اس پر داؤ لگانے والے کو انعامی رقم ملتی ہے۔ باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے

یہ صورت مطلقاً قمار حرام ہے۔ اول تو اس ریس کو قوت جہاد پیدا کرنے سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ کام ہے۔ ثانیاً جو صورت معاوضہ رکھی گئی ہے کہ ایک شق میں داؤ لگانے والے کو انعامی رقم ملتی ہے اور دوسری شق میں اس کو اپنی دی ہوئی فیس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے یہ عین قمار ہے جو نص قرآن حرام ہے۔

تعامل کے خلاف ہے اور اول عربی میں پڑھ کر پھر ملکی زبان میں ترجمہ کرنے میں ایک دوسری قباحت بھی ہے وہ یہ کہ اوپر گذر چکا ہے کہ خطبہ کا مختصر ہونا اور اختصار کے ساتھ دس امور مذکورہ پر مشتمل ہونا سنت ہے اب اگر اس طرح کا خطبہ مسنونہ عربی میں پڑھنے کے بعد ترجمہ کیا جائے گا تو مجموعی مقدار خطبہ کی خطبہ مسنونہ کے دوگنے سے بھی کچھ زیادہ ہو جاوے گی اور اگر امور مذکورہ مسنونہ میں سے کسی کو کم کیا تو دوسری طرح خلاف سنت ہو جائے گا بہرحال ترجمہ اردو پڑھنے میں یا تو تطویل خطبہ لازم آئے گی جو بنص حدیث ممنوع ہے۔ مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرن صحابہ کے خصوصی فضائل میں اختصار خطبہ کو اور آخر امت کے فتن و مفاسد میں تطویل خطبہ کو شمار فرماتے ہیں مؤطا مجتبائی ص ۱۶۱ اور اگر تطویل نہ ہوگی تو خطبہ کے امور مسنونہ میں سے کوئی چیز ضرور باقی رہے گی اور اس طرح خلاف سنت ہو جائے گا۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے جو اگرچہ شرعی حیثیت سے کوئی قابل التفات سوال نہیں لیکن موجودہ حالات کے لحاظ سے وہ کس قدر اہم ہوگیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب خطبہ کا مقصد اصلی وعظ و پند نہیں بلکہ ذکر و عبادت ہے تو امام کو چاہئے تھا کہ نماز کی طرح مستقبل قبلہ ہو کر خطبہ دیتا قوم کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بلکہ قوم کی طرف متوجہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ خطبہ کی اصلی غرض وعظ و نصیحت ہے۔ نیز جب کہ اس ذکر کا خاص عربی میں رکھنا مسنون ہے تو اوس میں وعظ و پند کے کلمات اور مخاطبات کا رکھنا اکثر بلاد کے اعتبار سے بے فائدہ ہوگیا۔ پھر خطبہ میں وعظ و تذکیر کے کلمات کا تمام بلاد عجم میں مسنون ہونا کس حکمت پر مبنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ احکام الٰہیہ اور تشریعات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں کو تو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں لیکن سرسری نظر میں جو بات سامنے ہے وہ بھی ایک عظیم الشان حکمت پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

زبان کا اثر معاشرت اور اخلاق اور عقل و دین پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ | اس کے سمجھنے کے لئے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ روزمرہ کے تجربہ اور عقلاء کی تصریحات

مروجہ ریس کی جو صورت معلوم و معروف تھی اس کا حکم لکھا گیا ہے اگر اس میں کچھ مزید تفصیلات ہوں تو وہ تفصیلات لکھ کر ان کے متعلق دوبارہ سوال کیا جا سکتا ہے۔

## تنبیہ

جو احکام اور جائز و ناجائز کی تفصیل گھوڑوں کی دوڑ میں لکھی گئی ہے یہی حکم اونٹوں کی دوڑ اور پیادہ دوڑ اور نشانہ میں بازی لگانے کا ہے (کما مر من الحدیث)

## دوسرے کھیلوں میں بازی لگانے کے احکام

مذکورۃ الصدر اقسام چہارگانہ یعنی گھوڑ دوڑ۔ اونٹوں کی دوڑ۔ پیادہ دوڑ۔ نشانہ بازی کے علاوہ دوسرے کھیلوں میں کچھ تفصیل ہے۔

## مفید کھیل

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انہیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے۔ محض لہو و لعب کی نیت نہ ہو۔ لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوت جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح معمہ بازی۔ شعر بازی۔ تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں۔ بلکہ قمار حرام ہے۔

ولا یجوز الاستباق فی غیر ہذہ الاربعۃ کالبغل بالجعل واما بلا جعل فیجوز فی کل شیئ وقال بعد ذلک لان جواز الجعل فیما مر انما ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس۔ فیجوز ما عدا ابدون الجعل وفی القہستانی من الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیۃ یجوز و

سے ثابت ہے کہ ہر قوم کی زبان اور لغت کو طرزِ معاشرت اور اخلاق اور عقل و دین میں نہایت قوی دخل ہے اور ہر لغت اور زبان کے کچھ اثراتِ مخصوصہ ہیں کہ جب کسی قوم اور کسی ملک میں وہ زبان پھیلتی ہے تو وہ اثرات بھی ساتھ ساتھ عالمگیر ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کو اب سے پچاس برس پہلے کی حالت کے ساتھ اگر موازنہ کیا جائے تو اس کی تصدیق آنکھوں کے سامنے آجائے گی کہ جس وقت تک ہندوستان میں انگریزی زبان کی یہ کثرت نہ تھی اس دہریت و تفریح اور آزادی و بے قیدی کی بھی یہ کثرت نہ تھی سرکاری اسکولوں کے ذریعہ ملک میں اس زبان کو عام کیا گیا تو ایسا ہو گیا کہ گویا ہندوستان کے طرزِ معاشرت اور اخلاق و تمدن سب ہی پر ڈاکہ ڈال دیا۔

زبان کی اشاعت و عموم کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی معاشرت یوروپین خیالات۔ یوروپین آزادی و دھریت وبا کی طرح پھیل گئی اور جس وقت مسلمانوں کی قسمت میں ترقی لکھی تھی تو اُن کے لئے بھی زبان عربی کی اشاعت نے وہی کام کیا تھا جو آج غیروں کی زبان کر رہی ہے بلکہ اگر تاریخ دیکھی جائے تو بلاشبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان نے تمام دنیا کو ایسا مفتوح کیا تھا کہ کوئی خطہ بھی اوس کے حلقہ اثر سے خارج نہ رہا تھا اور تقریباً ایک ہزار سال کامل تمام عالم پر ایسی حکومت کی کہ دنیا کی تاریخ اوس کی نظیر پیش کرنے سے یقیناً عاجز ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں عرب و عجم کی زبان پر مفصل کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| واعلم ان اعتیاد اللغۃ | سمجھ لو کہ کسی خاص زبان کی عادت ڈال لینا |
| مؤثر فی العقل والخلق والدین تاثیراً | عقل اور اخلاق اور دین میں بہت بڑی قوی تاثیر |
| قویا بینا۔ | رکھتا ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ |

یہی وجہ ہے کہ ہر بادشاہ اپنی قومی زبان کو اپنی مملکت میں رائج کرنے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے۔

؎ اس سے یہ غرض نہیں کہ انگریزی زبان سیکھنا مطلقاً ناجائز ہے بلکہ ایک مشاہدہ کا بتلانا ہے اور اگر کوئی انگریزی زبان ان مفاسد سے علیحدہ ہو کر سیکھے تو بلاشبہ جائز اور نیک نیت ہو تو ثواب ہے

عن الجواهر قد جاء الاثر فی رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهی فانه مکروه (شامی ص ۳۵۵ ج ۵)

# بے فائدہ کھیل تماشے

ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا نہیں ہے وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں خواہ ان پر بازی لگائی جائے یا انفرادی طور پر کھیلا جائے پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں۔ اور رقم بھی دو طرفہ ہو یا یک طرفہ بہرحال ایسے لغو کھیل شرعًا مطلقًا ناجائز ہیں۔ حدیث میں ہے۔

کل لھو المسلم حرام الا ثلاثة ملاعبة اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلة بقوسہ (شامی ص ۲۵۳ ج ۵)

کبوتر بازی۔ پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغ بازی۔ چوسر۔ سطرنج۔ تاش۔ کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی یکم ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

**ہندوستان میں زبان انگریزی کی ترویج اور اس کا سیاسی مقصد :-**

یورپین اقوام جو آزادی و حریت کی بہت دعویدار ہیں اور مساوات کا دم بھرتی ہیں جس وقت ہندوستان پر قبضہ کرتی ہیں تو ہزاروں طرح کی کوشش کر کے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اپنی خاص قومی زبان کو ہندوستان کی معاشرت کا جزو اعظم بنا دیتی ہیں۔ ہندوستان میں اب اگرچہ زبان انگریزی کا عموم و شیوع بہت کچھ ہو چکا ہے۔ لیکن اب بھی اگر مجموعی حیثیت سے مردم شماری پر نظر ڈالی جائے۔ کل ہندوستانی قلمرو میں شاید پانچ فیصدی اشخاص بھی انگریزی جاننے والے نہ نکلیں گے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت کی طرف سے جو پرزہ کاغذ چلتا ہے تو انگریزی زبان کے سکہ کے ساتھ چلتا ہے۔ ڈاکخانہ کے تمام کاغذات ریلوے کے ٹکٹ بلٹیاں اور تمام کاغذات تمام عدالتوں کے عام کاغذات جو خاص طور سے ہندوستانیوں ہی کی اطلاع و کاروبار کے لئے جاری کئے جاتے ہیں وہ سب انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں خلق اللہ اس غیر زبان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے اور اصحاب معاملہ کو محض اس زبان کی دقت کی وجہ سے دوگنا خرچ ترجمانی وغیرہ میں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مگر حکومت اس کی پروا نہیں کرتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا اس پر مجبور ہو گئی کہ انگریزی زبان حاصل کرے اس کے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا۔ کوئی پوچھے کہ اس میں کوئی اہل ملک کی مصلحت تھی ہرگز نہیں محض سیاسی ارادہ یہ کہ اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرنا اور طرز معاشرت و تمدن اور اپنی نام نہاد تہذیب کو دنیا میں رواج دینا۔ ہمارے روشن خیال برادر جو علماء سے یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ کبھی اس طرف بھی نظر عنایت متوجہ فرمائی ہے کہ انگریزی زبان میں ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور ریل کی بلٹی وغیرہ چھاپنے سے کیا فائدہ۔ سفر کرنے والے عموماً انگریزی دان نہیں۔ اگر وہ حکومت کی اس گہری چال پر نظر ڈالتے تو انہیں خطبہ کی عربی ہونے کی حکمت خود بخود معلوم ہو جاتی

**عربی زبان کی بعض خصوصیات**

اس کے بعد اس پر غور کیجئے کہ یہی وہ بات ہے جس کو یورپ سے بہت پہلے مسلمانوں نے سمجھا تھا اور چونکہ یہ

# تفصیل الاحکام
## للارباح الفاسدۃ
## والمال الحرام

# ناجائز معاملات پر ایک
## تصنیف کا
# خاکہ

رائج الوقت معاملات کے احکام شرعیہ کی تحقیق کے لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے مذکورہ بالا نام سے ایک، کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ فرمایا تھا جس کے لئے ابتدائی تمہید لکھی گئی تھی اور اس میں کتاب کا خاکہ بیان کیا گیا ہے تفصیل کے لئے "صد لئے عاجز درماندہ" ملاحظہ فرمائیں

ایک فطری اور طبعی طریقہ اسلامی شعائر کی اشاعت کا تھا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طرز عمل سے اس کو اتنا مؤکد کر دیا کہ تمام عمر اس کے خلاف کی ایک نظیر بھی ظاہر نہیں ہوتی۔

اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی زبان نے تمام عالم کو فتح کر لیا اور اس طرح فتح کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کیونکہ تاریخ اقوام پر نظر ڈالنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ جس وقت عربی زبان ممالک عجم میں مسلمانوں کی فاتحانہ مداخلت کے ساتھ داخل ہوئی تو بغیر کسی ایسے ناجائز جبر و تشدد کے جو آج ہم پر روا رکھا جاتا ہے عربی زبان کی جاذبہ محبوبیت نے اس طرح لوگوں کے قلوب میں جگہ کر لی کہ تھوڑی ہی مدت میں بہت سے ممالک عجم کی اپنی اصلی زبانیں بالکلیہ متروک ہو کر عربی زبان ہی ملکی زبان ہو گئی۔

مصر اور شام میں اسلام سے پہلے رومی زبان رائج تھی مسلمانوں کے داخل ہوتے ہی عربی زبان نے ملکی زبان کی جگہ لے لی۔ اسی طرح عراق اور خراسان کی وطنی زبان فارسی تھی کچھ عرصہ کے بعد متروک ہو کر عربی رائج ہو گئی۔ چنانچہ عراق کا ایک بہت بڑا حصہ آج تک عربی زبان کا پابند ہے جس کو عراق عرب ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں البتہ خراسان میں انقلابات و حوادث کی بنا پر پھر فارسیت غالب ہو گئی۔ ممالک مغربی یورپ وغیرہ میں بربری زبان رائج تھی وہاں بھی عربی زبان نے اپنا سکہ جمایا[۱] اور اگرچہ آج مدت مدیدہ کے بعد اب عربیت وہاں باقی نہیں رہی لیکن عربی لغت کے بہت سے آثار آج بھی انگریزی اور جرمنی اور فرانسیسی زبان میں موجود ہیں جیسا کہ انگریز مؤرخوں اور بعض منصف مصنفین نے اس کا اقرار کیا ہے۔

| الغرض شعائر اسلامیہ نماز، اذان تکبیرات اور خطبے جو مشاہد عامہ میں پڑھے جاتے ہیں ان کو عربی | نماز اور اذان اور خطبہ وغیرہ کو خاص عربی زبان میں رکھنا اسلام کا ایک اہم مذہبی اور سیاسی مقصد ہے |
|---|---|

[۱] صرح بہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فی اقتضاء الصراط المستقیم ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ولاسیما سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ ومن بعدہ

## اهتدی

اما بعد - اس زمانہ میں حلال روزی حاصل کرنا اس قدر دشوار ہوگیا ہے کہ کوئی خدا کا بندہ اس کا ارادہ بھی کرتا ہے تو بظاہر اس پر معاش کے دروازے بند اور زمین اس پر تنگ نظر آتی ہے۔ کسب معاش کے ذرائع، زراعت، تجارت، ملازمت جہاں نظر ڈالیے، سود، قمار، رشوت اور معاملات باطلہ و فاسدہ سے بریز ہیں یہاں تک کہ بعض سطحی نظر والے یہ سمجھنے لگے کہ حلال و حرام کے متعلق اسلامی قانون اس قدر سخت ہے کہ اس پر عمل سخت دشوار ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حلال سے مایوس ہو کر بے دھڑک حرام کے پیچھے پڑ گئے۔

لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جاوے تو معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ دشواریاں، قانون اسلامی کی سختی کا نتیجہ نہیں بلکہ ابنائے زمانہ کی کج روی اور ایسی ملحدانہ آزادی کا نتیجہ ہیں کہ اس کے ساتھ وہ کسی آسان سے آسان قانون کی پابندی بھی برداشت نہیں کر سکتے اور جب کثرت ایسے لوگوں کی ہو گئی تو تمام معاملات باطل اور فاسد اور خلاف شرع ہونے لگے۔ اب ہزاروں میں ایک دو اگر یہ چاہیں کہ ہم خلافِ شرع معاملات اور مال حرام سے بچیں تو معاملہ کرنے کہاں جائیں، انہیں لوگوں سے معاملات پڑیں گے جن کو حلال و حرام کا ذرا احساس نہیں بلکہ اس کو (معاذ اللہ) تنگ نظری خیال کرتے ہیں، اس لئے روزی حلال طلب کرنے والے کے لئے دشواریاں پیش آگئیں۔ ورنہ اسلامی قانون اس بارہ میں بھی اس قدر سہل اور وسیع ہے کہ دنیا کی کوئی ضروری اور حقیقی

زبان میں کرنے کا سیاسی مقصد ہی یہ تھا کہ جب لوگ نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اس سے سابقہ پڑے گا تو خواہ مخواہ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ ہوگی۔ جو کہ قرآن و حدیث اور علوم شرعیہ کی ترجمان زبان ہے۔ اور جس کا سیکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے چنانچہ یہی ہوا۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ زبان کا اثر اخلاق و عادات اور معاشرت و معاملات پر بہت گہرا ہوتا ہے عربی زبان کے بھی آثار مخصوصہ اس کے ساتھ ساتھ ہی عالمگیر ہو گئے۔

الغرض ان شعائر اسلامیہ کو عربی زبان میں رکھنے کی حکمت ایک سیاسی غرض ہے اور خطبہ جمعہ میں خصوصیت سے سیاست کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

## خطبہ جمعہ میں سیاست کا مظاہرہ

چنانچہ دارالاسلام میں خطبہ جمعہ کے خطیب کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ اون ممالک میں جو جہاد و جنگ کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں خطبہ کے وقت خطیب تلوار باندھ کر خطبہ دے کما صرح بہ فی الدر المختار رد الشامی ص ۵۵۳۔ اور سنن ابوداؤد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لے کر خطبہ دینا روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی باوجودیکہ مسلمان مذہب اور مذہبی علوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں لیکن ہنوز ادن میں قرآنی زبان کے ساتھ ایک خاص تعلق باقی ہے کہ ادنیٰ اشارہ سے مطلب سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح عام مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ مربوط ہیں۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس حکمت کو نہیں سمجھتے بلکہ اعتراضات کرتے ہیں اور دوسری قومیں اس کا احساس کرتی ہیں اور اقرار کرتی ہیں۔

## عربی زبان کے آثار خاصہ اور بعض یورپین مؤرخوں کا اعتراف

ڈاکٹر گستاولی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے عرب کی نسبت کہا ہے۔ یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی

واقعی حاجت اس کے دائرہ میں رہتے ہوئے بند نہیں ہوتی اور یہ صرف اسلام ہی کی شان امتیاز ہے۔ ورنہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور ان کے قوانین پر نظر ڈالو تو صرف دو ہی راستے نظر آتے ہیں کہ یا تو تمام دنیوی اور معاشی ضروریات اور بشری حوائج کو چھوڑ چھاڑ کر جوگیوں اور راہبوں کی زندگی اختیار کرلیں اور یا مذہب سے ہاتھ اٹھائیں۔

جس وقت تک عام مسلمانوں میں حلال و حرام کا احساس تھا غیر مسلم بھی معاملات میں ان کی رعایت کرنے پر مجبور تھے اور اس وقت بھی اگر کسی بڑی جماعت کا کوئی خاص مذاق کارخانہ والوں کو معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے سامان کی نکاسی کے خیال سے ان کی رعایت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

**افسوسناک مسائل** آج کل یورپ سے جو دوائیں اور غذائیں آتی ہیں ان کے لیبل اور اشتہارمیں بکثرت پایا جاتا ہے کہ اس میں کوئی حیوانی جزو شامل نہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو ہندو قوم کا مذاق معلوم ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں اور یہ کہیں نظر نہیں پڑتا کہ اس میں شراب یا کوئی نشہ آور چیز شامل نہیں، کیونکہ مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے ایسی احتیاط کا ثبوت نہ دیا۔ ورنہ یورپ کے پیسہ پرست کارخانے خدا کے خوف سے نہیں بلکہ اپنی کساد بازاری کے خوف سے اس پر مجبور ہوتے کہ ستر کروڑ مسلمانوں کے مذاق کا احترام کریں۔

الغرض اس وقت کسبِ حلال میں جو تنگی پیش آرہی ہے وہ "از ماست کہ بر ماست" کا مصداق ہے، اپنی بے فکری و بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، قانون کی سختی ہرگز نہیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ جو کام عوام خلائق چھوڑ دیں وہ کتنا ہی آسان ہو اس کا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ٹوپی اوڑھنا اور پاجامہ پہننا کوئی مشقت کی چیز نہیں لیکن اگر ساری مخلوق اس کو چھوڑ بیٹھے پھر کوئی قدامت پسند اسی وضع پر رہنا چاہے تو اس کو ٹوپی اور پاجامہ میسر آنا ایک مصیبت ہو جائے گا۔ نہ اس کا سینے والا ملے گا نہ درست کرنے والا روٹی پکا کر کھانا کوئی سخت کام نہیں لیکن اگر ساری دنیا سے یہ رواج مٹ جائے اور سب چاول کھانے لگیں یا آٹے کو کسی دوسرے طریق سے کھانے لگیں اور پھر کوئی چاہے

کہ اوس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی ۔ یونانی ۔ قبطی ۔ بربری وغیرہ کی جگہ لے لی ۔
ایران میں ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اوس کے بعد زبان فارسی کی تجدید
ہو گئی ۔ لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اوسی زبان میں ہوتی ہیں ۔ ایران کے کل علوم
و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں ۔ ایشیاء کے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت
ہے جو از منہ متوسطہ میں زبان لاطینی کی حالت یوروپ میں تھی ۔

ترکوں نے بھی جنھوں نے عربوں کے ملک فتح کئے ادنھیں کی طرز تحریر اختیار کر لی اور
اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں ۔ یوروپ
کی لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہے جہاں عربی زبان نے اون کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں
لی لیکن یہاں بھی اونھوں نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں ۔ موسیو ڈوزی
اور موسیو انگلمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے اون الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں
ایک لغت تیار کر لی ہے ۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے ۔ موسیو سدی یو
نہایت درست لکھتے ہیں کہ اودرن اور سوژیں کی زبان بھی عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہو
گئی ہے اور اون کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے ۔

فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنھوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے
ہیں کہ "جنوبی فرانس میں عربوں کے قیام کا کوئی اثر نہ محاورہ پر رہا ہے اور نہ زبان پر ۔ جو فہرست
اوپر لکھی جا چکی ہے اوس سے معلوم ہو گا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے ۔ نہایت تعجب
کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے
ہیں" انتہیٰ ۔ (منقول از تحقیق الخطبہ لحضرۃ الاستاد مولانا شبیر احمد العثمانی الدیوبندی مدظلہم)
دیکھیے اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے کہ خطبات و تکبیرات
وغیرہ شعائر اسلامیہ کو ملکی زبان میں کر دیا جائے تو آج عربی زبان کی وہ امتیازی خصوصیات
جن کا سکہ دوسری اقوام کو بھی ماننا پڑ گیا ہے کس طرح محفوظ رہ سکتی ۔

کلام اگرچہ طویل ہو گیا لیکن یہ بات عقلاً و نقلاً منقح اور صاف ہو گئی کہ خطبات کو اور
بالخصوص خطبہ جمعہ کو عربی زبان ہی میں رکھنا چاہیے ۔ اوس کا ترجمہ کرنا بھی مناسب نہیں ۔

کہ روٹی کھایا کرے تو روٹی حاصل کرنا ایسی مصیبت ہو جائے گی کہ اس کو ناقابلِ عمل کہنے لگے تو بعید نہیں، اس سے یہ تو واضح ہو گیا کہ اسلامی قانون پر تنگی و سختی کا الزام سراسر بہتان اور غلط ہے جو کچھ تنگی و دشواری ہے وہ محض عام مسلمانوں کی آزادی سے ہے کہ اُن کے نزدیک حلال و حرام میں کوئی فرق نہیں، ایک معاملہ جو ذرا سے تغیر کے ساتھ حلال ہو سکتا تھا اس کو اپنی بے فکری سے حرام طریق پر کیا جاتا ہے لیکن یہ اشکال ابھی تک باقی ہے کہ تنگی خواہ مسلمانوں کی بے فکری ہی سے ہو مگر حلال روزی حاصل کرنے والے کے لئے دشواریاں تو بہر حال پیدا ہو گئیں وہ ایسی صورت میں کیا کرے۔

سو جواب اس کا اوّل تو یہ ہے کہ انسان دنیا کی چند روزہ راحت یا بعض انسانوں کو راضی کرنے کے لئے ہزاروں قسم کی مشقتیں اور مصائب جھیلتا ہے اگر آخرت کی دائمی حیات اور غیر فانی نعمتوں کے لئے اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے بھی اگر کچھ مشقت اٹھائے تو کوئی بڑی بات نہیں، بالخصوص جب کہ مشقت اٹھا کر حلال روزی حاصل کرنے کی صورت میں اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کا وعدہ ہے۔

دوسرے حق تعالیٰ کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جو شخص اس کی رضا جوئی کی فکر میں لگتا ہے وہ اس کے لئے مشکلات میں بھی آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ

الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔

اور اس کا مشاہدہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر معاملات باطلہ و فاسدہ پیش آتے ہیں یا جو مجبوریاں ملازمتوں میں پیش آتی ہیں ان کو لکھ کر علماء سے سوال کیا جائے کہ ان میں گناہ اور حرام سے بچنے کی کوئی شرعی تدبیر بتلائی جائے تو یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سارے معاملات فاسدہ میں جواز کی صورتیں نکل آویں گی لیکن بامید قوی یہ کہہ سکتا ہوں کہ اکثر معاملات فاسدہ میں بہت معمولی اور آسان تغیر کر دینے سے جواز و حلت کی صورتیں پیدا ہو جاویں گی اور جو کام وہ حرام کر کے کرتے ہیں حلال کر کے کر سکیں گے

# خطبہ جمعہ و عیدین میں فرق

خطبہ جمعہ و عیدین و نکاح وغیرہ اس بات میں قول مختار کے موافق سب شریک ہیں کہ جب خطیب خطبہ پڑھے تو کلام و سلام یہاں تک کہ ذکر و تسبیح وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں بلکہ چپ بیٹھنا اور خطبہ سننا ضروری ہو جاتا ہے۔

قال فی الدر المختار و کذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح و خطبۃ عید و ختم۔

اور ایسے ہی تمام خطبوں کا سننا ضروری ہے مثل خطبہ نکاح و خطبہ عید وغیرہ۔

لیکن چند امور میں خطبہ جمعہ و عیدین میں فرق ہے۔ (۱) خطبہ عیدین جمعہ کی طرح نماز کے لئے شرط نہیں بلکہ بلا خطبہ بھی نماز عیدین صحیح ہو جاتی ہے (۲) خطبہ عیدین فرض و واجب نہیں بلکہ سنت ہے (۳) خطبہ عیدین بعد عید پڑھا جائے پہلے نہیں۔

قال الشامی بیان للفرق وھو انھا فیھما سنۃ لا شرط و انھا بعدھا لا قبلھا بخلاف الجمعۃ قال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلا صح و اساء لترک السنۃ ولو قدمھا علی الصلوۃ صحت و اساء ولا تعاد الصلوۃ۔ (شامی باب العیدین ص ۵۵۰ ج ۱)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ فرق درمیان خطبہ جمعہ و عیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین میں بعد نماز ہے بخلاف جمعہ کے بحر الرائق میں ہے کہ اگر عیدین میں بالکل خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی اگرچہ ترک سنت سے گنہگار ہوں گے اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ پڑھنے میں خلاف سنت کا گناہ ہوگا مگر نماز درست ہو جائے گی۔

امور مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبہ عیدین میں عربی خطبہ پڑھ کر اردو ترجمہ بھی سنا دیا جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرط صلوٰۃ اور قائم مقام رکعتین ہو۔ ثانیاً چونکہ خطبہ عید نماز کے بعد ہوتا ہے تو جب خطبہ عربی سے فراغت ہو گئی نماز عید اور اس کی سنت ادا ہو گئی اب خالی وقت ہے اس میں بطور تبلیغ احکام کے ترجمہ سنا دیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور تطویل خطبہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر

لیکن کسی کو حلال کی فکر ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج۔

اسی بنا پر ایک مدت مدید سے احقر کو خیال تھا کہ جو معاملات فاسدہ و باطلہ ملک میں رائج ہیں ان کے متعلق نیز جو مال حرام یا ناجائز کسی کے پاس جمع ہو گیا یا وراثت پہنچ گیا اب اس کی ذمہ داری اور گناہ سے بچنے کی صورتوں کے متعلق ایک رسالہ لکھا جاوے لیکن اول تو پیہم امراض و افکار سے نجات نہ ہوئی دوسرے بہت سے معاملات مروجہ کا احقر کو تفصیلی علم نہیں۔ اور اہل معاملہ سے اس کے معلوم کرنے کی فرصت نہیں اس لئے یہ ارادہ یوں ہی ٹلتا رہا۔ آخر ۱۳۵۱ھ میں جب دارالعلوم کی فتوی نویسی کی خدمت دوبارہ احقر پر آئی اور اس قسم کے معاملات کے متعلق کچھ سوالات سامنے آئے تو پھر اس ارادہ کی تجدید ہو گئی اور اب بایں خیال اس رسالہ کو بنام خدا تعالیٰ شروع کرتا ہوں کہ اگر پورا نہ ہو سکے گا تو ایک نمونہ جمع ہو جائے گا جو خود بھی فائدہ سے خالی نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں کسی اہل علم کو اس کی طرف توجہ ہو اور وہ اس کی تکمیل کر دیں۔ رسالہ کے مضامین کو تین باب پر تقسیم کیا ہے۔

باب اوّل: کسب حلال کی فضیلت اور حرام کا وبال عظیم

باب دوم: مروجہ معاملات فاسدہ میں جواز کی صورتیں یہ باب تین فصلوں پر منقسم ہوگا۔

فصل اول۔ معاملات متعلقہ زراعت

فصل دوم۔ متعلقہ تجارت

فصل سوم۔ متعلقہ ملازمت و اجارہ

باب سوم: ناجائز اور حرام اموال سے متعلقہ احکام۔ یہ باب بھی تین فصلوں پر منقسم ہوگا۔

فصل اول۔ خود کاسب حرام کے متعلق۔

فصل دوم۔ مال حرام سے ہدیہ لینے یا بیع و شراء کرنے کے متعلق۔

فصل سوم۔ وراثت وغیرہ میں مال حرام مل جانے کے متعلق

واللہ الموفق والمستعان وعلیہ التکلان۔

کوئی شخص جانا چاہے تو کوئی حرج شرعی اذن پر عائد نہیں ہوتا بخلاف خطبہ جمعہ کے کہ وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوئی۔ نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

---

# خلاصہ احکام الخطبہ

(۱) خطبہ جمعہ شرط نماز ہے بغیر خطبہ کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی اور یہ شرط صرف ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے۔ (بحر الرائق)

(۲) خطبہ جمعہ و عیدین وغیرہ کا عربی میں ہونا سنت اور اس کے خلاف دوسری زبانوں میں پڑھنا بدعت ہے (مصفی شرح موطا للشاہ ولی اللہ رح و کتاب الاذکار للنووی و درمختار شروط الصلوٰۃ (شرح الاحیاء للزبیدی)

(۳) اسی طرح عربی میں خطبہ جمعہ پڑھ کر اوس کا ترجمہ ملکی زبان میں قبل از نماز سنانا بھی بدعت ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ البتہ نماز کے بعد ترجمہ سناویں تو مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے (امام)

(۴) البتہ خطبہ عیدین وغیرہ میں اگر خطبہ کے بعد ہی ترجمہ سنا دیا جائے تو مضائقہ نہیں اور اوس میں بھی بہتر یہ ہے کہ منبر سے علٰحدہ ہو کر ترجمہ سناویں تا کہ امتیاز ہو جائے (کما صرح بہ فی تقریظ الرسالۃ الاجوبۃ بناءً علی حدیث مسلم)

(۵) سنت ہے کہ خطبہ باوضو پڑھا جائے بلا وضو پڑھ کر نماز کے لئے پھر وضو کرنا مکروہ ہے۔ (بحر)

(۶) سنت ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے بیٹھ کر مکروہ ہے (عالمگیری و بحر الرائق)

(۷) سنت ہے کہ قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھیں رو بقبلہ یا کسی دوسری جانب کھڑے ہو کر پڑھنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری، بحر)

# صدائے عاجز و درماندہ

رسالہ تفصیل الاحکام للارباح الفاسدۃ والمال الحرام کی مذکور الصدر تمہید احقر نے اس وقت لکھی تھی جب کہ بنا پاکستان سے پہلے احقر دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت فتویٰ پر مامور تھا۔ وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر یہ تمہید لکھی اور اس تصنیف کے لئے کتب فقہ سے مواد جمع کرنا شروع کیا تھا مگر یہ کام اس پر موقوف تھا کہ ملک میں جو معاملات جدیدہ رائج ہیں اور وہ سود و قمار اور دوسری وجوہ فاسدہ کی وجہ سے ناجائز ہیں، ان کی صحیح صورتیں معلوم ہوں اور ان کے متبادل جائز صورتوں کی تحقیق کی جاوے۔ یہ کام وسیع وقت اور طویل فرصت چاہتا تھا جو اس وقت میسر نہ ہوئی اس لئے تمہید سے آگے کوئی قدم نہ بڑھ سکا یہاں تک کہ پاکستان قائم ہوا اور ہجرت کر کے پاکستان آنا ہوا، اور ایک طویل مدت اس جدید مملکت کے جدید مسائل میں صرف ہوئی اور پھر جب کہ ۱۳۷۰ھ میں کراچی میں ایک دار العلوم کا قیام عمل میں آیا تو اس کی مصروفیات اتنی ہوئیں کہ اس طرح کے کاموں کے لئے وقت نکالنا مشکل تھا۔ تاہم اس کام کی تکمیل کے لئے ایک عالم کو مستقلاً اس کے لئے تیار کیا کہ وہ کراچی کے مختلف بازاروں۔ صرافہ، کپڑا مارکیٹ اور دوسری مارکیٹوں اور کارخانوں میں جا کر ان کے ایسے معاملات کی فہرست تیار کریں جو کسی جزوی خلاف شرع صورت کے استعمال کی وجہ سے ناجائز ہیں اور ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے یہ کام ایک حد تک ہوا بھی اور کچھ یادداشتیں جمع بھی ہوئیں، مگر افسوس کہ اس حد تک نہ پہنچا کہ اس ضرورت کی تکمیل ہو سکتی۔

اب ۱۳۹۴ ہجری میں جب کہ احقر کی عمر اسی سال کو پہنچنے والی ہے اور مختلف امراض مستقل طور پر لگ گئے ہیں، قویٰ بھی ساقط ہو گئے خصوصاً نظر

(۸) سُنّت ہے کہ خطبہ سے پہلے آہستہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے (علیٰ قول ابی یوسف، کذا فی البحر)۔

(۹) سُنّت ہے کہ خطبہ بلند آواز سے پڑھا جائے تاکہ لوگ سنیں۔ آہستہ پڑھنا مکروہ ہے (بحر۔ عالمگیری)

(۱۰) سنت ہے کہ خطبہ مختصر پڑھا جاوے۔ زیادہ طویل نہ ہو اور حد اس کی یہ ہے کہ طوال مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ اس سے زیادہ طویل پڑھنا مکروہ ہے (شامی۔ بحر۔ عالمگیری)۔

(۱۱) سنت ہے کہ خطبہ دس چیزوں پر مشتمل ہو:

اوّل:۔ حمد سے شروع کرنا۔

دوم:۔ اللہ تعالیٰ کی ثناء کرنا۔

سوم:۔ کلمہ شہادتین پڑھنا۔

چہارم:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔

پنجم:۔ وعظ و نصیحت کے کلمات کہنا۔

ششم:۔ کوئی آیت قرآن مجید کی پڑھنا۔

ہفتم:۔ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا۔

ہشتم:۔ تمام مسلمان مرد و عورت کے لئے دُعا مانگنی۔

نہم:۔ دوسرے خطبہ میں دوبارہ الحمد للہ اور ثناء اور درود پڑھنا۔

دہم:۔ دونوں خطبوں کو مختصر کرنا، اس طرح کہ طوال مفصل کی سورتوں سے نہ بڑھے۔

(بحرالرائق۔ عالمگیری)

تمت الرسالۃ الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العروبۃ مع احکام الخطبۃ فی خمس ساعات متفرقۃ من یوم الاثنین لعشر بقین من جمادی الثانیۃ ۱۳۵۰ھ

حررہ العبد الضعیف محمد شفیع عفی لہ

خادم دار الافتاء دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

جواب دینے لگی، اس وقت سابق ناتمام مسودات میں یہ تمہید بھی سامنے آئی اس کو اس لئے شائع کرنا مناسب معلوم ہوا کہ شاید کسی دوسرے اہل علم کو اس طرف توجہ ہو جائے اور یہ تمہید اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بن جائے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ ؎

"وَكَمْ حَسَرَاتٍ فِي بُطُونِ الْمَقَابِرِ".

واللہ المستعان وعلیہ التکلان ؎

بندہ محمد شفیع

جمعہ ۷ رجمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆

# تقریظ از حضرت سراج السالکین امام العارفین مجدد الملۃ حکیم الامۃ سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ میں نے رسالہ مؤلفہ جامع الکمالات العلمیۃ مولانا محمد شفیع صاحب مدرس و مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام فیضہ نہایت شوق و رغبت سے دیکھا بیحد پسند کیا۔ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا دافع فرمادے۔ بطور تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بڑی بنا عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہیئے ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک حقیقی جواب ہے اور ایک الزامی۔ تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہونا مسلم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے قال تعالیٰ: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ الآیہ بخصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر (کفت تسبیحۃ او تحمیدۃ) اور تسبیح و تحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں الا تبعا۔ اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید بنص قرآنی تذکیر ہے۔ قال تعالیٰ ان ھو اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ تو چاہیئے اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں۔ پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

(۲) اور بڑی بنا نقلی دعویٰ مذکورہ کی یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے نماز میں قرأت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے اس کا ایک جواب نقلی ہے۔ ایک عقلی۔ نقلی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے اس قول سے رجوع فرمالیا ہے پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیت منسوخہ یا حدیث منسوخ سے استدلال ~~کرنا~~ عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوع عنہ کی بنا یہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے اس لئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے اگر یہ بنا ہوتی تو جزئیہ کفایت تسبیح یا تحمید کا اس سے تعارض ہوتا و ہو باطل۔ پس اس سے ان کا استدلال کرنا

تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے۔

(۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اوس کے ترجمہ وغیرہ کی اجازت دی ہے اس میں بھی ہیئت اوفق بالسنتہ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اوتر کر بیان کردے اوس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں وھو ہذا تقریر المرام۔ انہ روی مسلم عن جابر فی قصۃ یوم الفطر ثم خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکرھن الحدیث۔

وروی البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق ھو وبلال الی بیتہ فقولہ فرغ ونزل وانطلق الی بیتہ نص فی کون ھذا التذکیر بعد الخطبۃ وانہ لم یکن علی المنبر وانہ لم یعد الی المنبر ولما کان ھذا الکلام غیر الخطبۃ لخلوہ عن الخطاب العام الذی ھو من خواص الخطبۃ ثبت بہ ان غیر الخطبۃ لا ینبغی ان یکون فی اثناء الخطبۃ ولا علی ھیئۃ الخطبۃ ولا شک ان التذکیر بالھندیۃ لیس من الخطبۃ المسنونۃ فی شیٔ لان من خواصہا المقصودۃ کونہا بالعربیۃ لعدم نقل خلافہا عن صاحب الوحی او السلف فلما لم یکن ھذا التذکیر الھندی خطبۃ المسنونۃ کان الاوفق بالسنۃ کونہا بعد الفراغ عن الخطبۃ وتحت المنبر وھو المرام۔

کتبہ

اشرف علی التھانوی

عفی عنہ ذنبہ الجلی والخفی

المنتصف من شوال المکرم سنہ ۱۳۵۰ھ

# اسلامی ذبیحہ

ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرعی شرائط پر مفصل بحث

اور شبہات کا جواب

تاریخ تالیف ——— رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

مقام تالیف ——— کراچی

اشاعت اول ——— ماہنامہ البلاغ شعبان، رمضان

شوال ۱۳۸۶ھ و ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

ذبح کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ کا نام لینا کس حد
تک ضروری ہے؟ مشینی ذبیحہ کا کیا حکم
ہے؟ اہل کتاب کا کونسا ذبیحہ حلال ہے؟ اس
مقالہ میں انہی سوالات کا مفصل جواب دیا گیا ہے"

# قنوتِ نازلہ

## دعا کا طریقہ اور متعلقہ مسائل

احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی شدید حادثہ پیش آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں مسلمانوں کی حفاظت اور دشمنوں پر فتح کے لئے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ شرح منیہ میں ہے کہ قنوتِ نازلہ اب بھی مسنون ہے۔ در مختار و شامی میں ہے "قنوت نازلہ" ہر مصیبت عامہ اور جنگ و جہاد کے لئے اب بھی مستحب ہے مسلمان ایسے مواقع پر دعائے قنوت پڑھا کریں۔ صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد امام باواز بلند یہ دعا پڑھے اور مقتدی آمین[1] کہتے رہیں۔ اس دعا کے لئے نہ تکبیر کہی جائے نہ ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دعا کے بعد تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ سجدے میں جائیں۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ ○ وَعَافِنَا فِيْمَنْ

یا اللہ راہ دکھا ہم کو ان لوگوں میں جن کو تو نے راہ دکھائی — اور عافیت دے ہم کو ان لوگوں میں جن کو

عَافَيْتَ ○ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ ○ وَبَارِكْ لَنَا

تو نے عافیت بخشی — اور کارسازی کر ہماری اُن لوگوں میں جن کا آپ کارساز ہیں — اور برکت دے اُس چیز میں

---

[1] مقتدی آمین جہراً کہیں یا سراً؟ اس کی کوئی تصریح فقہاء کے کلام میں نہیں ملی، البتہ کبیری شرح منیہ قنوت وتر کے بارے میں لکھا ہے کہ وان قنت المقتدی او امن لا یرفع صوته بالاتفاق لئلا یشوش غیرہ ولان الاصل فی الدعاء الاخفاء صـ۴۰۳ اس سے رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ مقتدی آمین سراً کہیں، جہراً نہ کہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ؛

تحقیق، ریسرچ کے نام پر جو فتنہ اجماعی مسائل میں تشکیک بلکہ تحریف دین کا ہمارے ملک میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ذمہ دار ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنی تحریروں سے کھڑا کر دیا ہے، اس نے مجبور کیا کہ ذبیحہ اسلامی کے اس مسئلے کو جو دنیا کے تمام مسلمانوں میں معروف اور متفق علیہ ہے پھر از سرِ نو واضح کیا جائے اور جو شبہات کئے گئے ہیں اُن کا ازالہ کیا جائے۔

# اسلامی طریقے سے بہتر ذبح کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے

یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں گوشت خوری کا دستور انتہائی قدیم ہے لیکن اسلام سے پہلے جانوروں کا گوشت کھانے کے عجیب عجیب طریقے بغیر کسی پابندی کے اختیار کئے ہوئے تھے، مردار کا گوشت کھایا جاتا تھا زندہ جانور کے کچھ اعضاء کاٹ کر کھا لئے جاتے تھے، جانور کی جان لینے کے لئے بھی انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا جاتا تھا کہیں لاٹھیوں سے مار کر، کہیں تیروں کی بوچھار کر کے جانور کی جان لی جاتی تھی۔

اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تفریق کی کہ مردار کا گوشت حرام کیا، جو انسان کی جسمانی اور روحانی دونوں صحتوں کو برباد کرنے والا ہے۔ اُن جانوروں کو حرام قرار دیا جن کے گوشت سے اخلاقِ انسانی مسموم ہو جاتے ہیں، خنزیر، کتا، بلی، درندہ جانور وغیرہ، پھر جن جانوروں کو حلال کیا اُن کا گوشت کھانے میں بھی ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے ناپاک خون زیادہ سے زیادہ نکل جائے اور جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، طبی اصول پر انسانی صحت اور غذائی اعتدال میں اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ موجودہ زمانے کے بعض ڈاکٹروں نے تحقیق کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے، بہرحال اسلام نے جانور

فِيْمَا اَعْطَيْتَ ○ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ ○

جو آپ نے ہم کو عطا فرمائی اور بچا ہم کو اس چیز کے شر سے جس کو آپ نے مقدر فرمایا

فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ○ اِنَّهٗ لَا يَعِزُّ مَنْ

کیونکہ فیصلہ کرنے والے آپ ہی ہیں آپ کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بے شک آپ کا دشمن عزت

عَادَيْتَ ○ وَلَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ○ تَبَارَكْتَ

نہیں پا سکتا اور آپ کا دوست ذلیل نہیں ہو سکتا برکت والے

رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ ○ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

ہیں آپ اے ہمارے پروردگار اور بلند و بالا ہیں یا اللہ مغفرت فرما مومن مردوں اور

وَالْمُؤْمِنَاتِ ○ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○

عورتوں کی اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کے گناہ معاف فرما

وَاَصْلِحْهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ ○ وَاَلِّفْ بَيْنَ

اور ان کے حالات کی اصلاح فرما اور ان کے باہمی تعلقات کو درست فرما دو اور ان کے دلوں میں الفت

قُلُوْبِهِمْ ○ وَاجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ ○

باہمی اور محبت پیدا کر دے اور ان کے دلوں میں ایمان و حکمت کو قائم فرما دے

وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ ○ وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ

اور ان کو اپنے رسول کے دین پر ثابت قدم فرما اور توفیق دے انہیں کہ شکر

يَّشْكُرُوْا نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ وَاَنْ يُّوْفُوْا

کریں تیری اس نعمت کا جو تو نے انہیں دی ہے اور یہ کہ وہ پورا کریں

کا گوشت کھانے میں انسان کو آزاد نہیں چھوڑا، کہ جس طرح درختوں کے پھل اور ترکاریاں وغیرہ کو جس طرح چاہیں کاٹیں اور کھالیں اسی طرح جانور کو جس طرح چاہیں کھا جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کی غذا خواہ نباتات سے ہو یا حیوانات سے سب اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس حیثیت سے ہر کھانے کو اللہ کا نام لے کر کھانا اور کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کا شکر ادا کرنا سنت اسلام ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اتنا عام کیا کہ وہ ایک اسلامی شعار بن گیا، لیکن جانوروں کے ذبح پر اللہ کا نام لینے کا معاملہ اس سے کچھ آگے ہے کہ جانور کا گوشت اس کے بغیر حلال ہی نہیں ہوتا، کوئی غافل انسان ترکاری، پھل وغیرہ کو بغیر اللہ کے نام کے کاٹے کھائے تو اسے غافل تارکِ سنت تو کہا جائے گا لیکن اس کے کھانے کو حرام نہیں کہا جا سکتا، بخلاف جانور کے کہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا اس کے حلال ہونے کی شرط ہے۔ اس کے بغیر سارے آداب ذبح پورے بھی کر دیئے جائیں تو بھی جانور مردار و حرام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ[1] اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام میں اسلامی ذبیحہ کی حکمت اور اس کے آداب و شرائط پر بصیرت افروز تحقیقات فرمائی ہیں۔ یہاں ان کو پورا نقل کرنے کا موقع نہیں اس میں سے ایک بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ جانوروں کا معاملہ نباتی مخلوقات کا سا نہیں، کیونکہ وہ بھی انسان کی طرح ذی روح ہے، انسان کی طرح دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چلنے پھرنے کے آلات و اعضاء ہیں، انسان کی طرح ان میں احساس و ارادہ اور ایک حد تک ادراک بھی موجود ہے، اس کا سرسری تقاضا یہ تھا کہ جانور کا کھانا مطلقاً حلال نہ ہوتا، لیکن حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ اس نے انسان کو مخدومِ کائنات بنایا جانوروں سے خدمت لینا، ان کا دودھ پینا اور بوقت ضرورت ذبح کر کے ان کا گوشت

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ، ص ۵۰۴ ج ۱ مطبوعہ اصح المطابع کراچی و حجۃ الاسلام ص ۱۹۴-۱۹۵

ماخوذ معارف القرآن جلد ۳

بِعَهْدِكَ الَّذِي عَاهَدْتَهُمْ عَلَيْهِ ○ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى
تیرا وہ عہد جو تو نے اُن سے لیا ہے اور غلبہ عطا کر ان کو اپنے

عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ ○ اِلٰهَ الْحَقِّ سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ
دشمن پر اور اُن کے دشمن پر اے معبودِ برحق تیری ذات پاک ہے تیرے

غَيْرُكَ ○ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَ
سوا کوئی معبود نہیں یا اللہ مسلم افواج کی مدد فرما اور

الْعَنِ الْكَفَرَةَ وَالْمُشْرِكِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ
کفار و مشرکین پر اپنی لعنت فرما جو آپ کے رسولوں کی تکذیب

رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَائَكَ ○ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ
کرتے ہیں اور آپ کے دوستوں سے متقاتل کرتے ہیں یا اللہ ان کے آپس میں اختلاف

كَلِمَتِهِمْ ○ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ ○ وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ ○
ڈال دے اور ان کی جماعت کو متفرق کر دے اور ان کی طاقت کو پارہ پارہ کر دے

وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ ○ وَاَلْقِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ○
اور ان کے قدم اکھاڑ دے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دے

وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ○ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ
ان کو ایسے عذاب میں پکڑ لے جس میں قوت و قدرت والا پکڑا کرتا ہے اور ان پر وہ عذاب نازل فرما

الَّذِيْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○
جس کو آپ مجرم قوموں سے اٹھایا نہیں کرتے ۔

کھا لینا بھی انسان کے لیے حلال کر دیا، مگر ساتھ ہی اس کے حلال ہونے کے لیے چند ارکان اور شرائط بتلائے جن کے بغیر جانور حلال نہیں ہوتا۔

# اسلامی ذبیحہ کے ارکان و شرائط

**شرط اوّل** سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ذبح کے وقت اللہ کے اس انعام کا شکر ادا کیا جائے کہ روحِ حیوانی میں مساوات کے باوجود اس نے کچھ جانوروں کو ہمارے لیے حلال کر دیا ہے، اور اس شکر کے ادا کرنے کا طریقہ قرآن سنت نے یہ بتلایا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں، بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں، جس نے ذبح پر اللہ کا نام قصداً چھوڑ دیا اس کا ذبیحہ حلال نہیں مردار ہے۔ قرآن کریم کے ارشادات اس معاملہ میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓـٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ (انعام: ۱۲۲)

ترجمہ: "اور ایسے جانوروں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام بے گناہ کی بات ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم دے رہے ہیں تاکہ یہ تم سے جدالی کریں، اور تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔"

۲۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ (حج: ۳۶)

ترجمہ: "سو تم ان اونٹوں کو نحر کرتے وقت، کھڑے کر کے اللہ کا نام لیا کرو۔"

۳۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ (حج: ۳۴)

ترجمہ: "اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے۔"

۴۔ وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ (انعام: ۱۳۸)

# پانچوں نمازوں کے بعد

## امام و مقتدی سب یہ دعا مانگا کریں

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ ○ اَللّٰھُمَّ

یا اللہ اے کتاب نازل کرنے والے جلد حساب لینے والے یا اللہ

اھْزِمِ الْاَحْزَابَ ○ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ ○

ان طاقتوں کو شکست دیدے یا اللہ انھیں شکست دیدے اور انکے قدم اکھاڑ دے

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ عَسَاکِرَ پَاکِسْتَانَ وَالْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِکَ ○

یا اللہ پاکستان کی افواج اور مجاہدین پاکستان کی مدد فرما

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا ○ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا ○ وَالْقِنَا

یا اللہ ہماری کمزوریوں پر پردہ ڈالدے اور خوف کی چیزوں سے ہم کو امن عطا فرما اور ہمیں اپنی

بِرَکَتِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ ○ وَاَعِنَّا وَلَا تُعِنْ عَلَیْنَا ○

اس طاقت کی پناہ میں جس کا کوئی غیر قصد ارادہ نہیں کیا جا سکتا اور ہماری مدد فرما اور ہمارے مقابل کی مدد نہ فرما

وَانْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَیْنَا ○ وَامْکُرْ لَنَا وَلَا تَمْکُرْ

اور ہم کو فتح دے ہمارے مقابل کو فتح نہ دے اور ہمارے لئے تدبیر فرما اور ہمارے مخالف

عَلَیْنَا ○ وَاھْدِنَا وَیَسِّرِ الْھُدٰی لَنَا ○

کے لئے نہ فرما اور ہم کو ہدایت فرما اور ہمارے لئے ہدایت کو آسان فرما

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ نَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِنَا ○ وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا

یا اللہ ہم آپ ہی کے سامنے اپنی کمزوری بے سامانی اور لوگوں

وَهَوَانَنَا عَلَى النَّاسِ ○ اِنَّهٗ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا

کی نظروں میں بے وقعتی کی شکایت پیش کرتے ہیں کیوں کہ آپ کے عذاب سے نجات و پناہ

مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ ○

بجز آپ کے کوئی نہیں دے سکتا۔

بندہ محمد شفیع

خادم دار العلوم کراچی

۶ر شوال ۱۳۹۱ھ

ترجمہ :- "اور مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر"

۵- اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (نحل : ۱۱۵)

ترجمہ :- "تم پر صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر دیا گیا ہو"

۶- وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (انعام ۱۱۹)

ترجمہ :- "اور تم کو کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو"

۷- اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ (بقرہ : ۱۷۳)

ترجمہ :- "اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور کو حرام کیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو"

۸- حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (مائدہ : ۳)

ترجمہ :- "تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی چوٹ سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو"

۹- وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۔ (مائدہ : ۵)

ترجمہ :- "اور جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں اُن کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ

# احکام رمضان المبارک

و

# مسائل زکوٰۃ

*************

مقام تالیف : ——— کراچی
اشاعت اوّل : ——— شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم کراچی

"یہ مختصر رسالہ دار العلوم کی طرف سے مفت تقسیم
کے لئے ہر سال رمضان المبارک میں شائع ہوتا ہے"

اُن کو حلال ہے۔"

۱۰۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (مائدہ : ۴)

ترجمہ:۔ "لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور اُن کے لئے حلال کئے گئے ہیں! آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں، اور جن شکاری جانوروں کو تعلیم دو اور تم اُن کو چھوڑو بھی، اور ان کو اس طریقے سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں، اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو۔"

آیاتِ مذکورہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے:۔

۱۔ جانوروں کا معاملہ دوسری غذاؤں کی طرح نہیں بلکہ ان کے حلال ہونے کے لئے خاص قوانین ہیں۔

۲۔ سب سے پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لیا جائے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں اس شرط کو بہ تکرار ذکر فرمایا ہے اور اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ صرف اس جانور کا گوشت کھا سکتے ہو جس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہے اور وہ جانور حرام ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

۳۔ یہ کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے جیسے کفار اپنے بتوں اور مصنوعی خداؤں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔

۴۔ جو جانور گلا گھونٹ کر یا چوٹ مار کر مارا گیا ہو، یا کسی اونچی جگہ سے گر کر یا کسی کی ٹکر سے مر گیا ہو، یا جس کو کسی درندے نے کاٹا ہو وہ حلال نہیں، بجز اس کے کہ اس کی جان نکلنے سے پہلے اس کو شرعی صورت سے ذبح کر لیا جائے۔

۵۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کی شرط سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی کافر مشرک کا ذبیحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہگار فاسق ہے

**روزہ کی نیت** | نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

روزہ کے لئے نیت شرط ہے۔ اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

**جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے** | ۱۔۔۔۔ کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔ ۲۔۔۔۔ قصداً منہ بھر قے کرنا۔ ۳۔۔۔۔ کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔ ۴۔۔۔۔ عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا۔ ۵۔۔۔۔ کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی جیسے لکڑی۔ لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔ ۶۔۔۔۔ لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ حقہ پینا اسی حکم میں ہیں۔ ۷۔۔۔۔ بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا۔ ۸۔۔۔۔ رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔ ۹۔۔۔۔ دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے روزہ

حلال نہیں، کیونکہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے پر عقیدہ نہیں رکھتے، اس مسئلے میں عام کفار میں سے اہل کتاب کو اس لیے مستثنیٰ کر دیا گیا، کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا اپنا مذہب بھی شریعتِ اسلام کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک ذبح کرنا اور اس پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے، گلا گھونٹا ہوا یا چوٹ یا ٹکر سے مارا ہوا جانور حرام ہے۔

۶۔ سورۂ انعام کی آیت مذکورہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کے بعد اول تو جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اس کے کھانے کو فسق اور نافرمانی قرار دیا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ الآیۃ اس میں بتلا دیا گیا کہ اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور میں شک و شبہ کرنا اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو حلال سمجھنا یہ خالص شیطانی تعلیم ہے، اگر تم نے شیطان کی اطاعت اختیار کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

امام بخاریؒ نے آیت کے اس حصے کو انہی لوگوں کے رد میں پیش کیا ہے جو آیتِ مذکورہ میں تاویلیں کر کے اس جانور کو حلال ٹھہرانا چاہتے ہیں جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور اس تاویل کو تلقین شیطانی قرار دیا ہے۔

**جانور کے حلال ہونے کی دوسری شرط**

ذکات ہے یعنی جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کرنا شریعتِ اسلام نے جانور کو حلال کرنے کے لئے جو پاکیزہ طریقہ تبلایا قرآن کریم نے اس کا نام ذکوٰۃ رکھا ہے (الا ما ذکیتم) اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک اختیاری دوسری غیر اختیاری۔

اختیاری صورت سے مراد اُن جانوروں کا ذبیحہ ہے جو گھروں میں پالے جاتے ہیں، جیسے بکری، گائے، بیل، بھینس وغیرہ اور کسی جنگلی جانور جیسے ہرن وغیرہ کو گھر میں پال کر مانوس بنا لیا جائے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہو جاتا ہے اور غیر اختیاری صورت

---

لہ دیکھئے فتح الباری ص ۵۱۲ ج ۹

افطار کرلیا (تنبیہ ؒ) ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ ۱۰ـــــ جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بی بی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی ـــــ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے، بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرلے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے اس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

**وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے**

۱ـــــ بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔ ۲ـــــ تمام دن حالتِ جنابت میں بغیر غسل کئے رہنا۔ ۳ـــــ فصد کرانا، کسی مریض کے لئے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔ ۴ـــــ غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے۔ روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ ۵ـــــ روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

**وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!**

۱ـــــ مسواک کرنا۔ ۲ـــــ سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔ ۳ـــــ آنکھوں میں دوا، یا سُرمہ ڈالنا۔ ۴ـــــ خوشبو سونگھنا۔ ۵ـــــ گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔ ۶ـــــ کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔ ۷ـــــ بھول کر کھانا پینا۔ ۸ـــــ حلق میں بلا اختیار دھواں یا گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔ ۹ـــــ کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔ ۱۰ـــــ خود بخود قے آجانا۔ ۱۱ـــــ سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا۔

سے مراد وہ جنگلی اور وحشی حلال جانور ہیں جن کا شکار کیا جاتا ہے، اور اگر پالتو جانوروں میں سے بھی کوئی جانور وحشی ہو کر بھاگ جائے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس دوسری قسم غیر اختیاری کے معاملے میں تو شرعی حکم یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر کسی دھار دار آلے تیر، تلوار وغیرہ سے جانور کو زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے اسی طرح شکاری کتوں کو یا باز وغیرہ کو اگر تربیت دے کر ایسا سدھا لیا جائے کہ وہ جانور کو پکڑ کر لائیں، اور اس میں سے کھائیں نہیں، ایسی صورت میں تربیت یافتہ کتے کو اگر بسم اللہ پڑھ کر شکار کے لئے چھوڑا جائے، اور یہ کتا یا باز جانور کو زخمی کر دے جس سے جانور کی جان نکل جائے تو یہ بھی حلال ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کی آیت مذکورہ سورۂ مائدہ : ۴ میں اسی طرح کے شکار کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ میں بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر چلانے اور اس کے حلال ہونے کی تصریحات موجود ہیں، تمام کتب فقہ میں بھی اس کے مسائل اور جزئیات کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔

پہلی یعنی اختیاری صورت میں اونٹ کے لئے تو نحر کرنے کا طریقہ مسنون ہے۔ یعنی اونٹ کے پاؤں باندھ کر کھڑا کر دیا جائے، اور تیر، نیزہ یا چھری اس کے لبہ میں مار کر خون بہا دیا جائے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ سورۂ حج : ۳۶ میں اسی کا بیان ہے اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں اسی کی تصریح ہے۔

اونٹ کے علاوہ دوسرے جانور بکری، گائے، بیل، بھینس وغیرہ کے لئے مسنون طریقہ ذبح کا ہے کیونکہ قرآن کریم نے گائے کے لئے فرمایا اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً اسی طرح مینڈھے کیلئے ذِبْحٍ عَظِیْمٍ کے الفاظ ارشاد فرمائے اور اونٹ کے لئے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ فرمایا اسی قرآنی اشارہ کے مطابق شریعت کا حکم یہ ہوا کہ اونٹ کو نحر اور گائے بیل بکرے وغیرہ کو ذبح کیا جائے۔

**ذبح کرنے کے احکام و آداب**

اس کی تفصیلات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث سے واضح ہوتی ہیں۔

۱۲ —— دانتوں میں سے خون نکلے، مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔
۱۳ —— اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

## وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے

۱ —— بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔ ۲ —— جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔ ۳ —— جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔ ۴ —— مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔ ۵ —— بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے۔ اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔ ۶ —— کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔ ۷ —— کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہوجائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔ ۸ —— عورت کے لئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر حیض و

۱- عن رافع بن خدیج ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انہر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا لیس السن والظفر
(بخاری ومسلم وسنن اربعہ)[۱]

ترجمہ :- "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دھاردار چیز جانور کا خون بہا دے، اور ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے (وہ حلال ہے)، کھا سکتے ہو مگر دانت اور ناخن (کہ دھاردار ہونے کے باوجود ان سے ذبح کرنا جائز نہیں، دیگر ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے)"

۲- عن عدی بن حاتم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرر الدم بما شئت واذکر اسم اللہ (ابوداؤد ونسائی، از حوالہ بالا)

ترجمہ :- "جس دھاردار چیز سے چاہو جانور کا خون بہا دو اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لو"

۳- عن شداد بن اوس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرتہ[۲]

ترجمہ :- "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے متعلق حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے پس اگر تمہیں کسی کو (قصاص وغیرہ میں) قتل کرنا ہو تو بہتر ہیئت میں قتل کرو (کہ آسانی سے جان نکل جائے) اور کسی جانور کو ذبح کرنا ہو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، چنانچہ پہلے اپنی چھری کو خوب تیز کرلو (تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو)"

۴- عن ابن عمر، امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحد الشفار وان تواری عن البھائم قال اذا ذبح احدکم فلیجھز (شرح وقایہ)[۳]

ترجمہ :- "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھریوں کی دھار کی جانب سے ذبح کرنے

---

[۱] جمع الفوائد، ص ۲۰۷ جلد اول
[۲] صحیح مسلم ص ۱۵۲ جلد ۲
[۳] جمع الفوائد، ص ۲۰۷ جلد اول

نفاس والی عورت جن کے لئے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں۔ سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

**روزہ کی قضا** ۱ــــــ کسی عذر سے روزہ قضا ہو گیا تو جب عُذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں۔ قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔ ۲ــــــ اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

**سحری** روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعث برکت و ثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔ اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے سحری سے فارغ ہو کر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

**افطاری** آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے۔ ہاں جب ابر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیئے۔

کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔ افطار کے وقت یہ دعا مسنون ہے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

**تراویح** ۱ــــــ رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ ۲ــــــ تراویح کی جماعت سنت علی الکفایۃ

کا حکم فرمایا اور حکم فرمایا کہ چھریاں جانوروں کی آنکھ سے چھپا کر رکھی جائیں نیز فرمایا اگر ذبح کرو تو مکمل طور پر ذبح کرو (ادھورا نہ چھوڑو)۔

۵۔ قال ابن عباس و انس و ابن عمر اذا قطع الراس مع ابتد اوالذبح من الحلق ولایتعمد فان ذبح من القفا لم توکل سواء قطع الرأس ام لم یقطع (بخاری[۱])

ترجمہ: "حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر حلق کی جانب سے ذبح کرتے وقت جانور کا سر کٹ کر الگ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن بالارادہ ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ یہ مکروہ ہے اور اگر جانور کو پشت کی طرف سے ذبح کیا جائے تو وہ کسی حال میں حلال نہیں، برابر ہے کہ سر کٹ جائے یا نہ کٹے (یعنی دونوں حالتوں میں ناجائز ہے)"

۶۔ الذکاۃ بین الحلق واللبۃ (دارقطنی) وقال ابن عباس الذکاۃ بین الحلق واللبۃ (بخاری فی الترجمۃ) ومثلہ عن عمرؓ فی تخریج الھدایۃ[۲]

ترجمہ: "ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ذبح حلقوم اور نرخرہ کے بیچ میں ہونا چاہیئے اور حضرت عمرؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے"

۷۔ افر الاوداج بما شئت (ھدایۃ[۳])

ترجمہ: "رگیں (جن کو اوداج کہتے ہیں) انکو اچھے طریقے سے کاٹ دو"

۸۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن شریطۃ الشیطان ھی الذبیحۃ یقطع منھا الجلد ولا تفری الاوداج (ابوداؤد[۴])

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے ذبیحہ سے منع فرمایا یعنی ایسے ذبیحہ سے جس کا صرف اوپر کا گوشت کاٹا جائے اور نرخرہ کے متصل رگیں سالم رہ جائیں"

۹۔ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تنخع الشاۃ اذا ذبحت (الطبرانی فی المعجم[۵])

---

[۱] بخاری فی تراجم ص ۸۲۰ ج ۲ [۲] نصب الرایہ ص ۱۸۹ ج ۵ [۳] جمع الفوائد ص ۲۰۴ ج ۱
[۴] نصب الرایہ ص ۱۸۲ ج ۵ [۵] نصب الرایہ ص ۱۸۰ ج ۵

ہے۔ محلہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہو گئی، اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور اگر محلہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سنت کے گنہگار ہوں گے۔ ۳۔۔۔۔ تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے۔ کسی جگہ حافظِ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے مگر سنانے پر اجرت و معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں، اجرت دے کر قرآن نہ سنیں کیونکہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔ ۴۔۔۔۔ اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت پڑھ چکا ہے اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھنا درست نہیں۔ ۵۔۔۔۔ جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہوں تو جب امام وتر کی جماعت کرائے اس کو بھی جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے، اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔ ۶۔۔۔۔ قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہو گا، نہ مقتدی کو۔۔۔۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

## اعتکاف

۱۔۔۔۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔ ۲۔۔۔۔ رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر بڑے شہروں کے محلہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ ۳۔۔۔۔ بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہیئے۔ ۴۔۔۔۔ اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت

ترجمہ :۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے نخع کرنے سے منع فرمایا یعنی ذبح میں اتنا مبالغہ کرنا کہ گردن کی ہڈیوں کے سفید مغز اور گودے بھی کاٹے جائیں۔"

۱۰۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی امر المجوس غیر ناکحی نسائھم ولا اکلی ذبائحھم (مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ[1])

ترجمہ :۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کافروں کے متعلق فرمایا کہ ان کی عورتوں سے شادی کرنے اور ان کے ہاتھ کے ذبیحہ کھانے کے علاوہ دوسرے امور میں اُن کے ساتھ اہلِ کتاب جیسا معاملہ کرو (مجوس کے اس حکم میں اہلِ کتاب کے سوا دوسرے کفار و مشرکین سب شامل ہیں کہ) ان کا ذبیحہ اور عورتیں مسلمان کے لئے حلال نہیں حرام ہیں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ ہدایات سے امور ذیل معلوم ہوئے۔

اوّل یہ کہ ذبح کا مقام حلق اور لبّہ کے درمیان ہے (حدیث نمبر۵)

دوم یہ کہ گردن کو پورا کاٹ کر الگ نہ کیا جائے بلکہ حرام مغز کا تسلسل رکھا جائے (حدیث نمبر۹)، بلکہ حلقوم اور مری یعنی سانس کی نالی اور اس کے اطراف کے خون کی رگیں جن کو اوداج کہا جاتا ہے وہ قطع کی جائیں (حدیث نمبر ۶ و ۷) اس طرح نجس خون بھی پورا نکل جاتا ہے اور جانور کو تکلیف بھی بہت کم ہوتی ہے۔ اس طریق کے خلاف جتنی صورتیں ہیں ان میں خون بھی پورا نہیں نکلتا اور جانور کو بلا ضرورت تکلیف بھی شدید ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ (حدیث نمبر ۱ و ۲)

چہارم یہ کہ اس کا پورا اہتمام کیا جائے کہ جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، اس لئے یہ حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لو اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرو اور مذکورہ حلقوم وغیرہ کو پورا کاٹو، تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔ ایک حدیث میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز کی جائے۔

---

[1] نصب الرایہ ص ۲۰۰ ج ۵

دل چاہے کرتا رہے ۔ ۵ ـــــــ جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے، اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لئے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سُن سکے۔ اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔ ۶ ـــــــ اگر بلا ضرورت طبعی و شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا خواہ عمدًا نکلے یا بھول کر۔ اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیئے۔ ۷ ـــــــ اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ر تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔ ۸ ـــــــ غسل جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو جائز نہیں۔

**شب قدر** چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کو پوشیدہ رکھا تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں شب۔ اور ۲۷ ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ و استغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہوجاتا ہے۔ ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کر کے سوجانا بڑی محرومی ہے، تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں وہ شروع میں کچھ وعظ

پنجم یہ کہ زندہ جانور کا کوئی عضو نہ کاٹو (حدیث ۹)

ششم یہ کہ جانور کو گدی کی طرف سے ذبح نہ کرو، اس سے یہ بھی معلوم کہ جھٹکا جائز نہیں جس میں دفعۃً گردن الگ کر دی جاتی ہے۔

ہفتم یہ کہ جو جانور گدی کی طرف سے ذبح کیا جائے حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حلال نہیں (حدیث نمبر ۹)

ہشتم یہ کہ کفار میں سے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے دوسرے کسی کافر کا حلال نہیں (حدیث نمبر ۱۰) اور اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت بھی اس وجہ سے ہے کہ اس مسئلے میں ان کا اپنا مذہب بھی اسلام کے مطابق ہے۔

## تیسری شرط ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا

جمادات و نباتات کے کاٹنے، تراشنے، پکانے بنانے میں اسلام نے کوئی یہ پابندی نہیں لگائی کہ وہ مسلمان ہی کے ہاتھ سے ہو مگر روحِ حیوانی کے خصوصی احترام کی وجہ سے جیسے اللہ کا نام بوقتِ ذبح لینا شرط قرار دیا ہے اسی طرح ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا یا کم از کم اہلِ کتاب میں سے ہونا شرطِ حلت قرار دیا ہے، آیت وطعام الذین اوتوا الکتٰب سے باتفاق ائمہ تفسیر ان کے ذبائح مراد ہیں، گوشت کے علاوہ دوسری غذاؤں میں تو اہل کتاب اور تمام کفار برابر ہیں کہ عام کھانے پینے کی چیزیں جو پاک و حلال ہیں، وہ ہر شخص کے ہاتھ کی حلال ہیں مسلمان ہو یا کوئی کافر یہود و نصاریٰ کے سوا دوسرے کفار کے ذبائح حرام ہونے کے متعلق حدیث نمبر ۱۰ کی تصریح واضح ہے اور تمام طوائف کفار میں سے صرف یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دینے کی وجہ بھی یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں ان کا اپنا مذہب اور تورات و انجیل کی تصریحات بھی عین قرآن اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں، اور سینکڑوں تحریفات کے بعد اب تک بھی یہ حکم اس میں موجود ہے، عہد نامہ جدید کی کتاب اعمال میں غیر قوم کے لئے تمام احکام کو ختم کر کے اتنا پھر بھی لکھا گیا ہے کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے

سُن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو دُرست ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴

# ترکیب نمازِ عید

اول زبان یا دل سے نیت کرو کہ دو رکعت نمازِ عید واجب مع چھ زائد تکبیروں کے پیچھے اس امام کے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لو اور سُبحانک اللّٰھم پڑھو پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی میں باندھ لو اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہو پڑھو۔ دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اٹھائے رکوع میں چلے جاؤ۔ باقی نماز حسبِ دستور تمام کرو۔ خطبہ سن کر واپس جاؤ۔ والحمدللہ

# مسائلِ زکوٰۃ

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

مسئلہ:۔ اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کروؔ (اعمال ۱۵ : ۲۹)

# اہل کتاب کون لوگ ہیں؟

قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود و نصاریٰ ہیں سورۂ مائدہ آیت نمبر ۵ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت منقول ہے:

وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم یعنی ذبیحة الیهود والنصاریٰ[1]

یہود و نصاریٰ میں وہ لوگ داخل نہیں جو مذہبًا دہریے ہیں خدا اور رسول اور آخرت کے قائل ہی نہیں، جیسے آج کل یورپ کے بہت سے قومی عیسائیوں کا حال ہے کہ محض قومی طور پر وہ مسیحی یا عیسائی کہلاتے ہیں، مگر وہ خدا ہی کے وجود کے قائل نہیں پھر کسی رسول و پیغمبر کے کیا قائل ہوتے اسی لئے حضرت علیؓ نے نصاریٰ بنی تغلب کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے سوائے شراب نوشی کے اور کسی چیز کو نہیں مانتے[2] ہاں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور تورات و انجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں، اگرچہ انھوں نے اپنے دین کو بدل ڈالا ہے، تورات و انجیل میں تحریف کر ڈالی ہے اور تثلیث وغیرہ جیسے مشرکانہ عقائد اختیار کر لئے ہیں، مگر یہ آج کے نہیں، نزول قرآن کے زمانے میں بھی ان کا یہی حال تھا، اور قرآن کریم نے ان حالات کے باوجود ان کو اہل کتاب قرار دیا اور ان کے ذبائح کو حلال کیا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا، امام تفسیر ابن کثیر نے اس پر علمائے امت کا اجماع نقل کر کے فرمایا لانهم يعتقدون تحريم الذبح لغير الله ولا يذكرون على ذبائحهم الا اسم الله وان اعتقدوا فيه تعالیٰ ما هو منزه عنه تعالیٰ وتقدس[3]

---

[1] تفسیر القرطبی ص ۷۶ ج ۲ — [2] تفسیر القرطبی ص ۷۶ ج ۲
[3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹ ج ۲

مسئلہ :۔ کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے ، اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (درمختار و شامی)

مسئلہ :۔ سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے ، زیور ، برتن ، حتیٰ کہ سچا گوٹہ ، ٹھپہ ، اصلی زری ، سونے چاندی کے بٹن ، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے ، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں ۔

مسئلہ :۔ کسی کے پاس کچھ روپیہ ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں ۔ (ہدایہ)

مسئلہ :۔ ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو ۔ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے ، اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کرکے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے ۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی (درمختار و شامی)

مسئلہ :۔ پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا ، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی ، بشرطیکہ یہ رقم بقدر نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی ۔

# خلاصۂ کلام

قرآن و سنت کی مذکورہ بالا تصریحات سے اسلامی ذبیحہ کے لئے تین شرائط ثابت ہوئیں:

۱۔ ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔
۲۔ بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔
۳۔ شرعی طریق پر حلقوم اور سانس کی نالی اور خون کی رگیں کاٹ دینا۔

ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو وہ اسلامی ذبیحہ نہیں۔ یہ سب بیان اختیاری ذکات کا تھا، غیر اختیاری ذکات، شکار وغیرہ کے احکام درج ذیل ہیں:

**شکار کے احکام** اوپر اسلامی ذبیحہ کے متعلق قرآن مجید کی دس آیات اور چند احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ایک تو عام ذبائح کا حکم مذکور ہے جو گھریلو اور پالتو جانوروں سے متعلق ہے جن کے حلال ہونے کے لئے تین شرطوں کی تصریح پوری وضاحت کے ساتھ آچکی ہے یعنی ذابح کا مسلمان ہونا ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اور عروق ذبح کو دھار دار چیز سے قطع کرنا۔

دوسرا حکم شکار کا بھی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۴ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تربیت یافتہ کتے وغیرہ کو اگر بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے اور وہ جانور کو زخمی کر کے پکڑ لائے اور خود اس میں سے نہ کھائے تو یہ شکار حلال ہے۔ احادیث صحیحہ میں بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر پھینکنے کا بھی یہی حکم مذکور ہے۔ اس حکم کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل روایات حدیث میں ہے۔

عن ابی ثعلبۃؓ اذا ارسلت کلبک فاذکر اللہ واذا رمیت بسھمک فاذکر اللہ (ابن کثیر، مائدہ)

جب تم اپنے تربیت یافتہ شکاری کتے کو شکار پر چھوڑو تو اللہ کا نام لو اور جب تم شکار پر تیر پھینکو تو اللہ کا نام لو۔

اور حضرت عدی بن حاتم رضؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بالفاظ ذیل آئی

مسئلہ:۔ صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیٰحدہ دینا ہوگی (در مختار و شامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ (۱/۴۰) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا چالیسواں دے اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمت خرید نہ لگے گی، زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا چالیسواں دینا ہوگا (در مختار ج ۲)

مسئلہ:۔ ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے (ہدایہ ج ۱)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ:۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

تمت بالخیر

ہے:

اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ وان ادرکتہ قد قتل ولم یاکل منہ فکلہ وان اکل فلا تاکل فانما امسک علی نفسہ وان وجدت مع کلبک کلبا غیرہ وقد قتل فلا تاکل فانک لا تدری ایھما قتل و اذا رمیت بسھمک فاذکر اسم اللہ

جب تم اپنے کتے کو شکار کے لئے چھوڑو تو اللہ کا نام لو۔ اگر اس نے شکار کو تمہارے لئے روک لیا تو اگر تم نے اوس کو زندہ پا لیا تو باقاعدہ ذبح کر لو اور اگر اوس نے قتل کر ڈالا ہے مگر خود اوس میں سے نہیں کھایا تو اس کو کھا سکتے ہو اور اگر شکاری کتے نے خود اس میں سے کھا لیا تو اوس کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ اوس نے اپنے لئے شکار کیا ہے تمہارے لئے نہیں اور اگر تم نے اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی شکار کے پکڑنے میں شریک پایا اور وہ شکار قتل ہو گیا تو اوس کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اوس کو ان دو کتوں میں سے کس نے قتل کیا ہے اور جب تم شکار پر تیر پھینکو تو اوس پر اللہ کا نام لو

نیز حضرت عدی بن حاتم کی حدیث میں یہ الفاظ بھی بخاری و مسلم میں منقول ہیں۔

قال قلت یارسول اللہ ارسل کلبی فاجد معہ کلبا اخر قال فلا تاکل فانما سمیت علی کلبک ولم تسم علی کلب اخر (بخاری و مسلم از مشکوٰۃ)

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بعض اوقات میں اپنے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اوس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی شریک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں شکار نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اللہ کا نام اپنے شکاری کتے پر لیا تھا، دوسرے کتے پر نہیں لیا۔

اور ترمذی میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔

نھینا عن صید کلب المجوس (مشکوٰۃ)

ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی مجوسی بت پرست کے شکاری کتے کا شکار کھائیں۔

# حُکمُ الاِقسَاطِ
فِی
# حِیلَۃِ الاِسقَاط

## حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

میت کی فوت شدہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات وفرائض کی ادائیگی یا کفارہ کس طرح کیا جاسکتا ہے، جس سے وہ گناہ سے سبکدوش ہوجائے، اس کا بیان کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، جس کا کچھ خلاصہ فائدہ عوام کے لئے اس رسالہ کے آخر میں لکھ دیا جائے گا۔

لیکن آج کل بہت سے شہروں اور دیہات میں لوگوں نے ایک رسم نکالی ہے جس کو دَوَر یا اسقاط کہتے ہیں، اور جاہلوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس رسم کے ذریعہ تمام عمر کی نماز روزوں اور زکوٰۃ وحج اور تمام فرائض وواجبات سے سبکدوشی ہوجاتی ہے اور اس رسم کو ایسی سخت پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے تجہیز وتکفین کا کوئی اہم فرض ہو، جو کوئی نہیں کرتا اس کو طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں۔

بلاشبہ فقہاء کے کلام میں دَوَر واسقاط کی صورتیں مذکور ہیں، لیکن وہ جن شرائط کے ساتھ مذکور ہیں، عوام نہ اُن شرائط کو جانتے ہیں، نہ اُن کی کوئی رعایت کی جاتی ہے، بلکہ فوت شدہ فرائض وواجبات سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ کو نظر انداز کرکے اس رسم کو تمام فرائض وواجبات سے سبکدوشی کا ایک آسان نسخہ بنا لیا گیا ہے جو چند پیسوں میں حاصل ہوجاتا ہے، پھر کسی کو کیا ضرورت رہی کہ عمر بھر نماز روزہ کی محنت اٹھائے۔

احادیث مذکورہ میں شکار کے حلال ہونے کے لئے چند شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول شکاری کتے یا تیر وغیرہ کو شکار پر چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لینا، دوسرے یہ کہ شکاری کتا تربیت یافتہ ہو وہ شکار کو کھائے نہیں بلکہ شکاری کے پاس پکڑ لائے۔ تیسرے یہ کہ شکار کرنے والا بھی مسلمان ہو مشرک نہ ہو جیسا کہ حدیث ۴ سے ثابت ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ذکوٰۃ اختیاری کی تین شرطوں میں سے دو شرطیں شکار میں بھی ضروری ہیں یعنی شکاری کا مسلمان ہونا اور شکار پر تیر یا شکاری کتا چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لینا۔ صرف تیسری شرط یعنی عروق ذبح کو قطع کرنا۔ اس غیر اختیاری قسم میں معاف کر دیا گیا ہے بلکہ جانور کے کسی حصے کو زخمی کر دینا کافی سمجھا گیا ہے، تو فرق صرف محل ذبح کا رہ گیا کہ اختیاری صورت میں گردن کی خاص رگیں قطع کرنا ضروری ہے۔ غیر اختیاری میں کسی جگہ زخم لگنا کافی ہے اور بتصریح احادیث صحیحہ جو پالتو اور مانوس جانور وحشی بن جائے اور قابو سے نکل جائے وہ بھی شکار ہی کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی کی روایت سے یہ حکم نقل کیا گیا ہے اور اسی بنیاد پر حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اگر کسی شکاری جانور ہرن وغیرہ کو گھر میں پال کر مانوس کر لیا جائے تو وہ پالتو جانوروں کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو اسی طرح ذبح کرنا چاہیئے جس طرح عام جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اس کے بغیر وہ حلال نہیں ہوگا۔

## صحابہ و تابعین اور علمائے اُمّت کی تشریحات

اسلامی ذبیحہ کے اصل مسئلے کو خود قرآن کریم نے براہ راست ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس میں کسی اجتہاد و رائے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی احادیث نے اس کو اور بھی زیادہ واضح اور روشن کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرصہ ہوا کہ ایک سوال مخدوم محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس آیا تھا، آپ نے جواب لکھنے کے لئے میرے سپرد فرمایا، یہ جواب کسی قدر مفصل اور کافی ہو گیا، اس لئے اس رسم میں ابتلاء عام کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے، خدا کرے کہ یہ مسلمانوں کو جاہلانہ رسوم سے بچانے میں مفید ثابت ہو۔ واللہ الموفق والمعین۔

# الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں ایک حیلہ مروج ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کے بعد کچھ لوگ دائرہ بناتے ہیں، میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقد باندھتے ہیں، اور دائرہ میں لاتے ہیں، امام مسجد جو دائرہ میں ہوتا ہے وہ لیتا ہے، اور یہ الفاظ اس پر پڑھتا ہے کل حق من حقوق اللہ من الفرائض والواجبات والکفارات والمنذورات بعضہا ادیت و بعضہا لم تؤد الا انت عاجز عن ادائہا و اعطیت ھذہ المنحۃ الشریفۃ علی ھذہ النقودات فی حیلۃ الاسقاط رجاءً من اللہ تعالیٰ ان یعفی لہ اور ایک دوسرے کی ملک کرتا ہے۔ تین دفعہ اس کو پھیرا جاتا ہے، بعدہ نصف امام کو اور نصف غرباء کو تقسیم کیا جاتا ہے اور زید ایک امام مسجد ہے، اس نے اس مروجہ حیلہ کو چھوڑ دیا ہے اور کہتا ہے کہ اس مروجہ حیلہ کا ثبوت ادلہ شرعیہ سے کوئی نہیں، لہٰذا یہ بات بدعت ہے۔ زید کے ترک پر زید کو لوگ ملامت کرتے ہیں، اور زید باوجود حنفی المذہب ہونے کے اس کو وہابی کہتے ہیں اور اس حیلہ کے جواز پر آباؤ اجداد کی دلیل لاتے ہیں، کیا زید حق پر ہے یا باطل پر، اس مروجہ حیلہ کا کیا حکم ہے زید اس رواج اور اس التزام و اصرار کو ختم کرنے کا شرعاً حقدار اور مصیب ہوگا یا نہیں نیز بعض صورتوں میں مشترک ترکہ میں سے روپیہ لایا جاتا ہے جس میں بعض وارث موجود نہیں ہوتے نیز بعض دفعہ یتیم بچے رہ جاتے ہیں کیا یہ مال حیلہ میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں اور دائرہ والے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الشرعیۃ۔

کہ جانور کے حلال ہونے کا اصل مدار اللہ کے نام سے ذبح کرنے پر ہے باقی شرائط سب اسی کی تفصیلات ہیں۔ قرآنی تشریحات پر پھر ایک مرتبہ اجمالی نظر ڈالئے سورۃ الانعام میں یکے بعد دیگرے تین آیات میں اس مسئلے کے ہر منفی اور مثبت پہلو کو ایسا کھول دیا ہے کہ اوس کے بعد کسی اختلاف رائے کی جگہ نہیں رہتی آیت ۱۱۸ میں پہلے یہ ارشاد فرمایا:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ۔ — سو تم کھاؤ اس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اوس کے حکموں پر ایمان ہے۔

اس میں ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے خود مارا یعنی مردار اوس کو تو مسلمان حرام کہتے ہیں اور جس کو خود مارتے ہیں اوس کو حلال ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس آیت میں فیصلہ کر دیا کہ کسی چیز کا حلال یا حرام کرنا تمہارے اپنے اختیار میں نہیں یہ قانون الٰہی کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوس جانور کو حلال قرار دیا ہے جس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اور اوس جانور کو حرام کیا ہے جو خود مر جائے۔

دوسری آیت ۱۱۹ میں پھر اس کی مزید تاکید اور توضیح اس طرح آئی:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔ — اور کیا سبب ہے کہ تم نہیں کھاتے اوس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا اللہ کا۔

اس آیت نے یہ بات واضح کر دی کہ جانور کی حلت کا اصل مدار اللہ کا نام لیکر ذبح کرنے پر ہے۔ جب وہ اس طرح ذبح کر دیا جائے پھر اوس کے کھانے میں کوئی تردد کرنا کفار کا اتباع ہے اس کے بعد آیت ۱۲۱ میں اوس کے منفی پہلو کو پوری وضاحت سے اس طرح بیان فرمایا۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ط وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ — اور اوس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیاطین دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے

# الجواب

حیلۂ اسقاط یا دورِ بعض فقہاء کرام نے ایسے شخص کے لئے تجویز فرمایا تھا جس کے کچھ نماز روزے وغیرہ اتفاقاً فوت ہو گئے، قضاء کرنے کا موقع نہیں ملا اور موت کے وقت وصیت کی، لیکن اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں جس سے تمام فوت شدہ نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جا سکے، یہ نہیں کہ اس کے ترکہ میں مال موجود ہو اس کو تو وارث بانٹ کھائیں، اور تھوڑے سے پیسے لے کر یہ حیلہ حوالہ کر کے خدا و خلق کو فریب دیں، در مختار، شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور ساتھ ہی اس حیلہ کی شرائط میں اس کی تصریحات واضح طور پر فرمائی ہیں کہ جو رقم کسی کو صدقہ کے طور پر دی جائے اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک و مختار بنا دیا جائے کہ جو چاہے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے، جیسا عموماً آج کل اس حیلہ میں کیا جاتا ہے، کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو وہ دے رہے ہیں وہ صحیح معنی میں اس کا مالک مختار ہے اور نہ لینے والے کو یہ تصور و خیال ہو سکتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے میں اس کا مالک و مختار ہوں۔

دو تین آدمی بیٹھتے ہیں اور ایک رقم کو باہمی ہیرا پھیری کا ایک ٹوٹکا سا کر کے اٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے میت کا حق ادا کر دیا، اور وہ تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گیا حالانکہ اس لغو حرکت سے میت کو نہ تو کوئی ثواب پہنچا، نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہوا، کرنے والے مفت میں گناہ گار ہوئے۔

رسائل ابن عابدین میں اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ منۃ الجلیل کے نام سے شامل ہے اس میں تحریر ہے:۔

ویجب الاحتراز من ان یدیرھا اجنبی الا بوکالۃ کما ذکرنا وان یکون الوصی او الوارث کما علمت، ویجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع الصرۃ للفقیر الھزل او الحیلۃ بل یجب ان یدفعھا عازما علی تملیکھا منہ حقیقۃ لا تحیلا ملاحظا ان الفقیر اذا ابی عن ھبتھا الی الوصی کان لہ ذلک ولا یجبر علی الھبۃ (منۃ الجلیل فی اسقاط ما علی ذمۃ المرحوم من الصلوات، رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۲۲۵)

جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہو گئے۔

اس آیت میں کس قدر صاف و صریح یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی فرما دیا کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور اس کے بعد مزید تاکید کے لئے یہ بھی بتلا دیا کہ اس حکم کے خلاف مجادلہ کرنا شیاطین کا کام ہے۔

**ذرا غور کیجیئے** کہ قرآن حکیم تو بلاغت کا معیاری اور جامع مختصر کلام ہے اگر کوئی شخص آپ کو پوری تفصیل کے ساتھ یہ بتلانا چاہے کہ بغیر اللہ کا نام بوقت ذبح لئے ہوئے جانور حلال نہیں ہوتا اس کا کھانا حرام ہے تو وہ اس سے زیادہ کون سے الفاظ لائے جس سے آپ کو اس مسئلے میں شبہ نہ رہے۔

یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ جس معاملے میں کسی وقت اہل زیغ کی طرف سے کج بحثی کا خطرہ تھا اس کو بار بار مختلف عنوانات سے ایسا صاف کر دیا کہ تاویلات فاسدہ کرنے والے کو راہ نہ ملے۔

اسی لئے امام بخاریؒ نے اس آیت کے آخری جملے سے اس طرف اشارہ ثابت کیا ہے کہ جو لوگ اس آیت میں تاویل کر کے بسم اللہ چھوڑنے کا جواز نکالتے ہیں وہ شیاطین کا اتباع کرتے ہیں (صحیح بخاری کتاب الذبائح باب التسمیۃ علی الذبیحہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں اول تو اسی آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جس جانور کے ذبح پر اللہ کا نام قصداً چھوڑ دیا جائے وہ حرام ہے بھول کر رہ جائے تو وہ معاف ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کو فسق فرمایا ہے اور بھول نے والے کو فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بعد آیت کا آخری جملہ وان الشیاطین الخ نقل فرمایا ہے۔ اس جملے کے نقل کرنے کا مقصد حافظ حدیث امام ابن حجر شافعیؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ ذکر کیا ہے کہ:

فکانہ یشیر بذلک الی الزجر　　　گویا کہ امام بخاری آیت کے اس جملے سے

الغرض اس حیلہ کی ابتدائی بنیاد ممکن ہے کہ کچھ صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو لیکن جس طرح کا رواج اور التزام آج کل چل گیا ہے، وہ بلاشبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل قابل ترک ہے، چند مفاسد اجمالی طور پر لکھے جاتے ہیں۔

(۱) بہت مواقع میں اس کے لئے جو قرآن مجید اور نقد رکھا جاتا ہے وہ میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے اور اس کے حق دار وارث بعض موجود نہیں ہوتے یا نابالغ ہوتے ہیں تو ان کے مشترکہ سرمایہ کو بغیر اُن کی اجازت کے اس کام میں استعمال کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ۔ اور نابالغ تو اگر اجازت بھی دیدے تو وہ شرعاً نامعتبر ہے اور ولی نابالغ کو ایسے تبرعات میں اس کی طرف سے اجازت دینے کا اختیار نہیں بلکہ ایسے کام میں اس مال کا خرچ کرنا حرام ہے بنص قرآن شریف آیت کریمہ ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا (ترجمہ "جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً خرچ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں" سے ثابت ہے کہ ایسے مال کا دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) اگر بالفرض مال مشترک نہ ہو یا سب وارث بالغ ہوں، اور سب سے اجازت بھی لی جاوے تو تجربہ شاہد ہے کہ ایسے حالات میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ اُن سب نے بطیب خاطر اجازت دی ہے یا برادری اور کنبہ کے طعنوں کے خوف سے اجازت دی ہے، اور اس قسم کی اجازت حسب تصریح حدیث مذکور کالعدم ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض یہ سب باتیں بھی نہ ہوں سب بالغ ورثا نے بالکل خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہو یا کسی ایک ہی شخص وارث یا غیر وارث نے اپنی ملک خاص سے اس کا انتظام کیا ہے تو مفاسد ذیل سے وہ بھی خالی نہیں۔ مثلاً اس حیلہ کی فقہی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو اول یہ قرآن اور نقد دیا جاتا ہے اس کی ملک کر دیا جائے اور پوری وضاحت سے اس کو بتلا دیا جائے کہ اب تم مالک و مختار ہو چکا ہو کر پھر وہ اپنی خوشی سے بلا کسی رسمی دباؤ یا لحاظ و مروت کے میت کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اسی طرح دیدے اور مالک بنا دے اور پھر وہ شخص اسی طرح کسی تیسرے چوتھے کو دے دے لیکن مروجہ رسم میں اس کا کوئی لحاظ

عن الاحتیاج لجواز ترک التسمیۃ بتاویل الآیۃ وحملہا علی غیر ظاہرہا۔

اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کو زجر و تنبیہ مقصود ہے جو آیت مذکورہ میں ظاہر کے خلاف تاویل کر کے بسم اللہ ترک کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

* * * *

یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین سے لے کر متاخرین فقہاء تک سبھی اس مسئلے میں متفق ہیں کہ جان بوجھ کر کوئی شخص ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا چھوڑ دے تو وہ ذبیحہ نہیں مردار ہے کھانا اس کا حرام ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے (کذا فی الہدایہ)

ان حضرات کی تصریحات اور اقوال کو پورا نقل کیا جائے تو ایک بڑی کتاب اسی کی بن جائے جس کا پڑھنا دیکھنا لوگوں کے لئے آسان نہیں اس لئے اس میں سے کچھ اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت نقل کیا جائے گا۔

## ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی تلبیس یا التباس

مگر اس سے پہلے اس مغالطے کا ازالہ ضروری ہے جس کو لے کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے پورے ملک میں ایک نیا فتنہ اخبارات و رسائل کے ذریعہ پھیلا رکھا ہے۔ اور حیرت یہ ہے اس میں وہ میرا نام بھی ...مار لا کر لوگوں کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں کہ میں نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلے میں علماء امت کا اختلاف ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ یہاں دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک مسلمانوں کا ذبیحہ اور اس پر اللہ کا نام لینے کی قطعی شرط، دوسرے اہل کتاب کا ذبیحہ جس کا بیان عنقریب تفصیل کے ساتھ آئے گا پہلے مسئلے میں پوری امت میں کوئی اختلاف نہیں صرف امام شافعیؒ کی طرف جو اختلاف منسوب کیا جاتا ہے اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۔ البتہ دوسرا مسئلہ یعنی اہل کتاب کے ذبائح کی حلت جو قرآن کریم میں مذکور ہے اس کے متعلق بیشک صحابہ و تابعین اور فقہائے امت میں اختلاف چلا آتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک

نہیں ہوتا، اول تو جس کو دیا جاتا ہے، نہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ملک ہو گیا، اور وہ اس میں مختار ہے نہ لینے والے کو اس کا کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس وقت یہ نقد لے کر چل دے اور دوسرے کو نہ دے تو دینے والے حضرات ہرگز اس کو برداشت نہ کریں، اور ظاہر ہے اس صورت میں تملیک صحیح نہیں ہوتی، اور بدون تملیک کے کوئی قضا یا کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا، اسی لئے یہ حرکت بے کار ہو جاتی ہے۔

(۴) مذکورہ صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو مالک بنایا جائے وہ مصرف صدقہ ہو۔ صاحبِ نصاب نہ ہو مگر عام طور پر اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا عموماً ائمہ مساجد جو صاحبِ نصاب ہوتے ہیں، انہی کے ذریعہ یہ کام کیا جاتا ہے اس لئے بھی یہ سارا کاروبار لغو محض ہو جاتا ہے، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۵) اور اگر بالفرض مصرفِ صدقہ کا بھی صحیح انتخاب کر لیا جائے اور ان کو پورا مسئلہ بھی معلوم ہو کہ وہ قبضہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھے پھر میت کی خیر خواہی کے پیشِ نظر وہ دوسرے کو اور اسی طرح دوسرا تیسرے چوتھے کو دیتا چلا جائے تو آخر میں وہ جس شخص کے پاس پہنچتا ہے وہ اس کا مالک و مختار ہے، اس سے واپس لے کر ایک امام کو اور آدھا دوسرے فقراء کو تقسیم کرنا ملک غیر میں بلا اس کی اجازت کے تصرف کرنا ہے، جو ظلم اور حرام ہے، حسب تصریح حدیث مذکور۔

(۶) اور بالفرض یہ آخری شخص اس کی تقسیم اور حصے بخرے لگانے پر آمادہ بھی ہو جائے اور فرض کرو کہ اس میں دباؤ سے نہیں دل سے ہی راضی ہو جائے تو پھر بھی اس طرح کے حیلہ کا ہر میت کے لئے التزام کرنا اور جیسے تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہیں، اسی طرح اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا بھی احداث فی الدین ہے، جس کو اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں، اور جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے نعوذ باللہ

نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء کی یہ جرأت بھی بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں نہ حج کریں نہ زکوٰۃ دیں مرنے کے بعد چند پیسوں سے خرچ

ان کا وہی ذبیحہ حلال قرار دیا جائے گا جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ بعض نے فرمایا کہ ان کا وُہ ذبیحہ بھی حلال ہے جس پر اللہ کا نام لینا یا نہ لینا ہمیں معلوم نہ ہو اور بعض حضرات نے اون کے اوس ذبیحہ کو بھی جائز قرار دیا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لینا معلوم ہو اور بعض حضرات نے تو یہاں تک بھی کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر انھوں نے عزیر یا مسیح کا نام لیا ہو وہ بھی حلال ہے جس کی تفصیل ذبائح اہل کتاب کے تحت میں آئے گی۔ یہی وُہ اختلاف ہے جس کا احقر نے اپنے ایک فتوی میں ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ادارہ تحقیقات کے محققین میرے اس جملے کو جو ذبائح اہل کتاب کے سلسلے میں تھا اسلامی کے ذبیحہ میں کھینچ لائے اور یہ مغالطہ دیا کہ مسلمانوں کے ذبیحہ میں بھی اللہ کا نام لینے کی شرط ہمیشہ سے زیر اختلاف چلی آئی ہے، اور جب میں نے اس پر یہ لکھا کہ اس مسئلے میں امت کے درمیان کوئی معتد بہ خلاف نہیں بلکہ جمہور امت کے نزدیک مسئلہ اجماعی ہے تو میرے دو کلاموں میں تضاد ثابت کرنے لگے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ذبیحہ میں جس پر قصداً اللہ کا نام چھوڑ دیا جائے وہ باتفاق اہلِ اسلام حرام و ناجائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے ایک امام شافعیؒ کے اختلاف کی حقیقت کا بیان آگے آرہا ہے۔

ہاں ذبائح اہل کتاب کے معاملہ میں بے شک یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اوس میں صحابہ و تابعین اور فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ فرمایئے ان دو باتوں میں کیا تضاد اور تعارض ہے۔

## امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ایک نظر

اس معاملہ میں سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب اس مسئلے میں کیا ہے خود حضرت امام موصوف کی اپنی تصنیف کتاب الام میں امام کے یہ الفاظ ہیں:

ولو نسی التسمیۃ فی الذبیحۃ — اگر ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یہ

سے یہ سارے مفاسد حاصل ہو جائیں گے، جو سارے دین کی بنیاد منہدم کر دینے کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

مذکور الصدر اجمالی مفاسد کو دیکھ کر بھی یہ فیصلہ کر لینا کسی مسلمان کے لئے دشوار نہیں کہ یہ حیلے حوالے اور اس کی مروجہ رسوم سب ناواقفیت پر مبنی ہیں میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اور کرنے والے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ، ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

## کچھ مسائل فدیۂ نماز و روزہ وغیرہ

مسئلہ جس شخص نے نماز روزہ یا حج زکوٰۃ وغیرہ کی کوئی وصیت کی تو یہ وصیت اس کے ترکہ کے صرف ایک تہائی حصہ میں جاری کرنا وارثوں پر لازم ہوگا، ایک تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ہو تو وہ سب وارثوں کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے اگر وہ سب یا ان میں کوئی اجازت نہ دے تو مشترکہ ترکہ سے وصیت پوری نہیں کی جاسکتی، اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں، اس کے حصہ پر ایک تہائی سے زائد کی وصیت کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہیے ہدایہ عالمگیری، شامی وغیرہ۔ مسئلہ جس شخص نے وصیت کی ہو اور مال بھی اتنا چھوڑا ہو کہ اس کے ایک تہائی میں ساری وصیتیں پوری ہو سکیں تو وصی اور وارثوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس وصیت کو پورا کریں، اس میں کوتاہی کریں یا میت کا مال موجود ہوتے ہوئے اس کے نماز روزہ کے فدیہ میں حیلہ حوالہ پر اعتماد کر کے مال کو خود تقسیم کریں تو گناہ ان کے ذمہ رہے گا مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں واجبات و فرائض کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی۔

۱۔ ہر روز کی نمازیں وتر سمیت چھ لگائی جائیں گی اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی یعنی ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔

۲۔ ہر روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی، رمضان کے روزوں کے

| | |
|---|---|
| اکل لات المسلمین یجزعلی اسم اللہ عزوجل وان نسی وکذالک ما اصیبت بشئی من سلاحہ الذی یمورقی الصید (کتاب الام ص ۲۲۷ج ۲) | ذبیحہ کھانا جائز ہے کیونکہ مسلمان دراصل اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے اگرچہ زبان سے نام لینا بھول گیا ہو اسی طرح جب تم نے اپنا کوئی ہتھیار تیر وغیرہ جو شکار کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے پھینکا اور بسم اللہ پڑھنا بھول گئے) |

(تقریباً یہی عبارت کتاب الام کتاب الصید والذبائح ص ۲۸۱ جلد ۸ میں بھی مذکور ہے)۔

اس عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جمہور امت کے مطابق ترک بسم اللہ کو صرف نسیان کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔

اس لئے اسی کتاب کے باب ذبائح اہل کتاب میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| فاذا زعم زاعم ان المسلم ان نسی اسم اللہ تعالیٰ احلت ذبیحتہ وان ترکہ استخفافا لم توکل ذبیحتہ (کتاب الام ص ۲۳۱ ج ۲) | اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اگر مسلمان بوقت ذبح اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور اگر اس نے اللہ کا نام لینا قصداً بوجہ استخفاف یعنی لاپرواہی کی بنا پر چھوڑا ہے تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ |

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ بھول کر تسمیہ چھوٹ گیا تو وہ معاف ہے۔ دوسرے یہ کہ جان بوجھ کر بھی استخفاف کے طور پر بسم اللہ کہنا چھوڑا ہے تو اس کا ذبیحہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ اب ایک صورت زیر اختلاف رہ گئی جس کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا وہ یہ کہ کسی نے بسم اللہ کہنا چھوڑا تو قصداً ہے مگر اتفاقی طور پر ایسا ہو گیا بسم اللہ کہنے سے بے پروائی یا استخفاف مقصود نہیں۔ اس کا جواز اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہی قول اشہبؒ کا تفسیر قرطبی نے اس طرح نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قال اشھب توکل ذبیحۃ | اشہبؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ذبیحہ پر |

علاوہ اگر کوئی نذر، منت، مانی ہوئی ہے تو اس کا بھی فدیہ دینا ہوگا۔

۳۔ زکوٰۃ جتنے سال کی اور جتنی مقدار مال کی رہی ہے اس کا حساب کر کے ادا کرنا ہوگا

۴۔ حج فرض اگر ادا نہیں کر سکا تو میت کے مکان سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجا جائے گا اور اس کا پورا کرایہ وغیرہ تمام مصارف ضروریہ ادا کرنے ہوں گے۔

۵۔ کسی انسان کا قرض ہے تو اس کو حق کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔

۶۔ جتنے صدقۃ الفطر رہے ہوں ہر ایک کے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔

۷۔ قربانی کوئی رہ گئی ہو تو اس سال میں ایک بکرے یا ایک حصہ گائے کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کیا جائے (منۃ الجلیل)

۸۔ سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدہ کے بدلے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔

۹۔ اگر فوت شدہ نماز یا روزوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو تخمینہ سے حساب کیا جائیگا۔

یہ سب احکام اس صورت کے ہیں جس میں مرنے والے نے وصیت کر دی ہو اور بقدر وصیت مال چھوڑا ہو اور اگر وصیت ہی نہیں کی یا ادائے وصیت کے مطابق کافی ترکہ نہیں ہے تو وارثوں پر اس کے فرائض و واجبات کا فدیہ ادا کرنا لازم نہیں، ہاں وہ اپنی خوشی سے ہمدردی کرنا چاہیں تو موجب ثواب ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ
محرم الحرام۔ کراچی

الجواب صحیح۔ ابو احمد عزیز الدین
خطیب جامع مسجد راولپنڈی

یہ رسم نہایت قبیح اور واجب ترک ہے
بندہ احتشام الحق تھانوی

الجواب صواب۔ محمد حسن
خادم جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

للہ در المجیب اتی بتحقیق عجیب
محمد ضیاء الحق مدرسہ اشرفیہ لاہور

الجواب صحیح۔ خیر محمد جالندھری
خیر المدارس ملتان شہر!

تارك التسمية عمداً الا ان يكون مستخفاً۔ (تفسیر قرطبی ص ۷۶ ج ۷)

اللہ کا نام قصداً چھوڑ دیا ہے اوس کا ذبیحہ کھایا جاسکتا ہے مگر جب اوس نے استخفاف کے طور پر تسمیہ چھوڑا ہو تو اوس کا ذبیحہ حرام ہے۔

لفظ استخفاف خفت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ہلکا ہونا تو استخفاف کے معنی کسی چیز کو ہلکا سمجھنے کے ہوئے۔ بعض دوسرے علماء نے استخفاف کی جگہ لفظ تہاون استعمال کیا ہے۔ شرح مقدمہ مالکیہ میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔

وكل هذا في غير المتهاون و اما المتهاون فلا خلاف انها لا توكل ذبيحته تحريما قاله ابن الحارث والبشير و المتهاون هو الذى يتكرر منه ذلك كثيرا والله اعلم۔ ذكره في تفسير المظهري من سورة الانعام ص ۳۱۸ ج ۳)

قصداً ترک تسمیہ کے متعلق جس کسی کا کچھ اختلاف ہے وہ صرف اوس صورت میں ہے کہ بسم اللہ کہنے کو تہاون کے طور پر نہ چھوڑا ہو لیکن تہاون کے بارہ میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس کا ذبیحہ حرام ہے کھانے کے قابل نہیں۔ یہ قول ابن حارث اور بشیر کا ہے اور متہاون وہ شخص ہے جس سے بار بار بکثرت یہ فعل صادر ہو کہ ذبیحہ پر بسم اللہ نہ کہے۔

☆ ☆ ☆

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ یا بعض دوسرے علماء جنھوں نے قصداً ترک تسمیہ کے باوجود ذبیحہ کو حلال کہا ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ ترک تسمیہ استخفافاً اور تہاوناً نہ ہو یعنی اس کی عادت نہ ڈال لے بلکہ اتفاقی طور پر کبھی تسمیہ چھوڑ دیا ہے۔

اور پھر اس خاص شرط کے ساتھ متروک التسمیہ عمداً کو جو حلال کہا گیا ہے اس کے ساتھ امام شافعیؒ کا قول ظاہر یہ ہے کہ پھر بھی اس کا کھانا مکروہ ہے جیسا کہ امام ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے۔

ان تركها متعمدا اكره اكلها ولم تحرم قاله القاضي ابو الحسن

اگر بسم اللہ کو قصداً چھوڑ دیا تو اوس ذبیحہ کا کھانا مکروہ ہے مگر حرام نہیں ہمارے اصحاب

والشیخ ابو بکر من اصحابنا وھو ظاھر قول الشافعی رح
(احکام ابن عربی ص ۳۰۹ ج ۱)

میں سے قاضی ابوالحسن اور شیخ ابوبکر کا یہی قول ہے اور ظاہر قول امام شافعی رح کا بھی یہی ہے۔

اور علامہ نووی جو شافعی المذہب امام ہیں شرح مسلم میں فرماتے ہیں :-

وعلی مذھب اصحابنا یکرہ ترکھا وقیل لا یکرہ والصحیح الکراھۃ
(صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح ص ۱۴۵ ج ۲)۔

ہمارے اصحاب یعنی شافعیہ کے مذہب پر بسم اللہ کا چھوڑنا مکروہ ہے اور بعض نے کراہت سے انکار کیا مگر صحیح یہی ہے کہ شافعی مذہب میں ترک تسمیہ عمداً مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے اس مسئلے میں امام شافعی رح کے مذہب کے متعلق امور ذیل ثابت ہوئے۔

۱۔ ذبیحہ پر بسم اللہ کا قصداً چھوڑنا اون کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

۲۔ جس ذبیحہ پر بسم اللہ قصداً چھوڑ دی گئی ہو اوس کا کھانا بھی ظاہری قول امام شافعی رح کے مطابق مکروہ ہے۔

۳۔ یہ کراہت کا قول بھی اوس وقت ہے جب کہ بسم اللہ چھوڑنا بطور استخفاف و تہاون کے نہ ہو اتفاقی ہو اور جو شخص بار بار ایسا کرے اور اس کی عادت بنا لے وہ تہاون و استخفاف میں داخل ہے اوس کا ذبیحہ جمہور امت کے قول کے مطابق امام شافعی رح کے نزدیک بھی حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رح کی طرف مطلقاً متروک التسمیہ عمداً کی حلت کو منسوب کر دینا صحیح نہیں بلکہ جمہور امت کی طرح تہاوناً ترک التسمیہ کے ذبیحہ کو وہ بھی حرام کہتے ہیں نیز جس کو حلال کہا ہے وہ بھی کراہت اور گناہ سے خالی نہیں۔ اور جمہور علماء امت اس صورت کو بھی قطعی حرام اور ذبیحہ کو مردار قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے امام شافعی رح کے اس قول کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔

# رؤیتِ ہلال
# کے
# شرعی احکام

تاریخ تالیف ———— ۱۰ر شوال سنہ ۱۳۸۶ھ
مقام تالیف ———— دار العلوم کراچی ۱۴
اشاعت اول ———— البلاغ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ

رویت ہلال کے احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے عید کے موقع پر متعدد دفعہ خلفشار ہوا۔ زیر نظر مضمون میں رؤیت ہلال کے متعلق وہ احکام اور تجاویز مذکور ہیں جن پر عمل کرکے انتشار کو ختم کیا جا سکتا ہے۔
اس مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک مستقل رسالہ "رویت ہلال" کے نام سے الگ ہے جو زیادہ مفصل ہے اور کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

وهذا القول من الشافعيؒ مخالف للإجماع فإنه لا خلاف فيمن كان قبله في حرمة متروك التسمية عامدا وإنما الخلاف بينهم في متروك التسمية ناسيا فمن مذهب ابن عمرؓ أنه يحرم ومن مذهب علي وابن عباس أنه يحل بخلاف متروك التسمية عامدا ولهذا قال أبو يوسفؒ والمشايخ إن متروك التسمية عامدا لا يسع فيه الاجتهاد ولو قضى القاضي بجواز بيعه لا ينفذ لكونه مخالفا للإجماع۔

(ہدایہ کتاب الذبائح)

امام شافعیؒ کا یہ قول اجماع کا مخالف ہے کیونکہ امام شافعیؒ سے پہلے قصداً بسم اللہ چھوڑے ہوئے ذبیحہ کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں جو کچھ خلاف سلف صالحین میں ہے وہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جانے میں ہے جس میں ابن عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ بھولے سے بسم اللہ چھوٹ گئی تب بھی جانور حرام ہو گیا اور حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ وہ حلال ہے بخلاف اس جانور کے جس پر بسم اللہ قصداً چھوڑ دی گئی ہو اس لئے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ متروک التسمیہ عمداً میں کسی اجتہاد و اختلاف کی گنجائش نہیں اور اگر کوئی قاضی اس کی بیع کے جائز ہونے کا فیصلہ دے دے تو اس کا فیصلہ بھی خلاف اجماع ہونے کے سبب نافذ نہیں۔

صاحب ہدایہ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے صحابہ و تابعین میں کسی کا یہ قول نہیں کہ ذبیحہ پر قصداً بسم اللہ چھوڑ دی جائے تو وہ حلال ہے مگر ابن کثیرؒ نے سورۂ انعام کی تفسیر میں ہدایہ کے اس نقل اجماع پر اس لئے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ابن کثیرؒ نے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ اور عطاء ابن ابی رباحؒ کا قول بھی ذکر کیا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں۔

وحكي عن ابن عباس وابي هريرة وعطاء

یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی قول حضرت ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ اور عطاءؒ کا بھی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ابن کثیرؒ نے ان حضرات کا یہ قول بصیغہ تمریض نقل کیا ہے یعنی یہ کہ ایسا کہا جاتا ہے نہ تو اس کی کوئی سند اور حوالہ دیا اور نہ اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔ بہر حال ابن کثیرؒ نے یہاں یہ تسلیم نہیں کیا کہ امام شافعیؒ سے پہلے کوئی اس کا قائل

☆☆ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

☆☆ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

☆☆ مولانا محمد یوسف بنوری صاحب

☆☆ مولانا مفتی رشید احمد صاحب

# رؤیتِ ہلال کے شرعی احکام

## اور اس مسئلہ میں ملک کو انتشار سے بچانے کی تجاویز

کئی سال سے عید الفطر کے موقع پر پورے پاکستان میں عجیب طرح کا انتشار و افتراق پھیلتا ہے، مرکزی ہلال کمیٹی کے اعلان کا مقصد تو یہ تھا کہ سارے ملک میں ایک دن عید ہو اور واقعہ یہ ہونے لگا کہ ہر ہر شہر اور ہر ہر قصبہ میں دو دو عیدیں ہونے لگیں یعنی عید کے دن جو اظہارِ محبت و مسرت کا دن ہے اس میں باہمی اختلاف اور جھگڑوں کے مظاہرے ہونے لگے جس کو کوئی سمجھ دار انسان کسی ملک کے لئے پسند نہیں کر سکتا۔

اس سے زیادہ مضرت رساں وہ بحثیں ہیں جو عید کے بعد ہفتوں تک اخباروں میں چلتی ہیں، سرکاری حلقوں سے علماء کو مطعون کیا جاتا ہے کہ وہ سیاسی مقاصد کے لئے بالقصد انتشار پھیلاتے ہیں، دوسری طرف سے حکومت پر یہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ حکومت جان بوجھ کر مسلمانوں کی عبادات کو مختل اور دینی معاملات کے ساتھ مذاق کرتی ہے لیکن ذرا بھی غور اور انصاف سے کام لیا جائے تو یہ دونوں الزام غلط اور بالکل بے جا ہیں، علماء میں بہت بڑی تعداد ایسے علماء کی ہے جن کا سیاست سے کوئی

نہیں تھا۔ اور تفسیر قرطبی میں تو اس قول کی موافقت میں بہت سے صحابہ وتابعین کے نام شمار کر دیے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ان ترکہا عامدا او ناسیا اکلہا وھو قول الشافعی والحسن وروی ذلک عن ابن عباس و ابی ھریرۃ وعطاء وسعید بن المسیب والحسن وجابر بن زید وعکرمۃ وابی عیاض وابی رافع و طاؤس وابراھیم النخعی وعبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وقتادۃ الخ

(ص ۷۵ ج ۷)

اگر بسم اللہ کو چھوڑ دیا خواہ قصداً یا نسیاناً اس کو کھا سکتے ہیں۔ یہی قول امام شافعی اور حسن بصری کا ہے۔ اور ایک روایت میں ابن عباس ابوہریرۃ عطار سعید بن مسیب حسن جابر بن زید۔

ابو عیاض، ابو رافع۔ طاؤس، ابراہیم نخعی۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وقتادہ سے بھی منقول ہے۔

* * * *

اس میں بھی قرطبی نے امام شافعیؒ کی موافقت میں حضرت حسن کا قول تو جزم و یقین کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، باقی اقوال کو بھی بصیغہ تمریض لفظ "روی" سے بغیر کسی سند اور حوالہ کے لکھا ہے۔ بہر حال اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اتنے حضرات صحابہ وتابعین کا قول امام شافعیؒ کی موافقت میں ہے تو اس کو خلاف اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن صاحب ہدایہ نے ابن کثیر کے اس اشکال کا پہلے ہی یہ جواب دیدیا ہے کہ امام شافعیؒ کے سوا باقی حضرات کا جو اختلاف ہے وہ عام نہیں بلکہ صرف نسیان اور بھول کی صورت میں ہے کہ اگر کوئی شخص ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا بھول گیا تو ان حضرات کے نزدیک وہ ذبیحہ بغیر تسمیہ کے بھی حلال ہے، اور اس کے بالمقابل بہت سے حضرات صحابہ وتابعین کا قول یہ ہے کہ بھول کر بھی بسم اللہ چھوٹ گئی تو ذبیحہ حلال نہیں۔

اب ذرا مذکورالصدر حضرات کے اقوال کی حقیقت پر نظر ڈالیے کہ یہ حضرات ترک بسم اللہ کے متعلق ہیں یا سہو کے متعلق؟ ان میں سے حضرت ابن عباسؓ کا قول تو امام

دُور کا بھی علاقہ نہیں اور نہ ان کی کسی ذاتی غرض کا کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے ارکان و افراد میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خود روزے رکھتے اور دینی اقدار کا احترام کرتے ہیں۔ ان پر کیسے یہ بدگمانی کی جا سکتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر خلقِ خدا کے روزوں کا وبال اپنے سر لینے کو تیار ہو جائیں۔

حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں، وجہ شاید یہ ہے کہ سرکاری حلقوں کے حضرات اس کو ایک خاص تہوار اور انتظامی معاملہ سمجھتے ہیں جس میں علماء کی کوئی مداخلت ان کو گوارا نہیں، دوسرے یہ کہ وہ اس معاملہ میں صرف خبرِ صادق جس پر سننے والوں کو یقین ہو جائے اعلان کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اس فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لئے صرف خبرِ صادق کافی نہیں ہوتی بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے جس کے لئے خاص شرائط اور قواعد ہیں اور علماء یہ جانتے ہیں کہ ہماری عید عام قوموں کے تہواروں کی طرح ایک تہوار نہیں بلکہ ایک عبادت کا ختم اور دوسری عبادت کا شروع کرنا ہے جس میں شریعت کے بتلائے ہوئے اصول سے تخلف کی کوئی صورت جائز نہیں اور کوئی چیز کتنی ہی سچی اور قابل اعتماد ہو اور سننے والوں کو اس پر پورا یقین ہو مگر وہ اپنے اس یقین کو پورے ملک پر اس وقت تک مسلط اور لازم نہیں کر سکتا جب تک حجت شرعیہ اور باقاعدہ شہادت نہ ہو اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور شرعی اصول کے مطابق رؤیت ہلال کے اعلان کے لئے ملک کے ماہرین فتویٰ علماء کے مشورے سے ایسا ضابطہ کار بنایا جائے جس پر تمام علماء اور عوام کو اطمینان ہو سکے اور پھر اس ضابطہ کا سب کو پابند بنایا جائے اور اسی ضابطہ کے تحت ریڈیو پر اعلان کیا جائے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ایسا کر لیا گیا تو ملک کے کسی گوشہ سے سرکاری اعلان کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھے گی۔ ہر طبقہ کے علماء اس کی موافقت کریں گے اور ملک میں عیش و مسرت اور وحدت و اتفاق کے ساتھ ایک ہی دن عید ہوا کرے گی۔ اگرچہ شرعی حیثیت سے اس کی کوئی

بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے۔

وقال ابن عباس من نسی فلا باس۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص بسم اللہ کہنا بھول گیا تو کوئی مضائقہ نہیں (ذبیحہ اس کا حلال ہے)۔

(صحیح بخاری کتاب الذبائح جلد دوم)

اگر ابن عباس کے نزدیک قصداً اور نسیاناً ہر حالت میں ترک بسم اللہ میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا اور وہ دونوں کو حلال قرار دیتے تو یہاں نسیان کی قید و شرط کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس کا قول صرف نسیان کی صورت سے متعلق ہے۔ عمداً اور قصداً ترک تسمیہ کی صورت میں اون کے نزدیک ذبیحہ حلال نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے اور خود حافظ ابن کثیرؒ نے اسی آیت کے ذیل میں یہاں امام شافعیؒ کی موافقت میں ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ اور عطاءؒ کا قول نقل کیا ہے۔ اسی سلسلے میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

المذهب الثالث فی المسئلة ان ترك البسملة علی ذبیحة نسیانا لم یضر وان ترکها عمدا لم تحل هذا هو المشهور من مذهب الامام مالك واحمد بن حنبل وبه یقول ابو حنیفة واصحابه واسحق بن راهویه وهو المحکی عن علی وابن عباس وسعید بن المسیب وعطاء وطاؤس والحسن البصری وابی مالك وعبد الرحمن بن ابی لیلی وجعفر بن محمد وربیعة بن عبد الرحمن۔ (ابن کثیر ج ۲)

تیسرا مذہب اس مسئلے میں یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کو ذبیحہ پر نسیاناً ترک کر دے تو مضر نہیں اور اگر قصداً ترک کر دے تو حلال نہیں یہی مشہور مذہب ہے امام مالک۔ احمد بن حنبل کا اور اسی کے قائل ہیں ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور اسحق بن راہویہ۔

اور یہی روایت کیا گیا ہے حضرت علی ابن عباس، سعید بن المسیب۔ عطاء۔ طاؤس حسن بصری۔ ابو مالک۔ عبد الرحمن ابن ابی لیلے۔ جعفر بن محمد ربیعہ بن عبد الرحمن سے۔

اہمیت نہیں کہ پورے ملک میں عید ایک ہی دن ہو۔ اسلام کے قرون اولیٰ میں اس وقت کے موجودہ ذرائع مواصلات کو بھی اس کام میں استعمال کرنے اور عید ایک ہی دن منانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوا اور ملک کے وسیع وعریض ہونے کی صورت میں شدید اختلاف مطالع کی مشکلات بھی اس میں پیش آسکتی ہیں۔

لیکن پاکستان کے عوام اور حکومت کی اگر یہی خواہش ہے کہ عید پورے پاکستان میں ایک ہی دن ہو تو شرعی اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ شرط یہ ہے کہ عید کا اعلان پوری طرح شرعی ضابطہ شہادت کے تابع ہو۔

رؤیت ہلال کے لئے شرعی ضابطہ شہادت جس پر تقریباً امت کے چاروں مذہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور جمہور علمائے سلف وخلف کا اتفاق رہا ہے ذیل میں لکھا جاتا ہے جس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ انصاف پسند طبقہ یہ محسوس کرے کہ ہلال کمیٹی کے حالیہ اعلان سے علماء کا اختلاف درحقیقت کسی ضد یا سیاسی غرض کے لئے نہیں بلکہ اصولِ شرعیہ کی مجبوری سے عمل میں آیا۔ دوسرے یہ کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات توجہ فرما کر ملک کے ہر مکتبِ فکر کے مستند علماء کے مشورہ سے اس ضابطہ کے تحت مرکزی ہلال کمیٹی کا ایسا ضابطہ کار بنا دیں جس پر ملک کے علماء اور عوام مطمئن ہو کر عمل کر سکیں۔ اس ضابطہ شرعیہ کی تفصیل لکھنے سے پہلے ایک امر کی وضاحت ضروری ہے جو شہادت کی اصل بنیاد ہے۔

## خبر صادق اور شہادت میں فرق

کسی معاملہ کے متعلق ایک ثقہ معتبر آدمی زبانی خبر دے یا ٹیلیفون پر بتلائے اور اس کی آواز پہچانی جائے یا خط میں لکھے اور خط بھیجا جائے تو مخاطب کو اس خبر کے سچے ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا بجائے خود اس کو یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اپنی حد تک اس کے لئے جائز بھی ہے اور عام معاملات میں ساری دنیا اس پر عمل بھی کرتی ہے لیکن اگر وہ اپنے اس یقین کو دوسروں پر لازم

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس جگہ ابن کثیرؒ نے تقریباً ان تمام حضرات کے اختلاف کو صرف نسیان کی صورت میں نقل کیا ہے جن کا قول تفسیر قرطبی اور خود ابن کثیر میں امام شافعیؒ کی موافقت میں ذکر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کا اختلاف صرف نسیان بسم اللہ کی صورت میں ہے۔ عمداً ترک کرنے کی صورت میں نہیں۔ جس کسی نے ان کا قول امام شافعیؒ کی موافقت میں نقل کر دیا ہے۔ وہ اس بنیاد پر ہے کہ ایک جزوی یعنی بصورت نسیان ترک تسمیہ میں یہ حضرات بھی امام شافعیؒ کی موافقت رکھتے ہیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی کے اس مسئلے میں دو قول ہوں۔ ایک امام شافعیؒ کی موافقت میں دوسرا اختلاف میں جیسا کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال کا تجربہ رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض مسائل میں ایک فقیہ کے خود مختلف اقوال ہوتے ہیں جن میں معمول بہ وہ قول ہوتا ہے جو ان کا آخری قول ہو یا دلائل کتاب وسنت کی رو سے زیادہ قوی ہو۔ اسی طرح پھر ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض صحابہ وتابعین نے ذبائح اہل کتاب کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ بسم اللہ قصداً بھی ترک کردیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے ان حضرات کے قول کو بھی بعض نے تسامحاً امام شافعیؒ کی موافقت میں نقل کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تین مسئلے الگ الگ ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے ذبیحہ پر اللہ کا نام قصداً چھوڑ دینا۔

۲۔ مسلمانوں کے ذبیحہ میں سہواً و نسیاناً بسم اللہ کا ترک ہو جانا۔

۳۔ اہل کتاب کے ذبائح جن پر قصداً اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔

ان میں سے آخری دو مسئلوں میں تو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں اختلافات ہیں مگر پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ سے پہلے کوئی اختلاف نہیں۔ بعض مصنفین نے آخری دو مسئلوں میں امام شافعی کی موافقت کرنے والوں کا قول کہیں مسامحۃً مطلق قول شافعیؒ کی تائید میں بھی نقل کر دیا ہے۔ جس سے بعض حضرات کو مغالطہ لگا ہے۔ اس لئے صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ یہ قول مخالف اجماع ہے اپنی جگہ صحیح و درست ہے۔ اور

اور مسلط کرنا چاہے اور چاہے کہ سب اس کو تسلیم کریں تو شریعت اور موجودہ قانون میں اس کے لئے ضابطۂ شہادت قائم ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی قاضی یا حاکم اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتا۔

ایک جج کو ذاتی طور پر کسی مقدمہ کے متعلق ایک امر پر کتنا بھی یقین بلکہ مشاہدہ ہو مگر وہ اپنے یقین کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک باقاعدہ شہادت کی شرائط پوری کر کے اسے ثابت نہ کرے اور اس شہادت میں کسی عدالت کے نزدیک ٹیلیفون کا بیان کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ گواہ کا عدالت میں حاضر ہونا شرط ہے دنیا کی عدالتوں کا موجودہ ضابطہ شہادت اس معاملہ میں بالکل قرآنی اور اسلامی ضابطہ کے مطابق ہے کہ شاہدوں کا قاضی یا حاکم کے سامنے حاضر ہونا ضروری ہے ٹیلیفون پر کسی خبر کا بیان کرنا کتنا ہی قابل اعتماد ہو شہادت کے لئے کافی نہیں۔

حالیہ واقعہ میں مرکزی ہلال کمیٹی کا فیصلہ علماء کے نزدیک اسی لئے ناقابل قبول ٹھہرا کہ ہلال عید کے لئے باتفاق اُمت شہادت شرط ہے محض خبر صادق کافی نہیں اور مرکزی کمیٹی نے صرف ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کر کے اعلان کر دیا اس کی کوشش نہیں کی کہ گواہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر گواہی دیتے یا کمیٹی کا کوئی معتمد عالم وہاں جا کر ان سے روبرو گواہی لیتا اور پھر شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر لیتا اگر ایسا کر لیا جاتا تو کسی عالم کو اس سے اختلاف نہ ہوتا۔

ضابطہ شہادت کی یہ باریکیاں موجودہ عدالتیں بھی جانتی ہیں اور مانتی ہیں مگر عوام کو ان میں فرق محسوس کرنا آسان نہیں اس لئے طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

## ہلال عید کے متعلق شرعی ضابطہ شہادت

جب چاند کی رؤیت عام نہ ہو سکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورت حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں غبار وغیرہ مانع نہ ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رؤیت اور شہادت شرعاً

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ ان میں سے ایک دو قول بالکل امام شافعیؒ کی موافقت میں یعنی مسلمان کے قصداً ترک تسمیہ کی صورت میں بھی ذبیحہ کو حلال قرار دینا اون کا مسلک ہو تو جمہور اُمت کے بالمقابل ایک دو قول کو منافی اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ اسی آیت کی تفسیر میں ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالہ سے لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| الا ان قاعدة ابن جرير انه لا يعتبر قول الواحد والاثنين مخالفا لقول الجمهور فيعده اجماعا فليعلم هذا والله الموفق (ابن کثیر ص ۱۷۰ ج ۲) | مگر ابن جریر کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ایک دو قول جو جمہور کے مخالف ہوں اون کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ جمہور کے قول کو اجماع ہی قرار دیتے ہیں اوس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ |

یہی وجہ ہے کہ ائمہ شافعیہ میں سے بھی بہت سے محقق حضرات نے امام شافعیؒ کے اس قول کو اختیار نہیں کیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان سے کون سا مسلمان واقف نہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ اون کا فقہی مسلک امام شافعیؒ کی پیروی ہے مگر انھوں نے احیاء العلوم کتاب الحلال والحرام میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| لان الاية ظاهرة فی ايجابها والاخبار متواترة فيه فانه صلى الله عليه وسلم قال لكل من سأله عن الصيد اذا ارسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله فكل و نقل ذلك على التكرر وقد شهر الذبح بالبسملة وكل ذلك يقوى دليل الاشتراط | کیونکہ آیت قرآنی سے یہی ظاہر ہے کہ بسم اللہ پڑھنا ذبیحہ پر واجب ہے اور احادیث اس مسئلہ پر متواتر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے متعلق ہر سوال کرنے والے کو یہی جواب دیا ہے کہ جب تم نے اپنے تربیت یافتہ شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار حلال ہے اور یہ سوال وجواب بار بار پیش آیا ہے اور امت |

قابلِ اعتماد نہیں ہو گی جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے چاند کی رؤیت تسلیم نہ کی جائے گی جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں اس کو ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار، دھواں بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہو سکتا ہے ایسی حالت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لئے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

مگر حکومت کے لئے ایسی شہادت کا اعتبار کر کے ملک میں اعلان کرنے کے واسطے تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسی شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت کے لئے یا کسی ذمہ دار جماعت کے لئے جائز نہیں۔ وہ تین صورتیں اصطلاحِ شریعت میں یہ ہیں۔

۱ــــ شہادت علی الرؤیۃ

۲ــــ شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ

۳ــــ شہادت علی القضاء

## شہادت علی الرؤیۃ :

شہادت علی الرؤیۃ یہ ہے کہ ایسے عالم یا جماعت علماء کے سامنے یہ شہادت دینے والے بذاتِ خود پیش ہوں جن کی احکامِ شرعیہ، فقہیہ اور اسلام کے ضابطۂ شہادت میں مہارت پر پورے ملک میں اعتماد و یقین کیا جاتا ہو اور یہ عالم یا علماء متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کرے۔

## شہادت علی الشہادۃ :

شہادت علی الشہادۃ یہ ہے کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکے تو ہر ایک کی گواہی پر دو گواہ بنے ہوں اور وہ گواہ عالم یا علماء کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

(احیاء العلوم مصری ص ۱۰۳ ج ۲) میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا مشہور و معروف ہے۔ یہ سب وجوہ اس کی تائید و تقویت کرتی ہیں کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے بسم اللہ شرط ہے۔

اور ابن کثیرؒ نے ایک شافعی المذہب عالم ابو الفتوح محمد علی طائی کی کتاب اربعین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود متروک التسمیہ عامداً کو حلال نہیں کہا۔ (ابن کثیر ص ۱۶۹ ج ۲ سورہ انعام)

یہ بحث خاصی طویل ہوگئی لیکن اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ ملک میں جو فتنہ مشینی ذبیحہ کا پھیلایا جا رہا ہے اوس کی تمہید اسی بحث سے اٹھائی گئی ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا کوئی شرعی اہمیت نہیں رکھتا، مسلمان بالقصد بھی بسم اللہ ترک کر دے تو ذبیحہ حلال رہتا ہے۔ اول اس مسئلے کو دوسرے مسائل مثلاً ذبائح اہل کتاب اور نسیاناً ترک بسم اللہ کے ساتھ خلط ملط کر کے ایک اختلافی مسئلہ بنا دیا گیا پھر اقوال مختلفہ میں سے اپنے مسلک کے مطابق ایک قول کو اختیار کر لینا کوئی مشکل کام نہ رہا۔

حالانکہ یہاں جس قول کو اختیار کیا جا رہا ہے صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین میں امام شافعیؒ کے ایک قول کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں۔

اور امام شافعیؒ کے قول میں بھی تفصیل ہے اون کے نزدیک بھی بعض صورتیں متروک التسمیہ عامداً کی حرام ہیں اور جن کو جائز کہا اون میں ظاہر مذہب اُنکا یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے پھر بھی بہت سے علماء شافعیہ نے بھی اس مسئلے میں جمہور ہی کے قول کو ترجیح دی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی اور وجہ اس کی قرآن کی وہ واضح آیات ہیں جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ پھر احادیث متواترہ نے اس کو اور بھی ناقابل تاویل بنا دیا ہے جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

## ذبائح اہل کتاب کا مسئلہ

قرآن کریم نے متعدد آیات میں ذبیحہ پر اللہ کا نام لینے کو شرط ضروری بتلا کر یہ واضح کر دیا

## شہادت علی القضاء:

شہادت علی القضاء یہ ہے کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا، اگر وہاں حکومت کی طرف سے کوئی ذیلی کمیٹی قائم ہے اور اس میں کچھ ایسے علماء موجود ہیں جن کے فتویٰ پر علماء اور عوام اعتماد کرتے ہیں اور چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں اور وہ علماء ان کی شہادت قبول کریں تو ان علماء کا فیصلہ اس علاقے کے لئے تو کافی ہے جس میں شہادت پیش ہوئی ہے مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے سامنے ان علماء کا فیصلہ بشرائطِ ذیل پیش ہو۔

یہ سب علماء[1] یا ان کا امیر یہ تحریر کریں کہ فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں اس لئے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔ یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سربمہر کی جائے اور یہ گواہ یہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علماء کے سامنے اپنی اس شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علماء نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علماء کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کے ماتحت اعلان کر سکتی ہے اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لئے واجب القبول ہوگا وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے بلکہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادت علی الرؤیۃ یا شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ یا شہادت علی القضاء کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی ہے۔ ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا اور مرکزی حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کی بناء پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لئے کر رہے ہیں

یہ چند اصولی باتیں ہیں جن کا رؤیتِ ہلال اور اس کے معاملے میں پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

[1] یہ صورت درحقیقت کتاب القاضی الی القاضی کی ہے، چونکہ شہادت علی القضاء کی بہ نسبت یہ صورت زیادہ سہل ہے اور زیادہ قابل اعتماد ہے اس لئے اسے اختیار کیا گیا۔ ۱۲ رشید احمد

کہ جانور کا ذبیحہ عام کھانے پینے اور برتنے کی چیزوں کی طرح نہیں بلکہ اوس کی ایک شرعی اور مذہبی حیثیت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کا ذبیحہ حلال نہ ہو کیونکہ وہ اس اسلامی پابندی پر ایمان ہی نہیں رکھتا کہ اللہ کے نام سے جانور حلال ہوتا ہے۔ اس کے بغیر مُردار ہو جاتا ہے۔

لیکن سورۂ مائدہ کی آیت مذکورہ نے اس میں سے کفار اہل کتاب کو مستثنیٰ کر دیا ہے آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| الیوم احل لکم الطیبات و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنٰت من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم | آج حلال ہوئی تم کو سب ستھری چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے۔ |

(مائدہ : ۵)

٭ ٭ ٭ ٭

سورۂ مائدہ کی تیسری آیت میں مذکور تھا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی ہم نے آج تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی۔ اس پانچویں آیت میں الیوم احلت لکم الطیبات کے لفظ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ جو طیبات تم پر اب حلال رکھی گئی ہیں وہ ہمیشہ کے لئے حلال ہیں۔ اب کسی نسخ کا احتمال نہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اس آیت میں اول تو مسلمانوں کے لئے طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کے حلال کرنے کا ذکر فرمایا اس کا ظاہری تقاضا یہ تھا کہ کفار خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب کسی کا مارا ہوا جانور مسلمانوں کے لئے حلال نہ ہو کیونکہ وہ بظاہر طیبات میں داخل نہیں، مگر اس کے بعد و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم فرما کر اہل کتاب کے ذبیحہ کو بطور استثناء مسلمانوں کے لئے حلال قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مرد کے نکاح کی بھی اجازت آیت کے آخر میں دے دی گئی۔ اس کی تفصیلی بحث تو آگے آرہی ہے۔

یہاں ایک جملہ اور قابل غور ہے۔ طعامکم حل لھم یعنی مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب

اس ضابطۂ شہادت میں عملی اور انتظامی طور پر اگر کوئی مشکل پیش آسکتی ہے تو وہ صرف آخری صورت یعنی شہادت علی القضاء میں ہے کہ اس میں ایک شہر کی ذیلی کمیٹی کے فیصلہ کو مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کے لئے دو گواہوں کا وہاں جانا ضروری ہے جو اگرچہ ہوائی جہاز کے دور میں کچھ مشکل نہیں تاہم ایک مشقت سے خالی نہیں۔

اس دشواری کا حل تلاش کرنے کے لئے مندرجہ ذیل علماء کے اجتماع میں غور کیا گیا یہ شہادت علی القضاء کس حد تک ضروری ہے اور آیا اس میں کوئی سہولت نکل سکتی ہے یا نہیں۔

مذاہب اربعہ اور جمہور علماء کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ علماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ اصولی طور پر تو ذیلی ہلال کمیٹی کا فیصلہ مرکزی ہلال کمیٹی کے لئے اسی وقت قابل تنفیذ ہو سکتا ہے جب کہ وہ فیصلہ دوسرے قاضی کے پاس شرعی شہادت کے ساتھ دو گواہ لے کر پہنچیں، صرف ٹیلیفون وغیرہ پر اس کی خبر دے دینا کافی نہیں جمہور فقہاء امت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ حنبلیہ کا اصل مذہب یہی ہے، ہدایہ، کتاب الام امام شافعی رح، مغنی ابن قدامہ حنبلی وغیرہ میں اس کی تصریحات درج ہیں اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ حکومت اس اصول کے مطابق کوئی انتظام کرے لیکن علماء کے اس اجتماع میں اس پر غور کیا گیا کہ اگر حکومت اس میں دشواریاں محسوس کرے تو کوئی دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ غور و فکر کے بعد متفقہ طور پر اس کا ایک حل یہ نکالا گیا کہ:

حکومت ہر بڑے شہر میں ذیلی کمیٹیاں قائم کرے ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسے مستند علماء کو ضرور لیا جائے جو شرعی ضابطہ شہادت کا تجربہ رکھتے ہیں اور ہر ذیلی کمیٹی کا کام صرف شہادت مہیا کرنا نہ ہو بلکہ اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار[1] دیا جائے یہ ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو فیصلہ شہادت کی بنیاد پر ہو چکا، اب صرف اعلان کا کام باقی ہے اس کے لئے شہادت ضروری نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا کوئی ذمہ دار آدمی مرکزی کمیٹی کو ٹیلیفون پر محتاط طور پر جس میں کسی مداخلت

---

[1] یعنی اسے پورے ملک کے لئے فیصلے کا اختیار دیا جائے۔ ۱۲ رشید احمد عفا اللہ عنہ

کے لئے حلال ہے۔ اس میں یہ سوال ہے کہ مسلمانوں کا کھانا تو سبھی کے لئے حلال ہے مشرکین کے لئے بھی ممنوع نہیں۔ پھر اس جگہ اہل کتاب کے لئے خاص کر کے کیوں ذکر کیا گیا؟

علماء تفسیر نے اس کی کئی وجوہ بیان فرمائی ہیں اون میں سے زیادہ اقرب وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت نے اہل کتاب کے ساتھ دو معاملوں کی اجازت دی ہے۔ ایک اون کے ذبائح کھانے کی اجازت۔ دوسرے اون کی عورتوں سے نکاح کا جواز۔

اس جگہ اہلِ کتاب کی تخصیص سے مقصود ان دونوں معاملوں میں ایک خاص فرق کا اظہار ہے۔ وہ یہ کہ طعام و ذبائح کا معاملہ تو دونوں طرف سے جائز ہے۔ اہل کتاب کے ذبائح مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کے اہل کتاب کے لئے جائز ہیں مگر نکاح کا معاملہ ایسا نہیں اس میں جواز صرف یک طرفہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ مگر مسلمان عورت کے لئے اہل کتاب مرد سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے طعام کے مسئلے کو دو طرفہ جواز کی صورت میں بیان کر دیا۔ اس کے بعد نکاح کے مسئلے میں صرف نساء اہل کتاب کی اجازت مسلمانوں کے لئے مخصوص کر کے تبلادی جس سے معلوم ہوگیا کہ مسلمان عورت کا نکاح اہلِ کتاب مرد سے جائز نہیں۔

آیت مذکورہ کے الفاظ کی تشریح و تفسیر کے بعد مسئلہ زیرِ بحث کا تجزیہ کیا جائے تو چار سوال قابلِ غور ہیں۔

۱۔ اوّل یہ کہ اہلِ کتاب سے کون لوگ مراد ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ طعام اہلِ کتاب سے کیا مراد ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ تمام کفار میں طعام اہلِ کتاب کو حلال قرار دینے کی حکمت کیا ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ طعام اہلِ کتاب سے اون کا ہر کھانا بلاکسی قید و شرط کے مطلقاً مراد ہے کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ سب مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا یا صرف وہی کھانا مراد ہے جو اسلامی اصول کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔

پہلے سوال کا جواب گذشتہ تحریر میں بحوالہ تفسیر قرطبی ص ۷۶ جلد ۲ حضرت

کا خطرہ نہ رہے ذیلی کمیٹی کے اس فیصلہ کی اطلاع دے دے اور مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے کہ مرکزی کمیٹی کے سامنے اگرچہ کوئی شہادت نہیں آئی بلکہ فلاں ذیلی کمیٹی نے جس میں فلاں فلاں علماء شریک ہیں شہادت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے ہم اس فیصلہ پر اعتماد کر کے اعلان کر رہے ہیں۔ اس صورت میں مرکزی کمیٹی کا یہ اعلان ٹیلیفون سے آئی ہوئی اطلاع پر درست ہو سکتا ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۰ / ۱۰ / ۸۶ھ

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳ / شوال ۱۳۸۶ھ

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
۱۳ / شوال ۱۳۸۶ھ

رشید احمد عفی عنہ
۱۳ / شوال ۱۳۸۶ھ

عبداللہ ابن عباس کے بیان سے یہ آچکا ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور تفسیر بحر محیط میں ہے۔

| | |
|---|---|
| وظاهر قوله اوتوا الكتاب انه مختص ببني اسرائيل والنصارى الذين نزل عليهم التوراة والانجيل (ص ۴۳۱ ج ۳) | قرآن کے الفاظ الذین اوتوا الکتاب سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بنی اسرائیل اور نصاریٰ کے ساتھ مخصوص ہے جن پر تورات و انجیل نازل ہوئی ہے۔ |

اور خود قرآنی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں جو یہود و نصاریٰ موجود تھے اور جن کے کھانے اور عورتوں کی حلت کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یہ وہی یہود و نصاریٰ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم نے یہ بھی تصریح فرمادی ہے کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا شریک اور معبود بنا رکھا تھا اور اسی لئے قرآن کریم نے ان کو کافر قرار دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم | کافر ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ طعام اہل کتاب جس کے حلال ہونے کا اس آیت میں ذکر ہے اور ان اہل کتاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اصل تورات و انجیل پر عمل کرتے ہوں بلکہ وہ سب یہود و نصاریٰ اس میں داخل ہیں جو اصلی تورات و انجیل میں تحریف کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور تورات و انجیل کے بہت سے احکام کو بھی بدل ڈالا تھا۔ تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، بحر محیط وغیرہ میں تمام صحابہ و تابعین اور جمہور اُمت کا یہی مسلک نقل کیا گیا۔

| | |
|---|---|
| صرف نام کے یہودی نصرانی بحقیقت دہریے اس میں داخل نہیں | آج کل یوروپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں |

مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں۔ نہ تورات و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں نہ موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ محض مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے نصاریٰ بنی تغلب کے بارہ میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اوس کی وجہ یہی بتلائی ہے کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد یہ ہے۔

روی ابن الجوزی بسندہٖ عن علی رض قال لا تاکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من النصرانیۃ بشیء الا شربھم الخمر وروی الشافعیؒ بسند صحیح عنہ۔

ابن جوزی نے سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نصاریٰ بنی تغلب کے ذبائح کو نہ کھاؤ کیونکہ انھوں نے مذہب نصرانیت میں سے شراب نوشی کے سوا کچھ نہیں لیا۔ امام شافعی رح نے بھی سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔

(تفسیر مظہری ص ۳۴ ج ۳ مائدہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی تغلب کے متعلق یہی معلومات تھیں کہ وہ بے دین ہیں نصرانی نہیں ہیں اگرچہ نصرانی کہلاتے ہیں اس لئے ان کے ذبیحہ سے منع فرمایا۔ جمہور صحابہ و تابعین کی تحقیق یہ تھی کہ یہ بھی عام نصرانیوں کی طرح ہیں بالکل دین کے منکر نہیں۔ اس لئے اونھوں نے اون کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا۔

وقال جمھور الامۃ ان ذبیحۃ کل نصرانی حلال سواء کان من بنی تغلب او غیرھم وکذلک الیھودی

اور جمہور امت کہتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ بنی تغلب میں سے ہو یا ان کے سوا کسی دوسرے قبیلہ اور جماعت سے ہو اسی طرح ہر یہودی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۷۸، ج ۶)

خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے

ارجح الاقاویل
فی
اصح الموازین والمکاییل

# اوزانِ شرعیّہ

وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔

**طعام اہلِ کتاب سے کیا مراد ہے؟** طعام کے لغوی معنی کھانے کی چیز کے ہیں جس میں از روئے لغت عربی ہر قسم کی کھانے کی چیزیں داخل ہیں

لیکن جمہور امت کے نزدیک اس جگہ طعام سے مراد صرف اہلِ کتاب کے ذبائح کا گوشت ہے کیونکہ گوشت کے سوا دوسری اشیاء خوردنی میں اہل کتاب اور دوسرے کفار میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں۔ کھانے پینے کی خشک چیزیں گیہوں، چنا، چاول اور پھل وغیرہ ہر کافر کے ہاتھ کا مسلمانوں کے لئے حلال و جائز ہے اس میں کسی کا کوئی خلاف نہیں اور جس کھانے میں انسانی صنعت کو دخل ہے جیسے پکی ہوئی روٹی ترکاری وغیرہ۔ اس میں چونکہ کفار کے برتنوں اور ہاتھوں کی طہارت کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ بلا ضرورت شدیدہ استعمال نہ کریں۔ مگر اس میں جو حال مشرکین بت پرستوں کا ہے وہی اہل کتاب کا بھی ہے کہ نجاست کا احتمال دونوں میں برابر ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب اور دوسرے کفار کے طعام میں جو فرق شرعاً ہو سکتا ہے وہ صرف ان کے ذبائح کے گوشت میں ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں باتفاق امت طعام اہل کتاب سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ امام تفسیر قرطبی نے لکھا ہے

| | |
|---|---|
| والطعام اسم لما یؤکل و الذبائح منہ وھو ھنا خاص بالذبائح عند کثیر من اھل العلم بالتاویل واما ما حرم من طعامھم فلیس بداخل فی عموم الخطاب (تفسیر قرطبی ص ۷۷ ج ۶) | لفظ طعام ہر کھانے کی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس میں ذبائح بھی داخل ہیں اور اس آیت میں طعام کا لفظ خاص ذبائح کے لئے استعمال کیا گیا۔ اکثر علماء تفسیر کے نزدیک اور اہلِ کتاب کے طعام میں سے جو چیزیں مسلمانوں کے لئے حرام ہیں وہ اس عموم خطاب میں داخل نہیں۔ |

اس کے بعد امام قرطبیؒ نے اس کی مزید تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے:۔

مقام تالیف ——— دیوبند

تاریخ تالیف ——— ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

اشاعتِ اول ——— دارالاشاعت دیوبند ۱۳۶۱ھ

اشاعتِ دوم ——— دیوبند ۱۳۶۴ھ

اشاعتِ سوم ——— ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۸۲ھ

اشاعتِ چہارم ——— " " " ۱۳۹۱ھ

* اس مقالہ میں درہم، دینار، صاع، مد، ذراع، میل وغیرہ کی مکمل تحقیق اور مروجہ اوزان و پیمانوں کے مطابق ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے نیز حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ کی تحقیق پر مفصل تنقید ہے۔

لاخلاف بین العلماء ان ما لا یحتاج الی ذکاۃ کالطعام الذی لا محاولۃ فیہ کالفاکھۃ والبر جائز اکلہ اذ لا یضر فیہ تملک احد والطعام الذی تقع فیہ المحاولۃ علی ضربین احدھما ما فیہ محاولۃ صنعۃ لا تعلق لہا بالدین کخبزۃ الدقیق و عصرۃ الزیت ونحوہ فھذا ان تجنب من الذمی فعلی وجہ التقذر والضرب الثانی التذکیۃ التی ذکرنا انھا ھی التی یحتاج الی الدین والنیۃ فلما کان القیاس ان لا تجوز ذبائحھم کما نقول انہ لا ملۃ لھم ولا عبادۃ مقبولۃ لکن رخص اللہ تعالیٰ فی ذبائحھم علی ھذہ الامۃ و اخرجھا النص عن القیاس علی ما ذکرنا من قول ابن عباسؓ

(تفسیر قرطبی سورۂ مائدہ ص ، ج ۲)

علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ چیزیں جن میں ذکاۃ کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً وہ کھانا جس میں کوئی تصرف نہیں کرنا پڑتا جیسے میوہ اور گندم وغیرہ اس کا کھانا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں کسی کا مالک بننا چنداں مضر نہیں ہے، البتہ وہ کھانا جس میں انسان کو کچھ عمل کرنا پڑتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مثلاً آٹے سے روٹی بنانا اور زیتون سے تیل نچوڑنا وغیرہ کافر ذمی کی ایسی چیزوں سے اگر کوئی بچنا چاہے تو وہ محض طبعی کراہت کی بنا پر ہوگا اور دوسری قسم وہ ہے جس میں عمل ذکاۃ کرنا پڑتا ہے جس کے لئے دین اور نیت کی ضرورت ہے تو اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ کافر کی نماز اور عبادتوں کی طرح اس کا عمل ذکاۃ بھی قبول نہ ہونا چاہیے تھا، لیکن اللہ نے اس اُمت کے لئے خاص طور پر ان کے ذبائح حلال کر دیئے اور حضرت ابن عباسؓ کی نص نے اس مسئلے کو خلاف قیاس ثابت کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طعام اہل کتاب سے مراد اس آیت میں بالاتفاق علماء تفسیر وہ طعام ہے جس کی حلت مذہب اور عقیدہ پر موقوف ہے یعنی ذبیحہ اسی لئے اس طعام میں اہلِ کتاب کے ساتھ امتیازی معاملہ کیا گیا کیونکہ وہ بھی اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں اور پیغمبروں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

علیٰ سیدنا محمد المصطفیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ

شریعت کے بہت سے احکام ناپ تول سے متعلق ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً

صاع، مُد، اوقیہ، درہم، دینار، مثقال وغیرہ

بلاد ہند و پاکستان میں دوسری طرح کے اوزان اور پیمانے رائج ہیں اس لئے ان احکام کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ شرعی اوزان اور پیمانوں کی مقداریں ہند و پاکستان کے مروجہ اوزان اور پیمانوں سے بتلائی جائیں

چاندی کا نصاب ۔ باون تولہ چھ ماشہ

سونے کا نصاب ۔ ساڑھے سات تولہ

ایک صاع = اسی تولہ کے سیر سے ساڑھے تین سیر

نصف صاع = " " " " پونے دو سیر

لیکن حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علماء لکھنو کی تحقیق اس بارہ میں متفاوت ہے اور تفاوت بھی معمولی نہیں کیونکہ چاندی کا نصاب ان کے نزدیک صرف چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشہ اور سونے کا پانچ تولہ اڑھائی ماشہ اور نصف صاع تقریباً ایک سیر پندرہ تولہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس تفاوت عظیم کا اثر اموال سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ اسی بناء پر عام مسلمانوں میں یہ سوال مدت سے دائر ہے پھر ۱۳۶۱ ہجری میں خصوصاً دارالافتاء دارالعلوم (دیوبند) میں بیک وقت اس کے متعلق بہت سے سوالات جمع ہو گئے۔ نیز رمضان المبارک میں رہبر دکن کے ایک پرچے سے معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد میں علماء

پر ایمان کے مدعی ہیں اگرچہ اون کی تحریفات نے ان کے دعویٰ کو مجروح کر دیا یہاں تک کہ شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے۔ بخلاف بت پرست مشرکین کے کہ وہ کسی آسمانی کتاب یا نبی و رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی نہیں رکھتے اور جن کتابوں یا شخصیتوں پر اون کا ایمان ہے۔ وہ نہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتابیں ہیں نہ اون کا رسول و نبی ہونا اللہ کے کسی کلام سے ثابت ہے۔

**اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی حکمت اور وجہ**

زیر بحث مسئلے کا تیسرا سوال ہے اس کا جواب اکثر صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کی طرف سے یہ ہے کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ اور اون کی عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں سینکڑوں تحریفات کے باوجود ان دو مسئلوں میں اون کا مذہب بھی اسلام کے بالکل مطابق ہے یعنی وہ بھی ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار و میتہ اور ناپاک و حرام قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح مسئلہ نکاح میں جن عورتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے ان کے مذہب میں بھی حرام ہے۔ اور جس طرح اسلام میں نکاح کا اعلان اور گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے اسی طرح ان کے موجودہ مذہب میں بھی یہی احکام ہیں۔

امام تفسیر ابن کثیر نے یہی قول اکثر صحابہ و تابعین کا نقل فرمایا ہے اون کی عبارت یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| (و طعام اهل الکتٰب) قال ابن عباس وابو امامة ومجاهد و سعيد بن جبير وعكرمة وعطاء والحسن ومكحول وابراهيم النخعي والسدي ومقاتل بن حيان يعني ذبائحهم وهذا امر | ابن عباس رض، ابو امامہ رض، مجاہد، سعید بن جبیر رح، عکرمہ رح، عطاء رح، حسن رح، مکحول رح، ابراہیم نخعی رح، سدی رح اور مقاتل بن حیان رح نے طعام اہل الکتاب کی تفسیر ان کے ذبائح کے ساتھ کی ہے اور یہ مسئلہ علماء کے |

کی ایک جماعت نے اس مسئلہ پر غور کیا اور حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے مطابق نصاب زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ کی مقدار کا فیصلہ شائع فرما دیا۔ اس کی بناء پر اور بھی سوالات کا ہجوم ہوگیا۔

اس لئے ضرورت ہوئی کہ فقہاء کی تصریحات کے ماتحت اوزانِ ہندیہ میں ان مقادیر شرعیہ کی پوری تحقیق کی جاوے۔ احقر نے اپنی قدرت و وسعت کے موافق ان سب کی تفتیش و تحقیق میں امکانی کوشش پوری کی۔ اس کا جو کچھ نتیجہ احقر کے سامنے آیا وہ لکھ کر سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس کو پسند فرما کر اس کا نام ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکاییل تجویز فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ المسئول الصواب والسداد والیہ المرجع المبدأ والمعاد۔

## اوزانِ شرعیہ کے مسلّمہ اصول

اوزان شرعیہ کو اوزان ہندیہ میں منتقل کرنے اور حساب لگانے میں جن اصول سے کام لیا جا سکتا ہے وہ تقریباً سب علماء ہند کے نزدیک مسلم ہیں اور عرب و عجم کے سب فقہاء متقدمین و متاخرین ان پر متفق ہیں اور ہماری معروف کتب فقہ مجمع الانہرؒ، درمختار، شامیؒ، عالمگیریؒ، البحر الرائقؒ، شرح وقایہ، جامع الرموزؒ، کتاب الاموال ابو عبیدؒ وغیرہ میں صراحت کے ساتھ منقول ہیں وہ یہ ہیں:

| نام وزن عرفی | مقدار بوزن عرفی | نام وزن عرفی | مقدار بوزن عرفی |
|---|---|---|---|
| قیراط | پانچ جو | رطل بحساب درہم | ۱۳۰ درہم |
| درہم | ستر جو | رطل بحساب مثقال | ۹۰ مثقال |
| مثقال | سو جو | رطل بحساب مُد | نصف مد |
| ایک جو | تین چاول | رطل بحساب استار | بیس استار |
| ایک چاول | دو دانہ رائی (خردل) | استار بحساب درہم | ساڑھے چھ درہم |
| صاع بغدادی | ۸ رطل | استار بحساب مثقال | ساڑھے چار مثقال |

مجمع علیہ بین العلماء ان ذبائحھم حلال للمسلمین لانھم یعتقدون تحریم الذبح لغیر اللہ ولا یذکرون علی ذبائحھم الا اسم اللہ وان اعتقدوا فیہ تعالی ما ھو منزہ عنہ تعالی وتقدس۔

(ابن کثیر سورۂ مائدہ ص ۱۹ ج ۳)

درمیان اجماعی ہے کہ ان کے ذبیحے مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، کیونکہ وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ذبیحوں پر خدا کے سوا کسی اور کا نام نہیں لیتے اگرچہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی باتوں کے معتقد ہوں جن سے باری تعالٰی بری پاک اور بلند و بالا ہے۔

ابن کثیر کے اس بیان میں ایک تو یہ بات معلوم ہوتی کہ تمام مذکورہ الصدر حضرات صحابہ وتابعین کے نزدیک طعام اہل کتاب سے ان کے ذبائح مراد ہیں اور ان کے حلال ہونے پر امت کا اجماع ہے جس کی تفصیل دوسرے سوال کے جواب میں بھی گذرچکی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان سب حضرات کے نزدیک ذبائح اہل کتاب کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مذہب میں بہت سی تحریفات کے باوجود ذبیحہ کا مسئلہ اسلامی شریعت کے مطابق باقی ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو وہ بھی حرام کہتے ہیں اور ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں وہ تثلیث کے مشرکانہ عقیدہ کے قائل ہو گئے اور اللہ اور مسیح بن مریم کو ایک ہی کہنے لگے جس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم

بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ ذبیحہ کے متعلق تمام قرآنی آیات جو سورہ بقرہ اور سورہ انعام میں آئی ہیں جن میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کو بھی اور اس جانور کو بھی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا حرام قرار دیا ہے۔ یہ سب آیتیں اپنی جگہ پر محکم اور معمول بہا ہیں سورۂ مائدہ کی آیت جس میں طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے وہ بھی ان آیات کے حکم سے مختلف نہیں۔ کیونکہ طعام اہل کتاب کو حلال قرار دینے کی وجہ ہی یہ ہے کہ اون کے موجودہ

| نام وزن عرفی | مقدار بوزن عرفی |
|---|---|
| صاع بحساب درہم | ایک ہزار چالیس درہم |
| صاع بحساب مثقال | سات سو بیس مثقال |
| صاع بحساب مُد | چار مُد |
| صاع بحساب استار | ایک سو اٹھارہ استار |

فقہاء کی تصریحات میں سے چند حوالے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:۔

(۱) فی فتح القدیر زکوٰۃ المال قال ابو عبید فی الاموال ولم یزل المثقال فی آباد الدھر محدودًا لایزید ولا ینقص وکلام السجاوندی فی قسمۃ الترکات خلافہ قال الدینار بسنجۃ اھل الحجاز عشرون قیراطًا والقیراط خمس شعیرات فالدینار عندھم مائۃ شعیرۃ وعند اھل سمرقند ستۃ وتسعون شعیرۃ (الی قولہ) فلا حاجۃ الی الاشتغال بتقدیر ذلک وھو تعریف الدینار علی عرف سمرقند وتعریف دینار الحجاز ھو المقصود اذ الحکم فی خرج من ھناک ویفخم ذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم المکیال مکیال اھل المدینۃ والوزن وزن مکۃ لفظ النسائی عن احمد بن سلیمان ووثقہ (فتح القدیر ص ۵۲۳ ج ۱)

۱۔ فتح القدیر میں ہے کہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ دینار ہمیشہ سے محدود و متعین چلا آتا ہے۔ اس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوئی اور قسمت ترکات کی بحث میں سجاوندی کا کلام اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ دینار اہلِ حجاز کے وزن سے بیس قیراط اور قیراط پانچ جو کا ہے۔ اس لئے ایک دینار اُن کے نزدیک سو جو کا ہے اور اہلِ سمرقند کے نزدیک ۹۶ جو کا (پھر فرمایا) مگر اہلِ سمرقند کے وزن کی تحقیق میں پڑنا فضول ہے کیونکہ مقصود اس جگہ حجازی وزن ہے کیونکہ حکم زکوٰۃ وہیں سے نکلا ہے۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیمانہ مدینہ طیبہ کا اور وزن مکہ مکرمہ کا معتبر ہے۔ نسائی نے اس حدیث کو بروایت احمد بن سلیمان روایت کیا ہے۔ اور اس کی توثیق فرمائی ہے۔

مذہب میں بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور اور وہ جانور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا حرام ہے۔ موجودہ زمانے میں تورات وانجیل کے جو نسخے اب موجود ہیں ان میں بھی ذبیحہ اور نکاح کے احکام تقریباً وہی ہیں جو قرآن اور اسلام میں ہیں جن کی تفصیل عنقریب ذکر کی جائے گی۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض جاہل عوام اپنے مذہب کے اس حکم کے خلاف کچھ عمل کرتے ہوں جیسا کہ خود مسلمانوں کے جاہل عوام میں بھی بہت سی جاہلانہ رسمیں خلاف قرآن وسنت، شامل ہو گئی ہیں۔ مگر ان کو مذہب اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ نصاریٰ کے جاہل عوام کے طرز عمل کو دیکھ کر ہی بعض حضرات تابعین نے یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اپنے ذبائح کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں کہ کوئی ان پر مسیح یا عزیر کا نام لیتا ہے کوئی بغیر تسمیہ کے ذبح کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ آیت مائدہ جس میں طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے اس آیت نے ذبائح اہل کتاب کے حق میں سورۂ بقرہ اور انعام کی ان آیتوں میں تخصیص یا ایک قسم کا نسخ کر دیا ہے جن میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو یا بغیر اللہ کے نام کے ذبح کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

بعض اکابر علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات تابعین نے اہل کتاب کے متروک التسمیہ ذبیحہ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو حلال فرمایا ہے ان کے نزدیک بھی اہل کتاب کا اصل مذہب تو اسلامی احکام سے مختلف نہیں ہے مگر ان کے جاہل عوام یہ غلطیاں کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ان حضرات نے ان اہل کتاب کو بھی عام اہل کتاب کے حکم سے الگ نہیں کیا اور ذبیحہ اور نکاح کے معاملے میں ان کا بھی وہ حکم رکھا جو ان کے آباء واجداد اور اصل مذہب کے پیروؤں کا ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

ابن عربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد ابو الفتح مقدسی سے سوال کیا کہ موجودہ نصاریٰ تو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں مثلاً مسیح یا عزیر

(۲) فی الدر المختار الدینار عشرون قیراطاً والدرهم اربعة عشر قیراطاً والقیراط خمس شعیرات فیکون الدرهم الشرعی سبعین شعیرة والمثقال مأة شعیرة اھ قال الشامی تحته شعیرة معتدلة لم تقشر وقطع من طرفیها مادق وطال (در مختار مع الشامی ص ۳۰ ج ۲) ومثله فی البحر الرائق ص ۲۴۷ ج ۲) ومثله فی شرح الوقایه ومجمع الانهر وجامع الرموز۔

۲- در مختار میں ہے کہ دینار بیس قیراط اور درہم چودہ[۱۴] قیراط کا ہے اور قیراط پانچ جَو کا۔ پس درہم شرعی ستر جَو اور مثقال سو جَو کا ہوگیا۔

علامہ شامی نے اس قول کی شرح میں فرمایا کہ یہ جَو معتدل (درمیانہ) ہونے چاہئیں جن کا چھلکا نہ اتارا گیا ہو اور اس کے دونوں طرف سے جو لانبا تنکا دم کی طرح ہوتا ہے وہ قطع کر دیا گیا ہو۔

اور یہی مضمون بحر الرائق، شرح وقایہ، مجمع الانہر، جامع الرموز میں بھی مذکور ہے۔

(۳) وفی الدر المختار الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درهما من ماش او عدس اھ۔ قال الشامی اعلم ان الصاع اربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدرهم مائة وستون درهما وبالاستار اربعون۔ والاستار بکسر الهمزة بالدرهم ستة ونصف وبالمثقال اربعة ونصف کذا فی دررالبحار فالمد والمن سواء کل منهما ربع صاع رطلان بالعراقی والرطل مائة وستون درهما واختلف

۳- اور در مختار میں ہے کہ وہ صاع جو احکام شرعیہ میں معتبر ہے وہ پیمانہ ہے جس میں ایک ہزار ۴۰ درہم کے برابر ماش یا مسور سما جائے علامہ شامی نے اس قول کی شرح میں لکھا کہ صاع چار مُد کا اور مُد دو رطل اور رطل نصف من (باصطلاح حجازی)، اور ایک من درہم کے حساب سے ایک سو ساٹھ[۱۶۰] درہم ہے اور استار کے حساب سے ۴۰ استار اور استار بکسر ہمزہ بحساب درہم ساڑھے چھ درہم کی برابر اور بحساب مثقال ساڑھے چار مثقال کی برابر (کذا فی درر البحار) پس مُد اور من برابر ہیں ہر ایک ان میں چوتھائی صاع کی برابر ہے جو دو رطل عراقی کے برابر ہے اور رطل ایک سو ساٹھ درہم کی برابر اور صاع کے وزن میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد

کا نام بوقت ذبح لیتے ہیں تو ان کا ذبیحہ کیسے حلال ہو سکتا ہے اس پر ابو الفتح مقدسی نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| هم من آبائهم وقد جعلهم الله تعالى تبعًا لمن كان قبلهم مع علمه بحالهم | ان کا حکم اپنے آباء و اجداد کا سا ہے۔ (آج کے اہل کتاب کا) یہ حال اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا، لیکن اللہ نے ان کو ان کے آباء کے تابع بنا دیا ہے۔ |

(احکام ابن العربی ص ۱۲۹ ج اوّل)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلافِ اُمت میں جو بعض علماء نے اہل کتاب کے ایسے ذبائح کی اجازت دے دی ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ غیر اللہ کا لیا گیا ان کے نزدیک بھی اصل مذہب اہل کتاب کا یہی ہے کہ یہ چیزیں اون کے مذہب میں بھی حرام ہیں۔ مگر ان حضرات نے غلط کار عوام کو بھی اوس حکم میں شامل رکھا جو اصل اہل کتاب کا حکم ہے۔ اس لئے ان کے ذبیحہ کو بھی حلال قرار دے دیا اور جمہور صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس پر نظر فرمائی کہ اہل کتاب کے جاہل عوام جو غیر اللہ کے نام یا بغیر کسی نام کے ذبح کرتے ہیں یہ اسلامی حکم کے تو خلاف ہے اس لئے ان کے عمل کا احکام پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہیئے اونھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کا ذبیحہ طعام اہل کتاب میں داخل ہی نہیں اس لئے اوس کے حلال ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور ان کے غلط عمل کی وجہ سے آیاتِ قرآنی میں نسخ یا تخصیص کا قول اختیار کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

اسی لئے تمام ائمہ تفسیر ابن جریر۔ ابن کثیر۔ ابوحیان وغیرہ اس پر متفق ہیں کہ سورۂ بقرہ اور انعام کی آیات میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا۔ یہی جمہور صحابہ رضؓ و تابعینؒ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ بحوالہ ابن کثیر اوپر نقل ہو چکا ہے اور تفسیر بحر محیط میں بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

| | |
|---|---|
| وذهب الى ان الكتابي اذا لم يذكر الله على الذبيحة | ان کا مذہب یہ ہے کہ کتابی اگر ذبیحے پر اللہ کا نام نہ لے اور اللہ کے سوا کوئی نام لے |

فی الصاع فقال الطرفان ثمانیۃ ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسۃ ارطال وثلث وقیل لا خلاف (الی قولہ) وھذا الاشبہ لان محمداً لم یذکر خلاف ابی یوسف ولو کان لذکرہ لانہ اعرف بمذھبہ (شامی ص ۷۰، ج ۲)

فائدہ: یہ کہ آٹھ رطل عراقی اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے (کہ ائمہ حنفیہ کا) صاع کے متعلق کوئی اختلاف نہیں بلکہ باتفاق آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے اور یہی بات (یعنی اختلاف نہ ہونا ہی) زیادہ قریب ہے کیونکہ امام محمدؒ نے اس میں ابو یوسفؒ کا کوئی خلاف نقل نہیں فرمایا اور اگر اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے کیونکہ وہ ان کے مذہب سے زیادہ واقف ہیں۔

۞ ۞ ۞

(۴) وفی شرح الوقایہ ونصف صاع من العراقی فھو منوان علی ان المن اربعون استاراً والاستار اربعۃ مثاقیل ونصف مثقال فالمن مائۃ وثمانون مثقالا اھ

۴۔ اور شرح وقایہ میں ہے کہ نصف صاع عراقی دو من کا ہے۔ اس طرح پر کہ ایک من ۴۰ استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال ہیں ایک من ایک سو اسی مثقال کا ہو گیا۔

۞ ۞ ۞

(۵) قال العلامۃ محمد بن صالح المعروف بقاضی زادہ ساکن المدینۃ فی تاج النظر حاشیۃ الدرر الشعیرۃ ثلاث حبات من الارز فی المتانۃ وستۃ خرادل (مصباح)

۵۔ علامہ محمد بن صالح ساکن مدینہ نے تاج النظر حاشیہ درر میں فرمایا ہے کہ ایک جو تین چاول کے برابر ہوتا ہے اور یہ چھ رائی کے دانوں کے برابر

۞ ۞ ۞

اور غایت البیان میں ہے:۔

(۶) الدینار عشرون قیراطا کل قیراط اثنا عشر ارزۃ والارز خردلتان حدیثان من الخردل البری (مصباح)

۶۔ دینار بیس قیراط کا اور قیراط بارہ چاول کا اور چاول دو رائی کے دانوں کی برابر ہوتا ہے رائی نئی جنگلی ہونی چاہئے۔

۞ ۞ ۞

| | |
|---|---|
| وذکو غیر اللہ لم توکل وبہ | — تو اس کا کھانا جائز نہیں، یہی قول ہے |
| قال ابو الدرداء وعبادۃ بن | ابو الدرداء رضؓ وعبادۃ بن الصامت رضؓ اور |
| الصامت وجماعۃ من الصحابۃ | صحابہ کرام کی ایک جماعت کا۔ |
| وبہ قال ابو حنیفۃ وابو یوسف | اور یہی ابو حنیفہ رحؒ، ابو یوسف رحؒ، |
| ومحمد وزفر ومالک وکرہ | محمد رحؒ، زفر رحؒ اور مالک کا مذہب ہے |
| النخعی والثوری اکل ما ذبح | نخعی رحؒ اور ثوری رحؒ اس کے کھانے کو |
| واھل بہ لغیر اللہ۔ | مکروہ قرار دیتے ہیں۔ |

(بحر محیط ص ۴۲۱ ج ۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور اسلاف امت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اہل کتاب کا اصل مذہب زمانہ نزول قرآن میں بھی یہی تھا کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے یا قصداً اللہ کا نام چھوڑا جائے وہ حرام ہے اسی طرح نکاح کی حلت وحرمت میں بھی اہل کتاب کا اصل مذہب موجودہ زمانے تک اکثر چیزوں میں اسلامی شریعت کے مطابق ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ اہل کتاب میں پایا گیا وہ جاہل عوام کی اغلاط ہیں اون کا مذہب نہیں ہے۔

موجودہ تورات وانجیل جو مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، اون سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہوں اون کے مندرجہ ذیل اقوال۔

بائبل کے عہد نامہ قدیم میں (جو موجودہ زمانے کے یہود ونصاری دونوں کے نزدیک مسلم ہے) ذبیحہ کے متعلق یہ احکام ہیں۔

۱۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو ان کی چربی اور اور کام میں لاؤ تو لاؤ پر تم اسے کسی حال میں نہ کھانا۔

(احبار ۷ : ۲۴)

۲۔ پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خدا وند اپنے خدا کی دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کر کے

فقہاء رحمہم اللہ کی تصریحات مذکورہ بالا جمہور علماء ہندوستان اور حضرت مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ کے نزدیک متفق علیہ اور مسلمات میں سے ہیں اور انھیں تصریحات پر سب نے اپنے اپنے حساب کی بنیاد رکھی ہے۔

لیکن اختلاف یہاں سے پیدا ہوا کہ مولانا لکھنوی نے ستر جو جو مقدار درہم ہے اس کو دو ماشہ ڈیڑھ رتی قرار دیا ہے اور جمہور علماء ہند نے تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا قرار دیا۔ اسی طرح مثقال مولانا لکھنوی کی تحقیق پر تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اور جمہور کی تحقیق پر ساڑھے چار ماشہ کا۔ پھر چونکہ صاع کا وزن بھی مآلاً درہم اور مثقال ہی سے لیا جاتا ہے تو اسی کے حساب سے صاع کے وزن میں بھی تفاوت ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایک درہم کے وزن میں ایک ماشہ سے بھی زائد کا فرق آ گیا تو دو سو درہم (نصاب زکوٰۃ) میں کتنا عظیم الشان تفاوت ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک مثقال میں ڈیڑھ ماشہ کا فرق بڑھ گیا تو بیس مثقال میں تیس ماشہ کا فرق ہو جانا لازمی نتیجہ ہے۔ اسی طرح صاع کا تفاوت سمجھ لیا جائے۔ اب ہمارے لئے غور طلب صرف یہ چیز رہ گئی کہ ستر جو اور سو جو کا وزن بحساب ماشہ کس قدر ہے تاکہ درہم اور مثقال کا صحیح وزن معلوم ہو سکے پھر اس سے سونے چاندی کا صحیح نصاب اور صدقۃ الفطر کی صحیح مقدار معلوم کرنا آسان ہے۔

احقر نے ستر جو علاحدہ اور سو جو علیحدہ پوری احتیاط کے ساتھ وزن کئے۔ کہ حسب تصریح فقہاء جو بھی متوسط لئے جو سب دُم بُریدہ غیر مقشورہ تھے پھر خود بھی چند بار وزن کیا اور متعدد صرافوں سے وزن کرایا۔ اول رائج الوقت ماشہ کے ساتھ وزن کرایا تو ستر جو تین ماشہ پانچ رتی کے ہوئے اور سو جو پانچ ماشہ دو رتی کے ہوئے لیکن رائج الوقت ماشہ تولہ اصل تولہ ماشہ سے کسی قدر کم ہے کیونکہ اس وقت بازار میں سکہ انگریزی روپیہ کو ایک تولہ قرار دے دیا گیا ہے جو حقیقۃً ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے اور اصل تولہ سے ۴ رتی کم ہے اسی حساب سے ماشہ ۱/۳ رتی کم ہوا۔ تین ماشہ پر ایک رتی اور پانچ ماشہ پر پونے دو (۱¾) رتی کم ہو گئے تو گویا اس وزن کے حساب سے ستر جو تین ماشہ چار رتی یعنی کل اٹھائیس رتی تقریباً ہوئے۔ اور سو جو تقریباً چالیس رتی یا پانچ ماشہ کے ہوئے۔ پھر مزید احتیاط کے لئے

کھا سکے گا......... لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا۔
(استثنار ۱۲ : ۱۵)

۳- تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔
(عہد نامہ جدید کتاب اعمال ۱۵ : ۲۹)

۴- عیسائیوں کا سب سے بڑا پیشوا پولس کرنتھیوں کے نام پہلے خط میں لکھتا ہے جو قربانی غیر قومیں کرتی ہیں شیاطین کے لئے قربانی کرتی ہیں نہ کہ خدا کے لئے اور میں نہیں چاہتا کہ تم شیاطین کے شریک ہو تم خداوند کے پیالے اور شیاطین کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۰، ۲۰ و ۲۱)

۵- کتاب اعمال حواریین میں ہے۔
ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں (اعمال ۲۱ : ۲۵)

یہ تورات و انجیل کی وہ تصریحات ہیں جو آج کل کی بائیبل سوسائیٹیوں نے چھاپی ہوئی ہیں جن میں سینکڑوں تحریفات و ترمیمات کے بعد بھی بعینہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق یہ چیزیں باقی ہیں۔ قرآن کریم کی آیت یہ ہے۔

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب

تم پر حرام کر دیا گیا۔ مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھونٹا ہوا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا۔ اور گر کر مرا ہوا اور سینگ کھا کر مرا ہوا، اور جسے درندے نے کھایا ہو۔ الایہ کہ تم نے اس کو پاک کر لیا ہو اور وہ جانور جو بتوں کے نام

یہ ارادہ کیا کہ رتیوں کے ساتھ وزن کیا جائے چنانچہ بازار سے سُرخ گنگچیاں جو فی دانہ ایک رتی ہوتی ہیں جمع کر کے وزن کیا گیا۔ مگر یہ گنگچیاں بہت متفاوت نظر آئیں۔ بعض سے ستّر جو کا وزن اٹھائیس[۲۸] رتی اور سو جو کا وزن اکتالیس[۴۱] رتی نکلا۔ اور بعض سے ستّر جو کا وزن ستائیس[۲۷] رتی ہوا، بعض سے چھبیس[۲۶] بعض سے پچیس[۲۵]۔

اسی طرح سو جو کا وزن بھی گنگچیوں سے چالیس[۴۰] رتی بعض سے اُنتالیس[۳۹] بعض سے اڑتیس[۳۸] اور بعض سے چھتیس[۳۶] رتی نکلا۔

تفاوت وزن کی وجہ سے غور و تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں زیادہ تر گنگچیوں کے تفاوت کو دخل ہے کیونکہ گنگچیاں جس قدر سُناروں اور صرافوں سے جمع کی گئیں وہ اس قدر متفاوت تھیں کہ نظر میں بھی چھوٹی بڑی معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ہمیں صحیح وزن معلوم کرنے کے لئے جس طرح جو متوسط لینے تھے اسی طرح گنگچیاں بھی متوسط لینے کی ضرورت تھی۔ اس لئے امکانی تلاش و تحقیق سے متوسط درجہ کی گنگچیاں جمع کی گئیں جو نظر میں بھی متفاوت معلوم نہ ہوتی تھیں اُن سے از سرِ نو وزن کیا تو ستّر جو پچیس[۲۵] رتی کی برابر اور سو جو پوری چھتیس[۳۶] رتی کی برابر نکلے پھر اس وزن میں بھی مختلف طریقوں سے تولا اور دوسروں سے تلوایا گیا تو یہی وزن برابر آتا رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ درہم (جس کی مقدار شرعی ستّر جو ہے) تین ماشہ ایک رتی کا اور مثقال (جس کی مقدار سو جو ہے) پورے ساڑھے چار ماشہ کا ہے۔

اور یہ وہی وزن ہے جو جمہور علماء ہندوستان اور اکابر دہلی نے مقرر فرمایا ہے صرف درہم کے وزن میں ایک کے پانچویں حصّہ کی کمی ہمارے حساب میں رہی سو ظاہر ہے کہ یہ کمی غیر محسوس ہو سکتی ہے۔

اس تمام تحقیق و تفتیش اور مختلف قسم کی گنگچیوں اور ماشوں وغیرہ سے بار بار وزن کرنے سے یہ بات تو بالکل متعین اور متیقن ہو گئی کہ درہم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور مثقال کا تین ماشہ ایک رتی جو حضرت لکھنوی کی تحریر ہے کسی طرح اور کسی حساب سے صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُن کی تحقیق پر درہم ساڑھے سترہ رتی اور مثقال پچیس[۲۵] رتی کا ہے

(المائدہ ۳:۰)          پر ذبح کیا جائے۔

اس آیت نے میتہ یعنی خود مرا ہوا جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹا ہوا جانور اور چوٹ سے مارا یا اونچی جگہ سے گر کر مرا ہوا یا سینگوں کی چوٹ سے مارا ہوا اور جس کو درندہ نے پھاڑا ہو سب حرام قرار دیئے ہیں۔

تورات وانجیل کی مذکورہ تصریحات میں بھی لحم خنزیر کے علاوہ تقریباً سبھی کو حرام قرار دیا ہے۔ صرف چوٹ سے یا اونچی جگہ سے گر کر یا سینگوں سے مرنے والے جانور کی تفصیل اگرچہ مذکور نہیں ہے۔ مگر سب تقریباً خود مرے یا گلا گھونٹ کر مارے ہوئے کے حکم میں داخل ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لینے کی تاکید فرمائی ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو حرام کیا ہے لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ بائیبل میں کتاب استثناء کی عبارت مذکور ۲ سے بھی اس کی تاکید مفہوم ہوتی ہے کہ جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔

اسی طرح نکاح کے معاملات میں بھی اہل کتاب کا مذہب اکثر چیزوں میں شریعت اسلام کے مطابق ہے ملاحظہ ہو۔ احبار ۱۸: ۶ تا ۱۹ جس میں ایک طویل فہرست محرمات کی دی گئی ہے جن میں بیشتر وہی ہیں جن کو قرآن نے حرام کیا ہے یہاں تک کہ جمع بین الاختین یعنی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کی حرمت اور حالت حیض میں صحبت کا حرام ہونا بھی اس میں مصرح ہے۔

نیز بائیبل میں اس کی بھی تصریح ہے کہ بت پرست اور مشرک اقوام سے نکاح جائز نہیں۔ موجودہ تورات کے الفاظ یہ ہیں۔

> تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا۔ نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان کی بیٹیاں لینا۔ کیونکہ وہ میرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کر دیں گے تاکہ وہ اور خداؤں کی عبادت کریں۔
>
> (استثناء ۷: ۳)

اور اس تمام تحقیق و تفتیش اور بار بار کے وزن میں نشتر جَو (یعنی درہم) کا وزن پچیس ۲۵ رتی ہے اور سَنّو جَو (یعنی مثقال) کا وزن چھتیس ۳۶ رتی سے کم کسی طرح نہیں نکلتا۔

اب اس پر حیرت ہوئی کہ مولانا عبدالحی صاحب جیسے محقق اور ماہر علم کے حساب میں اتنا عظیم الشان فرق کیسے آیا۔ سو غور کرنے سے خیال آیا کہ شاید موصوف نے صرف چار جَو اور ایک رتی کا باہم وزن ہی فرمایا ہے اُس میں تفاوت نا معلوم ہونے کی بنا پر محسوس نہ ہوا پھر اُسی پر نشتر اور سَنّو جَو کا حساب لگا کر درہم و مثقال کے وزن قائم فرما دیئے۔ نشتر جَو اور سَنّو جَو مجموعی طور پر وزن نہیں فرمایا ورنہ یہ مغالطہ ہرگز نہ رہتا۔ چنانچہ اس خیال کے امتحان کے لئے چار جَو اور ایک رتی کا وزن کیا تو اس خیال کی پوری تصدیق ہوگئی۔ کہ ظاہر نظر میں بالکل مساوی معلوم ہوئے۔ پھر اس کی مزید تقویت کے لیے صرف تین جَو اور ایک رتی کا وزن کیا تو وہ بھی اِسی طرح ظاہر نظر میں برابر محسوس ہوئے۔ سو دونوں وزن میں فرق اس قدر خفی تھا کہ محسوس کرنا دشوار تھا جس سے ثابت ہوا کہ دراصل ایک رتی کا وزن نہ پورے چار جَو ہیں نہ پورے تین جَو۔ بلکہ تین سے کسی قدر کم ہے اور یہ کمی صرف ایک رتی کے تولنے میں ظاہر نہیں ہوئی۔ جن حضرات نے ایک رتی کی مقدار چار جَو یا بعض نے تین جَو لکھی ہے وہ یا تو تقریبی ہے اور یا اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے صرف ایک رتی کا وزن دیکھا ہے اور قلیل وزن میں قلیل فرق محسوس نہیں ہوتا۔

الحاصل اس تدقیق و کاوش کے بعد یہ تو یقین ہو گیا کہ درہم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور مثقال کا تین ماشہ ایک رتی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اب صرف اتنی بات باقی رہ گئی کہ احقر نے جو مختلف قسم کی گنگچیوں سے یا بازاری ماشہ سے وزن کیا اور ہر قسم میں کچھ نہ کچھ فرق نکلا۔ ان میں سے کس وزن کو ترجیح دی جاوے سو اوّل تو احقر کی اپنی تفتیش کے اعتبار سے بھی وہی وزن راجح اور صحیح ہے جو جمہور علماء ہندوستان کی تحقیق کے بالکل مطابق ہے یعنی نشتر جَو = پچیس رتی اور سَنّو جَو چھتیس رتی کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ وزن متوسط جَو اور متوسط گنگچیوں سے کیا گیا ہے۔ دوسرے

---

ف تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی رح سے بھی نقل کیا گیا ہے ۱۲ منہ

**خلاصۂ کلام** یہ ہے کہ قرآن میں اہل کتاب کے ذبائح اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حلال اور دوسرے کفار کے ذبائح کو اور نساء کو حرام قرار دینے کی وجہ ہی یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں اہلِ کتاب کا اصل مذہب آج تک بھی اسلامی قانون کے مطابق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ان کے عوام میں پایا جاتا ہے وہ جاہلوں کے اغلاط ہیں اون کا مذہب نہیں ہے۔

اسی لئے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک سورۂ بقرہ - انعام - مائدہ کی تمام آیات میں کوئی تضاد یا نسخ یا تخصیص نہیں ہے اور جن علماء تابعین نے غلط کار عوام کے عمل کو بھی تبعًا اہلِ کتاب کے حکم میں شامل رکھا اور آیات بقرہ و انعام میں نسخ یا تخصیص کا قول اختیار کیا ہے۔ اوس کی بھی بنیاد یہ ہے کہ نصاری جن کا قول یہ ہے ان اللہ ھو المسیح ابن مریم یعنی اللہ تو عیسیٰ بن مریم ہی ہیں یہ لوگ اگر اللہ کا نام بھی لیں تو اوس سے بھی مراد عیسیٰ بن مریم ہی لیتے ہیں اس لئے اون کے ذبیحہ میں اللہ کا نام لینا یا مسیح کا نام لینا برابر ہو گیا۔ اسی بناء پر ان حضرات نے ذبائح اہل کتاب میں اس کی اجازت دے دی۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں اس بنیاد کی وضاحت فرمائی ہے۔ (احکام ابن عربی ص ۲۲۹ ج ۱)

مگر جمہور امت نے اوس کو قبول نہیں کیا جیسا کہ بحوالہ تفسیر ابن کثیر و تفسیر بحر محیط ابھی گذر چکا ہے اور تفسیر مظہری میں اقوال مختلفہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والصحیح المختار عندنا هو القول الاول یعنی ذبائح اهل الکتاب تارکاً للتسمیة عمداً او علی غیر اسم الله تعالی لا یوکل ان علم ذلك یقیناً او کان غالب حالهم ذلك وهو محمل النهی عن اکل ذبائح نصاری العرب و

اور صحیح اور مختار ہمارے نزدیک وہ پہلا ہی قول ہے یعنی یہ کہ اہل کتاب کے ذبائح جن پر قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں وہ حلال نہیں اگر یقینی طور پر اس کا علم ہو جائے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا یا غیر اللہ کا نام لیا ہے یا اہل کتاب کی عام عادت ہی یہ ہو جائے۔

جمہور علماء کی تحقیق کے مطابق ہو جانا خود اس وزن کی ترجیح کے لئے کافی ہے کیونکہ ان اکابر علماء نے ساتویں صدی ہجری سے بارھویں تیرھویں صدی ہجری تک مختلف زمانوں اور مختلف بلاد میں اپنی اپنی تحقیق ضبط فرمائی ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آتی ہے۔ اور سب کی تحقیقات مطابق ہیں۔ عادۃً یہ بات ناممکن ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی غلطی پر مجتمع ہو جاویں۔

## قدیم علماء ہندوستان کی تحقیقات

مولانا ابو الفتح رکن دین بن حسام مفتی ناگوری جو قاضی القضاۃ شیخ حماد الدین احمدؒ کی طرف سے بلاد نہروالہ (صوبہ گجرات) میں منجانب حکومت اسلامیہ مفتی مقرر تھے اور اسی زمانہ میں بڑی تفتیش سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف فرمایا تھا۔ اُس میں اکابر علمائے ہندوستان کی تحقیقات اوزان شرعیہ کے بارہ میں نقل فرمائی ہیں۔ اس میں بحوالہ حاشیہ مولانا معین الدین از شرح کنز نقل کیا ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ شرح کنز کونسی اور کس زمانہ کی تصنیف ہے مگر اتنا ظاہر ہے کہ یہ بزرگ قدیم علمائے ہندوستان میں سے ہیں اور بوزن بلادنا جو اُن کی عبارت مندرجہ ذیل میں آتا ہے اُس سے مراد دہلی اور اُس کے مضافات ہیں جیسا کہ اُس عبارت سے پہلے اسی کتاب میں درہم بلدنا اعنی حضرۃ دہلی مذکور ہے۔

| | |
|---|---|
| والقیراط حبۃ واربعۃ اخماس | اور قیراط ایک حبہ (رتی) اور ایک حبہ (رتی) |
| حبۃ فیکون وزن الدرھم خمسۃ | کے پانچ حصوں میں سے چار حصے ہیں اس لئے |
| وعشـــریـــن حبـــۃ | وزن درہم کا پچیس ۲۵ رتی اور پانچواں حصہ رتی |
| وخمس حبۃ وحـــل تولچۃ | کا ہو گیا اور ہر تولہ تین درہم اور بیس رتی اور |
| ثلثۃ دراھم وعشرین حبۃ وخما | دو خمس رتی کا ہو گیا۔ |
| حبۃ لان تولچۃ ستۃ وتسعون | کیونکہ تولہ آج کل چھیانوے رتی کا ہے |
| حبۃ لان کل تولچۃ فی اصطلاحنا | اس لئے کہ تولہ ہماری اصطلاح میں بارہ ماشہ |

محمل قول علی رض لا تاکلوا من
ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم
لم یتمسکوا من النصرانیۃ بشئ
الا بشربھم الخمر فلعل علیا
علم منھم انھم لا یسمون
اللہ عند الذبائح او یذبحون علی
غیر اسم اللہ
فکذا احکام نصاری العجم
ان کان عادتھم الذبح علی غیر اسم
تعالیٰ غالبا لا یوکل ذبیحتھم ولا
شک ان النصاری فی ھذا الزمان
لا یذبحون بل یقتلون بالوقذ
غالبا فلا یحل طعامھم
(تفسیر مظہری ص ۳۰ ج ۳)

جن بزرگوں نے عرب کے نصاریٰ
کے ذبائح کو منع کیا ہے ان کے قول کا مقصد
بھی یہی ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے جو یہ فرمایا
کہ نصاری بنی تغلب کے ذبائح کھانا جائز نہیں
کیونکہ انھوں نے مذہب نصرانیت میں سے
بجز شراب نوشی کے اور کچھ نہیں لیا۔ اس کا
محل بھی یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ثابت
ہوا ہوگا کہ بنی تغلب اپنے ذبائح پر اللہ کا نام
نہیں لیتے یا غیر اللہ کا نام لیتے ہیں پس یہی حکم عجمی
نصاریٰ کا بھی ہے کہ اگر اُن کی عادت یہی ہو جائے
کہ عام طور پر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں تو ان
کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں اور اس میں شک نہیں کہ
آج کل کے نصاریٰ تو ذبح ہی نہیں کرتے بلکہ عام
طور پر چوٹ مار کر ہلاک کرتے ہیں اس لئے ان کا
ذبیحہ حلال نہیں۔

## مصر کے مفتی عبدہ اور ان کا فتویٰ

اب سے نصف صدی پہلے مصر کے مفتی عبدہ نے پوری امت اسلامیہ اور ائمہ اربعہ کے خلاف یوروپ میں ہونے والے سب ذبائح کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا جس پر پورے عالم میں اضطراب پیدا ہوا مفتی عبدہ کو ان کے عہدہ سے ہٹانے کے مطالبات ہوئے۔ اطراف عالم کے علماء نے اُن کے فتویٰ کی تردید کی۔

مفتی عبدہ کی علمی وسعت اور وسیع مطالعہ سے کسی کو انکار نہیں لیکن لغزش و خطاء سے انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں اور یہ بھی اسلام کا دائمی معجزہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا

اثنا عشر ماهجة وكل ماهجة ثمانية
حبة فعلى هذا يكون نصاب الفضة
بوزن بلادنا اثنين وخمسين تولجة
ونصف تولجة فالواجب تولجة و
ربع تولجة وست حبات ونصاب
الذهب بوزن بلادنا سبع تولجات
ونصف تولجة والواجب ثمن تولجة
ونصف ثمن تولجة وذلك بالماشة
ماهجتان وربع ماهجة وهذا هو
التحقيق في هذا الباب۔

(فتاویٰ حمادیہ ص ۳۳ ج ۱)

کا ہے ـــــ اور ہر ماشہ آٹھ رتی کا۔
پس اس بنا پر چاندی کا نصاب ہمارے بلاد
کے وزن کے اعتبار سے ساڑھے باون تولہ
ہوا اور مقدار زکوٰۃ واجبہ کی اس میں سے ایک
تولہ تین ماشہ چھ رتی ہوئی۔
اور نصاب سونے کا ہمارے بلاد کے
وزن سے ساڑھے سات تولہ ہو گیا اور مقدار
واجب اُس میں سے سوا دو ماشہ ہوگی اس
بارہ میں یہی تحقیق ہے۔

(فتاویٰ حمادیہ)

٭ ٭ ٭ ٭

مولانا معین الدین کی مذکورہ بالا تحقیق بعینہ وہ ہے جو حضرات دہلی نے اور جمہور علمائے ہندوستان نے بیان کی ہے۔ نیز اسی فتویٰ حمادیہ میں ایک واقعہ ۶۹۴ھ[عہ] کا شیخ بہاؤالدین ابراہیم بن عبداللہ تاجر ملتانی کا نقل کیا ہے جنہوں نے ہندوستانی اوزان میں درہم و دینار اور صاع و مُد کی مکمل تحقیق فرمائی ہے اور مکہ معظمہ سے درہم شرعی و دینار اور مُد اور صاع کے معتبر و مستند پیمانے ہندوستان لاکر دہلی کے دارالضرب (ٹکسال) میں اُن کو وزن کرایا اور محفوظ کرادیا۔ ان کی بعینہ عبارت یہ ہے۔

من شرح الهداية وحكى ان
ابراهيم بن عبد الله التاجر الملتاني
لما دخل مكة سنة اربع وتسعين
وست مائة بالغ في تحقيق
الدرهم بوزن سبعة والمثقال

شرح ہدایہ میں ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ تاجر
ملتانی جب سن چھ سو چورانوے ہجری میں مکہ معظمہ
حاضر ہوئے تو درہم بوزن سبعہ (جو احکام شرعیہ
میں معتبر ہے) اور مثقال اور صاع اور مُد کی
تحقیق میں بڑی کوشش کی اور مکہ معظمہ سے ایک

عہ یہ واقعہ مصباح المنیر میں شیخ محمد قائم سندھی نے بھی نقل کیا ہے ۱۲ منہ

عالم بھی اگر کتاب و سنت اور جمہور امت کے خلاف کسی لغزش میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ان کے علمی تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے بھی امت ان کے فتویٰ کو قبول نہیں کرتی۔

مفتی عبدہٗ کا تو کہنا کیا ہے اسلامی دنیا کے مسلم مقتدا حضرت امام شافعیؒ نے خود ذبیحہ کے متعلق جمہور امت سے مختلف یہ رائے اختیار کی کہ کسی ذبیحہ پر قصداً بسم اللہ چھوڑ دینا اگرچہ ناجائز ہے اور ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانا بھی مکروہ ہے مگر اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ جب کہ جمہور امت اس کو نص قرآنی کی رو سے قطعی حرام کہتی ہے امت اسلامیہ کے بڑے بڑے ائمہ نے امام شافعی کی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے بھی ان کے اس فتویٰ کو خلاف اجماع ایک اجتہادی لغزش قرار دے دیا۔ اور خود شافعی المسلک علماء میں بھی متعدد حضرات نے اس رائے کو قبول نہیں کیا۔

مفتی عبدہ کو کتنا ہی بڑا عالم کہا جائے مگر امام شافعیؒ سے ان کو کیا نسبت جمہور امت نے امام شافعیؒ کے اس قول کو اجتہادی لغزش کہنے سے گریز نہیں کیا تو مفتی عبدہ کی کھلی ہوئی لغزش کو کون قبول کرتا پھر امام شافعیؒ تو اس فعل کو ناجائز اور گوشت کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اور مفتی عبدہ نے اسلامی ذبیحہ کے سارے اصول اور پابندیوں کو یکسر ختم کر کے یورپین ذبیحہ کو مطلقاً حلال ٹھہرا دیا۔ جو امام شافعیؒ کے مسلک کے بھی خلاف ہے اس لئے علمائے امت نے مفتی عبدہ کے اس فتویٰ کو قرآن و سنت کے نصوص اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے خلاف قرار دیا۔ اور اسلامی دنیا کے ہر علاقہ سے اس کی تردید میں مضامین لکھے گئے۔

مفتی عبدہ کے شاگرد علامہ رشید رضا مصری مصر کے اہل قلم صاحب اور ذی علم ہیں انھوں نے اپنے استاد کی حمایت میں مضامین لکھے اور اپنے سیاسی اقتدار اور خاص کوششوں کے ذریعہ کچھ علماء کی موافقت بھی حاصل کر لی اس طرح یہ فتنہ مصر میں دب گیا۔ مگر کسی فتنہ کا دب جانا اور چیز ہے اور فتویٰ کا مانا جانا دوسری چیز۔ اس زمانہ کے اخبارات و رسائل دیکھے جائیں تو یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ پوری دنیا کے علماء نے مفتی عبدہٗ کے اس فتویٰ کو غلط ناقابل اعتبار قرار دیا تھا۔

والصاع والمد واتی ببدرهم مكة ومثقالها وصاعها ومدها ووزنها وحوزها بدار الضرب في حضرة دهلى اجلها الله تعالى فصار الدرهم الشرعى ثلث ماشجة واربع شعيرات وربع شعيرة والمثقال الشرعى درهما من دراهم بلدنا وخمس درهم ونصف شعير وعشرها والمد ثلثة اساتير وثلث استار باسار بلدنا والصاع ثلثة عشر استارا وثلث استار باستار بلدنا وهذا لا يصلح للاعتماد والتعويل عليه وان اعول بعض علماء عصرنا لانه اشتبه صاع عمر رض في زمن الحجاج وقد قرب ذلك الزمان من عهد النبي صلى الله عليه وسلم فكيف يعتمد على صاع اتى به في هذا العصر وقد تطاول الزمان وتغير المكائيل والصيعان

ایک درہم اور مثقال اور صاع اور مُد لے کر آئے پھر ان کا وزن کیا اور دہلی کی ٹکسال میں اُن کو محفوظ کرا دیا۔

چنانچہ درہم شرعی تین ماشہ اور سوا چار جَو کی برابر اور مثقال شرعی دہلی کے مروجہ درہم سے ایک درہم اور پانچواں حصہ درہم اور نصف جَو اور دسواں حصہ جَو کا ہوا اور مُد تین استار اور ایک تہائی استار ہمارے بلدہ (دہلی) کے استار کے حساب سے مگر یہ (صاع مد کا وزن) قابل اعتماد نہیں اگرچہ بعض علماء نے اس پر بھی اعتماد کیا ہے وجہ بے اعتمادی کی یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں حضرت عمر رض کا صاع مشتبہ ہو گیا تھا حالانکہ یہ زمانہ عہد نبوت سے بالکل قریب تھا تو آج اُس صاع پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے جو اس قدر زمانہ طویل کے بعد وہاں سے لایا گیا۔ اس مدت میں معلوم نہیں وہاں کے کیل اور صاع میں کیا کیا تغیرات ہوئے ہوں گے۔

(فتاوی حمادیہ ص ۲۴۳ ج ۱)

اس میں حمادیہ کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ان اوزان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عہد نبوی سے بُعد کی وجہ سے تغیر و تبدل کے امکانات بہت ہیں لیکن یہاں صرف یہی بنیاد نہیں

ذبیحہ کے شرعی احکام اور اس کے ارکان و شرائط قرآن و سنت کی واضح دلائل کے ساتھ پہلے لکھے جا چکے ہیں اس کے بعد میں مفتی عبدہ کے فتوی اور رشید رضا صاحب کی طویل بحث کی تفصیلی تردید میں اپنے قارئین کو الجھانے کے بجائے صرف اتنا کافی سمجھتا ہوں کہ ذبیحہ کے مسئلے میں مفتی عبدہ اور رشید رضا صاحب کی اصلی رائے کو واضح الفاظ میں پیش کر دوں جو طویل بحثوں کی بھول بھلیاں میں پڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے وہ مسلمانوں کے سامنے واضح ہو کر آجائے تو وہ اپنی تردید آپ ہی کر دے گی کیونکہ اس کا قرآن و سنت کی نصوص اور ائمہ فقہا کی اجماعی تحقیق کے مخالف ہونا اتنا واضح ہے کہ ہر لکھا پڑھا مسلمان اس کی مخالفت کو محسوس کر سکتا ہے۔

## ذبیحہ کے متعلق مفتی عبدہ کی انوکھی تحقیق

اسلام کے قرن اول سے لے کر آج تک ہر طبقے اور ہر فرقے کے مسلمان اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ معاشرتی امور میں سے نکاح و طلاق کی طرح ذبیحہ بھی ایک خالص مذہبی چیز ہے جو قرآن و سنت کے مقرر کردہ اصول و شرائط کے بغیر حلال نہیں ہوتا، اسی لئے اس پر بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنے والے کا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہونا نص قرآنی میں شرط قرار دیا ہے جو خالص مذہبی چیز ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں اسلامی ذبیحہ کو ان شعائر میں شمار فرمایا ہے جن سے مسلمان کا مسلمان ہونا پہچانا جاتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| من صلّی صلوتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ و رسولہ (صحیح بخاری باب استقبال القبلۃ) | جس نے ہمارے جیسی نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہی مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہے۔ |

اس میں جس طرح نماز اور اسلامی قبلہ کو مسلمان کی علامت قرار دیا ہے اسی طرح اسلامی ذبیحہ کو اسلام کا شعار اور علامت بتلایا ہے۔

بلکہ فقہاء سابقین کی شہادات موجود ہیں۔ اس لئے تائید کے درجہ میں اس کو بھی لیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

شیخ ابراہیم تاجر ملتانی کی تحقیق جو ساتویں ہجری میں بڑے اہتمام سے کی گئی ہے یہ بھی درہم و مثقال کے وزن میں بعینہٖ وہ ہے جو حضرات دہلی اور جمہور علماء ہند کی تحقیق ہے کیونکہ اس میں درہم کا وزن تین ماشہ اور سوا چار جو بیان کیا ہے اور جمہور نے تین ماشہ ایک رتی اور خمس رتی لکھا ہے سو ۴ ۱/۴ جو کی ایک رتی اور خمس رتی ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح مثقال کا وزن دہلی کا ایک درہم پورا اور پانچواں حصہ درہم اور ایک نصف اور ایک عشر جو لکھا ہے اور دہلی کا درہم اس وقت چار ماشہ کا تھا جیسا کہ فتوی حمادیہ میں عبارت مذکورہ سے پہلے اس کی تصریح بالفاظ ذیل موجود ہے

| | |
|---|---|
| ودرهم بلدنا اعنی حضرة دهلی اربعة وستون شعيرا لانه اربع ماهجة وكل ماهجة ستة عشر شعيرا (ص ۴۲) | اور درہم ہمارے شہر یعنی دہلی کا چونسٹھ جو کا ہے کیونکہ درہم چار ماشہ کا ہے اور ہر ماشہ سولہ جو کا (حمادیہ) |

اس سے معلوم ہوا کہ مثقال کا وزن ماشہ رتی کے حساب سے چار ماشہ اور چھ رتی تقریباً ہوتا ہے اس میں متاخرین دہلی کی تحقیق سے صرف دو رتی زائد ہیں اور علماء لکھنؤ کی تحقیق سے یہ اور بھی زیادہ ابعد ہے اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ جن کی وفات ۱۲۲۵ھ ہجری کی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت شاہ صاحب نے ہی ان کو بیہقی وقت کا خطاب دیا ہے۔ اپنے زمانہ میں حکومت کی طرف سے قاضی بھی رہے ہیں ان کی کتاب مالابد منہ میں ہے۔

"نصاب زر بست مثقال است کہ ہفت ونیم تولہ باشد ونصاب سیم دو صد درہم ست کہ پنجاہ وشش سکہ دہلی وزن آں می شود"

(مالابد منہ ص ۹۱)

ایک حدیث میں مجوسی کفار کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے
جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے صرف دو چیزوں کا فرق ہے وہ یہ کہ

غیر ناکحی نسائھم ولا آکلی ذبیحتھم — یعنی نہ تو ان کی عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز ہے نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

اس حدیث میں یہ بات اور واضح ہو گئی کہ نکاح اگرچہ انسانی عادات اور معاشرتی امور میں سے ہے لیکن اسلام نے اس پر بھی کچھ مذہبی پابندیاں عائد کی ہیں جن کے بغیر شرعاً نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح ذبیحہ بھی ایسے ہی امور عادیہ میں سے ہونے کے باوجود اس پر اسلامی پابندیاں ہیں جن کے بغیر ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ہر طبقے اور ہر فرقے کے مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے اور ضروریات دین میں داخل سمجھتا ہے، اس پر کچھ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن کریم میں جانوروں کے حلال کرنے کے لئے تین لفظ آئے ہیں۔ ذکوٰۃ، ذبح، نحر۔

ذکوٰۃ لفظ مشترک ہے جو ذبح، نحر کو شامل ہے اور غیر اختیاری ذکوٰۃ کی ان تمام صورتوں کو بھی جن سے شرعاً جانور حلال ہو جاتا ہے سب کو شامل ہے اور باتفاق امت ذکوٰۃ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جیسے صلوٰۃ اور صوم جس طرح صلوٰۃ اور صوم کا مفہوم شرعی وہی معتبر ہے جو قرآن کی دوسری آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ثابت ہے، محض لغوی مفہوم مراد لینا تحریف قرآن ہے۔ اسی طرح لفظ ذکوٰۃ بھی خاص اصطلاحی لفظ ہے جس کی دو قسمیں اختیاری اور غیر اختیاری قرآن میں مذکور ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ مذکور ہیں، حضرات محدثین و فقہاء نے ذکوٰۃ اختیاری کو ذبائح کے عنوان سے اور غیر اختیاری کو صید کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مگر دونوں کے لئے از روئے قرآن و سنت کچھ ارکان و شرائط ہیں جن کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔

مگر مفتی عبدہ صاحب نے قرآن کے اس اصطلاحی لفظ کو بھی تمام فقہاء و مفسرین کے خلاف ایک نئے معنی پہنائے جس کا خلاصہ ان کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذکوٰۃ کے

اور حضرت نواب قطب الدین صاحب دہلوی شارح مشکوٰۃ ۱۲۵۲ھ میں اپنی کتاب مظاہر حق میں تحریر فرماتے ہیں۔

" درہم تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوتا ہے پس دو سو درہم میں چاندی چھ سو تیس ماشہ ہوتی ہے اور ان پر زکوٰۃ کے پانچ درہم ہیں اور پانچ درہم میں چاندی ہے پندرہ ماشہ چھ رتی پس اگر روپیہ میں بارہ ماشہ کے جیسے کلدار سیدھی کل کے اور ڈبل اور تیلی دار تو چھ سو تین ماشہ کے ساڑھے باون روپیہ ہوئے۔ اس پر زکوٰۃ کا ہوا ایک روپیہ بارہ ماشہ کا۔ اور پانچ آنہ اور اگر روپیہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کے مثلاً لکھنؤ وغیرہ کے تو چپن روپیہ بارہ آنہ چھ پائی اور چھ جزو تئیس پائی کے میں سے ہوئے ان پر ایک روپیہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا اور پانچ آنہ دس پائی اور بائیس جزو تئیس جزو پائی کے میں سے زکوٰۃ ہوئی حسب ذیل تفصیل:

شمار درہم۔ تعیین زکوٰۃ۔ وزن چاندی۔ تعیینہ زکوٰۃ۔ سکہ بارہ ماشہ کا۔ زکوٰۃ سکہ

مائتی درہم ۵ درہم ۶۳۰ ماشہ ۱۵ ماشہ ۶ سرخ [illegible] [illegible]

۱۱ ماشہ کا۔ زکوٰۃ (الی قولہ) اور نصاب اس کی یعنی سونے کی

[illegible] [illegible] ۱۰ پائی بیس مثقال یہاں کے حساب سے ساڑھے سات

تولہ بھر ہوتے ہیں (مظاہر حق ص ۱۰۸ ج ۲)

اور شیخ محمد قائم سندھی کے رسالہ مصباح منیر میں شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری شطاری کے رسالہ مفتاح الصلوٰۃ سے نقل کیا ہے:

" مقدار صدقہ فطر نصف صاع است کہ عبارت از چہار رطل باشد و آں دو سیر شاہ جہانی می شود چوں از گندم یا آرد یا ستو باشد و یک صاع بدہد اگر از خرما یا جو باشد و وجوب آں بر صاحب نصاب است یعنی ہر کہ پنجاہ و دو نیم تولہ نقرہ یا بہائے آں سوائے مسکن بودن و پارچہ پوشیدن داشتہ

لئے صرف اتنا کافی ہے کہ کسی جانور کو کھانے کی نیت سے بالقصد مار جائے۔ مارنے کی صورت کچھ بھی ہو۔ انھوں نے ذکوٰۃ اختیاری کو بھی قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف غیر اختیاری ذکوٰۃ یعنی شکار پر قیاس کر کے ایک کر ڈالا ہے اور اختیاری ذکوٰۃ میں جو باتفاق امت حلقوم کی رگوں کا کاٹنا شرط ہے انھوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ وہ تو یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں کہ جانور کو بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ مار دیا جائے تو وہ بھی حلال ہے اور حلال ہی نہیں بلکہ افضل و مستحسن بھی ہے۔

تفسیر المنار ص ۱۴۴ جلد ۶ میں یہ سب تفصیل موجود ہے۔ اس کا ایک جملہ یہ ہے:

| | |
|---|---|
| وانی لا عتقد ان النبی صلی الله علیه وسلم لو اطلع علی طریقة التذکیة اسهل علی الحیوان و لا ضرر فیها کالتذکیة بالکهربائیة ان صح هذا الوصف فیها لفضلها علی الذبح (المنار ص ۱۴۴ ج ۶) | اور میرا قوی یہ اعتقاد ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تذکیہ کا کوئی ایسا طریقہ معلوم ہوتا جو جانوروں کے لئے سہولت کا اور بے ضرر ہو جیسا بجلی کے کرنٹ سے مارنے کا تذکیہ ہے اگر یہ وصف اس میں صحیح ہو تو آپ اس طریقہ کو اسلامی ذبح کے طریقے سے افضل قرار دیتے۔ |

اس میں بجلی کے کرنٹ سے مارنے کو بھی تذکیہ کہا گیا ہے اور یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اپنے اس لغو قیاس اور غلط نظریہ کے متعلق یہ بھی دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوتی تو اسلامی ذبح کے طریقے کو چھوڑ کر اسی کو افضل قرار دیدیتے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے اسی اجتہاد کا تکملہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک جانور کا گلا گھونٹ کر بالقصد مار دیا جائے تو وہ بھی حلال ہے اور اس میں آیتِ قرآنی کی صریح مخالفت کا جواب منخنقہ در مخنوقہ کی بحث کا مغالطہ پیش کر کے دیا ہے جو تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت کے خلاف ہے۔ (تفسیر المنار ص ۱۴۷ ج ۶)

مفتی عبدہ نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لینے کی ضرورت کا پہلے ہی انکار کر دیا تھا حلقوم کی رگیں کاٹنے کی شرط کا بھی انکار صاف آ گیا۔ گلا گھونٹ کر بالقصد مارے ہوئے جانور بھی حلال ہو گئے تو اب ان کی تحقیق کی رو سے حرام

باشد انتہیٰ"

نیز علامہ ہداد نے حاشیہ ہدایہ میں شرح کنز کے حوالے سے نقل کیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| لان التولجۃ فی اصطلاحنا اثنا | اس لئے کہ تولہ ہماری اصطلاح میں بارہ ماشہ |
| عشر ماھجۃ وکل ماھجۃ ثمان حبات | کا اور ماشہ آٹھ رتی کا ہے۔ اس بناء پر چاندی |
| فعلیٰ ھذا یکون نصاب الفضۃ بوزن | کا نصاب ہمارے بلاد ہندوستان وغیرہ) |
| بلادنا اثنین وخمسین تولجۃ ودیع | میں ساڑھے باون تولہ چھ رتی ہے اور سونے کا نصاب |
| تولجۃ وست حبات ونصاب الذھب | ہمارے بلاد کے وزن میں ساڑھے سات |
| بوزن بلادنا سبع تولجات ونصف | تولہ ہے۔ اس معاملہ میں تحقیق سے یہی ثابت |
| تولجۃ ھذا ھو التحقیق فی ھذا الباب | ہوتا ہے۔ |

اور مصباح منیر میں یہی تحقیق مولانا معین الدین عمرانی کی حاشیہ کنز سے نقل کی ہے نیز شرح صراط مستقیم فصل زکوٰۃ سے نقل کیا ہے:۔

" درہم مبلغ آن بحساب تولہ۔ پنجاہ ودو تولہ باشد۔ وبست مثقال زر بوزن ایں دیار ہفت ونیم تولہ بود انتہیٰ۔ اقول الصواب ان یقول فی نصاب الفضۃ پنجاہ ودو نیم تولہ باشد آہ"

نیز مصباح منیر فصل سادس میں ہے کہ ہمارے ملک میں غیر مسلموں سے جو درہم بطور بطور رجبہ یہ لئے جاتے تھے اور اُن پر درہم شرعی لکھا ہوا تھا۔ ہم نے ان کا وزن کیا تو تین ماشہ اور آٹھواں حصہ ماشہ کا اور پانچواں حصہ رتی کا پایا جس سے اس قول کی تائید ہوئی کہ مثقال ۴½ ماشہ کا ہوتا ہے۔

## اطبّاء ہندوستان کی تحقیق

اشرف الحکماء جناب حکیم محمد شریف خاں دہلوی جو تیرھویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے نامور امام طب مانے گئے ہیں۔ اُن کی کتاب علاج الامراض فارسی کے آخر میں اوزان کی بحث پر ایک مستقل فصل ہے جس کے آخر میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

صرف وہ جانور رہ گیا جو اپنی موت مرگیا ہو یا کسی انسان کے قصد و اختیار کے بغیر کسی ٹکر سے یا اونچی جگہ سے گر کر یا خود بخود گلا گھٹ کر مرگیا ہو اور جس کو کسی انسان نے کھانے کی نیت سے بالقصد مارا ہو وہ سب حلال ہے، کوئی مارے کسی طرح مارے اللہ کا نام لے یا نہ لے، ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کافر۔ حلقوم کی رگیں کاٹے یا نہ کاٹے خصوصًا اہلِ کتاب کے معاملے میں تو ان کی تحقیق یہ ہے کہ طعام اہلِ کتاب بغیر کسی قید و شرط کے سب جائز ہے خواہ اہلِ کتاب نے گلا مروڑ کر مارا ہو یا جھٹکے سے قتل کیا ہو یا اور کسی صورت سے۔ (تفسیر المنار ص ۲۰۰ ج ۶)

صرف اتنی عنایت اسلام اور مسلمانوں پر فرمادی کہ طعام اہلِ کتاب عام ہے تو اس میں تو خنزیر بھی داخل تھا اس کو حلال نہیں کیا۔ اگرچہ ان کی تفسیر کا اصل مقتضا یہی تھا کہ طعام اہلِ کتاب عام ہے تو اس میں خنزیر بھی داخل ہو

اس کے بعد واضح لفظوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ جانور کا گوشت کھانا امور طبعیہ عادیہ میں سے ہے مذہب و ملت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شرعی پابندیاں صرف عبادات میں ہوا کرتی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وامور العادات فی الاکل واللباس لیست مما یتعبد اللہ الناس تعبدًا باقرارھم علیہ و انما تکون احکام العبادۃ بنص الشارع۔ (المنار ص ۱۸۵ ج ۶) | اور کھانا اور لباس وغیرہ جو عادات میں سے ہیں ان چیزوں میں سے نہیں ہیں جن کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، نصوص شریعت کی پابندی تو صرف عبادات میں ہوتی ہے۔ |

٭ ٭ ٭ ٭

مفتی عبدہ کے اس اجتہاد کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ کھانے پینے، پہننے برتنے کی چیزوں میں حلال و حرام کی بحث ہی فضول ہے، اگر یہی اجتہاد ہے تو نکاح طلاق بھی امور عادیہ طبعیہ میں سے ہیں ان میں بھی حلال و حرام کی بحث لغو اور شرعی پابندیاں غلط ہوں گی۔

اس دور آزادی اور دین بیزاری کے لئے اس سے اچھا نسخہ کیا ہو سکتا تھا اسی

"و اوزانے کہ دریں بلاد متعارف است بدیں طریق ست کہ از چہار خرد لیک برنج اعتبار می کنند و از چہار برنج یک جو و از دو جو یک رتی و از ہشت رتی یک ماشہ و از سہ و نیم ماشہ یک درہم و از چہار و نیم ماشہ یک مثقال و از دوازدہ ماشہ یک تولہ و از چہاردہ ماشہ یک دام عالمگیری و از بست و یک ماشہ یک دام پختہ و از سی دام پختہ یک سیر اکبری و از چہل دام پختہ یک سیر شاہجہانی و از چہل و چہار دام پختہ یک سیر عالمگیری و از چہل و ہشت دام پختہ یک سیر فرخ شاہی کہ شاہی مروج است۔ واللہ اعلم بالصواب (علاج الامراض فارسی ص ۲۷۲)

اس تحقیق میں بھی درہم و مثقال تقریباً وہی اوزان ہیں جو قدیم علماء ہندوستان کی تحقیق ہے۔ اگرچہ رتی کا وزن دو جو تلایا گیا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ اس وقت جو بڑے ہوں یا تحقیق کرنے والوں کے سامنے بڑے آئے ہوں۔ علاوہ ازیں اس سے اتنا تو بدرجہ اولیٰ معلوم ہوا کہ ایک رتی چار جو کی نہیں ہے۔

(ف) اس تحقیق میں ہندوستانی سیر کے اوزان مختلفہ بھی ضبط میں آگئے جو بحساب تولہ حسب ذیل نکلتے ہیں اس کے ساتھ موجودہ وقت کے سیر بھی کچھ لکھ دیے گئے:۔

| سیر اکبری | سیر شاہجہانی | سیر عالمگیری | سیر فرخ شاہی | سیر انگریزی |
|---|---|---|---|---|
| ۵۲ ۱/۲ تولہ | ۷۰ تولہ | ۷۷ تولہ | ۸۴ تولہ | ۸۰ تولہ |

مخزن میں درہم و مثقال کا وزن اس سے متفاوت لکھا ہے لیکن وہ تفاوت غالباً اس پر مبنی ہے کہ تولہ دہلی اور بنگال کا متفاوت ہے دہلی کے بارہ ماشہ اور بنگال کے دس برابر ہیں جیسا کہ خود مخزن میں اس کی تصریح موجود ہے۔ تولہ کا وزن متفاوت ہونے سے ماشہ میں اس کے تفاوت سے درہم و مثقال میں فرق ہو جاتا ہے۔

## اہل لغت کی تحقیق

ہفت قلزم۔ جس کے مصنف ہندوستان کے مشہور علماء لغت میں سے ہیں انہوں نے بھی درہم کا وزن سہ ماشہ و چار جو لکھا ہے۔

لئے مغرب زدہ نوجوانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔

مفتی محمد عبدہ اور علامہ رشید رضا مصری سے یہ لغزش ہوئی اور بڑی سخت ہوئی مگر اون کی علمی خدمات اور سوابق سے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے دعا اور امید مغفرت کی ہے۔

لیکن شکوہ اون لوگوں کی ہے جنھوں نے کسی ترجیحی دلیل یا مغالطہ کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی تن آسانی اور نفس کی پیروی کے لئے اس فتویٰ کا بہانہ اور آلہ مدافعت بنا لیا ہے۔

کسی بڑے سے بڑے عالم سے کوئی لغزش ہوجانا کوئی بعید نہیں عرب کا مشہور مقولہ ہے لکل جواد کبوة ولکل عالم هفوة یعنی اچھے گھوڑے کو بھی ٹھوکر بھی لگتی ہے اور ہر عالم سے کوئی بات لغو و غلط بھی صادر ہوجاتی ہے۔

قابل افسوس حال اوس شخص کا ہے جو جمہور اُمت کے فتوی اور بیانات واضح ہونے کے باوجود اون سب میں سے اسی لغزش کو اپنا مذہب بنالے۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اوزاعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام — یعنی جو شخص علماء کی نوادر لغزشوں ہی کو اپنا مذہب بنالے وہ اسلام سے نکل جائے گا۔

سنا جاتا ہے کہ بہت سے عرب حضرات جو یوروپ کا سفر کرتے ہیں یا وہاں مقیم ہیں وہ اسی مفتی عبدہ کے فتوی کو بہانہ بناکر یوروپ کے غیر مذبوح حرام گوشت کھانے کھلانے میں کوئی احتیاط نہیں کرتے اور قدرتی طور پر عرب حضرات کو لوگ اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اس سے دوسرے مسلمانوں میں بھی یہ وبا عام ہونے لگی۔ کچھ دین کی فکر رکھنے والے مسلمان کی طرف سے سوالات یوروپ کے ذبائح کے متعلق آتے رہتے ہیں ایسے ہی ایک سوال کا جواب بزبان عربی بھیجا گیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوس کا بھی اردو ترجمہ اس رسالہ کے آخر میں شامل کردیا جائے تاکہ یوروپ میں رہنے والے مسلمانوں کی آگاہی کا ذریعہ بنے واللہ الموفق والمعین۔

غیاث اللغات۔ میں بھی درہم کا وزن سہ ماشہ و نیم ماشہ لکھا ہے اور مثقال کے متعلق لکھا ہے:۔

"مثقال بالکسر نام وزنے ست کہ چہار و نیم ماشہ باشد و قرابادین محمد شریف خاں شاہجہاں آبادی اگرچہ دریں اختلاف بسیار کردہ اند مگر اقوی ہمیں ست"

یہ تحقیق تو ہندوستان کے علماء لغت کی ہے۔ اور امام لغت محمد بن یوسف کاتب خوارزمی متوفی ۳۸۷ھ نے اپنی کتاب مفاتیح العلوم میں عرب کے اوزان و مکائیل کی مقداریں بیان فرمائی ہیں اس کو بھی اس جگہ اہل علم کے فائدہ کے لئے عربی عبارت میں نقل کیا جاتا ہے وھو ہذا۔

## مکائیل العرب و اوزانہا

القلۃ[۱] اناء للعرب قال اصحاب الحدیث القلتان خمس قرب حجار، الرطل[۲] نصف من المن[۳] وزن مائتین و سبعۃ وخمسین درھما وسبع درھم وبالمثاقیل مائۃ وثمانون مثقالا وبالاواقی اربع وعشرون اوقیۃ المد[۴] رطل وثلث۔ الصاع[۵] اربعۃ امداد عند اھل المدینۃ وثمانیۃ ارطال عند اھل الکوفۃ۔ القسط[۶] نصف صاع الفرق[۷] ثلثۃ اصواع۔ الوسق[۸] ستون صاعا۔ قال الخلیل الوسق ھو حمل البعیر فاما الوقر[۹] فحمل البغل او الحمار۔ المثقال[۱۰] زنۃ درھم وثلاثۃ اسباع درھم الاوقیۃ[۱۱] علی وزن اثنیۃ وجمعھا اواق زنۃ عشرۃ دراھم وخمسۃ اسباع درھم والاوقیۃ فی الدھن عشرۃ دراھم۔ الاستار[۱۲] اربعۃ مثاقیل۔ والکر[۱۳] بالعراق بالکوفۃ وبغداد ستون قفیزا وکل قفیز[۱۴] ثمانیۃ مکاکیک۔ وکل مکوک[۱۵] ثلاث کیالج۔ والکیلجۃ وزن ست مائۃ درھم وبواسط والبصرۃ مائۃ وعشرون قفیزا وکل قفیز اربعۃ

# مسئلہ ذبیحہ

## اور ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائرکٹر کا فتنہ نو

پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی کوششوں کے بعد حکومت پاکستان میں تحقیقات اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ ادارہ مستشرقین یورپ کی اسلام کے خلاف تبلیغات کا دفاع کرے اور دورِ جدید میں پیدا ہونے والے نئے مسائل شرعیہ کی اسلامی اصول کے تحت تحقیقات کرے ان مسائل میں جو مشکلات مسلمانوں کو درپیش ہیں کتاب و سنت اور فقہاء امت کے اجتہادات کی روشنی میں ان کا حل تلاش کر کے ملک کے علماء ماہرین کے مشورے سے انہیں فیصلے دے۔

لیکن ہماری شامت اعمال سے اس ادارہ کا ڈائرکٹر ایک ایسے صاحب کو بنا دیا گیا جن کی تعلیم یورپ کے مستشرقین یہود و نصاریٰ ہی کی مرہون منت تھی انھوں نے اسلام کے متعلق جو کچھ سیکھا وہ یورپ میں انہی مستشرقین کے زیرسایہ سیکھا۔ ان کے سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کے زاویے وہی تھے جو مستشرقین کے تھے۔ انھوں نے اصول اسلامی کے تحت مسائل کا حل تلاش کرنے کے بجائے خود اصولِ اسلام میں ترمیم اور حذف و ازدیاد کا راستہ اختیار کر کے تحریف دین کا کام انجام دینا شروع کر دیا۔ کبھی سود کو حلال کرنے پر مقالے اور کتابیں لکھیں کبھی زکوٰۃ کے قرآنی اور شرعی نصاب میں تبدیلی کو اسلام کی خدمت قرار دیا۔ اب جانوروں کے ذبیحہ کو موضوع بحث بنا کر قرآن و سنت میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا۔

وجہ یہ ہوئی کہ پاکستان کے متعدد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یہاں بہت سے شہروں کی میونسپل کمیٹیوں نے مذبح خانوں کے لئے ذبیحہ کی مشینیں یورپ سے درآمد کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور عنقریب بڑے شہروں میں ذبیحہ ان مشینوں کے

مکاکیک -

وکل مکوک خمسة عشر رطلا وکل رطل مائة وثمانية وعشرون درهما - انتهى

اس تمام بحث و تفتیش کا حاصل یہ تھا کہ درہم اور مثقال کا صحیح وزن تولہ اور ماشہ سے کیا ہے - اس کے بعد اصل مقصود کو دیکھنا چاہیے کہ چاندی سونے کا نصاب کیا ہوا - اور صدقۃ الفطر کی مقدار کیا ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے -

## چاندی، سونے کا صحیح نصاب

جب کہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہوگیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چھپن روپیہ بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹہ تیئیس پائی (۶ ۶/۲۳ پائی) نصاب زکوٰۃ ہوا -

اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ سونے کا نصاب شرعی بیس مثقال ہیں اور تحقیق مذکور سے ثابت ہو چکا ہے کہ مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو نصاب سونے کا تولہ کے حساب سے ساڑھے سات تولہ ہوگیا جیسا کہ تیرھویں صدی کے بزرگان دہلی نے تحریر فرمایا ہے اور شیخ بہاؤ الدین تاجر ملتانی کی تحقیق کے موافق تقریباً چالیس رتی یعنی پانچ ماشہ اور زائد ہو جاتی ہے یعنی سات تولہ گیارہ ماشہ سونا نصاب زکوٰۃ ہوا - سو احتیاط اسی میں ہے کہ ساڑھے سات تولہ کو نصاب سمجھ کر اس پر زکوٰۃ دی جاوے اور جو شخص ساڑھے سات تولہ سونے کا مالک ہو اس کو مصرف زکوٰۃ نہ سمجھا جاوے -

**فائدہ** :- درہم شرعی کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے تمام احکام و معاملات شرعیہ میں جہاں کہیں درہم بولا گیا ہے - یہی درہم شرعی مراد ہوگا - اس لئے عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ

ذریعہ ہوا کرے گا۔ ملک کے علماء اور عام مسلمانوں میں یہ سوالات ابھرے کہ مشینی ذبیحہ میں شریعت اسلامیہ کی شرائط ذبح کو کیسے پورا کیا جائے گا اور اگر ان شرائط کو پورا نہ کیا گیا تو گوشت کیسے حلال ہوگا۔

یہ سن کر ہمارے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے محققین نے اپنی ریسرچ و تحقیق کا رُخ اسلامی ذبیحہ کی طرف پھیر دیا۔ ان کا یہ قدم مبارک و مسعود ہوتا اور ان کی کوشش وقت کی ایک ضرورت کو پورا کرتی اگر صحیح اصول سے کام لیا جاتا جس کا تقاضا یہ تھا کہ:

۱۔ سب سے پہلے مشینی ذبیحہ کے جو طریقے یورپ کے مختلف شہروں میں رائج ہیں ان کی مکمل معلومات بہم پہنچا کر عام مسلمانوں خصوصاً اہل علم کے لئے غور و فکر کی راہ ہموار کرتے۔

۲۔ ان میں کوئی طریقہ ذبح کا اسلام کے مسلمہ اصول کے مطابق موجود تھا تو اس کی تائید و حمایت کرتے۔ ملک کی میونسپل کمیٹیوں کو توجہ دلاتے کہ اگر ذبیحہ کے لئے مشینوں کا استعمال ناگزیر ہی ہے تو فلاں قسم کی مشین درآمد کریں، دوسری مشینوں سے پرہیز کریں، تاکہ بلا وجہ مسلمانوں میں خلفشار پیدا نہ ہو جیسا کہ حال میں بعض بیانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ یورپ میں مشینی ذبیحہ کا ایک طریقہ ایسا بھی رائج اور موجود ہے جس میں مشین کا کام صرف جانور کو قابو میں کرنا ہوتا ہے پھر کوئی انسان اس کو چھری سے ذبح کرتا ہے اس کے بعد کھال بال، ہڈی وغیرہ صاف کرنے کا سب کام مشین کرتی ہے۔

۳۔ اگر بالفرض مشینی ذبیحہ کا کوئی طریقہ بھی اسلامی اصول پر پورا نہیں اترتا تھا تو ریسرچ و تحقیق کا رُخ اس طرف پھیرنا چاہیے تھا کہ ماہرین سائنس کو ایسی ترمیم کی طرف توجہ دلائیں جس سے اس کا ذبیحہ اسلامی اصول کے خلاف نہ رہے اور جو آسانیاں مشینی ذبیحہ سے مطلوب ہے وہ باقی

چاندی ہوئی اور مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے (کما فی عامۃ روایات الحدیث) اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس ۱/۲ تولہ تین ماشہ ہوئی۔

# صاع کا وزن اور صدقۃ الفطر کی مقدار صحیح

یہ تو مسلم اور متفق علیہ ہے کہ صدقۃ الفطر کی مقدار گندم سے نصف صاع اور جو سے ایک صاع ہے اور یہ بھی حنفیہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ صاع سے صاع عراقی مراد ہے اور ایک صاع عراقی آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ پھر صاع اور رطل کا وزن تولہ ماشہ کے حساب سے معلوم کرنے کے لئے چند طریق ہیں۔

**اوّل بذریعہ مثقال** تو حسب تصریح فقہاء جس کا حوالہ ابتداء میں گذر چکا ہے ایک رطل نوّے مثقال کا اور نوّے کو آٹھ میں ضرب دی گئی تو سات سو بیس مثقال صاع کا وزن ہوگیا اور تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہے تو پورا صاع (۳۲۴۰) ماشہ یعنی دو سو ستر تولہ کا اور نصف صاع (۱۳۵) ایک سو پینتیس تولہ کا ہوگیا۔ جو اسّی تولہ کے انگریزی سیر کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک کا پورا صاع اور ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا نصف صاع ہوا۔

**دوسرا طریقہ بذریعہ درہم** حسب تصریح درمختار وغیرہ کامل صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہے اور درہم حسب تحقیق مذکور تین ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا ہے تو پورا صاع دو سو تہتر تولہ ہوگیا اور نصف صاع ۱۳۶ تولہ ۶ ماشہ کا ہوا یعنی اسّی تولہ کے انگریزی سیر سے پورا صاع تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ ہوگیا اور نصف صاع ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ ہوا۔ ان دونوں حسابوں میں پورے صاع پر تین تولہ کا اور نصف صاع پر ڈیڑھ تولہ کا فرق آتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس نے صاحبِ درمختار کے موافق درہم سے حساب کیا تو دو سو تہتر تولہ کا صاع نکلا اور جس نے شارح وقایہ صدر الشریعۃ کے موافق مثقال سے حساب

رہیں اس سلسلے میں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ اسلامی اصول کے دائرہ میں رہ کر جس قدر سہولت اور وسعت دی جاسکتی ہے، اسلامی فقہ میں غور و فکر اور اہل علم کے مشوروں کے بعد اس سہولت سے کام لیتے۔

مگر ہمارے یہ محققین یہ دردسر کہاں مول لیتے انھوں نے اس کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ یورپ میں جو طریقے مشینی ذبیحہ کے رائج ہیں ان کی پوری تفصیلات معلوم کرکے پیش کر دیتے اس کے بعد مشینی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کی بحث چھیڑتے کہ اس پر جو بحث بھی ہوتی وہ بصیرت کے ساتھ ہوتی انھوں نے صرف یہ خدمت انجام دی کہ اب سے نصف صدی پہلے مصر کے مفتی عبدہ نے پوری امت اسلامیہ اور ائمہ اربعہ کے خلاف یورپ میں ہونے والے ذبائح کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا جس پر پورے عالم اسلام میں شور مچا مفتی عبدہ کو عہدہ افتاء سے علٰحدہ کرنے کے مطالبات ہوئے۔

ہمارے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کا نام لیکر بعینہٖ مفتی عبدہ کا یہ فتویٰ اور انھیں کے دلائل عربی سے اردو میں منتقل کر دیے ہیں جس میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی بڑی بڑی اہم کتابوں کے حوالے موجود تھے اس سے ہمارے اردو خواں طبقہ پر یہ اثر ڈالا کہ ڈاکٹر صاحب وقت کے بڑے متبحر اور محقق عالم ہیں۔

اس وقت تفسیر المنار کی جلد ششم میرے سامنے ہے جس کا دل چاہے اس کتاب کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون کا اس سے موازنہ کرے اس میں کوئی مبالغہ نہ پائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے مسئلہ ذبیحہ کے متعلق ریسرچ و تحقیق کی ادنیٰ زحمت گوارا نہیں فرمائی کام صرف اتنا کیا کہ مفتی عبدہ کی تحریر کا اردو ترجمہ کرکے نصف صدی پہلے کے خوابیدہ فتنہ کو بیدار کیا۔ اور اپنے نزدیک پاکستان میں یورپ کے طریقہ ذبیحہ کی تفصیلات اور صحیح صورت معلوم کئے

لگایا تو دو سو ستر تولہ نکلا۔

**تیسرا طریقہ بذریعہ مُد**

مُد بضم المیم بھی ایک پیمانہ کا نام ہے اور حسب تصریح شامی وغیرہ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے۔ پھر مُد کا وزن ہندوستانی اوزان کے حساب سے معلوم کرنے کے لئے چند صورتیں ہیں۔ اوّل اُن علماء کے اقوال جنھوں نے مُد کو گندم وغیرہ سے بھر کر پھر وزن کیا اور اپنی تحقیق لکھی۔ اس میں ایک تو وہی قول ہے جو شیخ بہاؤ الدین تاجر ملتانی کے واقعہ میں بحوالہ حمادیہ گذر چکا ہے اس میں ایک مُد تین استار اور ایک تہائی استار کا اور صاع کو تیرہ استار اور ایک تہائی استار کا بوزن دہلی قرار دیا ہے۔ لیکن چوں کہ دہلی کے استار کا وزن معلوم نہیں اس لئے یہ صورت کافی نہیں ہوتی۔

دوسرے سیّدی وسندی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے رسالہ الطرائف والظرائف حصہ دوم ص ۱۲ میں ہے۔

"ایک مُد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کے پاس تھا جس کی مسلسل سند حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مُد تک (جو انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر بنایا تھا) پہنچتی ہے اُس کو حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا (کیونکہ نصف صاع دو مُد کا ہوتا ہے) تو ۸۰ تولہ کے سیر سے ۱ ۳/۴ سیر ۱ ۱/۲ چھٹانک ہوا تھا۔ (الطرائف ص ۱۲)

اس حساب سے پورے صاع کا وزن دو سو اسی تولہ چھ ماشہ اور نصف صاع کا ایک سو چالیس تولہ تین ماشہ ہوتا ہے ——— اور علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ ایک مُد دو سو ساٹھ درہم کی برابر ہوتا ہے اور دو سو ساٹھ درہم کا وزن تحقیق مذکور کے موافق آٹھ سو انیس ماشہ یعنی اڑسٹھ تولہ تین ماشہ ہوتا ہے اور چونکہ پورا صاع چار مُد کا ہے تو اُس کو چار میں ضرب دینے سے پورے دو سو تہتر تولہ وزن صاع کا نکل آیا اور نصف صاع ایک سو چھتیس تولہ چھ ماشہ کا ہوا۔ اور یہ بعینہ وہ حساب ہے جو اوپر بذریعہ درہم بیان کیا

بغیر رد اج دینے کا راستہ ہموار کر دیا لیکن اس کا قدرتی اثر وہی ہوا جو اب سے پہلے مصر میں ہو چکا تھا کہ دینی حلقوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور ملک بھر میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا فالی اللہ المشتکی۔

## مشینی ذبیحہ

اب رہا مسئلہ مشینی ذبیحہ کا تو اسلامی ذبیحہ کے ارکان و شرائط اور متعلقہ احکام قرآن و سنت کے دلائل اور ائمہ مجتہدین کی تحقیقات سے مفصل بیان کر دینے کے بعد دراصل یہ کوئی مستقل مسئلہ نہیں رہ جاتا بلکہ وہ ایک واقعاتی سوال ہے کہ مشینی ذبیحہ میں اسلامی ذبیحہ کے ارکان و شرائط پورے ہو جاتے ہیں یا نہیں پہلی صورت میں مشین کا ذبیحہ حلال اور دوسری صورت میں حرام ہونا متعین ہے۔ اور جب مسئلہ واقعاتی ہے تو جب تک ان مشینوں کی صحیح صورت حال معلوم نہ ہو کوئی جواب دینا بے کار ہے۔

اب تک مشینی ذبیحہ کی جو بحثیں رسائل و اخبارات میں آتی ہیں وہ صحیح صورت حال کی تحقیق سے پہلے محض مفروضہ صورتوں سے متعلق رہیں مجھ سے بھی یہ سوال کیا گیا تو سائل کی بیان کی ہوئی صورت مفروضہ پر اس کا جواب لکھا گیا جس میں یہ فرض کیا گیا تھا کہ بہت سے جانوروں کو مشین کے نیچے کھڑا کر کے بیک وقت سب کی گردنیں مشین کی چھری سے کاٹ کر جدا کر دی جاتی ہیں لیکن اسی عرصہ میں کچھ دیکھنے والوں کے بیانات سے کچھ اخباری مقالات سے یہ معلوم ہوا کہ مشینوں کے ذریعہ ذبح کرنے کا کوئی ایک معین طریقہ نہیں بلکہ مختلف ملکوں اور شہروں میں اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں جن میں ایک صورت وہ بھی ہے جس کو اسلامی ذبیحہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اس میں مشین کا کام صرف جانور کو قابو کرنے کا ہوتا ہے اور ذبح کوئی انسان اپنی چھری سے کرتا ہے پھر کھال، بال ہڈی وغیرہ صاف کرنے کا کام سب مشین

گیا ہے۔

**چوتھا طریق بذریعہ اِستار** اس کے متعلق بحوالہ شامی گزر چکا ہے کہ ایک مُد یا ایک من یا دو رطل کیونکہ یہ تینوں چیزیں ہم وزن ہیں چالیس اِستار کے برابر ہیں اور ایک استار ساڑھے چھ درہم یا ساڑھے چار مثقال کی برابر ہے اب اگر درہم سے حساب استار کا لگایا جائے اور پھر اُس سے مُد وغیرہ کا تو چالیس استار کے دو سو ساٹھ درہم ہوتے ہیں اور دو سو ساٹھ درہم کے اڑسٹھ تولہ تین ماشہ ہوتے ہیں جو ایک مُد یا دو رطل کا وزن ہے اور جب پورا صاع معلوم کرنے کے لئے اُس کو چار میں ضرب دی گئی تو وہی دو سو تہتر تولہ کا حساب آگیا اور اگر استار کا حساب مثقال سے کیا جاوے تو چالیس استار کے ایک سو اسّی مثقال ہوئے جس کے آٹھ سو دس ماشہ یعنی ساڑھے سرسٹھ تولہ ہوگئے اس کو پورا صاع بنانے کے لئے چار میں ضرب دی تو دو سو ستر تولہ ہوگئے یہ بعینہٖ وہی حساب ہے جو سب سے پہلے بذریعہ مثقال بیان کیا گیا ہے۔

الغرض صاع کو اوزان ہندیہ تولہ ماشہ کی طرف منتقل کرنے کے چار طریقے جو اُوپر مذکور ہوئے اُن سب کا نتیجہ یہ ہے کہ جس حساب میں کسی جگہ مثقال سے حساب لگایا گیا تو دو سو ستر تولہ کا صاع آتا ہے اور جس جگہ درہم سے حساب لگایا تو دو سو تہتر تولہ کا فقہار کی تصریحات مذکورہ میں اُلٹ پلٹ کر یہی دو صورتیں بالآخر نکلتی ہیں جن میں پورے صاع پر صرف تین تولہ کا اور نصف صاع پر ڈیڑھ تولہ کا فرق آتا ہے۔ صرف وہ حساب جو بحوالہ طرائف دو مُد کے وزن کا لکھا گیا ہے اُس سے دو سو اسّی تولہ چھ ماشہ کا صاع معلوم ہوتا ہے جس میں ساڑھے دس تولہ کا پورے صاع پر اور سوا پانچ تولہ کا نصف صاع پر فرق آتا ہے۔ اس طرح پر تین حساب تھوڑے تھوڑے فرق سے حاصل ہوگئے

اوّل۔ بذریعہ مثقال پورا صاع دو سو ستر تولہ نصف صاع ایک سو پینتیس تولہ۔

دوم۔ بذریعہ دراہم۔ پورا صاع دو سو تہتر تولہ نصف صاع ایک سو چھتیس تولہ چھ ماشہ

سوم۔ بذریعہ مد۔ حضرت مولانا محمد یعقوب پورا صاع دو سو اسّی تولہ چھ ماشہ نصف صاع ایک سو چالیس تولہ تین ماشہ۔

کرتی ہے۔

ان حالات میں کسی مفروضہ صورت پر بحث فضول ہے جب تک کہ درآمد کی ہوئی مشین کی صحیح صورتِ حال معلوم نہ ہو کوئی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

اتنی بات متعین ہے کہ اگر جانور کی عروق ذبح نہیں کاٹی گئیں یا ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی نہیں ہے یا سب کچھ ہے مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا قصداً چھوڑ دیا ہے یا کسی غیر اللہ کا نام اوس پر ذکر کیا ہے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں کسی مشین میں شرائط مذکورہ کی خلاف ورزی نہ ہو تو اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔ اور ان میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو ذبیحہ حرام ہو جائیگا۔ اور جب تک صحیح صورتِ حال معلوم نہ ہو اوس وقت تک مشینی ذبیحہ کے گوشت سے احتیاط کرنا واجب ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع

دار العلوم کراچی ۱۴

ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

ان میں سے جس حساب کو بھی اختیار کر لیا جاوے صدقہ فطر ادا ہو جاوے گا۔ لیکن آخری حساب میں چونکہ زیادتی ہے اس لئے اُس کے موافق ادا کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور جب تولہ ماشہ کے حساب سے صَاع اور نصف صَاع کا وزن معلوم ہو گیا تو اپنے اپنے شہروں کے سیر اور چھٹانک کا حساب لگا لینا سہل ہے۔ لیکن چونکہ عام طور پر انگریزی سیر اسّی تولہ کا رائج ہو گیا ہے اور ہمارے بلاد میں عموماً صدقۃ الفطر گیہوں سے دیا جاتا ہے اس لئے اُس کا حساب بالتصریح لکھ دینا مناسب ہوا۔

گندم سے صدقۃ الفطر کی مقدار واجب نصف صاع ہے اور نصف صاع پہلے حساب سے اسّی تولہ کے سیر سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا ہوا۔ اور دوسرے حساب سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ اور تیسرے حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ ہوا جن میں زائد سے زائد سوا پانچ تولہ کی زیادتی ہے۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اسّی تولہ کے سیر سے پونے دو سیر گندم ایک صدقۃ الفطر میں نکالے جاویں۔

**تنبیہ:** مولانا لکھنوی نے جو وزن صَاع کا ایک سیر پندرہ تولہ قرار دیا ہے۔ جہاں تک احقر نے تفتیش کی وہ کسی حساب سے درست نہیں نکلا اور وجہ اس مغالطہ کی وہی معلوم ہوتی ہے جو وزن درہم کی تحقیق میں عرض کی گئی ہے کہ صرف ایک رتی کو جَو کے ساتھ تولا گیا اس میں خفیف سا فرق محسوس نہ ہوا۔

پھر چار جَو کی رتی قرار دے کر محض حساب کے ذریعہ اُس کو صاع تک پہنچایا گیا ستر جَو کو ایک مرتبہ وزن کر لیا جاتا تو یہ مغالطہ باقی نہ رہتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اصل مقصود اس تحریر کا اتنا ہی تھا کہ سونے چاندی کے نصاب زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی مقدار کی تحقیق ہو جاوے۔ لیکن جب کہ درہم و مثقال کے وزن کی تحقیق ہو گئی اور عام طور سے جو اوزان کتب فقہ میں ذکر کیے جاتے ہیں وہ درہم و مثقال ہی کی طرف عود کرتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ جس قدر الفاظ کتب فقہ میں

---

عہ یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا نے دوسرے ائمہ کے موافق صاع عراقی کے بجائے صاع حجازی اختیار فرمایا ہو جو آٹھ کے بجائے پانچ رطل سے کچھ زائد کا ہوتا ہے مگر جمہور حنفیہ نے چونکہ صاع عراقی کو ہی ان معاملات میں اختیار کیا ہے اس لئے ہم نے حساب اُسی کا لگایا ہے۔ واللہ اعلم محمد شفیع۔

# احکام الخطاب

## بعض احکام اللحی والخضاب

## داڑھی کے خضاب اور کترانے وغیرہ کے احکام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں (۱) داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں کتروانا کیسا ہے۔ (۲) داڑھی میں کیا مقدار قبضہ و مٹھی مقرر کی ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو قبضہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ کیا قبضہ کی ریش میں داخل ہے یا نہیں، اور اگر قبضہ سے بڑی ہو تو کیا کوئی حرج فی الدین ہے یا نہیں۔ جیسے کہ بزرگان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی عموماً قبضہ سے بڑی ہوتی تھیں اور ہیں۔ شامی والے کا یہ قول کہنا کیا یہ درست ہے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ کا قول قبضہ کا ہے اور بعض حدیث میں خَفِّفُوا اللحیۃ آیا ہے۔ حالانکہ صحاح میں مطلق واعفوا اللحی یا ایک جگہ طَوِّلُوا اللحیۃ بھی آیا ہے تو تطبیق تعارض کیا یا ترجیح کس کو ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کترانا ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا حد ہے بدلائل شرعیہ احادیث شریف و فقہاء احناف کے اقوال سے جواب عنایت فرمائیے گا۔
جواب مفصل ہو۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

## الجواب

(۱) باجماع امت داڑھی منڈانا حرام ہے اسی طرح ایک قبضہ (مٹھی) سے کم ہونے کی صورت میں کتروانا بھی حرام ہے۔ ائمہ اربعہ حنفیہؒ، مالکیہؒ، شافعیہؒ، حنبلیہؒ کا اس پر اتفاق ہے ملاحظہ ہوں تصریحات ذیل۔

**حنفی مذہب** | ویحرم علی الرجل قطع لحیتہ الخ واما الاخذ منہا وھی مادون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد (فتح القدیر و در مختار وغیرہ) حرام ہے داڑھی کا کاٹنا اور اس حال میں کہ ایک مٹھی سے کم ہو، کترنا کسی کے یہاں مباح نہیں۔

**مالکی مذہب** | مذہب السادۃ المالکیۃ حرمۃ حلق اللحیۃ وکذا قصہا اذا کان یحصل بہ مثلۃ (الابداع فی مضار الابتداع) حرام ہے منڈانا اور کترانا داڑھی کا جبکہ اس سے مثلہ ہو جاوے۔

دربارۂ اوزان مستعمل ہیں ان سب کے وزن تولہ، ماشہ کے حساب سے لکھ دیے جاویں تاکہ فقہاء کی مراد کو رائج الوقت وزن کے مطابق سمجھنے میں دشواری پیش نہ آوے اس لیے ان سب کو ایک جدول کی صورت میں لکھ دیا گیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

# نقشہ رائج الوقت اوزان کے مطابق

| اوزانِ فقہیہ | اوزانِ ہندیہ | کیفیت |
|---|---|---|
| طسوج | تقریباً پون رتی | اصل یہ ہے کہ طسوج دو جو کا ہے اور ایک رتی ۳ جو سے کچھ کم ہے (بحر الجواہر) |
| قیراط | ۱ ۱۱/۱۴ رتی یعنی تقریباً پونے دو رتی | حسب تصریح فقہاء ایک قیراط ۵ جو اور ۱۴ قیراط کا ایک درہم ہے درہم ۲۵ رتی کا ہے اس حساب سے قیراط ۱ ۱۱/۱۴ رتی کا ہوا۔ |
| دانق یا دانگ | تقریباً ۷ رتی | اصل یہ ہے کہ دانق ۴ قیراط ہے کما فی بحر الجواہر اور ایک قیراط پونے ۲ رتی ہے تو ۴ قیراط ۷ رتی کے ہوئے۔ |
| درہم | ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا | یہ جو درہم کا وزن حسب تصریح فقہاء ہے ماشے سے وزن کیا گیا تو یہی وزن آتا ہے۔ |
| مثقال | ۴ ماشہ ۴ رتی | مثقال کا وزن حسب تصریح فقہاء ۱۰۰ جو ہے ہمارے اوزان سے بھی یہی آتا ہے۔ |
| رطل | ۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ | حسب تصریح شامی وغیرہ رطل کا وزن ۱۳۰ درہم ہے جس کا وزن بحساب تولہ یہی نکلتا ہے |
| مُد | ۶۸ تولہ ۳ ماشہ | مُد کا وزن ۲۶۰ درہم " " " " " |
| مَن | ۶۸ تولہ ۳ ماشہ | " " من کا وزن بھی " " " " " |
| استار | بحساب درہم ایک تولہ ۸ ماشہ ۳ ۴/۵ رتی بحساب مثقال ایک تولہ ۸ ماشہ ۲ رتی | " ایک استار ساڑھے ۶ درہم ہے اور اس کا وزن یہی نکلتا ہے<br>ایک استار ساڑھے ۴ مثقال ہے جس کا وزن ایک تولہ ۸ ماشہ دو رتی ہے۔ |
| اوقیہ | ساڑھے دس تولہ | اوقیہ کا وزن درہم سے حسب تصریح فقہاء ۴۰ درہم ہے جس کا ہندی وزن یہی نکلتا ہے۔ |
| صاع | بحساب درہم ۲۷۰ تولہ بحساب مثقال ۲۷۲ تولہ | اس کی مفصل تحقیق اصل رسالہ میں گزر چکی ہے۔ |
| نصف صاع | بحساب درہم ۱۳۵ تولہ<br>بحساب مثقال ۱۳۶ تولہ ۶ ماشہ | " " " " " |
| وسق | بحساب درہم ۵ من اڑھائی سیر ۸۰ تولہ کے سیر سے بحساب مثقال ۵ من پونے ۵ سیر " " " | صاع کا وزن جو اوپر مذکور ہوا اُس سے حساب لگایا گیا ہے۔<br>کیونکہ ایک وسق حسب تصریح فقہاء ۶۰ صاع کا ہے۔ |

**شافعی مذہب** فی شرح العباب قال الاذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها وقال ابن الرفعة بان الشافعی رحمه الله نص فی الام علی التحریم۔ حرام ہے منڈانا داڑھی کا بلا عذر، تصریح کی اس کی امام شافعی رحمہ اللہ نے ام میں (نام کتاب)

**حنبلی مذہب** منهم من صرح بان المعتمد حرمة حلقها ومنهم من صرح بالحرمة ولم یحك خلافا کصاحب الانصاف یعلم ذلك من شرح المنتهی وشرح منظومة الاداب وغیرها تصریح کی اس پر کہ حرام ہے منڈانا داڑھی کا تصریح کی حرمت پر اور کسی کا خلاف نقل نہیں کیا۔

ان تصریحات سے داڑھی کے مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی چیز پر مذاہب اربعہ کے اتفاق کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہیں اور ہو تو اس کا اختلاف ناقابل التفات ہے۔ داڑھی کو سر کے بالوں اور پٹھوں پر قیاس کرنا بھی تعلیمات شریعت سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے، احادیث سے بال رکھنے نہ رکھنے دونوں کی اجازت ثابت ہے قال احلقوه کله او اترکوه کله (ترجمہ مونڈو تمام سر کو یا چھوڑ دو تمام کو (سنن ابوداؤد باسناد صحیح علی شرط البخاری ومسلم) پٹھے رکھنے نہ رکھنے کا تعلق عادت سے ہے حکم شریعت نہیں، ہاں کوئی حضور کے اتباع سے رکھے تو مستحب اور باعث ثواب ہے (منقول از بعض فتاوی)

**الجواب۲**۔ فی الباب العشرین من کراهیة العالمگیریة ولا باس اذا طالت لحیته ان یأخذ من اطرافها ولا باس ان یقبض علی لحیته فان زاد علی قبضته منها شیٔ جزه وان کان ما زاد طویلة ترکه کذا فی الملتقط والقص سنة فیها وهو ان یقبض الرجل لحیته فان زاد منها علی قبضته قطعه کذا ذکر محمدؒ فی کتاب الآثار عن ابی حنیفة رح وقال به ناخذ کذا فی محیط السرخسی عالمگیری ص۳۵ج۵

عالمگیری کتاب الکراہیۃ کے بیسویں باب میں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر داڑھی ایک مشت سے بڑھ جائے تو اس کو کم کرے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لے پھر جو اس سے زائد ہو اس کو قطع کرے لیکن اگر مٹھی سے بڑھی ہوئی داڑھی زیادہ لمبی ہو چکی ہے تو اب اس کو قطع کرنا مناسب نہیں بلکہ ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیے، ملتقط میں ایسا ہی لکھا ہے۔ داڑھی کترانا سنت ہے اگر ایک مشت سے زائد ہو امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار میں ایسا ہی نقل کیا ہے اور کہا کہ ہمارا بھی عمل ہے سرخسی نے محیط میں اسی طرح کہا ہے اور

# خاتمہ

یہ رسالہ ۵ ر ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ کو تھانہ بھون میں شروع کیا گیا تھا، ۸ ر ذی قعدہ کو وہاں سے واپسی ہوگئی۔ رسالہ درمیان میں رہ گیا اتفاقاً ۱۱ ر ذی قعدہ کو پھر قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر میں مدرسہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر آنا پڑا اور یہاں کچھ وقت مل گیا تو بحمدہٖ تعالیٰ رسالہ کی تکمیل ہوگئی۔ حق تعالیٰ مفید و نافع اور شبہات کیلئے دافع فرمائے اللہم آمین۔ وقد تم یوم السبت لاثنی عشر خلت من ذیقعدۃ سنہ ۱۳۶۱ھ

اور شعبان ۱۳۷۹ھ ہجری میں نظر ثانی اور کچھ اضافات ہوئے والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

العبد الضعیف

محمد شفیع

الدیوبندی عفا اللہ عنہ

خادم دار الافتاء بدار العلوم الدیوبندیۃ سابقاً

وفی رد المحتار عن النهایة وما وراء ذلك
(یعنی القبضة) یجب قطعه هکذا عن
رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان
یاخذ من اللحیة من طولها وعرضها رواه
ابو عیسٰی یعنی الترمذی فی جامعه اه ثم
قال ما استدل به صاحب النهایة لا یدل علی
الوجوب لما صرح به فی البحر وغیره (الی قوله)
وهو سنة کما فی الملتقٰی انتهی وایضًا فی
رد المحتار (وهٰذا) یعنی جواز الاخذ فوق
القبضة لا دونها وفق فی الفتح بین ما مر و
بین ما فی الصحیحین عن ابن عمر عنه صلی الله
علیه وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی قال
لانه صح عن ابن عمر راوی هٰذا الحدیث انه کان
یاخذ الفاضل عن القبضة فانه لم یحمل
علی النسخ کما هو اصلنا فی عمل الراوی علی خلاف
مرویه مع انه روی عن غیر الراوی وعن
النبی صلی الله علیه وسلم ان یحمل الاعفاء علی
اعفائها عن ان یاخذ غالبها او کلها کما هو
فعل مجوس الاعاجم یقطعون من لحاهم و
یؤیده ما فی مسلم عن ابی هریرة عنه جزوا
الشوارب واعفوا اللحی خالفوا المجوس فهٰذه
الجملة واقعة موقع التعلیل اه شامی کتاب
الصوم ص ۱۲۳ ج ۲- وفی الحظر والاباحة

پھر رد المحتار میں نہایہ سے منقول ہے کہ ایک مشت سے زائد
داڑھی کا کٹوانا واجب ہے۔ ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہے کہ آپ داڑھی کو طول وعرض سے لیا کرتے
تھے روایت کیا اس کو امام ترمذی نے اور صاحب رد المحتار نے
یہ بھی کہا ہے کہ جس چیز سے صاحب نہایہ نے اس کے وجوب
پر استدلال کیا ہے اس سے وجوب نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا کہ
صاحب بحر وغیرہ نے بحوالہ ملتقٰی اس کے سنت ہونے کی
تصریح کی ہے اور نیز رد المحتار میں ہے کہ جواز قطع کو ایک
مشت سے زائد پر اور عدم جواز کو ایک مشت سے کم پر محمول
کیا جاتا ہے۔ صاحب فتح القدیر نے اس روایت اور صحیحین
کی روایت میں جو ابن عمرؓ سے مروی ہے اسی طرح تطبیق کی
ہے اور صحیحین کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھی کو چھوڑ دو۔
اور وجہ تطبیق صاحب فتح نے یہ بیان کی ہے کہ راوی حدیث
حضرت ابن عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنی داڑھی جو
ایک مشت سے زائد ہوجاتی تو قطع کرا دیتے تھے پس اگر
ان کے اس فعل کو حسب قاعدہ حنفیہ نسخ پر محمول نہ کریں، تو
اس پر محمول ہوگا کہ داڑھی چھوڑنے کا جو حکم ہے اس سے مراد
یہ ہے کہ ایک مشت سے کم نہ کریں اور پوری یا زیادہ حصہ
داڑھی کا مجوس وغیرہ کی طرح قطع نہ کریں اور اس کی تائید مسلم
کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں
کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹو مونچھوں کو اور چھوڑو
داڑھیوں کو تاکہ مخالفت کرو مجوس کی۔ پس یہ جملہ علت بیان

# ضمیمہ

## مساحاتِ شرعیہ و پیمانہائے ہندیہ

ذراع :- عرب میں دو قسم کے ذراع مستعمل تھے ایک ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا گز) دوسرا ذراع مساحت (زمین وغیرہ ناپنے کا گز)

ذراع مساحت حسب تصریح قاضی خاں وغیرہ سات مشت (مٹھی) ہیں جن میں ہر ایک مٹھی کے ساتھ انگوٹھا کھڑا ہو (کذافی البحر الرائق ص ۱۸ بحث المیاہ) اور یہ مٹھی جس پر انگوٹھا کھڑا ہو آج کل کی پیمائش کے حساب سے چھ انچ ہوتی ہے کیوں کہ اس طرح کی دو مٹھی کا فٹ قرار دیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذراع مساحت ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ کا ہوتا ہے جو انگریزی گز سے چھ انچ زیادہ ہے لیکن فقہاء کے کلام میں عموماً جس جگہ ذراع کا لفظ بولا گیا ہے ذراع مساحت مراد نہیں بلکہ ذراع کرباس مراد ہوتا ہے۔ اور بعض مواضع میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے کہ بعض نے اس میں ذراع کرباس مراد لیا ہے۔ بعض نے ذراع مساحت جیسا کہ ماء (پانی) کثیر کی بحث میں اور دہ در دہ کی تعیین میں قاضی خاں نے ذراع مساحت کو اختیار کیا ہے لیکن جمہور فقہاء صاحب ہدایہ اور عامہ متون و شروح نے اس جگہ بھی ذراع کرباس ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ذراع کرباس بھی دو قسم کا مشہور ہے۔ متقدمین میں ۲۴ انگشت کا ذراع معروف ہے اور متاخرین میں ۲۴ انگشت کا۔ انگشت سے مراد ہے کہ ۴ انگلیاں ملا کر رکھی جاویں۔ اور انگوٹھا ان کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے۔ پھر چار ان کے برابر اور پھر اسی طرح ۴ یہاں تک کہ ۳۲ یا ۲۴ ہو جاویں۔ اور چونکہ ایک مشت (مٹھی) بھی ۴ انگشت کی ہوتی ہے اس لئے متقدمین کا ذراع آٹھ مشت (مٹھی) اور متاخرین کا چھ مشت کا ہوگا۔ عامہ کتب مذہب متون و شروح اور فتاویٰ میں متاخرین کا ذراع مستعمل ہے اسی پر سب

من الدر المختار ورد المحتار والسنة فيها القبضة
(در مختار) قال الشامي وروى الطبراني عن ابن
عباسؓ رفعه من سعادة المرء خفة لحيته و
اشتهر ان طول اللحية دليل على خفة العقل
ثم انشد عن بعضهم فيه شعر شامی صـ۲۶۳ ج۵

ما احد طالت له لحيته
فزادت اللحية في هيبته
الا وما ينقص من عقله
اكثر فيما زاد في لحيته

کرنے کے لیے مذکور ہے اور در مختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے
کہ سنت داڑھی میں ایک مٹھی ہے اور علامہ شامی نے کہا ہے کہ حدیث
طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ
انسان کی نیک بختی کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی داڑھی بہت زیادہ
لمبی نہ ہو اور یہ بات مشہور ہے کہ داڑھی کا زیادہ لمبا ہونا خفت عقل کی دلیل ہے

(ترجمہ) کسی شخص کی داڑھی حد سنت سے زیادہ ہو
کہ اس کی شان اور وجاہت میں جتنی زیادتی
کرتی ہے اس سے زیادہ اس کی عقل میں
کمی کر دیتی ہے۔

عبارات منقولہ بالا سے مسائل ذیل حاصل ہوئے (ا) داڑھی اگر ایک مٹھی سے زیادہ ہو تو اس کو قطع کرنا سنت ہے جیسا کہ عبارت شامی میں مفصل مذکور ہے (ب) یہ ایک مشت ذقن کے علاوہ معتبر ہوگی، ذقن لحیہ میں داخل نہیں جیسا کہ عبارت عالمگیری سے واضح ہے (ج) اگر کسی شخص نے ابتداءً داڑھی بڑھنے کے زمانہ میں ایک مشت سے زائد کو کسی وجہ سے قطع نہ کیا یہاں تک کہ زیادہ طویل ہو گئی۔ تو اب اس کو قطع کرنا نہ چاہیے جیسا کہ عالمگیری میں اس کی تصریح ہے۔ جن بزرگوں کی داڑھی ایک مشت سے زائد رہی ہے یا اب ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے (د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مشت سے زائد لحیہ شریف کے بالوں کا قطع کرنا ثابت ہے جیسا کہ عبارت شامی میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے۔ (ہ) جن روایات میں اعفاء لحیہ یا تطویل لحیہ کا حکم وارد ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ایک مشت تک اعفاء کیا جائے ورنہ دوسری فعلی روایات جو ترمذی سے نقل کی گئی ہیں معارض ہوں گی اور تطبیق کی یہی بہتر صورت ہے کہ تقصیر کی روایت کو ایک مشت سے زائد پر اور تطویل کی ایک مشت کے حد تک پر محمول کیا جائے جیسا کہ عبارت شامی میں بحوالہ فتح القدیر مذکور ہے۔ (و) اور علامہ شامی نے طول اللحیہ کو اپنی طرف سے ہرگز بیوقوف نہیں کہا بلکہ محض ایک مشہور مقولہ نقل کیا ہے نہ یہ کوئی شرعی حکم ہے اور نہ اپنا اجتہاد جیسا کہ عبارت شامی سے واضح ہے اور اگر فی الواقع صحیح بھی ہو تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ حدیث طبرانی مندرجہ عبارت ۲ میں داڑھی کے

حسابات شرعیہ قائم کیے گئے ہیں یعنی ۶ مشت یا ۲۴ انگشت کا ایک ذراع۔ وذلک لما فی تیمم الھدایۃ بعد قولہ اقرب لاقوال کل ذراع اربع وعشرون اصبعًا وعرض کل اصبع ست حبات شعیر ملصقۃ ظھرًا لبطن ھکذا فی التبیین (عالمگیری مصری ص ۲۸ ج ۱) وفی میاہ البحر الرائق اختلف المشائخ فی الذراع علی ثلثۃ اقوال ففی التجنیس المختار ذراع الکرباس واختلف فیہ ففی کثیر من الکتب انہ ست قبضات لیس فوق کل قبضۃ اصبع قائمۃ فھو اربع وعشرون اصبعا بعدد حروف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والمراد بالاصبع القائمۃ ارتفاع الابھام کما فی غایۃ البیان (بحر ص ۸۰ ج ۱) ومثلہ فی تیمم البحر عن الینابیع وذکر انہ ذراع العامۃ وفی حاشیۃ البحر للشامی ھناک انہ ھو المعول وعزاہ الی الرملی صاحب الخیریۃ (بحر ص ۱۴۷ ج ۱)

عبارات مرقومہ بالا سے واضح ہو گیا کہ قول معتمد فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک یہی ہے کہ پانی کی مساحت کے متعلق دہ در دہ کے مسئلہ میں ذراع کرباس معتبر ہے اور اس کی صحیح ذراع پیمائش ۲۴ انگلیاں یا ۶ مشت ہے اور یہ بعینہٖ وہ مقدار ہے جس کو ہمارے عرف میں ایک ہاتھ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مُغرِب میں جس میں خاص فقہی کے لغت جمع کئے گئے ہیں) والذراع من المرفق الی الاصابع ثم سمی بھا الخشبۃ التی یذرع بھا (الی قولہ) والذراع المکسرۃ ست قبضات وھی ذراع العامۃ وانما وصفت بذلک لانھا نقصت عن ذراع الملک بقبضۃ وھو بعض الاکاسرۃ ولاۃ فرس وکانت ذراعہ سبع قبضات (مغرب ص ۱۹۱ ج ۱)

مُغرِب کی اس تحریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ بحرالرائق بحث المیاہ میں جو قول ولوالجی سے نقل کیا ہے کہ سات مشت کا ایک ذراع ہوتا ہے یہ اس قدیم ذراع کی پیمائش ہے جو آخری کسریٰ ملک فارس کا ذراع ہے اور اسلام میں عام طور پر جو ذراع رائج ہوا وہ ایک مٹھی کم یعنی ۶ مٹھی یا ۲۴ انگلیوں کا ذراع ہے اور یہی معتبر و مستند ہے اور عرب

کے خفیف ہونے کو نیک بختی کی علامت قرار دیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طویل داڑھی اگر ہو تو اس کو قطع کرا دیا جائے جیسے طویل قد کو علامت بیوقوفی کہا جاتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طویل القد اپنے قد کو قطع و برید کے ذریعہ کم کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
کتبہ احقر محمد شفیع، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ مفتی دار العلوم دیو بند۔

## سوال

خضاب بالسواد جائز ہے یا نہیں اگر شق اخیر جواب ہو تو امام ابو یوسف کا خلاف کیوں ہے۔ انی احب ان تتزین لامراتی سے صریح جواز بلکہ رغبت اور امر محمود معلوم ہوتا ہے اور اگر شق اول کو اختیار کیا جائے تو امام ابو حنیفہ وعامۃ الفقہاء رحمۃ اللہ تبارک وتعالیٰ علیہم حرمت کے قائل کیوں ہیں اور فقط غازی کے لیے جائز فرماتے ہیں اوروں کے لیے ممانعت فرماتے ہیں، اگر جواب ہو تو اولہ قویہ سے ہو، حوالہ کتب تحریر فرماویں۔

## جواب

حامداً ومصلیاً۔ اما بعد خضاب کے متعلق مختلف صورتوں اور مختلف حالات کے اعتبار سے احکام شرعیہ میں کچھ تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ کے سوا دوسرے رنگوں کا خضاب علماء مجتہدین کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے اور سرخ خضاب خالص حنا کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے مسنون ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمہور محدثین کے نزدیک ایسا خضاب کرنا ثابت ہے، صحابہ میں حضرت انسؓ اور ائمہ اجتہاد میں امام مالکؒ اس عملی ثبوت کا انکار فرماتے ہیں لیکن ناجائز وہ بھی نہیں فرماتے اور امام احمد بن حنبلؒ نے ان کے انکار کا جواب بھی نہایت کافی دے دیا ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں وقد شھد بہ غیر انسؓ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ خضب ولیس من شھد بمنزلۃ من لم یشھد فاحمد اثبت خضاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ جماعۃ من المحدثین ومالک انکرہ زاد المعاد ص۱۳۵ ج۲۔ نیز صحیح بخاری میں عثمان بن عبد اللہ ابن موہب سے مروی ہے کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس گئے تو انھوں نے ہمارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک نکالا۔ دیکھا تو وہ حنا اور کتم سے خضاب کیا ہوا تھا (زاد المعاد ص۱۳۶ ج۲) نیز حدیث صحیح میں ہے ان احسن ما

اور فقہاء کی سذاجت و سادگی کا بھی یہی مقتضیٰ ہے کہ اُن کے کلام میں ذراع سے مراد یہی ذراع ہو کیونکہ ذراع طبعی (یعنی ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے اور یہ ذراع انگریزی گز سے نصف یعنی ڈیڑھ فٹ یا ۱۸ - انچ ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر حکورتی ازم حساب میں اس کی تصریحات الفاظ ذیل میں موجود ہیں۔

۹، انچ = ایک بالشت، ۲ بالشت یا ۱۸، انچ = ایک ہاتھ، ۲ ہاتھ = ایک گز
ایک گز = ۳ فٹ یا ۳۶، انچ۔

خلاصہ یہ کہ رائج الوقت انگریزی گز اور فٹ کے اعتبار سے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ذراع مساحت = | ایک گز ۶ - انچ | یا ساڑھے تین فٹ | یا بیالیس انچ |
| ذراع کرباس = | نصف گز | یا ڈیڑھ فٹ | یا اٹھارہ انچ |

اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ پانی کے مسائل میں ذراع کرباس معتبر ہے نیز نمازی کے آگے سُترہ جو ایک ذراع ہونا حسب تصریح فقہاء ضروری ہے اس میں بھی یہی ذراع کرباس معتبر ہے۔

**میل:** میل اصل لغت عرب میں منتہائے بصر کو کہا جاتا ہے۔ کمافی الصحاح والمغرب وغیرہما اور اصطلاحِ فقہاء میں ایک تہائی فرسخ کو میل کہا جاتا ہے۔ پھر اس کی مقدار میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔

اوّل چار ہزار گز اور یہی قول معتمد و مختار ہے اور عامہ شروح و فتاوی میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے (کما سیاتی نقلہ)

دوسرے تین ہزار گز یہ قول متقدمین کا ہے اور در حقیقت اس کا مدار اس پر ہے کہ متقدمین کا گز بہ نسبت متاخرین کے اسی قدر بڑا ہے کہ ان کے چار ہزار گز اُن کے تین ہزار کی برابر ہوتے ہیں جیسا کہ لفظ ذراع کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ متقدمین کا ذراع بتیس انگشت کا ہے اور متاخرین کا چوبیس انگشت کا جن کا حساب کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو مسافت چوبیس انگشت کے ذراع سے چار ہزار ذراع ہوگی وہ بتیس انگشت کے ذراع سے تین ہزار ہو جائے گی۔

غیرتم به الشیب الحناء والکتم (رواہ الاربعہ) ترجمہ: بہترین خضاب حناء اور کتم ہے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے صحیحین میں منقول ہے کہ حناء اور کتم کے ساتھ خضاب کرتے تھے (زاد) اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص گذرا جو حناء کا خضاب کیے ہوئے تھا آپ نے ارشاد فرمایا ما احسن هذا (یہ کیسا اچھا ہے) پھر دوسرا آدمی گذرا جو حناء اور کتم کا خضاب کیے ہوئے تھا اس کو دیکھ کر فرمایا هذا احسن من هذا پھر تیسرا آدمی گذرا جو زرد خضاب کیے ہوئے تھا تو فرمایا هذا احسن من هذا کله (یعنی یہ سب سے زیادہ اچھا ہے) احادیث مذکورہ کی بناء پر حنفیہ کا یہ مذہب ہے اتفق المشائخ رحمهم الله تعالیٰ ان الخضاب فی حق الرجال بالحمرة سنة وانه من سیماء المسلمین وعلاماتهم (عالمگیری کتاب الکراہت ص۳۶۹ ج۵) ترجمہ: مشائخ رحمہم اللہ علیہم نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ سرخ خضاب مردوں کے حق میں سنت ہے اور یہ مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور درمختار میں ہے ویستحب[1] للرجل خضاب شعره ولحیته ولو فی غیر حرب فی الاصح واقره الشامی ص۲۹۵ ج۵ کتاب الحظر والاباحة۔ یہاں تک اس خضاب کا بیان تھا جو خالص سیاہ نہ ہو اور جو خضاب خالص سیاہ ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک باجماع جائز ہے اور ایک باجماع ناجائز اور ایک مختلف فیہ ہے جمہور کے نزدیک ناجائز اور بعض ائمہ کے نزدیک جائز پہلی صورت یہ ہے کہ سیاہ خضاب کوئی مجاہد و غازی بوقت جہاد لگائے تاکہ دشمن پر رعب ظاہر ہو یہ باجماع ائمہ و باتفاق مشائخ جائز ہے لما فی العالمگیریة واما الخضاب[2] بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة لیکون اهیب فی عین العدو فهو محمود منه، اتفق علیه المشائخ رحمهم الله تعالیٰ (عالمگیری کتاب الکراہیة باب ۲۰ ص۳۶۹ ج۵ ومثله فی رد المحتار عن الذخیرة ص۲۹۵ ج۵) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ دینے کے لیے سیاہ خضاب کریں جیسے مرد عورت کو یا عورت مرد کو دھوکہ دینے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنے کے لیے ایسا کرے یا کوئی ملازم اپنے آقا کو دھوکہ دینے کے لیے کرے یہ باتفاق ناجائز ہے کیونکہ دھوکہ دینا علامات نفاق میں سے ہے اور کسی مسلمان کو دھوکہ دے کر اس سے کوئی کام نکالنا باتفاق

---

[1] صحیح قول کے مطابق مستحب ہے مرد کے لیے خضاب اپنے بال اور داڑھی کا علاوہ لڑائی کے موقع کے بھی۔ [2] لیکن خضاب بالسواد سو جس شخص نے غازیوں میں سے کیا تاکہ دشمنوں پر اس کی ہیبت طاری ہو تو یہ محمود ہے اتفاق کیا اس پر تمام مشائخ نے۔

تیسرا قول وہ ہے جو صاحب بحرالرائق نے بحوالہ ینابیع نقل کیا ہے کہ ایک میل چار ہزار قدم کا ہے اور ایک قدم ڈیڑھ ذراع کا (بذراع عامہ) جس کے حساب سے ایک میل چھ ہزار ذراع کا ہو جاتا ہے لیکن علامہ شامی نے حاشیہ بحر کے اسی مقام پر بحوالہ رملی و زیلعی وغیرہ اس قول کو رد کر دیا ہے کہ معتمد علیہ وہی قول ہے جو زیلعی وغیرہ نے نقل کیا ہے یعنی چار ہزار گز۔

چوتھا قول وہ ہے جو صدر الشریعہ شارح وقایہ نے بلفظ قیل ذکر کیا ہے اور محشیوں نے اس کو ابن شجاع کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ یہ کہ میل ساڑھے تین ہزار گز سے چار ہزار گز تک ہے۔ مراد اس قول کی یہ ہے کہ ساڑھے تین ہزار سے زائد چار ہزار گز تک بھی ایک ہی میل کہا جائے گا۔ معمولی کمی بیشی کی وجہ سے احکام میں فرق نہ کیا جائے گا۔ یا یہ اشارہ متاخرین کے اختلاف کی طرف ہے اور بہرحال خود صدر الشریعہ نے اس قول کو بلفظ قیل ذکر کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت کا قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے (وہذہ بعض تصریحات الفقہاء علی اختیارہ)

فی تیمم الھندیۃ اقرب الاقوال ان المیل وھو ثلث الفرسخ اربعۃ آلاف ذراع کل ذراع اربعۃ وعشرون اصبعاً اھ (عالمگیری ص ۲۸ ج ۱ طبع مصر)

وفی منحۃ الخالق علی البحر الرائق للشامی . عن الزیلعی والجوھرۃ ان قدر المیل اربعۃ آلاف ذراع (الی اخرہ) ورأیت فی القلادۃ الجوھریۃ ماصورتہ قال شیخنا ابو العباس احمد شہاب الدین بن عماد رحمہ اللہ والیہ یرجع فی ھذا الباب البرید اربعۃ فراسخ والفرسخ ثلاثۃ امیال والمیل الف باع والباع اربعۃ اذرع والذراع اربعۃ وعشرون اصبعاً والاصبع ست شعیرات موضوعۃ بالعرض والشعیر ست شعرات بشعر البرذون اھ - کلامہ وھو موافق لما فی الزیلعی وقد نظم ذلک

حرام ہے ایک صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من[۱] غشنا فلیس منا والمکر والخداع فی النار۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والصغیر باسناد جید وابن حبان فی صحیحہ وابو داؤد فی مراسیلہ عن الحسن مرسلا مختصر قال المکر والخدیعۃ والخیانۃ فی النار (ترغیب وترہیب للمنذری)۔ نیز حدیث میں ہے المؤمنون[۲] بعضھم لبعض نصحۃ وان بعدت منازلھم وابدانھم والفجرۃ بعضھم لبعض غششۃ یتخاونون وان اقتربت منازلھم وابدانھم رواہ الشیخ ابن حبان فی کتاب التوبیخ کذا فی الترغیب للمنذری نیز صحیح بخاری کی ایک حدیث کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ من[۳] اعظم الفراء ان یدعی الرجل الی غیر ابیہ او یری عینہ مالم تراہ او تقول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقل (بخاری ص۴۹۷ ج۱) تیسری صورت یہ ہے کہ محض تزین کے لیے سیاہ خضاب کیا جائے تاکہ اپنی بی بی کو خوش کرے اس میں اختلاف ہے جمہور ائمہ و مشائخ اس کو مکروہ فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اور بعض مشائخ جائز قرار دیتے ہیں۔ منع کرنے والوں کا استدلال صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے بعض الفاظ غیروا[۴] ھذا بشئ وجنبوہ السواد (من زاد المعاد ص۱۱ ج۲) نیز صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یکون[۵] قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسواد لا یریحون رائحۃ الجنۃ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم قال صحیح الاسناد الخ (ترغیب و ترہیب للمنذری) اور جائز رکھنے والے حضرات بعض صحابہ کے فتاویٰ اور تعامل سے استدلال

---

[۱] جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں اور مکر و فریب جہنم میں ہے اور دوسری روایت میں ہے مکر و فریب اور خیانت جہنم میں ہے۔ [۲] پکے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں اگرچہ ان کے گھر اور بدن دور ہوں اور بدکار لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دینے والے ہیں کہ آپس میں خیانت کرتے ہیں اگرچہ ان کے گھر اور بدن قریب واقع ہوں۔ [۳] بڑا افتراء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنے نسب کو منسوب کرے۔ اور آنکھ کو دھوکہ سے وہ چیز دکھلائے جو واقع میں وہ نہیں دیکھتی۔ یا رسول کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی (بخاری)۔ [۴] بالوں کی اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہی سے اس کو بچاؤ۔ [۵] ایک قوم آخر زمانہ میں سیاہ خضاب کرے گی اور جنت کی خوشبو اس کو نہ پہنچے گی۔

بعضھم فقال ؎

ان البرید من الفراسخ اربع ولفرسخ فثلاث امیال ضعوا

والمیل الف ای من الباعات قل والباع اربع اذرع تتتبع

ثم الذراع من الاصابع اربع من بعدھا العشرون ثم الاصبع

ست شعیرات فظھر شعیرۃ منھا الی بطن لاخریٰ توضع

ثم الشعیرۃ ست شعرات فقل من شعر بغل لیس فیھا مدفع

اقول فتحصل من ھذا کلہ ان ما نقلہ الزیلعی ھو المعول انتھیٰ

کلام الرملی ملخصاً (حاشیہ بحر الرائق ص ۱۴۰ ج ۱)

وذکر ھذا کلہ مولانا عبد الحی اللکھنوی فی السعایۃ مفصلا و

اختار ما ذکرنا فی تحقیق المیل (سعایۃ ص ۲۹۲)

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ میل کے بارہ میں قول مختار فقہائے کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے چار ہزار گز کا ایک میل ہے تو انگریزی گز سے دو ہزار گز کا میل شرعی ہوا کیونکہ ۲۴، انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے۔ جیساکہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکر دتی گزر گیا ہے۔

## انگریزی میل اور شرعی میل میں فرق

انگریزی میل حسب تصریح چکردتی آٹھ فرلانگ کا ہوتا ہے اور ہر فرلانگ دو سَو ۲۲۰ بیس گز تو انگریزی میل سترہ سَو ساٹھ ۱۷۶۰ گز کا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ شرعی میل انگریزی میل سے دو سَو چالیس ۲۴۰ گز بڑا ہے۔

**فرسخ :۔** بفتح فا و سکون را و فتح سین تین میل کی مسافت کا نام ہے۔ جیساکہ عبارات میں گزر گیا۔

**برید :۔** چار فرسخ یا بارہ میل کی مسافت کو کہا جاتا ہے اور نہایہ میں ابن اثیر نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ دراصل فارسی برید ہ دم کا مختصر ہے کیوں کہ ڈاک لے جاتے

کرتے ہیں اور حدیث مذکورہ میں یہ تاویل فرماتے ہیں کہ ممانعت اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جس میں تلبیس اور دھوکہ دینا مقصود ہو اور جن حضرات صحابہ سے سیاہ خضاب کرنا منقول ہے ان میں حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی ہیں، ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اس کو نقل کیا ہے۔ کذا فی الزاد۔ نیز حدیث میں عثمان بن عفان اور عبداللہ بن جعفر، سعد بن ابی وقاص، عقبہ ابن عامر، مغیرۃ بن شعبۃ، جریر بن عبداللہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ انہیں حضرات کے تعامل سے حجت اختیار کر کے فرماتے ہیں کما یعجبنی ان تتزین لی یعجبها ان اتزین لها (کراہیۃ شامی ص۲۹۵ ج۵) وفی العالمگیریۃ ومن فعل ذلك لیزین نفسه للنساء فیحبب الیهن فذلك مکروہ وعلیه عامة المشائخ وبعضهم جوز ذلك من غیر کراهیة وعن ابی یوسفؒ انه قال کما یعجبنی ان تتزین لی یعجبها ان اتزین لها کذا فی الذخیرۃ (عالمگیری ص۳۰ ج۵) اور جمہور مشائخ نے اصل احادیث مرفوعہ کو حجت بنا کر مذہب قرار دیا اور صحابہ مذکورین کے عمل کا یہ جواب دیا کہ ان حضرات کا خضاب خالص سیاہ نہ تھا بلکہ سرخ سیاہی مائل تھا۔ اور کیسے ہو سکتا ہے کہ حدیث کی ممانعت اور سخت وعید کے باوجود یہ حضرات اس کا خلاف کرتے اس لیے احتیاط عمل اور فتویٰ میں یہی ہے کہ خالص سیاہ خضاب غیر غازی کے لیے مکروہ ہے۔ کما مر من العالمگیریۃ ورد المحتار۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ احقر محمد شفیع غفر لہٗ

خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند

۶ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

کے لئے بریدہ دم خچر استعمال کئے جاتے تھے ۔ مختصر کرکے برید کہنے لگے ۔ پھر اُس کے سوار کو بھی برید کہا جانے لگا یہاں تک کہ ایک سوار کی مقررہ مسافت کا بھی برید نام ہو گیا ۔

# مسافتِ سفر کی تحقیق

سفر شرعی کی مسافت کی تعین میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب، مختلف ہیں جن کی تفصیل عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح کی بھی اس بارہ میں روایات مختلف ہیں مگر راجح اور صحیح مذہب امام اعظم رح کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافت سفر شرعی ہے ۔ اور حسب تصریح ابن ہمام بیلوں کی سواری کا بھی یہی حکم ہے ۔ اور حسب تصریح بحر الرائق اونٹ سے بھی قافلہ کا اونٹ مراد ہے تیز رو سانڈنی مراد نہیں ۔

اور تین دن تین رات کا یہ مطلب نہیں کہ دن رات چلے بلکہ مراد صرف دن میں چلنا ہے اور وہ بھی پورے دن چلنا نہیں بلکہ جس قدر عادۃً متوسط قوت کا آدمی بآسانی چل سکتا ہے ۔ جس کو بعض فقہاء نے صبح سے زوال آفتاب تک مقدر فرمایا ہے ۔

(کما ذکرہ الشامی ومثلہ فی البحر ص ۱۳۰ ج ۱)

اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے سفر شرعی کی مسافت تین منزل قرار دی ہے ۔ صاحب ہدایہ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس روایت کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی تین دن کی مسافت اس کے بعد فرمایا ۔

ولا معتبر بالفراسخ ھو الصحیح یعنی فرسخ اور میلوں کی تعیین کا کوئی اعتبار نہیں صحیح مذہب یہی ہے

٭ ٭ ٭

# مسئلہ مذکورہ سے متعلق دو فقہی سوالات کا جواب

## سوال (۱)

باعث تحریر آنکہ اس طرف بعض علماء چار انگشت سے کم داڑھی کٹوانے کو جائز کہتے ہیں اور صرف منڈانے یا اتنی پست کرنے کی حرمت کے قائل ہیں جو منڈانے کے مشابہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حدیث و عبارات فقہاء سے مقدار قبضہ (یک مشت) کا وجوب اور قص مادون القبضہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے مگر اس کی علت مخالفت مشرکین و تشبہ بالمخنثین ہے۔

۱ ـــــ اخرج الامام البخاری و مسلم فی صحیحیہما عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحیٰ واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب و اعفوا اللحیٰ

۲ ـــــ وقال فی الفوائد شرح الکنز فی کتاب الصوم وصرح فی النہایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القدر المسنون وھو القبضۃ وکان ابن عمرؓ یقطع ما زاد علی الکف واما فعلہ الاعاجم واکثر المغاربۃ فمخالف لاصول الدین کما فی الصحیحین عن ابن عمرؓ احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ من ان یاخذ عالیہا کالرافضۃ الضالۃ المضلۃ قطع اللہ دابرھم وسود وجوھھم انتہیٰ

۳ ـــــ قال فی اللمعات شرح المشکوٰۃ فی باب السواک ھل یجوز حلق اللحیۃ کما یفعل الجوالقیون۔ الجواب لا یجوز ذکرہ فی جنایۃ الھدایۃ وکراھیۃ التجنیس وظاھر کلامھم حرمۃ حلق اللحیۃ

اسی لئے عامہ متون وشروح میں جمہور مشائخ حنفیہ کا مختار یہی ہے کہ میلوں کی تعیین نہ کی جاوے۔

فتح القدیر، عمدۃ القاری، البحر الرائق، شامی، درمختار وغیرہ سب کا اسی پر اتفاق ہے۔ اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی سے بھی ایک روایت یہی ہے (عمدۃ القاری ص ۵۴۱ ج ۳)

اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے ترسیٹھ میل ہوتے ہیں بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چوّن میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی۔ عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے (بحر ص ۲۴۰ ج ۱)

اور شیخ محقق ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں میلوں کی تعیین معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تین دن تین رات کی مسافت جو اصل مذہب ہے وہ راستوں کے اختلاف سے مختلف ہو سکتی ہے کیوں کہ صاف راستہ میں اگر انسان ایک دن میں سولہ میل چل سکتا ہے تو دشوار گزار راستہ میں بارہ میل بمشکل طے ہوتے ہیں اور پہاڑی راستوں میں تو آٹھ دس میل بھی طے کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے میلوں کی تعیین مناسب نہیں بلکہ جیسا راستہ ہو اُس کے اندازے جس قدر میل باسانی تین دن میں پیادہ طے ہو سکیں وہی مسافت قصر ہے (فتح القدیر ص ۳۹۴ ج ۱)

لیکن ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوار گزار نہیں ہیں اس لئے علماء ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کر دی ہے۔

پھر جن حضرات فقہاء نے میلوں یا فراسخ کے ساتھ مسافت قصر کی تعیین فرمائی ہے اُن میں مختلف اقوال ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اس لئے محققین علماء ہندوستان نے

ونقصانها من القدار المسنون الخ

(۴) ــــــ قال فی فتح القدیر فی باب الصوم واما الاخذ منها ای من اللحیۃ وهی دون ذلک ای قدار القبضۃ کما یفعله بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد انتهی وکذا ذکرہ فی الدر المختار فی کتاب الصوم ناقلا عن الفتح وصاحب فتح المعین شرح المسکین ناقلا عن الفتح والشرنبلالیۃ۔

(۵) ــــــ وقال الشیخ المحقق عبد الحق الدهلوی فی اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ فی باب السواک وحلق کردن لحیہ حرام است وروش فرنج وجوالقیان است کہ ایشاں راقلندریہ گویند۔

(۶) ــــــ وقال فی فتح الباری وعمدۃ القاری شرح البخاری قوله خالفوا المشرکین وفی حدیث ابی هریرۃ رض خالفوا المجوس وهو المراد فی حدیث ابن عمر رض فانهم کانوا یقصون لحاهم ومنهم من کان یحلقها انتهی۔

(۷) ــــــ قال العلامۃ عبد الغفور الهمایونی فی فتاواہ نیز کم کردن لحیہ از قدر قبضہ از آثار مخنثۃ الرجال ست۔

(۸) ــــــ وقال فی موضع آخر نیز در آخر حدیث اعفوا اللحیۃ لفظ خالفوا المشرکین واقع است بمنزلہ علت است مر اعفاء اللحیۃ وشک نیست کہ عادت المشرکین حلق ہم بود وقص ما دون القبضہ ہم الخ

(۹) ــــــ وقال موضع آخر پس ازینجا ثابت شد کہ حلق لحیہ وتخفیف آں فعل کفرہ است وتشبہ بکفرہ فجرہ ممنوع است انتہی۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوگیا کہ حلق وقص مادون القبضہ کی حرمت صرف تشبہ بالمشرکین والمخنثۃ کی وجہ سے ہے اور زمانہ موجودہ میں کوئی مشرک یا مخنث ایسا نہیں جو حلق یا قص قریب من الحلق نہ کرتا ہو لہٰذا قص مادون القبضہ جو حلق کے قریب

۴۸ میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دے دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے۔ اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر بآسانی طے کرسکتا ہے اور فقہاء حنفیہ کے مفتیٰ بہا اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے۔ تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| یا اهل مكة لا تقصروا الصلوٰة في ادنى من اربعة برد من مكة الى عسفان (عمدة القاری ص ۵۲۱ ج ۳) | اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔ |

وذكره ابن اثير في النهاية

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک راوی ضعیف ہے (کما ذکرہ العینی) تاہم چونکہ مدار اصل مذہب کا تین دن کی مسافت پر ہے اس کو محض تائید کے لئے پیش کیا گیا ہے اور تائید میں ضعیف حدیث بھی کافی ہے اس لئے استدلال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام العلماء حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے ایک استفتاء کے جواب میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کی بعینہٖ نقل یہ ہے۔

سوال:۔ کتنی مسافت سفر میں نماز قصر کرنا چاہئے بحسب احادیث صحیحہ؟

الجواب:۔ چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزل ہوتی ہیں۔ حدیث مؤطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے۔ لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہیں فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ

سوال:۔ فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے؟

الجواب:۔ فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں۔ مگر یہ سب تقریبی امور

نہ ہو اس میں تشبیہ نہیں جو علت ہے حرمت کی اور عدم علت کی وجہ سے معلول بھی معدوم ہو گیا انتہیٰ دلیل الخصم۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ مقدار قبضہ کی علت تو وہی مذکورہ بالا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ علت زمانہ موجود میں پائی نہیں جاتی تو کیا ایسا بھی کوئی حکم ہے کہ واجب تو کسی علت کی بناء پر ہو مگر بعدہ علت کے معدوم ہو جانے کے باوجود اس کا وجوب باقی رہے اگر ہو سکتا ہے تو اس کے چند نظائر تحریر فرما کر تسکین فرمادیں اور رقص مادون القبضہ کے جواز کے مثبت چونکہ اس کے جواز میں فتاویٰ شائع کر رہے ہیں۔ عوام بلکہ خواص کے بھی فتنہ میں پڑ جانے کا احتمال ہے لہٰذا جواب پوری تحقیق و تدقیق سے مدلل تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

## الجواب[1]

قرآن و حدیث کے معانی و مفہوم اور خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد متعین کرنے میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل ہے اس سے قطع نظر کر کے جو مراد و مفہوم سمجھ لیا جائے اس میں اکثر مغالطے پیش آتے ہیں، جو اصول آپ نے تحریر فرمایا ہے اگر اس کو اسی طرح عام کر دیا جائے کہ احکام شرعیہ کے اسباب و علل نکال کر ان پر احکام کو دائر کر دیں تو احکام شرعیہ کا اکثر حصہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ نماز کی حکمت و غرض تواضع و عبدیت ہے روزہ کی علت نفس کی خواہشات کو قابو میں رکھنے اور خلاف شرع سے بچنے کی عادت اور زکوٰۃ کی علت مالی ایثار قرار دے کر اگر کوئی صاحب ان قیود و شرائط سے آزاد ہونا چاہے جو ان فرائض کی ادائیگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں تو کیا کوئی اس کو جائز قرار دے سکتا ہے اذان اور اقامت کی علت لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا ہے یہ علت دو کلمے نماز کے لئے آؤ" کہہ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے مگر کیا کوئی اہل فہم اس کی اجازت دے گا کہ اذان کے مشروع و مسنون طریقے کو چھوڑ کر اس پر اکتفا کیا جائے۔

ہیں۔ اصل میں اس مسافت کا نام ہے کہ نظر متیّل کرے۔ اور یہ بھی مختلف ہے وقت اور محل اور رائی (دیکھنے والے) کے اعتبار سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۵)

الغرض مذہب مختار کے مطابق مسافتِ قصر تین منزل یا ۴۸ میل انگریزی ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## خلاصہ اس تمام ضمیمہ کا بصورت جدول یہ ہے

| نام پیمانہ عربی | پیمائش ہندی | کیفیت |
|---|---|---|
| ذراع شرعی | ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ | اصل میں ۲۴ انگشت یا ایک ہاتھ ہے جس کی پیمائش ڈیڑھ فٹ ہوتی ہے۔ |
| میل شرعی | ایک میل انگریزی اور ۲۴۰ گز | کما مر تحقیقہ |
| فرسخ | ۳ میل انگریزی اور ۷۲۰ گز یا ۳ میل شرعی | کما مر |
| برید | ۱۲ میل انگریزی | |

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وبہ فی الاول والآخر نستعین وھو نعم الوکیل ونعم المعین۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۱ھ

حقیقت یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں ہر ایک حکم کے بہت سے اسباب و علل ہوتے ہیں۔ ایک سبب یا علت کے موجود و معدوم ہونے پر احکام میں تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھیے تصویر کی ممانعت کی احادیث میں مختلف وجوہ مذکور ہیں کہیں تشبہ بالکفار، کہیں یہ کہ فرشتے اس سے تفرع کرتے ہیں۔ کہیں یہ کہ یہ آرائش دنیا کی چیز ہے۔ اور فحش و عریاں تصاویر میں دوسری اخلاقی خرابیاں بھی ہیں۔ کہیں مطلقاً تصویر کھینچنے اور اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے تو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ایسی تصاویر نہیں رکھتے جن سے بت پرستوں کی مشابہت لازم آوے بلکہ اپنے احباب و اقرباء کے فوٹو یا تصویر رکھتے ہیں تو کیا اس سے تصویر کی اجازت نکل آوے گی نہیں، جب کہ تصویر کی مطلقاً بھی ممانعت ہے اور مختلف اسباب اس کی ممانعت کے احادیث میں وارد ہیں تو ایک سبب کا نہ ہونا اس کو جائز نہیں کر دے گا جیسے ایک مجرم پر دس دفعات جرم عائد ہوں، حاکم اس کو ایک دفعہ جرم سے بری کر دے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بالکل بری ہو گیا غرض اپنی طرف سے یا بعض الفاظ حدیث سے کسی حکم شرعی کا کوئی سبب اور کوئی منشاء معلوم کر کے تعامل نبوی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رض سے قطع نظر اس علت و سبب پر حکم دائر کر دینا کسی اہل فہم کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا ورنہ شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے، نشہ کے درجہ سے کم پینا جائز کہنا پڑے گا (معاذ اللہ) ہاں بعض احکام وہ بھی ہیں جن کے اسباب و علل خود حدیث میں بتلا دیئے گئے ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان احکام کا دار و مدار اس علت پر ہے وہاں حضرات فقہاء نے بیشک علت بدل جانے پر حکم بدل جانے کا فیصلہ کیا ہے جیسے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت کا مسئلہ ہے کہ اس کی بناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتنہ کا خوف غالب نہ ہونے پر تھی اس بناء اور اس علت کی تصریحات خود روایات حدیث میں موجود ہیں۔ بعد میں حضرات صحابہ رض نے محسوس کیا کہ اب یہ بناء باقی نہیں رہی اس لئے ممانعت کر دی صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رض کا ارشاد منقول ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات

# تصدیقات علماء کرام

## تقریظ و تصدیق از سیدی وسندی حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ تھانوی قدس سرہٗ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ احقر اشرف علی عفی عنہ نے رسالہ اوزانِ شرعیہ کو بالاستیعاب دیکھا فقدانِ قوت ونقصان وقت کے سبب ماخذ ومبانی پر پوری تطبیق سے تو معذور رہا لیکن بقول شاعر عربی وعارف پارسی ؎ سبوح لہا منہا علیہا شواھد وآہ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب الخ۔ خود رسالہ اپنی صحت وصدق کی شہادت کا کفیل ہے جس کی بناء پر عین مطالعہ کے وقت بے ساختہ اس کا لقب ادجز الاقاویل فی اعلم الموازین و المکاییل قلب پر وارد ہوا حق تعالیٰ سے اس کی مقبولیت اور نافعیت کی دعا کرتا ہوں فقط وھذا الثانی من ذی الحجۃ سنۃ ۱۳۶۱ھ فی الخانقاہ الامدادیۃ من تھانہ بھون صینت ابد الزمن من الشرور والفتن۔

## تقریظ و تصدیق از شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہم

سابق صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند

برادر محترم جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا یہ رسالہ میں نے پڑھا بے حد محظوظ و مستفید ہوا۔ اس قدر تحقیق وکاوش آپ ہی کا حصہ تھا حق تعالیٰ جزائے خیر دے۔ مجھے اس کے مضمون سے اتفاق ہے۔ شبیر احمد عثمانی۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

# تصدیقات علماء مظاہر علوم سہارنپور

الحمد وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہٗ

میں بھی رسالہ "ادجز الاقاویل" کے مطالعہ سے مشرف ہوا مفتی صاحب کی تحقیق میرے نزدیک صحیح اور اکثر علماء ہندوستان کی تصریحات کے مطابق ہے۔

کا مشاہدہ فرماتے تو منع فرما دیتے ۔

اسی بنا پر حضرات فقہاء نے اس علت پر حکم دائر کر دیا۔ داڑھی کے بارے میں اصل حکم تو یہ ہے کہ داڑھی چھوڑو اور مونچھیں کٹواؤ یہ مطلق ہے اس میں کوئی قید و شرط نہیں ہے کسی روایت میں اس حکم کی ایک حکمت بیان کر دی کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار سے حفاظت ہو جائے گی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری جماعت صحابہ رضؓ و تابعین میں کسی ایک سے کسی ایک وقت میں بھی یہ منقول نہیں کہ چار انگشت سے نیچے داڑھی کو کٹوا دیا ہو اس علت پر کہ اس سے تشبہ بالکفار باقی نہیں رہا کیونکہ جس طرح آج کل کے کفار داڑھی منڈواتے ہیں جیسے ہنود یا پوری رکھتے ہیں جیسے سکھ و یہود ، درمیانی حالت کہ کٹوا کر ایک دو انگشت چھوڑ دیں کسی خاص فرقہ کفار کا شعار نہیں۔ اسی طرح قرون مشہود بالخیر میں بھی یہ کیفیت کسی فرقہ کا شعار نہ تھا ، اگر محض تشبہ بالکفار سے نکل جانا داڑھی کٹوانے کے جواز کے لئے کافی ہوتا ہے تو اپنے طویل زمانہ میں لاکھوں ، کروڑوں انسانوں میں کوئی تو اس پر اقدام کرتا۔

الغرض احادیث صحیحہ سے تو یہی ثابت ہے کہ داڑھی بالکل نہ کٹوائی جائے لیکن صحابہ کرام رضؓ کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ ایک مشت سے کم نہ کٹوائیں اگر اس سے زائد ہو تو کٹوانے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے عمل اور قول سے ثابت ہے اس تعامل صحابہ رضؓ سے حکم حدیث کا مفہوم متعین ہو گیا۔ اب اس سے کم کر دینا کسی اہل فقہ کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## سوال (۲)

حضرت تھانوی رحؒ نے ترک ما زاد علی القبضہ کو مباح لکھا ہے۔ کما ھو المشہور فی الحوص ایضاً اور عبارات مندرجہ ذیل سے قص ما زاد کا وجوب اور ترک ما زاد کی حرمت ثابت ہوتی ہے لہٰذا اپنی تحقیق سے مطلع فرما دیں ۔ عبارات مثبت وجوب قص ما زاد

۱۳۵۶ھ ہجری میں حیدر آباد دکن سے ایک صاحب نے مفتی حیدر آباد دکن اور مفتی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کا خلاصہ تحقیق صاع کے متعلق لکھ کر بھیجا تھا اور ہم سے رائے طلب کی تھی۔ ہم نے اس وقت بھی مفتی دارالعلوم دیوبند کی تصویب کرتے ہوئے مفتی حیدر آباد کی تحقیق سے اختلاف کیا تھا۔ اب بھی ہمارے نزدیک "رسالہ" ارجح الاقاویل میں صاع ونصاب کی جو تحقیق کی گئی ہے علماء حیدر آباد کو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا چاہئے اور اپنی تحقیقات کو شائع کرنا چاہئے۔

سعید احمد غفرلہٗ

خادم دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۴ محرم الحرام ۶۲ھ

بندہ ضعیف عبداللطیف ناظم وخادم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی رائے اور تحقیق کو صحیح اور ارجح سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ ۴ صفر ۶۲ھ ہجری

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امابعد، احقر رسالہ ارجح الاقاویل فی احکام المدین والمکاییل (مولفہ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) دیکھ کر بے حد مسرور ہوا۔ حضرت مؤلف دام مجدہ نے تحقیق وتدقیق محنت وتفتیش کے ساتھ اس رسالہ کی تصنیف سے مسلمانوں کی شدید ضرورت کو پورا کیا فجزاہ اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المستفیدین احسن الجزاء اللہ تعالیٰ اس سعی ومحنت کو قبول فرمائے۔

بندہ ناکارہ عبدالرحمٰن غفرلہٗ

خادم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۳ محرم ۱۳۶۲ھ

## تقریظ وتصدیق از حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی از دارالمصنفین اعظم گڑھ

رسالہ مقادیر شرعیہ نظر سے گزرا بڑی ضروری تحقیق فرمائی۔ آپ اجازت دیں تو اس کی تلخیص

علی القبضہ یہ ہیں :-

قال فی الفرائد شرح الکنز فی کتاب الصوم وصرح فی النہایۃ بوجوب قطع مازاد علی القدر المسنون وھو القبضۃ ۔

وقال العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر المختار فیما یفسد الصوم ومایکرہ فیہ وصرح فی النہایۃ بوجوب قطع مازاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت ۔

قال فی النھر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النہایۃ بالحاء المہملۃ ولا باس بہ قلت وھو الذی فی الشرنبلالیۃ لکن عبارۃ النہایۃ قرینۃ علی فہم الوجوب منہا لتعبیرہ بکان المفیدۃ للمواظبۃ المفیدۃ للوجوب ولعلہا کما فی النہر یجب قطعہ ھکذا اثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاخذ من اللحیۃ من طولہا وعرضہا انتہی

نیز جب امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور اعفوا اللحی میں بھی بالاتفاق وجوب پر محمول ہے، قصوا الشوارب میں کس قرینہ کی وجہ سے وجوب نہیں لیا گیا کہ جملہ فقہاء قص الشوارب کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔ وجوب کا کوئی قائل نہیں فقط بینوا و توجروا۔

العبد رشید احمد عفی عنہ

لودیانوی ثم خیرپوری۔

## الجواب (۲)

تعامل صحابہ رض ہی سے اس کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ سب صحابہ کرام رض کا یہ معمول نہیں تھا کہ ما فوق القبضہ کو کترواتیں، اس لئے روایت حدیث میں اس کو خاص خاص

معارف میں شائع کردوں۔ میں خود اس میں بہت متردد تھا مگر چونکہ حساب سے مجھے فطرۃً لگاؤ نہیں۔ اس لئے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر میلان ہوتا تھا۔ مولانا سجاد صاحب مرحوم کی بھی تحقیق مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ فرنگی محل سے مختلف تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

والسلام!

سید سلیمان

۲۴ر فروری ۱۹۴۳ء۔

## تقریظ از حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ تھانوی دامت برکاتہم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ وبعد فقد تشرفت بمطالعۃ الرسالۃ المبارکۃ الملقبۃ بارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل "لمحبی وحبیبی الفاضل المقدام الفقیہ العلام مولانا محمد شفیع الدیوبندی المفتی باجل مدارس الاسلام فسررت بہا مسرۃ من رأیٰ ھلال العید۔ ووجدت بہا وجد من ادرک الفقید۔ فللہ درہ من محقق قد اتیٰ بما لا یحتمل المزید من تحقیق انیق۔ ومن مصیب قد دفق واستفق اجر الدرر من لجۃ بحر عمیق، لا زال مشمولا برعایۃ الحق واعانۃ التوفیق واللہ خیر موفق لہ ومعین وصلی اللہ علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا النبی محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

وانا الفقیر الی اللہ الصمد

عبدہ المذنب ظفر احمد

العثمانی التھانوی عفا عنہ ربہ القوی

۳ر محرم ۱۳۶۲ھ

صحابہ رضؓ کا معمول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قطع ما زاد واجب نہیں اس لئے عامہ فقہاء نے اباحت ہی کا حکم دیا ہے اور جس کے کلام میں وجوب کا لفظ آگیا ہے اُس کے معنی ثبوت کے قرار دیتے ہیں اور حدیث احفوا الشوارب سے شوارب کو کٹوانا ایسا ہی واجب ہے جیسے داڑھی کا چھوڑنا مجھے کہیں یاد نہیں کہ فقہاء نے اس کے وجوب کا انکار کیا ہے۔ البتہ تعامل صحابہؓ سے یہاں بھی ایک حد ثابت ہے کہ اس سے زائد کا کٹوانا واجب ہے اس سے کم رہتے ہوئے گنجائش ہے اور وہ حد لبوں کا حصہ اسفل ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
کراچی۔ شوال ۱۳۶۷ھ

## مکتوبِ جنابِ عبدالرشید صاحب مدرس مدرسۃ الٰہیہ بھوپال در تقریظِ رسالہ

جنابِ مکرم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"المفتی" جلد ۸ کا نمبر ۸ پہنچا اس میں مقادیرِ شرعیہ کی جو لاجواب تحقیق کی گئی ہے اس پر میں کہاں تک آپ کو دعائیں دوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و علم و عمل میں بہت ہی بہت برکت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

میں مولانا فرنگی محلی مرحوم و مغفور سے بہت زیادہ حسنِ ظن و حسن و عقیدت رکھتا ہوں اس لئے عقیدۃً اُن کی تحقیق کو ارجح و اقویٰ سمجھے ہوئے تھا لیکن خدا جانے کیوں عمل ہمیشہ جمہور علماء کے فتویٰ و مسلک کے موافق رہا۔ مسئلہ ہمیشہ اُسی پرانے مسلک کے موافق بتاتا رہا۔ مرحوم و مغفور کی تحقیق پر اتنا اعتماد تھا کہ کبھی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، اب آپ کی اس تحقیق کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے غلطی سے زبردستی بچائے رکھا۔ اب اس وقت مجھے مولانا تھانوی و حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہما اور آپ پر بہت اعتماد ہے۔ ان میں سے آپ سے کسی قدر بے تکلف بھی ہو گیا ہوں اس لئے عرض کرتا ہوں کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی کا رسالہ حقوق الزوجین بھی ملاحظہ فرما کر اُس پر بھی ایک بسیط تبصرہ تحریر فرمائیں۔ مجھے اُن کی رائے کچھ صحیح و درست معلوم ہوتی ہے۔ غالباً یہ رسالہ دیوبند میں دستیاب ہو جائے گا۔ ورنہ دفتر ترجمان القرآن سے منگوا لیجئے۔

المفتی کے بند ہونے کا رنج و قلق اس کے دوبارہ جاری ہوتے تک باقی رہے گا۔ میں اگر کسی قابل ہوتا تو اس نقصان میں کوئی حصہ اپنے ذمہ لیتا مگر یہ توجہ سے کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ میں بقیہ چندہ کو فی الواقع باقی سمجھ کر اُس کی واپسی چاہوں میرے نزدیک ہر خریدار پر آپ کا فاضل ہے اس لئے میری طرف سے تو آپ بالکل بے فکر و مطمئن رہیں میں نہ نقدی چاہوں نہ کتاب۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آنکھیں دے کہ وہ علماء کے اخلاص و دیانت کو دیکھیں اور اس سے سبق لیں۔ فقط

اضعف العباد
مسکین عبد الرشید عفی عنہ
سابق، مدرس مدرسہ سلیمانیہ حال مدرس مدرسہ الٰہیہ بھوپال
سہ شنبہ، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ۵ جنوری ۴۳ء

## از مولانا عبد الماجد صاحبؒ مدیر "صدق" لکھنؤ

ارجح الاقاویل فی اصح الموازین و المکائیل۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ ۲۴ صفحے خود مصنف ہی کے پاس سے دیوبند ضلع سہارنپور کے پتہ سے غالباً ٹکٹ بھیجنے پر مل جائے۔

کتاب شریعت کے باب الاحکام میں حوالے مختلف مقداروں اور پیمانوں کے ملتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ میں سونے چاندی کا نصاب، صدقہ فطر میں صاع کا وزن، سفر شرعی میں مسافت وغیرہا۔ اور اس باب میں فقہاء علماء ہند نے بڑی کوشش و کاوش سے ہندی اوزان و پیمانے درج کئے ہیں۔ لیکن بشری تحقیق مسامحت سے کہاں خالی رہ سکتی ہے۔ بعض اقوال میں باہم اختلاف بھی ملتا ہے۔ اب مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے از سر نو ان مسائل کو اپنا موضوع تحقیق بنایا ہے ——— اور حق یہ ہے کہ سعی و کاوش کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی تحقیق کی تصدیق پر تو حضرت مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے جید علماء کی مہریں ثبت ہیں۔ باقی جہاں تک تدقیق و موشگافی کا تعلق ہے اس کا اندازہ تو ہم عامیوں کو بھی ہو سکتا ہے اور اس کی داد دل سے بے ساختہ نکلتی ہے۔ رشک کے ساتھ حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی ایسے ایسے عنوانات پر اس درجہ تحقیق کر ڈالنے والے موجود ہیں۔

ـــــتـــــمّـــــت

# تفصيل الكلام

## فى مسئلة

# الاعانة على الحرام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد

فان العبد الضعيف محمد شفيع الّف قسطا من احكام القرآن الحزب الخامس والسادس منه بامر شيخه حكيم الامة مولانا اشرف على التهانوى قدس سره فلما وصل فى سورة القصص الى قوله تعالى قال رب بما أنعمت على فلن اكون ظهيرًا للمجرمين وجاء تحته بحث الاعانة على الظلم والمعصية رأيته حادثة الفتوى التى تحوى فروعًا ومسائل لا تحصى واشتدت الضرورة اليه فى ايامنا لعموم الفساد فى المعاملات فاردت ان افصل فيه الكلام واجمع مباحث الفقهاء فجاء بحمد الله جزأً مستقلا سميته "تفصيل الكلام فى مسئلة الاعانة على الحرام" وذلك فى شعبان سنه ١٣٦٢ھ ثم لخصت منه ما يناسب احكام القرآن وجعلت هذه الخلاصة جزأً منه بعنوان "الاستيانة لمعنى التسبب والاعانة" وطبع هذه الرسالة فى احكام القرآن وبقى اصل الرسالة المسماة "بتفصيل الكلام فى مسئلة الاعانة على الحرام" غير مطبوع ووقع فى زاوية الخمول والآن بعد ثلثين

١

ثلاثین سَنَةً وفق الله بعض الاحباب لطبع هذه الرسالة بالعربية مع تلخیصه بالاردیة وذلك فی الربیع الآخر من سنه ۱۳۹۴ھ والله تعالیٰ اسأل ان یتقبله منی وینفع به اخوانی وهو المستعان ۔

العبد محمد شفیع عفا الله عنه

۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۴ھ

قال الله تعالیٰ رب بما انعمت علیّ فلن اکون ظهیرًا للمجرمین ۔

احتج اهل العلم بهذه الآیة علی المنع من معونة الظلمة وخدمتهم اخرج عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم عن عبید الله بن الولید الرصافی انه سأل عطاء بن ابی رباح عن اخ له کاتب فقال له ان اخی لیس له من امور السلطان شئ الا انه یکتب له بقلم ما یدخل وما یخرج فان ترك قلمه صار علیه دین واحتاج وان اخذ به کان له فیه غنی، قال لمن یکتب؟ قال لخالد بن عبد الله القسری، قال الم تسمع الی ما قال العبد الصالح "رب بما انعمت علیّ فلن اکون ظهیرًا للمجرمین" فلا یهتم اخوك بشئ ولیرم بقلمه فان الله تعالیٰ سیأتیه برزق. واخرج ابن ابی حاتم عن ابی حنظلة جابر بن حنظلة الضبی الکاتب قال قال رجل لعامر یا ابا عمرو انی رجل کاتب اکتب ما یدخل وما یخرج آخذ رزقا استغنی به انا وعیالی قال فلعلك تکتب فی دم یسفك قال لا، قال فلعلك تکتب فی مال یؤخذ قال لا قال لعلك تکتب فی دار تهدم، قال لا، قال اسمعت ما قال موسیٰ علیه السلام "رب بما انعمت علیّ فلن اکون ظهیرا للمجرمین" [illegible] انی یا ابا عمرو والله ما اخط بقلم ابدا، قال والله تعالیٰ لا یدعك الله سبحانه بغیر رزق ابدا، وقد کان السلف رح یجتنبون کل الاجتناب عن خدمتهم، اخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن سلمة بن نبیط قال بعث عبد الرحمن بن مسلم الی الضحاك فقال اذهب بعطاء اهل بخاری فاعطهم، فقال اعفنی فلم یزل یستعفیه حتی اعفاه، فقال له

# احکام عید الاضحیٰ

و

# قربانی

************

مقام تالیف: ــــــــــــ کراچی
اشاعت اوّل: ــــــ شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم، کراچی ۱۳۸۱ھ

"ایک مختصر رسالہ جو عوام الناس کے فائدے کے لئے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا رہتا ہے"

بعض اصحابہ ما علیک ان تذہب فتعطیہم وانت لا ترزؤہم شیئًا فقال لا احب ان اعین الظلمۃ فی شیٔ من امرہم ' واذا صح حدیث ینادی مناد یوم القیامۃ این الظلمۃ واشباہ الظلمۃ واعوان الظلمۃ حتی من لاق لہم دواۃ او بری لہم قلمًا فیجتمعون فی تابوت من حدید فیرمی بہم فی جہنم فینبغی من علم انہ من اعوانہم علی نفسہ ولیقلع عما ہو علیہ قبل حلول رمسہ ' و مما یتضح الظہور ما روی عن بعض الاکابر ان خیاطا سألہ فقال انا ممن یخیط للظلمۃ فہل اُعدّ من اعوانہم؟ فقال لا انت منہم والذی یبیعک الابرۃ من اعوانہم فلا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ تعالی العلی العظیم (روح بلفظہ)

وحاصل المعنی حرمۃ الاعانۃ علی المعصیۃ ' ولکن العون والاعانۃ والتسبب لامر شیٔ واسع یضیق عنہ دائرۃ الحصر ' ولہا درجات متفاوتۃ قربا وبعدا ' فاطلاق الحرمۃ علی جمیعہا مطلقا یلحق بتکلیف ما لا یطاق فان مکاسب الانسان کلہا ینتفع بہا کل انسان برّہم وفاجرہم ولا یمکن التحرز عنہ الا تری ان من صنع ثوبا او اوانی او شیئا آخر من الحوائج الانسانیۃ لا بد ان ینتفع بہ برہم وفاجرہم وحینئذ لابد من تفصیل فی الکلام قد تصدّی لہ الفقہاء رحمہم اللّٰہ تعالی ۔

قال العبد الضعیف ' وظاہر کلام الفقہاء رحمہم اللّٰہ فی ہذا الباب مضطرب وجزئیات الفتاوی فی امر الاعانۃ علی الظلم والمعصیۃ بظاہرہا متعارضۃ ' فبعضہا تقتضی الجواز وبعضہا تصرح بالحرمۃ ' وبعضہا بکراہۃ التحریم وبعضہا بکراہۃ التنزیہ ' ولا یخفی علی من امعن النظر ان فی الاعانۃ درجات متفاوتۃ واختلاف الاحکام بحسب اختلاف الدرجات ' نعم ' یشکل علی الناظر فی کلام الفقہاء تنقیح ضابطۃ سالمۃ عن النقض یدار علیہا الاحکام ' فی الفن الاول من الاشباہ والنظائر تحت مباحث النیۃ ان بیع العصیر ممن یتخذ خمرًا ان قصد بہ التجارۃ فلا یحرم وان قصد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

**عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔ ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے (ترمذی وابن ماجہ)

قرآن مجید سورۂ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے، وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں، خصوصاً نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن، اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات ان تمام ایام میں بھی خاص فضیلت رکھتے ہیں، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آیندہ کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

**تکبیر تشریق** اَللّٰہُ اَکۡبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ۔ عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد با آواز بلند ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے فتویٰ اس پر ہے کہ با جماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے البتہ عورت با آواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے (شامی)

**تنبیہ** اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

لاجل التخمير حرم اه فهذا صريح فی ان المدار علی النية وانه بنية الاعانة علی المعصية حرم [illegible] بدونه لا ، وفی اجارة المبسوط لشمس الائمة السرخسیؒ ولا بأس بان يؤاجر المسلم دارا من الذمی ليسکنها فان شرب فيها الخمر او عبد فيها الصليب او ادخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم اثم فی شیء من ذلك ، لانه لم يؤاجرها لذلك ، والمعصية فی فعل المستأجر وفعله دون قصد رب الدار فلا اثم علی رب الدار فی ذلك کمن باع غلاما ممن يقصد الفاحشة به او باع جارية ممن لا يستبريها او يأتيها فی غير المأتی لم يلحق البائع اثم فی شیء من هذه الافعال التی يأتی بها المشتری ، وکذلك لو اتخذ فيها بيتا او کنيسة او باع فيها الخمر بعد ان يکون ذلك فی السواد ويمنعون من احداث ذلك بالامصار (مبسوط ص ۳۰ ج ۱۶) فهو ايضا کالصريح فی ان المدار علی القصد والنية ـ

وفی کراهية الخلاصة رجل اجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار او بيعة او کنيسة او يباع فيه الخمر فلا بأس به وکذا کل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار (خلاصه ص ۳۴۴ ج ۴)

هذا يستفاد منه ان المدار بقطع نسبة المعصية عن المعين بتخلل الفاعل المختار بينه وبين عمل المعصية ولم يتعرض للقصد والنية وفی البدائع من استأجر حمالا يحمل له الخمر فله الاجر فی قول ابی حنيفه وعند ابی يوسف ومحمد رحمهما الله لا اجر له کذا ذکر فی الاصل[عه] ، وذکر فی الجامع الصغير انه يطيب له

---

عه فالمستفاد من کلام الاصل ان الاختلاف بين الامام وصاحبيه فی جواز الاجارة وبطلانها مع قطع النظر عن طوق الاثم وعدمه فعند الامام صحت الاجارة ووجب الاجر المسمی وعندهما بطلت فلا اجر له وکلام الجامع الصغير يفيد ان لا خلاف فی صحة الاجارة بل فی طيب الاجر وکراهته فعند الامام يطيب وعندهما يکره ۱۲ ش

**نمازِ عید** عید الاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں صبح کو سویرے اٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک، صاف، عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکور الصدر با آواز بلند پڑھنا۔ نماز عید دو رکعت ہیں، مثل دوسری نمازوں کے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔

پہلی رکعت میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔ نماز عید کے بعد خطبہ سننا سنت ہے۔

**قربانی** قربانی ایک اہم عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا، مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اسی طرح آج تک بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے، بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۃ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیئے (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) کا یہی مفہوم ہے۔ دوسری ایک آیت میں اسی مفہوم کو دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لئے مخصوص نہیں، ہر شخص پر، ہر شہر میں بعد تحقق شرائط واجب ہے (ترمذی) اور مسلمانوں کو اس کی

الاجر فی قول ابی حنیفہ وعندھما یکرہ، لھما ان ھذہ اجارۃ علی المعصیۃ لان حمل الخمر اعانۃ علی المعصیۃ وقد قال اللہ عزوجل "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" ولھذا لعن اللہ تعالی عشرۃ منھم حاملھا والمحمول الیہ۔ ولابی حنیفۃ ان نفس الحمل لیس بمعصیۃ بدلیل ان حملھا للاراقۃ والتخلیل مباح وکذا لیس بسبب المعصیۃ وھو الشرب لان ذلک یحصل بفعل فاعل مختار، ولیس الحمل من ضرورات الشرب فکانت سببا محضا فلا حکم لہ کعصر العنب وقطفہ، والحدیث محمول علی الحمل بنیۃ الشرب وبہ نقول ان ذلک معصیۃ ویکرہ اکل اجرتہ اھ (بدائع ص ۱۹۰ ج ۴) وھذا نص صریح فی ان المدار علی النیۃ

وفی آخر باب البغاۃ من الدر المختار، ویکرہ تحریما بیع السلاح من اھل الفتنۃ ان علم لانہ اعانۃ علی المعصیۃ وبیع ما یتخذ منہ کالحدید ونحوہ یکرہ لاھل الحرب لا لاھل البغی لعدم تفرغھم لعملہ سلاحا لقرب زوالھم بخلاف اھل الحرب (زیلعی) قلت وافاد کلامھم ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والا فتنزیھا، نھر قال الشامی فصار المراد بما تقوم المعصیۃ بہ ما کان عینہ منکرا بلا عمل صنعۃ فیہ فخرج نحو الجاریۃ المغنیۃ لانھا لیست عین المنکر ونحو الحدید والعصیر لانہ وان کان یعمل منہ عین المنکر لکنہ بصنعۃ تحدث فلم یکن عینہ وبھذا ظھر ان بیع الامرد ممن یلوط بہ مثل الجاریۃ المغنیۃ فلیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ خلافا لما ذکرہ المصنف والشارح فی باب الحظر والاباحۃ (ثم رفی بینہ فذال)

---

عـــہ ای من الحرمۃ وھو لاینا فی الکراھۃ ۱۲ ش

عـــہ فیہ ان الاستنجاء ایضا لیس عینہ بمنکر کالجاریۃ المغنیۃ والامرد وانما المنکر یحصل بفعل الفاعل المختار فی الکل فلا فرق بینھما کما صرح بہ الشامی ایضا فی الحظر والاباحۃ ۱۲ ش

تاکید فرماتے تھے۔ اسی لئے جمہورِ اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے (شامی)

## قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟

قربانی ہر مسلمان عاقل، بالغ مقیم پر واجب ہوتی ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو۔ یہ مال خواہ سونا، چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ ہو (شامی)

قربانی کے معاملہ میں اس مال پر سال بھر گذرنا بھی شرط نہیں، بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو تو بھی اس پر اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں، اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں (شامی)

مسئلہ:۔ جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی، اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہو گئی (شامی)

## قربانی کے دن

قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخیں ہیں، اس میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

## قربانی کے بدلے میں صدقہ و خیرات

اگر قربانی کے دن گذر گئے، ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانوروں کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہو گا۔ ہمیشہ گناہگار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابہ اس پر شاہد ہیں۔

وعندی ان ما فی الخانیة (یعنی کراهة بیع الامرد) محمول علیٰ کراهة التنزیه والمتنی هو کراهة التحریم وعلیٰ هذا فیکره فی الکل تنزیها وهو الذی الیه تطمئن النفس لانه تسبب فی الاعانة ولم ار من تعرض لهذا والله تعالیٰ الموفق (شامی ص۲۸۴ ج۳)

وفی فصل البیع من کراهیة الدر المختار وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انه یتخذه خمرا لان المعصیة لاتقوم بعینه بل بعد تغیره وقیل یکره لاعانته علی المعصیة (الیٰ قوله) بخلاف بیع امرد ممن یلوط به وبیع سلاح من اهل الفتنة لان المعصیة تقوم بعینه ثم الکراهة فی مسئلة الامرد مصرح بها فی بیوع الخانیة وغیرها واعتمده المصنف علی خلاف ما فی الزیلعی والعینی وان اقره المصنف فی باب البغاة اھ وجاز تعمیر کنیسة وحمل خمر ذمی بنفسه او بدابته باجر لاعصرها لقیام المعصیة بعینه اھ قال الشامی فیه منافاة ظاهرة لقوله سابقا لان المعصیة لاتقوم بعینه وهو موافق ایضا لما قدمناه عن الزیلعی من جواز استیجاره لعصر العنب او قطفه ولعل المراد هنا عصر العنب علی قصد الخمریة فان عین هذا الفعل معصیة بهذا القصد ولذا اعاد الضمیر علی الخمر مع ان العصر للعنب حقیقة فلا ینافی ما مر من جواز استیجاره علی عصر العنب هذا ما ظهر لی فتأمل اھ (شامی ص۲۸۵ ج۵) وفی الدر المختار ایضا بعد ذلک وجاز اجارة بیت بسواد الکوفة (الیٰ قوله) لیتخذ بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر وقالا لاینبغی ذلک لانه

---

عہ سیأتی منا فی تنقیح الضابطة انه سبب قریب للمعصیة کالسلاح ولا فرق بینهما وقد صرحوا بکراهة التحریم فی بیع السلاح من اهل الفتنة فکذا هذا این التوفیق بین القولین علی ما مر به علی ربی بعلم البائع وعدمه فان علم البائع او غلب علی ظنه انه یقصد استعماله فی المعصیة کره تحریما الاجل فیؤید هذا کلام المبسوط الذی صرح فیه بالجواز بعد تصریحه بالحرمة قبل ذلک حیث علم به البائع ۱۲ شفیع

**قربانی کا وقت** | جن بستیوں یا شہروں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے۔ وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہے، البتہ چھوٹے گاؤں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں، یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں؛ ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گذر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (درمختار)

مسئلہ:۔ قربانی رات کو بھی جائز ہے، مگر بہتر نہیں (شامی)

**قربانی کے جانور** | بکرا، دنبہ، بھیڑ، ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے، گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔

مسئلہ:۔ بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کر دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل بھینس دو سال کی، اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے، ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی صحیح ہے، ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں (شامی)

مسئلہ:۔ خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے (شامی)

مسئلہ:۔ اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں نہ جا سکے، اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے۔

اعانة على المعصية وبه قالت الثلاثة، زیلعی، قال العلامة الشامی تحت نہ وھذا (ای جواز اجارۃ البیت الخ) عندہ ایضا لان الاجارۃ علی منفعۃ البیت ولهذا یجب الاجر بمجرد التسلیم ولا معصیة فیه وانما المعصیة بفعل المستاجر وهو مختار فینقطع نسبته عنه فصار کبیع الجاریة ممن لا یستبریها او یاتیها من دبر وبیع الغلام من لوطی والدلیل علیه انه لو اجرہ للسکنی جاز وهو لابدله من عبادته فیه اھ زیلعی وعینی ومثله فی النهایة والکفایة، قال فی المنح انه صریح فی جواز بیع الغلام من اللوطی والمنقول فی کثیر من الفتاوی انه یکرہ وهو الذی عولنا علیه فی المختصر اھ اقول هو صریح ایضًا فی انه لیس مما تقوم المعصیة بعینه ولذا کان ما فی الفتاوی مشکلا کما مر عن النهر اذ لا فرق بین الغلام وبین البیت والعصیر فکان ینبغی للمصنف التعویل علی ما ذکرہ الشراح فانه مقدم علی ما فی الفتاوی۔

نعم علی هذا التعلیل الذی ذکرہ الزیلعی یشکل الفرق بین ما تقوم المعصیة بعینه فان المعصیة فی السلاح والمکعب المفضض ونحوہ انما هی بفعل الشاری فلیتأمل فی وجه الفرق فانه لم یظهر لی ولم ار من نبه علیه۔ نعم یظهر الفرق علی ما قدمه الشارح تبعًا لغیرہ من التعلیل لجواز بیع العصیر بانه لا تقوم المعصیة بعینه بل بعد تغیرہ فهو کبیع الحدید من اهل الفتنة لانه وان کان یعمل السلاح لکن بعد تغیرہ ایضا الی صفة اُخری وعلیه یظهر کون الامرد مما تقوم بعینه کما قدمناہ فلیتأمل اھ (شامی ج۵ ص۳۸۶)

فهذہ کلمات الفقهاء یوجد فیها نوعان من الاضطراب، الاول اختلافهم فی حکم بعض الجزئیات کبیع الامرد ممن یعصی به فبعضهم ادرجه فیمن تقامت به المعصیة بعینه فلم یجوزہ، وبعضهم اخرجه منه فجوزہ ووفق بینهما الشامی بکراهة التحریم والتنزیه کما مر وفیه ما فیه عہ

عہ وبه علم ان التوفیق الذی ذکرہ العلامة فی باب البغاۃ غیر مستقیم ۱۲ شفیع

مسئلہ:۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دُم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں (شامی)

مسئلہ:۔ جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں (شامی، درمختار) اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہو گیا تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے (درمختار وغیرہ)

**قربانی کا مسنون طریقہ** اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے، مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہنا ضروری ہے سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کے لئے رو بہ قبلہ لٹائے تو یہ آیت پڑھے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھے اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ

**آداب قربانی** قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کر لیا تو دودھ اور بال یا اُن کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (بدائع)

مسئلہ:۔ قربانی سے پہلے چھری کو خوب تیز کرے اور ایک جانور کو دوسرے

والثانی اضطرابھا فی تنقیح الضابطة فی امر الاعانة فالمستفاد من بعض کلماتھم ان مناط الامر ھو القصد والنیة فحیث قصد الاعانة علی المعصیة ونواھا کان محذورا، وحیث لم یقصد لا کان مباحا، کما ھو مصرح فی عبارة الاشباہ والمبسوط والبدائع وغیرہ - ولکنه منقوض بکثیر من الجزئیات المذکورة علی ظاھرہ فان بیع السلاح من اھل الفتنة مکروہ قصد اعانتھم ام لا وکذا اجارة البیت ممن صرح بقصدہ انه یتخذہ بیت نار او یبیع فیه الخمر فانه لا یجوز بعد ھذا التصریح نوی الاعانة او لم ینو، کذا فی اجارة المبسوط (ص ۳۸ / ج ۱۶) والمذکور فی الخلاصة والدر المختار ورد المحتار وغیرہ من الضابطة ھو ان ما قامت المعصیة بعینه مکروہ تحریمًا وما لم تقم بعینه فتنزیھا -

ثم اضطربت کلماتھم فی تفسیر ھذہ الضابطة فالمستفاد من کلام الدر المختار فی باب البغاة والحظر والاباحة ان المراد بما قامت المعصیة بعینه ھو العین الذی یستعمل فی المعصیة بدون تصرف وصنعة من العامل کالسلاح فما استعمل فی المعصیة بعد احداث صنعة کالحدید والعصیر خرج عنه، وعلی ھذا فالامرد والجاریة المغنیة والکبش النطوح والبیت وامثالھا داخل فی الاول، وعصیر العنب والحدید وامثالھا داخل فی الثانی، ولکن المستفاد من کلام المبسوط والبدائع والزیلعی والعینی والنھایة والکفایة والخلاصة والمنح ورد المحتار ھو ان المراد بما قامت المعصیة بعینه ھو ما قامت المعصیة بعین فعل المعین من دون ان یتخلل بینه وبین فعله فاعل مختار بحیث ینقطع نسبته عن المعین سواء عمل المعصیة بعین المحل الموجود او بعد احداث صنعة فیه وما تخلل فیه فاعل مختار لم تقم المعصیة بعین فعله بل بفعل ذلک الفاعل سواء ارتکب المعصیة بالعین الموجود او بعد احداث صنعة فیه، فسائر الجزئیات المذکورة حینئذ داخلة فی القسم الثانی والعلامة الشامی لما اختار کلام الزیلعی وغیرہ فی تفسیر الضابطة ورد فی الجزئیات المذکورة ... فی القسم ...

جانور کے سامنے ذبح نہ کرے، اور ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت کے ٹکڑے کرنے میں جلدی نہ کرے جب تک پوری طرح جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے۔

# متفرق مسائل

عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں لیکن جس شہر میں کئی جگہ نماز عید ہوتی ہو تو شہر میں کسی جگہ بھی نماز عید ہو گئی تو پورے شہر میں قربانی جائز ہو جاتی ہے (بدائع)

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور سے اگر ذبح سے پہلے بچہ پیدا ہو گیا یا ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آیا تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیئے (بدائع)

جس شخص پر قربانی واجب تھی اگر اس نے قربانی کا جانور خرید لیا، پھر وہ گم ہو گیا یا چوری ہو گیا یا مر گیا تو واجب ہے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ اگر دوسری قربانی کے بعد پہلا جانور مل جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کی بھی قربانی کر دے لیکن اس کی قربانی اس پر واجب نہیں، اگر یہ شخص غریب ہے جس پر پہلے سے قربانی واجب نہ تھی، نفلی طور پر اس نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا۔ پھر وہ مر گیا یا گم ہو گیا تو اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں۔ ہاں اگر گم شدہ جانور قربانی کے دنوں میں مل جائے تو اس کی قربانی کرنا واجب ہے اور ایام قربانی کے بعد ملے تو اس جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (بدائع)

**قربانی کا گوشت**

۱ـــــــ جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، اندازہ سے تقسیم نہ کریں۔

۲ـــــــ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے لئے رکھے، ایک حصہ احباب و اعزہ میں تقسیم کرے ایک حصہ فقرا و مساکین میں تقسیم کرے اور جس شخص کا عیال زیادہ ہو وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔

الاولیٰ اشکل علیہ فقال نعم عن هذا التعلیل الذی ذکرہ الزیلعی یشکل الفرق بین ما تقوم المعصیة بعینه وبین ما لا تقوم بعینه فان المعصیة فی السلاح والمکعب المفضض انما هی بفعل الشاری فلیتأمل فی وجه الفرق فانه لم یظهر لی ولم ار من نبه علیه اھ (فصل البیع من حظر رد المحتار)

قال العبد الضعیف والذی ظهر لی بفضل اللہ وکرمه فی الفرق بینهما ان ما قامت المعصیة بعینه هو ما کانت المعصیة فی نفس فعل المعین بحیث لا تنقطع عنه نسبتها بفعل ذلک الفاعل المختار وذلک بثلاث وجوہ

الاول ان یقصد الاعانة علی المعصیة فان من باع العصیر بقصد ان یتخذ منه الخمر او امردا یقصد ان یفسق به کان عاصیا فی نفس هذا البیع بهذہ النیة والقصد وکذا من اجر بیتا بقصد ان یباع فیه الخمر فقامت المعصیة بعین هذہ الاجارة مع قطع النظر عن فعل فاعل مختار لاقتران هذہ النیة کما مر مصرحا فی الاشباہ ، حظر رد المحتار۔

والثانی بنص یحرم المعصیة فی صلب العقد بان قال بعنی هذا العصیر لاتخذہ خمرا فقال بعته او اجرنی بیتک لابیع فیه الخمر فقال اجرته فانه بهذا النص یحرم نفس العقد معصیة مع قطع النظر عما یحدث بعد ذلک من اتخاذہ خمرا وبیع الخمر فیه ، وذلک لما فی اجارات المبسوط للسرخسیؒ واذا استاجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیه الخمر لم یجز لانه معصیة فلا ینعقد العقد علیه ولا اجر له عندهما وعند ابی حنیفهؒ یجوز والشافعیؒ یجوز هذا العقد لان العقد یرد علی منفعة البیت ولا یتعین علیه بیع الخمر فله ان یبیع فیه شیئا اخر یجوز العقد لهذا ، ولکنا نقول تصریحهما بالمقصود لا یعتبر اعتبار معنی اخر فیه وما صرحا به معصیة اھ (مبسوط ص ۳۹/۱۶) قلت وقول ابی حنیفة له الاجر لا یستلزم ایضا جواز هذا الفعل بمعنی رفع الاثم بل ظاهر اللفظ بمعنی تصحیح العقد فقط کما صرح به فی عبارة الاصل بجامع۔

۳ــــــ قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے۔

۴ــــــ ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں۔ اجرت علیحدہ دینی چاہیئے۔

## قربانی کی کھال

۱ــــــ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا، مثلاً مصلیٰ بنا لیا جائے، یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوا لیا جائے، یہ جائز ہے لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں۔ بلکہ صدقہ کرنا اس کا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدوں نیت صدقہ کے جائز بھی نہیں۔ (عالمگیری)

۲ــــــ قربانی کی کھال کسی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں، اسی لئے مسجد کے مؤذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا درست نہیں۔

۳ــــــ مدارس اسلامیہ کے غریب اور نادار طلباء ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے، احیائے علم دین کی خدمت بھی مگر مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس سے دینا جائز نہیں۔

واللہ الموفق والمعین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ کراچی

والثالث بيع اشياء ليس لها مصرف الا فى المعصية يتمحض بيعها و اجارتها وان لم يذكر بها. ففى جميع هذه الصورتمن للمعصية بعين هذا العقد والعاقدان كلاهما آثمان بنفس العقد سواء استعمل بعد ذلك فى المعصية ام لا وسواء استعملها على هذه الحالة او بعد احداث صنعة فيه فان استعملها فى المعصية كان ذلك اثما آخر على الفاعل خاصة۔

ولك ان ترجع الوجوه الثلاثة إلى وجه واحد وهو القصد والنيّة فان القصد فى الوجه الاول موجود صراحة وفى الثانى والثالث حكمًا ومعنًى كما قد عرفت ان التصريح باللفظ يقوم مقام النيّة شرعًا فى عامة المعاملات من النّكاح والطّلاق والعتاق والبيوع وامثالها فاذا صرح لفظًا كان كمن نوى وقصد وكذلك المحل اذا تخصّص لفعل معصية فاما تداوله مقام قصد المعصية حكمًا وعلى هذا فاتفقت كلمات القوم كلها فان من قال ان المدار على قيام المعصية بعينه او بغيره رجع قوله إلى من قال إن المدار على القصد والنية كما قد عرفت۔ ولله الحمد۔

فهذا تصويرما قامت المعصية بعينه وما ليس كذلك لو تقوم المعصية بعين فعل المعين وسائر الجزئيّات المذكورة من بيع العصير والامرد والجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة واجارة البيت لبيع الخمر او اتخاذه بيت نار او كنيسة واجارة نفسه او دابته لحمل الخمر وامثاله ومثله بيع الاسلحة من اهل الفتنة كلها داخلة فى هذا القسم على ما لم تقم المعصية بعينه بشرط ان لا ينوي بها معصية ولا يصرح بها فى العقد ولا يتمحض استعمالها فى المعصية كما قلنا۔

وعلى هذا فخرجت هذه الجزئيات كلها من باب الاعانة على المعصية حقيقةً ومن ثم اطلق الفقهاء رحمهم الله تعالى فيها لفظ الجواز (يعنى حين العقد) مع كون الاعانة على المعصية حرامًا بنص القرآن،

# رافع التلاحی عن جلود الأضاحی

# چرمِ قربانی کے احکام

اشاعتِ اوّل — دار الاشاعت بریلی ۱۳۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی کے متعلق بعض علماء بریلی فرماتے ہیں کہ قربانی کرنے والا یا بعینہٖ یا قیمت چرم کار خیر میں دینے کی نیت سے بیچ کر مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو دیدے اور چرم قربانی وصول ہونے کی صورت میں مہتمم و متولی بیچ کر مدرسہ و مسجد میں خواہ تنخواہ ہو یا غیر تنخواہ صرف کرے سب جائز ہے۔ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے اگر نہیں تو مدلل ارشاد فرمایا جاوے تاکہ مخالف پر حجت قائم ہو سکے اور قوم گمراہی سے محفوظ رہے۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

## الجواب

(۱) فی العالمگیریۃ یتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال و جراب (الی قولہ) ولا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح حتی لایبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق کذا فی

لکن هذا معنی آخر قریب معنی الاعانة وهو التسبیب، وهو ایضاً لا یخلو من حرمة وکراهة اذا کان سبباً لمعصیة، کما سیأتی تصریحه من شرح السیر۔

## "بیان معنی التسبیب واقسامه واحکامه"

وتفصیله علی ما ادّی الیه نظری، واللہ الموفق والمعین۔ ان الانسان اذا صار سبباً لخیر او شر یحتسب له، تدل علیه نصوص القرآن والسنة لقوله تعالیٰ "من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها" وقال تعالیٰ نکتب ما قدّموا وآثارهم، علی تفسیر من قال ان الآثار هی ثمرات الاعمال المرتبة علیها بعد العمل الجاریة الی ما شاء اللہ کالصدقات الجاریة، وقال صلی اللہ علیه وسلم من سن سنة حسنة کان له اجر من عمل بها، او کما قال علیه السلام، وقال تعالیٰ "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم" فنهی اللہ سبحانه عن سب الآلهة الباطلة حذراً ان یکون سبباً لسب الاله الحق جل وعلا شانه وقال اللہ تعالیٰ ولا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض، ولها امثال فی الکتاب والسنة فالتسبیب للخیر یفید الثواب نوی او لم ینو کما ورد فی الحدیث لغارس الشجر ان له اجراً بکل طائر اخذ من ثمره شیئاً وبکل من استظل بظله وظاهر ان الغارس لم ینو ان یأکل منها الطائر۔ وکذلک من کان سبباً لشر کان علیه وزر ذلک نوی او لم ینو فعلم ان کون المرء سبباً لخیر او شر یحتسب له او علیه ولا یشترط فیه النیة

**اقسام السبب واحکامه** ثم السبب علی قسمین قریب وبعید۔ ثم القریب علی قسمین۔

سبب محرّک للمعصیة بحیث لولاه لما اقدم الفاعل علی هذه المعصیة کسب آلهة الکفار بحیث یکون سبباً مفضیاً لسب اللہ سبحانه وتعالیٰ ومثله نهی امهات المؤمنین عن الخضوع فی الکلام للاجانب ونهی النساء

التبیین وھکذا فی الھدایۃ والکافی (عالمگیری کتاب الاضحیۃ باب ۶ ص ۳۱۲ ج ۵)۔
(۲) وفی الھدایۃ ولو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ تصدق بثمنہ لان القربۃ انتقلت الی بدلہ (ص ۳۳۳ ج ۴) وفی حواشی الھدایۃ من الکافی ۔ انتقلت القربۃ الیہ فوجب التصدق (۳) وفی الدر المختار فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ ومفادہ صحۃ البیع مع الکراھۃ واقرہ الشامی (ص ۲۲۸ ج ۵)۔ (۴) وفی البدائع لا یحل بیع جلدھا وشحمھا ولحمھا (الی قولہ) من الدراھم والدنانیر والماکولات والمشروبات ولا ان یعطی اجر الجزار والذابح منھا لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ (الی قولہ) فان باع شیئا من ذلک نفذ بیعہ عند ابی حنیفۃ ومحمد وعند ابی یوسف لا ینفذ لما ذکرنا فیما قبل الذبح ویتصدق بثمنہ لان القربۃ ذھبت عنہ فیتصدق بہ ولانہ استفادہ بسبب محظور وھو البیع فلا یخلو عن خبث فکان سبیلہ التصدق (بدائع ص ۸۱ ج ۵) (۵) وفی الخلاصۃ ولا باس ببیعہ بالدراھم لیتصدق بھا ولیس لہ ان یبیعہ بالدراھم لینفقھا علی نفسہ ولو فعل ذلک یتصدق بثمنہ (خلاصۃ الفتاوی ص ۳۲۲ ج ۴) (۶) وفی البحر ویاکل من لحم الاضحیۃ ویوکل ویدخر (الی قولہ) وللمضحی ان یاکل منہ وھو غنی فالاولی ان یجوز لہ اطعام غیرہ وان کان غنیا انتھی ثم قال ولا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ (الی قولہ) ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق بالجلود واللحم وقولہ علیہ السلام من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ یفید کراھیۃ البیع واما البیع فجائز لوجود الملک والقدرۃ علی التسلیم (بحر ص ۱۷۸ ج ۸)

عبارات مذکورہ بالا سے قربانی کے چمڑے اور گوشت کے متعلق احکام ذیل ثابت ہوئے۔

عن ضرب ارجلهن لکون ذلک الخضوع وضرب الارجل سببا جالبا للمعصیۃ وان خلا عن نیۃ المعصیۃ کما ھو ظاھر عن شان امہات المؤمنین ونساء المؤمنین۔

وسبب لیس کذلک ولکنہ یعین لمرید المعصیۃ ویوصلہ إلی مایھواہ کاحضار الخمر لمن یرید شربہ واعطاء السیف بید من یرید قتلا بغیر حق ومثلھا سائر الجزئیات المذکورۃ سابقا فانھا لیست اسبابا محرکۃ وباعثۃ علی المعصیۃ بل اسباب تعین لباغی الشر علی شرہ

فھذہ ثلاثۃ اقسام للسبب قریب محرک وقریب موصل غیر محرک وبعید فالقسم الاول من السبب القریب حرام بنص القرآن قال تعالیٰ وَلا تسبّوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدوا بغیر علم (انعام) روی ابن جریر عن ابن عباس قالوا یا محمد لتنتھین عن سبک آلھتنا او لنھجون ربک فنھاھم اللہ تعالیٰ ان یسبوا اوثانھم ولا یشکل علیہ قولہ تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم وامثالھا من الآیات التی یتضمن علی تنقیص لمعبودیھم فان السب ذکرا لمساوی لمجرد التحقیر والاھانۃ وما فی ھذہ الآیات انما ورد للاستدلال علیٰ عدم صلوحھا للالوھیۃ والمعبودیۃ وبینھما بون بعید۔ نعم یدخل فیہ تلاوۃ امثال ھذہ الآیات خاصۃ فی وجوہ الکفار علیٰ قصد السب والاغاظۃ فانھا ممنوعۃ ایضا کما فی روح المعانی وفیہ انہ یستدل بھذہ الآیۃ علی ان الطاعۃ اذا ادت إلی معصیۃ راجحۃ وجب ترکھا فان ما یؤدی إلی الشر شر (روح ملخصا)، ویؤید حدیث قیس بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اکبر الکبائر ان یشتم الرجل والدیہ قالوا وکیف یشتمھما یا رسول اللہ قال یشتم ابا الرجل۔ رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح غیر طاھر بن خالد وھو ثقۃ وفیہ لین (مجمع الزوائد ص ۳، ج ۸) ومنہ قولہ تعالیٰ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا۔ (احزاب)

(الف) گوشت اور چمڑا جب تک خود موجود ہے اس میں قربانی کرنے والے کو تین قسم کے اختیار شرعاً حاصل ہیں۔

(۱) خود کھانا اور استعمال کرنا

(۲) دوسرے احباب اغنیاء کو کھلانا اور استعمال کرانا۔

(۳) فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دینا جیسا کہ عبارت بحر مندرجہ مۂ سے معلوم ہوا نیز آیت قرآنی میں منصوص ہے فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر۔

(ب) اور اگر قربانی کا چمڑا یا گوشت (علی القول المختار) نقد روپیہ کے عوض یا کسی ایسی چیز کے عوض فروخت کر دیا جس سے نفع اٹھانا اس کی اصل کے قائم رہتے ہوئے ممکن نہ ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں تو اس صورت میں صرف تیسری صورت متعین ہو جاتی ہے یعنی صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں رہتا۔ خواہ صدقہ کرنے ہی کی نیت سے فروخت کیا ہو یا اپنے کھانے پینے کے لئے۔ بہر حال صدقہ کرنا اُس کا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ تمام عبارات مذکورۃ الصدر میں اُس کی تصریح ہے بالخصوص عبارت خلاصہ مندرجہ مۂ و عبارت بحر مۂ میں بوضاحت مذکور ہے۔

(ج) یہ بھی معلوم ہوا کہ فروخت کرنا قربانی کے گوشت یا چمڑے کا اگر صدقہ کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے اور اگر اپنے کھانے پینے کی غرض سے ہو تو گناہ ہے لیکن بیع صحیح ہو جاتی ہے جیسا کہ ہدایہ اور بدائع میں اس کی تصریح ہے۔ رہا بعض کا یہ شبہ کہ جب گناہ اور ناجائز ہے تو بیع کیسے صحیح ہو جائے گی سو یہ محض عامیانہ شبہ ہے۔ جس شخص کو فقہ حنفی سے کوئی مناسبت ہے وہ ایسا شبہ نہیں کر سکتا کیونکہ فقہ حنفی میں سینکڑوں نظائر اس کے موجود ہیں کہ باوجود فعل ناجائز ہونے کے عقد جائز ہو جاتا ہے جیسے جمعہ کی اذان کے بعد بیع و شراء ناجائز اور گناہ ہے لیکن اگر کسی نے کر لی باوجود گناہ گار ہونے کے بیع نافذ ہو جاتی ہے اور مبیع اُس کی ملک میں آجاتی ہے اس کے علاوہ اور سینکڑوں نظائر اس کے فقہ میں موجود ہیں ایسا شبہ وہی کر سکتا ہے جو یا تو فقہ سے بالکل ناواقف ہو یا منکر ہو خلاصہ یہ کہ اگر اپنے استعمال کی نیت سے فروخت کر دیا تو باوجود گناہ گار ہونے کے بیع

فان الخضوع بالقول سبب محرکة للفتنة بحیث لو کف عنه کف عن الابتلاء بها فنهی الله سبحانہ وتعالیٰ عنه وجعله معصیة لهذا السبب ۔ ومثله قوله تعالیٰ ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ الآیة فان تبرج النساء للرجال سبب محرك للفتنة والمعصیة وان کن یعزلن عن قصدها ونیتها ۔ فالخضوع بالقول والتبرج للرجال ان کان بنفس الفتنة فهو معصیة بنفسها وان عری عن النیة فهو معصیة لکونها سببا محرکة للفتنة ۔ فالسب لآلهة الکفار والخضوع بالقول من النساء وتبرجهن للرجال کلها سبب قریب للمعصیة ومحرك علیها فکان حرامًا بنص القرآن وجعله فی الحدیث المذکور اکبر الکبائر ۔

والقسم الثانی من السبب القریب اعنی مالم یکن محرکًا وباعثا بل موصلًا محضا فحرمته وان لم تکن منصوصة ولکنه داخل فیه باشتراك العلة وهی الافضاء الی الشر والمعصیة ولهذا اطلق الفقهاء رحمهم الله علیها لفظ کراهة التحریم لا الحرمة کما فی سائر الجزئیات المذکورة سابقًا فانهم قالوا انها تکره کراهة التحریم کما صرح به فی الخانیة جزمًا واختاره کثیر من ارباب الفتوی ومن اطلق علیه لفظ الجواز فحمل علی جواز حفظ عنی الصحة دون رفع الاثم کما هو معهود عند فقهائنا فی مواضع لا تحصیٰ کما یشیر الیه کلام البدائع ومبسوط السرخسی معزیًّا للاصل ، ومن هذا القبیل بیع الاسلحة لاهل الفتنة واهل الحرب فانه سبب قریب وصورة اعانة للمعصیة بحیث لا یحتاج فیها الی احداث صنعة بل تستعمل فی المعصیة بعینها وبحالتها الموجودة وقد صرح به فی السیر الکبیر حیث قال " فان اشتروا دورًا للسکنی فارادوا ان یتخذوا دارًا منها کنیسة او بیعة او بیت نار یجتمعون فیه لصلواتهم منعوا من ذلك ولا ینبغی لاحد من المسلمین ان یواجرهم بیتا لشیء من ذلك لما فیه صورة الاعانة الی ما یرجع الی الاستخفاف بالمسلمین فان آجرهم فاظهروا شیئًا من ذلك فی تلك الدار منعهم صاحب البیت وغیره من ذلك علی

نافذ ہوگئی۔ اور صدقہ کرنا اس کی قیمت کا بہر دو صورت واجب ہوجاتا ہے جیساکہ عبارت خلاصہ و بحر مندرجہ نمبر ۵ و نمبر ۶ سے واضح ہوچکا اور اس تفصیل کی بنا پر عبارات فقہاء اور حدیث ممانعت بیع کا ظاہری تعارض بھی رفع ہوگیا۔ کیونکہ ممانعت حدیث اس شخص کے لئے ہے جو اپنے کھانے پینے کے لئے فروخت کرتا ہے اور جو فقراء پر صدقہ کرنے کے لئے فروخت کرے وہ اس میں داخل نہیں۔ اور جب عبارات مذکورہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ چرم قربانی فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے خواہ بہ نیت صدقہ ہی فروخت کی ہو یا اپنی ہی ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے۔ تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس کا مصرف صرف فقراء و مساکین وغیرہ ہیں اغنیاء نہیں۔ لما فی الخلاصۃ وفی مجموع النوازل قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لفقیر بنی ہاشم محمول علی الصدقۃ الواجبۃ (الی قولہ) اما اذا اطلق لفظ الصدقۃ فھی صدقۃ واجبۃ (خلاصۃ الفتاوی ص ۲۴۵ ج ۱) وفی رد المحتار وھو ربیق مصرف الزکاۃ) مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی (شامی ص ۶۳ ج ۲)

تحریر مذکور سے یہ واضح ہوگیا کہ چرم قربانی کو اگر فروخت کر دیا جاوے تو اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوجاتا ہے اور مصرف اس کا صرف فقراء و مساکین ہوئے اغنیاء کو نہیں دیا جاسکتا اور اسی طرح مدرسین وغیرہ کی تنخواہوں میں بھی صرف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسکین کو بدون کسی معاوضہ کے دیا جاوے۔ اگر تنخواہوں میں دیا گیا تو اجرت ہوجاوے گی اور اگر غنی کو دیا گیا تو حقیقۃً یہ ہبہ ہوگا گو لفظاً صدقہ کہا جاوے۔ ہاں گوشت و پوست جب کہ خود موجود ہوں تو ان کا خود کھانا اور استعمال کرنا یا کسی غنی کو دے دینا اس کو شریعت نے جائز رکھا ہے وہ بھی اس حیثیت سے کہ بنص حدیث یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مہمانی ہے اور ظاہر ہے کہ مہمان کو کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے فروخت کر دینے کی نہیں اسی مضمون کو بدائع میں بالفاظ ذیل ذکر فرمایا ہے۔

ولانہا من ضیافۃ اللہ تعالیٰ عز شانہ التی اضاف بہا عبادہ ولیس

سبیل النهی عن المکروہ فی ذلک لغیرہ ولا یفسخ عقد الاجارۃ لہذا بمنزلۃ مالو اجر بیتہ من مسلم فکان یجمع الناس فیہ علی الشراب او یبیع المسکر فیہ فانہ یمنعہ من ذلک علی سبیل النہی عن المنکر ولا تفسخ الاجارۃ لاجلہ" متن سیر کبیر من شرح السرخسی لہ ج ۳ ص ۲۵۵ ۔ فہذا کلام الامام محمد" افاد ان اجارۃ البیت من الذی بعد العلم بانہ یرید اتخاذہ کنیسۃ لیست من الاعانۃ لان المعصیۃ لو تقم بفعل الموجر وانہ سبب قریب وصورۃ اعانۃ للمعصیۃ فیکرہ لاجلہ فظہر بہ تفسیر قیام المعصیۃ بالعین ماھو، کما بینا وایضا افاد کلامہ جواز الاجارۃ اذا لم یعلم بقصدہ ۔ وھذا ھو التوفیق الحسن بین کلام المانعین کقاضی خان والمجوزین کالزیلعی وغیرہ بان المنع عند العلم والجواز عند عدمہ ۔

واما السبب البعید کبیع الحدید من اہل الفتنہ وبیع العنب ممن یتخذہ خمرا وبیع الآجر والحطب ممن یتخذھا کنیسۃ اوبیعۃ وکذا اجارۃ الدابۃ لمن یرید سفر معصیۃ وامثالہا اذا علم فتکرہ تنزیہا کما یستفاد من کلام الدریاب البغاۃ معزیا للنہر وغیرہ وفی شرح السیر الکبیر (ولا بأس بان یبیع المسلمون من المشرکین ما بدالہم من الطعام والثیاب وغیر ذلک الا السلاح والکراع والسبی سواء دخلوا الیہم بامان او بغیر امان) لانہم یتقوون بذلک علی قتال المسلمین ولا یحل للمسلمین اکتساب سبب تقویتہم علی قتال المسلمین وھذا المعنی لا یوجد فی سائر الامتعۃ (شرح السیر ص ۳ ج ۳) وفیہ ایضا " ولو اصاب المستامن معدن حدید فی دار الحرب فانہ یکرہ لہ ان یعمل فیہ ویستخرج منہ الحدید اذا کان یوخذ منہ بثمن او بغیر ثمن" لان الحدید اصل السلاح فالحکم فیہ کالحکم فی عمل السلاح (شرح سیر ص ۳ ج ۳) ففی ظاہر ھذین الکلامین تدافع فی امر الحدید فان الاول یجوز بیع الحدید والثانی یکرھہ ۔ قلت والتوفیق بینہما

للضیف ان یبیع من طعام الضیافۃ شیئاً (بدائع ص ۸۱ ج ۵)
اور بریلوی فتوی میں جس قدر عبارتیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے کسی ایک لفظ سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چرم قربانی فروخت کر دینے کے بعد بھی اغنیاء کو دینا جائز ہے بلکہ ان سب عبارتوں سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا گوشت اور چرم بعینہٖ اغنیاء کو بھی دینا جائز ہے جس میں کسی کو خلاف نہیں۔

اور حدیث ابوداؤد فکلوا وادخروا واتجروا میں اگر (اتجروا) بالتاء المشددۃ کی روایت بھی تسلیم کی جاوے تو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کی اجازت اس سے ثابت ہوگی پھر قیمت کا حکم اس میں مذکور نہیں ثانیاً واتجروا کے معنی بھی علامہ ابن الاثیر نے نہایہ میں صدقہ دینا بیان کئے ہیں۔ ولفظہ وحدیث الاضاحی کلوا وادخروا واتجروا ای تصدقوا طالبین الاجر۔ نیز دوسری روایت حدیث اسی معنی کی تائید کرتی ہے جو مسلم میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے کلوا وادخروا وتصدقوا (از تخریج ہدایہ ص ۲۰۸ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ابی داؤد میں صحیح روایت واتجروا بالہمزۃ کی ہے۔

## خلاصہ جواب

یہ ہے کہ چرم قربانی فروخت کرنے سے پہلے تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور اغنیاء کو ہدیۃً بھی دے سکتا ہے اور فقراء و مساکین پر صدقہ بھی کر سکتا ہے لیکن اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کر دیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو۔ اس کا صدقہ کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہیں۔ اغنیاء کو دینا یا ملازمین و مدرسین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ
احقر محمد شفیع غفر لہٗ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۰ھ

یمکن یحمل الکراهۃ فی الحدید علی التنزیہ و یجوز تعبیرہ بالجواز ورد ایات الحدیث فی الاحتیاط والاجتناب عن الاسباب البعیدۃ للمعاصی ایضا غیر قلیل کما لا یخفی علی المتبصر۔

**فتنقیح الضابطۃ** فی ہذا الباب علی مامن بہ علی ربی ان الاعانۃ علی المعصیۃ حرام مطلقاً بنص القرآن اعنی قولہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان وقولہ تعالیٰ فلن اکون ظہیرًا للمجرمین، ولکن الاعانۃ حقیقۃ ہی ما قامت المعصیۃ بعین فعل المعین ولا یتحقق الا بنیۃ الاعانۃ او التصریح بہا او تعینہا فی استعمال ہذا الشیئ بحیث لا یحتمل غیر المعصیۃ وما لم تقم المعصیۃ بعینہ لم یکن من الاعانۃ حقیقۃ بل من التسبب ومن اطلق علیہ لفظ الاعانۃ فقد تجوز لکونہ صورۃ اعانۃ کما مر من السیر الکبیر

ثم السبب ان کان سبباً محرکاً وداعیاً الی المعصیۃ فالتسبب فیہ حرام کالاعانۃ علی المعصیۃ بنص القرآن کقولہ تعالیٰ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ وقولہ تعالیٰ فلا یخضعن بالقول وقولہ تعالیٰ لا تبرجن الآیۃ، وان لم یکن محرکاً وداعیاً بل موصلاً محضاً وہو مع ذلک سبب قریب بحیث لا یحتاج فی اقامۃ المعصیۃ بہ الی احداث صنعۃ من الفاعل کبیع السلاح من اہل الفتنۃ وبیع العصیر ممن یتخذہ خمرًا وبیع الامرد ممن یعصی بہ واجارۃ البیت ممن یبیع فیہ الخمر او یتخذہا کنیسۃ او بیت نار و امثالہا فکلہ مکروہ تحریماً بشرط ان یعلم بہ البائع والآجر من دون تصریح بہ باللسان، فانہ ان لم یعلم کان معذورًا وان علم وصرح کان داخلاً فی الاعانۃ المحرمۃ۔

وان کان سبباً بعیداً بحیث لا یفضی الی المعصیۃ علی حالتہ الموجودۃ بل یحتاج الی احداث صنعۃ فیہ کبیع الحدید من اہل الفتنۃ وامثالہا فتکرہ تنزیہاً۔

ومن ههنا علمت ان اختلافهم فی تفسیر قیام المعصیة بعینه علی قولین
کما مرّ من حظر رد المحتار انما هو اختلاف لفظ یحتمل تصحیح القولین بجعلهما فی
محلین مختلفین احدهما فی الاعانة والأخری فی التسبب وانما نشأ الالتباس من
کلام بعض الحواشی وبهذا التنقیح ایضًا اندفع التدافع والاضطراب عن کلمات
الفقهاء باسرها ۔ فان من قال بکراهة بیع الجاریة المغنیة او الامرد ممن یعصی
به وامثاله فقد اصاب حیث ادخله فی السبب القریب الموصل إلی المعصیة
فان المعصیة تقام بعین هذا السبب من غیر تغییر واحداث صنعة ومن
قال بجوازها اراد جواز العقد بمعنی الصحة لا الجواز بمعنی رفع الاثم وهذا
وان خالفه کلمات بعض المحشین ولکنه مؤیّد منصور بکلام الائمة کالاصل
للامام محمّد رح والبدائع وغیره وکیف وقد جعل التسبب شتم الوالدین
من اکبر الکبائر فی الحدیث المذکور ومن صرح برفع الاثم ایضًا کما فی عبارة
المبسوط المذکور اولا فهو مقید بما اذا لم یعلم ان شرائه واستیجاره لفعل
المعصیة قصدًا کاجارة البیت من الذمی او الفاسق فان الاجارة وقعت
علی نفس السکنی قصدًا ولا اثم فیه ثم ان صلی فیه الذمی علی مذهبه او
عمل فیه الفاسق بالمعاصی فکان ذلک تبعا وکم بین الواقع قصدًا والحاصل
تبعًا فعدم الاثم فیه لوقوع المعصیة تبعًا ولو لم یعلم البائع والموجر بقصد
المشتری والمستاجر، کما یدل علیه کلام السیر الکبیر المذکور، وکذلک من قال
ان المناط فی هذا الباب علی النیة کما فی الاشباه ویؤیده بعض کلمات المبسوط
ورد المحتار فهو صحیح فی الاعانة فانها لا تتحقق إلا بالنیة غیر انه ان صرح بلسانه
سقط اعتبار النیة کما فی سائر العقود والمعاملات وکذا اذا تعینت المعصیة مصرفًا
له ۔ وهو لا ینافی کونه مع عدم النیّة داخلًا فی التسبب ومحظورًا ومکروهًا
لاجله فان التسبب یتحقق بدون النیة وهو محظور وان لم یقصد به المعصیة۔
ومن قال ان الضابط هو قیام المعصیة بعینه واراد به عین فعل المعین فقد اصاب
فان مرادة الاعانة بفعل تقوم المعصیة بهذا الفعل بحیث لا ینقطع نسبته عن

اليواقيت فی
احکام المواقیت

# مواقیتِ احرام اور ان کے مسائل

المعین مع وقوع اصل المعصیة عن فاعل مختار خرج عن تحقیقه - ومن قال ان المراد بقیام المعصیة بعینه هو قیامها بالمحل الذی هیأه المعین بلا تغییر وتصرف واحداث صنعة من العامل فذلک فی التسبیب وبیان لکونه سببا قریبا، ومن قال بکراهة التنزیه صراحة او بصیغة لا ینبغی فهو محمول علی السبب البعید - هذا ما ادی الیه نظری بعد ما بذلت جهدی فی التفتیش عنه - وانما فعلت ما فعلت واطنبت الکلام فیه لامرین الاول انه اصل کبیر تتفرع علیه مسائل لا تحصی وقد اشتدت الضرورة الی معرفة هذه المسائل فی هذه الایام ولا سیما فی بلاد تسلط علیها الکفار والفجار وملأوا الدواوین والمعامل والاسواق کلها بالمعاصی والفجور فلا یجد المتدین سبیلا الی کسب الحلال یخلو عن الاعانة والتسبب للمعصیة والی الله المشتکی - والثانی لوقوع الاضطراب الشدید فی ظاهر کلام الفقهاء فی هذا الباب فجاء بحمد الله یروی الغلیل ویشفی العلیل والله سبحانه وتعالی حسبی ونعم الوکیل -

العبد محمد شفیع عفا الله عنه
شعبان ۱۳۶۲ھ

مقامِ تالیف ———— کراچی

زمانۂ تالیف ———— جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

اشاعت اوّل ———— ماہنامہ البلاغ شوال
وذیقعدہ ۱۳۸۸ھ

"اس مقالے کا اصل مقصد اس مسئلہ کی تحقیق
ہے کہ ہند و پاک سے جانے والے عازمینِ
حج کو کس جگہ سے احرام باندھنا چاہیے اور
کیا اُن کے لئے جدّہ داخلِ میقات ہے؟
اس کے ضمن میں دوسرے متعلقہ احکام اور
مسائل بھی جمع کر دیئے گئے ہیں"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# مواقیتِ احرام کا مسئلہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

## امّا بعد

حق تعالیٰ جل شانہ نے تمام عالم میں سے بیت اللہ کی زمین کو عزت و شرف کے لیے مخصوص فرما کر اس پر اپنا بیت بنایا جو دنیا میں سب سے زیادہ معظم و مکرم ہے۔ اس کی تعظیم و شرف کے اظہار کے لیے اس کے گرد یکے بعد دیگرے کئی حلقے قائم فرمائے اور ہر ایک حلقے کے ساتھ کچھ آداب و احکام مخصوص فرمائے۔

سب سے پہلا اور بیت اللہ سے متصل حلقہ مسجد حرام کا ہے جس کے اندر بیت اللہ واقع ہے۔ اس کے خاص آداب و احکام ہیں، جن میں بعض تو وہ ہیں جن میں دنیا کی دوسری مساجد بھی شریک ہیں اور کچھ اس مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً، اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اور مسجد حرام سے باہر کوئی سات چکر لگائے، طواف ادا نہیں ہوگا (غنیۃ الناسک)۔

دوسرا حلقہ پہلے سے زیادہ وسیع شہر مکہ مکرمہ کا ہے۔ اس کے بھی خاص آداب و احکام اور پابندیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ پورا شہر مکہ بھی مسجد حرام کی طرح عام پناہ گاہ ہے۔ اس

# تفصیل الکلام
## فی مسئلۃ
# الاعانۃ علی الحرام

# ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد

مسئلہ عنوان کثیر الوقوع معاملات سے تعلق رکھتا ہے سوالات بھی بکثرت آتے رہتے ہیں اور ہزاروں جزئیات فقہیہ کا اس سے تعلق ہے اس سلسلہ میں ایک مفصل رسالہ احقر نے عربی زبان میں اب سے اکیس سال پہلے لکھا تھا۔ حال میں ایک سوال کے جواب میں اوس کا خلاصہ اردو میں لکھنے کی نوبت آئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کو ایک مستقل رسالہ کی صورت دے دی جائے تاکہ اہل علم کے لئے معین ثابت ہو۔ سبحانک اللھم اھدنی لما اختلف فیہ الی الحق باذنک وبیدک التوفیق للصواب والسداد والیک المرجع فی المبدأ والمعاد۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دارالعلوم کراچی ۱۴
۲۴ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ

سوال } مسئلہ ذیل میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں کہ زید نے ایک مکان کرایہ پر دینے کی غرض سے بنانے کا ارادہ کیا تو ایک بینک والا مکان کرایہ لینے پر آمادہ ہوا گفتگو کے بعد زید نے بینک والے کے پاس کرایہ دینا طے کیا اور انہی کے پلین و پروگرام کے مطابق گھر بنایا کہ اس میں دفتر کے لئے وسیع کمرہ.

میں کسی مجرم کو بھی جو حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں داخل ہو گیا، وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ حرم سے نکلے، نکلنے کے بعد سزا دی جائے گی۔ اس میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں، اس کے درختوں کا اور عام گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں مگر اس کی پابندیاں پہلے حلقے یعنی مسجد حرام سے کم ہیں۔

تیسرا بڑا حلقہ حرم کا ہے جو پہلے دونوں حلقوں پر مشتمل ہے۔ حرم شریف کے حدود مکہ مکرمہ کے چاروں طرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے معین و محدود ہیں۔

جدہ کی طرف سے جانے والوں کے لیے حد حرم حدیبیہ[1] کے قریب ہے۔ جہاں دو ستون علامت حرم کے لیے قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس تیسرے حلقے کے احکام و آداب اور شرعی پابندیاں بھی تقریباً وہی ہیں جو دوسرے حلقے کی بیان ہو چکی ہیں۔ البتہ شرف مکانی کے درجات بیت اللہ کے قرب و بعد کے اعتبار سے متفاوت ہوں گے۔

حدود حرم مکہ مکرمہ کے چاروں طرف متعین ہیں، کسی طرف کم اور کسی طرف زیادہ، سب سے زیادہ قریب حد حرم تنعیم ہے جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور سب سے بعید نو میل پر ہے۔

چوتھا حلقہ ان سب سے وسیع تر ہے، جس میں یہ پہلے تینوں حلقے سمائے ہوئے ہیں۔ وہ حدود مواقیت ہیں۔ مواقیت میقات کی جمع ہے۔ حرم محترم کے تمام اطراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مقامات متعین فرما دیے ہیں، جہاں سے مکہ مکرمہ میں آنے والے پر لازم کیا گیا ہے کہ بغیر احرام کے آگے نہ بڑھے۔ احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا۔ ان مقامات میں سے ہر ایک کو میقات کہتے ہیں۔ اور پورے حلقہ مواقیت کو فقہاء کی اصطلاح میں حل کہا جاتا ہے۔ اس حلقے سے باہر تمام کو آفاق کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حل صغیر کے بھی کچھ خاص آداب و احکام ہیں۔ مگر پہلے تینوں

---

[1] آج کل اس جگہ کو شمیسی کہتے ہیں۔ مدیر

خزانہ کے لئے مضبوط و محفوظ کوٹھی۔ پہرہ داروں کا گھر وغیرہ سب کچھ کما حقہ رکھا گیا۔
الغرض ایک بینک کے لئے جیسا و منع قطع ضروری ہے اس مکان میں اس کی پوری رعایت
رکھی گئی۔ اس کے چند دنوں بعد زید کو بحالت مرض یہ خیال آیا کہ بینک کے لئے مکان
کرایہ دینا اور اس کی آمدنی تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض عالم صاحب
سے دریافت کیا کہ میرا یہ مکان بینک کو کرایہ دینا جائز ہوا یا نہیں مجھے شبہ ہو رہا ہے
لہذا آپ اس کی تحقیق فرمائیں۔ مذکورہ عالم صاحب نے تحقیق کے بعد یہ فرمایا کہ کسی حرام کام
و کاروبار کے لئے اگر مکان کرایہ دیا جائے تو اس میں امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ جائز
ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مکان والا معصیت کا مسبب ہے اور کاروبار
کرنے والا ہے فاعل مختار۔ اور ان کا اصولی قاعدہ کہ مسبب اور معصیت کے درمیان
جب فاعل مختار کا فعل حائل واقع ہو تو معصیت کی نسبت فاعل کی طرف ہوتی ہے اور
صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ ناجائز ہے بوجہ اعانۃ علی المعصیت لقولہ تعالیٰ تعاونوا
علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (الآیہ) اب ان دونوں قول میں مفتیٰ بہ کونسا
ہے یہ اکثر کتابوں میں مذکور نہیں۔ البتہ حاشیہ زیلعی چلپی میں مرقوم ہے کہ "قول الامام
قیاس وقول صاحبیہ استحسان" پس اصولی قاعدہ کی رو سے قیاس اور استحسان میں تعارض
ہونے سے استحسان پر فتویٰ ہونا چاہیئے اور خلاصۃ الفتاویٰ میں قول امام یوں مذکور
ہے کہ "یصح الاجارۃ ولکن یاثم"۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک
یہ اجارہ گو قیاساً صحیح ہے لیکن اعانت علی المعصیت کے سبب موجب گناہ ہوگا۔
پس قول امام و قول صاحبین کا مرجع ایک ہی ٹھہرتا ہے۔ پس اب دریافت طلب یہ ہے
کہ قول امام و قول صاحبین کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمائیں کہ اس سودی کاروبار کے لئے
بحالت مذکورہ مکان کرایہ دینا شرعی حیثیت سے کیا حکم رکھتا ہے؟ جائز ہے یا نہیں۔
صاف صاف مع دلیل تحریر فرمادیں فقط والسلام

المستفتی

(دستخط) شاہ نور خاں ــ کشور گنج ضلع میمن سنگھ مشرقی پاکستان

حلقوں سے کم ہیں۔ اس حلقے کی پابندی صرف اس قدر ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا اس حلقے میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی بغیر احرام کے داخل ہو جائے تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس مقالہ میں زیر بحث یہی چوتھا حلقہ ہے۔

اس کے احکام کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے کچھ اصطلاحی الفاظ کی تشریح بیان کر دینا ضروری ہے۔

## اصطلاحی الفاظ کی تشریح

پہلے حلقہ کا اصطلاحی نام مسجد حرام ہے۔ دوسرے کو مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے، تیسرے کا اصطلاحی نام حرم ہے۔ چوتھا حلقہ حدود حرم سے باہر مگر حدود مواقیت کے اندر ہے۔ اس کا اصطلاحی نام حل ہے۔ یعنی اس میں شکار وغیرہ حلال ہے۔ حدود مواقیت سے باہر سارا عالم آفاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ حرم کی پابندی شکار وغیرہ کی جیسے حل میں نہیں ہے، ایسے ہی حل سے باہر آفاق میں بھی نہیں، اس لیے حل کے مفہوم میں آفاق بھی داخل ہے۔ اسی لیے بعض علماء حلقہ مواقیت کے اندر حرم سے باہر کے حل کو حل صغیر کہتے ہیں اور حدود مواقیت سے باہر آفاق کو حل کبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

## مواقیت حج کی تعیین

صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ حدیث منقول ہے:۔

| | |
|---|---|
| وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل المدینۃ ذا الحلیفۃ ولاھل الشام الجحفۃ ولاھل نجد قرن المنازل ولاھل الیمن یلملم (بخاری کتاب الحج) | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر فرمایا ہے۔ |

# الجواب

اعانت علی المعصیۃ اور تسبب للمعصیت کے مختلف درجات ہیں اور اسی وجہ سے احکام بھی مختلف ہیں۔ فقہاء حنفیہ کی تصریحات اس مسئلہ میں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں اسی لئے احقر نے بامر حضرت سیدی حکیم الامت اس موضوع پر ایک مفصل تحریر لکھنا شروع کی تھی۔ اسی تحریر کے دوران حضرت قدس سرہٗ کی وفات ہو گئی۔ جب اس صدمہ جانکاہ سے کچھ سکون سا ہونے لگا تو تعمیل حکم کا قصد کیا۔ مسئلہ بے حد الجھا ہوا تھا اور مرشد کامل کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ کئی ہفتے کتابوں کے مطالعہ میں سرگرداں رہا۔ دعائیں کیں آخرکار حق تعالےٰ نے اس مشکل کا حل دل میں ڈال دیا وہ لکھا پھر استاذِ محترم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھلایا۔ انھوں نے پسند کیا یہ تحریر تقریباً آٹھ دس صفحات میں عربی زبان میں ہے۔ نقل کرنے کی ہمت نہیں جو کچھ احقر نے لکھا ہے اس کا بہت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ کسی معصیت کی اعانت جو ازروئے قرآن حرام ہے وہ ہے جس میں معصیت کا قصد و نیت حقیقۃً یا حکماً شامل ہو۔ حقیقۃً یہ کہ دل ہی میں یہ ہو کہ اس کے ذریعہ عمل معصیت کیا جائے یا یہ کہ صلب عقد میں احد المتعاقدین کی طرف سے اس معصیت کی تصریح آجائے اور حکماً یہ ہے کہ وہ چیز بجز معصیت کے کسی دوسرے کام میں آتی ہی نہ ہو جیسے آلات معازف طبلہ سارنگی اور مختلف قسم کے آلات موسیقی ان چیزوں کا بنانا اور بیچنا اگرچہ بقصد معصیت نہ ہو مگر حکماً وہ بھی قصد معصیت میں داخل ہیں اور جہاں قصد معصیت نہ حقیقۃً ہو نہ حکماً وہ اعانت علی المعصیۃ میں داخل نہیں۔ البتہ اعانت سے ملتی جلتی ایک اور چیز ہے جس کو اصطلاح میں تسبب کہتے ہیں وہ بھی ازروئے نص قرآن حرام ہے خواہ ہیئت معصیت ہو یا نہ ہو۔ مثلاً سب آلہ مشرکین کی نص قرآنی میں ممانعت اسی لئے فرمائی گئی ہے کہ وہ سبب ہوتی ہے سب الحق کے لئے اسی طرح کسی کے ماں باپ کو گالی دینا حدیث میں اپنے ماں باپ کو گالی دینا اسی تسبب کی بنا پر قرار دیا گیا۔ ولا یضربن بارجلھن میں ضرب ارجل للنساء کی ممانعت اسی تسبب للمعصیۃ پر مبنی ہے ولا تخضعن بالقول کی نہی بھی اسی پیروار دہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان تمام امور میں معصیت کے قصد و نیت کا وہم کا بھی احتمال نہیں۔ لیکن یہاں ایک اہم بات قابل غور یہ ہے کہ تسبب ایک ایسا وسیع لفظ ہے جس میں

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار میقات مقرر فرمائے۔ ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم۔ ان مواقیت کی تفصیلی تحقیق آگے آجائیگی۔

اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری حدیث میں بروایت ابن عمرؓ یہ بھی منقول ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کے زمانے میں عراق فتح ہونے کے بعد اس کے دو شہر بصرہ اور کوفہ بسائے گئے تو اہل عراق حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے لیے میقات قرن المنازل کو مقرر فرمایا ہے اور وہ ہمارے راستہ سے بہت دور ہے۔ اگر ہم اس راستہ کو اختیار کریں تو ہماری مسافت اور مشقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| فانظروا حذوھا من طریقکم فحد لھم ذات عرق۔ | اپنے راستہ سے اس کی محاذات دیکھ لو۔ چنانچہ (اس طریقہ سے) فاروق اعظمؓ نے ان لوگوں کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔ |
| (صحیح البخاری، کتاب الحج) | |

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پانچواں میقات ذات عرق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر نہیں فرمایا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمایا۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت میں شک و تردد کے ساتھ اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بغیر شک کے یہ بھی منقول ہے کہ اہل عراق کے لیے ذات عرق کی تعیین خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی ——— یہ روایتیں قوت و صحت کے اعتبار سے اگرچہ بخاری کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں مگر ان کو غیر معتبر بھی نہیں کہا جاسکتا، اسی لیے شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اس واقعہ سے پہلے وہ حدیث نہ پہنچی ہو جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذات عرق کو اہل عراق کا میقات مقرر فرمانا مذکور ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر متعین فرمایا اور یہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خصوصی فضائل میں سے ہے کہ ان کا اجتہاد ٹھیک حدیث کے مطابق واقع ہوا۔

سارے مباحات آجاتے ہیں اگر تسبب کے مفہوم کو مطلقاً سببیت کے لئے عام رکھا جائے تو شاید دنیا کا کوئی مباح کام بھی مباح اور جائز نہیں رہے گا۔ زمین سے غلہ اور پھل اگانے والا اس کا بھی سبب بنتا ہے کہ اس غلہ اور ثمرات سے اعداء اللہ کو نفع پہنچے۔ کپڑا بننا، مکان بنانا۔ ظروف اور استعمالی چیزیں بنانا ان سب میں بھی یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک بر و فاجر ان کو خریدتا استعمال کرتا ہے اور اپنے فسق و فجور میں بھی استعمال کرتا ہے اور سبب اس کا ان چیزوں کا بنانے والا ہوتا ہے۔ اگر اس طرح حرمت کو عام کیا جائے تو شاید دنیا میں کوئی کام بھی جائز نہ رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سبب قریب و بعید کا فرق کیا جائے سبب قریب ممنوع اور سبب بعید مباح ہو۔ مذکورہ امثلہ سب سبب بعید کی مثالیں ہیں اس لئے وہ جائز رہیں گی۔ پھر سبب قریب کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک سبب جالب و باعث جو گناہ کے لئے محرک ہو کہ اگر یہ سبب نہ ہوتا تو صدور معصیت کے ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہ تھی ایسے سبب کا ارتکاب گویا معصیت ہی کا ارتکاب ہے۔ علامہ شاطبی نے موافقات جلد اول کے مقدمہ میں ایسے ہی اسباب کے متعلق فرمایا ہے کہ ایقاع السبب ایقاع للمسبب۔

نص قرآنی میں جہاں تسبب کو حرام قرار دیا ہے جیسے سبِّ آلہ مشرکین یا عورتوں کے لیے ضرب ارجل یا خضوع بالقول یا تبرج جاہلیت یہ سب اسی قسم کے اسباب ہیں کہ معصیت کی تحریک کرنے والے اور جالب و باعث ہیں ایسے اسباب کا ارتکاب معصیت ہی کا ارتکاب سمجھا جاتا ہے اس لئے باتفاق حرام ہیں۔

ایسے اسباب معصیت کا ارتکاب گویا خود معصیت ہی کا ارتکاب ہے اس لیے معصیت کی نسبت اس شخص کی طرف ہی کی جائے گی جس نے اس کے سبب کا ارتکاب کیا کسی فاعل مختار کے درمیان میں حائل ہونے سے معصیت کی نسبت اس سے منقطع نہیں ہوگی جیسا کہ حدیث میں دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دینے والے کے حق میں اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا کہا گیا ہے کیونکہ ایسا تسبب للمعصیۃ بنص قرآن و حدیث خود ایک معصیت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل عراق کا میقات ذات عرق قرار پایا، خواہ اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا ہو یا حضرت فاروق اعظم رضؓ نے، اس لیے کل مواقیت پانچ ہو گئے، ان پانچوں مواقیت اور ان کے مقامات کی ضروری تشریح یہ ہے۔

## مواقیتِ خمسہ کی ضروری تشریح

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ مصر اور شام کے مسافر جو تبوک کے راستہ سے آتے ہیں، ان کا میقات بھی یہی ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے جس کو آبار علی یا بیر علی بھی کہا جاتا ہے اور آج کل یہی نام مشہور ہو گیا ہے (حاشیہ ارشاد الساری) اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ تک نو یا دس مرحلے ہیں (البحر الرائق)۔

اور مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات القلوب میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ایک سو اٹھانوے میل بتلایا ہے۔ اس مقام سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد شجرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہاں ایک درخت تھا، اس کے نیچے آپ نے احرام باندھا تھا، پھر اس جگہ مسجد بنادی گئی، افضل و اولیٰ یہی ہے کہ سنت کے مطابق احرام اسی مسجد سے باندھا جائے۔ اگرچہ یہ ذوالحلیفہ کے ابتدائی حصہ کے بعد ہے اور عام مواقیت میں افضل یہ ہوتا ہے کہ میقات کے ابتدائی حصہ پر احرام باندھا جائے تاکہ پوری میقات پر اس کا گذر بحالت احرام ہو جائے مگر ذوالحلیفہ بوجہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہاں ابتداء ذوالحلیفہ کے بجائے مسجد شجرہ سے احرام افضل ہے۔

سید نورالدین سمہودی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد نبوی سے مسجد شجرہ تک ہاتھ سے پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب السلام سے مسجد شجرہ تک انیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا۔ حاشیہ ارشاد الساری میں یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اس لحاظ سے یہ فاصلہ پانچ میل سے کچھ کم ہوا۔ کیونکہ

دوسری قسم سبب قریب کی وہ ہے کہ ہے تو سبب قریب مگر معصیت کے لئے محرک نہیں بلکہ صدور معصیت کسی دوسرے فاعل مختار کے اپنے فعل سے ہوتا ہے جیسے بیع عصیر عنب من یتخذہ خمرا یا اجارۃ دار من یتعبد فیہا الاصنام وغیرہ کہ یہ بیع واجارہ اگرچہ ایک حیثیت سے سبب قریب ہے معصیت کا مگر جالب اور محرک للمعصیۃ نہیں۔ شیرۂ انگور خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو شراب ہی بنائے اور گھر کو کسی مشرک کے لئے کرایہ پر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس میں بت پرستی بھی کرے بلکہ وہ اپنی خباثت یا جہالت سے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ شیرہ بیچنے والا یا مکان کرایہ پر دینے والا معصیت کا باعث اور محرک نہیں ہے۔

ایسے سبب قریب کا حکم یہ ہے کہ اگر بیچنے یا اجارہ پر دینے والے کا مقصد اس معصیت ہی کا ہو تب تو یہ خود ارتکاب معصیت اور اعانت معصیت میں داخل ہو کر قطعاً حرام ہے۔ اور اگر اس کا قصد و نیت شامل نہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو علم بھی نہ ہو کہ یہ شخص شیرۂ انگور خرید کر سرکہ بنائے گا یا شراب یا گھر کرایہ پر لے کر اس میں صرف سکونت کرے گا یا کوئی ناجائز کام فسق و فجور کا کرے گا۔ اس صورت میں یہ بیع واجارہ بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر اس کو علم ہے کہ یہ شخص شیرۂ انگور خرید کر شراب بنائیگا یا مکان کرایہ پر لے کر فسق و فجور کرے گا یا سودی کاروبار کرے گا یا جاریہ کو خرید کر اس کو گانے کے کام میں لگائے گا یا امرد کو خرید کر اس سے سیاہ کاری میں مبتلا ہو گا یا لوہا خرید کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گا تو اس صورت میں یہ بیع و اجارہ مکروہ ہے۔ اسی صورت میں حضرت امام اور صاحبین کا اختلاف منقول ہے مگر اس میں جو امام صاحب کی طرف قول جواز منقول ہے اس کا وہی مطلب ہے جو سوال میں بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی نقل کیا ہے۔ اب اگر حضرات صاحبین اس عقد ہی کو جائز قرار نہیں دیتے تو اختلاف حقیقی ہو گیا کہ ان کے نزدیک عقد ہی درست نہیں اور متعاقدین کے لئے مبیع و ثمن میں تصرف حلال نہیں اور امام صاحب کے نزدیک عقد درست مگر گناہ ہے اور اگر صاحبین کا قول عدم جواز کا حاصل بھی صرف ارتکاب گناہ ہے فساد عقد نہیں تو پھر یہ اختلاف صرف لفظی ہو گا کہ صاحبین

میل ہمارے نزدیک چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے۔ اوس لوہے کے ذراع سے جو آج کل مستعمل ہے۔ (حاشیہ ارشاد ص۵۴)

جحفہ یہ رابغ کے قریب ایک گاؤں تھا۔ جس کو مہیعہ بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کے فاصلہ میں شدید اختلاف ہے، ارشاد الساری میں ملا علی قاری نے بتیس میل بتلایا ہے۔ اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھی نے بحوالہ علامہ مرشدی بیاسی میل لکھا ہے۔ اس طرح مراحل کے اعتبار سے فتح الباری شرح البخاری میں بحوالہ شرح مہذب نووی اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تین مرحلے بتایا اور شیخ عبداللہ بن سالم نے شرح بخاری میں مکہ مکرمہ تک پانچ منزل کا فاصلہ لکھا ہے اور مدینہ منورہ تک سات منزل (حیات القلوب قلمی ص۲۱) غالباً وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ جحفہ سے مکہ مکرمہ کے لیے راستے مختلف ہیں، کسی راستہ سے مسافت کم ہے، کسی سے زیادہ، یہ گاؤں جحفہ یا مہیعہ عرصہ دراز سے ویران اور بے نشان ہو گیا ہے اس لیے اس طرف آنے والے رابغ سے احرام باندھتے ہیں۔ کیونکہ رابغ جحفہ سے کچھ پہلے ہے۔ یہاں سے احرام باندھنے والا گویا اصل میقات سے کچھ پہلے احرام باندھتا ہے جو سب کے نزدیک جائز ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے۔

اور رابغ ساحل سمندر پر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف چلنے والوں کے راستہ پر مشہور قصبہ ہے اور آجکل تو اچھا شہر بن گیا ہے، جس میں مسافروں کے قیام کے لیے بڑے بڑے ہوٹل اور قہوہ خانے وغیرہ ہیں۔

قرن المنازل یہ اہل نجد کا میقات ہے، جس میں نجد یمن، نجد حجاز و نجد تہامہ شامل ہیں۔ لغت فقہ المغرب میں ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو میدان عرفات کے اوپر ہے اور شرح مصابیح میں ہے، بیضہ کی مانند ایک چکنا صاف اور مدور پہاڑ ہے۔ عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے۔ اہل مکہ اور ان کے اطراف کے لوگ اس پہاڑ کو کرا بفتح الکاف کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ قرن اس پہاڑ کا نام بھی ہے اور اس کے متصل وادی کو بھی قرن کہتے ہیں اور اس وادی کے اندر ایک گاؤں جو طائف

نے ناجائز قرار دیا بمعنی الاثم والمعصیت اور امام صاحب نے جائز قرار دیا بمعنی جواز عقد نہ بمعنی رفع اثم۔ پھر اس مکروہ کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ معصیت اس کے عین کے ساتھ متعلق ہو بغیر کسی تغیر اور تصرف کے دوسرے یہ کہ پھر تصرف و تغیر کے بعد وہ معصیت کے کام میں آئے۔ پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے دوسری مکروہ تنزیہی۔ فتاویٰ قاضی خاں اور دوسری کتب فقہ کی عبارتوں میں جو کراہت تحریم و تنزیہ کا اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق بھی اس تفصیل سے ہو جاتی ہے فللہ الحمد۔

اس کے بعد مسئلہ زیر بحث کو دیکھ لیا جائے کہ اس میں اعانت کا مفہوم تو ہے نہیں کیونکہ نہ قصد اعانت حقیقۃً ہے نہ حکماً اور تسبب بھی سبب محرک یا جالب کے ساتھ نہیں اس لئے صورت صریحہ میں داخل نہیں البتہ سبب قریب کی دوسری قسم میں داخل ہے جو محرک نہیں ہے اس لئے اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ اجارہ پر لینے والا اس میں بینک بنائے گا تب تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر علم ہے تو مکروہ ہے۔

البتہ کراہت تحریم و تنزیہ کا فیصلہ اس بارہ میں محل غور ہے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ بنانے والے نے بینک کی مناسبت سے کمرے خود بنائے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تحریم ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایسے کمرے صرف بینک ہی کے لئے نہیں دوسرے کاموں اور دفاتر کے لئے بھی بنتے ہیں تو کراہت تنزیہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں مجھے ہنوز تردد ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کہا جائے یا تنزیہی۔ دوسرے علماء سے بھی استصواب فرمالیں اور یہ اُس وقت ہے کہ تنبیہ کے بعد بھی اس پر اصرار کرے اور اگر تنبیہ کے بعد توبہ کرلی مگر فسخ اجارہ قدرت میں نہیں تو اپنی پوری سعی فسخ اجارہ میں کرلینے کے بعد امید ہے کہ معذور سمجھا جائے گا۔

واللہ اعلم۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۳ صفر ۱۳۸۳ھ

نوٹ: عربی رسالہ کا مختصر خلاصہ اردو میں لکھنے کے بعد خیال آیا کہ اصل عربی رسالہ بھی اسکے ساتھ شائع کردیا جائے تاکہ اہل علم کے کام آئے۔

کے قریب ہے اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے (حاشیہ ارشاد الساری ص۵۵)
البحر الرائق میں ہے کہ قرن کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھی نے بھی بحوالہ نہایہ شرح ہدایہ دو مرحلہ کا فاصلہ اور باقانی شرح ملتقی الابحر کے حوالہ سے پچاس میل کا فاصلہ بتلایا ہے (حیات القلوب قلمی ص۲۱)

یلملم، اہل یمن تہامہ کا میقات ہے۔ مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے، اس زمانہ میں اس کو سعدیہ کہا جاتا ہے، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے (حیات القلوب ۲)
علامہ عینی نے لکھا ہے:۔

قال ابن حزم ھو جنوب مکۃ و منہ الی مکۃ ثلاثون میلا۔ (عمدہ ص۱۴۰ ج ۵)

ابن حزم کہتے ہیں کہ یلملم مکہ مکرمہ کے جنوب میں ہے اور اس سے مکہ مکرمہ تک تیس میل کا فاصلہ ہے۔

اور شیخ عبدالرحمٰن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام نور الظلام ص۵۰ ج ۱ میں اس کا فاصلہ چالیس میل بتلایا ہے اور قسطلانی شرح بخاری، فتح القدیر شرح ہدایہ، اور معجم البلدان وغیرہ میں میلوں کا فاصلہ بتلانے کے بجائے مرحلتین یا لیلتین کہا گیا ہے۔

ذات عرق اہل عراق کا میقات ہے، ایک گاؤں کا نام ہے جو عراق کی طرف سے تحقیق کے بعد مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر تھا۔ آجکل ویران ہو گیا ہے اسی لیے اب اس کے بجائے عقیق سے احرام باندھا جاتا ہے کیونکہ ذات عرق کا صحیح تعین نہ رہا۔ عقیق سے احرام باندھنے میں اصل میقات سے کچھ پہلے احرام ہو گا، اسی میں احتیاط ہے۔

علامہ عابد مالکیؒ نے ہدایۃ الناسک میں فرمایا کہ ذات عرق مکہ مکرمہ سے دو مرحلے کے فاصلہ پر طائف کے راستہ پر ایک گاؤں تھا جو اب ویران ہو گیا ہے، اس کا

# آداب الاخبار

محل وقوع اس مقام کے قریب تھا جس کو آجکل سیل کہا جاتا ہے (حاشیہ ارشاد الساری صـ۵۵) قسطلانی نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے بیالیس ۴۲ میل بتلایا ہے۔ اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس ۴۲ میل کا فاصلہ لکھا ہے نووی اور ابن حجر مکی نے فرمایا کہ اس کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کا ہے جیسا کہ قرن اور یلملم کا فاصلہ دو مرحلے ہیں (حیات القلوب) ومثلہ فی البحر۔

## مواقیتِ خمسہ کے احکام

جو لوگ آفاق یعنی اطراف عالم سے آنے والے ان میقاتوں کے راستے سے گذرتے ہیں، اگر وہ مکہ مکرمہ میں جانے کے مقصد سے ان مواقیت سے آگے۔ حل صغیر کی طرف جائیں جو مواقیت کے اندر اور حرم سے باہر کے علاقے کا نام ہے تو ان پر لازم ہے کہ ان مقامات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آگے بڑھیں۔ بغیر احرام کے آگے بڑھنا گناہ ہے اور جو ایسا کرے گا اس کے ذمہ دم (قربانی) دینا واجب ہوگا (ہدایہ۔ ارشاد الساری)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک آفاق یعنی حل کبیر سے آنے والا جو شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے خواہ یہ ارادہ کسی دنیوی غرض تجارت یا عزیزوں سے ملاقات وغیرہ کی نیت سے کیا ہو، مگر بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو، میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو اور بیت اللہ کا یہ حق ادا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے (ہدایہ)

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لیے ہے جو عبادت حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کر رہا ہے۔ کسی تجارتی غرض یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور سے جانے والے پر احرام باندھ کر جانے اور کم از کم عمرہ ادا کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ)

"موجودہ اخبارات کی خرابیوں پر حکیم الامت حضرت
تھانوی قدس سرہٗ نے ایک مقالہ "اخبار بینی" کے
نام سے تحریر فرمایا تھا جس میں اخبار بینی کے بے لذت
گناہوں کی نشاندہی کی گئی تھی پھر حضرت رحمۃ
اللہ علیہ نے ایسے شرعی اصول وضوابط جمع فرمائے
جن کی پابندی کر کے اخبارات سے یہ خرابیاں
دور ہو سکتی ہیں۔ ان اصول وضوابط کو حضرت
مفتی صاحب مدظلہم نے اپنی عبارات میں منضبط کر کے
یہ مضمون مرتب فرمایا جس پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ
نے نظر ثانی بھی فرمائی۔"

یہ حکم تو ان لوگوں کے لیے ہے جو آفاق کے کسی علاقے سے آئیں۔ مگر کسی میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے حل صغیر میں داخل ہوتے ہیں، اب یہ دیکھنا ہے کہ جو لوگ پانچ میقاتوں میں سے کسی میقات پر نہیں گزرتے دوسرے راستوں سے حل صغیر پھر حرم میں داخل ہوتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے۔ کیا وہ اس پابندی ہی سے آزاد ہیں اور بغیر احرام کے حرم میں داخل ہو سکتے ہیں اور اگر ان پر بھی یہ پابندی ہے تو ان کو کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا۔ ملا علی قاری نے اپنے شرح مناسک میں اس کے متعلق فرمایا ہے:-

وعین ہذہ المواقیت لیست بشرط ولہذا یصح الاحرام قبلہا بل الواجب عینہا أو حذوہا ای محاذاتہا و مقابلتہا فمن سلک غیر میقات ای طریقا لیس فیہ میقات معین برًا أو بحرًا اجتہد وأحرم اذا حاذی میقاتا منہا ای من المواقیت المعروفۃ ومن حذو الابعد اولی فان الافضل ان یحرم من اول المیقات وہو الطرف الأبعد عن مکۃ حتی لایمر بشئ مما یقال میقاتا غیر محرم ولو احرم من الطرف الاقرب إلی مکۃ جاز باتفاق الاربعۃ. وإن لم یعلم المحاذاۃ فانہ لایتصور عدم المحاذات۔ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر (ارشاد الساری ص۵۶)

وقال فی حاشیتہ قولہ کجدۃ فانہا علی مرحلتین عرفیتین من مکۃ وثلاث مراحل شرعیۃ ووجہہ ان المرحلتین اوسط المسافات والافالاحتیاط الزیادۃ کذا فی شرح نظم الکنز واقول لعل وجہہ ایضا ان اقرب المواقیت إلی مکۃ علی مرحلتین عرفیتین من مکۃ فقدرہ بذلک (الارشاد الساری ص۵۶)۔

# اخبارات وجرائد کی مذہبی ضرورت

# اسلامی اخباروں کیلئے شرعی دستور العمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مسلمان بھی کسی وقت ایک زندہ قوم تھی۔ دین و دنیا کی ساری ترقیات اُس کے لیے وقف تھیں اُس کا جو قدم اُٹھتا تو ایک صحیح مقصد کی طرف جو حرکت ہوتی تو صراط مستقیم پر غرض ہر حرکت سکون میں "زمن آں ورد جود آید کرباید" کا نقشہ سامنے آجاتا تھا اگر کبھی بظاہر کسی لغو یا عبث کام میں بھی مبتلا ہوتے تو وہاں بھی کوئی ایسا اسلامی امتیازی نشان چھوڑ آتے تھے کہ وہ سب خرابیاں کافور ہو جاتیں اور یہ نیکیوں سے مالا مال ہو کر آتے اور ان الحسنات یذھبن السیئات کا پروانہ برادت لے کر پلٹتے تھے۔ غرض نقصان کی جگہ میں بھی اُن کے لئے نفع کے راستے کھلے ہوئے تھے۔

لیکن آہ کہ آج ہماری شامت اعمال سے عالم اسلام کا جغرافیہ ایسا بدلا ہے کہ شناخت مشکل ہو گئی مسلمانوں کی دینی اور دنیوی زندگی کا نقشہ جو ہمارے سامنے ہے وہ اپنے ماضی کی پوری نقیض ہے ؎

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی | اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانے نے رنگ روپ بدلا ایسا | میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

نقصان کے کاموں سے نقصان پہونچنا اور برے اعمال سے برے نتائج پیدا ہوتا تو ایک طبعی اور فطری قانون ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کم بخت مسلمان اگر کبھی بھولے سے کوئی نفع کا کام بھی کرتے ہیں تو اُس میں بھی اپنے (حسن سلیقہ) سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں کرتے کبھی ایک نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے تو جب تک اُس میں دس گناہ نہیں ملائے جاتے چین نہیں آتا آج کونسی نیک سے نیک اور ضروری سے ضروری کام ایسا نہیں جس کو ہماری بے پروائیوں نے

یہی مضمون دوسری تمام کتب فقہ میں مختصراً یا مفصلاً مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کسی میقات معین کے اوپر سے نہیں گذرتے بلکہ درمیانی راستوں میں سے کسی راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہیں، احرام کی پابندی ان پر بھی لازم ہے اور طریقہ ان کے لیے یہ ہے کہ وہ جس راستہ سے حِل صغیر کے اندر داخل ہو رہے ہیں، اس راستہ کا جو حصہ کسی میقات کی محاذات میں ہو، اسی جگہ سے احرام باندھ لیں۔ اگر راستہ ایسا ہے کہ ایک سے زائد میقاتوں کی محاذات راستہ میں آتی ہے، تو افضل یہ ہے کہ میقات ابعد کی محاذات سے احرام باندھیں اور اگر اس سے آگے بڑھ کر قریبی میقات کی محاذات سے احرام باندھ لیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اصل بنیاد اس حکم کی صحیح بخاری کی وہ حدیث مذکور ہے جس میں اہل عراق نے یہی سوال حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

| | |
|---|---|
| انظروحذوها من طریقکم | اپنے راستہ سے ان کی محاذات دیکھو پھر فاروق |
| ثم حدّ لہم ذات عرق | اعظمؓ نے (اس طریقے سے) ان کے لیے ذاتِ |
| (بخاری) | عرق کو میقات مقرر فرمایا۔ |

اس میں حضرت فاروق اعظمؓ نے دوسرے راستوں سے گزرنے والوں کے لیے ایک ضابطہ بنا دیا کہ ان کا راستہ جو حل صغیر میں داخل ہونے کا ہے، اس راستہ پر جہاں کسی میقات کی محاذات آجائے وہی ان لوگوں کے لیے میقات کے حکم میں ہے۔ یہاں سے مکہ کی طرف آگے بڑھنا بغیر احرام کے جائز نہیں۔

پھر اس ضابطہ کی رو سے اہل عراق کے لیے ان کے راستہ کے اس حصہ کو میقات قرار دیدیا جو قرن المنازل کے محاذات میں ہے، یعنی ذاتِ عرق۔

## محاذاتِ میقات کس طرح معلوم کی جائے؟

محاذات کے لغوی معنی مسامتت کے ہیں۔ جس کی تشریح شیخ ابن حجر ہیثمی مکی نے

لہ خط کشیدہ عبارت کا مفہوم کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نہیں ملتا۔

بجائے ثواب کے ہمارے لئے صورت عذاب نہ بنادی ہو آج اخبارات وجرائد اور اکثر مذہبی ادارے بھی اس غفلت شعاری کے بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔

## اخبارات ورسائل

اگر دنیاوی اصول پر نظر کی جائے تو اخبارات وجرائد نہایت مفید اور کارآمد ذرائع اشاعت ہیں۔ بلکہ آج کل قومی اور اجتماعی زندگی کا جزو بن گئے ہیں۔ سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کے لئے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ جگر پارہ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ہند بن ابی ہالہ ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وشمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال فسالته عن مخرجه كيف كان يصنع فيه. قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخزن لسانه الا فيما يعنيه ويولفهم ولا ينفرهم ويكرم كريم كل قوم ويوليه عليهم ويحذر الناس ويحترس منهم من غيران يطوى على احد منهم بشره ولا خلقه ويتفقد اصحابه ويسال الناس عما فى الناس ويحسن الحسن ويقويه ويقبح القبيح ويوهيه الحديث (شمائل ترمذی)

راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے سوال کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف لاتے تھے تو کیا طرز عمل ہوتا تھا حضرت ہند ابن ابی ہالہ نے فرمایا کہ حضور کی یہ عادت تھی کہ مفید اور ضروری کلام کے سوا ہر کلام سے اپنی زبان روکتے تھے اور آپ صحابہ کے ساتھ الفت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے ان کو متنفر ہونے کا موقع نہ دیتے تھے ہر قوم کے بڑے آدمی کی تعظیم فرماتے تھے اور اپنی طرف سے بھی اس کو قوم کا متولی اور امیر بنادیتے تھے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے اور لوگوں کے نیل جول سے بچتے تھے مگر اپنا حسن خلق اور خندہ پیشانی کسی سے نہ روکتے تھے اور اپنے صحابہ کی خبر گیری فرماتے تھے اور لوگوں کے ان واقعات کو دریافت کرتے تھے جو لوگوں میں پیش آتے تھے اور ان میں سے اچھی باتوں کی بھلائی اور بری کی برائی اور ضعف بیان کرتے تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں۔

كان اذا فقد الرجل من اخوانه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی بھائی

تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں بالفاظ ذیل کی ہے:۔

| | |
|---|---|
| (ومن سلك طريقا لا ينتهي الى ميقات فان حاذى) بالمعجمة (ميقاتا) اى سامته بان كان على يمينه او يساره ولا عبرة باامامه او خلفه (احرم من محاذاته) | محاذات کا مطلب یہ ہے کہ میقات اس کے دائیں یا بائیں آ جائے۔ سامنے اور پیچھے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ |

(تحفہ علی ہامش الحواشی الشروانیۃ ص۴۱ ج۴)

مطلب ظاہر ہے کہ محاذات سے مراد یہ ہے کہ میقات مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مسافر کی دائیں یا بائیں جانب آجائے اور جب تک میقات اس کے آگے رہے تو محاذات نہیں ہوئی اور جب اس کے پیچھے پڑ جائے تو محاذات سے تجاوز ہو گیا۔ مسائل نماز میں بھی محاذات کا یہی مطلب ہوتا ہے، اس کتاب میں اس کے بعد فرمایا ہے:۔

(لم تجز مجاوزته) الى جهة الحرم (بغير احرام) وخرج بقولنا الى جهة الحرم مالو جاوزه يمنة او يسرة فله ان يؤخر احرامه لكن بشرط ان يحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذلك الميقات كما قاله الماوردى وجزم به غيره وبه يعلم ان الجائى من اليمن فى البحر له ان يؤخر احرامه الى جدة لان مسافتها الى مكة كمسافة يلملم انتهى۔

عبارت مرقومہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مسافر جب راستہ میں کسی میقات کی محاذات پر پہنچا، مگر اس کو کسی وجہ سے اس میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانا نہیں ہے، بلکہ اس کا راستہ کسی دوسری سمت سے ہے تو اس کے لیے اس محاذات پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے، بلکہ جس راستہ سے اس کو مکہ مکرمہ کی

ثلاثة ایام سأل عنه فان کان غائبا دعا له وان کان شاهدا زاره وان کان مریضا عاده - رواه ابو یعلی فی مسنده

(صحابی) کو دیکھتے کہ تین روز سے ملے نہیں تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ وہ کہاں ہیں پھر اگر وہ سفر میں گئے ہوتے تو اُن کے لئے دعا فرماتے اور اگر حاضر ہوتے تو اُن کی ملاقات کو تشریف لے جاتے اور مریض ہوتے تو مزاج پرسی کرتے تھے۔

(از کنز العمال ص ۳۰ ج ۵)

(یہ دونوں حدیثیں اسوۂ نبوت میں خبروں کی تفتیش اور صحابہ کے واقعات اور حالات پر اطلاع کے پورے اہتمام کا اعلان کر رہی ہیں۔ آج کل امتِ مسلمہ کے حالات پر اطلاع کا ذریعہ اخبار ہے۔ اس لئے سنت تفقد (خبرگیری اہلِ اسلام) کے تحت میں آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی قومی شکایات و مظالم کو اس کے ذریعہ حکومت تک بآسانی پہونچایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ اس ذریعہ سے بسہولت کیا جاسکتا ہے تبلیغی ضرورتیں اس کے ذریعہ سے بخوبی ادا ہوسکتی ہیں۔

الغرض اخبارات دیگر اُمور کا وجود اپنے رنگ و روپ میں اور اپنے دنیاوی اصول کے مطابق ہو تو بہت سے عظیم الشان فوائد کا مجموعہ بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کا رکن اعظم ہے لیکن ہمارے شومی اعمال نے جہاں ہر نفع کو نقصان سے اور نیکی کو بدی سے بدل کر رکھا ہے اس مفید مسئلہ کو بھی نہایت مضر اور بدترین شکل میں تبدیل کر کے اثمهما اکبر من نفعهما[۵] کے حکم میں کر دیا ہے اور آج بہت سی دینی اور دنیوی مضرتوں کے علاوہ سب سے بڑی اور سب سے اہم مضرت وہ ہے جس سے کوئی اخبار خالی نہیں رہا اور جس کی وجہ سے اُس کا طوفان عالمگیر ہوگیا ہے۔

اوّل تو یہ کہ آج کل اخبار عموماً ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کو نہ دین و مذہب سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہمدردی اور اُس کے ساتھ ہی مسئلہ پر مجتہدانہ رائے پیش کرنے کو طیار جس کی وجہ سے لامذہبی اور ہر قسم کی بے دینی اخباروں کی اشاعت کا لازمی نتیجہ بن گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ اتحاد اسلامی اور باہمی یک جہتی، محبت و اخلاص کو فنا کرنے میں آج کل

---

[۵] اُن کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے ۱۲ ش

طرف جانا ہے، اس راستہ پر محاذات کو دیکھا جائے گا۔ کیونکہ محاذات میقات سے بغیر احرام تجاوز کرنا جو شرعاً ممنوع ہے، اس تجاوز سے مراد تجاوز الی جہۃ الحرم ہے۔ دوسری کسی سمت میں تجاوز ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جیسا کہ تحفہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا۔

اور غنیۃ الناسک میں مواقیت کی تعریف ہی اس طرح کی ہے۔

ھی المواضع التی لا یجوز ان یتجاوزھا الی مکۃ والحرام ولو لحاجۃ الا محرماً۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلا احرام تجاوز ممنوع وہ ہے جو تجاوز الی الحرم ہو، دوسری کسی جہت کی طرف تجاوز ممنوع نہیں۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس دوسری محاذات میں یہ ضروری ہے، کہ اس محاذات سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ کم سے کم اتنا ہی ہو جتنا اصل میقات سے فاصلہ ہے مثلاً کوئی شخص یلملم کی محاذات سے جدہ کی طرف بڑھا اور جدہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا قصد کیا تو اس کو احرام اس جگہ سے باندھنا چاہیے جہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ یلملم کے فاصلہ کی برابر ہو۔ اور حسبِ تصریح فقہاء یلملم کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے مرحلتین کا ہے اور جدہ کا فاصلہ بھی مرحلتین ہے تو دونوں فاصلے مساوی ہونے کی وجہ سے جدہ سے احرام باندھنا جائز ہوگا۔

محاذات کی یہ تفسیر لغوی معنی کے لحاظ سے بھی اقرب ہے اور فقہاء کی تفسیر سے بھی اسی کی ترجیح ہوتی ہے۔ صاحب بدائع کی ایک عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔

فاما اذا قصدھا من طریق غیر مسلوک فانہ یحرم اذا بلغ موضعاً یحاذی میقاتاً من ھذہ المواقیت لانہ اذا حاذی ذلک الموضع میقاتاً من المواقیت صار فی حکم الذی یحاذیہ فی القرب من مکۃ۔ (بدائع صـ۱۶۴ جـ۲)

اخبارات کا ایک بڑا حصہ ہے فرقہ دارانہ جنگ وجدل جس نے ہندوستان کو اختلافات کا جہنم بنا رکھا ہے اس کی بیشتر ذمہ داری انھیں اخبارات ورسائل پر ہے اور اس حقیقت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس جنگ کا نشوونما اخبارات کے ساتھ ساتھ ہوا اور جوں جوں اخبارات نے ترقی کی اختلافات اُن کے نتائج لازمہ کی طرح ساتھ ساتھ بڑھے آج سے پچاس برس پہلے ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مذہبی اصول وفروع پر قائم رہتے ہوئے باہم متحد ومتفق شیروشکر ہو کر جس طرح زندگی بسر کر سکتے تھے آج دو بھائی اور اولاد ووالدین کو ایسا اتحاد نصیب نہیں - آج ہر اخبار کا ایڈیٹر جب کسی جلسہ کی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوتا ہے یا کسی اخبار کا مقالہ لکھنے بیٹھتا ہے تو وہ اس فرقہ دارانہ جنگ اور باہمی اختلافات کا سخت ترین مخالف نظر آتا ہے اور لوگوں کو اُس سے بچانے کے لئے موٹے موٹے الفاظ کے بوجھ میں دبا دیتا ہے لیکن کاش کوئی ان کی خدمت میں یہ تو عرض کر دیتا کہ ؎

تا کے ملامت نگہ اشکبار من ... یکبار ہم نصیحت چشم سیاہ خویش

لہٰذا اگر واقعی وہ قوم کے ہمدرد ہیں اور اس کو اختلافات کے طوفان سے نکالنا چاہتے ہیں تو ذرا انصاف کے ساتھ اس کے اسباب پر نظر ڈالیں تو انھیں مشاہدہ ہو جائے گا کہ ؏ خود سنگ خودی ازراہ برخیز ۔ اور وہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے ؎

درد سر ما ہمیں سر ماست ... یارے کہ بود دشمن ماست دشمن ست

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اپنی اسلامی برادری کے اخبار واحوال پر مطلع ہونے اور کرنے کا اہتمام اس لئے فرماتے تھے کہ مطلع ہو کر مظلوم کی دادرسی - بیمار کی عیادت ضعفاء کی اعانت محتاجوں کی امداد کرنے کے لئے ہر قسم کی مادی اور روحانی ذرائع استعمال کئے جائیں اور اگر کسی مادی امداد پر قدرت نہ ہو تو کم از کم دعا سے اُس کے شریک غم ہو جائیں اور یہی تمام اسلامی تعلیمات کی رُوح اور مسلمانوں کی ترقیاتِ ماضیہ کا اصل راز ہے۔

لیکن آج اخبار وحالات اس لئے بہم پہنچائے جاتے ہیں کہ اگر کسی کا ایک عیب معلوم ہو تو اُس کو دس گُنا کر کے شائع کیا جائے دو شخصوں میں باہمی شکر رنجی معلوم ہو تو کسی ایک جانب کے وکیل ہو کر اختلافات کی خلیج کو وسیع تر کر دیں۔

## محاذات کی ایک دوسری تفسیر

علامہ داملا اخوندجان مرغینانی مہاجر مکیؒ نے مواقیت حج کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کی تاریخ تصنیف ۱۳۱۳ھ ہے اور ۱۳۲۳ھ میں تاشقند کے ایک پریس میں چھپا ہے۔ یہ رسالہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب سندھیؒ مہاجر مدنی نے احقر کو عطا فرمایا تھا۔ جو احقر کے پاس موجود ہے۔ اس رسالہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح حدود حرم کے ذریعہ تمام حلقہ حرم کی تعیین کی جاتی ہے۔ کہ حد حرم سے دوسری حد تک ایک خط ملایا جائے، اسی طرح تیسری چوتھی حدود کے باہم خطوط ملا کر ان خطوط کے درمیان جو رقبۂ زمین آتا ہے۔ وہ حرم کہلاتا ہے۔

اسی طرح مواقیت کے حلقے کو سمجھنا چاہیے۔ ایک میقات سے دوسرے میقات تک خط ملا کر یہ خط محاذات ہوگا۔ خط سے باہر آفاق اور خط کے اندر حل کہا جائے گا اس خط محاذات سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ کی طرف تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس کی شکل بھی رسالہ کے حاشیہ پر ایک مخمس کی صورت میں یہ دی ہے۔

ذات عرق — قرن المنازل — یلملم — جحفہ — ذوالحلیفہ — جدہ
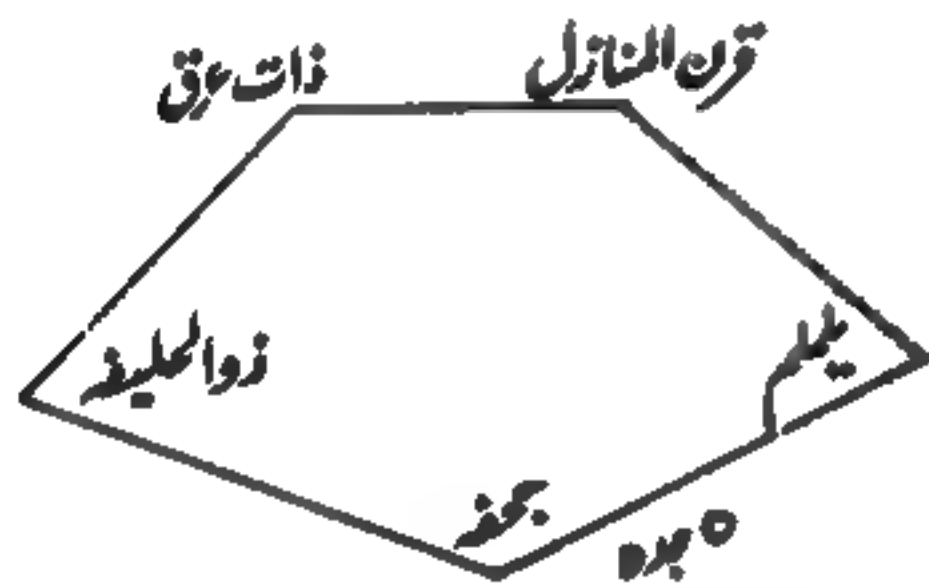
اس تفسیر محاذات کے مطابق یلملم سے جو خط جحفہ کے ساتھ ملایا جائے گا تو جدہ اس خط سے باہر کافی فاصلہ پر رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہر جدہ سے بھی آگے بحرہ کے قریب تک بلا احرام جا سکیں۔ محاذات کی یہ تفسیر اگرچہ قواعد محاذات کی رو سے تو معقول ہے مگر فقہاء کے کلام میں اس کی تائید نہیں ملتی، بلکہ اس کے خلاف یہ تصریحات اوپر گذر چکی ہیں کہ اہل یمن و بلاد مشرق کے باشندے جو جدہ کی طرف سے داخل حل ہوں تو ان پر یہ پابندی لازم ہے کہ جس قدر مسافت یلملم کی مکہ مکرمہ سے ہے اسی قدر مسافت اس طرف سے بھی ہونی چاہیے۔ مثلاً وہ مرحلتین ہے تو ادھر سے بھی مرحلتین کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ضروری ہے اور وہ جدہ پر ہی ہو سکتا ہے۔ جدہ سے آگے نہیں۔

الغرض جس اخبار کو اٹھائیے اس میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے تو جو معانی سب سے زیادہ اہتمام سے پیش ہوتی ہے وہ کسی مسلمان کا گوشت (عیب اور عیب جوئی) سا کوئی جھوٹا پروپیگنڈا ہوتا ہے یا کسی کا دلخراش استہزاء اور تمسخر جس کو لطائف یا افکار حوادث یا خواطر سوانح یا فکاہات کے عنوانات کے مہذب لباس میں پیش کیا جاتا ہے حالانکہ فرمان الٰہی لا یسخر قوم من قوم صاف اس کا اعلان کر رہا ہے کہ کسی شخص کو اس کا حق نہیں کہ دوسرے کا استہزاء و تمسخر کرے اکثر جھوٹی افواہوں اور بلا تحقیق خبروں کی بناء پر ایک مسلمان بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کے خلاف اعلان جہاد کر دیتے ہیں۔ نہ شریعت مطہرہ کا قانون مانع ہوتا ہے نہ سیاسی مصالح اور اخوت و اتحاد اسلامی کا لحاظ حالانکہ خدائے تعالیٰ کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آخری خطبہ میں عرفات کے عظیم الشان مجمع کے سامنے اعلان فرما دیا ہے کہ مسلمان کی عزت و آبرو کی رعایت و حفاظت ہر مسلمان پر حاضر و غائب ایسی ہی فرض ہے جیسے اس کے جان و مال کی۔ لیکن آہ کہ آج تمام ارباب قلم و اصحاب صحافت نے اپنے آپ کو ان تمام قوانین شرعیہ سے مستثنیٰ سمجھ لیا ہے اور کبھی دھیان تک نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں شاید کسی اخبار کا کوئی صفحہ بمشکل ان بے لذت گناہوں سے خالی ہوتا ہو ورنہ عام طور پر یہی وہ چیز ہے جس پر تمام زور صحافت ختم کیا جاتا ہے۔ ادھر اخبار بین طبقہ کی بد مذاقی نے اس کو اور بھی فروغ دے دیا کہ ان کے یہاں اخبار کے مقبول ہونے کی سب سے پہلی شرط یہی چیز ہے اور وہی اڈیٹر سب سے زیادہ اپنے فن کا ماہر سمجھا جاتا ہے جو اپنی من مانی باتوں کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بٹھانے میں اس کی پرواہ نہ کرے کہ ہمارا خیال شرعاً صحیح ہے یا غلط اور مسلمانوں کے لئے مفید ہے یا مضر اور جو اپنے مخالف کو نیچا دکھانے میں حلال و حرام کی بحث کو حرام سمجھتے ہیں۔

الغرض یہ مسلمانوں کی موجودہ بد مذاقی کی لمبی کہانی ہے جس کے لئے یہ صفحات نہ کافی ہیں اور نہ موزوں اس لئے ہم اس کی تفصیل کو خود ناظرین کے انصاف پر چھوڑتے ہوئے صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا واقعی آج کل کے اخبار اس طوفان بے تمیزی سے معمور ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کیا شریعت مطہرہ اس کو کسی حال میں جائز رکھ سکتی ہے اور کیا مسلمان اسلامی اصول اساسی کو چھوڑ کر کوئی دینی یا دنیوی ترقی کر سکتے ہیں۔ اور کیا اتحاد اسلامی کا راگ

والا اخوندجان کی عبارت اس کے متعلق یہ ہے:۔

ظاہر ان المسجد مشتمل علی البیت وحاولہ من کل جہۃ ومکۃ مشتمل بہما والحرم مشتمل بالثلاثۃ ممتد من کل جہۃ الی الحل الصغیر المحیط بالحرم ولاشك ان الحرم غیر مختص بالعلامات الموضوعۃ فی الطریق بل ھو السطح الممتد من کل جہۃ قربًا وبعدًا ولایتوھم احد ان الحرم المکانات المتصلۃ بالعلامات فقط وکل عاقل یفھم ان الاماکن بین العلامات من ارض الحرم مثلا العلامۃ عند التنعیم الی العلامۃ عند حدیبیۃ کلھا حرم لایقتل صیدہ ولایقطع شجرہ۔

ثم الحل الصغیر یبتدء من اطراف الحرم من کل جہۃ الی المواقیت کانہا مخمسۃ الشکل والحل الصغیر بین الحرم والحل الکبیر الذی ھو جمیع الآفاق والمواقیت بعض اجزاء الحل ولھذا یجوز لاھلھا تاخیر الاحرام الی قریب حد الحرم کما یجوز لاھل الحل الصغیر (الی قولہ) فتحصل من ذلك ان حرم الحرم ای المواقیت مثل الحرم المحیط بما فی جوفہ مثل الخطوط الممتدۃ بین النقاط فکما ان النقاط مواقیت فکذلك الخطوط بینھما والاجاز الدخول الی الحرم بلا احرام من بین المواقیت

(رسالہ اخوندجان ص۱۶۳ طبع تاشقند)

**پاکستان، ہندوستان اور مشرقی ممالک سے آنے والوں کا میقات!**

آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لیے راستے دو ہیں، ایک ہوائی دوسرا بحری، ہوائی جہازوں کا راستہ عمومًا

الا پنے والے زعماء اس بے راہی کے ذریعہ اپنے مقصد کے قریب پہنچ سکتے ہیں یقین کیجئے کہ اگر پھر مسلمانوں کی قسمت میں عروج لکھا ہے اور کسی وقت آنکھ کھولیں گے تو بے تامل کہہ اُٹھیں گے ۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی        کیں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

یہ موجودہ اخبارات کی خرابیوں کا اجمالی خاکہ ہے اگر تفصیل مع دلائل دیکھنے ہوں تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب کا رسالہ اخبار مبینی ملاحظہ فرمایا جائے اور اس کو بھی چھوڑ دیجئے تو مشاہدہ اور تجربہ سے زیادہ کوئی عادل گواہ نہیں ۔ آج حشرات الارض کی طرح ہزارہا اخبارات و رسائل کی اشاعت کے زمانہ کو اب سے پچاس برس پہلے زمانہ کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیئے کہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے ۔ دین اور دینی تعلیمات ۔ مذہب اور مذہبی روایات گویا فنا ہو ہی گئیں لیکن پوچھنا یہ ہے کہ کیا دنیا میں بھی کوئی ترقی کی ، اُن کی اقتصادی حالت کچھ درست ہوئی یا اور زیادہ خوفناک پستی ہی میں جا پڑی اُس کی پریشانیوں میں کمی آئی یا اور دس گنا اضافہ ہو گیا ۔

اس کا جواب اگر آپ نہ دیں گے تو سینکڑوں تعلیم یافتہ بے کاروں کے غول اور روز افزوں فاقہ کشوں کی تعداد اور مصیبت زدوں کی خاک کے ڈھیر بول اُٹھیں گے کہ یہ ترقی کے راگ محض بے ہنگامہ اور کوشش محض بے اصول اور غلط ہے ۔ اگر اربابِ صحافت اس کو بھی ترقی کہیں تو اُس کی حقیقت اس سے زائد نہ ہوگی کہ ۔

گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اُس کا        پائنیر لکھتا ہے کہ بیمار کا حال اچھا ہے

مسلم بات ہے کہ فتنہ علم ہمیشہ فتنہ جہل سے زیادہ شدید ہوتا ہے ۔ اخباری فتنہ چونکہ علمی فتنہ کے رنگ میں ہے اس لئے اس کی مضرتیں بھی دنیائے اسلام کو زیادہ پہنچیں ۔ انھیں مفاسد پر نظر کرتے ہوئے عرصہ ہوا کہ حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے ایک رسالہ اخبار مبینی کے نام سے شائع کیا تھا جس میں عوام کو ان دنیوی مفاسد اور مذہبی گناہوں پر دلائل کے ساتھ متنبہ فرمایا تھا جس میں اخباری ادارے نہ خود تنہا گرفتار ہیں بلکہ اُن کی اشاعت کے ذریعہ ہزارہا مسلمانوں

خشکی کے اوپر سے براہ قرن المنازل ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق، دونوں میقاتوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اول حل میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اور پھر جدہ پہنچتے ہیں۔ اس لیے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہے، اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گزرے گا، اس لیے اہل پاکستان اور ہندوستان کے لیے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں۔ اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا، جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا۔ بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں۔

چین، انڈونیشیا، جاوا وغیرہ کے ہوائی جہاز بھی اگر خشکی پر پرواز کریں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں اگر ان کے جہاز خشکی کے بجائے سمندر کے اوپر سے پرواز کرکے جدہ پہنچیں تو ان کا حکم وہ ہوگا، جو بحری جہاز سے آنے والوں کا ابھی لکھا جائے گا۔

مشرقی ممالک کے لیے دوسرا راستہ بحری سفر کا ہے۔ اس راستہ سے جانے والے بحری جہاز قدیم زمانے میں تو یلملم کے ساحل پر آتے تھے جو یمن کا ایک حصہ ہے اور اہل یمن کی طرح وہ بھی میقات یلملم سے گزر کر حل میں پھر حرم اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تھے، اسی لیے عام فقہاء کی تصریحات بھی ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور تمام بلاد مشرق کا میقات یلملم ہے۔ لیکن مدت دراز سے یہ ساحل متروک ہوگیا۔ اب بحری جہاز یہاں نہیں ٹھہرتے۔ بلکہ ساحل یلملم سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر محاذات یلملم سے گزرتے ہوئے سمندر ہی میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ساحل جدہ پر قیام کرتے ہیں۔ جدہ ہی سے سب مسافر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

اس صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والے مسافروں کے راستے میں عین میقات تو کوئی پڑتا نہیں البتہ محاذات میقات یلملم سے

کو اُن میں مبتلا کر کے مزید ذمہ داری اپنے سر لئے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جو اخبار ان مذہبی گناہوں اور دینی و دنیوی مفاسد سے خالی ہوں یا جو اخبار بین حضرات ان مفاسد سے بچ سکیں اُن کے لئے اخبار نویسی اور اخبار بینی کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ مگر چونکہ عام طور پر اُن مفاسد سے بچنا سخت دشوار تھا اس لئے عوام کو یہی مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ بلا ضرورت اخبار بینی سے اجتناب کریں۔

لیکن دنیا کا مذاق بدل چکا ہے۔ اخبار ضروریات زندگی میں داخل کر لیا گیا ہے اس مشورہ کا اُن پر وہی اثر ہوا جو کسی حقہ یا سگار کے عادی پر اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کا اثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ ارباب صحافت کی خدمت میں ایک آخری گذارش مخلصانہ اور کی جائے کہ خدا کے لئے سنبھلو اور مسلمانوں کو سنبھالو۔

اخبار کی ادارت کے لئے جس طرح اُس کے اصول و ضوابط اور پروپیگنڈے کے طریق آپ یورپین تعلیمات سے حاصل کرتے ہیں اور حاصل کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح خدا کے لئے یہ بھی سوچئے کہ اشاعت و ادارت کے کچھ مذہبی اور شرعی فرائض بھی ہیں جن کی رعایت نہ کرنے سے اخبارات سینکڑوں مضرات اور گناہوں کا مجموعہ بن رہے ہیں اس لئے اس وقت وہ آداب و اصول قلمبند کئے جاتے ہیں جو اخبار نویسی میں اہم ترین مذہبی فرض ہے۔ شاید اسی طرح ان بے لذت گناہوں کے عالمگیر طوفان سے دنیائے اسلام کو نجات ملے جو اخباروں کی صورت میں بحر و بر پر تسلط کئے ہوئے ہیں ؎

گریہ شام سے تو کچھ نہ ہوا  اُن تک اب نالۂ سحر جائیں

دیکھئے کس نیک بخت کی قسمت میں یہ سعادت مقدر ہے کہ اخباری دنیا کے شرعی آداب و اصول کی پابندی کر کے دنیا میں اس کی نظیر قائم کر دے کہ مذہبی اصول کے ماتحت اس طرح اخبار چلایا جا سکتا ہے۔

## آداب الاخبار

اس باب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہٖ وہی حکم

دو جگہ ہوتی ہے۔ ایک درمیان سفر یلملم کے مقابل سے گزرتے ہوئے، دوسرے سفر کے اختتام پر جدہ میں، سابقہ تحریر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کسی میقات، یا اس کی محاذات سے بلا احرام تجاوز کرنا جو ممنوع و ناجائز اور موجب دم ہے، وہ اس وقت ہے جبکہ یہ ان کا تجاوز الی جہۃ الحرم ہو اور اگر اس محاذات سے سمندر ہی میں آگے بڑھتا ہوا آفاق ہی کے اندر سفر کرے تو یہ تجاوز عن المیقات اور موجب دم نہیں ہوگا، جیسا کہ تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے اس کی تصریح پہلے آچکی ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

وخرج بقولنا الی جھۃ الحرم مالو جاوزہ یمنۃ او یسرۃ فلہ ان یؤخر احرامہ لکن بشرط ان یحرم من محل مسافتہ الی مکۃ مثل مسافۃ ذلک المیقات کما قالہ الماوردی وجزم بہ غیرہ و بہ یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر لہ ان یؤخر احرامہ من محاذاۃ یلملم الی جدۃ لان مسافتھا الی مکۃ کمسافۃ یلملم کما صرحوا بہ (تحفہ علی ہامش الحواشی الشروانیہ ص۴۲ ج ۴)

اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرقی ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والوں کے لیے محاذات یلملم پر احرام باندھنا واجب نہیں۔ ہاں کوئی یہیں پر احرام باندھے تو افضل ہونے میں شبہ نہیں۔ کیونکہ میقات سے جتنا پہلے کوئی احرام باندھے اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔

اب قابل غور سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب ان لوگوں پر محاذات یلملم سے احرام باندھنا واجب نہ ہوا تو پھر کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا۔ جہاں سے تجاوز بلا احرام جائز نہیں۔

**جدہ سے احرام باندھنے کا مسئلہ** | یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ خشکی کے اوپر سے جدہ پہنچنے کے

رکھتا ہے جز زبان سے لکھنے کا ہے جس کلام کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اُس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے اور جس کا بولنا گناہ ہے اُس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہو جاتی ہے کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گذرتی رہتی ہے اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی اور لوگ اُس کے اچھے یا بُرے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے اُس وقت تک کاتب کے لئے اس کا ثواب یا عذاب برابر جاری رہے گا جیسا کہ بعض روایات میں تصریح مذکور ہے کہ جو شخص کسی کاغذ میں درود شریف لکھتا ہے تو جب تک یہ تحریر باقی رہے گی اُس وقت تک اُس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ اسی طرح ناجائز کلام کے نتائج بد کا کاتب کے لئے پہنچتا رہنا بھی دوسری احادیث میں صاف مذکور ہے۔ اس لئے ہر مضمون نگار کا فرض ہے کہ ہر مضمون پر قلم اُٹھانے سے پہلے اُس کو مندرجہ ذیل معیار پر جانچ لے اور درحقیقت یہی معیار تمام اُن آداب کی مجمل تصویر ہے جن کی تفصیل ہم اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

# ایک زریں اصول

مضمون نگاری اور اخبار نویسی میں مذہبی جرائم اور شرعی گرفت سے بچنے کا سب سے بہتر ذریعہ اور جامع مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے کا ارادہ کرے پہلے اپنے ذہن میں استفسار کرے کہ اس کا لکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے ورنہ محض لوگوں کو خوش کرنے کے لئے گناہ میں ہاتھ رنگ کر برائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک نہ کاٹے۔ اور اگر خود احکام شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفسار کرنا ضروری ہے یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو فقط اخبار نویسی میں بلکہ ہر قسم کی تحریر میں ہر مسلمان کا مطمح نظر ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور مصائب پر مشتمل ہو اس کو اس وقت تک ہرگز

لیے میقات قرن المنازل اور میقات ذات عرق کے اوپر سے گزرنا ہوتا ہے اس لیے ہوائی جہاز کے مسافروں کو بلا احرام جانا جائز نہیں۔ پاکستان، ہندوستان والوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں۔

البتہ غور طلب مسئلہ بحری جہازوں کا اور ان کے مسافروں کا ہے کہ جب میقات یلملم کی محاذات سے احرام واجب نہ ہوا تو اب کہاں واجب ہوگا۔

دا ملا اخوندجان کی تحریر کے مطابق تو یہ مقام جدہ شہر سے بھی کچھ آگے چل کر آئے گا مگر فقہاء کی تصریحات اس سے مختلف ہیں۔ عام فقہاء کے نزدیک جدہ کی طرف سے جانے والے مشرقی مسافروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مقام پر احرام باندھیں جس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے اس فاصلہ سے کم نہ ہو جو یلملم اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہے اب یہ مقام کونسا ہوگا۔ اس کے متعلق علامہ ابن حجر مکی کی کتاب تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے یہ تصریح ابھی گذر چکی ہے کہ یہ مقام جدہ ہے، کیونکہ مسافت جدہ کی مکہ مکرمہ سے اوتنی ہی ہے جتنی یلملم کی مکہ مکرمہ سے ہے۔

له ان یؤخر احرامه من محاذات یلملم الی جدة لان مسافتها الی مکة کمسافة یلملم۔

علامہ ابن حجر مکی کی تصریحات بالا سے تو یہ معلوم ہوا کہ حقیقی محاذات اس طرف سے معلوم کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ مسافت مرحلتین کا اعتبار کیا جائے جس طرح یلملم سے مکہ مکرمہ دو مرحلے پر ہے اسی طرح جدہ سے دو مرحلہ ہے۔ اس لیے مسافت برابر ہونے کی وجہ سے جدہ ہی محاذات یلملم قرار دیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی قدر فرق کے ساتھ اس کی موافقت فرمائی وہ یہ کہ اگر حقیقی محاذات کا علم نہ ہو تو پھر دو مرحلے کی مسافت کا اعتبار کر کے جدہ ہی کو بحکم میقات سمجھا جائے گا۔ ان کے الفاظ مناسک ملا علی قاری میں یہ ہیں:۔

فان لم یعلم المحاذاة . فعلی مرحلتین من مکة

شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے کیونکہ جھوٹا الزام لگانا یا افتراء باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں لیکن آہ کہ آج اہلِ قلم اس سے غافل ہیں اور اخبار کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ شہادتِ شرعیہ ضروری ہے کیونکہ دورِ حاضر کے موجودہ تمام اخبارات کے صدہا تجربات نے اس بات کو ناقابلِ انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے اور کبھی سہواً خطأً ہو جاتی ہے اس لئے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت و عیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور درجِ اخبار کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت بھی اسلامی فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے اگر سمجھانے کو نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو جبر اس کو روک دیں ورنہ کلمۂ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا علاوہ نہی شرعی کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے اور اس لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر اپنے بھائی مسلمان کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رسوا نہ کرے بلکہ پردہ پوشی سے کام لے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ایک محرر نے ایک روز اُن سے بیان کیا کہ ہمارے بعض پڑوسی شراب پیتے ہیں میرا خیال ہے کہ میں محکمۂ احتساب (پولیس) میں اس کی اطلاع کر دوں۔ حضرت عقبہ رضہ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو بلکہ اُن کو سمجھاؤ اور ڈراؤ۔ محرر نے

كجدة المحروسة من طرف البحر (ارشاد الساری ص۵۶)

اسی طرح غنیۃ الناسک میں بحوالہ طوالع لکھا ہے:۔

وان لم يعلم المحاذاة. فعلى مرحلتين عرفيتين من مكة كجدة من طرف البحر فانها على مرحلتين عرفيتين من مكة وثلث مراحل شرعية طوالع (غنیۃ الناسک ص۲۶)

اسی طرح فقیہ العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اب سے پچاس سال پہلے ۱۳۳۵ھ میں یہی فتویٰ دیا تھا کہ حقیقی محاذات معلوم نہ ہونے کے سبب جدہ ہی کو میقات قرار دیا جائے گا۔

امداد الفتاویٰ تتمہ خامسہ طبع قدیم کے ص۱۲۹ پر اور طبع جدید کی جلد دوم ص۱۴۰ میں ان کا یہ ارشاد بالفاظ ذیل منقول ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج کا احرام کہاں سے باندھے گا، تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا۔

مناسک ملا علی قاری میں عبارت موجود ہے۔ وان لم يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر۔ اور یہ ظاہر ہے، اہل ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقے سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا جدہ ان کے لیے میقات ہے۔

۱۷ شعبان ۱۳۳۴ھ۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ان سے زبانی بھی اس کی تصدیق ہوئی، کہ حضرت مولانا موصوف اہل ہند کے لیے بحری جہاز سے آنے کی صورت میں جدہ ہی کو ان کا میقات قرار دیتے تھے۔ یہ تمام اقوال سابقہ اس پر تو متفق ہیں، کہ مکہ مکرمہ کی مسافت یلملم اور جدہ سے مساوی یعنی مرحلتین ہے۔ علامہ ابن حجر مکی اس

عرض کیا کہ میں یہ سب کچھ کر چکا ہوں وہ باز نہیں آتے اس لئے میں تو اب پولیس میں اطلاع کروں گا۔ حضرت عقبہ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ :۔

من ستر عورة فکانما احیا موؤدة فی قبرھا رواہ ابو داود والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد

(ترغیب و ترہیب ص ۱۳۳ ج ۳)

جو شخص کسی کا عیب چھپاتا ہے وہ اتنا ثواب پاتا ہے جیسے کوئی زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو دوبارہ زندہ کردے۔

(ترغیب و ترہیب)

حضرت مخلد بن مسلمہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں والیٔ مصر تھا تو ایک روز دربان نے مجھے اطلاع دی کہ ایک اعرابی دروازہ پر حاضر ہے اور آپ سے ملنے کی اجازت چاہتا ہے میں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ تم کون ہو تو آنے والے نے جواب دیا کہ "جابر بن عبداللہ" میں نے حضرت جابر رضؓ کا نام سُن کر بالاخانہ سے نیچے دیکھ کر کہا کہ کیا تو آپ اوپر آجائیں یا میں نیچے آتا ہوں۔ حضرت جابر رضؓ نے فرمایا کہ دونوں باتوں کی ضرورت نہیں میں تو صرف ایک حدیث کے متعلق آپ سے تحقیق کرنے آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کے متعلق روایت کرتے ہیں۔ مخلد بن مسلمہؓ نے فرمایا ہاں! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے تو گویا وہ ایک زندہ درگور کو اس کی قبر سے نکالتا ہے۔ حضرت جابر رضؓ یہ سنتے ہی اونٹ پر سوار ہوئے اور رخصت ہوگئے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط (از ترغیب و ترہیب ص ۱۰۴)

اور حضرت ابن عباس رضؓ آں حضرت سے روایت فرماتے ہیں :۔

من ستر عورة اخیہ ستر اللہ عورتہ یوم القیامة ومن کشف عورة اخیہ کشف اللہ عورتہ حتی یفضحہ بہا فی بیتہ رواہ ابن ماجة باسناد حسن۔

جو شخص اپنے بھائی کا عیب چھپائے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب قیامت کے دن چھپائیں گے اور جو شخص اپنے بھائی کے عیب کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کو گھر کے اندر

مرحلتین کو عین محاذات قرار دے کر جدہ سے احرام کو جائز لکھتے ہیں اور ملا علی قاری اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اس بنا پر جدہ کو قائم مقام محاذات کا قرار دیتے ہیں کہ اصل محاذات کا علم نہیں، اس لیے مسافت کا اعتبار کر کے مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پہلے احرام باندھنا واجب ہے اور جدہ چونکہ دو مرحلہ کی مسافت پر ہے۔ اس لیے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہوگیا۔

ان تمام عبارات مرقومہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرات فقہاء نے اس مسافت کی تعیین میں میلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا بلکہ مراحل کا اعتبار کیا ہے، اور مراحل کی مسافت میلوں کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے، کہ فتح الباری وعمدۃ القاری میں بحوالہ ابن حزم یلملم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے اور بعض علماء نے چالیس میل بھی فرمایا ہے اور آج کل کے پیمائش کرنے والوں نے باون تک بتلایا ہے۔ پھر اسی کو سب نے مرحلتین بھی فرمایا ہے اور قرن المنازل کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے مخدوم ہاشم سندھیؒ نے حیات القلوب میں بحوالہ باقانی شرح ملتقی الابحر پچاس میل بتلایا ہے۔ اور اس کو بھی تمام فقہاء نے مرحلتین ہی فرمایا ہے کما فی البحر الرائق۔

اسی طرح ذات عرق کو بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پر لکھا ہے۔ ارشاد الساری ص۵۵ والنووی شرح مسلم، تحفہ ابن حجر کی۔ اور میلوں میں اس کا فاصلہ قسطلانی اور فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل بتلایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ میلوں کے اعتبار سے فاصلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ تیس میل کو بھی دو مرحلے قرار دیا پچاس میل کو بھی۔ بیالیس میل کو بھی اور اعتبار مراحل کا کر کے ان کی مسافتوں کو مکہ مکرمہ سے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

جدہ کو میقات اہل یمن و اہل مشرق قرار دینا اسی اصول پر مبنی ہے، کہ مسافت مرحلتین پر ہے۔ اب میلوں کے اعتبار سے کتنا ہے۔ اس کی تحقیق ضروری نہیں رہی۔ آجکل کی پیمائش کے اعتبار سے جدہ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تقریباً چھیالیس میل ہے۔

بیٹھے ہوئے رسوا کر دیتے ہیں۔ (ترغیب ترہیب ص ۳۴-۱۰۱)

الغرض کسی مسلمان کا کوئی عیب یا گناہ مشاہدہ یا حجت شرعیہ سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اُس کو سمجھائے کیونکہ یہی طرز زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا ایسا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو اکہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اُس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے)

امام تفسیر مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت یا شکایت کرے لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اُس کے لئے جائز ہے کہ ظالم کی شکایت کرے اور اپنے معاملہ کا اعلان کرے اور اس کے ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اُس کی دادرسی کر سکیں۔

(۵) اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اُس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے اُس کا جواب یہ ہے اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے کیوں کہ ابھی تک کسی حجت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اُسی شخص کا ہے۔

(۶) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو اُس کی اشاعت جائز ہے مگر اس شرط سے کہ اُس کی اشاعت کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز اُن لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کے نقصانات کی طرف اُس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ

## میقات یلملم کے فاصلہ میں اختلاف کی وجہ

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس جگہ مسافت میں مراحل کا اعتبار ہے۔ میلوں کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم میلوں کا فاصلہ بھی اکثر فقہاء و علماء لکھتے چلے آئے ہیں۔ شرح بخاری، عمدۃ القاری، فتح الباری وغیرہ میں تو بحوالہ ابن حزم یہ فاصلہ تیس میل بتلایا ہے اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام و نور الظلام صـ۵ ج ۱ میں یہ فاصلہ چالیس میل لکھا ہے۔ اور آجکل بعض اہل فن نے یہ فاصلہ باون میل کا بتلایا ہے۔ اس اختلاف کا اصل منشاء موجود ہے جو تحفہ شرح منہاج کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے بتلایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

وقد علمت ان یلملم جبل محاذ للسعدیۃ وسمعت ان بحذاء السعدیۃ جبلین احدھما بین طرفیھا المحاذی لمکۃ بینہ وبین مکۃ اکثر من مرحلتین والثانی ممتد لجھۃ مکۃ بینہ وبین مکۃ باعتبار طرفہ الذی بجھتھا مرحلتان فاقل۔ (حواشی شروانیہ صـ۴۶ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یلملم اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جو سعدیہ کے محاذ میں واقع ہے اور وہ دو پہاڑ ہیں، ایک کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے میلوں کے اعتبار سے دو مرحلے سے زیادہ ہے۔ دوسرے کا فاصلہ دو مرحلے سے بھی کم معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم نے اس دوسرے فاصلہ کا اعتبار کر کے تیس میل بتلایا ہے اور جنھوں نے پہلے فاصلہ کو لیا انھوں نے چالیس پچاس میل تک کا فاصلہ قرار دیا۔

## میقات جدہ کے متعلق علماء کا اختلاف

تحفہ شرح منہاج ابن حجر مکی کے حوالہ سے جو بات اوپر لکھی گئی ہے کہ جدہ کی مسافت بھی یلملم کی مسافت کے مساوی ہے۔ اس لیے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہے، اس کتاب کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے اس وقت کے

الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْابِہٖ میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے لیکن مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اس کو بھی محض خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے ۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ :

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ۔ انسان کے اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ بیفائدہ کاموں کو چھوڑ دے ۔

**کوئی خبر خود مقصود نہیں ہوتی**

ادھر یہ بھی عقلاً ثابت ہے کہ کوئی خبر خود مقصود و مطلوب نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کسی انشاء کا ذریعہ ہو کر مقصود کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور در اصل مقصود کوئی کام ہوتا ہے جو اس خبر سے متعلق ہو اس لئے بہتر ہے کہ نتائج اخبار کو بھی ذکر کر کے اس کے افادہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ مثلاً آپ کسی شخص کے متعلق یہ خبر درج کرتے ہیں کہ اس نے چند ہزار روپیہ کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی دوسرے نیک کام میں صرف کیا تو اس کے بعد اس شخص کے لئے دعائے ترقی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی ترغیب کر دیجئے یا مسلمانوں کی کسی جماعت یا ایک شخص کی مصیبت کا ذکر آیا تو خود بھی دعا کر اور مسلمانوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے نیز یہ کہ جس سے ہوسکے اس کی مادی امداد بھی کرے کسی کی موت کا ذکر کیا ہے تو لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کہ عبرت حاصل کریں ، اور اپنے لئے اسی وقت کے واسطے سامان تیار کریں۔

الغرض روز مرہ کے واقعات و حوادث چشم بینا کے لئے بہترین وعظ ہیں لیکن اس کی ضرورت ہے کہ لوگوں کو اس پر متنبہ کیا جائے ۔ حضرت شیخ العرب و العجم مولانا محمود حسن صاحب محدث دیوبندی نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

اوّل تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو جس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کے مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے ۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض اوقات مزاح (خوش طبعی) فرمانا اسی حکمت پر مبنی تھا اور ایک حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ علامہ شبلی مفتی مکہ اور فقیہ احمد بلحاج اور ابن زیاد یمنی وغیرہ علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے جو تحفہ میں لکھا ہے، یعنی جدہ سے احرام باندھنے کو درست و جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل یمن کے بعض علماء عبداللہ بن عمر بالخرم، محمد بن ابی بکر اشخر، شیخ عبدالرؤف کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ ان حضرات کا قول یہ ہے کہ جدہ کی مسافت مکہ مکرمہ تک بہ نسبت مسافت یلملم کے کم ہے، اس لیے حجاج کو چاہیے کہ ساحل جدہ میں اترنے سے پہلے جس جگہ سے جہاز ساحل جدہ اور حرم کی طرف رخ موڑتا ہے وہاں سے احرام باندھ لیں۔ ساحل جدہ تک مؤخر نہ کریں۔ ان کے الفاظ بحوالہ وفائی یہ ہیں:-

عبارة الوفائی فله ان یؤخر احرامه من محاذاة یلملم الی رأس العلم المعروف قبل مرسی جدة وهو حال توجه السفینة الی جهة الحرم ولیس له ان یؤخر الی جدة لانها اقرب من یلملم بنحو الربع وقولهم ان جدة و یلملم مرحلتان مرادهم ان کلا لا ینقص عن مرحلتین وان تفاوتت المسافتان کما حققه من سلك الطریق الخ (ص۴۵ ج۴)

## علماء عصر کی مجلس میں اس مسئلہ پر بحث

دار العلوم کراچی، مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی، مدرسہ اشرف المدارس کراچی کے اہل علم و فتویٰ نے عرصہ سے ایک مجلس کی تشکیل کی ہوئی ہے جس کی غرض ایسے ہی جدید و قدیم مسائل پر بحث کر کے کوئی جہت متعین کرنا ہے۔ جس کا کوئی صریح حکم قرآن و سنت اور ائمہ فقہاء کے کلام میں موجود نہیں اور علماء عصر کی رائیں ان میں مختلف ہیں، اب تک اس مجلس میں بہت سے اہم مسائل پر بحث ہو کر متفقہ رائے سے احکام مع تفصیل دلائل لکھ دیے گئے جو مستقل رسالوں کی صورت میں شائع ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔

ارشاد فرمایا ہے کہ :-

| | |
|---|---|
| اجمعوا ھذہ القلوب فاطلبوا | ان قلوب کو بھی تھوڑی دیر (غور و فکر) سے مہلت |
| لھا طرق الحکمۃ فانھا تمل کما تمل | دیا کرو اس طرح کہ ان کے لئے حکمت کی لطیف و عجیب |
| الابدان رواہ ابن عبد البر فی العلم و | باتیں تلاش کرو جن سے قلبی تکان رفع ہو، اس لئے |
| الخرائطی فی مکارم الاخلاق وابن السمعانی | کہ قلوب بھی ایسے تھک جاتے ہیں جیسے بدن |
| فی الدلائل کذا فی کنز العمال ص ۱۲۶ ج ۲ | تھکتے ہیں۔ |

(۷) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں وہ شائع ہوں اُسی میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دیے جائیں آئندہ پرچہ پر اس کو حوالہ نہ کیا جائے کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گزرتے خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہوگئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرتا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں اور جائز طریق پر اُن کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص ہے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور مذہب کے ہمدردی رکھنے والا ہو ورنہ ظاہر ہے کہ اخبارات اشاعت بے دینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

(۱۰) کسی ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جاوے۔

یہ مختصر گذارش ہے جو محض دلسوزی اور ہمدردی پر مبنی ہے اگرچہ زمانہ کی مسموم ہواؤں کا رگر ہونے کی توقع نہیں لیکن ہاں اُمید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندے کو عمل اور اصلاح کی توفیق عطا فرمادیں۔

یہ مسئلہ بھی مجلس میں زیر بحث آیا۔ اور متعدد مجالس میں بحث وتمحیص کے باوجود سب کا اتفاق کسی جانب نہیں ہوسکا۔ کچھ رائیں مختلف رہیں۔ چونکہ ایسا اختلاف کوئی نئی چیز نہیں، ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر آج کل اس طرح کے اختلاف کو عموماً ایک افتراق بنالیا جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس مختلف فیہ مسئلہ میں جن حضرات نے اختلاف کیا ہے ان کی رائے مع ان کے دلائل کے لکھ دی جائے۔ تاکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ علماء کا اختلاف کس طرح ہوا کرتا ہے اور اختلاف علماء کے وقت عوام کے لیے طریقۂ کار کیا ہے۔

## حضرت علامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ رسالہ الیواقیت فی احکام المواقیت مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم وزیدت حسناتہم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا اور کچھ حصہ حضرت مصنف سے زبانی سنا اور بحری حجاج مسافروں کے لیے جدہ سے جواز احرام کا مسئلہ ہماری مجلس فقہی کی متعدد مجالس میں زیر بحث آیا اور کافی غور و خوض ہوا۔ اور تحفۃ المحتاج شرح المنہاج کی عبارت اور مخدوم ہاشم سندھی وغیرہ کی عبارات وآراء پر بھی غور ہوا اور بہت عرصہ پہلے انفرادی طور پر بھی بارہا غور کیا۔ کبھی انشراح صدر نہیں ہوا کہ جدہ سے احرام کی جواز کی صورت درست ہوسکتی ہے، جو کچھ فہم قاصر میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

سرزمین حرم یا مکہ معظمہ میں آنے والوں کے لیے دنیا کے کسی گوشے سے آئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود مقرر فرمادی ہیں۔ بلا احرام ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ بیت اللہ الحرام کے شمال سے آنے والوں کے لیے ذی الحلیفہ ہے، مغرب سے آنے والوں کے لیے جحفہ ہے (جدید نام رابغ) جنوب سے آنے والوں کے لیے یمن کی سرزمین جبل یلملم ہے (جدید نام جبل سعدیہ) جنوب مشرق سے آنے والوں کے لیے قرن المنازل ہے اور شمال مشرق سے آنے والوں کے لیے ذات عرق ہے۔

(جدید نام مقام عتیق)۔ اب یا تو انہی مقامات پر گزر ہوگا تو انہی مقامات سے احرام باندھنا ہوگا یا ان سے فاصلے سے گزرنا ہوگا تو دائیں یا بائیں یہ مقامات واقع ہوں گے۔ ان کی محاذات و مسافت سے احرام باندھنا ہوگا۔

اگر محاذات کی جگہ متعین نہ ہو سکے اور علم یا ظن غالب سے تعین ممکن نہ ہو تو اس وقت ایسے مقام سے احرام باندھنا ہوگا جس کا فاصلہ کم از کم دو مرحلہ عرفیہ یا تین مراحل شرعیہ ہوں۔ کیونکہ قریب ترین مواقیت کا فاصلہ اتنا ہی ہے ظاہر ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے تجاوز جائز ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ محاذات میقات مجہول ہو، نیز جب تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق داخل میقات ہے اب جو شخص بحری سفر کر رہا ہو، محاذات میقات سے بلا احرام گزرے گا، اور داخل میقات کے مقام پر پہنچے گا۔ اس پر تجاوز عن المیقات بلا احرام کا حکم لگے گا، رہا کہ محاذات کا علم صحیح طریقہ سے ممکن نہیں، یہ بات صحیح نہیں۔ آج کل کے آلات اور نقشہ جات اور جہاز رانوں کی معلومات کے پیش نظر یہ محض خیال خام ہے۔ نیز آج کل پاکستان سے جو جہاز جاتے ہیں۔ جہاز ران تمام مسلمان ہوتے ہیں، اطلاع دینے والے کافر کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن حجر ہیتمی کی کا یہ فرمانا کہ جب تجاوز یمنۃً و یسرۃً یعنی دائیں بائیں ایسے حال میں ہو کہ مسافر کا رخ مکہ کے سمت میں نہ ہو اور جب رخ مکہ کی طرف ہو اس وقت محاذات میقات سے احرام باندھنا ہوگا۔ قابل اطمینان نہیں ہے۔ جب مسافر کا قصد مکہ ہی ہے اور آگے چل کر صحیح تعین محاذات مشکل ہو، پھر متعین محاذات کو چھوڑنا غیر معقول ہے۔ جبکہ میقات سے اور محاذات میقات سے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہو۔ اور اسی وجہ سے ابن حجر مکی کے چند شارحین نے ان کی رائے کی مخالفت کی ہے۔ اگرچہ مدار خلاف کچھ اور ہے۔ صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لیے کہ مسافت جدہ اور یلملم سے برابر ہے، جدہ سے احرام باندھنے کے لیے کافی نہیں یہ تو صرف اسی وقت حکم ہے کہ محاذات میقات کا تعین نہ ہو سکے، بہرحال جو کچھ ابن حجر ہیتمی

القول السدید فی
تحقیق میراث الحفید
الملقب بارغام العنید

# یتیم پوتے کی میراث

تاریخ تصنیف : جنوری سنہ ۱۹۵۳ء
مقام تصنیف : لاہور
ناشر اوّل : جامعہ اشرفیہ لاہور




Marfat.com

نے فرمایا ہے، وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے اور تعجب ہے کہ موصوف نے دعویٰ کی تائید یا تدلیل میں کوئی فقہی یا حدیثی دلیل پیش نہیں فرمائی۔ اس لیے موصوف کا دعویٰ بلا دلیل پر اتنی بڑی بنیاد قائم کرنا صحیح نہیں اور میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ ورنہ دم لازم آئے گا۔ اور توبہ بھی کرنا پڑے گی۔

## مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدرسہ اشرف المدارس کی رائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ط بندہ نے مسئلہ محاذات میقات پر فقہیاً و حدیثاً، اجتماعاً و انفراداً جب بھی غور کیا تو ہر دفعہ یہی نتیجہ نکلا کہ محاذات بصورت دائرہ لی جائے گی۔ یعنی مکہ مکرمہ سے جس مقام کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے میقات کے فاصلے سے برابر ہوگا۔ وہ مقام محاذی میقات کہلائے گا۔ اس نظریہ پر مختصراً چند دلائل عرض کرتا ہوں۔

۱۔ محاذات میقات کے اصل معنی یہ ہیں کہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے میقات کے دائیں بائیں جانب برابر ہو جائے کما فی التحفۃ المساحۃ، بان کان علی یمینہ او یسارہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی اسی صورت میں متعین ہو سکتے ہیں کہ مسافت کی مساوات میلوں کے اعتبار سے لے لی جائے۔ البتہ میقات سے بہت دور سے گذر ہو تو دونوں میں تفاوت ہوگا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے قول فانظروا حذوھا من طریقکم سے بھی ظاہر ہے کہ اصل اعتبار میقات کے دائیں یا بائیں جانب سے مسافت کا ہے جو کہ مساواۃ بُعد بحسب الامیال کو مستلزم ہے۔ الا یہ کہ میقات سے بہت دور سے گذر ہو بلکہ من طریقکم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ مساحت الشان کی بجائے محاذاۃ مقام یعنی مساواۃ مسافت کا اعتبار کیا جائے گا اور مسافت کی صحیح مساواۃ مراحل ترک کسور سے نہیں ہو سکتی۔

بعض اہل تجدد نے پنجاب اسمبلی میں ایک
بل برائے منظوری پیش کیا تھا جس کا ماحصل یہ
تھا کہ بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کو
میراث نہ ملنا اسلامی تعلیمات اور انصاف
کے خلاف ہے، لہٰذا اسے بھی میراث دی
جائے۔ اس رسالہ میں اس کا جواب شرعی و
عقلی دلائل سے دیکر ہر اشکال کو دور کر دیا گیا ہے

۲۔ وان لم یعلم المحاذاة فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحروسة من طرف البحر (ارشاد الساری) اس سے ثابت ہوا کہ محاذاۃ میں مساواۃ مسافت کا اعتبار میلوں سے کیا جائے گا نہ کہ مراحل سے۔ کیونکہ اکثر مواقیت مرحلتین پر ہیں پس اگر محاذاۃ میں بُعد بحساب مراحل لیا جائے تو عبارت مذکور کا حاصل یہ نکلے گا۔ وان لم یعلم بعد المرحلتین فعلی مرحلتین، وھو بین البطلان۔

۳۔ عبارۃ الوفائی۔ فله ان یؤخر احرامه من محاذاة یلملم الی راس العلم المعروف قبل مرسی جدة وھو حال توجه السفینة الی جهة الحرم و لیس له ان یؤخر الی جدة لانها اقرب من یلملم بخوالو بع وقولھم ان جدة و یلملم مرحلتان مرادھم ان کلا لا ینقص عن مرحلتین وان تفاوتت المسافتان کما حققه من سلك الطریقین وھو عدد کادوا ان یتواتروا الخ (حاشیہ شروانی علی تحفہ) اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے مرحلتین کا اعتبار کرتے ہوئے جدہ کو یلملم سے محاذی قرار دیا ہے، ان کا بھی یہ مقصد نہیں کہ میلوں کا فرق غیر معتبر ہے بلکہ ان کے نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ انھوں نے مرحلتین کے اطلاق سے دونوں کی مسافت کو مساوی سمجھ لیا، لہٰذا اس پر تنبیہ کی گئی کہ دونوں کی مسافت مساوی نہیں بلکہ یلملم ابعد ہے۔

۴۔ قال الشروانی الامر الاول وھو ان مبنی المواقیت علی التقریب کلام التحفة والنھایة و یلزم صریح خلافه (حاشیہ شروانی ص۴۲) حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلفۃ المسافت مواقیت کو دو مرحلے لکھتے ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ محاذاۃ میں میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسافت کو شمار کرتے وقت مراحل کی کسور کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی مراحل کی خصوصیت نہیں، بلکہ ہر حساب میں ترک کسور کی عام عادت تھی، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان مواقیت کی مسافت کو برابر قرار دیا ہے۔ ورنہ قرن المنازل کو آخر المواقیت قرار دینے کے کیا معنی؟ ڈھائی یا پونے تین مراحل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**اہل تجدد کا موقف** پنجاب قانون ساز اسمبلی میں محمد اقبال صاحب چیمہ نے ایک بل کا مسودہ پیش کیا ہے جس کا مقصد میراث کے اِس اصول کی ترمیم ہے جس کی رُو سے بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو دادا کی وراثت میں حصّہ نہیں ملتا

اُن کا کہنا یہ ہے کہ یتیم پوتوں کو بیٹوں کے ہوتے ہوئے بھی دادا کی وراثت ملنا چاہیئے۔ اس ترمیم میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یتیم پوتوں کو دادا کی میراث نہ ملنا رُوحِ اسلام کے منافی ہے اور مروّجہ قانون کو اسلام کے منشار کے مطابق بنانے ہی کے لئے یہ ترمیم پیش کی جا رہی ہے۔

**مسئلہ کے دو پہلو** اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک " موجودہ قانون کا مطابق شرعِ اسلام یا خلافِ اسلام" ہونا۔ دوسرا " یتیم پوتے کو وراثت نہ ملنے کی صورت میں پیش آنے والی مشکلات کا حل"

جہاں تک مسئلہ کے دوسرے پہلو کا تعلق ہے شریعتِ اسلام نے نہ صرف یتیم پوتے کے لئے بلکہ تمام یتیموں اور اُن کے اموال کی حفاظت کے لئے بہترین انتظام فرمایا ہے اور یتیموں کی راہ میں پیش آنے والی ہر مشکل کا حل پیش کیا ہے، جس کو بعد میں عرض کیا جائے گا۔ اسلامی قانون کو مکمل طور پر جاری نہ کرنے کی وجہ سے اگر کچھ ملک کے یتیم بچے کسی آفت میں مبتلا ہوں تو ظاہر ہے کہ اُس کی ذمہ داری قانونِ اسلام کے بجائے

کو بحذف کسر دو مرحلہ تو کہا جا سکتا ہے مگر دو اور پونے تین مراحل کی مسافت کو برابر کہنا معقول نہیں۔ جیسے کہ دو ہزار اور پونے تین ہزار کو برابر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ امر ویسے بھی بدیہی ہے اور مسلّم ہے کہ مساواۃ باہم بالکل برابری کو کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا قلیل فرق کہ جس کا حساب مشکل ہو، عرفاً ہدر ہوتا ہے، چونکہ احکام شرعیہ کا مدار یُسر پر ہے۔ لہٰذا مسافت کی مساواۃ معلوم کرنے میں فرلانگ وغیرہ کا حساب لگانا تو ضروری نہیں بلکہ ایک آدھ میل کا فرق بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر میلوں کا حساب تو سہل ہے، ہاں اگر کہیں میلوں کا حساب بھی مشکل ہو تو اسے بھی ہدر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرن المنازل کی محاذاۃ میں ذات عرق کی تعیین اسی طرح فرمائی تھی۔ بعض حضرات کا جدہ اور یلملم کی مسافت کو برابر کہنا بھی اسی پر مبنی ہے۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ یلملم اور جدہ میں سے کسی کی مسافت زیادہ نہیں ہے سو جدید تحقیقات کے علاوہ متقدمین نے بھی یلملم کی مسافت زیادہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ۔ حضرت تھانوی اور حضرت سہارنپوری قدس سرہما کے فتاویٰ بھی اسی پر مبنی ہیں کہ یلملم کی محاذاۃ جدہ پہنچنے سے قبل ہو جاتی ہے۔ اگر کسی نے دونوں کو برابر کہا ہے تو دوسرے حضرات نے اسے عدم العلم پر مبنی قرار دیا ہے۔ یلملم کی البعدیت قول الاکثر اور احوط ہونے کے علاوہ ارجح بھی ہے۔ اس لیے کہ قول مساواۃ تو اندازاً بھی کیا جا سکتا ہے اور حکم تفاوت خصوصاً مقدار زیادہ کی تعیین اور دوسرے پر عدم علم کا حکم (کما فی حاشیہ شروانی) بدون کامل تحقیق کے نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ قول الوفائی وکما حققہ من سلک الطریقین وھم عدد کادوا ان یتواتروا۔ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ فیصلہ جم غفیر نے کامل تحقیق کے بعد کیا ہے۔ شروانی نے وفائی اور عبدالرؤف تلمیذ شلّی سے جو مقدار زیادہ کی تعیین نقل فرمائی ہے۔ تحقیقات جدیدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ـــــــ

نتیجہ یہ کہ محاذاۃ یلملم کا علم ہوتے ہوئے (جو اس زمانہ میں مشکل نہیں) جدہ تک تجاوز

اس قانون سازمجلس پر ہے جس کے ہاتھ میں اس کا نفاذ ہے۔

## میراث کا شرعی اصول

اب اصل بحث یہی رہ گئی ہے کہ دادا کی میراث میں پوتوں کے حصے سے متعلق شریعت اسلام کا صحیح فیصلہ کیا ہے۔ اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے چند اصولی باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں

(۱) میراث کی تقسیم اسلام میں بلکہ کسی مذہب وملت میں بھی ضرورت و حاجت کے معیار پر نہیں بلکہ قرابت رشتے کے معیار پر ہے ورنہ اگر ضرورت وحاجت پر مدار ہوتا تو ہر مالدار کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بیوی بھائی، بہن جو فقیر نہ ہوں سب محروم رہتے اور بستی کے فقراء مساکین وارث بنتے

(۲) اور جب مدار کار رشتہ و قرابت پر ٹھیرا تو ساری دنیا ایک ہی باپ آدم علیہ السّلام کی اولاد ہے۔ بعلق رشتہ و قرابت تو ہر انسان کا ہر انسان سے کہیں نہ کہیں دُور یا قریب نکل ہی آئے گا۔ اب اگر قرب و بُعد کو معیار قرار دے کر اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو محروم نہ کریں تو ہر انسان کی وراثت میں ساری دنیا کے انسان داخل ہو جاتے ہیں اور مذہب کے اختلاف پر مسلمان کی وراثت سے غیر مسلموں کو علیحدہ کر کے بھی تمام دنیا کے مسلمان تو شریک میراث بن ہی جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح مرنے والوں کے ترکے تقسیم ہوا کریں تو کسی کو بھی کسی کے ترکے سے کوئی قابلِ انتفاع حصہ نہ ملے گا۔ بڑے سے بڑا سرمایہ بھی کوڑیوں میں بکھر کر ضائع ہو جائے گا۔ بلکہ ترکہ کی تقسیم ہی عادۃً ناممکن ہو جائے گی۔

اس لئے عقلاً و شرعاً ضروری ہے کہ قرب و بعد رشتہ کو مدار کار ٹھیرا کر قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم قرار دیا جائے۔ اس کے بعد اصل مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھئے۔

## میراث میں اولاد کا حصہ

قرآن کریم نے کچھ قریبی رشتہ داروں کے تو مبہم حصے تہائی چوتھائی وغیرہ کہہ کر متعین فرما دیئے ہیں ان حصوں کو حدیث و فقہ کی اصطلاح میں فرائض اور حصہ والوں کو ذوی الفرائض

بدون احرام ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفی عنہ، از اشرف المدارس ناظم آباد کراچی۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ۔

مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کے علمی اور عملی کمالات مجھ پابرکاب ضعیف کے لیے قابل غبطہ ہیں، زادہم اللہ تعالیٰ علماً نافعاً وعملاً متقبلا زیادات لاتتناہی۔

لیکن جن وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے بحری مسافروں کے لیے جدہ سے احرام باندھنے کو ناجائز موجب دم قرار دیا ہے۔ ان پر احقر کا قلب منشرح نہیں۔ احقر نے جہاں تک غور وفکر کیا، ترجیح اسی کی معلوم ہوئی کہ بحری مسافروں کے لیے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا اور جدہ سے باندھنا نہ کوئی گناہ ہے نہ اس سے دم لازم آتا ہے۔

اس کی تفصیلی وجوہ کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اجمالاً پھر اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ

۱۔ یلملم کی محاذات سے جو تجاوز بحر میں ہوتا ہے وہ تجاوز آفاق کے اندر ہے، حل یا جہت حرم کی طرف نہیں ہے۔ اس کو موجب دم قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ جن لوگوں کا راستہ یلملم سے مکہ معظمہ کی طرف براہ راست جانے کا تھا یا اب ہے، وہ اگر یلملم کی محاذات سے جانب مکہ مکرمہ تجاوز کریں تو بے شک دم واجب ہوگا، لیکن آجکل بحری جہاز کے مسافر سمندر میں یلملم سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ سے آفاق کے اندر سفر کرتے ہیں۔ ان کا یہ سفر تجاوز عن المیقات یا عن ذات المیقات نہیں کہلا سکتا۔

۲۔ جدہ کو فقہاء کا داخل میقات کہنا بھی اس کے منافی نہیں کہ جدہ سے احرام باندھنے کو جائز قرار دیا جائے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی مواقیت ہیں وہ سب اجزاء حل ہوتے ہیں۔ باہر سے بقصد مکہ مکرمہ آنے والا یہاں سے احرام باندھ سکتا ہے اور یہاں کا یا اس کے قرب وجوار کا رہنے والا حلی کہلاتا ہے۔ اس کے لیے دخول مکہ بلا احرام جائز ہے، اسی لیے فقہاء نے ضرورت کے مواقع کے لیے یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص باہر سے بقصد جدہ، جدہ میں داخل ہو اس پر احرام لازم نہیں۔ پھر جدہ میں مقیم ہو کر اگر وہ مکہ مکرمہ میں بلا قصد حج وعمرہ جانا چاہے تو اس وقت بھی اس پر

یا ذوی الفروض کہا جاتا ہے۔ اور اولاد کے لئے اس طرح کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد ہوا۔

**آیت قرآنیہ** یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (نساء پارہ ۴)
جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذوی الفروض کے حصے نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اولاد میں اس نسبت سے تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو دوہرا حصہ اور ہر لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔

**لفظ اولاد کی تحقیق** پھر لفظ اولاد عربی لغت ومحاورہ میں حقیقۃً واصالۃً بلاواسطہ اولاد کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق توسعًا اولاد کی اولاد کو بھی شامل ہوجاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت ان لم یکن لہن ولد میں ولد کا لفظ اسی عام معنیٰ میں استعمال ہوا ہے (روح المعانی)

اسی لئے آیت مذکورہ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں دو احتمال پیدا ہوگئے ایک یہ کہ بلاواسطہ اولاد مراد ہو۔ دوسرے یہ کہ عام معنیٰ مراد ہوں جس میں اولاد کی اولاد یعنی پوتے بلکہ نواسے بھی شامل ہوں۔

اب اگر آیت مذکورہ میں دوسرے معنیٰ مراد لئے جائیں تو معنے یہ ہوں گے کہ صلبی بیٹے اور پوتے نواسے خواہ اُن کے باپ زندہ ہوں یا وفات پاگئے ہوں سبھی سب اس حکم میں شامل ہیں اور بیٹوں کے ساتھ برابر کا حصہ پائیں گے۔

لیکن آیت کے یہ معنی نہ اصولی طور پر معقول ہیں کہ قریب وبعید کو یکساں حصے دیئے جائیں نہ عہد رسالت اور خلفائے راشدین وما بعد میں کہیں ایسا عمل ہوا اور نہ پوری اُمت محمدیہ میں کوئی اس کا قائل ہے۔

اس لئے پہلے معنی متعین ہوگئے کہ اولاد سے مُراد اس جگہ بلاواسطہ اولاد ہے۔

اب صورت یہ رہ جاتی ہے کہ کسی مرنے والے کا بیٹا کوئی زندہ نہ ہو اور پوتے موجود ہوں تو پوتوں کو وراثت کس پیمانے پر ملے گی۔ اس بارے میں باجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ فیصلہ قرار پایا کہ جب کسی مرنے والے کا کوئی صلبی بیٹا زندہ نہ ہو صرف پوتے پوتیاں موجود ہوں تو اُن کو وراثت اسی معیار پر ملے گی جو معیار صلبی اولاد کے لئے قرآن نے

احرام کی پابندی نہیں۔

۲- بحری جہاز یلملم کی محاذات سے آگے جو جدہ کی طرف سفر کرتا ہے، وہ تمام سفر آفاق میں ہے۔ جب جہاز بڑے سمندر سے ساحل جدہ کا رخ کرتا ہے اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب محاذات میقات کس جگہ ہوگی۔ اس کے متعلق عام فقہاء کا ارشاد یہ ہے کہ حقیقی محاذات کا علم ہونا مشکل ہے۔ اس لیے اقرب مواقیت کی مسافت کا اعتبار کر لیا جائے، یعنی جس جگہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے وہاں سے احرام باندھنا ضروری ہوگا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جدہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے اسی لیے شیخ ابن حجر مکی، ملا علی قاری، مخدوم ہاشم سندھی، و ملا اخوند جان وغیرہ اکابر علماء نے جدہ کو بحکم میقات قرار دیا۔

رہا یہ معاملہ کہ آج کل حقیقی محاذات کا علم کچھ دشوار نہیں، کیونکہ فاصلوں کی پیمائش اور زاویوں کی تحقیق کے ایسے جدید آلات موجود ہیں، جن کی وجہ سے حقیقی محاذات معلوم کرنے کو مشکل کہنا بے معنی ہے۔ اس میں قابل نظر یہ بات ہے کہ بلا شبہ پیمائش کے آلات و ذرائع تو اس زمانے میں بہت موجود ہیں، سیاروں کے فاصلے اور زاویے ان سے صحیح لگائے جا سکتے ہیں، زمین کی مسافتوں کا تو کہنا کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مبداء و منتہیٰ کا تعین تو آلات سے نہیں روایات سے ہوگا۔ منتہیٰ تو متعین ہے کہ بیت اللہ ہے لیکن مبداء یعنی میقات جس کی محاذات دیکھنا ہو وہ کیا ہے، اس کا عرض و طول کتنا ہے۔ اس کے کس گوشہ سے محاذات دیکھی جائے گی یہ کام تو جدید آلات کا نہیں، اس میں تو قدیم فقہاء کا قول ہی مستند ہو سکتا ہے۔ تحفہ شرح منہاج کے حواشی سے یہ بات اوپر لکھی جا چکی ہے کہ یلملم جس کی محاذات کا یہاں اعتبار کرنا زیر بحث ہے وہ حسب تصریح فقہاء سعدیہ کے بالمقابل پہاڑ ہے اور یہ پہاڑ دو ہیں، ایک پہاڑ سے مکہ مکرمہ کی مسافت دو مرحلہ سے بھی زائد ہے اور دوسرے پہاڑ سے مسافت اگر ناپی جائے تو دو مرحلے یا اس سے بھی کچھ کم ہے۔

فتح الباری، عمدۃ القاری اور تمام کتب معتبرہ میں بحوالہ ابن حزم یلملم سے جو مسافت

مقرر کیا ہے یعنی ہر پوتے کو دو حصے اور ہر پوتی کو ایک حصہ۔

## حدیث بخاری و اجماع اُمت

صحیح بخاری میں اس مضمون کا ایک مستقل باب رکھا ہے۔ باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن۔ اس باب میں حضرت زید بن ثابت کا فتویٰ نقل کیا ہے جس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع علامہ عینی نے شرح بخاری صفحہ ۲۳ ج ۲۳ میں نقل فرمایا ہے وہ اجماعی فیصلہ یہ ہے :-

ولد الابناء بمنزلة الولد اذا لم یکن دونھم ولد ذکرھم کذکرھم وانثاھم کانثاھم یرثون کما یرثون ویحجبون کما یحجبون ولا یرث ولد الابن مع الابن۔

بیٹوں کی اولاد بیٹوں ہی کے حکم میں ہے جبکہ ان کے اور میت کے درمیان کوئی بیٹا موجود ہو ان میں لڑکے لڑکوں کی طرح اور لڑکیاں لڑکیوں کی طرح میراث پائیں گے اور جس طرح بیٹے پوتوں کے لئے حاجب ہوتے ہیں پوتے پڑپوتوں کے لئے حاجب ہوں گے یعنی پوتوں کے ہوتے ہوئے پڑپوتوں کو میراث نہ ملے گی۔

اس اجماعی فیصلہ میں پوتا یتیم ہو یا اس کا باپ زندہ ہو دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ مرنے والے کا کوئی بیٹا زندہ ہے تو پوتوں کو وراثت نہ ملے گی۔

وہ اسلام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے ساڑھے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے اس کا تو یہی قانون ہے۔

## ایک مغالطہ کا جواب

ہاں چودھویں صدی کے آخر میں ایک نیا اسلام کر ابھی سے طلوع ہو رہا ہے اس کے موجدین نے اس مسئلہ میں عجیب نکات پیدا کئے ہیں۔ مثلاً

اس اجماعی فیصلہ کے آخر میں جو لا یرث ولد الابن مع الابن آیا ہے اس میں اُن کا خیال ہے کہ ولد الابن سے صرف وہ پوتا مراد ہے جس کا باپ زندہ ہو۔

مکہ مکرمہ کی بیان کی گئی ہے، وہی قابل اعتماد ہے۔ آج کل کے نئے پیمائش کرنیوالوں میں کسی نے تو خود سعدیہ ہی کو یلملم قرار دے کر وہاں سے مسافت لی ہے، کسی نے کسی دوسری جگہ سے، ان کے آلات اور پیمائش کے حسابات کتنے ہی صحیح ہوں، مگر مبدار کے تعین میں ان کا قول بمقابلہ علماء سابقین کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یلملم کی محاذات بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے۔ اور جدہ کی مسافت بھی۔ اب رہا میلوں کا فرق، سو احکام شرعیہ کا مدار کسی جگہ بھی اسی طرح کی تدقیقات پر نہیں ہے۔ مواقیت کے مسائل و احکام پر نظر کرنے سے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے کہ اس معاملہ میں اتنی تدقیق کا اعتبار نہیں کیا۔ یہ سطور اتفاق سے ایسے حال میں لکھ رہا ہوں جبکہ ایک شدید مرض کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے پر قدرت نہیں، لیٹے ہوئے لکھی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ آراء مختلفہ مع وجوہ کے علماء کے سامنے آجائیں تاکہ ان میں غور کر کے وہ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

**عوام کے لیے** ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں۔

یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں کیونکہ حسب تصریح فقہاء محل اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔ اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے۔ شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لیے مشکل ہوگا۔ اس کے لیے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے۔ ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہیے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ نسأل ان یهدینا لما اختلف فیه الی الحق باذنه۔

اور اس کے ثابت کرنے لئے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ اس اصولِ فقہ کی جس کے رد کرنے اور جس پر استہزاء و تمسخر کرنے ہی کے لئے یہ نیا اسلام طلوع ہو رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ الابن جو معرفہ کی صورت میں مکرر لایا گیا تو حسب تصریح اصول حنفیہ اس سے عین اول یعنی وہ ابن جو ولد الابن میں مذکور ہے مراد ہوگا۔

مگر ان کو کیا خبر کہ فقہاء نے اس کو قاعدہ کلیہ قرار نہیں دیا۔ اور اس کلام میں تو اس معنی کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اس جملے سے پہلا جملہ اذا لم یکن دونھو ولد میں لفظ ولدٌ نکرہ آیا ہوا ہے۔ مگر اس پر ان کی نظریں جانے لگی تھی۔ ان کو تو نیا اسلام۔ نئے معارف۔ نئے اصول پیش کرنا ہیں

اس اجماعی فیصلے کے ابتدائی جملوں سے آنکھیں بند کرکے آخری جملے میں لفظ الابنَ کو معرفہ لانے سے اس پر استدلال کیا کہ ابن الابن سے مراد اس جگہ زندہ بیٹے کا بیٹا ہے۔ انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اگر یہ مراد ہوتی تو اس کے لئے سیدھی عبارت یوں ہوتی لا یرث الابن مع ابیہ۔ اس کو بھی چھوڑیئے تو پہلے جملے میں ولدٌ نکرہ موجود ہے اس پر نظر کرنا تو گویا ان کے لئے ضروری ہی نہیں تھا اور عام لوگوں کی عادت سے بھی وہ مطمئن تھے کہ کون اتنی زحمت گوارا کرے گا جو بخاری اُٹھا کر دیکھے اور ان کی چوری پکڑے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن میں تو پوتوں کا ذکر نہیں اور اجماعی فیصلے میں یتیم اور غیر یتیم ہر قسم کے پوتے ایک ہی حکم میں ہیں۔ اب یتیم پوتے کو دوسرے پوتوں سے ممتاز کر کے دادا کی وراثت دینا معلوم نہیں کون سے قرآن میں دیکھ کر اسلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

**ایک اور شبہ کا ازالہ**

حال میں اسی قرآن و حدیث سے آزاد مجتہد نے اس جگہ ایک عجیب ضابطہ ایجاد کیا ہے کہ ایک شخص جو میت سے بالواسطہ قرابت رکھتا ہے اگر واسطہ کا انتقال ہو جائے تو یہ بالواسطہ قرابت رکھنے والا اب اصل واسطہ کے قائم مقام ہو کر میت کا اقرب بن جاتا ہے

وھو ولی التوفیق واللہ اعلم بالصواب وبہ نستعین ولا حول ولا قوۃ الا بہ۔

## حدِّ مواقیت کے اندر رہنے والے

اوپر جو احرام کے احکام کا بیان ہوا ہے وہ اہل آفاق کے لیے ہے یعنی جو حلقۂ مواقیت سے باہر تمام دنیا میں کسی جگہ رہتے ہیں۔ اور وہاں سے بقصد مکہ مکرمہ حل صغیر یعنی حدودِ مواقیت کے اندر داخل ہوتے ہیں، ان پر مواقیت یا ان کی محاذات سے احرام باندھنا لازم ہے اور جو لوگ خود مواقیت اور یا ان کے اور حد حرم کے درمیان کے بسنے والے ہیں جس کو حِل کہا جاتا ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حج یا عمرہ کے سوا کسی دوسرے کام کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو ان پر احرام باندھنے اور حج یا عمرہ کرنے کی کوئی پابندی باتفاق ائمہ نہیں ہے۔ وہ جیسا چاہیں بلا احرام مکہ مکرمہ جا سکتے ہیں۔

ہاں اگر حج یا عمرہ کے ارادے سے جائیں تو ان کے لیے افضل تو یہ ہے کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ لیں ورنہ حد حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہوگا۔ بقصد حج و عمرہ اگر یہ لوگ حدود حرم میں بلا احرام داخل ہوں گے تو ان پر بھی دم (قربانی) لازم ہوگی۔

مناسک ملا علی قاری میں ہے:۔

الصنف الثانی وھم الذین منازلھم فی نفس المیقات او داخل المیقات الی الحرم فوقتھم الحل ای میقاتھم جمیع المسافۃ من المیقات الی انتھا الحل للحج و العمرۃ وھم فی سعۃ ای جواز و رخصۃ و عدم لزوم کفارۃ مالم یدخلوا ارض الحرم ای بلا احرام و من دویرۃ اھلھم افضل ولھم دخول مکۃ بغیر احرام اذا لم یریدوا نسکا۔ (ارشاد الساری ص۵۵)

مسئلہ۔ اگر کوئی حدود میقات کے اندر یعنی حل صغیر میں رہتا ہے اور کسی ضرورت

مثلاً پوتہ جو دادا کے ساتھ اپنے باپ کے واسطہ سے قرابت رکھتا ہے اگر اس کا باپ مر جائے تو اب یہ تمام احکام میں اپنے باپ کا قائم مقام ہو کر دادا کے دوسرے بیٹوں کے برابر ہو جائے گا۔ تمام اہلِ عقل اور اہلِ علم کے نزدیک جس رشتہ دار کی قرابت میت سے بلا واسطہ ہو وہ اقرب کہلاتا ہے اور جس کا تعلق کسی واسطہ سے ہو وہ ابعد خواہ یہ واسطہ زندہ ہو یا مُردہ کیونکہ واسطہ کی زندگی اور موت کا رشتہ کی نوعیت کے قرب و بعد سے کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص میت سے قرابت کسی واسطہ کے ذریعہ رکھتا ہے اور اس وجہ سے ابعد کہلاتا ہے تو وہ جس طرح واسطہ کی زندگی میں ابعد ہے اسی طرح اس واسطہ کے مر جانے کے بعد بھی اُس کے رشتہ و قرابت کی نوعیت نہیں بدلی۔ وہ بدستور اب بھی ابعد ہی ہے۔ ہاں اقرب کے موجود نہ ہونے پر ابعد ہونے کے باوجود اس کو وارث تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نئے آزاد مجتہد نے اقرب و ابعد کا مفہوم بھی اپنی خواہش کے مطابق بدل ڈالا ہے۔ اس نے یہ قرار دیا ہے کہ جب واسطہ مر جائے تو ابعد رشتہ دار اقرب بن جاتا ہے۔ ان مجتہد صاحب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ کہیں قرآن سے کہیں، فرمانِ رسولؐ بھی اُن کے نزدیک کوئی چیز نہیں لیکن عادت یہ ہے کہ جو کچھ کہیں صرف اپنے دماغی تخیل سے کہیں اور اس کو قرآن کہہ کر ملت کے سر تھوپنے کی کوشش کریں۔ اس قائم مقامی کے ضابطہ کی بھی قرآن میں تو کوئی سند ہے نہیں مگر اُن کی نظر میں وہ جو کچھ فرما دیں سب قرآن ہی ہوتا ہے۔

فالی اللہ المشتکی

پھر اگر یہی قائم مقامی کا ضابطہ ہے تو باپ کے مرنے پر چچا اور پھوپھی کے مرنے پر ماموں اور خالہ، باپ اور ماں کے قائم مقام ہو کر اُن کا حصہ پانے کے مستحق ہونے چاہئیں یعنی باپ کے مرنے پر بیٹوں کے موجود ہوتے چچا اور پھوپھی کو باپ کا حصہ اور ماں کے مرنے پر ماموں اور خالہ کو حصہ ملنا چاہیئے اور اس ضابطہ سے اگر پہلے بیوی مر جائے تو بیوی کے ماں باپ اور بھائی بہن شوہر کے ترکہ میں اپنی اولاد کے موجود ہوتے ہوئے حصہ پانے کے مستحق ہونے چاہئیں۔ اسی طرح شوہر پہلے مر جائے تو شوہر

سے آفاق یعنی حدود میقات سے باہر گیا تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہوگا یعنی اگر وہ بھی بقصد دخول مکہ مکرمہ یا حرم حد میقات کے اندر آئے گا تو اس پر بھی احرام حج یا عمرہ کا لازم ہو جائے گا۔ اب بغیر احرام کے اس کو مکہ مکرمہ یا حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا ہاں آفاق سے واپس اپنے گھر آنے کا قصد ہو، مکہ مکرمہ یا حرم کا اس وقت ارادہ نہ ہو تو اپنے گھر میں بلا احرام آسکتا ہے اور جب یہاں بلا احرام پہنچ گیا، اب اگر یہاں سے مکہ معظمہ جانے کی کوئی ضرورت پیش آئے تو بغیر احرام کے جاسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کا جانا بقصد حج وعمرہ نہ ہو، کسی اور ضرورت کے لیے ہو۔

مسئلہ یہ جو اوپر لکھا گیا ہے کہ جو لوگ عین میقات پر یا داخل میقات رہتے ہیں ایسے مراد یہ ہے کہ تمام مواقیت کے اندر رہتے ہیں، ان کا وہ حکم ہے جو ابھی لکھا گیا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو کسی ایک میقات کے اندر ہیں۔ مگر دوسرے میقات سے باہر جیسے ذوالحلیفہ سے رابغ تک کے وہ مقامات جو حد حل میں داخل ہیں ان کے رہنے والے میقات ذوالحلیفہ کے تو اندر ہیں مگر میقات جحفہ کے باہر، تو ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بھی آفاقی لوگوں کے حکم میں ہیں، ان کے لیے دخول مکہ مکرمہ یا حرم بغیر احرام کے جائز نہیں۔ (حاشیہ ارشاد الساری بحوالہ در المختار ص۵۵)

مسئلہ۔ جبکہ مشرقی ممالک سے بحری راستہ پر آنے والوں کے لیے جدہ کو میقات قرار دیا گیا جیسا کہ پہلے بتلایا گیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جدہ والے بھی مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے نہ جاسکیں، کیونکہ مواقیت سب اجزاء حل ہوتے ہیں۔ ان میں یا ان کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر بدون حج وعمرہ کے احرام کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اسی لیے بعض فقہاء نے اس شخص کے لیے جو کسی وجہ سے احرام باندھنے پر مجبور ہو، حیلہ یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے سفر میں جدّہ یا خلیصؔ کا قصد کر کے دائرۂ مواقیت یعنی حل صغیر میں داخل ہو جائے۔ اور جب وہ ان مقامات میں سے کسی جگہ جا کر اتر گیا تو وہ بھی میقاتی اور حلی لوگوں کے حکم میں ہو گیا۔ اب اگر وہ بلا قصد حج وعمرہ کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو وہ بھی بغیر احرام کے

کے ماں باپ اور بہن بھائی کو بیوی کے ترکہ میں سے حصہ شوہر کی ملنا چاہیئے جس کو خود یہ نئے مجتہد بھی تجویز نہیں کرتے۔

اور یہ نئے مجتہد جو قرآن و حدیث کی پابندیوں سے بھی اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اگر ایسی تجویز کر بھی لیں تو اُن سے یہ بھی کچھ بعید نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اسلام اور قانونِ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ کی مذہبی اور اسلامی حیثیت تو مذکورہ بالا تحریر میں واضح ہو چکی کہ باجماعِ اُمت کسی بیٹے کے ہوتے کسی پوتے کو وراثت کا حصہ نہیں ملتا۔

## ایک اور شبہ کا جواب

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایک شخص کے چار بیٹے ہیں اور بیٹوں کی اولاد پوتے بھی موجود ہیں۔ اگر اس شخص کی زندگی میں ایک بیٹے کا انتقال ہو جائے تو موت کے وقت اُس کے تین بیٹے ترکہ کے وارث ہوں گے۔ اور اُن کے واسطے سے تینوں بیٹوں کی اولاد بھی گویا وراثت سے حصہ پائے گی۔ وہ لڑکا جس کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو چکا ہے اُس کی اولاد کو کچھ نہ ملے گا حالانکہ اُس کی اولاد یتیم ہونے کی حیثیت سے زیادہ حاجتمند اور قابلِ رحم ہے۔

لیکن اگر ذرا گہری نظر سے اس اشکال کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے اور وہ دونوں غلط ہیں۔

(۱) اوّل یہ مفروضہ کہ جن پوتوں کے باپ زندہ ہیں اُن کو وراثت کا حصہ ملے گا اور جن کا باپ فوت ہو گیا وہ محروم رہے گا باپ کی ملکیت کو بیٹے کی ملکیت سمجھنا یا قرار دینا کسی اَن پڑھ بازاری آدمی سے تو ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ قانون داں اور قانون ساز حضرات اس میں کیسے مبتلا ہو گئے جہاں بال کی کھال نکال جاتی ہے اور رات دن باپ بیٹے بیوی کی ملکیتوں کی علیحدگی پر ہزاروں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

یہ مغالطہ صرف اس بنا پر لگ سکتا ہے کہ باپ کی ملکیت سے عادۃً اس کی اولاد منتفع ہوتی ہے سو اوّل تو ایسے واقعات کم نہیں کہ دادا کے انتقال کے بعد باپ ہی کی عمر

جاسکتا ہے۔

**حدودِ حرم کے اندر رہنے والے** جو لوگ حدود حرم کے اندر مثلاً مکہ مکرمہ یا منیٰ وغیرہ میں رہتے ہیں۔ اگر وہ حج کا ارادہ کریں تو ان کا میقات حرم ہی ہے۔ حدود حرم میں جہاں سے چاہیں، احرام باندھ سکتے ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ مسجد حرام سے یا اپنے گھر سے احرام باندھیں۔ اور اگر عمرہ کرنا چاہیں تو ان کا میقات حل ہے۔ جو حدود حرم سے باہر ہے وہ حدود حرم سے باہر تنعیم یا جعرانہ وغیرہ میں جاکر عمرہ کا احرام باندھیں۔ پھر مکہ مکرمہ آکر افعال عمرہ ادا کریں۔

مسئلہ۔ جو لوگ آفاق کے رہنے والے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہو ئیں ان کا بھی حکم وہی ہے جو اہل مکہ کا ہے۔ کہ اگر یہ عمرہ کرنا چاہیں تو حدود حرم سے باہر تنعیم یا جعرانہ جاکر احرام باندھیں اور حج کا احرام حرم ہی سے باندھیں۔

مسئلہ۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آفاقی لوگ جو اشہر حج میں جو شوال سے ذی الحجہ تک ہیں۔ احرام عمرہ باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ کرکے حلال ہوگئے ان کا یہ عمرہ تمتع کا ہوگا۔ اس عمرہ کے بعد حج سے پہلے کوئی دوسرا عمرہ یہ نہیں کرسکتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کرسکتے ہیں۔

مسئلہ۔ جو آفاقی آدمی اشہر حج سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ کرکے حلال ہوگیا۔ اس کا یہ عمرہ تمتع کا نہیں ہے۔ اس لیے اس کو شوال شروع ہونے سے پہلے دوسرے عمرے کرنے کا بھی اختیار ہے۔

مسئلہ۔ کوئی مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر کا رہنے والا اگر حدود میقات سے باہر آفاق میں کسی وجہ سے چلا جائے تو اب اس کا حکم بھی آفاقی کا حکم ہوجاتا ہے۔ اگر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر جانے کے قصد سے حدود مواقیت کے اندر آئے گا۔ تو اس پر لازم ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے احرام

طویل ہو اور وہ دادا سے ملا ہوا حصہ کھا پی کر برابر کر دے ۔ عمر بھی طویل نہو اپنی بدنظمی یا کسی آفت کے سبب ختم کر دیگے اور اگر باپ کی ضرورتوں اور زمانہ کی آفتوں سے کچھ بچ بھی گیا تو وہ باپ ہی کے حسن انتظام اور جدوجہد کا نتیجہ ہے جس طرح اس کی خود پیدا کردہ دولت ہے تو اس کی اولاد کو جو کچھ ملا وہ درحقیقت اپنے باپ کی کمائی یا حسنِ انتظام اور جدوجہد کے نتیجہ میں ملا۔ اس کو دادا کی کمائی سے محروم کہنا بھی غلط ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ نکلی کہ جس نے پایا اپنے باپ سے پایا اور جو محروم رہا وہ اس بنا پر رہا کہ اُس کے باپ نے کچھ بھی نہیں چھوڑا یا کم چھوڑا ہے۔

سو اس مساوات اور برابری کی کون ذمہ داری لے سکتا ہے کہ چار بھائی جب مریں تو ایک ہی حیثیت کا ترکہ چھوڑ کر مریں تاکہ اُن کی اولادیں برابر رہیں۔

یہ تو دنیا ہے جس میں افراد کے حالات اور اُن کی کمائی کے تفاوت کا کوئی پیمانہ نہ کبھی مقرر کیا جا سکا ہے نہ آئندہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص ایک دن میں ایک کروڑ روپیہ کما سکتا ہے اور دوسرے کی عمر بلکہ اُس کی سات پشتوں کی عمریں بھی اتنی کمائی سے عاجز رہتی ہیں۔

الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر یہ قانون بدلا جا رہا ہے کیا اس کا امکان کچھ بعید ہے کہ اُس کا باپ اپنے مرنے سے پہلے اتنی دولت چھوڑ جائے جو دادا کو بھی نصیب نہیں اور اُس کے وارثوں کو بھی۔ اگر اولاد در اولاد برابری کی اسکیم کسی کے ذہن میں ہے تو پھر یہاں کیا کوئی ایسا قانون بنایا جائے گا کہ یتیم پوتوں کی دولت اُن کے چچاؤں پر تقسیم کرائی جائے۔

اشکال کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ مرنے والے کے یتیم پوتے زیادہ حاجتمند اور واجب الرحم ہیں لیکن یہ بھی درحقیقت قانونِ وراثت کی اصل بنیاد اور روح سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میراث کی تقسیم حاجت و ضرورت کے معیار پر نہیں بلکہ قرابت اور رشتہ داری کے معیار پر ہے ورنہ اگر حاجت و ضرورت کو معیار قرار دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مرنے والے کے بیٹے پوتے بیوی سب محروم ہو جائیں گے اور

باندھ کر آئے، بغیر احرام کے داخل ہونا آفاق میں جانے کے بعد اس کے لیے بھی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ والحمد للہ اولہ وآخرہ وعلانیتہ وسرہ۔ ربنا تقبل منا، انک انت السمیع العلیم۔

ناکارۂ خلائق بندہ محمد شفیع
خادم دار العلوم کراچی
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

اُس کے غریب ہمسائے جو حاجت و ضرورت میں اُن سے زیادہ ہیں اُن کو وارث قرار دینا پڑے گا۔

اور جب معیار قرابت و رشتہ کو بنایا جائے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ مطلق قرابت اور رشتہ تو ہر انسان کا ہر انسان سے کسی نہ کسی پشت میں جا کر مل ہی جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرابت کے درجات پر مدار رکھا جائے۔ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم سمجھا جائے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا۔ حدیث۔

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (بخاری ص ۹۹۷/۲)

فرائض (یعنی قرآن کے مقرر کردہ حصے) اہل فرائض کو دے دو پھر جو کچھ بچے اس شخص یا اشخاص کا حصہ ہے جو مرد ہوں اور رشتے میں میت سے قریب تر ہوں۔

اور جب مدار رشتہ اور قرابت پر ہوا اور اس میں درجات قرب و بعد کی رعایت ضروری ہوئی تو یہ کونسا انصاف ہوگا کہ صلبی بیٹوں کے ہوتے ہوئے ان کے حصہ میں کمی کر کے اولاد کی اولاد کو بانٹ دیا جائے۔

اور پھر یہ کیا ظلم نہ ہوگا کہ دادا کی میراث میں سے ایک بیٹے کی اولاد کو تو حصہ دیا گیا اور دوسرے نرینہ بیٹوں کی اولاد کو محروم کر دیا گیا جو درجے میں انہی کے برابر ہیں۔ اور اُن کے باپوں کو جو کچھ ملا ہے وہ درحقیقت اُن کو نہیں ملا اور ایسے امکانات بھی بعید نہیں کہ آئندہ بھی وہ اُن کو نہ پہنچے۔ اور پیچا بھی تو اپنے والد کے ترکہ کی حیثیت سے پہنچے گا۔ جس سے یتیم پوتا بھی محروم نہیں۔

الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر قانون شرعی میں ترمیم بہت سے لوگوں پر بے رحمی و ظلم کا سبب بنے گی اور سب سے بڑا ظلم اپنی جان پر ہوگا۔ کہ خدا تعالےٰ اور اُس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قانون کی ترمیم کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

الغرض قانونِ وراثت کے تحت شرعاً و عقلاً اس کی کوئی وجہ نہیں کہ بیٹوں کی موجودگی میں پوتوں کو وارث قرار دیا جائے۔

"

# منهج الخیر فی الحج عن الغیر

# حج بدل اور اس کے احکام

مقامِ تالیف ——— دارالعلوم کراچی ۱۴

زمانۂ تالیف ——— رجب ۱۳۹۲ھ

اشاعتِ اوّل ——— ماہنامہ البلاغ شعبان ۹۲ھ

"اس مقالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے،
اس کا اصل محرک اس مسئلہ کی تحقیق تھی کہ
حج بدل کرنے والا قران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟
پھر ضمناً دوسرے مسائل بھی اس میں جمع کر دیئے گئے"

## یتیم پوتے کی کفالت کا مسئلہ

ہاں ایک بات قابلِ نظارہ جاتی ہے اور دن بھی درحقیقت اس قسم کی ترمیمات کی محرک ہوتی ہے وہ یہ کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ ایک شخص کے چند بیٹوں میں سے ایک کا انتقال اُس کے سامنے ہو گیا اور اُس کی اولاد یتیم و مسکین رہ گئی۔ دادا کی وراثت کو چچا ناؤں نے بانٹ کھایا تو اُن کے گذارہ کی کیا صورت ہوگی۔

سو اول تو شریعت کے ضابطہ وراثت میں دادا کو صرف حق ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث نے جا بجا اس کی ترغیب دی ہے کہ ایسے غریب رشتہ داروں کا خیال رکھے جو ضابطہ سے وراثت میں حصہ نہیں پائیں گے۔ ان کو اپنی زندگی اور صحت میں اُن کی ضرورت و حاجت کے پیش نظر جتنا چاہے اپنے ہاتھ سے دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ چاہے تو سب بیٹوں سے زیادہ ان پوتوں پوتیوں کو دے سکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس دینے میں اُن کی حاجت و مصلحت پیشِ نظر ہو دوسرے وارثوں سے ضد اور اُن کو محروم کرنے کا قصد نہ ہو۔ اور اپنی زندگی میں نہیں دیا تو مرنے کے بعد کے لئے ایک تہائی حصہ کی حد تک وصیت کر سکتا ہے۔ اب اگر قرآنی ترغیبات اور خاندانی قرابت کے جذبات اور دنیا کی شرم و حیا سبھی کو بالائے طاق رکھ کر نہ اُن پر دادا نے رحم کھایا اور نہ چچاؤں نے جس کی وجہ سے یہ بیچارے کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے تو یہ ایک سماوی آفت ہوگی جس سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ اس قانون میں ترمیم کرنے کے بعد بھی ایسی آفتیں آسکتی ہیں کہ ان غریبوں کو کچھ نہ ملے۔

ثانیاً یتیم پوتے پوتیاں جب تک نابالغ ہیں یا اُن میں سے کوئی اپاہج ہے تو شرعی قانون میں اُن کا نفقہ بمقدار وراثت اُن کے چچاؤں پر عائد ہوگا۔

(عالمگیری مصری کتاب النفقات صفحہ ج ۱)

ثالثاً قانون وراثت یا وصیت تمام انسانوں کے گذارہ کا ذمہ دار نہ عقلاً ہو سکتا ہے نہ شرعاً۔ اگر لوگوں کے گذارہ کا مدار وراثت ہی پر رکھا جائے تو کروڑوں انسان وہ ہیں جن کے مورث کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرتے جو انتظام اُن کے گذارہ کا ہوگا وہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منہج الخیر فی الحج عن الغیر

# حج بدل اور اُس کے احکام

حج بدل کے مسائل سے پہلے ایک اصولی سوال کا جواب سمجھ لیجیے۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عبادت بدنی جیسے نماز روزہ، دوسرے عبادتِ مالی جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، تیسرے وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے، یعنی اس میں کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے کچھ جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسے حج وعمرہ وغیرہ۔

ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں کہ عباداتِ بدنیہ میں تو ایک کا فرض کوئی دوسرا آدمی مطلقاً ادا نہیں کرسکتا، ایک کی نماز کوئی دوسرا ادا نہیں کرسکتا۔ ایک کا روزہ دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ اور عباداتِ مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کرسکتا ہے۔ جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ کسی کو بھی اپنا وکیل بناکر زکوٰۃ اس کے ذریعہ ادا کرسکتا ہے۔ اس کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں اور کوئی دوسرا آدمی اپنے مال سے دوسرے کی زکوٰۃ فرض اس کی اجازت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے، اس میں کوئی شرط نہیں۔

تیسری قسم یعنی وہ عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہے اس کا حکم یہ ہے کہ خود ادائیگی پر قادر ہونے کی حالت میں تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا۔ البتہ

ان یتیم پوتوں کے گذارہ کا بھی ہو جائے گا۔

اسلامی شریعت کی رو سے تمام باشندگان ملک کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری ایک حیثیت سے اسلامی حکومت پر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو لوگ کمائی کے قابل ہیں اُن کو حسب حیثیت و صلاحیت کسی کام پر لگائے۔ جو نابالغ یا اپاہج ہیں اور اُن کا کوئی رشتہ دار بھی ایسا نہیں جو اُن کے مصارف اُٹھا سکے تو بیت المال (سرکاری خزانہ) پر اُن کا حق ہے۔ یہ یتیم پوتے پوتیاں بھی اس قانون سے فائدہ اُٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ اسلامی قوانین آج کل نافذ نہیں اس لئے اُن کے گزارہ کی صورت مشکل ہے تو ظاہر ہے اُس کا یہ حل نہیں ہے کہ جو رہے سہے اسلامی قوانین ہیں اُن کو بھی ختم کر دیا جائے بلکہ اُس کا واحد علاج یہ ہے کہ اس قانون میں پیش کرنے والے حضرات ایسی ترمیمیں پیش کرنے کے بجائے ان شرعی قوانین کو بشکل بل پیش کریں جن کے ذریعہ یتیموں غریبوں کی کفالت ہو سکے۔

**اسمبلی کو مشورہ** آخر میں ہمارا مشورہ پنجاب قانون ساز اسمبلی کو یہ ہے کہ وہ اس قانونِ شریعت میں جو باجماع امت ثابت ہے ترمیم کا خطرناک اقدام ہرگز نہ کرے کہ اولاً یہ خود اُس کی اپنی اسلامی حیثیت کے منافی ہے ثانیاً عوام میں بلا وجہ ایک نیا اضطراب پیدا کرنے کا موجب ہے۔

اس مسئلہ میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی اور اہلِ حدیث وغیرہ سب ہی متفق ہیں۔ صرف وہ چند لوگ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں جو قرآن کو تعلیماتِ رسولؐ سے علیحدہ کرکے اپنی ہوا و خیالات کا تابع بنانا چاہتے ہیں جن کی مسلمانوں میں نہ کوئی تعداد ہے نہ کوئی علمی یا عملی حیثیت۔

وما علینا الا البلاغ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی ۱۰ آخر جنوری ۱۹۵۴ء

خود قدرت نہ ہو تو ضرورت کے وقت دوسرا آدمی اس کا فرض ادا کر سکتا ہے۔ حج اسی قسم میں داخل ہے کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت بھی۔ اس تیسری قسم کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مسئلہ۔ یہ حکم ان فرض اور واجب عبادات کا ہے جو مالی اور بدنی دونوں عبادات پر مشتمل ہوں۔ کہ ایک کا فرض دوسرا آدمی ادا کر دے۔ لیکن نفلی عبادات میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب جس کو چاہے بخش دے۔ خواہ عبادت بدنی نماز، روزہ ہو یا مالی صدقات ہوں۔ یا حج وغیرہ جو دونوں سے مرکب ہیں وہ ہوں، ہر قسم کی نفلی عبادت کا ثواب ہر آدمی کو حق ہے کہ جس کو چاہے بخشش کر سکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ عبادت کرنے کے بعد دل سے نیت کر لے اور زبان سے کہہ دینا زیادہ بہتر ہے کہ اس عبادت کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے۔ اس میں یہ بھی اختیار ہے کہ ایک عبادت کا ثواب چند آدمیوں کو پہنچا دے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ جو شخص اپنی عبادت کا ثواب کسی کو بخش دے تو وہ اس کو پہنچتا ہے البتہ بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک بدنی عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بخشا جا سکتا (ہدایہ) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص نفلی طور پر اپنے حج یا عمرہ کا ثواب دوسرے کو بخش دے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کے لیے کوئی شرط نہیں، جبکہ یہ حج و عمرہ اپنے مال سے کیا ہو۔ اور اگر آمر اپنا مال اور خرچ دے کر اپنی طرف سے نفلی حج یا عمرہ کرنے کے لیے کسی کو بھیجے تو اس میں چند شرائط... ضروری ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

## حج بدل فرض کے احکام

نفلی حج بدل کے احکام بعد میں بیان کیے جائیں گے۔

مسئلہ۔ جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے ادائے حج کا زمانہ بھی پایا۔ مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج ادا نہ کیا پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر خود حج بدل کرائے یا وصیت کرے کہ میرے بعد میری طرف سے حج کرایا جائے۔

مسئلہ۔ اگر حج کی مالی استطاعت حاصل ہو جانے کے بعد زمانۂ حج آنے

# تصدیقات علماء

الجواب صواب واللہ در المجیب فقد اجاد واصاب فیما اجاب

اس تحریر دلپذیر کو پڑھا جس کا ہر ہر لفظ عقل اور نقل کی ترازو میں تلا ہوا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل سے مدلل اور مبرہن اور قانونی نظائر سے روشن اور مزین ہے اُمید ہے کہ اہلِ اسلام کے لئے عموماً اور ارکان اسمبلی کے لئے خصوصاً یہ تحریر شب تاریک میں شمعِ ہدایت کا کام دے گی ۔ والسلام

محمد ادریس عفا اللہ لہٗ

(شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

پوتے کی میراث کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی تحریر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ منکرینِ حدیث کے کل وساوس کا جواب لاجواب دے کر فرض ادا فرما دیا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء اراکین اسمبلی نے اگر اس جرم کا ارتکاب کیا کہ پوتے کو دادا کے مال سے چچا کی موجودگی میں حصہ دلایا تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پونے چودہ سو سال کے گذرے ہوئے علماء ربانی، مجتہدین، مفسرین، محدثین، اولیائے اُمت کا مقابلہ کرنا ہوگا ۔ اس جرم کا انجام سوچ لیا جائے اور یہ بھی یقین رکھیں کہ ہمارے فیصلے سے اسلام کا قانون منسوخ نہ ہو سکے گا ، تا قیامت باقی رہے گا۔

پوتے کا مسئلہ اجماعی ہونے میں قربانی کے مسئلہ کی طرح ہے ۔ منکرین حدیث نے قربانی کا بھی انکار کیا مگر قربانی جاری ہے ۔ اسی طرح یہ پوتے کی میراث کا مسئلہ بھی اسی طرق پر رہے گا جس طرح شروع اسلام سے آج تک ہے ۔ فقط محمد حسن

(دستخط حضرت اقدس مولانا محمد حسن صاحب خلیفہ اعظم حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی ۔ مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد ۔ لاہور

سے پہلے فوت ہوگیا تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ حج اس کے ذمہ سے ساقط ہوگیا، اسی طرح اگر یہ شخص پہلے ہی سال حج کے لیے روانہ ہوگیا، پھر حج سے پہلے فوت ہوگیا تو اس کے ذمہ سے بھی حج ساقط ہوگیا، وصیت کی ضرورت نہیں (منسلک ملا علی قاری)

## حج سے عاجز و معذور قرار دینے کی شرائط

حج سے عاجز اور معذور ہونے کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر گزری، کہ حج کا موقع پانے سے پہلے انتقال ہوگیا، اس میں تو حج سرے سے ساقط ہی ہوجاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے اس کو قید کرلیا یا زبردستی مکہ معظمہ جانے سے روک دیا۔ تیسری یہ کہ کوئی ایسا مرض پیش آگیا جس سے صحت کی امید نہیں۔ مثلاً اپاہج یا نابینا یا لنگڑا ہوگیا یا بڑھاپے کا ضعف ایسا ہوگیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں رہا۔ سفر کرنے میں جان و مال کا اندیشہ ہے۔ پانچویں صورت خاص عورتوں کے لیے یہ ہے کہ کوئی محرم ساتھ کے لیے نہ ملا۔ ان سب صورتوں میں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ عذر موت تک مسلسل جاری رہا ہو اگر یہ اعذار قبل الموت رفع ہوجائیں، مگر پھر خود زمانہ حج پانے کی صورت میں حج کرنے کی نوبت نہ آئے تو حج بدل کرانا یا اس کی وصیت کرنا واجب ہے اور اگر مرنے تک یہ اعذار قائم رہے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشہور روایت کے مطابق وصیت کرنا واجب نہیں بشرطیکہ عذر سے پہلے زمانہ حج نہ پایا ہو، کیونکہ شرط نہ پانے کی وجہ سے فرض ساقط ہوگیا۔ اور صاحبین کے نزدیک مالی استطاعت تو ایسی شرط ہے کہ اس کے نہ ہونے یا ایام حج آنے سے پہلے ختم ہوجانے کی وجہ سے فرض حج ساقط ہوجاتا ہے۔ باقی شرائط وجوب حج کے لیے نہیں بلکہ ادائے حج کے لیے ہیں۔ ان کے فوت ہوجانے کی وجہ سے فرض ساقط نہیں ہوتا۔ مگر جب خود ادا کرنے پر قدرت نہ رہے تو حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہے، محقق ابن ہمام وغیرہ نے صاحبین کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اس لیے احتیاط ان سب صورتوں میں یہ ہے کہ حج بدل

ماشاء اللہ حضرت مفتی اعظم زید فیضہم کا یہ مضمون نہایت جامع اور شبہات کا دافع اور انصاف پسند کے لئے شافی وکافی ہے۔ بالکل صحیح اور قرآن وحدیث اور اجماع اُمت وعقل سلیم کے فیصلے سے مستحکم ہے۔ احقر نے بھی ایک مضمون اخبار نوائے وقت کو دیا تھا مگر اس نے شائع نہیں کیا، پھر ایک مضمون ادارہ اشاعت اسلام انارکلی کو دیا ہے جو مستقل شائع ہو رہا ہے۔ اور ایک مضمون رسالہ "درویش اسلام" کو دیا ہے جو غالباً فروری ۱۹۵۸ء میں طبع ہوگا۔ اور ایک رسالہ "تذکرہ کراچی" کو دیا ہے جو غالباً مارچ کے پرچہ میں آئے گا اور ایک مفصل کتاب "پوتے کی میراث اور عقل پرستوں کی تحریفات" مستقل طبع ہونے والی ہے جس میں رسالہ طلوع اسلام اور پمفلٹ "یتیم پوتے کی میراث" کی ہر ہر چیز کی حقیقت بھی آشکارہ کی گئی ہے جس سے ان کی تحریفوں اور دھوکہ بازیوں کا اندازہ اور عقلیات کی نامعقولیت معلوم ہوگی۔

جمیل احمد تھانوی

(مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

جواب مفتی صاحب کا حق ہے اور حق ہی لائق اتباع ہے۔

محمد عبد الغنی غفرلہ

مدرس مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

میرے نزدیک حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کا جواب متلاشی حق مسلمان کے لئے نہایت کافی اور بالکل صحیح ہے۔ محمد عبید اللہ

مدرس جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

لاریب فیہ وما سواہ لایخلو عن ریب

محمد رسول خاں (سابق مدرس اعلیٰ دار العلوم دیوبند حال لاہور)

حضرت مفتی صاحب قبلہ کے افادات مذکورہ سے کامل طور پر متفق ہوں اللہ کریم حضرت موصوف کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ محمد فیوض الرحمٰن عثمانی

مدرسہ رحیمیہ لاہور

کی وصیت کر جائیں اور وارث حج بدل کرادیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

**حج بدل کی شرائط** یہ شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں، یہاں ملا علی قاری کے مناسک سے لکھی جاتی ہیں۔ لیکن ترتیب کچھ بضرورت بدل گئی ہے۔

جس شخص کے ذمہ حج فرض ہو یا اس نے بذریعہ نذر (منت) اپنے اوپر حج یا عمرہ کو لازم کرلیا ہو۔ پھر خود ادا کرنے کی قدرت نہ رہی جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے تو ایسے شخص کا حج یا عمرہ بطور بدل ادا کرانے کے لیے بیس شرطیں ہیں۔ ان شرائط میں دو لفظ بار بار آئیں گے۔ ان کے معنی سمجھ لیجیے، ایک آمر دوسرا مأمور، حج کرانے والے کو آمر کہتے ہیں اور جو دوسرے کے حکم سے حج بدل کرتا ہے اس کو مأمور کہتے ہیں۔

پہلی شرط، یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو اس پر حج بدل کرانے کے وقت حج فرض ہو۔ اگر اس وقت اس پر حج فرض نہیں تھا، اس حالت میں اپنی طرف سے حج بدل کرا دیا تو یہ نفل حج ہوا، اگر اس کے بعد اس کو حج کی استطاعت ہو تو حج فرض ہو گیا اب دوبارہ حج خود کرنا پڑے گا۔ خود نہ کر سکا تو حج بدل دوبارہ کرانا پڑے گا۔

دوسری اور تیسری شرط، دائمی عجز اور حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا ہے۔ یعنی جن اعذار کی وجہ سے انسان کو حج سے عاجز قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ان اعذار کا موت تک باقی رہنا ...... حج بدل کرانے سے پہلے موجود ہونا بھی فرض حج بدل کے لیے شرط ہے۔ اگر کسی معذور شخص کا حج بدل کرا دینے کے بعد عذر رفع ہو گیا اور حج پر قدرت ہو گئی، مثلاً بیمار تھا اچھا ہو گیا۔ عورت کو محرم مل گیا تو دوبارہ خود حج ادا کرنا ضروری ہو گا۔ اور جو حج بدل پہلے کرایا ہے، وہ نفلی حج ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی)

چوتھی شرط: یہ ہے کہ جس کا حج فرض ادا کرنا ہے، اس کی طرف سے حج بدل کرنے والے کو امر کیا گیا ہو۔ یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر اس کے امر و اجازت کے بغیر کسی شخص نے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا تو اس کا فرض ادا نہ ہو گا۔

الجواب صحیح

بندہ غلام محمد غفرلہ مدرس مدرسہ جامعہ اشرفیہ

احقر نجم الحسن تھانوی غفرلہ (مدیر رسالہ انوار العلوم جامعہ اشرفیہ لاہور)

محمد علی عفا اللہ خطیب مسجد سریانوالی - ملتان شہر

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے پوتے پوتی کے وارث ہونے کے مسئلہ پر جو بل پنجاب اسمبلی میں پیش ہے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ باوجود مختصر ہونے کے جامع مدلل اور مسکت ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

سید داؤد غزنوی

مہتمم مدرسہ دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور وممبر پنجاب اسمبلی

اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جس پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہیں کیا اور ادا کرانے کے لیے وصیت بھی نہیں کی تو کوئی آدمی اگر اس پر احسان کر کے اس کی طرف سے حج بدل کر دے تو اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ایک حدیث کی بناء پر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے عزیز کی طرف سے بغیر اس کے امر اور وصیت کے ہی حج بدل ادا کر دیا تو انشاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا انشاء اللہ اسلیے کہا کہ کسی نص صریح سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں شرط: یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا مسلمان ہو عاقل ہو۔ مجنون پاگل نہ ہو۔ اگر نابالغ ہو تو مُمیّز ہو۔ یعنی احکام حج ادا کرنے اور سفر کے انتظام کی تمیز رکھتا ہو۔

مسئلہ۔ معلوم ہوا کہ مامور کا بالغ ہونا شرط نہیں۔ نابالغ بھی حج بدل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں اتنی تمیز اور صلاحیت ہو کہ احکام حج ادا کر سکے یعنی قریب البلوغ ہو۔ مگر اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے اس لیے احتیاط یہ ہے کہ نابالغ سے حج نہ کرایا جائے (از مناسک ملا علی قاری)

آٹھویں شرط: یہ ہے کہ حج بدل کرنے پر کوئی اجرت و معاوضہ نہ لیا دیا جائے۔ اگر کسی نے باقاعدہ اجرت طے کر کے کسی سے حج بدل کرایا تو لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہوں گے۔ مگر حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ اور جو معاوضہ حج پر لیا ہے وہ واپس کرنا واجب ہوگا۔ البتہ بقدر اخراجات حج مامور کو آمر کی طرف سے مال دلایا جائے گا۔

نویں، دسویں شرط: یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو، اس کے مال سے حج کرے۔ اور سواری پر کرے، پیادہ نہ ہو۔ اگر حج بدل کرنے والے نے اپنا مال خرچ کر کے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا تو اس کا فرض ادا نہیں ہو گا۔ اور شرط یہ ہے اکثر حصہ مصارف حج کا اس کی طرف سے ہو، اگر کچھ تھوڑا مال خود

# تعارف فقہی تصانیف

## مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

بقلم (مولانا) محمد رفیع صاحب عثمانی

نائب مفتی دار العلوم کراچی

حج بدل کرنے والے نے اپنا بھی خرچ کر لیا تو مضائقہ نہیں، اسی طرح اگر پیادہ حج کیا تو آمر یعنی حج کرنے والے کا حج فرض ادا نہیں ہوگا۔ اس میں بھی اکثر سفر کا سواری پر کرنا کافی ہے، کچھ حصہ سفر کا پیادہ بھی طے کر لیا تو حرج نہیں۔

گیارہویں شرط: یہ ہے کہ آمر یعنی حج کرنے والے کے وطن سے سفر حج شروع کیا جائے۔ اگر حج کرانے والے کے کئی وطن ہوں تو اس وطن کا اعتبار ہوگا جو بہ نسبت دوسرے کے مکہ مکرمہ کی طرف قریب ہو۔

مسئلہ: جو شخص ہندوستان میں فوت ہوا اور حج بدل کی وصیت کر گیا مگر بعد میں اس کے اہل و عیال یا جس کو وصیت کی تھی وہ ہجرت کر کے پاکستان آگیا تو وصی پر لازم ہے کہ اس کا حج ہندوستان کے وطن سے کرائے، ہندوستان ہی سے کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مامور کرے لیکن اگر وہاں سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجنے پر قدرت نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ رقم وہاں بھیجنا مشکل ہو جائے، یا وہاں سے کسی آدمی کا بھیجنا قدرت میں نہ ہو تو پاکستان ہی میں اس جگہ سے جہاں وصی ہجرت کر کے آیا ہے، کسی کو حج بدل کے لیے بھیج دے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ صراحتہً کتب فقہ میں موجود نہیں ہے مگر اس کی ایک نظیر یہ موجود ہے کہ میت کا مال اگر اس کے وطن سے حج کرانے کے لیے کافی نہ ہو تو جس جگہ سے کافی ہو، وہاں سے حج کرا دینے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں بھی آمر کے وطن سے حج کرانے پر قدرت نہ رہی تو جہاں سے قدرت ہے، وہیں سے حج کرا دینا انشاء اللہ کافی ہوگا۔

بارہویں شرط: یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا احرام باندھنے کے وقت حج کی نیت آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے کرے، اگر احرام کے وقت نیت نہیں کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک افعالِ حج شروع کرنے سے پہلے پہلے نیت کرنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ احرام کے وقت زبان سے کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔ اور پھر جب تلبیہ کہے تو اس میں یہ الفاظ کہے لبیک عن

صرف فقہی موضوعات پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی پچانوے تصانیف ہیں جس میں سے پینتالیس رسالے، جواہر الفقہ میں آچکے ہیں لہٰذا ان کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ باقی پچاس میں سے پچیس رسالے الگ کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ امداد المفتین کا جزو بن کر شائع ہوئے اور سات احکام القرآن عربی کا جزو بن کر۔

یہاں مؤخر الذکر تینوں قسم کی تصنیف کا مختصر مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

---

فلاں، لفظ فلاں کی جگہ اس کا نام لے۔ اگر نام یاد نہ رہے تو صرف اتنا کہہ دے، کہ جس نے مجھے حج بدل کے لیے بھیجا ہے، اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔ اور لبیک عن الآمر کہہ دے۔ اور اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہے، صرف دل سے نیت آمر کے حج کی کرے تو یہ بھی کافی ہے اگر احرام باندھنے کے وقت مطلق حج کی نیت کرلی، اپنی یا دوسرے کی کوئی نیت نہیں کی تو افعالِ حج شروع کرنے سے پہلے آمر کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہوجائے گا۔

تیرہویں اور چودہویں شرط، یہ ہے کہ مامور یعنی جس کو حج بدل کے لیے کہا گیا ہے وہ خود ہی اس کی طرف سے حج بدل کرے، کسی دوسرے سے بغیر اجازت آمر کے کرانا جائز نہیں، اگر بغیر اجازت کے کسی کو بھیجا تو وہ حج مامور کا ہوجائے گا، آمر کا نہیں ہوگا اور اس کو آمر کی رقم واپس کرنا پڑے گی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ مامور کو اجازت عام دے دی جائے۔ کہ وہ کسی وجہ سے خود نہ کرسکے تو دوسرے سے کرادے۔

اسی طرح اگر مرنے والے نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص شخص کو معین کرکے کہہ دیا کہ اس کے سوا میرا حج بدل کوئی اور نہ کرے تو کسی دوسرے سے اس کا حج بدل کرانا جائز نہیں اور اگر معین تو کیا مگر دوسرے کی نفی نہیں کی یعنی صرف اتنا کہا کہ میرا حج بدل فلاں سے کرادیں۔ اس صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ اسی معین شخص سے حج کرائیں۔ ہاں اگر وہ انکار کردے یا کسی وجہ سے معذور ہوجائے تو دوسرے سے کرا سکتے ہیں۔ اس کے انکار اور معذوری کے بغیر بھی اگر وصی نے کسی اور کو بھیج دیا، تو حج فرض آمر کا ادا ہوجائے گا۔

مسئلہ۔ اگر وصیت کرنے والے نے صرف اتنا کہا کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے اور کسی کو وصی مقرر نہیں کیا، تو سب وارث جمع ہوکر باہم مشورے سے کسی کو بھی حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں۔ حج فرض آمر کا ادا ہوجائے گا۔

(ملا علی)

# حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

## کی

## فقہی تصانیف جو الگ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں

۱۔ **فتاویٰ دار العلوم دیوبند** دار العلوم دیوبند کی عالمگیر شہرت اور دینی مرکزیت جن اسباب پر قائم ہے۔ ان میں سے ایک چیز وہاں کے فتاویٰ بھی ہیں، جو ہر طبقے کے علماء اور عوام میں نیز عدالتوں اور پنچایتوں میں سند مانے جاتے ہیں، اس کے ضخیم رجسٹروں کا ایک حصہ آٹھ جلدوں میں پہلے بھی شائع ہوا تھا جس میں فتاویٰ کے دو سلسلے تھے۔

ایک دار العلوم دیوبند کے مفتی اوّل استاذ العلماء حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحبؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ بنام "عزیز الفتاویٰ"۔

دوسرا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند و حال بانی و صدر دار العلوم کراچی کے تحریر فرمودہ فتاویٰ بنام "امداد المفتیین"۔

لیکن پہلی طباعت میں ترتیب و تبویب بھی نہ تھی، اور یہ دونوں سلسلے مخلوط بھی تھے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس مکمل مجموعہ (آٹھ جلدوں) پر نظر ثانی اور تصحیح بھی کرائی اور دونوں سلسلوں کو الگ الگ مبوب کرا دیا۔ جدید طباعت میں اس پورے مجموعہ کی چار جلدیں کر دی گئیں۔ جلد اوّل و دوم میں "عزیز الفتاویٰ" مکمل ہے اور جلد سوم و چہارم میں "امداد المفتیین" مکمل جو اہم فتاویٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے دار العلوم دیوبند سے استعفار کے بعد اور دار العلوم کراچی کے قیام سے پہلے تحریر فرمائے حال ہی میں انہیں بھی مبوب کر دیا گیا ہے جو عنقریب

پندرہویں اور سولہویں شرط: یہ ہے کہ مامور حج کو فاسد نہ کرے اور فوت بھی نہ کرے۔ فاسد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لے اور فوت کرنے کی صورت یہ ہے کہ احرام کے باوجود عرفات کا وقوف نہ کرے، اگر فاسد کر دیا یا فوت کر دیا تو آمر کا حج ادا نہیں ہوا۔ اور فاسد کرنے والے پر واجب ہوگا کہ آمر کی رقم جتنی اس نے حج بدل کے لیے دی تھی واپس کرے اور آئندہ سال اپنے مال سے حج کی قضا کرے۔ یہ قضا بھی اسی مامور کی طرف سے ہوگی، آمر کی طرف سے نہیں ہوگی، آمر کو اپنا حج بدل الگ کرانا ہوگا۔

اور فوت ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی غفلت و کوتاہی سے ارکان حج ادا نہیں کئے، اس صورت میں اس کو بھی آمر کی رقم کا ضمان دینا پڑے گا اور اپنے فوت شدہ حج کی قضا اپنے مال سے الگ کرنا ہوگی۔ اس قضا سے بھی آمر کا حج فرض ساقط نہیں ہوگا اور خود مامور کا بھی حج فرض اس سے ادا نہیں ہوگا، اگر بعد میں اس کو حج پر قدرت ہوگئی تو اپنا فرض الگ ادا کرنا پڑے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آسمانی آفت بیماری یا قید ہو جانے، وغیرہ کے سبب ارکان حج کی ادائیگی سے معذور ہوگیا، اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ اگلے سال اس کی قضا کرلے اور آمر کو کوئی ضمان دینا نہیں پڑے گا۔ مگر اگلے سال جو قضا کرے گا اس سے آمر کا حج ادا ہو سکتا ہے۔ اگر آمر اس کو حکم کرے اور یہ قضا میں آمر کی نیت کرلے۔

سترہویں اور اٹھارہویں شرط: یہ ہے کہ مامور صرف ایک حج کا احرام باندھے ایسا نہ کرے کہ بیک وقت دو حج کی نیت کرکے احرام باندھے ایک اپنا ایک آمر کا۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف سے احرام باندھے، ایسا نہ کرے کہ دو آدمیوں کے حج کی نیت کرے اور دونوں کے لیے احرام باندھے۔

انیسویں شرط: یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا، آمر یعنی حج کرانے والے کے میقات سے احرام باندھے۔ یعنی اس کے وطن سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے جو میقات آتا ہے۔ اس سے احرام حج بدل کا باندھے، جیسے ہند، وپاکستان والوں کے لیے

انشاءاللہ "امدادالمفتیین" کا جزء بن کر شائع ہوں گے۔

۲- **احکام القرآن (عربی)** یہ وہ کتاب ہے جس کی تصنیف کو وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چند علماء کو اپنی نگرانی میں اس کی تصنیف پر لگایا اور چاہا تھا کہ جلد سے جلد یہ کتاب مکمل ہو جائے، اس میں قرآن کریم کی دو منزلیں سورۂ قصص سے سورۂ حجرات تک تقریباً ساڑھے چار پارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہم نے مکمل فرمائی ہیں۔ یہ کتاب حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے تفقہ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے اور اس میں حضرت مدظلہم نے قرآن کریم سے فقہ و عقائد کے مسائل انتہائی دیدہ ریزی اور تحقیق و تفصیل کے ساتھ مستنبط فرمائے ہیں۔ خاص طور سے ان مسائل پر زور دیا گیا ہے جو عہد حاضر میں پیدا ہو گئے ہیں، اور جن کے بارے میں سلف کی کتابوں میں تفصیلی مباحث نہیں ملتے، بعض مسائل پر مبسوط بحثیں مستقل رسالوں کی صورت اختیار کر گئی ہیں جو احکام القرآن کا جزء ہیں، مگر اپنے موضوع پر سیر حاصل ہونے کی بناء پر انہیں الگ بھی شائع کیا جا سکتا ہے ان رسائل کا تعارف آگے مستقل عنوان کے تحت آئے گا۔

۱- **اسلام کا نظام اراضی مع فتوح الہند** یہ کتاب اپنے موضوع میں بالکل منفرد اور بہت سے وقتی اور ضروری مسائل کی تحقیق میں بے نظیر ہے، ہر ملک کی زمینوں کے شرعی احکام، زمینوں کے بارے میں اسلامی حکومت کے اختیارات وغیرہ شرعی دلائل سے واضح کئے گئے ہیں۔

پہلے باب میں اسلام کے عام احکام اراضی بلا تخصیص کسی ملک اور خطہ کے بیان کئے گئے ہیں،

دوسرے باب میں قبل از تقسیم مشترکہ ہندوستان کی زمینوں کے شرعی احکام، شاہان اسلام کے فرامین اور ان کے تعامل کی روشنی میں ہندوستان کے ہر صوبہ کے متعلق جدا جدا احکام جمع کئے گئے ہیں پھر انگریزی عہد کے تغیرات اور ان کا جواز زمینوں کے احکام پر پڑا

بحری جہاز سے سفر کرنے میں یلیم ہے۔ اگر مامور نے یہاں سے احرام عمرہ کا باندھا، عمرہ ادا کر کے مکہ معظمہ سے احرام حج کا باندھا جیسا کہ حج تمتع کا قاعدہ ہے، تو چونکہ حج میقاتِ آمر سے نہیں ہوا۔ اس لیے آمر کا حج ادا نہ ہوا۔ خود مامور کا ہو گیا، اس پر لازم ہے کہ آمر کی دی ہوئی رقم اس کو واپس کرے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بیسویں شرط: یہ ہے کہ مامور آمر کی مخالفت نہ کرے مثلاً آمر نے اس کو حج افراد کرنے کے لیے کہا تھا، اگر اس نے حج کے ساتھ عمرہ بھی ملا کر قران کر لیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ مامور پر ضمان آئے گا کہ آمر کی رقم واپس کرے۔ یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے۔ جبکہ اس نے عمرہ کی نیت اپنی طرف سے اور حج کی نیت آمر کی طرف سے کی ہو اور اگر عمرہ بھی آمر کی طرف سے کیا، حج بھی، تو اس میں امام اعظمؒ کا قول تو یہی ہے کہ مخالفت آمر کی وجہ سے یہ حج آمر کا نہیں مامور کا ہو گیا۔ اس پر ضمان لازم ہوگا مگر صاحبین کے نزدیک آمر کا حج اس سے ادا ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی قاری)

امام اعظمؒ کے نزدیک چونکہ اس حکم کا مدار مخالفت آمر پر ہے اس لیے اگر آمر نے خود ہی اجازت قران کی دے دی ہے تو مقتضائے کلام یہ ہے کہ بہ اتفاق حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ یہ حکم قران کا ہے۔ اگر مامور نے عمرہ کا اضافہ بصورت تمتع کر لیا کہ میقاتِ آمر سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا پھر مکہ مکرمہ سے احرام حج کا باندھا تو امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک آمر کا حج ادا نہیں ہوا۔ مامور پر ضمان واجب ہے۔ (کذا فی البحر والفتح) اس مسئلے کی تفصیل آگے آئے گی۔

## خُلاصۂ شرائط

شرائط مذکورہ میں چار شرائط تو آمر یعنی حج کرانے والے کی ذات سے متعلق ہیں۔ (۱) اس کا مسلمان ہونا اور اس پر حج فرض ہونا اور خود قادر نہ ہونا (۲) اس کے عجز کا دائمی ہونا۔ (۳) حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا۔ (۴) حج بدل کے لیے کسی کو خود مامور کرنا

اس کا بیان ہے۔

تیسرے باب میں تقسیم ہند اور بنائے پاکستان کی مختصر تاریخ اور وہ دستاویزی معاہدہ جس کی رو سے ہندوستان دو ملکوں میں تقسیم ہوا، جس پر دونوں ملکوں کی زمینوں کے احکام کا مدار ہے، ان معاہدات کی روشنی میں دونوں ملکوں کی زمینوں کے شرعی احکام میں کیا فرق آیا۔ اور دونوں طرف سے ترک وطن کرنے والوں کی متروکہ زمینوں کے احکام کیا ہیں، ان سب امور کا مفصل بیان ہے۔

چوتھے باب میں دونوں ملکوں کے اوقاف کے متعلق احکام ہیں۔

پانچویں باب میں دونوں ملکوں کی اراضی کے عشر و خراج کی تحقیق اور مسائل درج ہیں۔

مقصد کے لحاظ سے یہ کتاب فقہی احکام کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کے ضمن میں تقریباً اکثر فتوحات اسلامیہ خصوصاً فتوحاتِ ہندوستان اور شاہانِ ہند کے فرامین وغیرہ کا ایک اہم تاریخی حصہ بھی آگیا ہے، جو کچھ تو ضمناً آیا ہے اور کچھ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بنام "فتوح الہند" الگ جمع کر دیا گیا ہے۔

۴- **آلاتِ جدیدہ** اس میں لاؤڈ اسپیکر۔ گراموفون۔ فوٹوگرافی، ہوائی جہاز، ریڈیو، ایکسرے، انجکشن وغیرہ آلاتِ جدیدہ سے متعلق پیدا ہونیوالے جدید مسائل کا شرعی حل۔ نیز مریض کے بدن میں خون پہنچانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

۵- **آلۂ مکبر الصوت** لاؤڈ اسپیکر کا اذان، خطبہ اور نماز میں استعمال کرنے کے متعلق شرعی احکام، علماء دیوبند، تھانہ بھون، سہارنپور اور دہلی وغیرہ کی نہ بہم وجہ کہ تحقیقات کا خلاصہ اور آخری فیصلہ۔ پہلے یہ رسالہ الگ شائع ہوا تھا اب حالات جدیدہ کا جزء بن کر شائع ہوا ہے

۶- **رویتِ ہلال** پاکستان اور دوسرے ممالک میں یہ مسئلہ مدت سے معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے، حضرت مفتی صاحب نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل شرعی اصول کے مطابق لکھی ہے، چاند کے معاملے میں شرعی حیثیت اور متعلقہ شرعی احکام کی تفصیل بیان فرمائی ہے

یا اس کے لیے وصیت کرنا۔ اور چار شرائط مامور کی ذات سے متعلق ہیں (۵) مسلمان ہونا (۶) عاقل ہونا (۷) اگر نابالغ ہو تو ممیز قریب بلوغ ہونا (۸) حج بدل کی کوئی اُجرت ومعاوضہ نہ لینا۔ باقی شرائط افعال حج سے متعلق ہیں کہ (۹) حج بدل کرنے میں اکثر مال حج کرانے والے آمر کا خرچ کرے۔ کچھ تھوڑا اپنی طرف سے بھی خرچ کردے۔ تو مضائقہ نہیں (۱۰) اکثر حصہ سفر کا سواری سے طے کرے۔ پیادہ حج کرے تو آمر کا حج نہیں ہوگا۔ (۱۱) آمر کے وطن سے سفر شروع کرے۔ (۱۲) حج کو فاسد نہ کرے (۱۳) آمر ہی کی طرف سے نیت حج کی بوقت احرام کرے۔ (۱۴) فوت بھی نہ کرے (۱۵) آمر کی مخالفت نہ کرے۔ باقی پانچ شرطوں کا تعلق اسی شرط مخالفت سے ہے وہ درحقیقت الگ شرط نہیں۔

**یہ سب شرائط فرض حج بدل کے لیے ہیں** حج نفل اور عمرہ نفلی کے لیے اگر مامور اپنے مال سے تبرعاً واحساناً کرتا ہے تو کوئی شرط نہیں اور مال آمر کا خرچ کرتا ہے تو پہلی تین شرطیں جو آمر کی ذات سے متعلق ہیں وہ نہیں رہیں گی۔ باقی شرائط بدستور رہیں گی (غنیۃ الناسک)

مسئلہ۔ شرائط مذکورہ کے مطابق حج فرض جس کی طرف سے کیا گیا، صحیح اور راجح فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ یہ حج وعمرہ آمر یعنی حج کرانے والے کا ہوگا اور حج وعمرہ کرنے والے کو اس کی امداد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور حج کے بعد زائد عمرے یا طواف وغیرہ کرے گا تو وہ خود اس کے ہوں گے، عمرہ یا حج نفل میں بھی جبکہ آمر کے خرچ سے کیا گیا ہو یہی حکم ہے کہ آمر کا ہوگا، مامور کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا (کذا فی کافی الحاکم، ارشاد الساری وغیرہ)

البتہ اگر نفلی حج یا عمرہ کسی نے اپنے خرچ سے کیا اور کرنے کے بعد کسی کو ثواب پہنچا دیا تو یہ حج وعمرہ خود کرنے والے کا ہوگا۔ اور جس شخص کو ثواب پہنچایا ہے اس کو ثواب ملے گا۔ (غنیہ)

مسئلہ۔ جس شخص نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے۔ اس کے لیے نفلی حج کرنے

۷۔ **مسئلہ سود** سود کی شرعی تعریف، قدیم قرض کے مہاجنی سود اور جدید قسم کے تجارتی بینکوں کے سود کی مفصل تحقیق اور عام شبہات کا جواب، قرآن مجید کی اندر سات آیتیں جو سود کے متعلق آئی ہیں ان کی مفصل تفسیر، اور حرمت سود کے متعلق ۴۰ احادیث، سود کی دینی و دنیاوی خرابی و بربادی کا مفصل بیان۔ اس موضوع پر نہایت شافی وکافی تصنیف ہے۔

۸۔ **بیمہ زندگی** اس مسئلہ کی مکمل تحقیق شرعی اصول پر کی گئی ہے۔ آخر میں دیگر علماء کرام کی تصدیقات ہیں۔

۹۔ **پراویڈنٹ فنڈ** پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق اور اس فنڈ پر سود کے نام سے ملنے والی رقم کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے

۱۰۔ **اسلام کا نظام تقسیم دولت** سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان اسلامی نظام کا اصلی و بہتر ہونا، اور دونوں نظاموں پر شرعی حیثیت سے بحث، اس موضوع پر بہترین مقالہ ہے۔

۱۱۔ **اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟** اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ اور اس سے موجودہ معاشی مسائل کیوں کر حل ہو جائیں گے؟ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس سوال کا سادہ، عام فہم اور دلنشین جواب اس رسالہ میں دیا ہے۔ اس کے مطالعے سے عام پڑھا لکھا انسان ایک نظر میں یہ جان سکتا ہے کہ اسلام موجودہ نظام معیشت میں کیا بنیادی تبدیلیاں لائے گا اور سوشلزم کے برخلاف ان کے ذریعہ سرمایہ داری کی خرابیوں کا انسداد کس طرح ہو سکے گا۔

۱۲۔ **قرآن میں نظام زکوٰۃ** زکوٰۃ کے متعلق آیات قرآنی کی تفسیر، زکوٰۃ کن اصول پر قائم ہے، اور اس کے نصاب اور مصارف کا تعین اور شبہات کا جواب اس کتاب کے دوسرے حصہ میں احقر محمد رفیع عثمانی نے زکوٰۃ کے مفصل احکام درج کیے ہیں۔

سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے فرض کا حج بدل کرے۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرتا ہے۔ اس کو سات حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ (غنیہ)

**جس نے اپنا حج نہیں کیا اس سے حج کرانا** | افضل اور بہتر تو سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اگر وہ ایسا ہے کہ اس پر حج فرض ہی نہیں تو اس کا حج بدل کے لیے امر کرنا جائز ہے۔ مگر مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اور اگر اس شخص کے ذمہ خود حج فرض ہے اور وہ ابھی ادا نہیں کیا۔ اس حالت میں دوسرا کوئی اس کو اپنے حج بدل کے لیے بھیجے تو بھیجنے والے کے لیے تو مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے مگر اس حج بدل پر جانے والے کے لیے مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ جب اس کو حج کی سہولت میسر آجائے تو اپنا حج فرض ادا کرے (غنیہ)

**مسئلہ۔** جس شخص پر پہلے سے حج فرض نہیں تھا اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل پر چلا گیا اور اسی کی طرف سے احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو بیت اللہ کے پاس پہنچنے سے اس کے ذمہ اپنا حج فرض نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس حالت میں مکہ مکرمہ پہنچا ہے کہ دوسرے کی طرف سے احرام باندھنے کی بناء پر اپنا حج کرنے پر اس کو قدرت نہیں۔ اور واپسی کے بعد غریب ہونے کی بناء پر دوبارہ جانے کی قدرت نہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگرچہ اس کے ذمہ پہلے سے حج فرض نہیں تھا، مگر بیت اللہ کو دیکھنے سے اس پر حج فرض ہو گیا۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ سال بھر وہیں ٹھہرے اور اگلے سال اپنا حج کر کے واپس آئے۔ (غنیہ)

آج کل چونکہ نہ قیام طویل اختیار میں ہے، نہ اس کے وسائل اختیار میں، اس لیے پہلے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ بحیثیت دلیل بھی وہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

**آمر کے وطن سے حج بدل کرنے کا مسئلہ** | جو اوپر شرائط میں مذکور ہے یہ اس وقت

۱۳- **اعضائے انسانی کی پیوندکاری** سرجری کے ذریعہ ایک انسان کا عضو دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کی شرعی حیثیت کی مفصل اور مدلل تحقیق۔

۱۴- **ضبط ولادت** اس کی شرعی حیثیت اور مروجہ خاندانی منصوبہ بندی پر شرعی اور اقتصادی حیثیت سے مکمل بحث ہے۔

۱۵- **تصویر کے شرعی احکام** تصویر کشی اور استعمال تصاویر کے متعلق قرآن وحدیث کے ارشادات اور مفصل احکام، فوٹو کی تصویر اور چھوٹی چھوٹی تصویروں اور آدھے دھڑ کی تصویروں کے احکام مع جواب شبہات۔

۱۶- **ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں** کفر اور اسلام اور مسلم و کافر کی شرعی تعریف کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کہنے میں کیا احتیاط لازم ہے، اور اس کے کیا اصول ہیں؟ اہل قبلہ کو کافر کہنے کی مکمل تشریح اور اہل قبلہ کے معنی، قرآن و حدیث کے دلائل اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی تصریحات نہایت تفصیل سے لکھی گئی ہیں یہ کتاب درحقیقت حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی ضخیم کتاب اکفار الملحدین کا اردو میں خلاصہ ہے۔

۱۷- **آداب سفر مع احکام سفر** سفر شرعی کی تعریف، مسافر اور سفر کے احکام، آداب اور دعائیں جو احادیث اور کتب فقہ سے جمع کی گئی ہیں۔

۱۸- **آداب مساجد** اس میں مساجد کے فضائل و آداب، احکام اور ان کاموں کا مفصل بیان ہے جو مسجد میں ناجائز و مکروہ ہیں۔

۱۹- **احکام دعا** حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی عربی تصنیف یعنی "استحباب الدعوات" کا اردو ترجمہ جس میں نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا مسنون طریقہ احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس میں مزید اضافے بھی فرمائے ہیں۔

ہے جبکہ وصیت کرنے والے کے کل مال کا ایک تہائی اتنا ہو کہ اس کے وطن سے حج کرایا جاسکے۔ اور اگر تہائی مال میں یہ گنجائش نہ ہو اور وارث تہائی سے زائد خرچ کرنے کے لیے راضی نہیں تو ایک تہائی مال میں جس جگہ سے حج کرایا جاسکتا ہے۔ کرا دیا جائے۔ (غنیہ، ملا علی)

مسئلہ۔ اسی طرح اگر مرنے والے نے خود اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے حج بدل کرنے کی وصیت کردی تو وہی اسی جگہ سے حج کرائے۔

# حج بدل میں قران اور تمتع

حج بدل کرنے والا اگر آمر کی اجازت کے بغیر قران کرے، اس طرح کہ عمرہ اپنی طرف سے اور حج آمر کی طرف سے کرے، تو باتفاق فقہاء یہ حج آمر کا ادا نہیں ہوگا خود مامور کا ہو جائے گا، اور مامور پر نفقۂ حج کا ضمان عائد ہوگا اور اگر عمرہ کی نیت بھی آمر کے لیے کی اور حج کی بھی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں اور اس صورت میں حج آمر کا نہیں ہوگا، مامور پر ضمان واجب ہوگا۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اور وجہ اختلاف کی مبسوط شمس الائمہ سرخسی میں بعبارت ذیل مذکور ہیں:۔

(۱) ولو قرن مع الحج عمرۃ کان مخالفاً ضامناً للنفقۃ عند ابی حنیفہؒ وعندھما لایصیر مخالفاً استحساناً لانہ اتی بالمامور بہ وزاد علیہ مایجانسہ فلا یصیر مخالفاً کالوکیل بالبیع اذا باع باکثر مما سمّی لہ من جنسہ و ابوحنیفہ یقول ھو مامور بانفاق المال فی سفر مجرد للحج وسفرہ ھذا تما تقرب للحج والعمرۃ جمیعا فکان

۲۰- **شب برات** اس میں شب برات کے فضائل و برکات اور احکام کا مفصل بیان اور غلط رسموں کی تردید ہے۔

۲۱- **احکام حج** تمام ضروری احکام حج مختصر اور آسان طرز میں لکھے گئے ہیں۔ نہایت مفید اور کارآمد رسالہ ہے۔

۲۲- **تاریخ قربانی** اس میں قربانی کی مکمل تاریخ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک ہر دور میں اس کی مختلف صورتیں اور اسلام میں واجب ہونے کی اور اس کے بدلہ میں قیمت کا صدقہ کافی نہ ہونے کی مفصل تحقیق قرآن و سنت کے دلائل سے بیان کی گئی ہے۔ نیز متجددین کے اعتراضات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔

۲۳- **جہاد پاکستان ۱۹۶۵ء** اس میں جہاد کے فضائل اور مفصل احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۲۴- **بسم اللہ** کے فضائل و برکات اور مسائل، اور آخر میں اس کے خواص اور اس کے ذریعہ دینی و دنیوی فوائد، بیماریوں اور پریشانیوں کا علاج لکھا گیا ہے۔

۲۵- **گناہ بے لذت** اس رسالے میں ایسے گناہوں کا بیان ہے جن میں نہ کوئی ظاہری لذت ہے نہ کوئی معاشی مجبوری، محض غفلت و بے پروائی سے لوگ ان میں مبتلا ہیں۔ اگر ذرا بھی فکر کریں تو ان گناہوں کو فوراً چھوڑ سکتے ہیں، اس رسالے میں قرآن و حدیث سے ان گناہوں کے سخت عذاب و وبال کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اور آخر میں ایک دوسرا رسالہ صغائر گناہوں کی فہرست کا لگا دیا گیا ہے

مخالفا كما لو تمتع۔ ولا ولاية عليه للحاج فى اداء نسك عنه الا بقدر ما امره الا ترى انه لو لم يامره بشى لم يجز اداؤه عنه فكذلك اذا لم يامره بالعمرة فاذا لم تكن عمرته عن الميت صار كانه نوى العمرة عن نفسه فهناك يصير مخالفا (ثم قال بعد ذلك) ثم دم القرآن عندهما على الحاج من مال نفسه وكذلك عند ابى حنيفة اذا كان مأمورا بالقرآن من جهة الميت حتى لم يصر مخالفا لان دم القرآن للنسك وسائر المناسك عليه ثم قال بعد ذلك۔

(۲) واذا كان امر بالحج فبدأ واعتمر فى اشهر الحج ثم حج من مكة كان مخالفا فى قولهم جميعا لانه مامور بان يحج عن الميت من الميقات والمتمتع يحج من جوف مكة فكان هذا غيرما امر به ولانه مامور بالانفاق فى سفر يعمل فيه للميت وانما انفق فى سفر كان عاملا فيه لنفسه لان سفره انما كان للعمرة وهو فى العمرة عامل لنفسه۔

مبسوط کی عبارت مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ حج بدل میں قران وتمتع دونوں کے ناجائز ہونے اور آمر کا حج ادا نہ ہونے کی علت باتفاق ائمہ مخالفت حکم آمر کی ہے۔ اور تمتع میں حج کا میقاتی نہ رہنا بھی فی نفسہ علت عدم جواز نہیں۔ بلکہ وہ بھی مخالفتِ آمر ہی کی بنیاد پر ممنوع ہے۔ جیسا کہ عبارت نمبر ۱، ۲ سے واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ صاحبین نے اس مخالفت کو قران کی حد تک تو استحسانا جائز قرار دے دیا۔ مگر تمتع میں مخالفت دوہری ہوگئی۔ ایک حج کے ساتھ بلا اجازت عمرہ کا

# وہ فقہی رسائل جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا جزء بن کر شائع ہوئے ہیں

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (طبع جدید) چار جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی دو جلدوں کا نام عزیز الفتاویٰ اور آخری دو جلدوں کا نام امداد المفتیین ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کے مندرجۂ ذیل رسائل امداد المفتیین کا جزء بن کر شائع ہوئے ہیں۔

۱/۲۹ **الافصاح عن تصرفات الجن والارواح** — جنات اور ارواح کے تصرفات کے متعلق تحقیق (امداد المفتیین کتاب الایمان والعقائد)

۲/۲۹ **روع الناس عن محدثات الاعراس** — مروجہ عرس مزارات کے شرعی احکام (امداد المفتیین کتاب الایمان والعقائد، رد بدعات)

۳/۲۹ **مامول القبول فی ظل الرسولؐ** — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ پڑتا تھا یا نہیں اس کی تحقیق۔ (امداد المفتیین کتاب السیر والمناقب)

۴/۲۹ **موزوں پر مسح** — یعنی۔ رسالہ نیل المآرب فی المسح علی الجوارب۔ جس میں کپڑے کے موزوں پر چمڑہ چڑھا کر مسح کرنے کے متعلق مفصل تحقیق ہے

شامل کرنا۔ دوسرے امر حج کے میقاتی کرنے کا تھا۔ اس صورت میں وہ حج مکی ہو گیا۔ اس لیے اس مخالفت کو انھوں نے بھی جائز نہیں سمجھا اور حکم یہ دیا کہ آمر کا حج اس سے ادا نہیں ہوا۔ مامور پر ضمان آئے گا۔

تیسری بات اس سے یہ نکل آئی کہ جب عدم جواز کی علت مخالفتِ آمر ہوئی، تو اجازتِ آمر کے ساتھ قران اور تمتع دونوں جائز ہو جانے چاہییں۔ چنانچہ باجازتِ آمر قران جائز ہونے کی تصریح عبارت نمبر ۲ میں آئی ہے۔ اسی طرح ہدایہ میں بھی باجازتِ آمر قران جائز ہونے کی تصریح ان الفاظ میں آئی ہے:

فان امره غيره ان يقرن عنه فالدم على من احرم فانه وجب شكرا لما وفقه الله تعالىٰ من الجمع بين النسكين والمامور هو المختص بهذه النعمة لان حقيقة الفعل منه ۵۱۔

مبسوط اور ہدایہ کی دونوں تصریحات میں ذکر صرف قران کا کیا گیا ہے۔ حالانکہ مدارِ اجازت جب آمر کی اجازت پر ٹھہرا تو مقتضا اس کا یہ ہے کہ قران ہو یا تمتع، جب باذنِ آمر ہو تو دونوں جائز ہونے چاہییں۔ اسی لیے مبسوط کی مذکورۃ الصدر بحث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ والمراد بالقرآن الجمع بين النسكين قرآنا كان او تمتعا كما صرح به في غاية البيان لكن بالاذن المتقدم۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آمر کی طرف سے اجازت ہو تو قران و تمتع دونوں جائز ہیں اور حج و عمرہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے بھی جو کلام نقل کیا ہے، اس کا ظاہر یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے حج کی تینوں قسمیں افراد، قران، تمتع سب جائز ہیں بلکہ ان کی ہدایت یہ ہے کہ آمر کو چاہیے کہ مامور کو عام اجازت دے دے تاکہ اس کو عمل میں تنگی اور دشواری پیش نہ آئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ

کہ کس صورت میں مسح جائز ہے، کس صورت میں جائز نہیں۔ (امداد المفتین۔ کتاب الطہارۃ)

۶
۳۰ **احکام الاعلام بالتکبیر والاعلام** گھنٹوں، ترانوں، اور نعروں وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانا اس کے متعلق حکم شرعی (امداد المفتین۔ کتاب الصلوٰۃ)

۶
۳۱ **تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال** اس میں سمت قبلہ سے متعلق علامہ مشرقی کی پیدا کردہ تشکیکات کا واضح جواب بھی ہے اور اس مسئلہ کی مثبت انداز میں مکمل تحقیق بھی۔ فتاویٰ دار العلوم میں اس کا صرف وہ حصہ درج ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا تحریر فرمودہ ہے اور جواہر الفقہ میں اس حصہ کے علاوہ بعض دیگر علماء کے مقالات بھی اسی کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں۔

۷
۳۲ **القول القریب فی اجابۃ الاذان بین یدی الخطیب** جمعہ کی اذان کا جواب دینا اور بعد کی دعا پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق (امداد المفتین — باب الجمعۃ والعیدین)

۸
۳۳ **اماطۃ التشکیک فی اناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک** رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم تملیک کے بغیر خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، اس مسئلہ کی مفصل اور مدلل بحث اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ امداد المفتین۔ کتاب الزکوٰۃ)

۹
۳۴ **انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہونے کی تحقیق** اس مسئلہ پر سیر حاصل مدلل بحث ہے (امداد المفتین کتاب الصوم)

اذا امر غيره بان يحج عنه فينبغي ان يفوض الامر الى المامور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت ان شئت حجة وان شئت حجة وعمرة وان شئت قرانا والباقي من المال لك وصية كيلا يضيق الامر على الحاج ولا يجب رد ما فضل على الورثة (قاضی خان برحاشیہ عالمگیری طبع مصر ص۳۰۷ ج ۱)

منسک علامہ سندی مسمی لباب میں قاضی خان کی مذکورہ عبارت کا یہی مفہوم قرار دے کر لکھا ہے:۔

وينبغي للآمر ان يفوض الامر الى المامور فيقول حج عني كيف شئت مفردا او متمتعا۔ (ارشاد الساری۔ مناسک ملا علی قاری ص۲۹۲)

لیکن ملا علیؒ نے منسک سندی کی شرح میں لباب کے اس قول کو سہو قرار دیا اور اس کے قول متمتعا پر فرمایا:۔

فيه ان هذا القيد سهو ظاهر اذ التفويض المذكور في كلام المشائخ مقيد بالافراد والقران لا غير (ثم قال) واما في قاضي خان من التخيير بحجة او عمرة وحجة او بالقران فلا دلالة له على جواز التمتع اذ الواو لمجرد لا تفيد الترتيب فتحمل على حج وعمرة بان يحج اولا ثم ياتي بعمرة له ايضا فتدبر فانه موضع خطر۔

مگر علامہ حسین بن محمد سعید عبد الغنی نے عبارت مذکورہ کے حاشیہ میں اس کو سہو قرار دینے کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

قوله فيه ان هذا القيد سهو ظاهر: قال القاضي عيد في شرحه لهذا الكتاب (يعني اللباب) ولا يخفى ان هذا

۱۰/۳۵ **خیر الامور فی قدر المہور** — عورتوں کے مہر کی مقدار کے متعلق مکمل تحقیق (امداد المفتین کتاب النکاح باب الجہاز والمہر)

۱۱/۳۶ **اقامۃ العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحقوق بالسکوت** — عورت کے سکوت سے مہر معاف ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ بحث بھی آگئی ہے کہ دین کی معافی کے لئے دائن کا سکوت بیان کے قائم مقام کب ہوگا، کب نہیں، (امداد المفتین۔ کتاب النکاح، باب الجہاز والمہر)

۱۲/۳۷ **رفع الجور فی حکم یمین المؤبد والفور** — اگر طلاق کو کسی کام کے نہ کرنے پر معلق کیا تو کب تک نہ کرنے سے طلاق واقع ہوگی، اس مسئلہ کی مفصل تحقیق۔ امداد المفتین۔ کتاب الطلاق)

۱۳/۳۸ **حکم الاضافت فی الطلاق الغیر المضاف** — شوہر نے جب طلاق کی اضافت بیوی کی بجائے اپنی طرف کی ہو، وہ واقع ہوگی یا نہیں؟ اس کا مفصل ومدلل حکم، یہ رسالہ درحقیقت حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے لے تبرک وافادہ کے لئے امداد المفتین کا جزء بنایا ہے۔ (امداد المفتین۔ کتاب الطلاق)

۱۴/۳۹ **نیل المرام فی حکم المسجد المبنی بالمال الحرام** — مال حرام مسجد کی تعمیر میں لگنے کی متعلقہ صورتیں اور ان کا حکم۔ (امداد المفتین۔ کتاب الوقف)

۱۵/۴۰ **الاحری بالقبول فی وقف العمارۃ علی ارض النزول** — لاوارث زمین پر حکومت قبضہ کرکے کسی کو دیدے اس کو وقف کرنے کے احکام۔ (امداد المفتین۔ کتاب الوقف)

۱۶/۴۱ **توضیح کلام اہل اللہ فی ما اہل بہ لغیر اللہ** — بتوں یا قبروں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کے متعلق شرعی احکام، (امداد المفتین۔ کتاب الصید والذبائح)

۱۷/۴۲ **سجدۂ تعظیم** — یعنی المقالۃ الرضیۃ فی سجدۃ التحیۃ ۔ سجدہ تعظیمی کے متعلق مفصل بحث وتحقیق۔ (امداد المفتیین ۔ کتاب الحظر والاباحۃ)

۱۸/۴۲ **اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام** — مال حرام کو صدقہ کرنے کے متعلق مفصل تحقیق۔ (امداد المفتیین۔ باب ارباح فاسدہ ومال حرام)

---

# وہ فقہی رسائل جو احکام القرآن عربی کا جزو بن کر شائع ہوئے ہیں

یہ رسائل عربی زبان میں ہیں، ان کا ترجمہ اگر اردو میں ہو جائے تو انشاء اللہ افادیت عام تر اور وسیع ہو جائے گا۔

۱/۴۴ **تفسیر الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب** — عورتوں کے پردے سے متعلق جتنی آیات قرآن کریم میں آئی ہیں۔ ان سب کی تفسیر اس رسالے میں یکجا کردی گئی ہے اور پردۂ شرعی سے متعلق چالیس سے زیادہ روایات حدیث اور صحابہ وتابعین اور ائمۂ دین کے ارشادات جمع کرکے پردے کے احکام مدلل ومفصل بیان کئے گئے ہیں اور مخالفین کے شبہات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔

---

| نمبر | نام کتاب | کیفیت |
|---|---|---|
| ۲ / ۴۵ | السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث | آیت قرآنی - ومن الناس من یشتری لہو الحدیث کی مبسوط تفسیر ہے جس میں گانے بجانے اور سماع کی مفصل و مکمل بحث ہے۔ |
| ۳ / ۴۶ | کشف الریب عن علم الغیب | یہ علم غیب کے مسئلہ پر آیات قرآنی، ارشادات نبوی اور ائمہ فقہاء، و صوفیاء کی تحقیقات کا بہترین مجموعہ ہے۔ |
| ۴ / ۴۷ | تکمیل الحبور بسماع اہل القبور | اس میں سماع موتیٰ کے معرکۃ الآراء مسئلہ پر قرآن و سنت اور ائمہ دین کے ارشادات کی روشنی میں تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ |
| ۵ / ۴۸ | کشف الغنار عن وصف الغنار | اس میں غناء و مزامیر اور موسیقی کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح کر کے مسئلہ کو مدلل کیا گیا ہے۔ |
| ۶ / ۴۹ | اماطۃ الشغب فی کراہۃ اللہو واللعب | اس میں مختلف کھیلوں کے احکام قرآن و سنت کی روشنی میں جمع کئے گئے ہیں۔ |
| ۷ / ۵۰ | تنقیح الکلام فی احکام الصلوٰۃ والسلام | یہ رسالہ آیۃ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی - الخ کی مبسوط تفسیر ہے، جس میں درود و سلام کے احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ |

یہ کل پچاس فقہی تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں پینتالیس فقہی رسالے، " جواہر الفقہ " میں آگئے ہیں۔ اس طرح صرف فقہی موضوعات پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تصانیف کی کل تعداد پچانوے ہو گئی۔ اور یہ بھی موجودہ تلاش و جستجو کا نتیجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ اور رسائل بعد میں مل جائیں جو تک اس وقت احقر کی

سہو منہ (یعنی علی القاری) لان المیت لو امرہٗ بالتمتع فتمتع المامور صح ولا یکون مخالفا بلاخلاف بین الائمۃ الاسلاف کذا فی الحباب (ارشاد الساری ص۳۰۲)

امام ابوبکر بن الفضل کے قول بروایت قاضی خان میں تخییر کے لیے تین لفظ استعمال ہوئے، اول بحجۃ جس کے معنی افراد ہیں اور آخر میں قِرانا ہے۔ اس سے پہلے بحجۃ وعمرۃ ہے۔ اس میں غور کرنے سے یہ تو ظاہر ہے کہ اگر تخییر صرف افراد اور قران کی مقصود ہوتی تو یہ تیسرا لفظ بحجۃ وعمرۃ فضول وبے معنی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کو جواز تمتع کی تصریح بھی اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ حجۃ کو مقدم، عمرۃ کو مؤخر کر کے لکھا ہے جو تمتع کی ترتیب کے خلاف ہے۔

لیکن غنیۃ الناسک جو در حقیقت علامہ سندھی کے متن لباب ہی کی تشریح وتلخیص ہے۔ اس میں حجۃ وعمرۃ کے لفظ کی ایک دوسری تشریح کر کے باذن آمر اجازت کو صرف قران کے لیے مخصوص فرمایا، اور تمتع کی اجازت کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کی عبارات حسب ذیل ہیں:۔

فاذا وقع الاذن بخلافہ کما لو امرہ بالقرآن جاز لانہ قد اتی بما امرہ ولا یصیر مخالفا باحرامہ من مکۃ للاذن بہ دلالۃ وکذا لو امرہ بالتمتع علی القول بجواز النیابۃ فیہ کما سیاتی (ص ۱۷۹)

اس کے بعد فصل نفقہ میں فتاویٰ خانیہ سے امام ابوبکر بن الفضل کا مذکور الصدر نقل کر کے فرمایا:۔

وقولہ ان شئت حجۃ وعمرۃ بتقدیم الحجۃ کما فی النسخ الصحیحۃ بان یحج عنہ اولاً ثم یاتی بعمرۃ لہٗ ایضاً فیکون افرادا بہما، وھکذا فی الکبیر لکنہ قال فیقول حج عنی بھذا کیف شئت ان شئت حجۃ وان شئت

نظر دگئی ہو۔

یہ سب تصانیف حضرت والد ماجد مدظلہم کی فقیہانہ بصیرت کا ناقابل فراموش کارنامہ اور اس صدی کا عظیم علمی سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ طالبانِ علم وعمل کو ان سے بیش از بیش استفادہ کی توفیق بخشے اور احقر کو بھی ان طالبانِ علم وعمل میں شامل فرمالے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

کتبہ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۴ر صفر المظفر ۱۳۹۵ھ

۲۶ر فروری ۱۹۷۵ء

فاقون والباقی الخ فالتقیید بهما مع ان التمتع اسهل و انسب بالتفویض بدل علی ان المتمتع لا یجوز عن الأمر وان کان بامره . ثم سکوتهم عن دم المتمتع حیث قالوا ودم القرآن علی المامور یؤید ذلك ( الی قوله ) ولکن ما زاد فی اللباب یوافقه ما فی البحر وغیره من جواز المتمتع حق الأمر اذا کان بامره کما سیاتی عنقریب ( وقال لقد ذلك ) ودم الرفض علی الحاج وان کان الحج یقع عن الأمر فی القرآن واما فی المتمتع التمتع فلو امره بالتمتع فتمتع عنه فالحج یقع عن المامور لا عن الأمر علی ما مر من المشائخ فاولی ان یکون الدم علیه ( غنیه ص۱۸۴ تا ص۱۸۵ )

## خلاصۂ تحقیق

حضرات فقہاء کی مذکورہ بالا بحث و تحقیق میں غور کرنے سے حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ مذہب کی تصریحات مندرجہ مبسوط وغیرہ سے حج بدل میں قران و تمتع دونوں کے عدم جواز کی علت مخالفت آمر کو قرار دیا ہے اور در صورت تمتع حج کا آفاقی امر کے بجائے مکہ مکرمہ سے ہو جانے کو بھی اسی علت پر مبنی کیا ہے کہ اس میں آمر کی مخالفت ہے۔

اس کا مفہوم ظاہر یہی نکلتا ہے کہ جب یہ علت ممانعت یعنی مخالفت آمر نہ رہے، آمر اجازت دے دے تو قران و تمتع دونوں جائز ہونے چاہییں۔

اور فی نفسہ نیابت کے معاملہ پر غور کیا جائے تو مقتضائے اصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصیل یعنی آمر اگر خود اپنا حج ادا کرتا تو اس کو حج کی تینوں قسموں میں جس کو چاہے اختیار کرنے کا حق تھا کہ افراد کرے یا قران یا تمتع، جب حالت عذر میں شریعت

نے اس کو اپنے نائب کے ذریعہ حج فرض ادا کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو یہ حق مل گیا کہ جن تین قسموں کا اس کو اختیار حاصل تھا وہ اختیار اپنے نائب کو سپرد کردے اور باذن آمر نائب یعنی مامور کے لیے بھی تینوں قسمیں جائز قرار دی جائیں اجازت آمر سے صرف قران جائز ہوسکے، تمتع جائز نہ ہو، اس کی کوئی فقہی وجہ باقی نہیں رہتی۔ قران وتمتع میں فرق کی ایک ہی وجہ ہوسکتی تھی۔ کہ قران میں حج و عمرہ دونوں میقات آمر سے ہورہے ہیں، تمتع میں حج میقات آمر سے نہیں رہتا۔ مگر اوپر مبسوط کی تصریح سے ثابت ہوچکا ہے کہ حج کا آفاقی ہونا کوئی اصلی شرط نہیں۔ اس کو شرط اس لیے کہا گیا ہے کہ عادتاً آمر مامور کو اپنے میقات سے احرام باندھنے کے لیے کہتا ہے۔ اس کے خلاف کرنے میں آمر کی مخالفت ہوتی ہے۔ جب یہ مخالفت آمر کی علت رفع ہوگئی تو تمتع میں حج کے میقاتی نہ ہونے کو علت عدم جواز نہیں کہا جاسکتا۔

خصوصاً جبکہ میقاتی ہونے کی شرط خود اصیل یعنی آمر میں بھی عائد نہیں ہے وہ اگر کسی ضرورت سے سفر کرکے مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور وہیں سے اپنا حج فرض ادا کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔ تو اس کے نائب پر حج کے میقاتی ہونے کی پابندی صرف امر آمر کی اتباع ہی کی بناء پر عائد ہوسکتی ہے۔ جب وہ خود حج کے مکی کرنے کی اجازت دے دے تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

اشتباہ کی ایک وجہ یہ رہ جاتی ہے کہ فقہاء مذہب نے ایک طرف تو یہ واضح طور پر فرمایا کہ حج بدل میں قران وتمتع کی ممانعت کی وجہ مخالفت آمر ہے۔ مگر دوسری طرف اس کے مفہوم مخالف کو اولاً تو قصداً اور نصاً ذکر نہیں فرمایا۔ ضمنی طور پر وجوب دم شکر کے مسئلہ میں فرمادیا کہ جب قران باذن آمر ہو تو بھی دم بذمہ مامور ہوگا۔ اس بیان میں صرف قران کا ذکر کیا ہے، تمتع کا ذکر نہیں کیا۔ اسی عدمِ ذکر کو صاحب غنیۃ نے اس کا قرینہ قرار دیا ہے کہ تمتع جائز نہیں، کیونکہ وہ بھی جائز ہوتا تو قران کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا۔ مگر عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم

# تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| معارف القرآن کامل ۸ جلدیں | ۳۰۰/۰ |
| سیرت خاتم الانبیاء | ۳/۷۵ |
| آداب النبی مجلد | |
| شہید کربلا | ۲/۰ |
| آلات جدیدہ کے شرعی احکام | ۵/۲۵ |
| رویت ہلال کے احکام | ۲/۰ |
| گناہ بے لذت | ۱/۸۰ |
| دو شہید | ۰/۶۰ |
| سنت و بدعت | ۲/۲۵ |
| احکام حج | ۳/۰ |
| ذکر اللہ اور فضائل درود و سلام | ۱/۰ |
| مقام صحابہؓ | ۵/۲۵ |
| کانگریس اور مسلم لیگ | ۱/۰ |
| عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ | ۱/۰ |
| ختم نبوت کامل | ۲۱/۰ |
| کشکول | ۱۸/۰ |
| مصیبت کے بعد راحت | ۲/۰ |
| اوزان شرعیہ | ۱/۵۰ |
| رفیق سفر مع احکام سفر | ۰/۷۵ |
| تاریخ قربانی (مع ضروری احکام) | ۰/۹۰ |
| انسانی اعضاء کی پیوند کاری | ۱/۸۰ |
| مسیح موعود کی پہچان | ۱/۲۵ |
| آداب المساجد | ۱/۵۰ |
| آداب الشیخ والمرید | ۱/۰ |
| علامات قیامت اور نزول مسیح | ۷/۷۵ |
| اسلام کا نظام تقسیم دولت عکسی | ۱/۸۰ |
| " " " " تیمو | ۱/۵۰ |
| " " " " انگریزی | ۱/۸۰ |
| اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات | ۰/۸۰ |
| اسلام کا نظام اراضی | ۱۹/۵۰ |
| قرآن میں نظام زکوٰۃ | ۳/۳۰ |
| ضبط ولادت | ۳/۳۰ |
| مسئلہ سود | ۶/۹۰ |
| بیمہ زندگی | ۳/۰ |
| پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود | ۱/۸۰ |
| احکام دعاء | ۲/۲۵ |
| ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں | ۳/۳۰ |
| نجات المسلمین گناہوں کا کفارہ | ۱/۵۰ |
| التصویر لاحکام التصویر | ۳/۳۰ |

**ملنے کا پتہ:- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴**

کا قائم مقام بغیر کسی واضح دلیل کے نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے صاحب بحر نے اس جگہ قران کو بمعنی جمع بین النسکین قرار دے کر تمتع کو بھی اس میں شامل کر دیا، اس توجیہ پر تمتع کا عدم ذکر بھی باقی نہیں رہتا۔ اور عدم ذکر کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بظاہر کوئی دلیل قران و تمتع میں فرق کرنے والی موجود نہیں۔ لیکن علماء متاخرین میں حضرت ملا علی قاری اور صاحب غنیہ اور ہمارے زمانے کے اکابر علماء خصوصاً فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے زبدۃ المناسک میں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں حج بدل میں قران و تمتع کے فرق اور قران کے جواز اور تمتع کے عدم جواز کو اختیار فرمایا ہے۔ اگرچہ باجازت آمر ہو۔ اس کے ساتھ ائمہ فقہاء کے کلام میں بھی جواز تمتع باذن الآمر کی تصریح باوجود تلاش کے نہیں ملی۔ اس لیے مسئلہ پھر محل غور و تامل ہو گیا۔

عبارات فقہاء میں غور کرنے سے قران و تمتع میں ایک وجہ فرق کی کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فریضۂ حج بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے۔ عذر کی حالت میں اس کی بدنی اور جسمانی حیثیت تو ساقط ہو گئی، اب صرف انفاق مال ہی ادائے فرض کا طریق رہ گیا۔ اور تمتع کی صورت میں یہ مال حج پر خرچ نہیں ہوا بلکہ عمرہ پر خرچ ہو گیا۔ جو فرض نہیں۔ بخلاف قران کے کہ اس میں مال کا خرچ دونوں پر یکساں ہوا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آمر کو قران کی اجازت دینے کا تو حق دیا جائے، تمتع کی اجازت دینے کا اس کو بھی حق نہ ہو، کیونکہ ادائے فریضۂ حج کے لیے اس صورت میں نہ اس کا کوئی عمل ہوتا ہے اور نہ حج پر اس کا مال خرچ ہوتا ہے۔ اس لیے تمتع کی صورت میں اس کا حج ادا نہیں ہونا چاہیے۔ ملا علی قاری وغیرہ جن حضرات فقہاء نے باذن آمر بھی تمتع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، مذکورہ تحریر سے ان کے کلام کی ایک وجہ ظاہر ہو گئی۔ مگر اس کو بھی کوئی قطعیت حاصل نہیں، دوسرے فقہاء صاحب لباب وغیرہ جو جواز تمتع کے قائل ہیں، وہ اس وجہ کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات ناقابل تسلیم نہیں کہ تمتع کی صورت میں انفاق مال حج پر نہیں ہوا کیونکہ

اس نے یہ خرچ کسی عمرہ مفردہ پر نہیں کیا، بلکہ حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم پر کیا ہے جس میں عمرہ مقدم ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ انفاق مال صرف عمرہ پر ہوگیا، حج انفاقِ مال سے خالی رہ گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

# خُلاصۂ فتویٰ

اگرچہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں اور فقہاء متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کا فتویٰ اس سے مختلف ہے۔ وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے اس لیے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو، حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے، تمتع نہ کریں، لیکن اس زمانے میں حج و عمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جاسکیں اور طول احرام سے بچنے کے لیے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں۔ ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لیے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لیے تمتع کرلینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

**حج بدل کے مصارف اور نفقہ**

حج بدل کے لیے تمام ضروری مصارف سفر کی آمد و رفت اور بقدر ضرورت قیام اور ایام حج میں جن چیزوں کی عادتاً ضرورت ہوتی ہے۔ کھانے پینے کی ضروریات، کپڑوں کی دھلائی، رہنے کے لیے مکان یا خیمہ کا کرایہ وغیرہ، وہ سب آمر یعنی حج بدل کرانے والے کے ذمہ ہیں فقہاء رحمہم اللہ نے ان تمام ضروری مصارف کی تفصیل لکھی ہے۔ مگر ہر زمانے کی ضروریات اس کے مناسب ہوتی ہیں، مامور کو چاہیے کہ احتیاط کے ساتھ ان ضروریات کا تعین کرے اور ان میں خرچ کرنے میں نہ اسراف و فضول خرچی سے کام لے نہ بہت تنگی

سے بلکہ متوسط انداز سے خرچ کرے (خلاصہ از مناسک ملا علی) اور بعض مصارف ایسے بھی ہیں جن میں آمر کے مال سے خرچ کرنا جائز نہیں۔ مامور کو خود اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ مثلاً وضو اور غسل کے پانی کی قیمت۔ بیمار ہو جائے تو دوا دارو کا خرچ مامور کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں کسی دوسرے کی تواضع کرنا، اس کو کھلانا آمر کے مال سے جائز نہیں مگر یہ سب اس وقت ہے جبکہ آمر نے اس کی اجازت اور وسعت نہ دی ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ آمر خرچ میں وسعت سے کام لے، مامور کو اجازت دے دے، تاکہ ہر قدم پر اس کو یہ سوچنا نہ پڑے کہ یہ خرچ آمر کے مال سے کروں یا اپنے مال سے، کھانے کے وقت کوئی آجائے اور اس کو شریک کرنا پڑے تو اس میں حساب لگانا نہ پڑے کہ کتنا آمر کے مال پر ڈالے کتنا خود ادا کرے اسی طرح کے معمولی مصارف میں آمر کو چاہیے کہ مامور کو اجازت عام دے دے۔ اس صورت میں باتفاق مامور کو ان سب چیزوں میں آمر کا مال خرچ کرنا جائز ہوگا (مناسک ملا علی)

مسئلہ۔ احرام کے کپڑے اور سفر میں برتنے کی اشیاء آمر کے مال سے خریدنا جائز ہے۔ مگر حج سے فراغت کے بعد یہ سب سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ سب آمر کو یا اس کے وارثوں کو واپس کرنا لازم ہے۔ اگر مامور نے یہ شرط کرلی ہو کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میرا ہے تو یہ شرط بھی باطل ہے کیونکہ یہ حج کرنے کا معاوضہ ہوگا جس کا لینا دینا حرام ہے۔ یہ چیزیں بہرحال اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ البتہ اگر آمر خود اس کو کہہ دے کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میری طرف سے آپ کے لیے ہے یا مرنے والا وصیت کر رہا ہے تو وہ کہہ دے کہ باقی میری طرف سے بطور وصیت مامور کا حق ہے۔ اس صورت میں مامور پر باقی ماندہ نقد اور اشیاء کا واپس کرنا ضروری نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوبکر بن الفضل سے نقل کیا ہے کہ آمر کو ایسا کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ۔ حج بدل کرنے والے کو راستہ میں کسی جگہ قیام کرنا پڑے یا حج سے پہلے اور بعد مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں جہازوں کی روانگی اور ان میں جگہ ملنے کے انتظار میں جتنا

قیام کرنا پڑے۔ اس زمانہ قیام کے نفقات آمر کے مال سے لیے جائیں گے۔ خواہ یہ قیام پندرہ دن سے کم ہو یا زیادہ۔ البتہ اگر اپنی ضرورت سے زائد قیام کرے گا تو اس زائد قیام کے زمانے کا نفقہ خورد و نوش وغیرہ آمر کے مال سے لینا جائز نہیں۔ اس میں اپنا مال خرچ کرنا لازم ہے (یہ سب مسائل ارشاد الساری شرح مناسک ملا علی قاری سے ماخوذ ہیں)

مسئلہ۔ اگر آمر نے تیسرے درجے ڈیک میں سفر کرنے کا خرچ دیا اور مامور اس سے اوپر والے درجے سیکنڈ یا فسٹ میں سفر کرے یا ہوائی جہاز سے سفر کیا تو زائد خرچ مامور کو اپنے مال سے دینا ہوگا۔

تنبیہہ: مگر اس صورت میں اگر مجموعہ خرچ مامور کا آدھے مصارف حج کی برابر یا زیادہ ہو جائے تو قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ آمر کا حج ادا نہ ہو، کیونکہ شرائط حج بدل میں اوپر آچکا ہے کہ حج بدل ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اکثر مال آمر کا خرچ ہو، اس صورت میں اکثر مال مامور کا خرچ ہوگیا، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زیادتی سفر حج کے لوازم میں نہیں۔ بلکہ اپنی راحت کے لیے ہے، اس لیے اس زیادتی کا اثر مامور پر نہیں پڑنا چاہیے۔ مگر فقہاء کے کلام میں باوجود تلاش کے یہ مسئلہ نہیں ملا اس لیے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ ایسی صورت پیش آئے تو دوسرے علماء سے بھی استصواب کر لیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۹۲ھ